دُشمنِ جان
فاطمہ ٹیلز

مکمل ناول

دُشمنِ جان

فاطمہ ٹیلز

میں تم سب کو وہاں لا کر چھوڑوں گی جہاں سے واپسی نہ ممکن ہے۔۔۔ ایک ایسا انجام جس میں پچھتاوے چیخیں بن جائیں اور چیخیں ہمیشہ کے لیے خاموش کر دی جائے۔۔۔۔۔۔

دُشمنِ جان

انتساب:

اللہ کے نام

جو میرے لفظوں کا خالق ہے

میرے دل کا مرہم

اور میری ہر کہانی کا اصل محرک ہے

پیشِ لفظ:

میرا ہر ناول میرے لیے پہلا ہوتا ہے ——کیونکہ ہر کہانی نئ ہوتی ہے، ہر کردار مختلف ہر جذبہ انوکھا۔ اسی طرح دُشمنِ جان بھی میرے دل کے قریب ایک الگ مقام رکھتا ہے۔

جب میں نے دشمنِ جان لکھنا شروع کیا تب ہی اسے اللہ کے سپرد کر دیا تھا۔ اس سفر میں سب سے زیادہ میرا ساتھ میرے رب نے دیا جس کا جتنا شکرادا کروں کم ہے۔

اس کے بعد میں شکریہ ادا کرنا چاہوں گی اپنی دوست زرمینہ کا جس نے ہر لمحہ میری حوصلہ افزائی کی میرے اتار چڑھاؤ کو برداشت کیا اور مجھے مسلسل لکھنے کی طاقت دی۔ میری بہن مریم نے بھی ہر قدم پر میری رہنمائی کی —— وہ بتاتی تھی کہ کہاں کہانی نے قاری کا دل چھو لیا کہاں جذبات زیادہ گہرے ہو گئے۔

میں کہانیاں سوچ کر نہیں لکھتی وہ خود میرے ارد گرد گھومتی ہیں میرے اندر سے نکلتی ہیں۔ شروع میں مجھے لگا یہ ایک چھوٹا سا ناولٹ ہوگا لیکن جیسے جیسے لکھتی گئی کردار خود بنتے گئے جیسے وہ شروع سے اس کہانی کا حصہ تھے۔

یہ ناول میں نے پانچ ماہ سے لکھ رہی ہوں —— کبھی ہنستے ہوئے کبھی روتے ہوئے، اور کبھی مکمل خاموشی میں۔

اب یہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

مجھے ضرور بتائیے گا کہ دشمنِ جان نے آپ کے دل کو چھوا یا نہیں؟

پہلا باب: خاموش آغاز، بے رحم انجام

اور کیا دلکش، کیا بدصورت

اور کیا دلکش، کیا بدصورت

ہر چہرے پر نقاب ہے

ہر شخص باحجاب ہے

——

کمرہ نُما کشادہ کچن میں رکھی گول میز پر علشبہ بیگم جلدی جلدی ناشتہ ترتیب دے رہی تھی۔ میز پر ہر چیز نفاست سے سجی تھی۔ چمچ، گلاس، پلیٹیں سب کچھ اپنی

جگہ پر موجود تھا۔ پراٹھوں کی خوشبو کچن سے نکل کر پورے گھر میں پھیل چکی تھی۔ جیسے کسی نے صبح کی شروعات خوشبو سے بھر دی ہو۔

"ابراہیم آپ جاکر فاطمہ کو جگادے پھر کہے گی ماما میں لیٹ ہو گئی" علشبہ بیگم نے چولہے سے پلٹے بغیر بلند آواز میں کہا۔

ابراہیم صاحب جو ابھی ڈائننگ چیئر پر بیٹھنے ہی والے تھے بیگم کی آواز پر رُک گئے۔

"علشبہ میرے لیے اسٹرونگ سی چائے بناؤ میں فاطمہ کو جگا کر آیا" اُنھوں نے اخبار میز پر رکھ دیا اور اپنے قدم فاطمہ کے کمرے کی طرف بڑھائے۔

"سکینہ! جلدی جاکر اماں بی کو بُلالو میں تب تک چائے رکھتی ہوں" کہتے ساتھ چائے کا سامان چولہے پر رکھنے لگی۔

"جی بیگم صاحبہ" سکینہ جوس کا جگ کچن سلیب پر رکھا اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔

دن کا اجالا ہر طرف پھیل چکا تھا سورج کی کرنیں کھڑکی کے شیشے سے چھن کر کمرے کے فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔ مگر ایک لڑکی ایسی بھی تھی جو ابھی تک نیند کی آغوش میں تھی۔

اسے دو چیزیں سب سے زیادہ عزیز تھیں—— مکمل نیند اور اپنے پیشے سے سچی لگن۔ وہ تھی لاہور کی مشہور و معروف جرنلسٹ فاطمہ ابراہیم۔

کمرہ نہ بہت بڑا تھا نہ ہی تنگ—— بس اتنا جتنا ایک سنجیدہ لکھاری کو درکار ہو۔ بیڈ کے دونوں طرف چھوٹی سی سائیڈ ٹیبل رکھی تھی جن پر کتابیں گھڑی، اور چائے کے خالی کپ گویا اُس کی رات بھر کی تنہائی کا حال سنا رہے تھے۔

چہرے پر بکھرے بال کسی آبشار کی طرح اُس کے گالوں سے بہتے دکھائی دے رہے تھے۔ ارد گرد ہر طرف کاغذات بکھرے تھے۔

فاطمہ کو لکھنے کا شوق نہیں جنون تھا۔ وہ خاموش رہ کر زیادہ بولتی تھی— کاغذوں پر حروف کی صورت میں۔

اچانک الارم بجنے لگا۔

"اُف! یہ الارم اتنی جلدی صبح ہو گئی"

اس نے بلینکٹ سائیڈ پر کرتے ہوئے آنکھیں مسلیں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ کمرے پر ایک نظر ڈالی اور اس کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"یااللہ کمرہ تو جیسے بغاوت پر اُتر آیا ہے"

کمرے کی بے ترتیبی جیسے خود اس سے شکایت کر رہی ہو۔

"اللہ اگر والدین کو بیٹی دے تو سلیقے والی دے"

ہمیشہ کی طرح اپنی مخصوص شکایت دہراتے ہوئے وہ واش روم میں گھس گئی۔

ابھی وہ اندر ہی تھی کہ باہر سے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"فاطمہ بیٹا جاگ گئی ہو"

ابراہیم صاحب دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔

اندر سے جھاگ بھری آواز ابھری۔

"با... بامیں برَش کر رہی ہوں آپ چلیں میں پانچ منٹ میں تیار ہو کے آتی ہوں"

برش منہ میں دباتھاایک ہاتھ میں فیس واش دوسرے سے ٹونر سنبھالنے کی کوشش زندگی بے ترتیب ضرور تھی مگر فاطمہ کے لیے مکمل تھی۔

ابراہیم صاحب مسکرادیے جیسے یہ روز کا منظر ہو۔

"اوکے میں جارہاہوں۔ لیکن جلدی آجاناایسانہ ہو کہ تمہاری مما لینے آجائیں اور تم جانتی ہو وہ اکیلی نہیں آتیں"

فاطمہ نے دروازے کے پار سے سوالیہ انداز میں کون" کہا جیسے مطلب نہ سمجھا ہو۔

"اپنے ہتھیار ساتھ لے کر آتی ہیں وہی وائپر اور جوتا! تم جانتی ہو تمہارے معاملے میں ان کا جوتا ہمیشہ لوڈڈ رہتا ہے" ابراہیم صاحب نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔

فاطمہ نے بے بسی سے سر جھٹکا۔ اُسے اپنی ماں کی صبح سویرے والی گھورتی نظریں اور جوتا اٹھانے کی پھرتی اچھی طرح یاد تھی۔ دیر تک سونے پر اُنہیں شدید چِڑ تھی اور ہونی بھی چاہیے آخر فاطمہ بھی تو ایسا سوتی جیسے گھوڑوں سے نیند کی شرط لگا رکھی ہو۔

"او کے بابا"

فاطمہ نے واش روم سے ہانک لگائی۔

نیچے ناشتہ گاہ میں روز کی طرح گرمی سی تھی۔

"علشبہ ابراہیم کہاں ہے آیا نہیں ابھی تک ناشتے پر"

اماں بی اپنی سربراہی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے سخت لہجے میں بولیں۔ سامنے علشبہ بیگم چائے کی کیتلی سے کپ بھر رہی تھیں۔

"اماں وہ فاطمہ کو جگانے گئے ہے لو آ گئے"

علشبہ بیگم نے اُن کی توجہ زینے سے اُترتے ابراہیم صاحب کی جانب مبذول کروائی۔

ابراہیم صاحب نے خاموشی سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے چائے کا کپ تھاما ہی تھا کہ اماں بی کی توپ پھر چل پڑی۔

"یہ لڑکی اگر سو جائے تو جیسے اُٹھنا بھول جاتی ہے۔ اور اُسی پر تم دونوں میاں بیوی نے رپورٹر بنا دیا ہے ذرا نہیں بھاتا مجھے اُس کا کام"

ان کے لہجے میں وہی پرانی تلخی تھی۔

"وہ لڑکی ذات ہے کل کو کچھ اُونچ نیچ ہو گئی تو کیا کرو گے پھر یہ لاڈ پیار کہاں کام آئے گا"

اماں بی کا تبصرہ روز کی طرح آج بھی جاری تھا۔

فاطمہ کو اپنی دادی کی یہ روز کی باتیں زہر لگتی تھیں۔ اور دادی کو فاطمہ کا ہر انداز۔ لیکن دونوں کی ایک مجبوری تھی ایک ہی چھت کے نیچے رہنا اور ایک دوسرے کو برداشت کرنا۔

علشبہ بیگم ناشتہ لگانے میں مصروف تھیں اور ابراہیم صاحب حسبِ عادت اپنی بیٹی کی حمایت میں ایک بار پھر ڈھال بنے کھڑے تھے۔

"اماں مجھے اللہ پر پورا یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہو گا آپ بے فکر ہو کر ناشتہ کریں" ان کے لہجے میں اعتماد کی وہی پرانی مٹھاس تھی جس میں شفقت بھی شامل تھی۔

ابھی اماں کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ اچانک دروازہ ایک مخصوص بے پروائی سے کھلا۔

"ہیلو ایوری ون ہائے مائے اولڈ گرینی"

دروازے پر فردان امروز کھڑا تھا—— گویا کسی فلم کا ہیرو کوئی خاص اینٹری دے رہا ہو ہاتھ میں بائیک کی چابیاں چکراتی ہوئی بلیک پینٹ پر گرے شرٹ آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی اور بال بڑی نفاست سے پیچھے سیٹ کیے ہوئے۔ اس کی خود اعتمادی چہرے سے چھلک رہی تھی اور انداز ایسا کہ جیسے پورا منظر اس کی آمد کا ہی منتظر تھا۔ بلاشبہ وہ خوبرو تھا مگر خود پسندی کا خول اس کی شخصیت پر چھایا ہوا تھا۔

اماں نے پیار سے ڈپٹا" تمہیں کتنی دفعہ کہا ہے فردان سلام لیا کرو کیا اول فول بولتے رہتے ہو"

فردان شوخی سے ہنسا۔

"نیکسٹ ٹائم اس بات پر عمل کروں گا اولڈ گرینی"

پھر وہ یکایک ابراہیم صاحب کے گلے لگ گیا جیسے برسوں بعد کوئی پردیسی لوٹا ہو۔

"چاچو کیسے ہیں آپ اور آپ کی لیڈی کہاں ہیں کہیں دکھ نہیں رہی"

اس نے گردن گھما کر اداکاری سے ارد گرد نظریں دوڑائیں جیسے واقعی کسی گمشدہ کردار کو تلاش کر رہا ہو۔

"فردی میں یہاں ہو"

علشبہ بیگم کچن سے نکلتے ہوئے اچانک نمودار ہوئیں اور سیدھا فردان کے کان کو نشانہ بنایا۔ ان کے ہاتھ کا پیار بھرا مگر سخت جھٹکا فردان کی خودساختہ نازکی پر بجلی بن کر گرا۔

"نہیں لیڈی پلیز یہ نہیں" وہ تڑپ کر بولا۔

"میری اسکن کتنی نازک ہے فوراً ریڈ ہو جائے گی پلیز چھوڑ دیں"

گویا کان نہیں دل پکڑا جا رہا ہو۔ وہ لڑکیوں سے بھی زیادہ اپنی جلد کی حفاظت کرتا تھا اور آج تو علشبہ بیگم نے جیسے اس کی پوری دنیا ہلا دی۔

"پاگل ہو تم فردان"

علشبہ بیگم نے پیار والے غصہ سے جھاڑا۔

"چلو بیٹھو ناشتہ کرو ٹھنڈا ہو رہا ہے"

ابراہیم صاحب نے موقع غنیمت جانتے ہوئے پراٹھوں کی طرف اس کا دھیان دلایا۔

مگر فردان تو جیسے کسی اور دنیا میں رہتا تھا۔

"نو نو چاچو آج پراٹھا نہیں کھاؤں گا۔ یو نو وٹ اسکن خراب ہو جاتی ہے"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے گالوں پر ہاتھ پھیرا جیسے چمکدار آئینے پر گرد نہ لگنے دے رہا ہو۔

ابراہیم صاحب نے بے بسی سے سر تھاما۔

"توبہ ہے فردان مجھے لگتا ہے تمہیں لڑکی ہونا چاہیے تھا۔ اتنے ایشوز ہیں تمہارے اتنے تو لڑکیوں کے بھی نہیں ہوتے"

اسی لمحے فردان نے آنکھیں گھما کر ادھر اُدھر دیکھا۔

" گرینی وہ lizard کہاں ہے نظر نہیں آرہی آج"

اس نے لفظ lizard پر خاصا زور دیا جیسے کوئی شاہی اعلان کر رہا ہو۔

اماں بی نے ناک سکیڑ کر پوچھا۔

"کون vizard"

انگریزی میں ان کی فہم کی بس ایک خاص حد تھی۔

فردان نے فوراً تصحیح کی۔

"نو نو گرینی It's lizard not vizard"

چہرے پر مصنوعی سنجیدگی اور اندر سے ہنسی چھپاتے ہوئے اپنی انگریزی کی برتری سے لطف لیتا رہا۔

علشبہ بیگم نے چائے کی پیالی میز پر رکھی اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری کرسی کے پیچھے کھڑی ہے یہ Lizard"

یہ کہتے ہی انہوں نے فردان کی کمر پر ہلکا سا دھموکا رسید کیا۔

فردان جو جوس کا گھونٹ اندر لے جا رہا تھا، گھبراہٹ میں سارا جوس منہ سے باہر لا بیٹھا۔ کھانستے ہوئے فوراً پیچھے مڑا۔

"اوہہہ"

اس کی نظریں جیسے جم گئیں۔ فاطمہ پشت پر ہاتھ باندھے، خونخوار نظروں سے اسے گھور رہی تھی جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں صاف کہہ رہی ہو۔

"اب تم گئے کام سے"

فردان ہکلاتے ہوئے بولا۔

"وہLizard... میرا مطلب فاطمہ میں تو تمہارے بارے میں ہی پوچھ رہا تھا"

اس نے فوراً اپنی زبان سنبھالی مگر فاطمہ کی نگاہوں کی تپش اس کی جلد پر صاف محسوس ہو رہی تھی۔

ابراہیم صاحب نے فضا کو سنبھالتے ہوئے بات کا رخ موڑ دیا۔

"فاطمہ بیٹا آج کس کا انٹرویو ہے"

"بابا آج میٹنگ ہے۔ منڈے کو جن کا انٹرویو ہے ان کی ڈیٹیلز آج ڈسکس ہوں گی"

فاطمہ نے سنجیدگی سے بریڈ پر جیم لگاتے ہوئے کہا۔

فردان جو زیادہ دیر سنجیدگی برداشت نہیں کر سکتا تھا، فوراً میدان میں آیا۔

"میں بھی سوچوں آج Lizard میرا مطلب ہے فاطمہ نے چہرے پر اتنی پیٹنگ کیوں کی ہے"

اپنے مخصوص طنزیہ لہجے میں بولا۔

اس نے ادا سے اپنی انگلی فاطمہ کی طرف گھمائی جیسے وہ کوئی راز فاش کر رہا ہو۔

فاطمہ کی نظریں اماں بی پر پڑیں جو ابھی وہیں بیٹھی تھیں اس لیے وہ کچھ لمحے خاموش رہی مگر فردان کا مذاق حد سے بڑھ گیا تھا۔

"تو تمہیں تکلیف ہے" بالآخر وہ تپ کر بولی۔

اس کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ کمرے کی فضا چند لمحوں کے لیے ساکت ہو گئی۔

"کیا ہو گیا ہے لڑکی تمہیں بچے نے صرف مذاق کیا ہے اتنا تپ کیوں رہی ہو" اماں بی نے فوراً فاطمہ کی بات کاٹ دی۔

انہوں نے فردان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تسلی دی اور فاطمہ پر ایک ناراض نظر ڈالی۔

اُس نے ضبط کیا مگر اس کی آنکھوں میں ابھی بھی چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ فردان نے مسکراہٹ دباتے ہوئے آنکھ ماری ــــ جیسے جنگ جیت چکا ہو۔

"دادی ماں میں نے بھی بس مذاق ہی کیا تھا۔ کیوں فردان بتاؤ نہ"

فاطمہ نے مسکین سی شکل بناتے ہوئے فردان کی پسلیوں میں چپکے سے کہنی ماری۔

"جی اولڈ گرینی یہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے "فردان نے کراہتے ہوئے پیٹ پکڑا۔

وہ بمشکل درد برداشت کرتا ہوا بولا۔ اُسے تو اگر پھول بھی لگ جائے تو پتھر کا وار محسوس ہوتا اور یہ تو کہنی تھی۔

"فاطمہ بیٹا آپ میرے ساتھ جاؤ گی یا خود"

ابراہیم صاحب کرسی سے اٹھتے ہوئے نرمی سے بولے۔

" بابا آپ چلے جائیں میں فردان کے ساتھ چلی جاؤں گی اور واپسی بھی 'مس بیوٹی' کے ساتھ ہی کر لوں گی مجھے تائی امی سے بھی ملنا ہے"

فاطمہ نے اطمینان سے جیم لگی بریڈ کی آخری بائٹ لی۔

فردان جو بے فکری سے جوس پی رہا تھا 'مس بیوٹی' اپنے لیے سن کر گھونٹ اندر لیتے لیتے تقریباً غش کھا گیا۔

"اوکے اللہ حافظ۔ اماں بی میں چلتا ہوں"

ابراہیم صاحب نے جاتے ہوئے فردان کو تاکید کی۔

"فردان بیٹا بائیک دھیان سے چلانا"

"جی چاچو آپ بے فکر رہیں۔ آج Lizard میرے ساتھ جا رہی ہے تو بائیک بہت دھیان سے چلانی پڑے گی کہیں ہوا کے پریشر سے یہ چھپکلی کسی اور کی بائیک کے ساتھ نہ چپک جائے"

فردان نے ایک آنکھ دبا کر جواب دیا۔

یہ کہتے ہوئے وہ دانتوں میں ہنسی دبائے بیٹھا تھا۔ اگر فردان جواب نہ دیتا تو وہ فردان امروز نہ ہوتا۔

"اچھا بس کرو اب جھگڑا شروع مت کرنا سکون سے ناشتہ کرنے دو۔ جاؤ اپنے کاموں کو دیکھو"

اماں بی نے فاطمہ کو گھورتے ہوئے کہا جواب بھی ہونٹوں پر جواب لیے تیار بیٹھی تھی۔

"میں باہر جا رہی ہوں۔ اگر تمہیں لگے کہ جوس سے تمہارا پیٹ بھر گیا ہے تو آ جانا"

فاطمہ کرسی سے اٹھتے ہوئے قدرے سرد لہجے میں بولی۔

وہ ماتھے پر سن گلاسز ٹکائے بلیک پینٹ سوٹ میں پوری تیاری کے ساتھ کھڑی تھی۔

چہرے پر بلا کی معصومیت اور مستقل سنجیدگی۔۔۔ جیسے ہر وقت اپنے خیالات میں گم رہتی ہو۔

فاطمہ خوبصورت تھی مگر اس کی خوبصورتی میں سب سے نمایاں چیز تھیں وہ سیاہ آنکھیں — جو ضرورت سے کچھ زیادہ ہی گہری محسوس ہوتی تھیں، جیسے کسی راز کو چھپائے بیٹھی ہوں۔

"میں بھی کہوں یہ جوس آج کی صدی میں ختم کیوں نہیں ہو رہا تم جو نظریں گاڑے بیٹھی ہو"

فردان نے جوس کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے بائیک کی چابیاں اٹھائیں کھڑا ہو گیا۔

"شٹ اپ" فاطمہ نے اسے مختصر اور دوٹوک جواب دیا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اکبر صاحب کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے امروز اکبر جن کی شادی انہوں نے اپنی بھتیجی حفصہ سے کروائی تھی —— جو نہایت نیک سیرت اور سادہ دل خاتون تھیں۔ اللہ تعالٰی نے امروز اور حفصہ کو دو بیٹوں کی نعمت سے نوازا تھا: بڑا بیٹا سیّام میر امروز جو ستائیس برس کا تھا اور چھوٹا بیٹا فردان امروز جس کی عمر پچیس سال تھی۔

اکبر صاحب کی وفات کے بعد امروز صاحب نے علیحدہ مکان لے لیا تھا تاکہ بیوی بچوں کے ساتھ پر سکون زندگی گزار سکیں۔ وہ اب عمر کے اس حصے میں داخل ہو چکے تھے جہاں انسان کو آرام سکون اور بچوں کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔

سیّام ان دنوں روزگار کی تلاش میں دربدر تھا۔ ہر روز ایک نیا انٹرویو ایک نئی امید اور اکثر مایوسی ساتھ لیے لوٹتا۔ خوددار اور سنجیدہ مزاج کا مالک تھا لیکن قسمت شاید اُس کے ساتھ کچھ روٹھ سی گئی تھی۔

دوسری طرف فردان نے حال ہی میں ایم بی اے مکمل کیا تھا۔ ذہین تھا لیکن مزاج کچھ نخریلا۔ چھوٹی موٹی نوکری اُس کی ناک پر نہیں بیٹھتی تھی۔ وہ چاہتا تھا یا تو کام ہی نہ کرے، اور اگر کرے تو ایسی نوکری ہو جو کم مشقت میں زیادہ وقار دے۔

ابراہیم صاحب نے اپنی پسند سے علشبہ بیگم سے شادی کی تھی اور خوش قسمتی سے یہ رشتہ دونوں خاندانوں کو بھی منظور تھا۔ ان کی ازدواجی زندگی محبت ہم آہنگی

اور اعتماد پر مبنی تھی۔ اس خوشگوار رشتے سے ان کے ہاں صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی، جس کا نام انہوں نے فاطمہ رکھا۔

فاطمہ ایک باوقار پُرکشش اور ذہین لڑکی تھی۔ اب وہ چوبیس برس کی ہونے کو تھی۔ اُس کا قد لمبا اور اُس کی جسامت دبلی پتلی تھی۔ اُس کے نین نقش نہایت تیکھے اور پرکشش تھے لیکن جو چیز اُسے سب سے منفرد بناتی تھی وہ اُس کی گہری سیاہ آنکھیں تھیں—— ایسی آنکھیں جن میں دیکھنے والا کھو جائے۔

بچپن ہی سے فاطمہ کو ٹی وی پر آنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ اُسے کیمرے کے سامنے ہونے میں ایک خاص کشش محسوس ہوتی تھی۔ یہی شوق وقت کے ساتھ شوق سے خواب اور پھر خواب سے مقصدِ حیات بن گیا۔ چنانچہ اُس نے اپنا

رجحان میڈیا سائنس کی تعلیم کی طرف موڑ لیا۔ اُس کا پختہ ارادہ تھا کہ وہ ایک کامیاب اینکر پرسن بنے گی۔

اگرچہ اماں بی نے اُسے بہت بار سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ شعبہ لڑکیوں کے لیے مناسب نہیں اور معاشرے کی روایتی سوچ سے ٹکر لینا آسان نہیں ہوگا لیکن فاطمہ نے اپنی بات منوا کر ہی دم لیا۔

فاطمہ نے سخت محنت لگن اور صلاحیت کے بل پر خود کو منوایا۔ آج وہ لاہور کی ایک معروف اور قابلِ اعتماد رپورٹر کے طور پر جانی جاتی ہے۔ اُس کی آواز اندازِ بیان اور خود اعتمادی نے ناظرین کے دل جیت لیے ہیں، اور وہ اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدل چکی ہے۔

ــــــــــــــــــــــــــ

"سیام ناشتہ بناؤ تمہارے لیے" حفصہ بیگم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں اور سیام کو دیکھنے لگیں جو آج کے انٹرویو کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ بلیک پینٹ پر سفید شرٹ پہنے بال سلیقے سے سیٹ کیے وہ آستینیں چڑھا رہا تھا۔

"جی امی بنا دیں" سیام نے ایک نظر ماں کی طرف دیکھا اور جوتے پہننے لگا۔

"امی فردان کہاں ہے آج کوئی آواز ہی نہیں آ رہی خیریت تو ہے" جوتے پہنتے ہوئے اچانک فردان کا خیال اسے آیا۔

"وہ تمہارے چچا کے گھر گیا ہے۔ دن میں دس بار نہ جائے وہاں تو اُسے سکون ہی نہیں ملتا" حفصہ بیگم کپڑے سمیٹنے لگیں۔

"وہاں تو اس وقت پانی پت کا میدان لگا ہو گا" سیام کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ آگئی۔

"بس میری تو یہی دعا ہے کہ جلدی سے یہ پانی پت کا میدان میرے گھر میں لگے" حفصہ بیگم بیڈ سے گیلا تولیہ اُٹھاتے ہوئے بولیں۔

"کیا مطلب میں سمجھا نہیں" وہ فوراً اُن کا اشارہ سمجھ گیا تھا مگر پھر بھی انجان بننے لگا۔

"زیادہ میسنے مت بنو فاطمہ کو اپنی بہو بنانے کی بات کر رہی ہوں"

حفصہ بیگم نے اُس کے کندھے پر چٹکی بھرتے ہوئے کہا۔ وہ ماں تھیں اور ماں دل کی بات جان لیتی ہے۔ وہ جانتی تھیں کہ سیام میرا اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ فاطمہ ابراہیم ہے۔ ہاں وہ اظہار نہیں کرتا مگر دل کا حال چہرے سے عیاں تھا۔ فاطمہ بیس کی اور سیام تئیس کا تھا تب ہی دونوں کی بات پکی کر دی گئی تھی۔

"میسنا نہیں ہوں امی سچ میں آپ کی بات نہیں سمجھا تھا" سیام نے بٹوہ پینٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ابّو سے بات کرو کہ وہ ابراہیم سے تمہاری شادی کی بات کریں" حفصہ بیگم نے اُمید بھرے لہجے میں کہا۔

"امی پہلے جاب تو مل جائے پھر جو آپ کا دل کرے ضرور کیجیے گا" اُس نے ماں کی معصوم خواہش پر انھیں گلے سے لگالیا۔

"ان شاءللہ آج ہی مل جائے گی دیکھنا تم" حفصہ بیگم نے اس کے ماتھے پر محبت بھرا بوسہ دیا۔

"ان شاءللہ چلیے میں نکلتا ہوں۔ ناشتہ راستے میں کرلوں گا اللہ حافظ" ماں کا ماتھا چوم کر ریڈ فائل ہاتھ میں اٹھائی اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے کی کھڑکی سے نیلے آسمان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے دکھائی دے رہے تھے جیسے کوئی ادھورا خواب فضا میں بکھرا ہو۔ باہر کی وسعت میں سکون تھا لیکن کمرے کے اندر ایک بے نام اداسی کی چادر تنی ہوئی تھی۔ دل کے خلا کا سایہ ہر طرف محسوس ہو رہا تھا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی رئیسہ خود کو نامکمل محسوس کرتی تھی۔ اُسے مکمل ہونے کی نہیں بلکہ سمجھے جانے کی خواہش تھی۔

لمبے ریشمی بال اکثر ڈھیلے جوڑے میں بندھے رہتے چہرے پر غرور کا تاثر ہمیشہ قائم رہتا۔ اُس کی آنکھیں گہرے سمندر جیسی تھیں خاموش پر خطرناک ان میں ایسی کشش تھی کہ وہ کسی محفل میں داخل ہو تو باتیں تھم جاتیں نگاہیں اُس پر رک جاتیں۔ مگر یہ سب صرف ظاہر تھا۔

اصل رئیسہ بدر خان کچھ اور تھی۔ بدر خان کی اکلوتی بیٹی خان انٹرپرائزز کی مالک۔ ظاہری طور پر وہ بد تمیز اور سخت مزاج سمجھی جاتی تھی حالانکہ وہ خود کو محض "صاف گو" یا "اسٹریٹ فارورڈ" سمجھتی تھی۔

بچپن کے بیشتر لمحے اُس نے ماں کو پارٹیوں میں اور باپ کو ہمیشہ ملک سے باہر پایا۔ محبت کے نام پر کبھی کریڈٹ کارڈ مل جاتا تو کبھی "پراوڈ آف یو" جیسا کوئی رسمی پیغام۔ دل کی گہرائیوں میں ایک سوال اکثر گونجتا تھا۔

"کیا ہر چیز کا مول ہوتا ہے کیا ہر رشتہ خریدنا پڑتا ہے"

پھر وہ خود سے کہتی "سب کچھ ہے میرے پاس پھر بھی کہیں خالی سا ہے۔۔۔ شاید دل۔۔۔"

مسلسل فون کی بیپ اُس کی سوچوں کا تسلسل توڑ گئی۔ وہ کب سے کھڑکی کے پاس کھڑی خاموش بادلوں کو دیکھ رہی تھی جیسے اُن میں اپنے دل کی اداسی تلاش کر رہی ہو۔

"ہیلو فرہاد بولو" اُس نے فون کان سے لگایا لہجہ سپاٹ تھا۔

فرہاد رئیسہ کا موجودہ بوائے فرینڈ اُس خلا کو پُر کرنے کی ایک اور ناکام کوشش تھا جو اُسے کبھی اپنے گھر سے محبت کی صورت میں نہیں ملا۔ جس محبت کی طلب میں وہ تھی وہ اُسے کبھی ماں باپ سے نہ ملی، اس لیے اُسے باہر تلاش کرنے لگی——اور بار بار دھوکہ کھاتی رہی۔ چند ہفتے قبل شہباز نامی لڑکے سے اُس کا تعلق تھا جس سے بریک اپ کے بعد اُس نے فرہاد کو چن لیا۔ وہ محرم و نا محرم کے فرق سے نا آشنا تھی——اور یاد رکھتی بھی کیسے؟ دین کی بات تو اُس کے کان میں کبھی پڑی ہی نہیں تھی۔

"یار کہاں ہو تم ہم نے آج باہر بریک فاسٹ کرنا تھا" فرہاد کا لہجہ خفا تھا۔

"یار بھول گئی" رئیسہ نے نائٹ پہنے بالوں کو انگلیوں میں الجھاتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

"کیا مطلب بھول گئی یہ کوئی بھولنے والی بات تھی" فرہاد کا غصہ بڑھنے لگا۔

"مطلب وہی جو کہا—— بھول گئی آئندہ مجھ سے اس ٹون میں بات مت کرنا" رئیسہ کو لگتا تھا کہ وہ جیسے چاہے بات کرے اور سامنے والا ہمیشہ اُس کی عزت کرے۔ اُسے معلوم تھا کہ زیادہ تر لوگ اُس کے قریب اُس کی دولت کی وجہ سے تھے—— اور اُسے اسی بات کا گھمنڈ تھا۔

"سوری یار بس برا لگ گیا۔ جیسے میں تمہاری ہر بات یاد رکھتا ہوں تمہیں بھی رکھنی چاہیے نا" فرہاد کا لہجہ نرم ہو گیا۔

"او کے نیکسٹ ٹائم یاد رکھوں گی" رئیسہ نے احسان جتانے والے انداز میں جواب دیا۔

ابھی وہ بات کر رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"کمنگ" اُس نے آواز دی۔

دروازہ کھلا اور لیرا اندر داخل ہوئی۔ وہی لیرا جو بچپن سے رئیسہ کی آیا تھی اُس کی ضرورتوں اور تنہائیوں کی خاموش گواہ۔

"میڈم سر کا پیغام ہے اگر آپ جاگ گئی ہیں تو نیچے آ جائیں" لیرا نے ادب سے کہا۔

"ڈیڈ کب آئے" رئیسہ نے فون کان سے لگائے لگائے ہی پوچھا۔

"جی وہ کل رات واپس آ گئے تھے۔ شاید آپ اُس وقت کلب میں تھیں"

رئیسہ کو یاد آیا وہ رات دیر سے آئی تھی حسبِ معمول۔

"ہمم او کے تم جاؤ آ رہی ہوں" اُس نے ہاتھ کے اشارے سے لیرا کو جانے کو کہا۔

"فرہاد میں بعد میں بات کرتی ہوں ڈیڈ بلا رہے ہیں" اُس نے حکم دینے کے انداز میں کہا۔

"او کے ڈارلنگ گڈ بائے" فرہاد نے شرارت سے کہا۔

"او کے بائے" رئیسہ کے لبوں پر ایک ہلکی بے رنگ سی مسکراہٹ آگئی جیسے وہ خود کو بھی یقین نہ دلا پارہی ہو کہ واقعی کوئی جذبات باقی ہیں۔

رئیسہ بدر خان کا گھر کسی خوابوں کے محل سے کم نہ تھا۔

شیشے سے مزین دیواریں دھوپ کی روشنی میں چمکتی تھیں اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سورج کی کرنیں خود اس محل کو چھونے آئی ہوں۔ وسیع و عریض صحن کے بیچوں بیچ لگا فوارہ پانی کی مدھم مدھم آواز کے ساتھ کسی سُر میں گنگنا رہا تھا۔ باہر سے اندر داخل ہوتے ہی ایک عجیب سا سکون اور ساتھ ہی ایک سرد مہری کا احساس ہوتا جیسے یہ محل اپنی خوبصورتی میں قید ہو مگر خالی ہو جذبات سے گرمجوشی سے۔

جیسے ہی دروازہ پار کر و سب سے پہلے جو شاندار منظر سامنے آتا ہے وہ ہے ڈرائنگ روم۔

ایک بے حد وسیع اور خوبصورتی سے سجا ہوا کمرہ جس کی ہر چیز اپنی قیمت اپنی حیثیت خود بول رہی تھی۔ ہاتھ سے تراشے گئے قیمتی لکڑی کے فرنیچر پر نفیس

نقش و نگار تھے۔ چھت پر لگا بڑا سا کرسٹل فانوس شام کو پورے کمرے کو جادوئی چمک سے بھر دیتا۔ دیواروں پر قدیم مصوروں کی نایاب پینٹنگز آویزاں تھیں اور درمیان میں رکھی گول میز پر رکھا تازہ پھولوں کا گلدستہ خوشبو بکھیر رہا تھا۔ صوفے اتنے آرام دہ اور شاہانہ تھے کہ ان پر بیٹھ کر انسان خود کو کسی شہزادی سے کم نہ سمجھے۔

رئیسہ نرم قدموں سے سیڑھیاں اُترتی ہوئی نیچے آئی۔

اس کی آنکھیں سیدھی ڈرائنگ روم کے کونے میں بیٹھے بدر خان پر پڑیں جو اس وقت کال پر مصروف تھے۔ وہ ایک باوقار شخصیت کے مالک تھے قیمتی لباس اور ہاتھ میں چمکتی گھڑی کے ساتھ مگر اُن کی آنکھوں میں ایک دائمی تھکن اور خالی پن تھا——شاید وقت اور رشتوں کی ناپائیداری کا بوجھ۔

"مارننگ ڈیڈ" رئیسہ نے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

بدر خان نے فوراً کال بند کر دی اور محبت بھرے انداز میں باہیں پھیلا دیں تاکہ بیٹی کو گلے لگا سکیں مگر رئیسہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔

"ڈیڈ پلیز مجھ سے یہ ملنے ملانے والے کام نہیں ہوتے آپ نے جس کام کے لیے بلایا ہے وہ بتا دیں"

اس کا لہجہ سپاٹ تھا جذبات سے عاری جیسے برسوں کی ناراضگی اور محرومی نے اُس کے لہجے کو پتھرا دیا ہو۔

بدر خان نے گہرا سانس لیا۔

"میں نے تم سے خان انٹرپرائزز کی بات کرنی تھی۔ تمہارے کہنے پر کمپنی تمہارے نام کی تھی بٹ تم وہاں جاتی نہیں ہو۔ مینجر کی کال آئی تھی وہ بتا رہا تھا کہ وہاں سب کچھ بکھرا پڑا ہے"

"میرا آج وہاں جانے کا پلان تھا"

رئیسہ نے لاپرواہی سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"رئیسہ وہ سیر گاہ نہیں ہے وہ آفس ہے اُسے آفس کی طرح ڈیل کرو اگر نہیں کرنا تو ابھی بتا دو"

بدر خان کے لہجے میں تلخی تھی مگر ساتھ ہی بے بسی بھی۔ وہ جانتے تھے کہ بیٹی میں لاپروائی کیوں ہے مگر اب وہ وقت گزر چکا تھا جب وہ اُسے سینے سے لگا کر سب ٹھیک کر سکتے۔

"اوکے ڈیڈ آج سے جاؤں گی ایک سی ای او کی حیثیت سے"

وہ اپنی اہمیت جتانا نہ بھولی جیسے اُسے اب صرف اختیار سے محبت رہ گئی ہو رشتوں سے نہیں۔

"اوکے آج میں بھی جاؤں گا دو چار انٹرویوز لینے ہیں نیو مینجر کی سلیکشن کرنی ہے آطف صاحب اب اُس پوزیشن پر نہیں رہ سکتے کسی ینگ اور ایکٹیو بندے کی ضرورت ہے"

بدر خان نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اوکے میں ریڈی ہو جاتی ہوں بائے داوے موم کہاں ہیں"

اچانک اُسے ماں کا خیال آیا۔

"وہ کل پارٹی سے لیٹ آئی تھیں شاید سو رہی ہیں"

بدر خان نے لاپروائی سے جواب دیا جیسے ماں کا ذکر ایک روٹین کا جملہ ہو۔ اُس کے لیے وقت ہمیشہ کم رہا خاص طور پر بیٹی کے لیے۔

"وہ وقت پر آتی کب ہے"

رئیسہ طنزیہ لہجے میں کہتی ہوئی تیز قدموں سے باہر کی طرف نکل گئی محل کی دیواروں میں اپنے اندر کی تنہائی اور خالی پن سموئے ہوئے۔

"فردان تمیز سے بائیک چلاؤ"

فاطمہ چیخ کر بولی جب بائیک ایک بار پھر جھٹکا کھا کر رفتار پکڑ گئی۔ فردان جو ہیلمٹ میں خود کو ولسن بھائی اور دل میں ٹام کروز سمجھ رہا تھا ہنستے ہوئے بولا۔

"تمیز وہ تو میں شادی کے بعد لے کر آؤں گا ابھی صرف تھرل ایڈونچر اور تمہارے کے اعصاب کا امتحان ہے"

بائیک کبھی بل کھاتی سانپ بن جاتی تو کبھی فٹ پاتھ سے ایسے قریب گزرتی جیسے وہاں سے کوئی سکے چننے آیا ہو۔

فاطمہ نے گھبرا کر ایک ہاتھ سے فردان کو تھپڑ مارنے کی کوشش کی۔

"یہ کیا بائیک ہے یا جھولا اگر زندہ بچ گئی تو امی سے کہہ کر تمہیں چاولوں کے ساتھ دم پر رکھوا دوں گی"

فردان نے ہنستے ہوئے ایک اور جھٹکا مارا۔

"یہی نہ اگر تم زندہ بچی تو" کہتے ساتھ قہقہ لگایا۔

ابھی وہ اپنے شاعرانہ انداز میں کچھ کہتا کہ ایک موڑ پر اچانک ایک سفید، چمچماتی کار سے ٹکرا گیا۔

"ٹھاااااااااا!"

بائیک الٹی فردان سیدھا زمین پر اور فاطمہ چیخ مار کر ایسے گری جیسے ٹریفک پولیس نے دھر لیا ہو۔

گاڑی سے پہلے ایک باڈی گارڈ نما ڈرائیور اترا پھر اُس کے پیچھے ایک نہایت معصوم شرمیلی اور ہلکی سی ڈری ہوئی لڑکی نکلی۔ سفید شلوار قمیض سنہری رنگ کی چپل اور بالوں میں نیلے کلپ۔ جیسے گڑیا ہو یا دودھ میں ڈوبا ہوا رسگلہ۔

"آپ۔۔ آپ لوگ ٹھیک ہیں"

اُس نے اتنی معصوم آواز میں پوچھا کہ فاطمہ کو لگا شاید ہم نہیں یہ ہم سے ٹکرا گئی ہے۔

"فرشتہ ہو یا خواب میں آیا کوئی منظر" فردان بس سوچ سکا۔

پھر ایک ادا سے اٹھا اپنے کپڑے جھاڑے اور بالوں پر ہاتھ پھیر کر فوراً نارمل ہوا۔

"ہم بالکل ٹھیک ہے۔ بس دل تھوڑا ہل گیا ہے باقی سب سلامت ہے آپ کی وجہ سے"

(ساتھ ہی دل پر ہاتھ رکھ کر ایک ہلکی سی درد بھری آہ نکالی)

"واقعی میں نے تو بہت دھیان سے گاڑی چلائی تھی"

روما حیران ہو کر بولی۔

"نہیں نہیں آپ نے بالکل ٹھیک چلائی غلطی میری تھی۔"

فردان فوراً بولا۔

"مجھے بہت افسوس ہے یہ سب میری اور اس اُلو کے پٹھے کی حرکت تھی۔ آپ سے غلطی سے ٹکرا گئے"

فاطمہ جلدی سے آگے بڑھی شرمندگی سے بولی۔

"نہیں نہیں کوئی بات نہیں غلطی سب سے ہو جاتی ہے اللہ کا شکر ہے کہ آپ دونوں محفوظ ہیں"

رومانرمی سے مسکرائی جیسے کسی بچے کی شرارت کو نظر انداز کر دے۔

"یہ ضرورت سے زیادہ معصوم نہیں" فردان نے دل میں کہا۔

"آپ کو چوٹ تو نہیں آئی شاید آپ کی کہنی تھوڑی سرخ ہے" رومانے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ یہ نہیں نہیں یہ تو میری شرم ہے جو اُبھر آئی ہے آپ کے سامنے گرنے کے بعد" فردان فوراً ہاتھ پر جھانکا۔

روما ہنس دی ہاتھ سے منہ چھپاتے ہوئے۔

"ہائے اللہ کہیں تم نے شادی کا کارڈ تو نہیں نکال لیا جیب سے" فاطمہ نے آنکھیں گھما کر اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

"نکالوں اگر اجازت ہو تو یہیں بیٹھے بیٹھے نکاح بھی پڑھ لوں" فردان فوراً بولا۔

روما کا چہرہ گلابی ہو گیا اُس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیا بات کر رہے ہے لیکن مزہ آ رہا تھا۔ وہ بہت معصوم تھی لوگوں کی جلدی سمجھ نہیں آتی تھی۔

"اچھا میں چلتی ہوں ڈرائیور انتظار کر رہا ہے"

"ارے لیکن اپنا نام تو بتا دیں" فردان جلدی سے بولا۔

"روما" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"خدا کا واسطہ ہے کوئی بریک لگا دو ورنہ بارات یہیں کھڑی ہو جائے گی" فاطمہ نے سر پیٹ لیا۔

روما گاڑی میں بیٹھ گئی ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

فردان دیر تک اُس طرف دیکھتا رہا اور مدھم آواز میں سرگوشی کی۔

"یہ ٹکر بھی غضب کی تھی اب دل کی رفتار بھی قابو میں نہیں رہے گی"

ویٹنگ ایریا—خان انٹرپرائزز

سیام میر پر سکون انداز میں بیٹھا ہوا تھا اس کے چہرے پر اعتماد تھا لیکن ارد گرد کے ماحول کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ اُس کا لباس سادہ مگر پروفیشنل تھا۔

دیکھتے دیکھتے انٹرویوں کے لیے سیام کی باری آگئی۔

دفتر کا ماحول سنجیدہ اور بوجھل تھا۔ سیام میز کے سامنے مؤدب انداز میں بیٹھا تھا اس کی آنکھوں میں اعتماد تھا مگر چہرے پر نرمی اور تحمل کا سایہ نمایاں تھا۔ سامنے رئیسہ غصے اور تمسخر کے ملے جلے انداز میں فائل کو زور سے میز پر رکھ دیا۔

"کوالیفکیشن تو ٹھیک ہے آپ کی لیکن ایکسپیرینس وہ تو ہے ہی نہیں"

سیام نے فائل کی طرف نظر ڈالی پھر رئیسہ کے چبھتے ہوئے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے پُر سکون لہجے میں جواب دیا۔

"ایکسپیرینس وقت کے ساتھ آتا ہے۔ اگر مجھے یہ جاب مل گئی تو سیکھنے اور تجربہ حاصل کرنے کا موقع بھی مل جائے گا"

رئیسہ ہنسی مگر اس میں کوئی نرمی نہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں طنز جھلک رہا تھا۔

"مطلب ہم پاگل ہیں کسی کو بھی مینیجر کی پوسٹ دے دیں"

وہ جان بوجھ کر سیام کو طیش دلانے کی کوشش کر رہی تھی مگر سیام کا ضبط قابلِ تعریف تھا۔ اس نے کسی ردِ عمل کے بجائے تحمل سے اس کے الفاظ کو سنا اور خاموشی کو اپنا ہتھیار بنایا۔

کمرے میں موجود بدر صاحب—خاموشی سے بیٹھے یہ سب منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظریں بار بار سیام پر جا ٹکتیں جو رئیسہ کی تلخی کا جواب صبر سے دے رہا تھا۔

رئیسہ کا رویہ جتنا تلخ تھا سیام کا انداز اتنا ہی شائستہ۔ یہ ایک آزمائش کا لمحہ تھا—نہ صرف قابلیت کی بلکہ تربیت کی بھی۔

کمرے کی فضا جیسے منجمد ہو گئی تھی۔ رئیسہ اپنی کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ میز پر رکھے تیز نگاہوں سے سیام کو گھور رہی تھی۔ چند لمحوں کی

خاموشی کے بعد اُس نے اپنی کرسی تھوڑا آگے سرکائی فائل بند کی اور ایک کاغذی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"میں اس جاب کے لیے سیام میر آپ کو نااہل قرار دیتی ہوں۔ میری طرف سے آپ اس پوسٹ کے قابل نہیں ہیں"

الفاظ سیدھے تھے مگر ان میں لپٹی ہوئی تذلیل سیام کے دل میں تیر کی طرح لگی۔ رئیسہ نے ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"دروازہ وہ ہے آپ جا سکتے ہیں"

سیام چند لمحے اپنی جگہ خاموش کھڑا رہا جیسے الفاظ اُس کے ذہن میں گونج رہے ہوں۔ پھر اُس نے آہستگی سے ایک گہرا سانس لیا۔ چہرے پر وہی پُر سکون مگر سنجیدہ تاثر ابھرا۔ اُس کی نگاہیں رئیسہ پر جمی تھیں مگر ان میں نہ نفرت تھی نہ عاجزی بس ایک تلخ سچائی کا عکس۔

"آپ نے ریجیکٹ ضرور کیا ہے رئیسہ صاحبہ مگر یاد رکھیے کبھی کبھی جسے ہم انکار سمجھتے ہیں وہی تقدیر کا دروازہ کھولتا ہے"

وہ ایک لمحے کو رُکا جیسے اپنے زخموں کو ضبط کے ریشم میں لپیٹ رہا ہو۔

"میں جا رہا ہوں لیکن خالی ہاتھ نہیں. میں آپ کے رویے سے وہ سبق لے جا رہا ہوں جو کامیابی کی سب سے بڑی بنیاد بنے گا"

اس کے قدم دروازے کی طرف بڑھنے لگے مگر اُس کی پشت سے اُس کے الفاظ کی گونج کمرے میں رہ گئی۔

اور جیسے ہی وہ دروازے سے باہر نکلا بدر صاحب نے مینجر کو پاس بلایا۔

"سیام کے گھر اپائنٹمنٹ لیٹر بھجوا دینا۔ مینیجر وہی بنے گا"

رئیسہ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا وہ کرسی سے جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔

"بابا وہ ریجیکٹ ہو چکا ہے میں نے اُسے ریجیکٹ کیا ہے رئیسہ بدر خان نے"

بدر صاحب نے پہلی بار سختی سے بات کاٹ دی۔

"تم نے اپنی طرف سے انکار کیا میں نے کمپنی کی طرف سے فیصلہ سنایا ہے اور ایک اچھی کمپنی کا مینیجر وہی بنتا ہے جو تلخی برداشت کرنا جانتا ہو وہ جیت گیا"

رئیسہ کی آنکھوں میں شدید غصہ اور بے یقینی کا طوفان تھا. لیکن دل کے کسی کونے میں شاید ایک سناٹا بھی اتر رہا تھا—— جہاں ایک سچ آہستہ آہستہ جنم لے رہا تھا۔

فاطمہ 24 نیوز لائن کے دفتر پہنچی۔

دفتر کی چہل پہل معمول سے زیادہ تھی۔ کانفرنس روم میں پوری ٹیم پہلے سے موجود تھی۔ سب کی نظریں اُس پر ٹک گئیں جب وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ ہاتھ میں لیپ ٹاپ چہرے پر سنجیدگی اور قدموں میں خوداعتمادی تھی۔

ایڈیٹر انچیف جناب سلیم صاحب نے فائل بند کی۔

"چلو سب آ گئے میٹنگ شروع کرتے ہیں"

فاطمہ نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے نوٹس کھولے۔

"آنے والے پیر کو کن کن کا انٹرویو شیڈول کرنا ہے" ایڈیٹر انچیف نے پوچھا۔

"فاطمہ کو موسیٰ شیر خان کا انٹرویو کرنا ہے، اور سعدیہ احمد کا بھی ——وہ سماجی کارکن۔ باقی دو نام ابھی کنفرم نہیں ہوئے لیکن سعدیہ احمد کا انٹرویو پیر کو اور موسیٰ شیر خان کا بدھ کو ہو گا کیونکہ وہ امریکہ گئے ہے" علی نے جواب دیا۔

فاطمہ کے چہرے پر ایک لمحے کو حیرت جھلکی۔

"موسیٰ خان وہی سیاسی لیڈر جو گھمنڈی اور متکبر ٹائپ ہے"

"ہاں" علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور وہ تمہارے ہاتھوں انٹرویو دینے کو تیار ہوا ہے کچھ خاص بات ہے کیا"

فاطمہ نے مسکرا کر نگاہیں نیچی کر لیں۔

"خاص تو کچھ نہیں شاید اُس نے میرے پُرانے انٹرویو دیکھ لیے ہوں"

کسی کو کیا خبر تھی کہ یہ انٹرویو نہ صرف اُن دونوں کی زندگی بدل دے گا بلکہ ایک ایسی کہانی کا آغاز کرے گا جس کا انجام ابھی کسی کو معلوم نہ تھا۔

میٹنگ ختم ہوتے ہی فاطمہ نے فون نکالا اور فردان کو کال کی۔

دوسری بیل پر ہی فردان نے کال اٹھالی۔ پس منظر میں قہقہوں اور چائے کے کپوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

"ہیلو" فردان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں فارغ ہوگئی ہوں آسکتے ہو لینے" فاطمہ نے مختصر مگر تھکے لہجے میں کہا۔

"اچھا جی شہزادی فارغ ہوگئیں" فردان نے شوخی سے کہا۔

"اب ہم سب کو چھوڑ کر بس تمہیں لینے دوڑیں کیا بات ہے بڑے نخرے ہیں آپ کے"

"ہاں نخرے تو ہیں اور تمہیں برداشت بھی کرنے پڑیں گے آخر اکلوتی بھابھی ہوں" فاطمہ مسکرائی۔

"چلو چلو اتنے حکم چلانے لگی ہو تو ٹھیک ہے آرہا ہے تمہارا دیور"

یہ کہہ کر وہ ہنسا اور فون بند کر دیا۔

چند منٹ بعد فردان بائیک لیے آگیا۔ جیسے ہی فاطمہ بائیک پر بیٹھی۔

"اتنی جلدی فارغ ہو گئیں میٹنگ تھی یا جھاڑو پونچھا" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"کاش تمھیں ایک دن میرے ساتھ دفتر میں بٹھا دیا جائے تب پتہ چلے محنت کسے کہتے ہیں"

فاطمہ ہنستے ہوئے بولی۔

ـــ

فردان بائیک چلا رہا تھا شام کی مدھم روشنی میں سڑکوں پر خاموشی تھی۔ اچانک، پیچھے سے فاطمہ کی آواز گونجی.

"فردان سیام گھر پر ہے"

فردان نے ایک نظر اُس پر ڈالی پھر سڑک پر نظریں جماتے ہوئے فوراً بولا۔

"نہیں آج بھائی کا جاب انٹرویو ہے اب تک تو واپس آچکے ہوں گے شاید"

فاطمہ نے ہلکا سا سر ہلایا پھر نظریں سامنے کر لیں۔

"اچھا"

وہ بس اتنا ہی بولی جیسے بات کو مزید طول دینا نہیں چاہتی تھی۔

چند ہی لمحوں میں بائیک ایک آشنا دروازے کے سامنے رکی۔ فاطمہ کے دل میں ہلکی سی ہچکچاہٹ تھی لیکن وہ مسکرا کر اتری۔

"السلام علیکم تائی امی"

"وعلیکم السلام میری بیٹی آگئی ہے"

حفصہ بیگم نے گرمجوشی سے اُسے گلے لگالیا۔ اُن کی آنکھوں میں خوشی کی چمک نمایاں تھی۔ آخر فاطمہ اُن کے دل کے قریب——سیام کی ہونے والی دلہن جو ٹھہری۔

"جی بس تائی امی آج کل ذرا مصروفیت زیادہ تھی اس لیے نہیں آسکی" فاطمہ نے مسکرا کر وضاحت دی۔

تبھی فردان نے پیچھے سے کہتے ہوئے سیڑھیوں کا رُخ کیا۔

"امی میں کمرے میں جارہا ہوں اس چپکلی نے تھکا دیا ہے"

(وہ ہنستے ہوئے فاطمہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا)

"ریسٹ کرو گا اب کھانا بن جائے تو بُلا لیجیئے گا"

وہ سیڑھیاں پھلانگتا اوپر چلا گیا۔

تائی امی نے محبت سے فاطمہ کا ہاتھ تھاما۔

"تم بیٹھو آج تمہاری فیورٹ بریانی بنا رہی ہوں۔ ابھی دیکھ کر آئی تھی دم پر رکھی ہے"

"میں بھی آپ کے ساتھ کچن میں چلتی ہوں ہاتھ بٹا لیتی ہوں"

دونوں آہستہ آہستہ کچن کی طرف چل پڑیں۔ کچن میں چولہے پر ہانڈی کی بھاپ اُڑ رہی تھی اور خوشبو نے فضا کو مہکایا ہوا تھا۔ یہ گھر یہ لمحات — فاطمہ کو سکون دینے لگے تھے۔

سیام میر ایک بار پھر انٹرویو میں ناکامی کا سامنا کر کے لوٹا۔ وہ مایوسی کے عالم میں گھر میں داخل ہوا لیکن لاؤنج میں کوئی نظر نہ آیا۔ صوفے پر آ کر بیٹھ گیا اور تھکن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ ذہن میں ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔

"آخر مجھے جاب کیوں نہیں مل رہی"

اتنے میں فاطمہ کچن سے باہر نکلی اور اسے صوفے پر بیٹھا دیکھ کر چونک گئی۔

"آپ کب آئے" لیکن اُس کے جواب کا انتظار کیے بغیر تیزی سے پلٹی اور کچن میں واپس چلی گئی۔

"تائی امی سیام آگئے ہیں" اُس نے کچن میں آکر اطلاع دی۔

"جاؤ بیٹا اُس کو پانی دے کر آؤ" تائی امی نے مسکرا کر کہا۔

فاطمہ نے ایک گلاس میں ٹھنڈا پانی ڈالا اور ہولے ہولے قدموں سے لاؤنج کی طرف بڑھی۔ سیام اب بھی آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا شاید تھکن یا سوچوں میں گم۔ فاطمہ کی موجودگی کا احساس اُس نے اُس وقت کیا جب وہ نرم آواز میں بولی۔

"پانی"

سیام نے آنکھیں کھولیں تو اُس کا دل ایک پل کو رک سا گیا۔ یہی تو وہ لمحہ تھا جس کی اُسے خواہش تھی—جب وہ گھر آئے تو فاطمہ یوں اُس کا استقبال کرے جیسے وہ اُس کی زندگی کا سب سے اہم شخص ہو۔ وہ ابھی منگیتر تھی لیکن جلدی ہی بیوی کے عہدے پر فائز ہونے والی تھی۔

پانی کا گلاس دونوں کے درمیان تھا—آدھا سیام کے ہاتھ میں آدھا فاطمہ کے وہ اُس پر تھوڑا سا جھکی ہوئی تھی دونوں کی نظریں ٹکرا گئیں۔ وقت جیسے تھم گیا ایک لمحے کے لیے دنیا کی ساری بے چینی ساری ناکامیاں سب کچھ ماند پڑ گیا—بس وہ دونوں تھے۔

ابھی سیام اور فاطمہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں خاموشی سے ڈوبے ہوئے تھے۔ دونوں کے چہروں پر ایک انجانی معصوم سی مسکراہٹ پھیل چکی تھی جب اچانک فردان کی آواز سُن کر بوکھلا گئے۔

"ہممم ہممم لگتا ہے آج کوئی خاص سین چل رہا ہے"

اُس کی آواز پر دونوں چونک گئے۔ فاطمہ فوراً سیدھی ہو کر پیچھے ہٹی اور نظریں جھکا لیں جبکہ سیام نے جلدی سے پانی کا گلاس اپنے ہاتھ میں لے لیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

اسی لمحے حفصہ بیگم بھی کچن سے نکلیں لیکن جب اُن کی نظر سیام اور فاطمہ پر پڑی تو وہ دروازے پر ہی رک گئیں۔ اُن کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ اور حیرت کا امتزاج تھا۔

فردان جو موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھا فوراً اپنی ٹون میں واپس آیا۔

"امی کیا آپ بھی ابا کو پانی ایسے ہی دیتی تھی آدھا گلاس اُن کے ہاتھ میں آدھا آپ کے یا یہ نئی نسل کا نیا طریقہ ہے"

سب کے چہروں پر مسکراہٹ آگئی حتیٰ کہ فاطمہ جو ابھی تک نظریں جھکائے کھڑی تھی اُس کے لبوں پر بھی ایک خفیف سی ہنسی آگئی۔ سیام نے شرمندہ ہو کر نظریں چرائیں حفصہ بیگم نے مسکراتے ہوئے فردان کو گھورا۔

"بہت باتیں آنے لگی ہیں تمہیں تم تو ریسٹ کرنے گئے تھے اتنی جلدی نیچھے آ گئے "

"بس نیند نہیں آئی اگر سو جاتا تو یہ سین مِس کر دیتا" فردان سیام کو تنگ کرنے سے بعض نہیں آیا۔

" کچھ اور چاہیے " فاطمہ نے پانی کا خالی گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

" نہیں " فاطمہ اُسکا جواب سُن کر واپس کچن کی طرف چل دی۔

سیام اُسے جاتا دیکھتا رہا۔ لمحہ ختم ہو گیا تھا لیکن اس کا اثر دیر تک باقی رہنے والا تھا۔

میٹنگ ختم ہونے کے بعد جیسے ہی رئیسہ آفس روم سے باہر نکلنے کے لیے قدم بڑھانے لگی، بدر صاحب نے فوراً اُسے آواز دی۔

"رئیسہ بیٹا باہر نہیں جانا تم نے میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا ہے گاڑی نکال لے آج تمہیں اپنے تایا ابو کے گھر جانا ہے کھانے پر بلایا ہے"

رئیسہ کا چہرہ اچانک اتر گیا۔ وہ جو فرہاد کے ساتھ باہر جانے کو بے تاب تھی، اس خبر نے جیسے اُس کا موڈ خراب کر دیا۔ اس نے ناراضی سے منہ بنایا جیسے کسی نے زبردستی کڑوا بادام کھلا دیا ہو۔

"ڈیڈ مجھے بالکل پسند نہیں وہاں جانا آپ خود چلے جائیں یہ رشتے داریاں مجھ سے نہیں نبھائی جاتی" اُس نے تلخ لہجے میں کہا جس میں صاف انکار اور بے زاری جھلک رہی تھی۔

بدر صاحب نے ایک گہری سانس لی اُن کی پیشانی پر ہلکی سی شکنیں ابھر آئیں۔ رئیسہ کا بدلحاظ لہجہ اُن کے دل پر گراں گزرا کچھ پل کے لیے وہ چپ رہے جیسے ماضی کی کوئی الجھن اُن کے سامنے آ کھڑی ہوئی ہو۔

"میں نے تم سے پوچھا نہیں بتایا ہے اور تمہاری مما بھی ساتھ جا رہی ہیں سب ایک ساتھ نکلیں گے "

اُن کے لہجے میں اب وہ باپ بول رہا تھا جو برسوں کی غفلت کے بعد اپنی اولاد کو راہ دکھانے کی کوشش کر رہا ہو۔ اُنہیں اندر ہی اندر یہ احساس شدت سے ستانے لگا کہ شاید رئیسہ کے اس رویے کی وجہ وہ خود ہیں۔ اگر وقت پر اُس کی تربیت کی ہوتی اگر اسے صحیح اور غلط کا فرق سکھایا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

رئیسہ نے آنکھوں میں چبھتی ہوئی ناراضی کے ساتھ باپ کو گھورا۔

"جب سب کچھ آپ نے خود ہی ڈیسائیڈ کر لیا ہے تو مجھے بتانے کا فائدہ یہ بھی نہ کہتے تو کیا فرق پڑتا" بے دلی سے بولی۔

وہ غصے میں پلٹی اور فوراً اپنا فون نکال کر فرہاد کو میسج کرنے لگی تا کہ اُس کے ساتھ کا پروگرام منسوخ کر سکے۔ اس کی انگلیاں موبائل اسکرین پر تیزی سے چل رہی

تھیں مگر دل میں ایک ہلکی سی چبھن تھی——وہ شاید خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اُسے غصہ زیادہ ہے یا بے بسی۔

کچن میں ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔ گیس چولہے پر ایک دیگچی میں سالن کھول رہا تھا اور روما جھکی ہوئی شکل کے ساتھ پیاز کاٹ رہی تھی۔ اُس کے ہاتھ آہستہ آہستہ حرکت کر رہے تھے جیسے وہ دل سے نہیں، مجبوری سے کام کر رہی ہو۔ پسینے کی ایک باریک تہہ اُس کے ماتھے پر چمک رہی تھی اور آنکھوں میں نینداور تھکن کی جھلک نمایاں تھی۔

اسی وقت ماہ جبین بیگم کچن کے دروازے پر نمودار ہوئیں۔

"روما بیٹا جلدی کرو۔ تمہارے چاچو آنے والے ہیں تم اپنے بابا کو تو جانتی ہو اگر وقت پر کام نہ ہوا تو فوراً غصہ کر دیتے ہیں"

اُن کے لہجے میں فکر اور نرمی ساتھ ساتھ تھی۔

روما نے ایک لمحے کو کام سے نظر ہٹا کر ماں کی طرف دیکھا پھر ہلکے تھکے ہوئے انداز میں بولی۔

"ماں کر تو رہی ہوں نا"

ماہ جبین بیگم آکر اُس کے قریب کھڑی ہو گئیں۔ اُنہوں نے شفقت سے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا جیسے اُس کی تھکن چُرا لینا چاہتی ہوں۔

"بیٹا میں صرف سمجھا رہی ہوں تم جانتی ہو تمہارے بابا جلدی ناراض ہو جاتے ہیں ڈانٹ دیتے ہیں تو مجھے بھی برا لگتا ہے"

روما کی آنکھوں میں ایک نمی سی اتر آئی۔ اُس نے چاقو میز پر رکھ دیا اور سر جھکا لیا۔

"ماں بابا کو تو ہر بات پر غصہ آتا ہے کوئی بات ہو یا نہ ہو اُن کے ماتھے کی تیوریاں ہمیشہ چڑھی ہی رہتی ہیں"

اُس کے لہجے میں دکھ بھی تھا لاچاری بھی۔ ماہ جبین بیگم نے اس بار بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی جیسے کوئی ماں اپنی بیٹی کے دل کا بوجھ کم کرنا چاہتی ہو۔

"میری بچی اُداس مت ہو تمہارے بابا کہہ رہے تھے کہ جیسے ہی موسیٰ امریکہ سے واپس آجائے تم دونوں کی شادی کر دیں گے"

موسیٰ کا نام سنتے ہی روما جیسے لمحوں میں بدل گئی۔ اُس کا جھکا ہوا چہرہ اُٹھا اور پلکوں پر ٹھہرے آنسو شرم کے رنگ میں بدلنے لگے وہ جھینپ کر ہنس دی جیسے کوئی راز اُس کے دل سے چھلکنے لگا ہو۔

"امی کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ"

وہ شرم سے لال ہو گئی اُس کے گالوں پر سیب جیسی لالی اُتر آئی تھی۔

ماہ جبین بیگم نے مسکرا کر بیٹی کا ماتھا چوما۔

"اللہ میری بیٹی کے نصیب اچھے کرے"

یہ کہہ کر وہ آہستگی سے کچن سے باہر نکل گئیں جبکہ روما چند لمحے وہیں کھڑی رہی — ہاتھ پیاز پر تھا لیکن دل موسیٰ پر۔

ذوالفقار خان ایک باوقار روایات کے پابند اور جاگیردار گھرانے کے سربراہ تھے۔ اُن کے تین بیٹے تھے جن میں ہر ایک کی شخصیت اور زندگی کا راستہ جدا تھا اور یہی فرق اُن کے خاندان کی کہانی کو رنگا رنگ بناتا ہے۔

1. یحییٰ خان—

ذوالفقار خان کے سب سے بڑے بیٹے یحییٰ خان نے اپنا مستقبل سیاست میں تلاش کیا۔ اُن کی شادی ماہ جبین بیگم سے ہوئی جو ایک نرم مزاج اور سمجھدار خاتون تھیں۔ اللہ نے اُنہیں دو بیٹیاں عطا کیں۔

روما جو شادی کے سات سال بعد پیدا ہوئی نہایت معصوم حساس اور نرم دل لڑکی تھی۔

مرحا، چھوٹی بیٹی شرارتی اور شوخ مزاج جو پورے خاندان کی جان تھی ——

سوائے اپنے باپ کے۔

یحییٰ خان ایک انا پرست اور مردانہ وارثت کے قائل شخص بیٹیوں کے وجود کو کبھی کھلے دل سے قبول نہ کر پائے ان کی خواہش صرف ایک بیٹے کی تھی جو ان کا سیاسی وارث بنے۔ سیاست نے ان کے دل و دماغ پر اس قدر قبضہ جما لیا تھا کہ وہ صحیح اور غلط رشتوں اور جذبات سب سے بے خبر ہو گئے۔

2. عالم شیر خان—

دوسرے بیٹے عالم شیر خان سیاست سے کوسوں دُور ایک سادہ دل اور محنتی بزنس مین تھے۔ اُن کی شادی اپنی کلاس فیلو کنول بیگم سے ہوئی۔ اللہ نے اُنہیں ایک ہی بیٹا عطا کیا موسیٰ شیر خان۔

موسیٰ اپنے والدین کی آنکھ کا تارا خاندان کا پہلا بچہ تھا۔ مگر زندگی نے بہت جلد اُس سے اُس کا سہارا چھین لیا۔ ایک المناک کار حادثے میں موسیٰ اپنے والدین سے محروم ہو گیا۔ تب یحییٰ خان نے اُس کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالی مگر جذبۂ شفقت سے نہیں بلکہ سیاسی مفاد کے تحت۔ وہ موسیٰ کو اپنے سیاسی خوابوں کا مہرہ بنانا چاہتے تھے۔

3. بدر خان–

سب سے چھوٹے بیٹے بدر خان لاابالی طبیعت کے مالک تھے۔ اُنھیں نہ خاندانی روایتوں سے کوئی دلچسپی تھی نہ ذمہ داری کا احساس۔ اُن کی شادی بھی ایک رنگین مزاج لڑکی افراء سے ہوئی جو بدر کی طرح آزاد خیال تھی۔ اللہ نے اُنھیں ایک بیٹی سے نوازا رئیسہ جو خاندان کی سب سے بگڑی ہوئی اولاد ثابت ہوئی۔ والدین کی نرمی لاپروائی اور تربیت کی کمی نے رئیسہ کو ضدی خود پسند اور باغی بنا دیا تھا۔

گرم گرم بریانی کی خوشبو پورے ڈائنگ روم پر ایسے چھائی ہوئی تھی جیسے باورچی خانے سے کوئی مہک دار انقلاب اُٹھا ہو۔ دستر خوان پر سب لوگ پلیٹوں کو دیکھ دیکھ کر صبر کا کڑوا گھونٹ پی رہے تھے لیکن کھانے سے پہلے ایک ہی رکاوٹ تھی—سیام۔

"اب یہ سیام صاحب آجائیں تو ہم بھی زندگی میں کچھ کامیابیاں سمیٹ لیں مثلاً دو بوٹیاں" فردان نے بیزار لہجے میں کہا۔

تبھی دروازہ کھلا اور امروز صاحب اندر داخل ہوئے۔ وہ آج بھی اپنے مخصوص رعب دار انداز چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے اندر آئے۔

"السلام و علیکم تایا ابو" فاطمہ نے فوراً خوشی سے آواز دی۔

"دیکھیں آپ کتنے صحیح وقت پر آگئے کھانا بالکل تیار ہے"

"وعلیکم السلام ارے واہ آج تو میری بیٹی بھی آئی ہے کیسی ہوں" امروز صاحب خوش دلی سے بولے۔

"جی تایا جان میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں مشتاق چاچا کی کھانسی کی خبریں سن کر آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا" فاطمہ اُن کے گلے لگتے ہوئے ہنسی۔

"ارے بیٹا اُن کی کھانسی کم اور ڈھول زیادہ ہے ہر بار سنتا ہوں تو لگتا ہے بینڈ بج رہا ہے" امروز صاحب نے مسکرا کر جواب دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اسی وقت فردان نے آہستہ سے حفصہ بیگم کے کان میں سرگوشی کی۔

"امی جا جی صاحب نے تو کل آنا تھا یہ آج کیسے آ گئے"

"فردان تمیز کرو تمہارے ابو ہیں" حفصہ بیگم نے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

لیکن امروز صاحب کی سماعت نے دھوکہ نہ کھایا۔ وہ سیدھے فردان کی طرف مڑے۔

"اور کیا میں تمہیں دعوت نامہ بھیج کر آؤں"

فردان فوراً سیدھا ہو گیا۔

"نہیں نہیں ابو آپ کے آنے سے تو بریانی نے بھی خوشبو تیز کر دی ہے"

سب ہنس دیے حتیٰ کہ امروز صاحب بھی اپنی مونچھوں تلے مسکرا اٹھے۔

اسی ہنسی میں اچانک حفصہ بیگم نے نظریں دوڑائیں اور بولیں۔

"ارے سیام کہاں ہے وہ تو ابھی تک آیا ہی نہیں"

"وہ کمرے میں ہے امی شاید اُن کا انٹرویو اچھا نہیں گیا تھوڑے اُداس لگ رہے تھے" فردان نے دھیمی لہجے میں بتایا۔

محولہ فضا یک دم تھوڑی سنجیدہ ہو گئی۔

امروز صاحب نے اپنے چشمے کو درست کیا اور آہستہ بولے۔

"چلو کھانے سے پہلے ایک کام کرتے ہیں سیام کو بُلا لاتے ہیں۔ اچھے دن کا پہلا نوالہ ہمیشہ اپنوں کے ساتھ کھانا چاہیے ـــــ اور کبھی کبھی ناکامی میں بھی ذائقہ چھپا ہوتا ہے"

"جاؤ فاطمہ سیام کو بلا کر لاؤ سب کھانے پر اُس کا انتظار کر رہے ہیں" حفصہ بیگم نے نرمی سے فاطمہ کو مخاطب کیا۔

"جی تائی امی ابھی بلا کر لاتی ہوں" فاطمہ نے ادب سے جواب دیا اور نرمی سے قدم اُٹھاتے ہوئے سیام کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے پر پہنچ کر اُس نے ہلکے سے دستک دی، پھر آہستہ سے آواز دی۔

"کیا میں اندر آسکتی ہو"

کمرے میں ہلکی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سیام بیڈ سے ٹیک لگائے تھکے انداز میں آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ اُس کے چہرے پر تھکن کی پرچھائیاں صاف نظر آرہی تھیں —— چند دنوں سے وہ لگاتار نوکری کی تلاش میں دربدر ہو رہا تھا مگر اب تک قسمت نے ساتھ نہیں دیا تھا۔

فاطمہ کی آواز سن کر اُس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں اور دروازے پر کھڑی اُس کی طرف دیکھا پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ سے اُسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"تم یہاں" اُس نے دھیمے لہجے میں سوال کیا جیسے حیران ہو۔

فاطمہ نرمی سے مسکراتی ہوئی بیڈ کے کنارے آبیٹھی اُس کی آنکھوں میں شوخی جھلک رہی تھی۔

"کیوں میں یہاں نہیں آسکتی" اُس نے شرارتی انداز میں سوال کیا۔

سیام نے اُس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے آنکھیں بند کرتے ہوئے بولا۔

"تم ہی تو آسکتی ہو یہاں صرف تم"

فاطمہ کا دل ایک لمحے کو ٹھہر سا گیا۔ سیام کے لہجے کی گہرائی اُس کی تھکن میں چھپی محبت سب کچھ خاموشی سے بول رہا تھا۔ اُس نے نرمی سے اُس کا ہاتھ تھاما۔

"پریشان نہ ہو جاب مل جائے گی۔ اللہ نے آپ کو اکیلا نہیں چھوڑا" اُس کے لہجے میں سچائی اور سکون تھا۔

سیام نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"بس تم دعا کرو تمہاری دعا قبول ہوتی ہے"

فاطمہ ہنسی جیسے اندھیری رات میں ایک جگنو چمک اُٹھا ہو۔

"میں دعا کروں گی ضرور کروں گی لیکن اُس سے پہلے آپ میرا خیال کرے بہت بھوک لگی ہے۔ جلدی چلیں ورنہ فردان ساری بریانی کھا جائے گا" اُس نے بچوں کی طرح منہ بنایا۔

سیام جو کچھ لمحے پہلے تھکن اور مایوسی میں گُم تھا اُس کی اس معصوم حرکت پر بے ساختہ ہنس دیا۔ جیسے فاطمہ کی موجودگی نے اُسے ایک لمحے کو ہی سہی سب دکھ بھلا دیے ہوں۔

"اچھا چلو"

اُس نے ہار مانتے ہوئے نرمی سے کہا اور بیڈ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

اور وہ دونوں ایک ساتھ دروازے کی طرف بڑھے —— ایک خاموشی جو لفظوں کے بغیر بھی سب کچھ کہہ گئی۔

عشاء کی نماز پڑھ کر اماں بی جائے نماز سے اُٹھیں اور تسبیح ہاتھ میں لیے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر اللہ کا ذکر کرنے لگیں۔ چہرے پر سکون تھا لیکن دل میں ایک ان دیکھا اضطراب۔ جیسے ہی تسبیح کی مالا پوری ہوئی، اُن کے ذہن میں اچانک فاطمہ کا خیال بجلی کی طرح کوند گیا۔

"علشبہ فاطمہ ابھی تک گھر نہیں آئی ذرا پتہ تو کرو کہاں ہے وہ"

اماں بی نے نرم مگر فکر مند لہجے میں پوچھا نظریں اب صحن کے دروازے پر ٹکی ہوئی تھیں۔

صوفے پر بیٹھی علشبہ بیگم نے کپ میں آخری گھونٹ لیا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولیں۔

"اماں وہ حفصہ بھابھی کے گھر گئی ہے صبح ہی بتا دیا تھا"

ابھی اُن کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ اماں بی کا لہجہ یک دم بدل گیا جیسے اُن کی پریشانی غصے میں ڈھل گئی ہو۔

"شرم حیا تو جیسے رہ ہی نہیں گئی اِس لڑکی میں ہونے والا سسرال ہے کوئی لحاظ ہی نہیں بس منہ اُٹھا کر چل پڑی وہاں"

پھر زہر خند لہجے میں بولیں۔

"بُرا مت منانا علشبہ مگر تمہاری بیٹی پہلے ہی بے لگام تھی اب تو بالکل ہی بے شرم ہوتی جارہی ہے"

علشبہ بیگم نے کچھ کہنا چاہا مگر اُسی لمحے صحن کا دروازہ چرچرایا اور فاطمہ سیام کے ساتھ اندر داخل ہوئی دادی کے الفاظ اُس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

"کیا بے شرمی کردی میں نے آپ ہی بتادیں"

فاطمہ کے لہجے میں لرزش تھی مگر آنکھوں میں شعلے وہ سیدھی دادی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"فاطمہ تمیز سے بات کرو دادی ہے وہ تمہاری"

علشبہ بیگم نے گھبرا کر اُس کا بازو تھاما مگر فاطمہ نے جھٹکے سے چھڑا لیا۔

"مما ہر بار یہی ہوتا ہے یہ میری ہر بات میں غلطی نکالتی ہیں اب کیا کیا ہے میں نے پوچھیں ان سے"

آنسو اُس کی پلکوں پر جھلملانے لگے مگر آواز میں چٹان جیسا ضبط تھا۔

"زبان سنو اِس کی علشبہ یہ کیسے بات کر رہی ہے ہم سے" اماں بی نے تڑپ کر کہا

۔

"یہ زبان تب بھی بُری لگتی تھی جب خاموش رہتی تھی"

فاطمہ کی آواز اب کانپ رہی تھی پر اُس میں سالوں کا دبا ہوا درد بول رہا تھا۔

"آپ نے کبھی مجھ سے پیار کیا ہی نہیں دادی میرے حصے کا پیار بھی سیام اور فردان کو دے دیا صرف اس لیے کہ وہ لڑکے تھے اور میں تو بس ایک لڑکی بن کر پیدا ہو گئی تھی نا"

صحن کی فضا میں جیسے ایک سناٹا پھیل گیا ہو۔

دروازے پر کھڑا سیام یہ منظر دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ فاطمہ کی آواز میں وہ درد تھا جو برسوں سے خاموشی میں پل رہا تھا۔

کبھی کبھی دل کی دیواریں اُس وقت ٹوٹتی ہیں جب پیار مانگتے بچے کو صرف الزام ملتے ہیں۔

"دادی میری بد دعا ہے ایک دن آپ مجھے چیخ چیخ کر پکاریں لیکن میں پلٹ کر بھی نہ دیکھوں"

فاطمہ کے لہجے میں ایسی ٹھنڈک تھی کہ جیسے کسی نے جلتے دل پر برف رکھ دی ہو۔ اُس کے لفظ تیر بن کر فضا میں اترے۔ یہ کہہ کر وہ اوپر کی طرف بڑھ گئی۔ اُس کے قدموں کی چاپ زینے پر گونجی اور پھر جیسے ہر آہٹ میں اُس کی ناراضی کی گونج بس گئی۔

نیچے کھڑے سب افراد ساکت ہو گئے ماحول پر اچانک ایک سنّاٹا چھا گیا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ علشبہ بیگم کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی اُن کے ہونٹ کپکپائے لیکن وہ کچھ نہ بول سکیں۔

"چچی آپ رہنے دیں میں دیکھتا ہوں اُسے"

سیام نے آہستہ سے علشبہ بیگم کو تھام کر روکا۔ اُس کی آواز میں نرمی تھی لیکن آنکھوں میں فکر کی چمک صاف نظر آ رہی تھی۔

پھر وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا فضا میں ابھی تک فاطمہ کی بددعا کی گونج باقی تھی۔

حویلی کی فضا اس وقت پُر سکون تھی۔ باہر آنگن میں ہلکی سی ٹھنڈی ہوا درختوں کے پتوں کو ہلکا سا جنبش دے رہی تھی، جبکہ اندر ڈرائنگ روم میں زندگی رواں دواں تھی۔ رات کا کھانا ہو چکا تھا اور سب افراد اب کشادہ اور نفیس ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ کمرے میں قیمتی قالین بچھے تھے دیواروں پر پرانی خاندانی تصویریں آویزاں تھیں اور ایک طرف دیسی طرز کا لکڑی کا شوکیس جس میں قیمتی چینی کے برتن سجے تھے۔

چائے کی مہک فضا میں گھلی ہوئی تھی جس کے ساتھ ہلکی سی دار چینی کی خوشبو ہر سانس میں رس گھول رہی تھی۔ بڑی سی ٹیبل پر چائے کا سیٹ اور لوازمات سجے تھے جن پر سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

ماہ جبین بیگم اور افراء بیگم ایک دوسرے کے قریب بیٹھی نرمی سے سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں کبھی کبھی ہنسی دبی دبی آواز میں لبوں سے پھسل جاتی۔

کمرے کے ایک کونے میں رئیسہ مکمل طور پر باقی دنیا سے بے نیاز موبائل اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ اُس کی انگلیاں مسلسل اسکرین پر چل رہی تھیں اور وہ وقتاً فوقتاً روما یا مرحا کی کسی بات پر سر ہلا دیتی، جیسے اُس کا ذہن کہیں اور ہو۔

روما اور مرحا ایک دوسرے سے کچھ باتیں کرتی، پھر رئیسہ کی طرف کوئی سوال پھینکتیں، جس پر وہ صرف "ہاں" یا "ہمم" کہہ کر جان چھڑا لیتی۔ اُن کی چہک میں جوانی کا رنگ تھا مگر رئیسہ کی بے دلی نے ان کی باتوں کو ادھورا سا کر دیا۔

"رئیسہ آپی بات تو سُنے یار" مرحا نے ایک بار پھر اُس کو بلانے کی کوشش لیکن جواب نہیں آیا۔

سامنے رکھی دیوار گیر کتابوں کی الماری کے قریب، یحییٰ صاحب اور بدر صاحب صوفوں پر بیٹھے سنجیدہ گفتگو میں مصروف تھے۔ یحییٰ صاحب نے چائے کا گھونٹ لیا اور دھیمے لہجے میں بولے۔

"اس بار الیکشن موسیٰ ہی جیتے گا بس دعا ہے امریکہ کا سیاسی دورہ کامیاب گزرے"

بدر صاحب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"انشاءاللہ ایسا ہی ہو گا"

موسیٰ کا ذکر حویلی میں ہمیشہ ایک خاص وزن رکھتا تھا۔ اُس کی غیر موجودگی ایک خلاء کی صورت محسوس ہوتی تھی جیسے سب کچھ مکمل ہونے کے باوجود کچھ ادھورا ہو۔

--

وہ چھت کے کنارے کھڑی تھی نگاہیں آسمان میں گم اور دل میں ایک طوفان برپا تھا۔

سیام آہستہ قدموں سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا آیا۔ اُسے معلوم تھا فاطمہ کہاں ہو گی وہ ہمیشہ دکھ چھپانے کے لیے چھت کا رخ کرتی تھی۔ جیسے ہی اُس کی نظر فاطمہ پر پڑی وہ چند لمحے وہیں ٹھہر گیا۔ اُس کا دل فاطمہ کے چپ چاپ کھڑے وجود کو دیکھ کر کسی ان دیکھے درد سے بھر گیا۔

"فاطمہ کیا تمہیں دادی جان کا ہمیں پیار کرنا بُرا لگتا ہے"

سیام نے دھیرے سے کہا جیسے وہ آواز بھی فضا کو چیر نہ دے۔

فاطمہ نے چونک کر پلٹ کر دیکھا اور پھر فوراً نظریں چرا لیں۔ اُس نے ہاتھ سے اپنی آنکھوں کے کناروں پر اُترے آنسو صاف کیے اور مدھم لہجے میں بولی۔

"میں نے یہ کب کہا"

"مجھے لگا اسی لیے پوچھ لیا"

سیام نے چند قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا اب وہ اُس کے بالکل قریب تھا۔ اُس کی آواز میں نرمی تھی جیسے وہ فاطمہ کے دل پر مرہم رکھنا چاہتا ہو۔

فاطمہ نے چاند کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سانس لی، جیسے الفاظ کو سمیٹ کر آواز میں ڈھالنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"آپ کو غلط لگتا ہے دادی کو لگتا ہے میں ڈھیٹ ہوں بد تمیز ہوں تو بس اب وہی بن کر دکھا رہی ہوں"

سیام نے اُسے بغور دیکھا اُس کی آنکھوں میں وہ چمک نہیں تھی جو کبھی مسکراہٹ کے ساتھ جھلکتی تھی۔ وہ دکھ میں ڈھل چکی تھی۔

"فاطمہ جب ہم خود کو ڈھیٹ سمجھنا شروع کر دیتے ہیں نا تو وہ سب سے بڑی زیادتی ہوتی ہے خود سے۔ کیونکہ جب انسان واقعی ڈھیٹ بن جاتا ہے تو وہ اپنی غلطی ماننا چھوڑ دیتا ہے اور میں جانتا ہوں میری فاطمہ نہ بد تمیز ہے نہ ڈھیٹ"

سیام کی آواز میں ایک ایسا یقین تھا جو فاطمہ کے اندر تک اُترتا جا رہا تھا۔ اُس کی نظروں میں سچائی تھی، ایک بے غرض اپنائیت۔

فاطمہ نے فوراً اُس کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر جیسے اپنے ضبط پر قابو نہ رکھ سکی۔

"لیکن وہ ہر بار میرے ساتھ زیادتی کرتی ہیں سیام ہر بار کیا یہ میرے ساتھ ناانصافی نہیں"

فاطمہ کے لہجے میں ٹوٹا ہوا سا احتجاج تھا آنکھوں میں برسوں کی تھکن، اور دل میں وہ دکھ جو بار بار چُبھتا تھا۔ سیام نے کچھ لمحے اُسے خاموشی سے دیکھا چاندنی اُس کے چہرے پر جیسے ایک روشنی بکھیر رہی تھی لیکن اس روشنی میں بھی دکھ کی دھند تھی۔

سیام نے آہستگی سے ایک قدم اور آگے بڑھایا اب وہ اُس کے بالکل سامنے تھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ جیب میں ڈالے جیسے خود کو قابو میں رکھ رہا ہو۔

"فاطمہ جانتی ہو ایک بات جب پھولوں کو بارش تھپتھپاتی ہے نا تو وہ بُرا نہیں مناتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اُن پر برسنے والی بوندیں اُنہیں اور کھلا دیتی ہیں"

فاطمہ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا آنکھوں میں حیرت سی تھی۔

"دادی کا رویہ اُن کے الفاظ، اُن کا غصہ —— ہو سکتا ہے تمہیں بارش کی طرح لگ، کبھی کبھار طوفان کی شکل میں۔ لیکن تم وہ پھول ہو فاطمہ جو ہر بار اِن سب کے بعد اور بھی نکھر جاتا ہے تمہارے اندر جو برداشت ہے نا وہ بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے"

سیام کی آواز نرم تھی جیسے وہ لفظ نہیں احساس بول رہا ہو۔

"پر کب تک سیام"

فاطمہ کی آواز لرز رہی تھی۔

"کب تک میں برداشت کرتی رہوں ہر بار میں ہی کیوں"

سیام نے دھیرے سے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اُسے چھوئے بغیر ہی روک لیا۔۔۔ جیسے اُس کی اجازت مانگ رہا ہو۔

"جب تک تمہارے اندر سچ ہے تم برداشت کر سکتی ہو۔ کیونکہ سچائی کمزور نہیں کرتی فاطمہ وہ اندر سے مضبوط کرتی ہے۔ تم نے کبھی دادی کو جواب نہیں دیا کبھی اُن کی عزت میں کمی نہیں آنے دی اور یہ تمہاری تربیت کی تمہارے ظرف کی سب سے بڑی دلیل ہے"

وہ لمحہ بہت خاموش تھا لیکن فضا سیام کی باتوں سے گونج رہی تھی۔

"اور اگر کبھی تم تھک جاؤ نا تو یاد رکھنا تمہاری تھکن بانٹنے والا ہوں میں تمہارے ہر سوال ہر خاموشی ہر آنسو کو سمجھنے والا تم اکیلی نہیں ہو اور کبھی رہو گی بھی نہیں"

فاطمہ کی آنکھوں سے اب خاموش آنسو بہہ نکلے تھے۔ اُس نے نظریں جھکائیں لیکن اُس کے لبوں پر ہلکی سی کپکپاتی مسکراہٹ تھی جیسے دل نے سیام کی باتوں کو تسلیم کر لیا ہو۔

"یہ چاند گواہ ہے میری فاطمہ روشنی ہے وہ کسی کا اندھیرا نہیں بن سکتی" سیام نے آہستہ سے چاند کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

"چلو یار اب میں چلتا ہوں کافی ٹائم ہو گیا ہے" سیام نے آہستگی سے کلائی موڑی گھڑی پر نظر ڈالی اور دھیمے لہجے میں مسکرا کر بولا۔

فاطمہ نے اُس کی طرف دیکھا، ایک لمحے کو دل چاہا کہ وقت تھم جائے۔

"جی ٹھیک ہے اللہ حافظ دھیان سے جایئے گا" اُس نے جلدی سے پلکیں جھپکیں اور نرم لہجے میں کہا۔

سیام کچھ لمحے اُسے دیکھتا رہا جیسے اُس کی آنکھوں میں کچھ محفوظ کر لینا چاہتا ہو۔

پھر شرارت بھری نرمی سے بولا

"جو حکم آپ کا جناب"

وہ آہستہ آہستہ زینے کی طرف بڑھا لیکن فاطمہ کی نظریں اُس کے پیچھے جمی رہیں سیڑھیوں پر جاتے ہوئے بھی سیام نے پلٹ کر ایک نظر دیکھا اور آنکھوں سے ہلکا سا اشارہ دیا — نہ بولنے کا نہ روکنے کا بس احساس کو سنبھالنے کا۔

فاطمہ کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ چاہ کر بھی اُسے روک نہیں سکتی تھی اور سیام جان کر بھی خود کو رُکنے نہیں دے سکتا تھا۔

رات کے اس خاموش لمحے میں صرف چاند ہوا اور دو دلوں کے بیچ ایک نہ کہی بات گونج رہی تھی۔

گھروں کی بتیاں مدھم روشنی میں جھلملا رہی تھیں اور آسمان پر ہلکے بادل چاندنی کو ادھورا سا بنائے ہوئے تھے گلی میں صرف اسٹریٹ لائٹ کی زرد روشنی زمین پر تھکے تھکے سائے بکھیر رہی تھی۔

سیام جیسے ہی بائیک سے اُترا اُس نے ہیلمٹ اُتار کر ایک لمبی سانس لی۔ گھر کا دروازہ قریب تھا مگر اچانک اُس کی نظر گیٹ کے پاس کھڑے ایک اجنبی پر پڑی—— سفید وردی میں ملبوس ہاتھ میں لفافہ تھامے۔

"ایکسکیوز می آپ یہاں کس سلسلے میں آئے ہیں"

سیام نے کچھ حیرانی سے پوچھا اور اُس کی آواز رات کی خاموشی میں گونج سی گئی۔

کوریئر والا تھوڑا آگے بڑھا۔

"سر ایک لیٹر ہے 'سیام میر' کے لیے خان انٹرپرائزز کی طرف سے اگر وہ اندر ہوں تو بلا دیجیے"

سیام کے چہرے پر لمحہ بھر کو حیرت اور تجسس چھا گیا۔

"سیام میر وہ تو میں ہی ہوں"

اس نے آہستگی سے کہا اور لفافہ ہاتھ میں لے لیا۔

"جی سر یہ آپ ہی کے لیے ہے"

کوریئر والے نے مسکرا کر تصدیق کی اور رسید نکالی۔

جیسے ہی سیام نے لفافہ کھولا اندر سے ایک نفیس کاغذ نکلا اُس نے چند سطریں ہی پڑھی تھیں کہ اچانک اس کی آنکھوں میں چمک سی آگئی۔

"یہ تو جاب لیٹر ہے مجھے جاب مل گئی"

سیام کے دل میں ایک طوفان سا اٹھا۔ اُسے لگا جیسے اس خاموش رات میں بھی کوئی پٹاخے پھوٹ رہے ہوں۔ وہ خوشی سے جھوم اُٹھا دل تو کر رہا تھا کہ زور زور سے چیخے آسمان کی طرف منہ کر کے چلائے۔

"سر یہاں سائن کر دیجیے"

کوریئر والے نے رسید آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

سیام نے لرزتے ہاتھوں سے دستخط کیے اور تیزی سے گھر کی طرف بڑھا دل کی دھڑکنیں جیسے خوشی کے نغمے گانے لگی تھیں۔ وہ جانتا تھا آج رات اُس کے لیے صرف ایک عام رات نہیں بلکہ اُس کے خوابوں کی تعبیر کی شروعات تھی۔

ــــــ

گھر کے اندر ہلکی ہلکی پیلی روشنی جل رہی تھی۔ کچن سے ہنڈیا کی مدھم سی آواز آ رہی تھی شاید امی رات کے لیے کچھ پکا رہی تھیں۔ ابو اخبار پڑھتے پڑھتے اونگھ رہے تھے اُن کی عینک ناک کے سرے تک کھسک چکی تھی۔

سیام دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا، لیکن خوشی اُس سے چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ چہرے پر ایک ناقابلِ بیان چمک تھی اور آنکھوں میں خواب سچ ہونے کی چمک۔

"امی ابو"

وہ جیسے ہی لاؤنج میں آیا اُس کی آواز جذبات سے بھری ہوئی تھی۔

امی نے پلٹ کر دیکھا۔

"ہاں بیٹا سب خیر تو ہے اتنی رات کو آواز کیوں لگا رہے ہو"

سیام کچھ لمحے رُکا لیٹر کو اپنے سینے سے لگا کر گہرا سانس لیا۔

"امی مجھے جاب مل گئی ہے"

حفصہ بیگم کے ہاتھ سے چمچ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"کیا سچ کہہ رہے ہو سیام"

ابو نے فوراً عینک سیدھی کی اور چونک کر دیکھا۔

"بیٹا یہ واقعی سچ ہے"

سیام نے لیٹر آگے بڑھایا

"یہ دیکھیے خان انٹرپرائزز سے آفر لیٹر ہے۔ میں نے جو انٹرویو دیا تھا وہ کامیاب ہو گیا۔ مجھے اپوائنٹمنٹ لیٹر بھیج دیا گیا ہے"

امی نے لیٹر تھام کر آنکھوں کے قریب کیا مگر اُن کی نظریں تو دھندلا گئی تھیں——خوشی کے آنسوؤں سے۔

"میرے بچے کو جاب مل گئی میری دعائیں قبول ہو گئیں"

امی نے سیام کے سر پر ہاتھ پھیراا اور اُسے سینے سے لگالیا۔

ابو کی آنکھوں میں فخر کی جھلک تھی۔

"شاباش میرے بیٹے اللہ تمہیں ایسے ہی ترقی دے آمین"

سیام نے اُن دونوں کو باری باری دیکھا۔

"یہ سب آپ دونوں کی دعاؤں سے ہوا ہے آج میرا پہلا قدم ہے کامیابی کی طرف"

ماحول جذبات سے بوجھل ہو گیا۔ رات کی خاموشی اب ایک نئی روشنی سے جگمگا رہی تھی۔

بلآخر وہ دن آ ہی گیا جب موسیٰ نے امریکہ سے وطن واپس آنا تھا۔

ائیر پورٹ کی راہداریوں میں غیر معمولی ہلچل تھی۔ ہر طرف کیمرے رپورٹرز اور سکیورٹی اہلکاروں کی پھرتیاں تھیں۔ آج کوئی عام دن نہیں تھا ایک سیاسی جماعت کا لیڈر، ایک کرشماتی شخصیت ایک حسین مگر پراسرار مرد اپنے وطن واپس آ رہا تھا۔

ائیر پورٹ کے مرکزی دروازے سے جیسے ہی وہ نمودار ہوا، فضا میں جیسے ایک خاموش سی سنسنی دوڑ گئی۔

سیاہ فٹڈ پینٹ اور سفید نفیس شرٹ —— جس کی آستینیں کہنیوں تک سلیقے سے موڑی ہوئی تھیں —— اس کی پر وقار شخصیت کو اور نمایاں کر رہی تھیں۔ کالر کے نیچے بلیک سنیگ فٹ کوٹ کا ایک کنارہ جھلک دے رہا تھا آنکھوں پر سیاہ چشمہ اور چہرے پر وہی سنجیدگی جو برسوں سے اس کی پہچان تھی۔ بال پیچھے کی جانب نفاست سے جمے ہوئے جیسے ہر تار اس کے حکم کی پابند ہو۔

اس کے کانوں میں بلیوٹوتھ لگا تھا اور قدموں میں برینڈڈ جوتے اُس کے وقار سے میل کھا رہے تھے۔ وہ ہر طرف سے بے نیاز، اپنی مخصوص رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا جیسے اسے دنیا کی کوئی پرواہ نہ ہو مگر دنیا وہ تو صرف اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

ائیر پورٹ پر موجود ہر نگاہ اُس پر ٹھہر گئی تھی۔ راہگیر لڑکیاں ایئر ہوسٹسز، رپورٹرز یہاں تک کہ کیمروں کے پیچھے کھڑے لوگ بھی چند لمحوں کے لیے صرف اُسی کے سحر میں کھو گئے۔

سکیورٹی غیر معمولی تھی۔ اس کے ارد گرد حفاظتی گارڈز کا گھیرا تھا جو اُس کے مقام اور اہمیت کا اعلان کر رہا تھا۔ لیکن موسیٰ وہ اُن سب کے بیچ بھی سب سے نمایاں تھا——خاموش پر اسرار اور ناقابلِ رسائی۔

آج اس کی وطن واپسی صرف ایک سفر کا اختتام نہیں تھی بلکہ ایک نئے باب کا آغاز تھی۔ اور وہ باب شاید کسی کے دل میں لکھا جانا تھا۔

* * *

دراز چھتوں اور کشادہ صحن والی اُس قدیم و عظیم حویلی کے ہر کونے میں بے چینی دوڑ رہی تھی۔ خدام ادھر سے اُدھر بھاگ رہے تھے نوکرانیاں کچن اور مہمان

خانوں کی صفائی میں جُتی ہوئی تھیں جیسے کسی بہت بڑے معزز مہمان کی آمد متوقع ہو—— جبکہ سب جانتے تھے مہمان نہیں وارث آرہا ہے۔

ہر فرد کو خبر ہو چکی تھی موسیٰ شیر خان لاہور پہنچ چکا ہے۔

مرکزی حال کے وسط میں بڑے صوفے پر بیٹھے یحییٰ صاحب نے اضطراب کے عالم میں اپنی جارجٹ کی شال کندھے پر درست کی اور میز پر پڑے ریموٹ سے ٹی وی کا والیوم کم کیا جو ہر نیوز چینل پر یہی گونج رہا تھا۔

"ملک کے معروف سیاسی رہنما موسیٰ شیر خان امریکہ سے واپسی پر لاہور پہنچ چکے ہیں"

انہوں نے سامنے کھڑے مینجر اسماعیل کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر بظاہر اطمینان تھا مگر یحییٰ صاحب کی نظریں کچھ اور چاہتی تھیں۔

"اسماعیل ڈرائیور کو سب سمجھا دیا ہے نا وقت پر پہنچے بغیر کسی تاخیر کے تم جانتے ہو نا کتنے دشمن اُس کے تعاقب میں گھات لگائے بیٹھے ہیں"

اسماعیل نے گردن ہلائی اور نرمی سے کہا۔

"جی سر سب ہدایات دے دی ہیں ڈرائیور گاڑیاں سب تیار ہیں۔ اور گارڈز کی پوری ٹیم ساتھ ہے ہر زاویے سے نگرانی ہو رہی ہے"

یحییٰ صاحب نے گہرا سانس لیا جیسے خود کو تسلی دے رہے ہوں پھر نیم آواز میں بولے۔

"وہ صرف میرا بھتیجا نہیں اس حویلی کا نام ہے خون ہے اُسے کچھ نہیں ہونا چاہیے کچھ بھی نہیں"

ٹی وی پر موسیٰ کی ایئرپورٹ سے نکلتے ہوئے دھندلی سی فوٹیج چل رہی تھی——

سیاہ چشمہ، سفید شرٹ ارد گرد محافظوں کا حصار۔

حویلی کی دیواروں تک میں اس لمحے ایک غیر محسوس سا وقار اُتر آیا تھا۔ جیسے ہر اینٹ کو اپنے اصل وارث کے قدموں کی چاپ محسوس ہو چکی ہو۔

______

پیر کا دن مگر یہ عام سا پیر نہیں تھا۔ موسم میں کچھ خاص سی نمی تھی جیسے فضا بھی کسی تبدیلی کی پیش گوئی کر رہی ہو۔ موسیٰ کی واپسی نے ایک ہلچل سی مچا دی تھی—ایک ایسا شخص جو پوری شدت کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔

دوسری طرف سیام کے لیے یہ دن نئی شروعات کا دن تھا۔ وہ کافی عرصے سے جدوجہد کر رہا تھا اور آج اسے وہ جاب مل گئی جس کا خواب وہ مہینوں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں پہلی بار یقین اور اطمینان کی چمک تھی۔

فاطمہ نے بھی اسی دن ایک نیا انٹرویو لیا۔ مگر یہ انٹرویو دوسروں سے مختلف تھا—اس بار وہ صرف ایک صحافی نہیں تھی وہ خود بھی اس کہانی کا حصہ بننے والی

تھی۔ وہ جانتی تھی یہ سوالات صرف کسی اور کی زندگی نہیں بدلیں گے بلکہ شاید اُس کی اپنی تقدیر بھی۔

یہ دن تینوں کے لیے نیا آغاز تھا ایک ایسی تبدیلی کا اشارہ جو ان کی زندگیوں کا رخ ہمیشہ کے لیے بدل سکتی تھی۔

"ارے واہ آج تو دستر خوان خوب سجا ہے لگتا ہے بھائی کے لیے دعوت کا اہتمام کیا ہے جاب کی وجہ سے" فردان نے میز پر نظریں دوڑاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

"تو تم بھی کوئی نوکری ڈھونڈ لو برخودار کل کو تمہاری بھی شادی ہونی ہے"

امروز صاحب نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔

"پہلے آپ بتائیں میری شادی کب کرا رہے ہیں نوکری تو میں ڈھونڈ ہی لوں گا"

فردان دانت نکالتے ہوئے ڈھٹائی سے بولا۔

"شرم بھی آتی ہے یا نہیں باپ سے ایسے بات کرتے ہے" امروز صاحب کو اس کی بات پر غصہ آگیا۔

"ابا چھوڑیں نا مذاق کر رہا ہے وہ"

سیام نے نرمی سے بات سنبھالنے کی کوشش کی کیونکہ وہ اپنے والد کا چہرہ سرخ ہوتا دیکھ چکا تھا۔

"حفصہ میں کہہ رہا ہوں اِسے سمجھالو۔ ورنہ قسم سے عمر کا لحاظ کیے بغیر جوتا مار دوں گا اور جہاں تک شادی کی بات ہے تم جیسے کو تو کوئی اپنی بیٹی دینے کو بھی تیار نہ ہو"

امروز صاحب نے بیگم سے مخاطب ہو کر غصے سے کہا جو ناشتہ سجا رہی تھیں۔

"تو نانا نے آپ کو امی کا رشتہ کیسے دے دیا سب یہی کہتے ہیں کہ میں آپ پہ گیا ہوں۔ جیسے آپ کو مل گئی ویسے ہی مجھے بھی مل جائے گی"

فردان نے شرارتی انداز میں کہا جیسے جان بوجھ کر اُن کا پارہ چڑھا رہا ہو۔

"فردان تمیز سے بات کروا باہیں تمہارے "حفصہ بیگم نے جھڑکتے ہوئے کہا۔

"امی حاجی صاحب کو بھی بتا دیں کہ اُن کا بیٹا میں ہی ہوں"

وہ مزے سے چائے کی چسکی لیتے ہوئے بولا یہ اُس کی روز کی عادت تھی ـــــ ابا کو تنگ کرنا۔

" چلیں امی میں چلتا ہوں دیر ہو رہی ہے" سیام کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"بیٹا خیر سے جاؤ"

حفصہ بیگم نے محبت سے دعا دی۔

"خدا حافظ ابو" سیام نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"امی میں بھی جارہاہوں ایک ضروری کام ہے" فردان نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں بل گیٹس کے ساتھ میٹنگ ہو گی اِس کی تمھیں نہیں پتہ حفصہ بہت بڑے بزنس چلارہاہے یہ"

امروز صاحب نے طنز کے تیر برسائے۔

"توآپ کیوں جل رہے ہیں ابا آپ بھی آجائیں میٹنگ میں اولڈ لوگوں کا آنا منع نہیں"

فردان ہنستے ہوئے باہر کی طرف بھاگا کیونکہ آج جوتا واقعی اُڑنے کو تیار تھا۔

صبح کے نو بجنے کی آواز ابھی نیوز لائن آفس کی خاموش راہداریوں میں گونجی ہی تھی کہ فاطمہ تیز قدموں سے اندر داخل ہوئی۔ اُس کے چہرے پر عزم کی جھلک

تھی اور آنکھوں میں ایک مخصوص چمک جیسے آج کا شو معمول سے ہٹ کر کچھ خاص ہونے والا ہو۔

پہلے وہ سیدھی میک اپ روم گئی آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر آؤٹ فٹ پر ایک سرسری نظر ڈالی سیاہ اور سفید امتزاج میں تیار کردہ لباس اُس کی شخصیت کے مطابق سخت پروفیشنل اور پرکشش تھا۔ میک اپ آرٹسٹ کو صرف سر ہلا کر ہلکی سی ٹچ اپ کی اجازت دی اور اگلے ہی لمحے چیف صاحب کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

دروازے پر پہنچ کر اُس نے ہلکی سی دستک دی۔

"May I come In ?"

آفس میں بیٹھے چیف صاحب جو مینجر کے ساتھ آج کے شو کی تھیم پر گفتگو میں مصروف تھے فاطمہ کی آواز سنتے ہی چونکے۔

"جی مس فاطمہ آجائیں "اُنھوں نے نرمی سے اجازت دی۔

فاطمہ کمرے میں داخل ہوئی قدموں میں اعتماد ہاتھ میں ایک فولڈر اور دماغ میں مکمل پلان۔

"بیٹھے فاطمہ " چیف صاحب نے اشارہ کیا تو وہ سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"سر ایک نظر اسکرپٹ پر ڈال لیجیے "اُس نے فولڈر کھولتے ہوئے کہا۔ فاطمہ اکثر اپنے شو کا اسکرپٹ خود ہی لکھتی تھی—— کب کون سا سوال پوچھنا ہے کب رخ بدلنا ہے یہ سب اُس کے ذہن میں پہلے سے ترتیب شدہ ہوتا کسی کو اس پر اعتراض بھی نہ ہوتا کیونکہ اس کی میزبانی میں شو ہمیشہ ریٹنگ کے عروج پر رہتا۔

چیف صاحب نے فولڈر بند کر کے ایک طرف رکھ دیا مسکراتے ہوئے بولے۔

"فاطمہ مجھے تمہارے اسکرپٹ پر بھی پورا یقین ہے اور تمہارے بوسی انداز پر بھی اب دیکھتے ہیں کہ جھوٹ کی ماہر سعدیہ احمد تمہارے سوالوں سے بچ پاتی ہے یا نہیں" چیف صاحب مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

خان حویلی کے باہر دھول بھری سڑک پر اچانک بریکوں کی مدھم چیخ سنائی دی، اور ایک سیاہ مرسڈیز پرسکون انداز میں آکر رکی۔ لمحہ بھر میں آس پاس موجود گارڈز کی گاڑیاں بھی سائے کی طرح قریب آگئیں۔ حفاظتی پروٹوکول خاموشی سے حرکت میں آیا، اور اگلے ہی لمحے حویلی کا پرانا مگر شان دار لکڑی کا دروازہ دھیرے سے کھلنے لگا۔

مرسڈیز دھیرے دھیرے اندر داخل ہوئی تو حویلی کے صحن میں پہلے سے موجود یحییٰ خان اور ان کی زوجہ اپنے بھتیجے کے استقبال کے لیے تیار کھڑے تھے۔

گاڑی رُکی۔ دروازہ کھلا اور موسیٰ خان اُترا—پورے جاہ و جلال اور وقار کے ساتھ چمکتے بوٹ اور آنکھوں میں وہی پرانا غرور، جیسے دنیا کو قدموں میں رکھنے کا یقین ابھی بھی اُس کے اندر موجود ہو۔

"السلام علیکم تایا جان" موسیٰ نے قریب آتے ہی گرمجوشی سے یحیٰ خان کو گلے لگایا۔

"وعلیکم السلام میرا شیر آگیا" یحیٰ خان نے اُس کو مضبوطی سے لپٹا لیا جیسے برسوں کی دوری لمحوں میں ختم ہو گئی ہو۔

پھر موسیٰ نے تائی جان کی طرف دیکھا انداز میں رسمی سا احترام مگر جذبے کی کوئی تپش نہیں تھی۔

"سلام تائی جان" آواز میں برف کی سی سرد مہری تھی۔ گلے نہیں ملے بس رسم نبھائی۔

"وعلیکم السلام کیسے ہو بیٹا" تائی جان نے اُس کی خشک رویہ محسوس کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں" مختصر جواب سپاٹ لہجہ موسیٰ خان کا مزاج ہمیشہ سے یہی رہا تھا تایا کے سوا کسی کو خاطر میں نہ لانا اور غرور ایسا کہ اپنے سائے سے بھی اونچا نظر آنا۔

"اب کیا ساری باتیں یہیں کھڑے ہو کر کرنی ہیں چلو اندر" یحیٰ خان نے مسکراتے ہوئے موسیٰ کا بازو تھاما اور اُسے اپنے ساتھ حویلی کے اندر لے گئے۔

سیام میر دھیمے مگر باوقار قدموں کے ساتھ خان انٹرپرائزز کی عمارت میں داخل ہوا۔ اُس کے ہر قدم میں اعتماد اور شخصیت میں ایک نرمی سے بھرا ہوا دبدبہ تھا، جو اُسے بھیڑ میں الگ نمایاں کرتا تھا۔ استقبالیہ پر موجود عملے نے اُسے پہچانتے ہی مؤدب انداز میں سر ہلایا اور آطف صاحب فوراً اُس کا استقبال کرنے کے لیے آگے بڑھے۔

سیام نے اُس روز وہی لباس چُنا تھا جو ایک پروفیشنل مینجر کی شخصیت کو مکمل کرتا ہے سلیقے سے استری شدہ بلیک پینٹ کوٹ، اندر سفید شرٹ اور ہاتھ میں ایک پتلی فائل اُس کے چہرے پر سنجیدگی تھی مگر آنکھوں میں مکمل ہوشیاری۔

"آیئے سیام صاحب بدر صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں" آطف صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا اور اُسے اپنے ساتھ لے کر اوپر کی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

بدر خان کا آفس جدید طرز پر آراستہ تھا اندر جانے سے پہلے آطف صاحب نے ہلکی سی دستک دی اور رسمی انداز میں اجازت چاہی۔

"Sir may i come in"

اندر سے بدر خان کی آواز آئی جو اس وقت موبائل پر کسی ای میل میں مصروف تھے۔

"جی جی آطف صاحب آیئے"

آطف صاحب نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئے۔

"سر سیام صاحب آچکے ہیں"

بدر خان نے سر اٹھا کر سیام کی طرف دیکھا جو دروازے پر کھڑا تھا۔

"السلام علیکم سر" سیام نے مؤدب انداز میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام سیام صاحب تشریف رکھیں" بدر خان نے مصافحہ کے بعد اُسے بیٹھنے کا اشارہ دیا پھر آطف صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔

"آطف صاحب دو کافی بھجوایئے گا"

آفس کا ماحول اب بات چیت کے لیے تیار تھا اور فضا میں ایک ہلکی سی سنجیدگی محسوس ہونے لگی۔

دفتر کی کھڑکیوں سے چھن چھن کر آتی دھوپ کمرے میں سنہری روشنی بکھیر رہی تھی۔ دیوار پر لگی گھڑی ساڑھے نو بجا رہی تھی۔ سیام ہاتھ میں فائل لیے، سیدھا کرسی پر بیٹھا تھا جب بدر صاحب نے نظریں اس پر گاڑ دیں۔

"سیام تم جانتے ہو کہ تمہیں مینجر کی پوسٹ کیوں دی گئی"

بدر صاحب کی آواز میں نرمی تو تھی مگر ساتھ ایک چھپا ہوا اعتماد بھی۔

"میرا خیال ہے کوالیفیکیشن کی بنیاد پر" سیام نے تھوڑا جھجکتے ہوئے کہا۔

بدر صاحب نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلایا "نہیں تمہیں یہ ذمے داری تمہارے صبر اور پُراعتماد رویے کی وجہ سے ملی ہے"

سیام نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"اس دن جب میری بیٹی رئیسہ نے تمہارا انٹرویو لیا تھا میں سب دیکھ رہا تھا۔ میں جانتا ہوں اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو رئیسہ کی سخت باتوں کا جواب دے کر

چلا جاتا لیکن تم نے تحمل سے سنا برداشت کیا اور اپنی بات پر قائم رہے تبھی میں نے سوچا ہمیں ایسا ہی مینجر چاہیے اور تم نے میری سوچ کو صحیح ثابت کیا"

سیام کے چہرے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ آئی۔ اُس نے نظریں جھکالی۔

"شکریہ سر میں پوری کوشش کروں گا کہ آگے بھی آپ کی اُمید پر پورا اُتر سکوں"

بدر صاحب نے گھڑی کی طرف دیکھا جو اب ٹھیک دس بجا رہی تھی۔

"سیام رئیسہ اس کمپنی کی اونر ہے اور آج سے وہ باقاعدہ دفتر آنا شروع کرے گی اُس کا مزاج کچھ تیز ہے تم سمجھ رہے ہو نا میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں"

سیام نے پر سکون لہجے میں سر ہلا یا۔

"میں جانتا ہوں تم اسے سنبھال لو گے تم میں وہ تحمل ہے جس کی اس ماحول کو سب سے زیادہ ضرورت ہے"

دروازے کے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی لمحہ بھر بعد دفتر کا ماحول مزید سنجیدہ ہو گیا رئیسہ آ چکی تھی۔

"لالہ آپ آ گئے"

مرحا جو کب سے دروازے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی موسیٰ کو دیکھتے ہی خوشی سے چمک اٹھی۔ وہ بھاگتی ہوئی اُس کے گلے لگ گئی۔

"میں نے آپ کو بہت بہت مس کیا"

موسیٰ نے بے ساختہ اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"میں نے بھی تمہیں یاد کیا"

مگر اُس کے لہجے میں ایک عجیب سی تھکن چھپی ہوئی تھی جیسے اپنے جذبات کا اظہار بھی اب ایک بوجھ بن گیا ہو۔

مرحا نے موقع غنیمت جانا فوراً معصومانہ انداز اپنایا۔

"اور میرے گفٹس لالہ آپ تو میرے لیے ڈھیر سارے تحفے لاتے ہیں نا"

موسیٰ نے گہری سانس لی جیسے بات کرنا بھی ایک مشقت ہو۔

"ہاں لایا ہوں ڈرائیور بیگ نکال رہا ہے گاڑی سے تھوڑی دیر میں دے دوں گا"

اُس کا دھیان کہیں اور تھا۔ وہ محض یحیٰ خان کے احترام میں مرحا کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا ورنہ اپنوں سے بات کرنا اُسے ہمیشہ کی طرح بوجھ لگتا تھا۔

اسی لمحے کچن سے ہلکی چاپ سنائی دی اور روما باہر نکلی۔

چہرہ سرخ نظروں میں چمک جیسے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی ہو۔

"السلام علیکم" اُس نے دھیرے سے کہا۔

"وعلیکم السلام"

موسیٰ نے سرسری انداز میں جواب دیا اُس نے روما کی طرف دیکھا تک نہیں۔

روما کے لیے یہی کافی تھا۔

"کم از کم سلام کا جواب تو ملا" اُس کے دل نے سرگوشی کی۔

"تایا جان میں تھوڑا آرام کرنا چاہتا ہوں اگر اجازت ہو"

موسیٰ کی آواز تھکی سی تھی وہ مزید اِس ماحول کا حصہ نہیں بن سکتا تھا۔

"ارے بیٹا کھانا تو کھا لو روما نے تمہاری پسند کا سب کچھ بنایا ہے" ماہ جبین بیگم نے بات کا رخ موڑتے ہوئے کہا۔

روما نظریں جھکائے کھڑی تھی امیدوں سے لبریز۔

مگر موسیٰ کا چہرہ ایک پل کو سخت ہوا۔

"تائی جان میں پلین سے آیا ہوں وہاں کھانا ملتا ہے"

اُسے ماہ جبین بیگم کی یہ ادا ہمیشہ گراں گزرتی تھی اپنی بیٹی کو ہر بار اس طرح اس کے سامنے پیش کرتی تھیں جیسے رشتہ بیچ رہی ہوں۔

یحیٰ خان نے نرمی سے ماحول کو سنبھالا۔

"جاؤ بیٹا آرام کر لو تھک گئے ہو گے"

"جی"

موسیٰ مختصر سا جواب دے کر زینے کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے اُس گھر کے شور سے بھاگ رہا ہو۔ جیسے اپنوں کے درمیان ہوتے ہوئے بھی وہ کہیں اکیلا رہ گیا ہو۔

فردان نے کالج کے سامنے اپنی بائیک روکی دھوپ میں چمکتی ہوئی اس کی بائیک جیسے سب کی توجہ کھینچ رہی تھی، لیکن اس وقت فردان خود بھی کم نہیں چمک رہا تھا سلیقے سے جیل لگے بال بلیک کلر کے استری شدہ کپڑے اور تازہ پولش جوتے۔

دل میں ہلکی سی گھبراہٹ تھی کیونکہ آج اُس کا پہلا انٹرویو تھا لیکن چہرے پر ایک "میں تو بڑا نارمل ہوں" والا اعتماد طاری کیے وہ کالج کی عمارت کی طرف بڑھا۔

گیٹ پر موجود گارڈز نے اُس کی فائل دیکھی سر ہلایا اور اندر جانے کا اشارہ کر دیا۔

اتنے میں موبائل بجا اسکرین پر شہریار کا نام چمک رہا تھا وہی دوست جس نے اس انٹرویو کا بندوبست کروایا تھا۔

"یار تم پہنچ گئے ہو کالج" دوسری طرف سے شہریار کی آواز آئی۔

"ہاں یار ابھی پرنسپل کے آفس کی طرف ہی جا رہا ہوں" فردان نے ہلکی آواز میں کہا جیسے کالج کی دیواروں کو خبر نہ ہو جائے۔

"چل پھر بیسٹ آف لک انٹرویو دھواں دار دینا اوکے" شہریار نے حوصلہ افزائی کی اور فون بند کر دیا۔

فون جیب میں ڈالتے ہوئے فردان کی نظر چند لڑکیوں پر پڑی جو ہلکی ہنسی کے ساتھ اُسے گھور رہی تھیں۔

"یہ لڑکیاں مجھے ایسے کیوں گھور رہی ہیں" اُس نے زیر لب کہا۔

پھر ایک دم شانے جھاڑتے ہوئے خود ہی جواب دے بیٹھا۔

"شاید ان کی قسمت میں کبھی اتنا ہینڈ سم بندہ آیا ہی نہ ہو"

وہ آہستہ سے مسکرایا گردن ہلکی سی اکڑائی اور ایک طائرانہ نظر لڑکیوں پر ڈالتے ہوئے دل ہی دل میں بولا۔

"چلو اب اِن کی عید روز روز ہو گی ہر روز ایسا پروفیسر جو پڑھائے بھی اور لگے بھی ہیرو"

یہ کہتے ہوئے فردان بڑے اسٹائل سے آفس کی طرف بڑھ گیا۔

فردان نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے پرنسپل کی بھاری اور باوقار آواز آئی۔

"Yes, come in "

وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ کمرے میں لکڑی کی میز فائلوں کا ایک منظم انبار اور دیوار پر آویزاں کالج کے اعزازات کا ایک خوبصورت ڈسپلے نظر آیا۔ سامنے پرنسپل صاحب بیٹھے تھے ساتھ ہی ایک سینئر لیکچرار اور ایچ آر کی نمائندہ بھی موجود تھی۔

"جی فردان امروز" پرنسپل نے نظر اُٹھا کر فائل دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی سر میں ہی ہوں" فردان نے ادب سے جواب دیا اور اجازت ملنے پر کرسی پر بیٹھ گیا۔

پرنسپل نے فائل دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"فردان آپ نے MBA کیا ہے کسی کالج میں پہلے پڑھایا ہے"

فردان نے پر اعتماد انداز میں جواب دیا۔

"سر یہ میرا پہلا موقع ہے بطور لیکچرار۔ تجربہ تو نہیں، لیکن جذبہ اور تیاری پوری ہے۔ میں نے اپنی یونیورسٹی میں کئی پریزینٹیشنز دی ہیں ٹیمز لیڈ کی ہیں، اور سینیئرز کی کلاسز میں اسسٹ بھی کیا ہے"

ایچ آر افسرہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"تو آپ سمجھتے ہیں کہ بغیر تجربے کے آپ کلاس سنبھال سکتے ہیں"

"جی تجربہ وقت کے ساتھ آتا ہے لیکن جذبہ اور ذمہ داری آج سے ہی شروع ہو سکتی ہے میں سیکھنے کو بھی تیار ہوں اور سکھانے کو بھی"

پرنسپل نے فائل بند کی چشمہ اُتارا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"Mr. Fardan I must say we are impressed. Welcome to our faculty"

فردان کو جیسے لمحہ بھر کو یقین نہ آیا۔

"Thank you so much, Sir. It’ll be an honour"

"بس اب لڑکیوں سے سنبھل کر رہنا وہ تو پہلے ہی لاؤنج میں آپ کے فین بن چکی ہیں" پرنسپل نے ہنستے ہوئے کہا۔

سارے کمرے میں ہلکی سی قہقہہ گونجی۔

"سر اُن سے زیادہ مجھے نصاب سے محبت ہے" فردان بہت خوش تھا۔ اُس کو جاب مل گئی ہے بلکل ویسی جیسی وہ چاہتا تھا۔

پیر کی شام تھی۔ اسٹوڈیو میں روشنیوں کی تپش کیمروں کا رخ، اور اسٹاف کی سرگوشیاں ایک پیشہ ورانہ سنجیدگی کا ماحول پیدا کر رہی تھیں۔ اس سارے ہلچل کے بیچ، فاطمہ پوری خوداعتمادی کے ساتھ اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھی تھی ہلکے نیلے رنگ کا اسمارٹ کوٹ بالوں کی نفاست سے بندھی پونی ٹیل، اور چہرے پر وہی جانا پہچانا وقار جو ناظرین کو اس کے انداز کا گرویدہ بناتا جا رہا تھا۔

"تین دو ایک آن ایئر"

فاطمہ نے کیمرے کی طرف مسکرا کر رخ کیا اور اپنی مخصوص پر وقار آواز میں کہا

۔

"اسلام علیکم ناظرین میں ہوں فاطمہ اور آپ دیکھ رہے ہیں صاف صاف بات فاطمہ کے ساتھ آج ہمارے ساتھ موجود ہیں وہ شخصیت جن کا ذکر سیاست کے ہر میدان میں ہوتا ہے چاہے بحث ہو نظریات کی یا مفادات کی خوش آمدید سعدیہ احمد صاحبہ ہمارے شو میں۔"

"وعلیکم اسلام بہت شکریہ"

سعدیہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا اور سلام کا جواب دیا۔

فاطمہ نے گفتگو کا آغاز بڑے پُراعتماد اور بے باک انداز میں کیا۔

فاطمہ نے اگلا سوال داغنے سے پہلے لمحہ بھر کی خاموشی اختیار کی جیسے اپنی مہمان کو خود کو سنبھالنے کا وقت دے رہی ہو مگر اس کی نظریں سیدھی کیمرے سے ہٹ کر سعدیہ کی آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں۔

"سعدیہ صاحبہ آپ ہر چھ ماہ بعد پارٹی بدل لیتی ہیں۔ نظریہ کمزور ہے"

یہ سوال نہیں گویا تھپڑ تھا جو لفظوں کے ہاتھوں مارا گیا ہو۔

سعدیہ کے چہرے پر لمحے بھر کو ناگواری کی ایک لکیر سی لہرائی جیسے وہ اس سوال کی توقع نہ رکھتی ہو یا شاید دل میں کہیں امید تھی کہ فاطمہ تھوڑی نرمی سے کام لے گی۔

مگر وہ فاطمہ کو جانتی نہیں تھی۔

"دیکھیں سیاست میں فیصلے وقت کے مطابق لیے جاتے ہیں ہر دور کا اپنا تقاضا ہوتا ہے"

فاطمہ نے فوراً بات کاٹ دی جیسے کسی رٹے رٹائے بیان کو مزید برداشت کرنے کا یارانہ ہو۔

"فیصلے یا فائدے کیونکہ عوام تو اب آپ کو 'سیاسی مسافر' کہنے لگی ہے اُن کے نزدیک آپ کا ہر نیا بیانیہ کسی نئے وعدے یا وزارت کا شاخسانہ لگتا ہے"

سعدیہ نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ پانی کا گھونٹ لیا۔ اُس کی انگلیاں میز پر دھیرے دھیرے تھپتھپانے لگیں——ایک خاموش اضطراب کی علامت۔

"آپ مجھ پر الزامات لگا رہی ہیں فاطمہ۔ یہ صحافت نہیں مہم جوئی لگ رہی ہے"

فاطمہ نے کرسی کی پشت سے سیدھا ہو کر میز کے قریب ہوتے ہوئے مائیک تھاما اور سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں سعدیہ صاحبہ میں وہی پوچھ رہی ہوں جو سڑک پر کھڑا ایک عام شہری پوچھنا چاہتا ہے فنڈز کہاں سے آتے ہیں کس کے کہنے پر بیانیہ بدلتی ہیں اور سب سے اہم سوال عوام کا کیا اُن کے مسائل پر کبھی آپ نے آواز اٹھائی یا بس اپنی نشستیں بچانے کی جنگ لڑی"

اس بار سعدیہ خاموش ہو گئی اسٹوڈیو میں ایک عجیب سا تناؤ پھیل گیا، جیسے وقت بھی کچھ لمحوں کے لیے ساکت ہو گیا ہو۔

پروڈیوسر نے ایئر پیس میں سرگوشی کی۔

"تھوڑا نرم ہو جاؤ فاطمہ بہت تیز جا رہی ہو"

مگر فاطمہ کی آنکھوں میں ایک عزم تھا۔ اُس نے مائیک پر گرفت مضبوط کی اور اپنے آخری سوال کی طرف بڑھ گئی۔

"سچ بتایئے سعدیہ صاحبہ کیا آپ واقعی عوامی نمائندہ ہیں یا صرف موقع پرست سیاسی مہرہ"

کیمرہ سعدیہ کے الجھے خاموش چہرے پر زوم ہوا۔ اُس کی آنکھوں میں پہلی بار جھجک نہیں شرمندگی نظر آئی۔

فاطمہ نے کیمرے کی طرف دیکھتے ہوئے ایک لمحے کو نظریں جمائیں——

گویا اُس کی نگاہیں ناظرین کو یہ پیغام دے رہی ہوں۔

"سچ تک پہنچنے کا سفر آسان نہیں لیکن ضروری ہے"

———

کمرے میں مدھم روشنی تھی کھڑکی کے پردے ہلکی سی ہوا سے جنبش میں تھے بڑی ایل ای ڈی اسکرین پر صاف صاف بات فاطمہ کے ساتھ کالو گو چمک رہا تھا۔ سامنے صوفے پر موسیٰ نیم دراز بیٹھا تھا ہاتھ میں کافی کا کپ مگر نگاہیں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اس کے پاس بیٹھا یحییٰ خان ریموٹ کو انگلیوں میں بے دلی سے گھما رہے تھے۔

"موسیٰ یہ لڑکی دیکھ رہے ہو"

یحییٰ نے ریموٹ کا اشارہ اسکرین کی طرف کیا جہاں فاطمہ سعدیہ احمد پر تابڑ توڑ سوالات کر رہی تھی۔

فاطمہ کی آواز میں اعتماد تھا آنکھوں میں سوال اور انداز میں زہر خند۔

موسیٰ نے گہری نظر سے اسکرین پر فاطمہ کے چہرے کو دیکھا۔

"جی دیکھ رہا ہوں کافی پُر اعتماد صحافی لگتی ہے "اُس نے سنجیدگی سے کہا جیسے پہلی ہی نظر میں فاطمہ کی شخصیت کا تجزیہ کر چکا ہو۔

یحییٰ نے نیم مسکراہٹ سے کندھے جھٹکے "یہی لے گی تمہارا انٹرویو"

موسیٰ نے اب پورا بدن سیدھا کیا اور ایک بار پھر غور سے اسکرین پر نگاہ ڈالی جیسے تصویر کے پار کسی گہرے راز کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہمم اچھا"

چند لمحے خاموشی میں گزرے پھر اچانک موسیٰ کے ذہن میں سوال ابھرا۔

"لیکن یہی کیوں "

یحییٰ نے ریموٹ میز پر رکھ دیا اور آرام سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"کیونکہ جب ایک کھرا اور سچ بولنے والا شخص کسی کی تعریف کرتا ہے تو لوگ اُس کی بات کو سچ مانتے ہیں اور جب یہ لڑکی جو اصولوں کی پوجاری ہے تمہاری

تعریف کرے گی تو لوگ خود سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ تم میں کچھ تو خاص ہے"

موسیٰ نے دھیرے سے سر ہلایا لیکن نظریں بدستور فاطمہ پر مرکوز تھیں۔

"آپ کو یقین ہے وہ میری تعریف کرے گی"

یحییٰ کی مسکراہٹ اب معنی خیز تھی اُس نے قہقہ لگاتے ہوئے کہا۔

"بالکل کرے گی موسیٰ پیسہ سب کچھ کرواتا ہے"

موسیٰ کے چہرے پر سنجیدگی گہری ہو گئی۔

"اگر وہ واقعی سچی اور کھری ہے تو پیسہ کیوں لے گی"

یہ سوال جیسے یحییٰ کے قہقہے کو لمحے بھر کو روک گیا۔

مگر پھر اُنھوں نے آنکھیں سکیڑی۔

"پیسہ، پیسہ انسان کی سچائی کو خرید نہیں سکتا لیکن اُسے جھکنے پر مجبور ضرور کر سکتا ہے"

موسیٰ کے چہرے پر ایک ہلکی سی چمک آئی جیسے اُسے اب اس لڑکی سے ملنے کی جلدی ہو۔

یہ صرف ایک انٹرویو نہیں تھا۔

یہ ایک مقابلہ تھا——سچ بمقابلہ اختیار۔

رئیسہ بدر خان کی بھاری لکڑی کی میز پر چمکتے کاغذات کی ترتیب اتنی ہی سخت تھی جتنی اُس کی شخصیت۔ وہ فون پر مصروف تھی آواز میں دبدبہ اور لہجے میں تحکمانہ وقار نمایاں تھا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ رئیسہ نے ایک نظر اُدھر ڈالی اور اجازت دے دی۔

"آیئے"

سیام میر اندر داخل ہوا سنبھلا ہوا قدم صاف ستھرا لباس لیکن چہرے پر وہی دبی ہوئی الجھن جو رئیسہ کی موجودگی اکثر پیدا کرتی تھی۔

"میم یہ فنانس کی فائل ہے اس پر آپ کے سگنیچر چاہیے تھے"

وہ فائل کو میز پر رکھ کر مؤدب لہجے میں بولا۔

رئیسہ نے فون رکھ دیا نگاہوں سے اُسے تولا۔ "ریڈ کر کے لائے ہیں میرے پاس یہ فائل"

سیام نے ہلکے سے سر ہلایا۔

"جی میم پوری طرح ریویو کی ہے"

رئیسہ نے خاموشی سے قلم اٹھایا دستخط کیے اور فائل کو بے نیازی سے میز پر تھوڑا دھکیل دیا۔

"اوکے"

سیام تھوڑا جھجھکتے ہوئے آگے بڑھا۔

"میم سر بدر نے کہا تھا کل سے بورڈ آفس کی میٹنگز آپ ہینڈل کریں گی تو"

رئیسہ نے اچانک میز پر ہاتھ مارا آواز کمرے میں گونج گئی۔

نگاہوں میں غصہ اور لہجے میں تحقیر بھری ہوئی تھی۔

"یہ میری کمپنی ہے مسٹر سیام۔ مجھے پتہ ہے مجھے کیا کرنا ہے آپ کا کام صرف میرے آرڈرز فالو کرنا ہے نا کہ دوسروں کے پیغامات مجھ تک لانا نہیں"

سیام چونکا لیکن چہرے پر تاثر قابو میں رکھا۔

"اوکے میم"

مختصر جواب دے کر وہ خاموشی سے پلٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ بند ہوا تو رئیسہ زیرِ لب غرور سے بڑبڑائی۔

"تمہاری یہ اکڑ نہ تھوڑی تو میرا نام بھی رئیسہ بدر خان نہیں"

ادھر سیام جیسے ہی کمرے سے باہر نکلا اُس کے لبوں پر تلخی آ گئی۔

"غرور کس بات کا خود کو سمجھتی کیا ہے کہیں سے بھی پڑھی لکھی نہیں لگتی۔

جاہل کہیں کی" دل ہی دل میں بڑبڑایا۔

اُس کے قدم تیز ہو گئے——شاید دل کی بھڑاس چلنے کی رفتار میں بدل گئی تھی۔

سعدیہ کے چہرے پر لمحے بھر کو ناگواری آئی مگر وہ سنبھل گئی۔

"دیکھیں سیاست میں فیصلے وقت کے مطابق لیے جاتے ہیں ہر پارٹی میں جانے کا مقصد صرف ایک تھا—— عوام کی خدمت اگر کوئی راستہ بند ہو تو دوسرا تلاش کرنا پڑتا ہے"

فاطمہ نے ہنکارا بھرا جیسے جواب سنا ضرور ہو مانا نہیں ہو۔

"ٹھیک ہے تو پھر یہ بتایئے پچھلے تین سالوں میں آپ نے کتنی قانون ساز تجاویز دی ہیں کوئی ایک بل بتادیں جو آپ نے عوامی مسائل کے حل کے لیے پیش کیا ہو"

"جی ہم نے خواتین کے حقوق سے متعلق ایک بل تیار کیا تھا جو ابھی ابتدائی مراحل میں ہے اس پر کام جاری ہے" سعدیہ نے قدرے تذبذب سے کہا۔

"وہی بل جس پر تین بار اسٹینڈنگ کمیٹی سے غیر حاضری لگ چکی ہے" فاطمہ نے نوٹس کی طرف دیکھا پھر نگاہ اُٹھا کر براہِ راست کہا۔

سعدیہ نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ پانی کا گھونٹ لیا۔

"آپ مجھ پر الزامات لگا رہی ہیں فاطمہ"

فاطمہ نے کرسی کی پشت سے سیدھا ہو کر سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں میں تو صرف وہی پوچھ رہی ہوں جو عوام پوچھنا چاہتی ہے فنڈز کہاں سے آتے ہیں کس کے کہنے پر بیانیہ بدلتی ہیں اور سب سے اہم سوال عوام کا کیا اُن کے مسائل پر کبھی آپ نے آواز اٹھائی یا بس اپنی نشستیں بچانے کی جنگ لڑی"

سعدیہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن لفظوں کی قطار بے ترتیب ہو چکی تھی چہرے پر سفارتی ہنسی تھی مگر آنکھوں میں الجھن۔

فاطمہ کے ائیر پیس میں آواز گونجی "آخری دو منٹ"

"ناظرین، آج ہم نے وعدوں دعووں اور خاموشیوں کو ایک ساتھ دیکھا فیصلے آپ کے ہاتھ میں ہیں سوال کرنا ہمارا حق ہے اور جواب دینا اُن کی ذمہ داری جو

اقتدار کے منصب پر بیٹھے ہیں" فاطمہ نے کیمرے کی طرف دیکھا پھر سیدھے ناظرین سے مخاطب ہوئی۔

اس نے نوٹس بند کیے نظریں دوبارہ سعدیہ پر ڈالیں اس بار پر سکون مگر غیر متزلزل انداز میں بولی۔

"سیاست صرف کرسی کا کھیل نہیں اعتماد کا قرض بھی ہے اور یہ قرض چکانے کا وقت شاید آگیا ہے"

کیمرے کی لائٹ مدھم ہوئی سٹوڈیو کی روشنی دھیرے دھیرے کم ہوئی۔

"اسی کے ساتھ مجھے اجازت دے ملتے ہے نیکسٹ پروگرام میں تب تک کے لیے اللہ حافظ"

شو ختم ہوتے ہی اسٹوڈیو کی فضا میں ایک گرجدار آواز گونجی جیسے خاموشی کو چیرتی ہوئی بجلی کوند گئی ہو۔

"مس فاطمہ ابراہیم آپ نے جو میری تضحیک کی ہے نا اپنے شو میں اس کا حساب آپ کو دینا پڑے گا آپ نے الزام لگایا ہے مجھ پر چھوڑوں گی نہیں"

سعدیہ احمد غصے سے کانپ رہی تھی آنکھوں میں چنگاریاں اور لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔

فاطمہ جو اپنے کرسی پر ٹیک لگائے سکون سے بیٹھی تھی اس کی بات سُن کر ہلکی سی مسکرائی۔

"جب حساب لینا ہو مجھے بتا دیجئے گا مس سعدیہ اور جہاں تک بات ہے الزام کی وہ سوال تھے الزام نہیں اگر پسینہ آرہا ہے تو آئینہ دیکھ جرم شاید یہی کھڑا ہوں"

فاطمہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا۔

سعدیہ احمد نے انگلی اٹھا کر دھمکی دی "جسٹ ویٹ اینڈ واچ چھوڑوں گی نہیں تمہیں"

وہ غصے سے پیر پٹختی ہوئی اسٹوڈیو سے باہر نکل گئی۔

فاطمہ نے لاپرواہی سے کہا۔

"اوکے اللہ حافظ محترمہ سعدیہ احمد"

قریب کھڑے علی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تم تو کمال کرتی ہو لڑکی کیوں دشمن پالتی ہو وہ تو شہسوار ملک پارٹی کی لیڈر رہے"

فاطمہ نے پرس سمیٹتے ہوئے کندھے اچکائے،

"اکثر انسان کو سچ کڑوا لگتا ہے اور اُن کو بھی لگا اس میں میری کیا غلطی"

علی نے ہلکا سا سانس بھرا جیسے کوئی پرانا سبق دہرا رہا ہو۔

"یہ سب ہم جانتے ہیں لیکن تھوڑا نرمی سے بھی پیش آیا جا سکتا ہے تمہیں سمجھداری دکھانی چاہیے فاطمہ"

فاطمہ نے اسے سنجیدگی سے دیکھا پھر ہنسی میں کہا۔

"دیکھو علی میرا شو کوئی اسٹیج ڈرامہ نہیں یہاں جھوٹ چلتا نہیں اور سچ کو رکنے نہیں دیتی جس نے جیسے سوال کھڑے کیے ویسے ہی جواب پائے گا"

علی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا میڈم یہ اصولی تقریر پروڈیوسر صاحب کو بھی سنا دینا وہ تمہارا آفس میں ویٹ کر رہے ہیں"

فاطمہ نے سر ہلایا اور دونوں اسٹوڈیو سے باہر نکل گئے۔

ایل سی ڈی کی اسکرین پر سعدیہ کے شو کا آخری منظر چل رہا تھا۔ جیسے ہی وہ منظر ختم ہوا یحیٰ خان نے ریموٹ کا بٹن دبایا اور اسکرین سیاہ ہو گئی وہ کرسی سے ہلکا سا جھک کر بولے۔

"اگر شہسوار ملک غیرت مند ہوا تو آئندہ سعدیہ کسی شو میں نظر نہیں آئے گی"

موسیٰ نے ہنکار بھری لبوں پر تلخی آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر تمسخر بھرے لہجے میں بولا۔

" کبھی کتوں کو غیرت مند دیکھا ہے آپ نے "

یحیٰ خان ایک زوردار قہقہہ لگا کر پیچھے کی طرف جھک گئے۔

" یہ بات تو میں واقعی بھول گیا تھا"

قہقہے کے بعد ان کے لہجے میں سنجیدگی در آئی چہرے پر تلخی چھا گئی۔

"موسیٰ ایک بات کہوں"

موسیٰ نے چہرہ ان کی طرف موڑا آواز میں مکمل توجہ تھی۔

"جی تایا جان فرمایئے"

یحیٰ خان نے کچھ پل خاموشی اختیار کی پھر دھیرے اور ٹھوس لہجے میں کہا۔

ZNZ Zubi Novels Zone

"سیاست کرنی ہے تو دل سے کرو ورنہ یہ تمہیں نگل جائے گی اور یاد رکھنا سیاست کبھی کھیل نہیں ہوتی"

یہ سادہ جملہ موسیٰ کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ لے آیا۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں میرے لیے سیاست کھیل نہیں تخت ہے اور میں اس تخت کا بادشاہ ہوں میں مہرے نہیں ہلاتا میرے اشارے پر مہرے خود قدم اٹھاتے ہیں"

یحیٰ خان نے اثبات میں سر ہلایا جیسے موسیٰ کے دعوے نے ان کی امید کو سچ کر دیا ہو "مجھے تم سے یہی امید تھی بس اس بار الیکشن میں ووٹ تمہارے ہونے چاہئیں"

موسیٰ نے سگریٹ سلگائی ایک کش لیا دھواں فضا میں بکھرتا گیا۔

"میں وہ سیاستدان نہیں ہوں تایا جان جو تقریر سے ووٹ مانگتا ہے میں وہ ہوں جس کے ایک اشارے پر حکومتیں گرتی ہیں اس بار الیکشن میرا ہے"

اور موسیٰ جو کہتا تھا وہ کر کے دکھاتا بھی تھا۔

____

دروازہ زور سے کھلا اور فردان ایک ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھامے گھر میں داخل ہوا۔ اُس کے چہرے پر خوشی کی ایک عجیب سی چمک تھی جیسے کسی نے دل کی سب سے بڑی مراد پوری کر دی ہو۔

"امی امی کہاں ہیں آپ جلدی آئیں"

وہ خوشی سے جھومتا آوازیں لگاتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا کچن سے ہنڈیا کی خوشبو کے ساتھ حفصہ بیگم کی آواز آئی۔

"کیا ہوا بیٹا چلا کیوں رہے ہو ایسے"

اتنے میں امروز صاحب جنہوں نے ابھی عشاء کی نماز پڑھ کر تسبیح ہاتھ میں لی تھی برآمدے سے نمودار ہوئے سفید داڑھی میں روشنی سی جھلک رہی تھی۔

"کیا بات ہے کیوں شور مچایا ہوا ہے"

امروز صاحب نے کڑک دار آواز میں پوچھا۔

فردان نے ہنستے ہوئے مٹھائی کا ڈبہ ان کے سامنے کیا۔

"حاجی صاحب سب چھوڑیں اور مٹھائی کھائیں"

امروز صاحب نے گھور کر دیکھا۔

"کس خوشی میں"

فردان نے ذرا توقف کیا۔

"دادا بننے کی خوشی میں"

امروز صاحب کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔

"استغفر اللہ کیا بکواس ہے یہ"

وہ غصے سے صوفے پر بیٹھ گئے۔

اسی لمحے حفصہ بیگم جو اپنے ہاتھ خشک کرتے باہر آئی۔

"یہ مٹھائی فردان کیا ہوا"

"پوچھو اپنے بیٹے سے ایسی بات کرتے ہوئے شرم تک نہیں آئی اسے" امروز صاحب نے جواب دیا۔

فردان نے ماں کی طرف بڑھتے ہوئے رس گلہ اُن کے منہ میں ڈال دیا۔

"امی حاجی صاحب کو چھوڑیں مجھے جاب مل گئی ہے"

حفصہ بیگم کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی انہوں نے فردان کو گلے سے لگالیا۔

"ماشاءاللہ میں بہت خوش ہوں میرے دونوں بیٹوں کو جاب مل گئی ہے"

فردان نے مٹھائی کا ڈبہ دوبارہ امروز صاحب کی طرف بڑھایا۔

"حاجی صاحب آپ بھی کھائیں شاید مٹھائی کے ساتھ میٹھے بول بھی آجائیں"

ابھی ماحول ہنسی میں ڈوبا ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور سیام آفس کی فائل ہاتھ میں پکڑے اندر داخل ہوا۔

"ارے یہ مٹھائی کس خوشی میں"

سیام نے حیرت سے پوچھا۔

فردان نے گلاب جامن اُس کے منہ میں زبردستی ڈال دیا۔

"بھائی مجھے جاب مل گئی ہے"

سیام نے مشکل سے مٹھائی نگلی پھر چمکتی آنکھوں سے بولا۔

"بہت بہت مبارک ہو یار میں بہت خوش ہوں"

فردان کو گلے لگالیا۔

ایک طرف یہ خوشیوں کا شور تھا اور دوسری طرف امروز صاحب خاموش بیٹھے، دونوں بیٹوں کے پیار کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں شکر ادا کر رہے تھے۔

"اللہ تیرا لاکھ شکر ہے کہ تُو نے مجھے صالح اولاد عطا کی"

فردان شرارتی ضرور تھا مگر دل کا برا نہیں تھا۔ وہ بس سب کو ہنسا کر خوش رکھنے کا ہنر جانتا تھا۔

فاطمہ نے ہلکی سی دستک دی، کمرے کے اندر سے مدھم مگر صاف آواز آئی۔

"Yes, coming"

پروڈیوسر صاحب اور انچیف کسی گہری گفتگو میں مصروف تھے لیکن فاطمہ کے داخل ہوتے ہی دونوں نے اپنے چہرے سنجیدہ کر لیے علی اُس کے ساتھ تھا فاطمہ کے دائیں جانب خاموشی سے کھڑا۔

"سر آپ نے بلایا"

فاطمہ نے ادب سے کہا مگر اُس کے لہجے میں معمولی سی جھجک بھی تھی۔

"ہاں بیٹھو دونوں"

پروڈیوسر صاحب نے بھی ہاتھ کے اشارے سے دونوں کو سامنے رکھی نشستوں پر تھے۔

پروڈیوسر نے فائل بند کی اور گہری سانس لی۔

"جیسے کہ آپ دونوں جانتے ہیں اس بدھ کو موسیٰ شیر خان کا انٹرویو ہے ہم چاہتے ہیں کہ آج ہی اس کا اسکرپٹ فائنل کر لیں"

"جی سر، جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہو گا"

علی نے فوراً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ فاطمہ اب تک خاموش تھی جیسے الفاظ اُس کے حلق میں اٹک گئے ہوں۔

پروڈیوسر صاحب نے اب براہِ راست فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"دیکھو فاطمہ یہ انٹرویو ایک پبلسٹی موو ہے۔ موسیٰ صاحب کی عوام میں پہلے ہی اچھی امیج ہے ہمیں بس اُسے اور بہتر دکھانا ہے سوال ہلکے ہوں مثبت ہوں اور تعریف ہو"

وہ ذرا رُکے پھر قدرے سخت لہجے میں بولے۔

"ریپ کیسز کو ہاتھ نہ لگانا خاص طور پر جو اُن کے علاقے سے متعلق ہیں اور فلسطین یہ سب سے اہم ہے پاکستان کی پوزیشن پر کوئی سوال نہ ہو صاف بات ہے کوئی تنازع نہیں چاہیے سمجھ رہی ہو نا"

فاطمہ کا چہرہ جیسے زرد پڑ گیا۔ الفاظ گونج رہے تھے

"کوئی تنازعہ نہیں چاہیے سچ سے گریز کرو"

"اسکرپٹ علی تیار کرے گا"

انچیف نے قدرے حتمی انداز میں کہا۔

فاطمہ نے سر اُٹھایا آنکھوں میں الجھن اور ہلکی سی تپش تھی۔

"سر اسکرپٹ میں ہی لکھوں گی میں نے یہ بات آپ کو پہلے دن ہی کہہ دی تھی"

کمرے کی خاموشی گہری ہو گئی باہر ٹریفک کی آواز جیسے بہت دُور تھی۔

اُسے لگا جیسے کمرے کی دیواریں بھی سچ سے نظریں چرا رہی ہوں۔

سچ کو روکا جا رہا تھا اور اُس کی آنکھوں میں اعتماد ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

"روما اگر چائے بنالی ہے تو بیٹا موسیٰ کے کمرے میں دے آؤ"

ماہ جبین بیگم کی آواز میں نرمی تھی مگر لہجے میں ہلکی سی تاکید بھی شامل تھی۔

روما جو کپ میں احتیاط سے چائے انڈیل رہی تھی چونک کر ماں کی طرف مڑی۔

"ماں میں میں جاؤں اُنہیں چائے دینے"

اُس کے لہجے میں حیرت بھی تھی اور ہچکچاہٹ بھی۔

ماہ جبین بیگم مسکرائیں۔

"ہاں بیٹا تم دیکھو تمہیں اُس سے بات کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ موسیٰ ویسے ہی سب سے الگ تھلگ رہتا ہے تم اُس سے تھوڑا سا کھل کر بات کرو کل کو شادی ہو جائے گی پھر کیا کرو گی اگر اُس کے مزاج کو سمجھ نہ سکی تو"

روما نے لب بھینچے آنکھوں میں الجھن تیرنے لگی۔

"میں کوشش تو کرتی ہوں ماں لیکن وہ غصہ کرتے ہیں"

"ارے نہیں کرتا بس تھوڑا سا سنجیدہ ہے جاؤ شاباش چائے دے آؤ"

ماں نے اُس کے ہاتھ میں کپ تھمایا اور پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اللہ میرے بچی کے نصیب اچھے کرے آمین" دل میں دُعائیں کرتے ہوئے اُسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا۔

روما نے قدم آہستہ آہستہ زینوں کی طرف بڑھادیے دل بے چین تھا سانس بے ترتیب۔

دروازے پر پہنچ کر اُس نے لرزتے ہاتھوں سے ہلکی سی دستک دی۔

"آجاؤ"

موسیٰ کی آواز اندر سے آئی ٹھنڈی بے پرواہ۔

روما نے دروازہ کھولا جیسے ہی اُس کی نظر اندر پڑی سانس رُک سی گئی۔

کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا صرف میز کے پاس رکھے اسٹینڈ لیمپ کی مدھم روشنی میں موسیٰ کا چہرہ اُدھورا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ صوفے پر جھکا ہوا تھا میز پر

رکھے اپنے پسٹلز چیک کر رہا تھا—— چمکتی دھاتیں بھرے ہوئے میگزین،

بے رحم سکون۔

روما کی نظریں اُس کے ہاتھوں میں ہتھیاروں پر جم گئیں، اور آواز جیسے گلے میں پھنس گئی۔

"آآپ کی چائے"

وہ بمشکل بول پائی ہاتھ کانپتے ہوئے کپ تھامے ہوئے۔

موسیٰ نے نظریں اُٹھائیں ایک لمحے کے لیے اُس کے چہرے پر سختی چھا گئی۔

"تم"

وہ لمحہ جیسے رک گیا موسیٰ نے کپ کی طرف دیکھا پھر روما کی آنکھوں میں۔

"رکھ دو میز پر"

روما نے لرزتے ہاتھوں سے چائے میز پر رکھی نظریں نیچی کیے، کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ پائی۔

قدم پیچھے ہٹائے ہی تھے کہ موسیٰ کی آواز نے اُسے روک لیا۔

"رُکو"

روما ٹھٹھک گئی دل تیزی سے دھڑکنے لگا اُس نے آہستہ سے پلٹ کر دیکھا۔

موسیٰ کی نگاہیں اُس پر ٹکی ہوئی تھیں سرد تیز اور گہری۔

"یہ تمہارا کام ہے میرے کمرے میں چائے لانا"

روما ہچکچائی۔

"ماں نے بھیجا تھا اُنہوں نے کہا آپ کو چائے دے دوں"

"امی نے کہا تو تم دوڑی چلی آئیں"

موسیٰ کا لہجہ زہریلا ہوتا جا رہا تھا جیسے اُس کی موجودگی سے اُسے چڑ ہو۔

روما نے نظریں جھکا لیں۔

"میں میں صرف آپ سے بات کرنا چاہتی تھی"

موسیٰ کھڑا ہو گیا۔ اُس کی قامت اس اندھیرے کمرے میں اور زیادہ رعب دار لگ رہی تھی۔

"تم کیا بات کرو گی مجھ سے تم میرے بارے میں جانتی ہی کیا ہو"

روما نے ایک قدم پیچھے لیا مگر ہمت کر کے بولی۔

"ماں کہتی ہیں کہ ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنا چاہیے کل کو شادی ہے ہم"

"شادی"

موسیٰ کا قہقہہ زخم کی طرح چبھنے والا تھا۔

"یہ جو تماشا چل رہا ہے اُسے تم شادی سمجھ بیٹھی ہو میں تم سے شادی کر رہا ہوں کیونکہ سب نے زبردستی مسلط کیا ہے یہ فیصلہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمہیں میرے کمرے میں آنے کا حق ہے"

روما کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی وہ کچھ بولنے ہی والی تھی کہ موسیٰ نے قریب آ کر دروازہ کھولا۔

"اب دفع ہو جاؤ یہاں سے اور آئندہ میرے قریب آنے کی کوشش مت کرنا"

روما کے قدم جیسے زمین سے جُڑ گئے دل کی دھڑکن کانوں میں گونجنے لگی۔

چند لمحے اُسی جگہ کھڑی رہی پھر خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

جیسے ہی دروازے سے باہر نکلی موسیٰ نے زور سے دروازہ بند کر دیا آواز پورحویلی میں گونجی۔

روما تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھی دل سینے میں دھڑکنے کے بجائے دھاڑیں مار رہا تھا۔ اُس کی سانسیں بے ترتیب تھیں جیسے آنکھوں سے بہتے آنسوؤں نے سانسوں کی راہ بند کر دی ہو۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی وہ اندر داخل ہوئی اور بے اختیار بیڈ پر گر پڑی۔ چہرہ تکیے میں چھپایا اور زار و قطار رونے لگی۔ سسکیاں کمرے کی خاموشی میں گونجنے لگیں۔

آخر کیوں؟

آخر موسیٰ اُس سے اتنی نفرت کیوں کرتا تھا۔

وہ تو ہر لمحہ صرف اُسی کے بارے میں سوچتی تھی اُسی کے لیے خواب بنتی تھی۔

"آپی"

مرحا کی آواز اُسے دھندلی سی سنائی دی۔

مرحا واش روم سے نکلی تو سامنے کا منظر دیکھ کر ٹھٹھک گئ وہ فوراً لپکی اور بیڈ پر بیٹھ کر روما کے کندھے کو ہلایا۔

"آپی کیا ہوا ہے آپ ایسے رو کیوں رہی ہیں"

روما نے تیزی سے آنسو صاف کیے چہرہ موڑ گئ۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے"

مرحا نے اُس کا جھوٹ فوراً بھانپ لیا۔

"آپی موسیٰ لالہ نے کچھ کہا ہے نا آپ مجھ سے چھپا کیوں رہی ہیں"

وہ اب اُس کا بازو تھام چکی تھی آنکھوں میں فکر اور غصہ اُبھرا ہوا تھا۔

روما جیسے اب خود پر قابو نہ رکھ سکی وہ یکدم مرحا کے گلے لگ گئ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"مرحاوہ وہ ہر بار میرے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہیں کیوں مجھ سے نفرت کرتے ہیں میں تو میں تو ہر وقت اُنہی کے بارے میں سوچتی ہوں"

اُس کی آواز ٹوٹتی جا رہی تھی جیسے جذبات بکھر رہے ہوں۔

مرحا نے اُسے مزید قریب کر لیا نرمی سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

"آپی ایک بار شادی ہو جائے گی نا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ بدل جائیں گے یقین کریں"

روما نے تکیے سے چہرہ اُٹھایا آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔

"کچھ ٹھیک نہیں ہو گا مرحاوہ کہتے ہیں میں اُن پر مسلط کی گئی ہوں اُن کے لیے میں بوجھ ہوں"

یہ کہتے ہوئے آنسو دوبارہ اُس کے گالوں سے بہنے لگے۔

یہ سن کر مرحا کا چہرہ سخت ہو گیا اُس نے ہونٹ بھینچ لیے، اور یکدم اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ کہا اُنہوں نے آپ سے"

مرحا کی آواز کانپ رہی تھی مگر اب اُس میں غصہ تھا۔

"آج تو میں اُنہیں نہیں چھوڑوں گی میں ابھی اُن سے بات کر کے آتی ہوں"

روما نے بے چینی سے اُس کا بازو پکڑنا چاہا۔

"مرحا رُک جاؤ"

مگر مرحا اُسی لمحے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی آنکھوں میں چنگاریاں اور دل میں بہن کا درد لیے۔

***

مرحا تندم کے قدموں کی ٹھوکریں فرش پر نہیں گویا زمین کے سینے پر طبلِ جنگ بجا رہی ہوں۔ چہرہ تپا ہوا آنکھوں میں چنگاریاں اور سانسیں اُکھڑی ہوئی تھیں۔ دروازے تک پہنچ کر ایک لمحے کو رکی جیسے دل میں آیا ہو پلٹ جائے مگر پھر اگلے ہی لمحے بغیر دستک دیے دروازہ دھکیل دیا۔

اندر موسیٰ الماری کے سامنے کھڑا تھا پسٹل احتیاط سے رکھ رہا تھا۔ دروازے کی آواز پر وہ چونکا اور تیزی سے پلٹا۔

"دروازہ کھٹکھٹانے کا سلیقہ نہیں ہے تمہیں" اُس کی آواز میں غصے سے زیادہ حیرت تھی۔

مرحا نے اکڑ کر سینہ تان لیا۔

"سلیقہ ہے لیکن جھوٹ بولنے کا نہیں سیدھی بات کہنی ہو تو دستک فضول ہوتی ہے"

موسیٰ نے بھنویں چڑھائیں۔

"یہ کون سا لشکر ہے جو تم تنہا لے آئی ہو"

مرحا نے گردن اکڑا کر گویا دشمن کے سامنے ڈٹ کر کہا۔

"وہی لشکر جس میں ایک بڑی بہن کا دل زخمی ہوا اور زخم دینے والے آپ ہیں لالہ"

موسیٰ نے بے نیازی سے رخ موڑا جیسے مکھی اُڑا رہا ہو۔

"مرحا جاؤ یہاں سے مجھے اسماعیل سے ضروری بات کرنی ہے"

اُس کی بات پر جیسے مرحا کا جوش دُگنا ہو گیا۔ اسماعیل پر پہلی بار نظر پڑی جو کمرے کے ایک گوشے میں چپ چاپ کھڑا تھا۔

"بہتر ہے یہ بھی سُن لے کل کو اگر اِن کی شادی ہو تو بیگم صاحبہ کو ان کے تیوروں کا اندازہ پہلے ہی ہو جائے"

اُس کی آواز میں بے نیازی تھی مگر بات کا تیر سیدھا دل پر لگنے والا تھا۔

اسماعیل جو یحییٰ صاحب کا پرانا منشی اور موسیٰ کا ہم عمر دوست تھا نظریں جھکائے کھڑا رہا۔ اُس کی آنکھوں میں مرحا کے لیے ایک ان کہی چاہت تھی جسے آج تک لفظ نہ ملے تھے۔

"مرحا جو بات ہے صبح کرنا ابھی نہیں"

موسیٰ کی آواز اب سخت ہوتی جا رہی تھی۔

لیکن اسماعیل جس کے لیے مرحا کی نم آنکھیں اذیت بن گئیں۔

"سُن لو موسیٰ"

موسیٰ ایک ہلکی سانس بھر کر صوفے پر بیٹھ گیا

"ٹھیک ہے بولو کیا شکایت ہے تمہیں"

مرحا نے ایک قدم آگے بڑھایا چہرہ سرخ آنکھوں میں آنسو اور لہجے میں وہی لڑاکا پن جو اُس کی پہچان تھا۔

"لالہ آپ نے روما آپی کو کیوں ڈانٹا"

"تو تمہیں مسئلہ ہے"

موسیٰ نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا جیسے بات ختم کرنا چاہتا ہو۔

اسماعیل بمشکل اپنی ہنسی روکے کھڑا تھا لیکن مرحا کا چہرہ دیکھ کر وہ فوراً سنجیدہ ہو گیا۔

مرحا کی آواز دھیمی ہوئی لیکن اُس کے الفاظ میں وہی گرج تھی۔

"اگر آپ نے آئندہ میری آپی کو یوں ڈانٹا تو میں آپ کو چھوڑوں گی نہیں"

موسیٰ نے اُس پر ایک لمبی نگاہ ڈالی۔ بارہ سال کی عمر کا فرق تھا مگر اُس لمحے وہ اُسے ایک حریف کی طرح دیکھ رہا تھا۔

پھر بے اختیار ہنسا ایک بھرپور قہقہہ جو دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ آیا۔

"چلو اب تمہارے گیان کا وقت ختم ہوا شاباش جاؤ اپنے کمرے میں"

وہ نرمی سے اُس کا بازو تھام کر اُسے دروازے تک لے گیا۔

مرحا نے ناک سکیڑی۔

"آپ کو تو میں دیکھ لوں گی لالہ"

اور تیز قدموں سے پلٹ گئی۔

"صبح دیکھ لینا" موسیٰ نے اُس کے پلٹتے صدا لگائی۔

فرہاد نے گاڑی سڑک کنارے ایک سنسان گوشے میں روکی باہر ہلکی ہلکی خنکی پھیلی ہوئی تھی اور آسمان پر شام کا نرم سا اندھیرا چھا رہا تھا۔

"فرہاد بہت دیر ہو گئی ہے مجھے گھر چھوڑ دو"

رئیسہ نے گاڑی کی کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے بے زاری سے کہا وہ آفس کے بعد سیدھی فرہاد سے ملنے آئی تھی چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے لیکن لہجے میں اب بھی وہی نخوت اور غرور تھا۔

فرہاد نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"یار ابھی ٹائم ہی کیا ہوا ہے" اس نے آئسکریم ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

رئیسہ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"فرہاد ڈیڈ نے کمپنی میرے ہینڈ اوور کر دی ہے تمہیں اندازہ نہیں میں کتنی تھک گئی ہوں" وہ اپنے مخصوص مغرور انداز میں بولی جیسے یہ بھی ایک تمغہ ہو جو وہ فرہاد کے سامنے دکھا رہی ہو۔

"لیکن ہم نے تو آج کلب جانا تھا تمہیں یاد ہے نا" فرہاد نے اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی جیسے پل بھر کو اس کی مصروف دنیا سے خود کو جوڑنا چاہتا ہو۔

رئیسہ نے نرمی سے نہیں بلکہ ہلکی سی جھٹک سے ہاتھ چھڑایا۔

"فرہاد پھر کسی اور دن چلیں گے ابھی مجھے نیند آ رہی ہے پلیز مجھے گھر ڈراپ کرو"

اس کے لہجے میں اب صرف تھکن نہیں ایک حکم تھا ایسا حکم جیسے کوئی باس اپنے ملازم کو دیتا ہے اس نے آئسکریم بھی بے دلی سے واپس ڈیش بورڈ پر رکھ دی جیسے یہ اب اس کے معیار کے قابل نہ ہو۔

فرہاد نے ایک لمحہ کو گہری سانس لی اُسے رئیسہ کا روّیہ بُرا تو لگا مگر وہ خاموش رہا شاید اِس لیے کہ اسے رئیسہ کی آنکھوں میں اپنا کوئی خواب دکھائی دیتا تھا یا شاید اُس دولت کی چمک جو رئیسہ کی شخصیت سے جھلکتی تھی۔

گھر کا دروازہ کھلتے ہی فاطمہ نے اونچی آواز میں کہا۔

"السلام علیکم"

اندر سے کچن میں سے آتی ہنستی ہوئی آواز نے جواب دیا۔

"وعلیکم السلام میری بیٹی آگئی ہے"

علشبہ بیگم جلدی سے ہاتھ پونچھتی ہوئی باہر آئیں چہرے پر ممتا بھری مسکراہٹ اور ہاتھ میں ٹھنڈے پانی کا گلاس تھا۔

"جی مما" فاطمہ نے گلاس تھاما اور پیاس بجھانے کے انداز میں ایک ہی سانس میں پانی پی گئی اس کے چہرے پر تھکن واضح تھی مگر ماں کی محبت نے تھوڑی دیر کو سکون دے دیا۔

علشبہ بیگم نے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھا، پھر نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"بہت تھک گئی ہونا"

فاطمہ نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ماں کا ہاتھ تھاما۔

"جی مما، بس تھوڑا تھک گئی ہوں ریسٹ کرنا چاہتی ہوں"

"اچھا تم جا کے آرام کرو میں تمہارے لیے کھانا کمرے میں بھجوا دوں گی لیکن ایک بات کرنی ہے تم سے" علشبہ بیگم نے گلاس ٹیبل پر رکھا اور سنجیدہ انداز میں کہا۔

فاطمہ فوراً متوجہ ہو گئی۔

"جی مما بولیں"

علشبہ بیگم نے نرم لہجے میں بتایا" تھوڑی دیر پہلے تمہاری تائی امی کی کال آئی تھی کل دوپہر کے کھانے پر دعوت دی ہے "

فاطمہ کی آنکھوں میں تجسس جھلکنے لگا۔

"دعوت کس خوشی میں ماما"

علشبہ بیگم مسکرادیں۔

"یہ تو وہاں جاکر ہی پتہ چلے گا تم جاکر آرام کرو کھانے کے بعد تمہارے بابا بھی آنے والے ہیں"

"اوکے مما" فاطمہ نے تھکے تھکے قدموں سے اپنے کمرے کا رخ کیا، دل میں ہلکا سا سوال لیے کہ آخر تائی امی نے دعوت کیوں دی ہو گی۔

دوپہر کی دھیمی دھوپ اندر آرہی تھی اور صوفوں پر بیٹھے سب افراد کے چہروں پر نرمی سے بکھر رہی تھی۔ آج امروز صاحب کے گھر خاص رونق تھی کمرے میں قہقہے گونج رہے تھے چائے کی مہک اور پکوانوں کی خوشبو نے فضا کو مزید خوشگوار بنا دیا تھا۔

اماں بی جو ہمیشہ وقت پر بولتی تھیں آج بھی دیر نہ لگائیں۔

"ویسے امروز سب کو ایک ساتھ جمع کرنے کا مقصد تو بتادو دل میں ہی رکھو گے یا ہمیں بھی کچھ پتہ چلے گا" اُنہوں نے کڑک لہجے میں پوچھا مگر آنکھوں میں نرمی تھی۔

علشبہ بیگم نے فاطمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فوراً بات سنبھالی۔

"بھائی صاحب کچھ تو بتائیں فاطمہ نے تو میرا دماغ کھا لیا تھا مما کیا تائی امی نے نہیں بتایا کیوں بلا رہے ہیں آج سب کو"

فاطمہ، جو ابھی اپنا لائٹ براؤن رنگ کا خوبصورت لباس درست کر رہی تھی شرارت سے مسکرا دی وہ بے حد دلکش لگ رہی تھی جیسے اس محفل میں ایک خاص چمک اُسی کی ذات سے پھوٹ رہی ہو۔

اسی لمحے فردان، اماں بی کے پہلو میں بیٹھا محبت سے اُن کے ہاتھ تھامے بول اٹھا۔

"آپ سب کو یہاں میں نے بلایا ہے"

فاطمہ نے فوراً بات لپک لی "اچھا کہیں تم نے قلعہ فتح تو نہیں کر لیا"

فردان نے شرارتی انداز میں کندھے اچکائے۔

"ہاں مجھے جاب مل گئی ہے آج کل یہ بھی کسی قلعے سے کم نہیں"

فاطمہ نے چشم زدن میں طنز سے تیر مارا۔

"کس سگنل پر ملی ہے یہ بھی تو بتاؤ ذرا"

"فاطمہ "علشبہ بیگم نے اُسے گھور کر دیکھا جیسے زبان کھینچ لیں گی۔

لیکن سب بڑے فاطمہ کی برجستہ بات پر بے اختیار مسکرا دیے۔

"تمہیں سب کی شہ ملی ہوئی ہے اسی لیے زبان قابو میں نہیں رہتی" اماں بی نے فاطمہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

سیام، جو فاطمہ کی حاضر جوابی پر خاموشی سے مسکرا رہا تھا۔

"اماں بی مذاق کر رہی تھی بس برا نہ منائیں" اماں بی کی ڈانٹ سنتے ہی بولا۔

فردان نے موقع غنیمت جانا اور فاطمہ کو مزید چھیڑنے لگا۔

"ویسے جس سگنل پر تمہاری جاب لگی تھی وہی مجھے بھی نصیب ہوا ہے جیسے تمہاری پرماشن ہو گئی امید ہے میری بھی جلد ہو جائے گی" فردان کی بات پر سیام اُسے گھورنے لگا۔

"اولڈ گرینی دیکھ رہی ہیں بھائی مجھے کیسے گھور رہے ہیں ابھی شادی ہوئی نہیں اور بیگم کی سائیڈ لینے لگے ہیں"

اس بار سب ہنس پڑے اور فاطمہ نے نظریں چرا کر سیام کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر صرف مسکراہٹ نہیں ایک انجانی اپنائیت بھی تھی۔

ڈرائنگ روم میں سب اپنے اپنے میں مگن تھے۔ ہنسی مذاق چائے کی چسکیاں اور باتوں کا شور تھا کہ اچانک حفصہ بیگم کی سنجیدہ آواز نے سب کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔

"مجھے آپ سب سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے"

کمرے میں خاموشی چھا گئی سب کی نظریں اب حفصہ بیگم پر مرکوز تھیں۔

"جی بھابھی فرمایئے کیا بات ہے" علشبہ بیگم نے نرمی سے کہا۔

حفصہ بیگم نے ایک گہری سانس لی اور بولیں۔

"سیام اور فردان کی نوکری لگ گئی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اب فاطمہ اور سیام کی شادی کردی جائے"

کمرے کا ماحول یکدم بدل گیا سیام اور فاطمہ کے چہرے سرخ ہو گئے۔ دونوں نظریں جھکائے بیٹھے تھے جیسے زمین میں سما جانا چاہتے ہوں۔

"میں میں ذرا ابھی آئی" فاطمہ نے نظریں چرائیں اور آہستہ آواز میں کہا۔

وہ تیزی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

"امی مجھے ایک ضروری کال کرنی ہے" سیام نے اپنی گھبراہٹ چھپانے کی کوشش کی اور باہر نکل گیا۔

فردان نے دونوں کو جاتے دیکھا۔

"میں ذرا دونوں کو دیکھ کر آتا ہوں"

وہ بھی اُٹھ کر باہر چلا گیا۔

حفصہ بیگم نے مسکرا کر بات آگے بڑھائی۔

"تو میں یہی کہہ رہی تھی کہ سب خوشی کے موقع پر اکھٹے ہیں اب بس شادی کی تاریخ طے کرنی باقی ہے"

ابراہیم صاحب، جن کے دل کا ٹکڑا فاطمہ تھی، تھوڑا فکر مند انداز میں بولے۔

"لیکن بھابھی تیاریوں کا بھی تو خیال رکھنا ہے اتنی جلدی کیسے ممکن ہو گا"

امروز صاحب نے نرمی سے چھوٹے بھائی کو دلاسہ دیا۔

"ابراہیم تم فکر نہ کرو ہم دونوں بھائی مل کر سب سنبھال لیں گے"

"بس پھر طے رہا اگلے مہینے کی پندرہ تاریخ سے شادی کی تقریبات شروع ہوں گی" حفصہ بیگم نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

امروز صاحب نے اماں جی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اماں آپ بتائیں یہ تاریخ آپ کو منظور ہے"

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں بس دعا ہے سب خیریت سے ہو خوشیوں کے ساتھ ہو" اماں جی نے دعائیہ انداز میں کہا۔

فاطمہ لان کی طرف نکلی تو اس کے چہرے پر ہلکی سی شرم اور آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

اندر ابھی ابھی اُس کی اور سیام کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی وہ خاموشی سے خوشی اور گھبراہٹ کے ملے جلے جذبات کو سنبھالتی باہر آنکلی۔

سیام بھی کچھ دیر بعد اُس کے پیچھے آیا مگر تھوڑا سا جھجکتا ہوا۔

"وہ مجھے ایک ضروری کال کرنی تھی" وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔

زندگی میں شاید پہلی بار وہ اس قدر نروس محسوس کر رہا تھا۔

"اچھا" فاطمہ نے مسکرا کر گرد و پیش کی طرف دیکھنا شروع کر دیا جیسے بات کا بوجھ کم کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سیام نے کہا۔

"ایک بات پوچھوں فاطمہ"

"جی ضرور پوچھیے" فاطمہ نے فوراً جواب دیا اُس کے لہجے میں نرمی تھی۔

سیام نے گہرا سانس لیا۔

"تم شادی کے بعد جاب کرنا چاہو گی"

وہ چاہتا تھا کہ کچھ اہم باتیں پہلے ہی واضح ہو جائیں اور فاطمہ کی جاب ان میں سے ایک تھی۔

فاطمہ نے نرمی سے اُس کی آنکھوں میں دیکھا اور دھیرے سے بولی۔

"اگر آپ نہیں چاہتے تو میں جاب نہیں کروں گی سیام"

سیام کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"میں چاہتا ہوں کہ جب میں آفس سے واپس آؤں تو تم میرا انتظار کر رہی ہو میں چاہتا ہوں کہ تم پوچھو آج آفس میں کیا ہوا اور میں تمہیں سب کچھ بتاؤں"

فاطمہ سر جھکا گئی۔

"جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی ہو گا"

اتنے میں فردان ہنستے ہوئے وہاں آ گیا اُس کے لہجے میں ہمیشہ کی شوخی تھی۔

"جیسے آپ دونوں کمرے سے نکلے تھے مجھے لگا تھا کہ شادی تک پردہ کرو گے"

فاطمہ اُس کی موجودگی پر گھبرا گئی۔

"نہیں میں تو بس تھوڑی تازہ ہوا لینے آئی تھی" اُس نے بہانہ بنایا۔

"اور میں کال سننے آیا تھا" سیام نے جلدی سے کہا مگر فردان کی شرارت کا وہ بھی عادی تھا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو" اُس نے ہنستے ہوئے فردان کی بازو پر چٹکی کاٹی۔

"جی جی میں دیکھ رہا ہوں جون کی گرمی میں تازہ ہوائیں چل رہی ہے۔ ویسے بڑی دلچسپ کال ہوتی ہو گی جو موبائل پاکٹ میں ڈال کر سننی پڑتی ہے" فردان قہقہہ مار کر بولا۔

سیام نے دانت پیسے "فردان تم پٹ جاؤ گے اب"

فردان نے ہاتھ اٹھا کر مذاق جاری رکھا۔

"ویسے ایک بات کہوں"

دونوں نے اس کی طرف دیکھا۔

"میرے بھیا اور بھابھی ٹوبی ساتھ میں بہت اچھے لگتے ہیں"

یہ سنتے ہی فاطمہ اور سیام نظریں چراتے ہوئے مسکرا دیے اور فضا میں ایک خوبصورت سی شرم بھری خاموشی پھیل گئی۔

باب دوئم: پہلا قدم آخری سکون

~وہ سیاہ بخت ہے ہم لوگ

بے روشن ہے ضمیر

وہ سیاہ بخت ہے ہم لوگ

بے روشن ہے ضمیر

خود اندھیرے میں ہے

دنیا کو دِیکھاتے ہے چراغ

نیوز لائن دفتر۔

بلآخر بدھ کا دن آہی گیا وہ دن جو فاطمہ کی زندگی کا رخ بدلنے والا تھا۔

صبح کا وقت تھا، فاطمہ اپنے دفتر میں بیٹھی علی اور سامیہ کے ساتھ کسی رپورٹ پر گفتگو کر رہی تھی۔

اسی لمحے علیشہ نے دروازے پر دستک دے کر اطلاع دی۔

"مس فاطمہ موسیٰ صاحب کا سیکریٹری آپ سے ملنا چاہتا ہے"

"اچھا اُنھیں اندر بھیجیں" فاطمہ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا پھر پر سکون لہجے میں کہا۔

چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور ایک خوش لباس باادب شخص اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم میڈم" سیکریٹری بلال نے مودبانہ انداز میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام جی فرمایئے کیوں ملنا چاہتے تھے" فاطمہ نے براہِ راست سوال کیا اُس کی آنکھوں میں تجسس کے ساتھ ساتھ ایک ہلکی سی سختی بھی تھی۔

بلال نے جیب سے ایک سفید لفافہ نکالا اور میز پر رکھ دیا۔

"یہ موسیٰ صاحب کی طرف سے ایک تحفہ ہے"

لفافے کی ساخت موٹائی اور اندازِ پیشکش سے صاف ظاہر تھا کہ اندر خاصی رقم ہے۔ کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔

علی نے جھک کر سامیہ کے کان میں سرگوشی کی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے فاطمہ یہ تحفہ قبول کرلے گی"

سامیہ نے ناگواری سے اُس کی طرف دیکھا، جیسے آنکھوں سے کہہ رہی ہو تم اتنی فضول باتیں کیسے کر لیتے ہو؟

"بس چپ کر کے سامنے دیکھو تمہیں تمھارا جواب ابھی ملنے والا ہے" پھر اُس نے آہستہ سے جواب دیا۔

فاطمہ نے پوری سنجیدگی سے لفافے کی طرف دیکھا پھر گہری سانس لے کر بلال کی طرف مڑی۔

"سیکریٹری صاحب براہِ کرم یہ لفافہ واپس لے جایئے اور موسیٰ صاحب سے کہیے گا کہ ایسے نظرانے میں انٹرویو کے بعد قبول کرتی ہوں اگر واقعی کچھ دینا ہی چاہتے ہیں تو اُس وقت پیش کریں جب میں صحافت کا کام مکمل کر چکی ہوں"

بلال نے لفافہ تھام لیا اس کے چہرے پر تھوڑی سی شرمندگی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات تھے۔

کمرے کی فضا میں اب فاطمہ کی خودداری اور پیشہ ورانہ وقار کی گونج تھی اور علی چپ چاپ اپنی جگہ بیٹھا تھا اُسے واقعی اپنا جواب مل چکا تھا۔

فلیش بیک: (منگل کی رات)

رات کا وقت تھا۔ کمرے میں ہلکی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ فاطمہ اپنے بستر پر نیم دراز گود میں لیپ ٹاپ رکھے اسکرپٹ ٹائپ کر رہی تھی۔ شو کی تیاری زوروں پر تھی—خاص طور پر اُس انٹرویو کا جس کا اُسے شدت سے انتظار تھا۔

"اللہ میرا فون کہاں گیا"

فاطمہ نے لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھا اور گھبرا کر کمبل کے اندر ہاتھ مارنے لگی۔

"شکر ہے مل گیا"

بلینکٹ ہٹاتے ہی فون نظر آ گیا۔ فوراً اُس نے سامیہ کو کال ملائی۔

تیسری بیل پر دوسری طرف سے نیند سے بھری آواز آئی۔

"ہیلو"

فاطمہ ہنس پڑی۔

"سامیہ تم سو رہی تھی"

حالانکہ اُسے معلوم تھا، پھر بھی پوچھ لیا۔

"نہیں کرکٹ کھیل رہی تھی... بس پاکستان جیتنے ہی والا تھا، تم نے کال کر کے میچ رکوادیا" سامیہ نے کروٹ بدلتے ہوئے خفا لہجے میں کہا۔

فاطمہ ہنسی روک نہ سکی۔

"یار رات کا ایک بج رہا ہے خود سوچو ایک شریف لڑکی اس وقت سو ہی رہی ہو گی"

سامیہ نے آنکھیں نیم وا کرتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر گھڑی دیکھی۔

"یار چپ کر جاؤ اب ذرا میری بات سنو" فاطمہ نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں بولو" سامیہ نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

"میں موسیٰ شیر خان کے انٹرویو کا اسکرپٹ لکھ رہی تھی سب سیٹ تھا لیکن انچیف اور پروڈیوسر نے کہا ہے کہ ریپ کیسز اور فلسطین پر سوال نہیں کرنے"

فاطمہ کی آواز میں مایوسی اور غصہ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"یار وہ بڑے لوگ ہیں انٹرویو بھی اپنی مرضی کا دیتے ہیں تجھے جو کہا گیا ہے وہی کرنا" سامیہ نے نیم خوابی میں کہا۔

"بڑے عجیب لوگ ہوتے ہیں۔ اگر سوال بھی اپنی پسند کے کروانے ہیں تو پھر یہ انٹرویو دے کر احسان کیوں جتاتے ہیں" فاطمہ نے تلخی سے کہا۔

وہ جواب کا انتظار کرتی رہی۔

"ہیلو ہیلو سامیہ تم سن رہی ہو"

کئی لمحے گزر گئے مگر دوسری طرف سے خاموشی چھائی رہی۔

فاطمہ کو تب اندازہ ہوا کہ سامیہ کب کی سو چکی ہے۔

"بتمیز کہیں کی" وہ خفگی سے بولی۔

"اب تم مجھ سے بات کرنا ذرا"

کہہ کر اُس نے غصے میں فون کاٹ دیا۔

کمرے میں خاموشی چھاگئی صرف لیپ ٹاپ کی مدھم روشنی اور اسکرین پر جھلملاتے الفاظ فاطمہ کی تنہائی کے گواہ تھے۔

منگل کی رات دو بجے کا منظر:

کمرے میں مدھم پیلی روشنی جل رہی تھی باہر سناٹا تھا اور اندر فاطمہ کا دماغ شور سے بھرا ہوا اس نے لیپ ٹاپ بند کر کے سائیڈ پر رکھا وہی اسکرپٹ جو انچیف کی ہدایات کے مطابق احتیاط سے ترتیب دیا گیا تھا کوئی سخت سوال نہیں کوئی متنازع موضوع نہیں سب کچھ ''محفوظ'' تھا۔

اب وہ بیڈ پر نیم دراز تھی، تھکی ہوئی مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور۔

فون ہاتھ میں لیا انسٹا گرام کھولا اور تھمب سے آہستہ آہستہ سکرولنگ شروع کر دی۔

اچانک ایک ویڈیو پر انگلی رک گئی۔

اسکرین پر ایک فلسطینی صحافی آنسوؤں غصے اور بے بسی سے بھری آواز میں چیخ رہا تھا۔

"مسجدِ اقصیٰ صرف فلسطین کے لوگوں کی نہیں ہے — یہ پوری اُمتِ مسلمہ کی ہے تو پھر باقی سب خاموش کیوں ہیں کوئی کچھ کیوں نہیں کرتا"

فاطمہ کی سانس رُک سی گئی۔

اس کی آنکھیں اسکرین پر جمی رہ گئیں مگر دل کے اندر طوفان سا اٹھنے لگا۔

الفاظ جیسے سینہ چیر رہے تھے — ہر جملہ اُس کے اپنے ضمیر پر ایک ضرب تھا۔

اُس نے آہستہ سے موبائل بیڈ پر رکھا اور چھت کو گھورنے لگی۔

کمرے کی خاموشی میں اُسے صرف اپنے دل کی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں —اور وہ آواز جو ویڈیو میں چیخ رہی تھی اب اس کے اندر بولنے لگی تھی۔

"کیا میں بھی اُنہی میں سے ہوں جو سب کچھ جانتے ہیں مگر چپ رہتے ہیں"

ایک آنسو بے اختیار اس کی آنکھ سے نکلا اور تکیے میں جذب ہو گیا۔

قلم ہاتھ میں تھا، مگر سچ لکھنے کا حوصلہ دل سے غائب ہو چکا تھا۔

کمرے میں خاموشی گہری ہو چکی تھی مدھم لیمپ کی روشنی میں دیوار پر سایے لرز رہے تھے فاطمہ نے ایک بار پھر موبائل اُٹھایا شاید ذہن کو بھٹکانے کی کوشش تھی شاید نیند کو قریب بلانے کی انسٹا گرام کی فیڈ پر انگوٹھا چلنے لگا ویڈیوز تیزی سے بدلتی رہیں۔

پھر اچانک ایک ویڈیو نے جیسے پورے کمرے کی فضا جما دی۔

اسکرین پر ایک ٹوٹی ہوئی ماں تھی—بال بکھرے چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا آواز میں درد کی وہ شدت تھی جو روح تک جا پہنچی۔

"مجھے انصاف نہیں ملا اللہ کرے تم سب کی بیٹیوں کی عزت باقی نہ رہے جیسے میری معصوم تیرہ سال کی بچی کے ساتھ ہوا اُس کے ساتھ درندگی کی گئی پھر اُسے بے دردی سے قتل کیا گیا"

"اللہ کرے تم سب کے بچوں کے ساتھ بھی ویسا ہو تب سمجھو گے تم لوگ تب تڑپو گے"

فاطمہ کے ہاتھ کانپنے لگے سانس اکھڑنے لگی۔

ایک لرزہ سا اُس کے پورے وجود میں دوڑ گیا۔

اچانک موبائل ہاتھ سے چھوٹا اور بستر پر گر گیا اسکرین نیچے ہو گئی لیکن وہ آواز وہ الفاظ اُس کے ذہن میں گونجتے رہے۔

اسی لمحے جیسے کمرے کی خاموشی میں ایک اور آواز اُبھری۔

"تم تو کہتی تھیں تمہارے شو پر صرف سچ چلتا ہے نا تو آج تم کیوں خاموش ہو"

وہ چونکی۔

آئینے میں خود کو دیکھا مگر اُس کا عکس اُس سے نظریں نہیں چرا رہا تھا۔

یہ عکس نہیں اُس کا ضمیر تھا اُس کی سچائی جو اُسے گھور رہا تھا سوال کر رہا تھا۔

"تم تو کسی سے نہیں ڈرتی تھیں تو پھر آج کیوں ڈر گئی ہو تمہارے اندر کی وہ فاطمہ کہاں چلی گئی جسے حق کی پرواہ تھی"

فاطمہ نے نظریں چرائیں مگر ضمیر کا سوال جیسے آسمان پر گونجنے لگا۔

"اگر آج تمہارے پاس جواب نہیں تو روزِ محشر کیا کہو گی"

اُس کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہنے لگے۔

زبان خاموش تھی مگر دل چیخ رہا تھا۔

منگل کی رات—

فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو تو خشک ہو چکے تھے۔

مگر دل میں ایک آگ دہک رہی تھی۔

سچ کی انصاف کی اور اُن آوازوں کی جو دبائی جا چکی تھیں۔

اُس نے موبائل سائیڈ پر رکھا اور لیپ ٹاپ اُٹھایا جیسے ایک مجاہد ہتھیار اٹھاتا ہے۔

اسکرین روشن ہوئی اور اسکرپٹ کی فائل کھل گئی——

لیکن آج کی فاطمہ کل والی نہیں تھی۔

وہ سوال لکھنے لگی۔

وہ سوال جن پر انچیف نے ریڈ لائن کھینچی تھی۔

جن سے پروڈیوسر نے منع کیا تھا۔

جن پر سب کی زبانیں بند تھیں۔

"وہ لڑکیاں جو انصاف کے انتظار میں قبروں میں جا چکیں اُن کی چیخوں کا جواب کون دے گا"

"مسجدِ اقصیٰ صرف فلسطینیوں کی نہیں پوری اُمت کی ہے آپ کیوں خاموش ہیں"

کی بورڈ پر انگلیاں برق رفتاری سے چلتی رہیں——

فاطمہ کے اندر جیسے کوئی طوفان بیدار ہو چکا تھا۔

آخری لائن لکھی گئی تو اُس کے ہونٹوں پر ایک خاموش پُر سکون مسکراہٹ اُبھری۔

اُس نے اسکرپٹ محفوظ کیا اور سر آسمان کی طرف بلند کیا دل میں ایک سجدہ سا اُترا۔

"آج ایک بار پھر حق جیت گیا باطل پیچھے رہ گیا"

"یہ صرف سوال نہیں شہادتیں ہیں— جو کل ایک انقلاب بنیں گی"

موجودہ وقت:

چینل کے مرکزی دروازے پر آج معمول سے ہٹ کر ہلچل تھی۔ ہر چہرے پر تناؤ اور احتیاط کا ملا جلا عکس نمایاں تھا۔

کیمرہ مین گارڈز ریسیپشن اسٹاف رپورٹرز— سبھی اپنی جگہ موجود تھے جیسے کوئی وزیرِاعظم آ رہا ہو۔

اسی لمحے باہر سے سیاہ رنگ کی گاڑی آکر رکی۔

گاڑی کا دروازہ کھلا اور موسیٰ شیر خان جیسے ہی اُترا۔

اُس کی بلند قامت سفید رنگت کسا ہوا سفید کُرتا اور پر اعتماد چال نے

ماحول پر ایک لمحے میں قبضہ جمالیا۔

اُس کی نگاہوں میں سیاسی چمک اور چہرے پر وہ جمی ہوئی مسکراہٹ تھی۔

جو صرف طاقتور لوگوں کی پہچان ہوا کرتی ہے۔

دائیں طرف اُس کا سیکریٹری بلال فون کان سے لگائے حفاظتی ٹیم سے ہدایات لے رہا تھا۔

سب کی نظریں موسیٰ پر تھیں جیسے وہ کوئی شخصیت نہیں ایک واقعہ ہو۔

اسی اثنا میں چینل کے پروڈیوسر اور انچیف ایڈیٹر خود اُس کے استقبال کے لیے لپکے۔

"السلام و علیکم موسیٰ صاحب تشریف لائیں ہم آپ کے منتظر تھے"

"وعلیکم اسلام" موسیٰ رسمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اُس کی آواز میں نہ گرمجوشی تھی نہ سرد مہری۔

بس وہی ٹھہرا ہوا غرور جو برسوں کی سیاست سکھاتی ہے۔

چینل کی لابی میں موجود ہر شخص غیر ارادی طور پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

کچھ نے نظریں چرا لیں کچھ اُس کے رُعب سے مرعوب ہو گئے۔

یہ رُعب لفظوں سے زیادہ خاموشیوں میں بولتا تھا۔

"سر آیئے آپ کو آفس لے چلتے ہیں" انچیف ایڈیٹر نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

موسیٰ نے ایک نگاہ ارد گرد ڈالی جیسے ماحول کا جائزہ لے رہا ہو۔

پھر اپنی مخصوص وقار بھری چال میں اُن کے ساتھ چل دیا۔

پوری عمارت میں جیسے ایک ہوا سی رک گئی ہو۔

یہ صرف ایک مہمان کی آمد نہیں تھی۔

یہ ایک سیاسی طاقت کا قدم رکھنا تھا۔

۔۔۔۔۔

دیوار پر بڑے بڑے سر ٹیفیکیٹس اور ایک طرف "24 نیوز لائن" کا سنہری لوگو جگمگا رہا تھا۔

دروازہ کھلا اور موسیٰ شیر خان اندر داخل ہوا۔

اپنی مخصوص پُر وقار چال سے آفس میں داخل ہوا۔ جہاں فاطمہ پہلے سے ہی موجود تھی۔

فاطمہ نے فوراً کھڑے ہو کر سلام کیا۔

"السلام و علیکم موسیٰ صاحب خوش آمدید"

"و علیکم اسلام شکریہ" موسیٰ سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

اُس کی نظریں لمحہ بھر کو فاطمہ کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

نہایت پروفیشنل باوقار اور سنجیدہ — وہ ایسی خاتون صحافی تھی جس کے بارے میں اُسے پہلے ہی بہت کچھ بتایا جا چکا تھا۔

"فاطمہ آپ جانتی ہیں یہ انٹرویو ہمارے چینل کے لیے بہت اہم ہے ہم چاہتے ہیں کہ گفتگو خوشگوار ہو کوئی تنازع نہ ہو" پروڈیوسر صاحب نے آغاز کیا۔

"یقیناً سر میں شو کے معیار اور ادارے کی ساکھ کو سمجھتی ہوں" نہایت پروفیشنل انداز میں جواب دیا۔

موسیٰ ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر فائلز پر نظر ڈالتا رہا۔

پھر اچانک اُس نے نظریں اُٹھائیں۔

"آپ کے پروگرام کی ریٹنگز کافی اچھی جا رہی ہیں مس فاطمہ لوگ سچ سننا پسند کرتے ہیں بس انداز نرم ہونا چاہیے" موسیٰ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"بالکل سچ کی زبان کڑوی ہو سکتی ہے مگر نیت صاف ہو تو لہجہ خود بہ خود نرمی اختیار کر لیتا ہے" فاطمہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

موسیٰ ذرا چونکا جیسے اسے اس جواب کی توقع نہ ہو۔

پھر ایک دھیمی سی مسکراہٹ اُس کے چہرے پر آئی۔

"تو پھر ہم سب ریڈی ہیں شو لائیو جائے گا فاطمہ آپ اپنے سیٹ پر جا سکتی ہیں موسیٰ صاحب کو ہم بریف کر دیتے ہیں"

"جی سر میں شو کی تیاری مکمل کر چکی ہوں" فاطمہ نے اعتماد سے جواب دیا۔

فاطمہ نے ایک بار پھر سلام کیا اور آفس سے باہر نکل گئی ——

مگر موسیٰ کی نظریں اُس کے جاتے ہوئے انداز میں کچھ دیر ٹھہری رہیں۔

وہ جان چکا تھا یہ انٹرویو عام نہیں ہونے والا۔

شیشے کی دیواروں والا کشادہ آفس دن کے وقت مدھم سنہری دھوپ اندر آ رہی تھی رئیسہ کی میز پر فائلز، لیپ ٹاپ اور ایک کافی کا کپ رکھا تھا وہ ایک پروفیشنل اور پُرسکون انداز میں بیٹھی فرہاد سے بات کر رہی تھی ——جو کہ اُس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔

"میں جانتا تھا تم مجھے آفس میں ہی ملو گی اسی لیے آ گیا" فرہاد ہنستے ہوئے بولا۔

اُس نے بے ساختہ رئیسہ کو گلے لگا لیا۔ رئیسہ ہچکچائی ایک پل کے لیے نظریں چرا لیں۔ اُسے احساس ہوا یہ لمحہ حد سے نکل رہا ہے۔

"فرہاد پلیز"

اُس کے الفاظ ابھی لبوں پر ہی تھے کہ دروازہ دھیرے سے کھلا۔

سیام ہاتھ میں فائل لیے دروازے کے کنارے پر نمودار ہوا۔

اُس کے قدم جیسے منجمد ہو گئے۔

اُس نے نظریں جھکا لیں. پھر فوراً سیدھا ہو کر رسمی انداز اپنایا۔

"سوری میم میں کچھ ڈسکس کرنے آیا تھا" سیام مدھم آواز میں جھجکتے ہوئے بولا۔

"مسٹر سیام کیا آپ کے اندر ایٹی کیٹس نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں آفس میں آنے سے پہلے نوک کرنا سیکھیں" رئیسہ تیز لہجے میں بولی۔

اُس کا لہجہ سخت تھا لیکن آنکھوں میں ایک خفیف سا خوف اور جھنجھلاہٹ بھی چھپی ہوئی تھی۔

"میم مجھے لگا میٹنگ ہے اس لیے"

"جسٹ شٹ اپ آؤٹ ابھی کے ابھی میرے آفس سے نکل جاؤ" رئیسہ اسے ٹوکتے ہوئے بولی۔

وہ جان بوجھ کر اپنی آواز بلند کر رہی تھی تاکہ فرہاد پر اپنی حیثیت جتائی جا سکے کہ یہاں وہی حکم دیتی ہے۔

سیام کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ اُس کی انا اُس کا وقار لمحہ بھر کو چور چور ہو گیا تھا۔

اسی لمحے فرہاد نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ قدم بڑھایا۔

"ریلکس رئیسہ مسٹر آپ جا سکتے ہیں" فرہاد نرمی سے مگر زہر گھولے لہجے میں بولا۔

سیام نے فائل سینے سے لگا کر ایک لمحے کو نظریں اُٹھائیں اور بغیر کچھ کہے واپس مڑ کر آفس سے باہر نکل گیا۔

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

--

آج فردان کا کالج میں پہلا دن تھا۔ صبح کی خنکی میں ہلکی سی دھوپ نے عمارت کے پرانے مگر وقار سے بھرپور ستونوں کو سنہری رنگ میں نہلا رکھا تھا۔

فردان، کالج کی راہداری سے گزرتا ہوا پرنسپل آفس کی طرف بڑھا دل میں تھوڑی سی بے چینی تھی مگر چہرے پر خود اعتمادی کی ہلکی سی پرچھائیں بھی تھی۔

پرنسپل آفس کی دروازے پر نام کی پلیٹ چمک رہی تھی اُس نے ہلکے سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"آیئے اندر آیئے" اندر سے ایک شفیق سی آواز آئی۔

پرنسپل ایک متین شخصیت کے مالک آرام دہ کرسی پر بیٹھے تھے۔ ان کی عمر چالیس کے پیٹے میں تھی۔ آنکھوں میں تجربے کی چمک اور لہجے میں نرمی تھی۔

"مسٹر فردان خوش آمدید امید ہے آپ کا پہلا دن خوشگوار گزرے گا" پرنسپل نے مسکرا کر کہا۔

فردان نے رسمی سا سلام کیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ "سر میں اپنی کلاسز کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا"

پرنسپل نے ٹیبل پر رکھی فائل پلٹتے ہوئے سر ہلایا۔ "جی بالکل آپ کو B.Sc سیکنڈ ایئر کے طلبہ کو میتھس پڑھانا ہے مجھے امید ہے آپ کو کوئی دشواری نہیں ہو گی وہ بچے کافی ذہین ہیں بس رہنمائی کے طلبگار ہیں"

فردان نے ہلکے سے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

"جی سر میں پوری کوشش کروں گا کہ اُن کی توقعات پر پورا اُتر سکوں"

"مجھے آپ سے یہی امید ہے مسٹر فردان یہ ادارہ نئی سوچ اور جذبے کا خیر مقدم کرتا ہے" پرنسپل نے بات ختم کی تو کمرے میں چند لمحے سکوت رہا—— مگر وہ سکوت اعتماد سے بھرپور تھا۔

فردان جیسے ہی کلاس روم کے دروازے سے اندر داخل ہوا سب طلبہ اپنی نشستوں سے ذرا سیدھے ہو گئے اور باآواز بلند بولے۔

"السلام علیکم سر"

کمرے میں ایک خوشگوار رسمی فضا بن گئی۔

فردان نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"وعلیکم السلام سٹوڈنٹس"

وہ ڈائس کی طرف بڑھا تھوڑا سا توقف کیا اور بولنا شروع کیا۔

"لیٹ می انٹروڈیوس مائی سیلف مائی نیم از فردان امروز"

ابھی وہ اپنے تعلیمی پس منظر کے بارے میں کچھ بتانے ہی والا تھا کہ اچانک اُس کی نظر آخری بنچ پر بیٹھے چہرے پر جا ٹکی——اور الفاظ اس کے لبوں پر رُک گئے۔

جیسے وقت ایک لمحے کے لیے تھم گیا ہو۔

وہ چہرہ وہی نرم مگر متفکر آنکھیں وہی چپ چاپ بیٹھی لڑکی روما۔

فردان کا دل جیسے ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔ وہ اُسے فوراً پہچان گیا۔

روما اُس کی آنکھیں بھی حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"یہ وہی ہیں جس کا ایکسیڈنٹ میری کار سے ہوا تھا" اُس نے دل میں سوچا۔

اور فردان نے فوراً نظریں جھکا لیں کچھ پل خاموشی میں گزرے پھر اس نے خود کو سنبھالا اور لہجے کو نارمل بناتے ہوئے بات مکمل کی۔

"آئی وِل بی یور میتھمیٹکس ٹیچر۔ آئی ہوپ ہمارا یہ تعلیمی سفر خوشگوار اور مفید ثابت ہو"

وہ بول کر خاموش ہو گیا۔ کلاس میں ایک دم سے ہلکی سی سرگوشیاں ہوئیں لیکن جلد ہی سب سٹوڈنٹس نے ایک ساتھ جواب دیا۔

"یس سر" فردان نے گہری سانس لی۔

لائٹس کیمرہ رولنگ ایکشن !

ریڈلائٹ جیسے ہی آن ہوئی اسٹوڈیو کے اندر ایک سنجیدہ سی خاموشی چھاگئی ہر طرف روشنیاں جھلملارہی تھیں کیمرے اپنی پوزیشن پر تیار کھڑے تھے اور عملہ سانس روک کر منتظر تھا۔

کنڑول روم سے فاطمہ کے ائیر پیس میں ہلکی سی آواز گونجی۔

"فاطمہ شو اسٹارٹ"

فاطمہ نے گہرا سانس لیا چہرے پر ایک پیشہ ورانہ مسکراہٹ سجائی اور نظریں براہِ راست کیمرے کی آنکھ سے جوڑ دیں۔

"اسلام وعلیکم ناظرین"

اُس کی آواز اسٹوڈیو میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئی، جیسے ہر لفظ اپنے اندر ایک شدت لیے ہو۔

"سچ وہی جو تلخ ہو سوال وہی جو مشکل ہو اور جواب وہی جو چھپایا گیا ہو آپ دیکھ رہے ہیں 'صاف صاف بات فاطمہ کے ساتھ' اور میں ہوں فاطمہ ابراہیم۔ ایک بار پھر آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید"

اس دوران بیک گراؤنڈ میں شو کا تھیم میوزک آہستہ آہستہ مدھم ہوتا گیا اور اسکرین پر شو کا لوگو جگمگایا فاطمہ نے پلکیں جھپکائے بغیر کیمرے کو گھورا اُس کی نگاہوں میں اعتماد کی چمک تھی۔

"آج کے مہمان کا تعارف کروانا میرے لیے محض فریضہ نہیں ایک چیلنج ہے کیونکہ اگر سیاست کی بات ہو اور ان کا ذکر نہ ہو تو گفتگو نامکمل سمجھی جاتی ہے"

"جی ہاں ہمارے ساتھ موجود ہیں عوامی اتحاد محاذ کے سر گرم رہنما سیاست کی پیچیدگیوں کو لفظوں میں سمیٹنے کا ہنر رکھنے والے موسیٰ شیر خان صاحب اسلام و علیکم سر کیسے ہے آپ"

کیمرہ اب دھیرے سے پین ہوتا ہوا موسیٰ کی طرف بڑھا لائٹس نے اُس کی شخصیت کو ایک خاص و قار میں لپیٹ لیا۔ اُس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

"و علیکم اسلام الحمدللہ بالکل خیریت سے ہوں"

اُس کی آواز دھیمی مگر گونج دار تھی۔ ایسا لگا جیسے اسٹوڈیو کی ہر دیوار اُس کی بات کو سُن رہی ہو۔

اس لمحے میں صرف دو لوگ تھے ـــــ ایک جو سوال کرنا جانتی تھی، دوسرا جو جواب دینا جانتا تھا۔

"موسیٰ خان صاحب سب سے پہلے تو آپ ہمارے شو میں تشریف لائے اس کے لیے شکریہ"

فاطمہ نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ ہلکی سی گردن خم کی اسٹوڈیو کی لائٹس اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں، لیکن اُس کے لہجے میں نرمی کے ساتھ ایک غیر محسوس سا دباؤ بھی چھپا تھا۔

"زیادہ وقت ضائع کیے بغیر سوالات کی طرف بڑھتے ہیں"

فاطمہ نے اپنے سامنے رکھے ٹیبلٹ پر نظر دوڑائی اور اگلا سوال پڑھا۔

"خان صاحب آپ کی پارٹی نے تعلیم صحت اور روزگار کے کچھ قابلِ ذکر اقدامات کیے ہیں خاص طور پر دیہی علاقوں میں"

اُس نے نظریں اُٹھا کر موسیٰ کی طرف دیکھا۔ اُس کی آواز نرم تھی، لیکن آنکھیں متجسس۔

موسیٰ نے صوفے کی پشت سے ٹیک ہٹائی بدن قدرے سیدھا کیا اور بولنے سے پہلے ہلکا سا مسکرایا۔ اُس کے لباس سفید کُرتے——میں روایتی سیاستدان کا وقار تھی مگر اُس کی آنکھوں میں اسکرین کی چمک پر قابو رکھنے کی کوشش صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"بالکل ہم صرف وعدے نہیں کرتے عملی اقدامات بھی کر رہے ہیں عوام خود ہماری کارکردگی دیکھ رہی ہے"

موسیٰ کا انداز پر اعتماد تھا لیکن اُس کی توجہ کا مرکز فاطمہ کی آواز سے زیادہ، اُس کی شخصیت ہو چکی تھی۔

"پہلے بھی کئی اینکرز سے بات کی ہے لیکن یہ لڑکی... "اُس نے دل میں سوچا "اس کا کانفیڈنس یہ کچھ اور ہے"

پھر اچانک

فاطمہ نے کاغذات پلٹے پلکیں جھپکائیں چہرے پر مسکراہٹ غائب ہوئی سوال کا وزن اب اس کے لہجے پر منتقل ہو چکا تھا۔

"موسیٰ صاحب عوام واقعی سب کچھ دیکھ رہی ہے مثلاً آپ کے حلقے میں گزشتہ چھ ماہ میں ریپ کے چار کیسز رجسٹر ہوئے ہیں متاثرہ لڑکیوں کی عمریں 13 سے 16 سال کے درمیان تھیں ملزمان اب بھی آزاد گھوم رہے ہیں کہا جا رہا ہے کہ ان میں آپ کے قریبی ساتھی بھی شامل ہیں کیا آپ اس پر روشنی ڈالیں گے"

سوال بجلی کی مانند فضا میں گونجا۔ لمحے بھر کے لیے اسٹوڈیو میں خاموشی چھا گئی صرف پنکھے کی ہلکی ہلکی گونج باقی رہ گئی۔

کیمرہ اب دونوں کو بیک وقت کٹ میں دکھا رہا تھا۔ فاطمہ اور موسیٰ کے درمیان رکھا میز جیسے میدانِ جنگ بن چکا تھا ایک طرف وہ جو سوال اُٹھا رہی تھی دوسری طرف وہ جسے جواب دینا پسند نہیں تھا۔

موسیٰ نے ہونٹ بھینچے ناک کی سانس ذرا تیز لی اور پاس رکھا پانی کا گلاس تھاما اُس کی انگلیاں گلاس کی پتلی دیوار پر زور سے دَب رہی تھیں۔ لمحہ بھر کو اُسے محسوس ہوا جیسے وہ یہی گلاس سامنے بیٹھی لڑکی کے چہرے پر پھینک دے جو کانفیڈنس ابھی کچھ دیر پہلے پُر کشش لگ رہا تھا اب زہر کی مانند چُبھ رہا تھا۔

"یہ ایک سیاسی سازش ہے میرے خلاف میری ساکھ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے اگر کوئی جرم ہوا ہے تو عدالتیں موجود ہیں قانون موجود ہے"

اُس نے ضبط کے ساتھ جواب دیا مگر لہجے میں تلخی رسنے لگی تھی۔

کنڑول روم میں بیٹھے چیف پروڈیوسر اور انچارج سکرین پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ فاطمہ کے سوال پر دونوں نے ایک دوسرے کو چونک کر دیکھا۔

"یہ سوال منع تھا"

ایک نے سرگوشی میں کہا۔

"یہ لڑکی حد پار کر رہی ہے"

دوسرا جھنجھلایا۔

"خان صاحب ہمیں چینل سمیت بیچ کے کھا جائے گے"

موسیٰ کے جواب کے بعد لمحہ بھر کی خاموشی رہی۔

فاطمہ نے اپنی نگاہیں کیمرے سے ہٹا کر سیدھی موسیٰ کی آنکھوں میں گاڑ دیں

اُس کے چہرے پر اب نہ مسکراہٹ تھی نہ تعریفی انداز—— صرف ایک

بے ساختہ نڈر سنجیدگی۔

"سازش"

فاطمہ نے لفظ کو دہرایا اُس کی آواز میں سرد ٹھہراؤ تھا۔

"شیر صاحب سوال یہ نہیں کہ یہ الزامات سازش ہیں یا حقیقت سوال یہ ہے کہ متاثرہ بچیوں کو انصاف کب ملے گا اور اُن کے مجرموں کو چاہے وہ آپ کے کتنے ہی قریبی کیوں نہ ہوں سزا کون دلائے گا"

موسیٰ نے پلکیں جھپکیں پھر نظریں چرائیں اُس کی انگلیاں اب بھی پانی کے گلاس کے گرد سختی سے لپٹی تھیں۔

"ہم سب جانتے ہیں عدالتیں موجود ہیں قانون بھی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جب انصاف طاقتور کی مرضی کا محتاج ہو جائے تو پھر عدالتیں صرف کمزور کے لیے سزا بن جاتی ہیں"

فاطمہ کی آواز اب مدھم مگر بھرپور تھی۔

اسٹوڈیو میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ کیمرامین بھی حرکت روک چکے تھے۔ صرف فاطمہ کی آواز گونج رہی تھی۔

موسیٰ کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ اُس نے ضبط کے ساتھ ہونٹ بھینچے لیکن کوئی مزید لفظ اُس کے پاس نہیں تھا۔ وہ پہلی بار کیمرے کے سامنے لاجواب دکھائی دیا۔

کنٹرول روم میں سراسیمگی پھیل چکی تھی۔ پروڈیوسر کے ماتھے پر پسینہ تھا۔

فاطمہ نے دوبارہ کیمرے کی طرف دیکھا چہرے پر اب وہی سنجیدہ مسکراہٹ تھی جو ہر بار سچ کہنے سے پہلے آتی تھی۔

فاطمہ کی بات ختم ہوئی تو چند لمحوں تک اسٹوڈیو میں صرف کیمروں کی مدھم گھرِ گھرِ سنائی دیتی رہی۔ موسیٰ شیر خان کا چہرہ سخت ہو چکا تھا پیشانی کی رگیں ابھری ہوئی تھیں اور اُس کی نظریں کسی عام مہمان کی طرح نہیں ایک زخمی شیر کی طرح فاطمہ پر مرکوز تھیں۔

"آپ جیسے اینکرز کے لیے شاید ریٹنگ وائرل کلپس اور سوشل میڈیا پر تالیاں اہم ہیں آپ کہہ رہی ہیں کہ عدالتیں طاقتور کے تابع ہیں تو آپ کس آئین کی

بات کر رہی ہیں کیا آپ کو یہ قانون تب یاد آتا ہے جب سوال میرے جیسے لوگوں پر ہو"

اس نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ مائیک کی طرف جھک کر بولنا شروع کیا۔

فاطمہ کچھ کہنے لگی مگر موسیٰ نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے روک دیا۔

"نہیں محترمہ اب ذرا مجھے بھی بولنے دیجیے"

اُس کے لہجے میں نرمی نہیں ایک سوچی سمجھی سختی تھی۔

موسیٰ نے اب فاطمہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ایک ذاتی وار کیا۔

"اور رہی بات سوالوں کی تلخی کی تو کبھی کبھی سوال کرنے والے کی نیت الفاظ سے زیادہ بولتی ہے آپ کے سوال میں سچ کم دشمنی زیادہ تھی"

اسٹوڈیو کا ماحول دوبارہ تناؤ سے بھر گیا تھا۔ کنٹرول روم میں پروڈیوسر نے سر پکڑ لیا۔

"یہ شواب کسی اور طرف نکل رہا ہے"

مگر کیمرہ اب بھی موسیٰ کے چہرے پر فوکس کیے ہوئے تھا۔ موسیٰ نے اپنی بات ختم کرنا چاہی۔

"میں عدالتوں کا سامنا کرنے کو تیار ہوں لیکن میں میڈیا ٹرائل کا حصہ نہیں بنو گا "

موسیٰ نے مائیک پیچھے دھکیلا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ اُس کا چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا، مگر اُسے معلوم تھا اُس نے پلٹ کر وار ضرور کیا ہے۔

ڈرائنگ روم میں ٹی وی کی روشنی بار بار دیواروں پر جھلملاتی جا رہی تھی۔ لائٹ مدھم تھی پنکھے کی ہلکی آواز اور نیوز شو کی گونج کمرے میں گھل چکی تھی۔ فاطمہ اس وقت لائیو شو میں موسیٰ شیر خان کا سامنا کر رہی تھی سوالات میں چنگاریاں تھیں اور لہجے میں سچ کی گونج۔

اماں بی سفید دوپٹہ سر پر رکھے صوفے کے ایک کونے میں بیٹھیں ٹی وی کو گھور رہی تھیں اُن کی آنکھوں میں بے چینی تھی چہرے پر پریشانی کی جھریاں اور ہاتھوں میں تسبیح جو لمحہ بہ لمحہ تیزی سے چل رہی تھی۔

یہ سنتے ہی اماں بی کا ضبط جواب دے گیا۔

"علشبہ تم دیکھ رہی ہو اپنی بیٹی کے کام کیسے ایک مرد سے زبان لڑا رہی ہے یہ سیاستدان کوئی عام لوگ نہیں ہوتے وہ موسیٰ اُس کی تیوری دیکھو کیسی چڑھی ہوئی ہے ایسی آگ تو دشمنوں کی آنکھوں میں ہوتی ہے"

اُنھوں نے پریشان نگاہوں سے علشبہ اور ابراہیم کو دیکھا جیسے اُن کی بیٹی کوئی جنگ چھیڑ بیٹھی ہو۔

"ابراہیم تم لوگ سمجھتے کیوں نہیں ہو وہ لڑکی ذات ہے کچھ ہو نہ جائے تمہاری ضد تمہاری چھوٹ کہیں اسے لے نہ ڈوبے"

ابراہیم جو خاموشی سے ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھے تھے اپنی بیٹی کی جرأت اور سچائی پر دل ہی دل میں فخر محسوس کر رہے تھے مگر اماں کی بات اُن کے سینے میں تیر بن کر چبھی۔

"اماں وہ ٹھیک ہی تو بول رہی ہے آپ خود دیکھیں کتنی بچیوں کے ساتھ ظلم ہوا ہے وہ سوال کر رہی ہے کسی کی بیٹی کے لیے کسی کی بہن کے لیے"

اُن کی آواز میں دکھ بھی تھا اور فخر بھی۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن مظلوم بچیوں میں تمہاری اپنی بیٹی کا نام آجائے ابراہیم"

اماں بی نے تسبیح زور سے کھینچی غصے سے کپکپاتی آواز میں بولیں۔

یہ جملہ کمرے میں گونج سا گیا علشبہ بیگم جواب تک ضبط کیے بیٹھی تھیں اچانک اٹھ کر کھڑی ہو گئیں آنکھوں میں آنسو، چہرے پر دکھ اور لہجے میں تڑپ۔

"اللہ نہ کرے اماں آپ کیسے ایسی بات کر سکتی ہیں فاطمہ میری بیٹی ہے آپ بددعا نہیں دے رہی ایک ماں کے دل کو زخمی کر رہی ہیں"

ابراہیم بھی اٹھے آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

"بس اماں وہ جو کچھ کہہ رہی ہے سچ کے لیے کہہ رہی ہے اگر فاطمہ آج خاموش ہو گئی تو کل شاید ہم سب شرمندہ ہوں ہماری بیٹی کمزور نہیں ہے"

کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی صرف ٹی وی سے فاطمہ کی آواز آ رہی تھی اور پس منظر میں اُس کی تصویر ایک نڈر روشن چہرہ جو ظلم کے خلاف بول رہا تھا — چاہے اُس کے اپنے لوگ اسے سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

کانفرنس روم میں نیم تاریکی تھی بڑی اسکرین پر لائیو شو چل رہا تھا جس میں فاطمہ بے خوفی سے موسیٰ شیر خان جیسے دبنگ سیاستدان سے تلخ سوالات کر رہی تھی ایک طرف وہ تھی ایک بے باک اینکر اور دوسری طرف اُن سب کی برسوں کی چالاکی سیاست اور طاقت۔

یحیٰ خان جو ملک کے سب سے با اثر سیاسی چہروں میں سے ایک تھے ہال کے وسط میں کھڑے تھے اُن کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور آنکھیں اسکرین پر جمی تھیں جیسے وہ صرف نہیں دیکھ رہے ناپ رہے ہوں۔

فاطمہ کے جملے اُن کے کانوں میں بارود کی طرح گونج رہے تھے۔

اس لمحے یحیٰ خان کا چہرہ سخت ہو گیا۔ اُن کی بھنویں تن گئیں ہونٹوں پر عجیب سا کسا ہوا طنز ابھرا اُن کے اندر دہکتا لاوا اب سطح پر آ رہا تھا۔

"اسماعیل"

آواز گونجی دباؤ میں ڈوبی ہوئی مگر دھماکے سے کم نہ تھی۔

اسماعیل فوراً سیدھا ہو کر پاس آ کھڑا ہوا جانتا تھا کہ یہ آواز نرمی نہیں طوفان کا پیش خیمہ ہے۔

"مجھے اس لڑکی کے بارے میں سب معلوم کرنا ہے سب کچھ کہاں رہتی ہے کس کے ساتھ رہتی ہے کن سے ملتی ہے اور کیا چھپاتی ہے کون ہے اُس کے خاندان میں کیا اُس کے پاس کوئی کمزور نقطہ ہے مجھے شام تک رپورٹ چاہیے"

یحیٰ خان کی آنکھوں میں وحشی سکون تھا وہ شخص جو ہمیشہ نرمی اور مسکراہٹ کے پردے میں بات کرتا تھا آج پہلی بار وہ پردہ خود ہٹا چکا تھا۔

"یہ زبان جو آج اتنی آزاد ہے اگر وقت پر نہ روکی گئی، تو کل یہ ہمارے خلاف بغاوت بن جائے گی"

انھوں نے اسکرین کی طرف قدم بڑھائے اور فاطمہ کے چہرے پر انگلی رکھی جیسے وہ تصویر پر نہیں اُس کی ہستی پر انگلی اٹھا رہے تھے۔

"اسے لگتا ہے کہ وہ صرف الفاظ سے جنگ جیت سکتی ہے مگر یہ کھیل صرف الفاظ کا نہیں ہوتا طاقت کا بھی ہوتا ہے اور طاقت ہمارے پاس ہے ہمیشہ سے"

"جی سر میں ابھی معلومات نکلوا کر دیتا ہوں" اسماعیل نے نگاہیں جھکائیں پھر آہستگی سے بولا۔۔

"یہ کام ابھی شروع ہو جانا چاہیے شام تک مکمل یہ لڑکی نہیں ایک مسئلہ ہے اور مسئلے ختم کرنے پڑتے ہیں"

یحیٰ خان نے آخری جملہ اس قدر نرمی سے کہا جیسے وہ کسی کو پھول بھیج رہے ہوں لیکن اس کے پیچھے انتقام کی وہ چنگاری تھی جس نے بہت کچھ جلانا شروع کردیا تھا۔

اسٹوڈیو کی روشنیوں میں لپٹا ماحول تھا مگر فضا میں ایک عجیب سا تناؤ محسوس ہو رہا تھا فاطمہ کی نظریں براہِ راست کیمرے میں گڑی ہوئی تھیں اُس کی آواز میں عزم اور چہرے پر ہلکی سی چمک تھی مگر آنکھوں کے کنارے نمی سے بھرنے لگے تھے۔

"شیر صاحب میں آپ کی بات سمجھ گئی ہوں آپ نے بہت نفاست سے بات کو موڑ دیا صاف ظاہر ہے کہ آپ ریپ جیسے موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتے کوئی بات نہیں ہم کوئی اور موضوع لے لیتے ہیں"

اُس کی آواز میں تلخی چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی —— جیسے زخم دکھا کر طنز کر رہی ہو۔ موسیٰ شیر خان کی انگلیاں کرسی کے بازو پر زور سے دبنے لگیں۔ اُس کے چہرے کی رگیں تن گئیں آنکھیں جیسے شعلہ برساتی ہوں اُسے اپنا ضبط ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ سامنے بیٹھی لڑکی کی بے باکی جیسے اُس کی انا پر ضرب لگا رہی ہو۔

"سر اس وقت سب سے بڑا مسئلہ فلسطین کا ہے وہی فلسطین جس نے پاکستان کو ہمیشہ دل سے قبول کیا۔ آج وہی فلسطین بلک رہا ہے سسک رہا ہے اور ہم ہم صرف تماشائی بنے بیٹھے ہیں آپ اس پر روشنی ڈالنا پسند کریں گے "

فاطمہ کے لہجے میں بے بسی نہیں ایک کرب اور چنگاری تھی یہ اُس کا پہلا شو تھا لیکن شاید آخری بھی ہو سکتا تھا اُسے پروا نہیں تھی اُسے معلوم تھا اگر آج کیمرہ بند ہوا تو شاید سچ بھی ہمیشہ کے لیے سل جائے۔

موسیٰ نے گہری سانس لی۔ چہرے پر زبردستی کی سنجیدگی اور آنکھوں میں خفا سا طنز لیے وہ گویا ہوا۔

"ہم مدد کر رہے ہیں کیا آپ نے اسلام آباد میں ہونے والے پروٹیسٹ کو نہیں دیکھا عوام سڑکوں پر نکلی ہیں"

ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس نے کوئی بڑی دلیل دے دی ہو، جیسے عوام کی نعرے بازی ہی کسی جنگ میں کامیابی ہو۔

فاطمہ نے کرسی پر قدرے جھک کر کیمرے کی طرف دیکھا پھر موسیٰ کی آنکھوں میں جھانکا۔

"معاف کیجیے گا سر مگر کیا اُس پروٹیسٹ سے فلسطینی بچوں کو کھانا ملا کیا اُن بچوں کو جو ہسپتال پہنچنے سے پہلے دم توڑ رہے کیا فرسٹ ایڈ ملی"

اس کا لہجہ اب بھی پر سکون تھا مگر الفاظ زخم کی طرح کاٹتے جا رہے تھے۔ آنکھوں کے کناروں سے بہتی نمی، اُس کے دل کے دکھ کو عیاں کر رہی تھی۔ مگر وہ رکنے والی نہیں تھی۔ یہ اُس کی جنگ تھی۔ سچ کی جنگ۔

کنٹرول روم کی دیوار پر لگے بڑے اسکرینز پر شو براہِ راست چل رہا تھا۔ روشنیوں کی چمک بٹنوں کی روشنی، اور مانیٹرز پر بدلتے اعداد و شمار کے درمیان سامیہ کے چہرے پر حیرت اور بے یقینی چھا گئی۔ اُس کے ہاتھ میں تھما موبائل تھرتھرا رہا تھا۔ اُس نے نظریں اُٹھائیں اور بے ساختہ چلاّاُٹھی۔

"سر شو کی ریٹنگ بڑھ رہی ہے جسٹ تھرٹی منٹس اور تھری ملین ویوز"

پاس کھڑے انچیف اور ڈائریکٹر نے جیسے یکدم سامیہ کی طرف گھورا مگر خوشی اُن کے چہروں پر نہیں ابھری۔ انچیف کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا ماتھے پر بل آنکھوں میں غصہ اور ہاتھ میں پکڑی فائل ایک جھٹکے سے میز پر پھینکی گئی۔

"یہ شو کی ریٹنگ نہیں یہ موت ہے ہم سب کی"

کنٹرول روم کا ماحول یکدم سنّاٹے میں ڈوب گیا۔ ٹیکنکل اسٹاف جو لمحہ بھر پہلے حیرت سے ویوز گن رہا تھا اب ساکت ہو چکا تھا انچیف کا غصہ اُس کے لفظوں سے زیادہ اُس کے وجود سے چھلک رہا تھا۔

"ہم نے منع کیا تھا اُسے بار بار کہا تھا وہ سوال مت کرنا مگر وہ وہ نہیں سن رہی ہمیں وہ بریک بھی نہیں لے رہی"

انچیف کی آواز اُس مائیک سے ٹکرا کر براہِ راست فاطمہ کے ائیر پیس میں پہنچی۔ فاطمہ اسٹوڈیو کے لائیو کیمروں کے سامنے موجود تھی مگر اگلے لمحے جیسے اُس کے چہرے کا رنگ ایک پل کو بدلا — صرف اُتنا کہ کیمرہ پکڑ نہ سکے مگر احساس گہرا ہو۔

مگر وہ رُکی نہیں اُسی ہمت اُسی استقامت سے وہ کیمرے کی طرف دیکھتی رہی، جیسے اُس نے انچیف کی چیخ نہیں کسی خاموش دل کی فریاد سنی ہو۔

سیام رئیسہ کے آفس سے نکل کر معمول کی طرح اپنے آفس کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے ایک شناسا آواز اُبھری۔

"سیام آپ نے میم رئیسہ سے فائل پر سائن کروا لیے"

سیام نے پلٹ کر دیکھا عاطف صاحب دروازے کے پاس کھڑے مسکراہٹ دبائے اُسے دیکھ رہے تھے سیام چند لمحے رُکا پھر قدرے الجھے لہجے میں جواب دیا۔

"نہیں میں اُن کے آفس گیا تھا لیکن اندر اُن کے بھائی یا شاید ہزبینڈ تھے"

عاطف صاحب کی مسکراہٹ اب ذرا گہری ہو گئی جیسے کوئی دلچسپ راز اُنہیں یاد آ گیا ہو۔

"بیٹا جی اُن کا کوئی بھائی نہیں رئیسہ میم اکلوتی ہیں اور رہی بات شوہر کی تو وہ بھی نہیں ابھی شادی نہیں ہوئی اُن کی"

یہ کہتے ہوئے وہ فائل سیام کے ہاتھ سے لے لی اور جیسے بات کو ہلکے پھلکے انداز میں ختم کرنا چاہتے ہوں۔

"وہ جو آپ نے دیکھا وہ فرہاد صاحب تھے رئیسہ میم کے fiancé کہہ لیں"

سیام کے قدم جیسے جم گئے آنکھوں کے سامنے وہ لمحہ گھوم گیا جب اُس نے رئیسہ کو کسی مرد کے ساتھ دیکھ کر فوراً نتیجہ اخذ کر لیا تھا مگر اب اُس کا ذہن کچھ اور سوچنے لگا۔

"کیا کوئی لڑکی ایسے کسی غیر مرد کے گلے لگ سکتی ہے جو اُس کا محرم نہ ہو"

خیالات کی یہ گونج اُس کے دل میں ہلچل مچانے لگی۔ قدم تو جیسے بندھے تھے مگر دماغ میں فاطمہ کا عکس اُبھرنے لگا وہی فاطمہ جو اُس کی منگیتر تھی۔

"فاطمہ نے تو کبھی ہاتھ تک نہیں پکڑا میرا"

اُس کا دل جیسے فاطمہ کی طرف جھک گیا اور رئیسہ سے بے اختیار سا فاصلہ بننے لگا مگر اگلے لمحے وہ سر جھٹک کر خود کو سنبھالتا ہے ہونٹوں سے بے اختیار نکلتا ہے۔

"خیر مجھے کیا"

وہ آہستہ قدموں سے اپنے آفس کی طرف بڑھنے لگا مگر دل میں کہیں کوئی نرمی کوئی سوال اور کوئی دکھ سا باقی تھا— جو اُس کے چہرے کی گمبھیرتا میں چھپا ہوا تھا۔

رئیسہ اپنے آفس کی آرام دہ کرسی پر نیم دراز بیٹھی تھی۔ فرہاد جا چکا تھا میز پر مہنگا پرفیوم کریم اور چمکتا ہوا فون جیسے آفس نہیں کسی ماڈرن اسٹائل لاؤنج کا منظر ہو

ہاتھ میں پکڑا موبائل اسکرین پر تیزی سے انگلیاں چل رہی تھیں انسٹا گرام ٹرینڈنگ ویڈیوز ریلس اور پھر اچانک ایک ویڈیو پر انگلی رک گئی۔

موسیٰ شیر خان کا انٹرویو اور اُس کے سامنے بیٹھی فاطمہ کی جُرات طنز اور سوالات کا وہ سلسلہ جو موسیٰ جیسے مغرور شخص کو لاجواب کر رہا تھا۔

رئیسہ کی بھنویں بلند ہوئیں ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری اور پھر اگلے ہی لمحے ایک تیز قہقہہ اُس کے آفس میں گونجنے لگا۔

"او مائی ڈیئر کزن تم امریکہ سے انٹرویو دینے آئے تھے یا اپنی انسلٹ کروانے"

اُس نے ہنستے ہوئے فون کا والیم بڑھایا اور ویڈیو دوبارہ چلائی ہر جملے پر اُس کا قہقہہ بلند ہوتا گیا۔

"او مائی گاڈ اتنی انسلٹ ہاہاہا"

اُس کی ہنسی میں خوشی کے ساتھ ساتھ ایک ذاتی فتح کا سا مزہ بھی چھپا تھا۔ جیسے برسوں پرانا کوئی حساب برابر ہو رہا ہو اُس نے فون ایک طرف رکھا اور آئینے میں جھانک کر بالوں کی لٹ پیچھے کی جیسے خود کو داد دے رہی ہو۔

پھر ہنستے ہنستے ایک جملہ آہستہ سے اُس کے لبوں سے نکلا جیسے خود سے بات کر رہی ہو۔

"فاطمہ تم نے تو کمال کر دیا"

اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ اطمینان تھا جیسے کسی جنگ میں اُس نے خود نہیں بلکہ اُس کی طرف سے کسی اور نے تیر مارا ہو اور وہ دل ہی دل میں اُس کامیابی کو انجوائے کر رہی ہو۔

موسیٰ شیر خان کی نظریں لمحہ بھر کو کیمرے سے ہٹیں اُس نے ایک گہری سانس لی جیسے اندر جلتی آگ کو قابو میں لانے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اُس نے نظریں فاطمہ کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"محترمہ جذباتی تقریریں کرنا بہت آسان ہوتا ہے خاص طور پر جب آپ کو زمینی حقائق کا علم نہ ہو۔ ہر ملک کی حدود ہوتی ہیں وسائل کی پالیسی کی اور سیاسی مجبوریوں کی۔ ہم احتجاج کر رہے ہیں آواز اٹھا رہے ہیں یہ بھی ایک جدوجہد ہے۔"

موسیٰ کی آواز گونجی نہیں، بلکہ گونجیلی ہو گئی——وہی مخصوص سیاسی لب ولہجہ، مگر اُس کے چہرے پر عجیب سا تناؤ ابھر آیا تھا۔

"آپ یہاں بیٹھ کر سوال کر رہی ہیں اچھا ہے ضرور کریں، صحافت کا یہی کام ہے۔ لیکن آپ یہ بھول رہی ہیں کہ قوموں کے فیصلے جذبات پر نہیں حکمت پر ہوتے ہیں۔ اور ہم وہی کر رہے ہیں جو ہمارے دائرہ اختیار میں ہے۔"

فاطمہ خاموش بیٹھی تھی مگر اُس کی خاموشی میں جو سوال چھپے تھے وہ موسیٰ کو بے چین کر رہے تھے۔ اُس نے لمحہ بھر کو پانی کا گلاس اٹھایا مگر ہونٹوں تک پہنچا نہ سکا۔ بات جاری رکھی۔

"اور یہ جو آپ نے ریپ جیسے موضوع کا حوالہ دیا میں نے اُس پر بات نہیں کی کیونکہ میں اُس درد کو کیمرے پر تماشا نہیں بنانا چاہتا۔ کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جن پر بولنا نہیں عمل کرنا ہوتا ہے۔"

اُس کے لہجے میں پہلی بار ایک ہلکی سی لرزش تھی۔ جیسے کوئی یاد اُبھر آئی ہو۔ لمحے بھر کو اُس کا چہرہ سخت سے نرم پڑا مگر پلک جھپکتے ہی پھر وہی موسیٰ شیر خان—— مضبوط مغرور اور قابو میں۔

اسٹوڈیو کی فضا جیسے چند لمحوں کے لیے سانس روک لیتی ہے۔ کیمرہ دونوں کے چہروں پر ٹکا ہوا ہے اور شو کا ہر ناظر اب ایک فیصلہ کن لمحے کی گرفت میں ہے۔

"اسی کے ساتھ مجھے ایک بات یاد آئی ہے کیا پتہ میری سوئی گورنمنٹ اور عوام جاگ جائے۔

میرے سوئے ہوئے حکمراں بھی سُنے۔۔

جو مجھے مانتے ہی نہیں وہ بھی سُنے۔۔

فلسطین بلکتا رہا، روتا رہا لیکن کسی نے پُکار نہیں سُنی۔۔

مائیں بچیوں کی عزت روند جانے پر روتی رہی لیکن انصاف نہیں ملا۔۔

"تاریخ نہیں بخشے گی پاکستان تم نے لاالہ الا کے نعرے لگائے لیکن فلسطین کی مدد نہیں کی۔.

"تاریخ نہیں بخشے گی ترکیہ تم سلطنتِ عثمانیہ سے تھے تم نے بھی کانوں میں روئی ٹھونس لی۔۔۔

"اے سعودیہ تاریخ نہیں بخشے گی فلسطین میں بچے ہاسپتال جانے سے پہلے مر گئے وجہ اُن کے پاس ایندھن نہیں تھا لیکن تم نے مدد نہ کی۔۔۔۔

"اے مصر تاریخ نہیں بخشے گی تمہارے پاس پانی کے کنویں تھے لیکن پھر بھی فلسطین پانی کے لیے سسکتا رہا۔۔"

فاطمہ کی آواز میں اعتماد تھا مگر لہجے میں ایک عجیب سی تھکن بھی چھپی تھی۔ کیمرے کی روشنی آنکھوں پر جھلملا رہی تھی مگر اُس کی نظر کہیں اور، کسی دُور اندیشی میں کھوئی ہوئی تھی۔

"جی تو ناظرین جیسے کہ آج ہمارے ساتھ موسیٰ شیر خان صاحب تھے آپ نے دیکھا ہم نے ریپ کیسز پر بات کی ہم نے مسئلہ فلسطین پر بات کی"

اس کی آواز میں کہیں دعا کہیں اُمید اور کہیں اک ضد چھپی تھی۔

"انشاءاللہ جلدی ہی اُن بچیوں کو انصاف ملے گا اور فلسطین بھی آزاد ہو گا"

اُس نے گہری سانس لی، جیسے کوئی بوجھ دل سے ہٹایا ہو۔

"اسی کے ساتھ مجھے اجازت دیجیے پھر ملاقات ہو گی۔ دعاؤں میں یاد رکھیے۔ ملتے ہیں نیکسٹ پروگرام میں۔ تب تک کے لیے اللہ حافظ۔"

پروڈیوسر کی آواز گونجی "اور... کٹ! کیمرہ آف!"

لائٹس مدھم ہو گئیں کیمروں کی سرخ بتیاں بجھ گئیں اور اسٹوڈیو میں لمحہ بھر کے لیے ایک گہری خاموشی چھا گئی۔ مگر وہ خاموشی کسی طوفان سے پہلے کا سکوت لگ رہی تھی۔

فاطمہ اپنی کرسی سے آہستہ سے اُٹھی۔ اُس نے مائیک اتارا، پانی کا گلاس اٹھایا، مگر لبوں تک نہ لے جا سکی۔ اُسے محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے گھور رہا ہے۔

اُس نے نگاہ اُٹھائی۔ سامنے موسیٰ شیر خان کھڑا تھا—ساکت، خاموش مگر اُس کی آنکھیں.. وہ سب کچھ بول رہی تھیں جو الفاظ کہنے سے قاصر تھے۔

موسیٰ کی آنکھوں میں چنگاریاں تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لمحہ بہ لمحہ خود کو قابو میں رکھ رہا ہے۔ ماتھے کی رگیں تن چکی تھیں، اور ہونٹوں پر جمی سختی سے اُس کی اندرونی جنگ عیاں تھی۔

وہ آہستہ سے فاطمہ کی طرف بڑھا۔ فاصلہ صرف چند قدم کا تھا، مگر اس وقت وہ چند قدم سینکڑوں میل جیسے لگ رہے تھے۔

"تم نے سوچا تم یہ سب بول دو گی اور میں کچھ نہیں کہوں گا"

اُس کی آواز دھیمی مگر شدید تھی — جیسے شعلوں میں لپٹی ہوئی راکھ۔

فاطمہ نے نظریں نہیں چرائیں۔ وہ سیدھی اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"میں نے وہی بولا جو سچ تھا۔ اگر آپ کے پاس کہنے کو کچھ اور ہے، تو اب کیمرے آف ہیں آپ بے جھجک بول سکتے ہیں۔"

ایک لمحے کے لیے فضا تھم گئی۔ جیسے وقت نے سانس روک لی ہو۔ موسیٰ کی مٹھی بند ہوئی، مگر اُس نے خود پر قابو رکھا۔ اُس کی نگاہ فاطمہ پر ٹکی رہی جیسے جانچ رہا ہو کہ یہ لڑکی کس مٹی کی بنی ہے۔

پھر اچانک اُس کا چہرہ تھوڑا نرم پڑا ماتھے کی شکنیں ہلکی ہوئیں اور نظریں تھوڑی نیچے آئیں... بالآخر وہ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آہستہ سے بولا۔

"اگر سویا ہوا شیطان جاگ جائے تو ہر سمت بربادی ہوتی ہے مس فاطمہ۔"

فاطمہ کی آنکھوں میں ایک چمک ابھری۔ اُس کے لبوں پر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ آئی اور وہ دھیرے سے بولی۔

"حق کے سامنے شیطان زیادہ دیر نہیں ٹکتا۔"

ایک لمحے کے لیے موسیٰ خاموش ہوا، پھر ہلکا سا سر ہلایا، جیسے اُس کی بات کو سراہ رہا ہو۔ اچانک اُس کے چہرے پر ایک غیر متوقع ہلکی مسکراہٹ آئی۔

"آئی ایم ایمپریسڈ آئی لائک یور ایٹیٹیوڈ لیڈی۔ "

اور پھر آنکھ مار دی

فاطمہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہونے لگا جیسے کسی نے اُس کی روح پر طمانچہ مارا ہو۔

اُس نے سخت لہجے میں جھڑک دیا۔

"ٹو مچ ڈِسگسٹنگ۔ "

موسیٰ نے اُس کی بات گویا سنی ہی نہیں۔ اپنی چال میں وہی تکبر وہی سکون وہی غرور لیے وہ مڑا اور جاتے جاتے پیچھے دیکھے بغیر بولا۔

"نیکسٹ ٹائم ملاقات ہو گی لیکن زرا اسپیشل۔ "

اس کے قدم اسٹوڈیو کے دروازے کی طرف بڑھ گئے اور وہ دھیرے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز کے ساتھ جیسے کمرے میں موجود ہوا بھی رک گئی ہو۔

فاطمہ ایک لمحے کو وہیں کھڑی رہی۔ دل دھڑک رہا تھا، مگر چہرے پر وہی فولادی وقار۔ اُس نے اپنے دوپٹے کو درست کیا گہری سانس لی... اور زیرِ لب بس اتنا کہا۔

"خوف نہیں صرف تیاری کرنی ہے۔"

گاڑی کی کھڑکیوں کے باہر شہر کا شور اپنی مخصوص رفتار سے رواں دواں تھا، مگر اندر ایک عجیب سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گاڑی کی رفتار تیز تھی مگر وقت جیسے تھم گیا ہو۔ یحیٰ خان کی پیشانی پر شکنیں اب واضح خدوخال میں بدل چکی تھیں اُن کے چہرے پر وہی دباؤ تھا جو کسی طوفان سے پہلے سمندر پر محسوس ہوتا ہے۔

"اسماعیل سوشل میڈیا پر کیا ہو رہا ہے"

آواز دبی ہوئی تھی مگر اندر چھپا غصہ تشویش اور خوف سب ایک ساتھ محسوس ہو رہا تھا۔

اسماعیل نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد موبائل اسکرین پر نظریں جمائے جمائے جواب دیا۔

"سر انسٹا گرام ٹوئٹر فیس بک سب جگہ ایک ہی سوال گونج رہا ہے—— موسیٰ شیر خان کیوں خاموش ہے کیا وہ صرف دکھاوے کے لیے لوگوں کی مدد کرتے تھے کہ الیکشن میں اُنکو ووٹ مل سکے"

وہ ایک لمحے کو رُکا پھر بولا۔

"لوگ پوچھ رہے ہیں کہ جو ہر ظلم پر آواز اٹھاتا ہے وہ فلسطین پر خاموش کیوں ہے اور ریپ کیسز پر اُس کی خاموشی یہ سچ میں لوگ ہضم نہیں کر پا رہے۔"

یحییٰ خان نے گہری سانس لی، دونوں آنکھیں بند کرلیں جیسے لمحہ بھر کے لیے وہ اس حقیقت سے فرار چاہ رہے ہوں۔

"یہ نہیں ہونا چاہیے تھا سب غلط ہو رہا ہے..."

ان کی آواز میں درد بھی تھا بے بسی بھی۔

پھر اچانک وہ سیدھے ہو کر بیٹھے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔

"ڈرائیور گاڑی تیز کرو، مجھے فوراً نیوز لائن کے آفس پہنچنا ہے"

ان کی آواز میں اب فیصلہ کن لہجہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے آج کچھ نہ کیا، تو کل بہت دیر ہو جائے گی۔

کمرے کی فضا بوجھل تھی۔ ایئر کنڈیشنر کی ہلکی ہلکی آواز اور دیوار پر چلتی گھڑی کی ٹک ٹک جیسے وقت کی سنگینی کو بڑھا رہی تھی۔ میز کے ایک طرف موسیٰ بیٹھا

تھا—چہرہ تناؤزدہ آنکھوں میں غصے کی چنگاریاں اور انگلیاں میز پر مسلسل بے چینی سے حرکت کرتی ہوئی۔

سامنے نیوز چینل کے انچیف اور پروڈیوسر بظاہر پر سکون لیکن اندر سے ہراساں بار بار بات دہرا رہے تھے۔

"سر ہمیں معاف کر دیں ہم نے فاطمہ کو صاف منع کیا تھا کہ وہ فلسطین اور ریپ کیسز پر سوال نہ کرے مگر اُس نے اُس نے ہماری ہدایت کو نظر انداز کیا۔ ہمیں اندازہ ہے کہ یہ الیکشن کے وقت آپ کے لیے کتنا حساس معاملہ ہے۔"

پروڈیوسر نے ہاتھ جوڑنے جیسے انداز میں بات مکمل کی۔

"ابھی ابھی یحیٰ صاحب کی کال آئی تھی وہ بھی آرہے ہیں، سخت ناراض ہیں۔ ہمیں فاطمہ کو اور سختی سے ہینڈل کرنا چاہیے تھا"

موسیٰ کی نظریں میز پر تھیں مگر ذہن کہیں اور۔

فاطمہ کی آنکھیں بار بار اُس کے سامنے آرہی تھیں——وہ سیاہ آنکھیں جن میں حقارت بھی تھی اور فتح کا غرور بھی۔

اور وہ مسکراہٹ جیسے اُس کی خاموشی کا مذاق اڑا رہی ہو۔ جیسے وہ کہہ رہی ہو "تو یہی ہے تمہارا اصل"

موسیٰ نے کرسی سے پیچھے ہو کر اپنی سانس کو قابو میں لانے کی کوشش کی مگر غصہ اُس کے لہجے میں صاف جھلک رہا تھا۔

"معافی وہ لڑکی مانگے گی"

اُس نے میز پر مکا مارا، پروڈیوسر ایک لمحے کو پیچھے ہٹ گیا۔

"اُسے فوراً بلاؤ یہاں ابھی اسی وقت!"

اُس کی آواز میں ایسی دھمک تھی کہ کمرے کی خاموشی اور گہری ہو گئ۔

گھڑی کی سوئیاں مغرب کے قریب پہنچ رہی تھیں۔ لاؤنج میں مدھم روشنی اور ہلکی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایک جانب امروز صاحب اپنی مخصوص سفید شلوار قمیص میں بیٹھے تسبیح کے دانے پھیر رہے تھے جبکہ صوفے کے کونے پر اخبار رکھا تھا، جو اُنہوں نے شاید تھوڑی دیر پہلے پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔

دروازہ کھلا اور فردان اندر داخل ہوا ــــ تھکا ہوا مگر چہرے پر ہمیشہ کی شوخی لیے۔

"السلام علیکم امی"

اُس نے اپنے جوتے ایک طرف پھینکتے ہوئے صوفے پر بیٹھتے ہی ماں کو آواز دی۔

امروز صاحب نے بھنویں چڑھاتے ہوئے فوراً نگاہ اُٹھائی۔

"تمہیں باپ نظر نہیں آتا جو صرف ماں کو سلام کر کے فرض پورا سمجھ لیتے ہو"

فردان نے جھک کر جوتے اتارے اور مسکراہٹ دبائے،

"ارے نہیں ابو آپ اتنے کمزور ہو گئے ہیں صوفے میں ایسے دھنسے بیٹھے تھے کہ نظر ہی نہیں آئے"

یہ سنتے ہی امروز صاحب کی ناک پھولنے لگی۔

"زبان کی تیزی دیکھو تم اس کی حفصہ میں کہتا ہوں سمجھالو اس لڑکے کو ورنہ اب عمر کا لحاظ میں بھی چھوڑ دوں گا"

اسی لمحے نماز سے فارغ ہو کر حفصہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے۔

"یہ لیجیے فردان پہلے پانی پی لو بیٹا اور امروز وہ بچہ ہے مزاق کر رہا ہے۔"

فردان نے ہنستے ہوئے گلاس تھاما اور اپنے باپ کے قریب ہو کر شرارت سے بولا۔

"اچھا چلیں ابواب مان جاتے ہیں اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ دل سے پورے ادب کے ساتھ"

وہ جھک کر باپ کے گلے لگنے لگا مگر امروز صاحب نے چڑ کر اُسے پرے دھکیل دیا۔

"دور ہٹو یہ تمہاری چالاکیاں مجھ پر نہیں چلنے والی۔"

فردان نے مذاق جاری رکھا۔

"ابو اگر سلام کا جواب نہیں دیں گے تو گناہ ہو گا حدیث میں آیا ہے"

امروز صاحب نے فوراً آواز لگائی۔

"حفصہ میرا جوتا پکڑاؤ ذرا"

یہ سن کر فردان قہقہہ لگا کر اُٹھا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔

"امی جب حاجی صاحب کا پارہ نارمل ہو جائے تو مجھے کھانے پر بُلا لیجیے گا"

حفصہ بیگم ہنستی ہوئی کچن کی طرف بڑھی۔

"آپ دونوں باپ بیٹے کا کچھ نہیں ہو سکتا ایک آگ ہے دوسرا پانی۔"

امروز صاحب نے تسبیح سمیٹتے ہوئے سر ہلایا۔

"کھمبا بن گیا ہے تمہارا وہ 'بچہ'..."

دفتر کے مرکزی دروازے کے سامنے سیکیورٹی اہلکار مستعد کھڑے تھے۔

اچانک تین گاڑیوں کا قافلہ آ کر رُکا۔ سیاہ گاڑی کی پچھلی نشست سے دروازہ کھلا اور یحیٰی خان، اپنے مخصوص دبنگ وقار اور سفید کُرتا شلوار میں، آہستگی سے باہر نکلے۔ اُن کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح سنجیدگی اور آنکھوں میں فیصلہ کن روشنی موجود تھی۔

"السلام علیکم سر"

چینل کے انچیف فوراً لپکے، چہرے پر مصنوئی مسکراہٹ سجا کر، اور اُنہیں اندر لے جانے لگے۔

"وعلیکم اسلام۔" یحیٰ خان نے مختصر جواب دیا۔

دفتر کی راہداری سے گزرتے ہوئے سب سٹاف ایک سناٹے میں تھا۔ ہر قدم کے ساتھ فضا میں دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ جب وہ پروڈیوسر علی کے آفس میں داخل ہوئے تو علی صاحب گھبراہٹ میں فوراً کھڑے ہو گئے۔

"اسلام علیکم سر! کیسے ہیں آپ"

آواز میں نرمی سے زیادہ معذرت جھلک رہی تھی۔

یحیٰ خان نے رسمی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"وعلیکم اسلام۔ پہلے تو ٹھیک تھا، لیکن اُمید ہے آپ سے ملنے کے بعد مزید ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہوئے اُن کی نظریں صوفے پر بیٹھے موسیٰ پر جا ٹھہریں۔

موسیٰ شیر خان——وہ جو بڑے بڑے مجمعے میں بولنے سے نہ گھبراتا، اس وقت چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اُس کا چہرہ سخت مگر تھکا ہوا لگ رہا تھا جیسے ذہنی جنگ لڑتے لڑتے ساری توانائی ختم ہو چکی ہو۔

"جی جی سر میں نے ہی فاطمہ کو بلایا ہے۔ وہ آ رہی ہے۔"

علی نے فوراً مداخلت کرتے ہوئے وضاحت دی۔

یحیٰ خان نے بس "ہمم" کہا اور آہستگی سے موسیٰ کے قریب چلے گئے۔

"اسلام علیکم تایا جان۔"

موسیٰ کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی جیسے لفظوں کو چباتے ہوئے نکالا ہو۔

یحیٰ خان نے آنکھوں میں بے تاثر تاثر لیے کہا۔

"وعلیکم اسلام۔ بیٹھو۔ ابھی وہ آتی ہے... پھر بات کرتے ہیں۔"

موسیٰ آہستہ سے اُن کے برابر بیٹھ گیا، لیکن اُسے لگ رہا تھا جیسے وہ آگ کے پہلو میں بیٹھا ہو۔ کمرے میں خاموشی تھی مگر وہ خاموشی چیخ رہی تھی۔ ہر گزرتا لمحہ کمرے کا درجہ حرارت بڑھا رہا تھا۔

کیمرے کی روشنیوں سے نکل کر فاطمہ جیسے ہی اسٹوڈیو کے دروازے کی طرف بڑھی، اُس نے اپنے لیپ ٹاپ کو بیگ میں رکھا اور پرس اپنے کندھے پر لٹکایا۔ اُس کے چہرے پر کسی کامیاب شو کا سکون تھا، مگر اگلا لمحہ اُسے لمحہ بھر میں تناؤ کی دہلیز پر لے آیا۔

"میڈم واپس آجاؤ تمہاری 'پیشی' ہے پروڈیوسر کے روم میں۔"

علی نے لاپرواسے انداز میں کہا جیسے روز یہ سب ہوتا ہو۔

فاطمہ رُکی، ایک نظر اُس کی طرف ڈالی،

"کون کون ہے وہاں"

آواز میں بے نیازی تھی لیکن آنکھوں میں چھپی سنجیدگی کو علی نے فوراً بھانپ لیا۔

"کیوں اب ڈر لگ رہا ہے"

علی نے شرارت سے آنکھیں تنگ کرتے ہوئے پوچھا جیسے اس کی کمزوری جان لی ہو۔

فاطمہ نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے گردن اکڑائی

"میں ڈرتی کسے کے باپ سے بھی نہیں علی۔"

اُس کا لہجہ سپاٹ تھا، لیکن آواز میں ایک سختی تھی جو دیوار کی طرح سامنے والے کو روک دیتی۔

علی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر سنجیدہ ہو گیا۔

"اچھا تو پھر یہ بھی سن لو وہ بیٹھا ہے اندر اور سامیہ کا میسج آیا ہے——اُس کا تایا بھی آچکا ہے۔ دونوں تمہارے منتظر ہیں۔"

ایک پل کے لیے فاطمہ کے قدم رُکے۔ اُس نے لمبی سانس لی جیسے خود کو کسی میدان جنگ میں اُترنے کے لیے تیار کر رہی ہو۔ پھر وہ گردن جھٹک کر مسکرائی۔

"چلو پھر، کسی کو انتظار کروانا بد تہذیبی ہوتی ہے خاص طور پر اُن لوگوں کو جو خود کو دنیا کا خدا سمجھتے ہیں۔"

آنکھیں مٹکا کر طنز کے ساتھ کہتی، وہ قدموں کی مضبوطی کے ساتھ آفس کی جانب بڑھ گئی۔

علی اُس کے پیچھے دیکھتا رہ گیا——حیران بھی پریشان بھی اور دل ہی دل میں یہ سوچتا ہوا کہ

"یہ لڑکی واقعی کھیل سے نہیں کھیلنے والوں سے کھیلتی ہے۔"

۔۔۔

دفتر کی لمبی اور خاموش راہداری میں سیام فائلوں کا پلندہ سنبھالے اپنے آفس سے باہر نکل رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں موبائل اسکرین پر تھیں جب اچانک سامنے سے تیز قدموں سے آتی رئیسہ سے ٹکرا گیا۔

ایک جھٹکا لگا۔ رئیسہ کا توازن بگڑا تو سیام نے فوراً اُس کے بازو کو تھام کر اُسے گرنے سے بچایا۔

"سوری میم میں نے دیکھا نہیں"

سیام نے جلدی سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے معذرت کی لیکن اُس کے لہجے میں خلوص تھا۔

رئیسہ نے اپنی آنکھوں کی تیزی کے ساتھ اُسے گھورا،

"تم جیسے مرد دیکھتے ہی کب ہو اور جہاں بات ہم جیسی خوبصورت لڑکیوں کی ہو وہاں تم سب اندھے ہو جاتے ہو"

اُس نے اپنا بازو جھٹک کر آزاد کیا، جیسے سیام کے چھونے سے کوئی توہین ہو گئی ہو۔

سیام کے چہرے پر تلخی کی ایک لہر آئی۔

"آپ بات کو غلط رخ دے رہی ہیں۔ یہ محض ایک اتفاق تھا، اور میں معذرت بھی کر چکا ہوں۔" سیام پُر سکون انداز میں بولا۔

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں پاگل ہوں مجھے مردوں سے ٹھکرانے کا شوق ہے"

رئیسہ کی آواز بلند ہو چکی تھی، اور اب دفتری لوگ آہستہ آہستہ متوجہ ہونے لگے تھے۔

سیام نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے، لیکن میں نے آپ کے بارے میں ایسا کچھ نہیں کہا۔ " سیام کی بات نے جنگل میں آگ لگانے والا کام کیا تھا۔

"تم جیسے گھمنڈی مرد خود کو پتہ نہیں کیا سمجھتے ہو عورت تھوڑی سی بات کر لے تو کردار پر باتیں بنانے لگتے ہو" رئیسہ اُسکی بات پر غصے سے بولی۔

"عورت اگر خود کو ملکہ سمجھے تو اُسے آئینہ دکھانا پڑتا ہے۔ " سیام کے لہجے میں تلخی کے عنصر صاف نمایاں تھے۔

"چپ کرو تمہاری اوقات ہی کیا ہے ایک معمولی جاب ہولڈر" رئیسہ بھڑکتے ہوئے بولی۔

"اور تم وہ عورت ہو جو سوچتی ہے اونچی آواز میں بولنے سے عظمت ملتی ہے
غرور کا تاج سر پر رکھ لو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عزت رویے سے ملتی ہے
عہدے سے نہیں اور آپ کو شوق ہے مردوں سے اُلجھنے کا" سیام اُسکو آئینہ دکھانے لگا۔

وہ اپنے غصے کو نگل رہا تھا، مگر رئیسہ بار بار آگ بھڑکانے پر تُلی ہوئی تھی۔

"How dare you! ایسی حرکتیں تمہارے گھر کی لڑکیاں کرتی ہوں گی، رئیسہ بدر خان نہیں"

رئیسہ کی چیخ نے پورے فلور کو چونکا دیا، لوگ کام چھوڑ کر دیکھنے لگے۔

سیام کا ضبط ٹوٹ چکا تھا۔ اُس نے بھی اُسی تیزی سے پلٹ کر کہا۔

"Just shut up! میرے گھر کی لڑکیاں آپ جیسی نہیں جو غیر مردوں کے گلے لگے۔"

رئیسہ کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ آنکھوں میں طوفان اور لبوں پر زہر۔ وہ ایک قدم آگے بڑھی لوگوں کی موجودگی بھول کر چیخی۔

"اب یہی غیر مردوں کے گلے لگنے والی لڑکی تمہاری بیوی بنے گی اب تمہیں بتاؤ گی رئیسہ بدر خان کس بلا کا نام ہے"

سیام نے ایک لمحے کے لیے جیسے سُن لیا۔ یہ جملہ اُس کی برداشت کی آخری حد پر لگا۔ وہ پلٹ کر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"تم جیسی خود پسند چیخنے چلانے والی لڑکی بیوی تو کیا میرے گھر کی نوکرانی بھی نہ بنے"

"دفع ہو جاؤ میرے آفس سے اسی وقت"

سیام نے ہاتھ میں پکڑی فائل زمین پر دے ماری۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں تمہارے آفس میں کام کرنے کا"

وہ مڑ کر جانے ہی لگا تھا کہ آطف نے درمیان میں آکر کہا:

"سیام صاحب آپ ایسے نہیں جا سکتے۔ آپ کا دو سال کا کانٹریکٹ ہے"

رئیسہ کچھ بولتی اُس سے پہلے آطف نے رئیسہ کی طرف دیکھا،

"میم یہ فیصلہ آپ کا نہیں آپ کے والد کا تھا۔"

رئیسہ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ اُس نے چیخنا چاہا لیکن حلق تک آتی آواز کہیں دل میں دب گئی۔

"Dad...!"

وہ بس اتنا کہہ سکی، اور راہداری میں خاموشی پھیل گئی۔

* * *

کانفرنس روم میں روشنی قدرے مدھم تھی لیکن ماحول میں گرمی اور دباؤ واضح محسوس ہو رہا تھا۔ شیشے کی دیوار کے پار اسٹاف کی نگاہیں اندر کی خاموشی کو جانچنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

دروازہ کھلا۔

فاطمہ ابراہیم اپنے مخصوص، پُراعتماد انداز میں اندر داخل ہوئی۔ ہر قدم جیسے اعلان کر رہا ہو کہ وہ اپنے فیصلوں پر شرمندہ نہیں۔

میز کے اِس طرف موسیٰ شیر خان کا چہرہ سخت پتھر کی مانند تھا۔ نگاہیں ایسی جیسے سامنے کھڑی لڑکی کو جملوں سے نہیں نظروں سے گھائل کر دینا چاہتا ہو۔

یحیٰ خان کی آنکھوں میں ناراضی کم مایوسی زیادہ تھی۔

انچیف اور پروڈیوسر دونوں فائلز کھولے گویا مقدمے کی تیاری کیے بیٹھے تھے۔

فاطمہ نے قدم روک کر دونوں ہاتھ جوڑ کر سلام کیا۔

"السلام علیکم"

آواز سادہ تھی مگر اعتماد میں لپٹی ہوئی۔

"وعلیکم السلام۔"

صرف یحیٰ صاحب نے جواب دیا باقی چپ رہے۔

"بیٹھیں مس فاطمہ۔ ہمیں آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

انچیف نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

فاطمہ پر سکون انداز میں بیٹھی، بیگ گود میں رکھا اور نظریں سیدھی موسیٰ پر نہیں بلکہ انچیف کی طرف کیں۔

"جی سر ضرور۔"

پروڈیوسر نے کرسی سے قدرے آگے جھک کر بات شروع کی، مگر آواز میں غصہ جھلک رہا تھا۔

"ہم نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ ریپ کیسز اور فلسطین پر سوال نہیں کریں! مگر آپ نے سب کچھ نظر انداز کر کے پورے انٹرویو کو آگ میں جھونک دیا۔ سوشل میڈیا پر طوفان آچکا ہے۔ ہر پلیٹ فارم پر موسیٰ شیر خان کو بدنام کیا جارہا ہے۔ آخر آپ نے ایسا کیوں کیا آپ سمجھتی ہیں یہ صرف سوال تھے یہ الیکشن کے دنوں میں ایک خطرناک چنگاری تھی"

فاطمہ نے پروڈیوسر کو نہیں دیکھا۔ اُس نے اپنی بات موسیٰ کو دیکھتے ہوئے کہی جیسے اصل مخاطب وہی ہو۔

"اگر ایک صحافی سوال نہ پوچھے تو وہ پروف ریڈر رہ جاتا ہے، رپورٹر نہیں۔ "

"آپ ہماری پالیسی کے خلاف گئیں فاطمہ۔ یہ محض اصول نہیں تھے ایک نازک وقت پر ادارے کی حفاظت تھی" انچیف نے مداخلت کی۔

فاطمہ اب سیدھی ہو کر بیٹھ گئی لہجے میں ہلکی سی گرمی آگئی تھی۔

"سر اگر میں خاموش رہتی، تو اس ملک کی ان ماں بہنوں کے ساتھ غداری کرتی جو انصاف کے لیے ترس رہی ہیں۔ اور جہاں تک فلسطین کا تعلق ہے کیا ہم صرف پریس ریلیز میں ساتھ دیں گے یا سوال اٹھا کر بھی"

موسیٰ کی برداشت کی حد ختم ہو چکی تھی۔

"تم نے مجھے جان بوجھ کر ٹارگٹ کیا صرف ریٹنگ کے لیے"

فاطمہ کی نظریں اب اس کی آنکھوں میں تھیں۔

"نہیں موسیٰ صاحب۔ میں نے صرف وہ پوچھا جو ہر پاکستانی عوام جاننا چاہتی تھی۔ آپ کی خاموشی آپ کا رویہ اور آپ کا ضمیر —— سب عوامی عہدے کا حصہ ہیں۔ "

کمرہ ساکت ہو چکا تھا۔ سب سُن رہے تھے، جیسے کوئی عدالت لگی ہو اور صرف سچ بولنے کی اجازت ہو۔

یحیٰ خان نے آہستہ سے کہا۔

"فاطمہ اگر تمہیں لگا کہ سوال پوچھنا ضروری تھا تو تمہیں پہلے ادارے کو اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔ اب ہم سب مشکل میں ہیں۔ "

فاطمہ نے نرم لہجے میں کہا۔

"صحافت سمجھوتوں کا نام نہیں سر۔ اگر آج سمجھوتہ کرتی تو کل کوئی اور فاطمہ اپنے سوال کھو بیٹھتی۔ "

فاطمہ اپنی کمر سیدھی کیے، مکمل اعتماد کے ساتھ کرسی پر بیٹھی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں نہ پچھتاوا تھا، نہ ہی ڈر۔ مقابل بیٹھے یحیٰ خان کی زبان میں نرمی تھی مگر لہجے میں وہی گھمنڈ جو اقتدار کے آس پاس پلتا ہے۔ موسیٰ شیر خان ایک طرف بیٹھا تھا جیسے کسی آتش فشاں پر ڈھکن رکھا گیا ہو۔

"فاطمہ بیٹا" یحیٰ خان نے مدھم لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"اب آپ ایک ویڈیو ریکارڈ کرو گی۔ اس میں صاف کہو گی کہ جو سوالات تم نے موسیٰ صاحب سے انٹرویو میں کیے وہ جان بوجھ کر، سیاسی سازش کے تحت کیے گئے تاکہ اُنہیں الیکشن میں نقصان ہو۔"

جیسے ہی اُن کی بات ختم ہوئی، کمرے میں ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ پھر فاطمہ نے کرسی سے ذرا آگے ہو کر، دھیرے سے مگر زہر میں بجھے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے سر پھر اُس ویڈیو میں میں یہ بھی صاف صاف کہہ دوں گی کہ موسیٰ صاحب نے مجھے خاموش رہنے کے بدلے رشوت دینے کی کوشش کی تھی چلیے کیمرہ سیٹ کیجیے۔ میں تیار ہوں۔"

کمرے کا درجہ حرارت یکا یک بڑھ گیا۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو"

موسیٰ شیر خان اپنی جگہ سے جھپٹ کر کھڑا ہو گیا آواز میں طوفان تھا۔

"ہم عزت دے رہے ہیں تمہیں، اور تم اسے اپنی جیت سمجھ رہی ہو"

فاطمہ کی آنکھیں اُس پر جمی رہیں، پلک تک نہ جھپکی۔

پھر اس نے کرسی سے اٹھ کر سیدھا موسیٰ کی طرف دیکھا۔

"تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کریں، موسیٰ صاحب۔ یہ نیوز روم ہے، نوکر شاہی کا ڈرائنگ روم نہیں — جہاں میں آپ کے اشاروں پر جھکوں یا خوشامد کے ترانے پڑھوں" اُسی کے انداز میں جواب دیا۔

یحیٰ خان کی آنکھوں میں ایک پل کو خون اترتا دکھائی دیا۔

وہ کرسی کی پشت پر زور سے ٹیک لگا کر بیٹھے، جیسے صبر کا آخری قطرہ بھی پی گئے ہوں۔ کمرے میں موجود پروڈیوسر اور انچیف دونوں کی نظریں جھکی ہوئی تھیں — نہ وہ موسیٰ کو روک سکتے تھے نہ فاطمہ کے وقار کو جھکا سکتے تھے۔

یحیٰ خان نے آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس لی، جیسے اس منظر کو اپنے اندر دفن کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

فاطمہ نے دروازے کی طرف قدم بڑھاتے آخری بات کہی۔

"میرے سوال سیاسی نہیں تھے لیکن آپ کے جوابات ضرور تھے ——اور خاموشی اُس سے بھی بڑی سیاست تھی۔ "

فاطمہ جیسے ہی دروازے کی طرف بڑھی، یحیٰ خان نے کرسی سے آہستہ سے اٹھ کر سخت لہجے میں پکارا۔

"فاطمہ ایک منٹ۔ "

فاطمہ نے مڑ کر دیکھا وہ اب بھی اُسی اعتماد سے کھڑی تھی۔

"بیٹا تمہیں لگ رہا ہے کہ یہ آزادیِ صحافت ہے یہ بکواس تم جتنا چاہو کر لو لیکن یاد رکھو جن کے ہاتھ میں طاقت ہوتی ہے وہ صرف اقتدار نہیں لوگوں کا مقدر بھی بدل دیتے ہیں۔ "

یحیٰ خان اب قدم قدم اس کے قریب آ رہے تھے۔

"اور جو ہاتھ بے گناہوں کی آواز دبانے میں لگیں وہ وقت آنے پر خود ٹوٹ بھی جاتے ہیں خان صاحب۔ "

فاطمہ کا جواب اُسی دھڑلے سے آیا۔

"زبان سنبھال کے بات کرو۔ یہ کوئی یونیورسٹی کا ڈیبیٹ کمرا نہیں ہے جہاں تم نعرے مارو گی اور واہ واہ سمیٹو گی۔ تم کیا سمجھتی ہو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے "موسیٰ چیخا تھا۔

"میں بھی یہی کہہ رہی ہوں —— چھوڑو مت! دیکھتے ہیں کون کس کو کتنی دیر تک روک سکتا ہے۔ "

فاطمہ کی نظریں اب براہِ راست موسیٰ کی آنکھوں میں تھیں۔

"تم نے ہمارا انداق بنایا میڈیا کے سامنے۔ اب ہم تمہیں سبق سکھائیں گے ایسا سبق کہ تمہارا صحافت کا کیریئر تمہیں خواب جیسا لگے گا"

یحیٰ خان نے کرخت لہجے میں کہا ان کی انگلی فاطمہ کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

فاطمہ نے ذرا سا ہنس کر کہا۔

"آپ دونوں کی یہی تو تکلیف ہے ایک عورت نے آپ کے انا کے بت کو توڑ دیا۔ اور یہ بت جب ٹوٹتے ہیں نا تو آواز بڑی گونج دار ہوتی ہے۔"

موسیٰ نے یحیٰ کی طرف دیکھا اور دانت پیستے ہوئے بولا۔

"اب یہ ہماری ذاتی جنگ ہے اور میں تمہیں زمین پر گھسیٹوں گا فاطمہ ابراہیم"

فاطمہ نے اپنا بیگ اٹھایا ایک لمحہ دروازے پر رُکی پلٹ کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"اب اگر میں جھکی تو جھکوں گی اپنے رب کے سامنے —— تم جیسے اقتدار کے نشے میں ڈوبے ہوئے انسانوں کے آگے نہیں"

دروازہ دھڑ سے بند ہوا۔

کمرے میں رہ گئے فقط مرد ـــــ جن میں سے دو جواب اقتدار کی گرتی ساکھ بچانے کے لیے فاطمہ کو کچلنے کا ارادہ کر چکے تھے۔

"ایک کھیل تم نے کھیلا فاطمہ اب ایک کھیل میں کھیلوں گا جس میں تم صرف ایک مہرہ ہو گی اور میں شہ مات دو گا" موسیٰ کے دل نے سرگوشی کی۔ دل کی سرگوشیاں اکثر خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

ــــ

کمرے کی فضا بھاری ہو چکی تھی۔ فاطمہ کے جانے کے بعد بھی اُس کی باتوں کی گونج دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔ موسیٰ شیر خان اب بھی میز کے سامنے کھڑا تھا اُس کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا اور چہرے پر صرف ایک ہی جذبہ جھلک رہا تھا انتقام۔

اُس نے میز پر زور سے ہاتھ مارا کمرہ لرز گیا۔

"اس لڑکی کو جاب سے نہیں نکالنا ابھی نہیں"

موسیٰ نے دانت پیستے ہوئے کہا اُس کا رخ اب براہِ راست انچیف کی طرف تھا۔

"اور نہ ہی یہ کسی اور ادارے میں نوکری کرے بات سمجھ رہے ہو نا انچیف صاحب"

انچیف کی گردن جھک گئی وہ پسینے میں تر نظر آ رہے تھے۔

"جی سر جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہو گا ہم اُسے کہیں بھی کام نہیں کرنے دیں گے"

موسیٰ چند لمحے خاموش رہا پھر آہستہ آہستہ اُس کے چہرے پر وحشیانہ طنز نمودار ہونے لگا۔

"ہم نے پہلے بھی کہا تھا مگر کچھ نہیں ہوا"

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میز کے گرد گھومنے لگا جیسے شکاری اپنے شکار کے گرد گھومتا ہے۔

"لیکن اب اگر میرے اقتدار کو ذرا سا بھی نقصان ہوا نا تو میں تم سب کو اس چینل سمیت بیچ کر کھا جاؤں گا"

یہ کہہ کر اُس نے دوبارہ میز پر ہاتھ مارا اِس بار اتنی زور سے کہ ایک پل کو وہاں کھڑے افراد سب کانپ گئے۔

موسیٰ غصے سے باہر نکل گیا اور کمرے میں ایک چیز رہ گئی وہ تھا خوف۔

رئیسہ جیسے ہی بدر ویلا پہنچی اُس کے قدموں میں تیزی نہیں آگ تھی چہرہ سرخ آنکھیں ایسی جیسے ابھی کسی کو جلا کر راکھ کر دیں گی۔

ملازم اُس کی حالت دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے جیسے کسی جنگلی درندے کا سامنا ہو۔ اُس کی ہیل کی ٹک ٹک نہیں گویا جنگ کا اعلان تھا۔

"میرے کمرے میں کوئی بھی قدم رکھنے کی جرأت نہ کرے آئی سمجھ"

اُس نے ملازم کے چہرے کے قریب جا کر دھاڑا اور بغیر کچھ سنے سیڑھیاں چڑھتی گئی۔

ہر قدم کے ساتھ اُس کے اندر کا زہر اُبل رہا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی جیسے دروازہ نہیں بند کیا خود پر قابو بند کیا ہو۔

"آااااہ میں اُسے چھوڑوں گی نہیں اُس نے رئیسہ بدر خان کی توہین کی"

اُس نے بیگ پوری طاقت سے دیوار پر دے مارا۔ ایک ایک چیز اُٹھا اُٹھا کر توڑنے

لگی۔ کتابیں پرفیومز کینڈل اسٹینڈ سب کچھ دیواروں پر چیخیں گونج رہی تھیں وہ الفاظ نہیں زخم بول رہی تھی۔

"میں کیریکٹر لیس ہوں کیا وہ یہی کہنا چاہتا ہے میں"

رئیسہ آئینے کے سامنے جا کر خود سے باتیں کرنے لگی جیسے سامنے سیام ہو۔

"آئی ایم ناٹ آئی ایم ناٹ"

پھر یکدم آئینے پر ہاتھ مارا شیشہ چیخ گیا اُس کی انگلی سے خون بہنے لگا مگر اُسے ہوش نہیں۔

"میری عزت کو نیلام کر دیا اُس نے سب کے سامنے میں سب کے سامنے تماشا بن گئی"

وہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی پھر رونے لگی پھر ہنسنے لگی اُس کی ہنسی اور آنسوؤں کا امتزاج دہشت ناک تھا۔

تبھی دروازہ کھلا لیرا اندر آئی۔

"میڈم" وہ دبی دبی چیخ میں بولی۔

"آپ آپ کو کیا ہو گیا ہے"

رئیسہ پلٹی بال بکھرے ہوئے چہرہ آنکھوں سے تر مگر بدن میں کپکپاہٹ اور جنون تھا۔

"لیرا وہ کہتا ہے میں غیر مردوں سے لپٹتی ہو وہ کہتا ہے میں اُس کی بیوی بننے کے قابل نہیں"

وہ جھنجھوڑ کر لیرا کو چیخ کر بولی۔

"لیکن سن لو اب یہی لڑکی اُس کی بیوی بنے گی اب میں اُس کی زندگی بنوں گی"

وہ ایک جنونی عورت کی طرح بول رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں ایسا جنون تھا جیسے وہ آگ لگانے جا رہی ہو صرف کسی کو جلانے کے لیے نہیں بلکہ راکھ میں اپنا نام لکھنے کے لیے۔

"میں رئیسہ بدر خان ہوں جو مجھے توڑتا ہے میں اُسے برباد کرتی ہوں میں لوگوں کی چوائس نہیں میں اُن کی ترجیح بنتی ہوں"

کمرے میں دھیمی زرد روشنی جل رہی تھی باہر رات کا اندھیرا کھڑکی کے پردوں میں اتر چکا تھا یحیٰ خان کھڑکی کے قریب کھڑے سگریٹ کے دھوئیں میں سوچوں کا دھواں بھی شامل کر چکے تھے۔

"موسیٰ اُس لڑکی نے ہمیں برباد کرنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی اُس نے بہت بڑا کھیل کھیلا ہے"

وہ دھیرے سے بولے جیسے خود کو بھی یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہوں ان کی نظریں دور آسمان پر جمی تھیں جہاں صرف سناٹا تھا۔

کمرے میں موسیٰ خاموش بیٹھا تھا مگر اُس کی آنکھوں میں طوفان مچ رہا تھا فاطمہ ابراہیم کی تصویر اُس کے دماغ میں یوں گھوم رہی تھی جیسے کوئی زہر بار بار لہو میں اتر رہا ہو۔

"میں اُس کو نہیں چھوڑوں گا وہ کھیل کھیلنے آئی تھی لیکن وہ نہیں جانتی موسیٰ کھیل نہیں کھیلتا وہ تو کھیل ختم کرتا ہے"

موسیٰ کی آواز میں غصہ نہیں آگ تھی۔ اُس نے میز پر زور سے ہاتھ مارا جیسے فیصلہ پتھر پر کھود دیا ہو۔

یحیٰ خان نے ایک گہرا کش لیا دھواں فضا میں چھوڑا اور نچلے ہونٹ کو دانتوں سے دبایا۔

"موسیٰ اب ڈرانے دھمکانے کا وقت گزر چکا ہے وہ اب نہیں ڈرتی میں نے اُس کی آنکھوں میں خوف نہیں چیلنج دیکھا ہے"

"لیکن وہ مجھ سے ڈرے گی میں اُس کی زندگی کا نائٹ میئر بنوں گا جہاں جائے گی وہاں مجھے پائے گی"

موسیٰ کی آنکھیں دہکنے لگیں اُس کے لہجے میں جنون تھا ایسا جنون جو عشق سے جنم لیتا ہے مگر انتقام میں پلتا ہے۔

یحیٰ خان پر سکون انداز میں پلٹے اُن کے چہرے پر ہلکی سی چالاک مسکراہٹ ابھری۔

"ہم نے اُسے عزت دی نرم لہجے میں سمجھایا لیکن وہ عزت کی زبان نہ سمجھ سکی"

انہوں نے سگریٹ کا بچا ہوا ٹکڑا ایش ٹرے میں مسلا

"اب محبت سے نہیں مانے تو زخم دو"

موسیٰ چونکا۔

"کیا مطلب "اُس نے حیرت سے پوچھا جیسے ابھی تک یحیٰ کی سازش کو مکمل نہ سمجھ پایا ہو۔

یحیٰ آہستہ سے مسکرایا آگے بڑھا اور موسیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اُس سے شادی کرو محبت کی بیڑیاں ڈال دو اُس کے پاؤں میں وہ آزاد اڑنا چاہتی ہے نا تو اُس کے پر کاٹ دو قانونی، سماجی، جذباتی قید میں جکڑ دو یہ واحد طریقہ ہے فاطمہ ابراہیم کو روکنے کا"

لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ دروازے کے پیچھے سُنّاٹوں میں لپٹی روما کھڑی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں تھالی تھی جس پر چائے کے دو کپ لرز رہے تھے اور اُس کے وجود سے جیسے زندگی چھن رہی تھی۔

اُس کے کانوں میں صرف ایک جملہ گونج رہا تھا۔

"اُس سے شادی کرو"

باپ کی زبان سے یہ فیصلہ سُن کر اُس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

رشتے خواب سب کچھ ایک لمحے میں مٹی ہو گیا۔

سُن قدموں سے وہ موسیٰ کے کمرے کی طرف بڑھی ہاتھوں میں دو کپ چائے تھامے مگر کپ کی گرمی سے زیادہ دل میں جلتا تھا۔

کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھول کر وہ اندر داخل ہوئی۔

کمرے میں ہلکی سی لائٹ جل رہی تھی ہر چیز اپنی جگہ ترتیب سے رکھی تھی سوائے روما کے دل کے جو بکھرا پڑا تھا۔

وہ خاموشی سے آگے بڑھی چائے ٹیبل پر رکھی اور خود بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے جیسے اپنے اندر کے طوفان کو لفظوں کے ذریعے نکالنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"موسیٰ وہ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے وہ کسی اور سے شادی نہیں کر سکتے"

آنسو اُس کے گالوں پر بہہ رہے تھے اور وہ اونچی آواز میں خود سے باتیں کر رہی تھی۔

اچانک دروازہ کھلا موسیٰ اندر داخل ہوا شال اتارتے ہوئے رکا۔

"تم میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو"

اُس کی آواز میں حیرانی کم جھنجھلاہٹ زیادہ تھی۔

روما چونکی آنسو پونچھنے کی کوشش کی لیکن وہ خود کو سمیٹ نہیں سکی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے پلیز پلیز میری بات سنیے"

موسیٰ نے شال صوفے پر پھینکی اُس کی نظریں روما پر جمی تھیں مگر آنکھوں میں نرمی نہیں تھی۔

"بولو کیا کہنا ہے"

روما نے لرزتی آواز میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"کیا آپ اُس لڑکی سے شادی کر رہے ہیں"

"ہاں کر رہا ہوں تمہیں مسئلہ ہے"

موسیٰ کے ہونٹوں پر ہلکی طنزیہ مسکراہٹ تھی جو روما کے دل کو چیر گئی۔

روما ایک لمحے کو ساکت ہوئی پھر لرزتی آواز میں بولی۔

"آپ ایسا نہیں کر سکتے میرے ساتھ"

"کیوں کیوں نہیں کر سکتا" موسیٰ کی آواز سخت ہو گئی۔

وہ اُس کے قریب آئی دل کی دھڑکن جیسے کانوں میں گونج رہی ہو۔

"کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں موسیٰ ٹوٹ کر، سچ میں"

ایک پل کی خاموشی۔

پھر موسیٰ نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا آنکھوں میں حقارت تھی۔

"اور میں نہیں کرتا بلکہ نفرت کرتا ہوں تم مجھے بُری لگتی ہو رو ما نفرت کی آخری حد تک"

یہ جملہ نہیں تھا خنجر تھا۔

روما کی سانس رک سی گئی۔ آنکھوں سے آنسو نہیں خون بہنے کو تھا۔

وہ ایک لمحے کو ساکت کھڑی رہی پھر جیسے قدم خود بخود پیچھے ہٹنے لگے۔

پورا کمرہ دیواریں فرنیچر سب اُس پر ہنس رہے تھے۔

روما نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے مگر پھر رک گئی۔

جیسے دل نے پکارا ہو ابھی نہیں ابھی وہ آخری لفظ باقی ہے۔

وہ مڑی آنکھیں سوجی ہوئی آواز بھیگی ہوئی لیکن جذبے اُس کی ہڈیوں میں چیخ رہے تھے۔

"موسیٰ خدا کا واسطہ ہے میرے ساتھ ایسا مت کریں"

وہ ٹوٹتی ہوئی آواز میں بولی جیسے ایک ہاری ہوئی سپاہی آخری بار صلح کی بھیک مانگ رہا ہو۔

"میں نے آپ کا ہر غم بانٹا ہے آپ کی ہر تکلیف پر روئی ہوں ہر دعا میں آپ کا نام لیا ہے۔

موسیٰ کیا محبت کی یہ قیمت ہے کہ آپ مجھے تماشا بنادیں یوں کسی اور کے ہاتھوں میری دنیا اجاڑ دیں"

موسیٰ خاموش کھڑا رہا اُس کے چہرے پر ایک عجیب سا سکون تھا لیکن وہ سکون سفاکی سے بھرا ہوا تھا۔

"روما" وہ آہستگی سے بولا مگر آواز میں زہر تھا۔

"مجھے محبتوں کے واسطے نہ دو یہ دل کسی کی آنکھوں کے سامنے پگھلتا نہیں صرف جلتا ہے اور جب میں جلتا ہوں نا تو سامنے والا راکھ ہو جاتا ہے"

روما کی سانس رک گئی۔

"موسیٰ میں آپ سے جھگڑا نہیں کر رہی میں تو صرف آپ کو روک رہی ہوں خود سے گرانے سے اپنے آپ کو برباد کرنے سے"

وہ اُس کے قریب آئی اُس کے ہاتھ تھام لیے۔

"دیکھیں میری آنکھوں میں یہ آنسو آپ کے لیے ہیں یہ واسطہ ہے اُس عورت کا جو سچ میں آپ سے محبت کرتی ہے جس نے کبھی بدلے کی پرچھائیں بھی نہیں آنے دی محبت پر"

موسیٰ نے سختی سے اُس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"بس روما محبت تمہاری کمزوری ہے میری نہیں۔

تم میری زندگی کا وہ باب ہو جو کبھی پڑھا ہی نہیں اور اب تو پھاڑ کر پھینک دیا ہے"

روما کا وجود لرز گیا۔ وہ چند لمحے ساکت کھڑی رہی جیسے سب کچھ سن کر بھی سُن نہ پائی ہو۔

پھر آہستہ سے پیچھے ہٹی نظریں نیچی آنسو تھمنے کا نام نہ لیتے۔

"ایک دن آپ کو میری آنکھوں کے یہ آنسو یاد آئیں گے۔

اور جس عورت کو آپ اپنی جیت سمجھ رہے ہیں

وہی آپ کے دل کا قبرستان بنے گی"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔

اور دروازے کے بند ہوتے ہی موسیٰ کا چہرہ بھی سُن ہو گیا۔

مگر وہ وہی سفاک سرد ضدی موسیٰ تھا۔ جو محبت کو کمزوری اور رونے کو شکست سمجھتا تھا۔

رات کے نو بج چکے تھے فاطمہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی تو پورا ڈرائنگ روم خاموش بیٹھا تھا جیسے سب کسی فیصلے کے منتظر ہوں۔

"السلام علیکم" فاطمہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

مگر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

اماں بی کی نظریں تنکوں کی طرح اُس پر جم گئی تھیں، اور ابراہیم صاحب کی خاموشی فضا کو اور بوجھل کر رہی تھی۔

فاطمہ نے نظریں گھما کر سب کو دیکھا پیشانی پر بل آیا۔

"اللہ کیا ہو گیا ہے آپ سب کو ایسے کیوں گھور رہے ہیں جیسے میں کسی جرم سے لوٹی ہوں"

اس نے ناگواری سے کہا آواز میں چبھن تھی۔

"بی بی" اماں بی کی آواز پہلی بار سختی سے گونجی،

"ایک بار ہمیں صاف صاف بتادو تم چاہتی کیا ہو"

فاطمہ نے تھکاوٹ سے ٹیک لگائی۔

"دادی اماں میں نے کون سا انقلاب برپا کر دیا کیا ہو گیا ہے آپ کو"

"ٹی وی پر تمہارا شو دیکھا ہم نے مردوں سے کیسے زبان لڑا رہی تھی یہ کیسا کام ہے یہ کیسی عزت ہے"

اماں بی کی انگلیاں کپکپاتی تھیں، آنکھوں میں ناراضگی تھی۔

فاطمہ کی نظریں فوراً اپنے والد پر گئیں جیسے اُن سے خاموش مدد مانگ رہی ہو لیکن ابراہیم صاحب کی نظریں نیچی تھیں۔

"دادی یہ میرا پروفیشن ہے میرا کام"

وہ دبے الفاظ میں بولی، جیسے ہر لفظ تول کر ادا کر رہی ہو۔

"تمہارا کام گیا بھاڑ میں"

اماں بی نے دو ٹوک انداز میں کہا" ابراہیم علشبہ فیصلہ کرو اس لڑکی کی شادی کرو اور اسے گھر بٹھاؤ اب کوئی ضرورت نہیں اسے دفتر بھیجنے کی"

فاطمہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ دروازہ کھلا اور سیام اور فردان ہنستے مسکراتے اندر داخل ہوئے۔

"السلام علیکم"

سیام نے گرمجوشی سے کہا۔

"وعلیکم السلام" ابراہیم صاحب اٹھ کر اُس سے بغلگیر ہوئے۔

"ارے بس کریں چاچو اب تو بھائی صاحب ہونے والے داماد ہیں تھوڑا ہمیں بھی گلے لگا لیں"

فردان حسبِ عادت چٹکلہ چھوڑے بغیر نہ رہ سکا۔

فاطمہ نے دانت پیسے "کیا تم عمرے سے واپس آئے ہو یا کوئی بڑی نیکی کی ہے"

"زبان تو دیکھو لڑکی کی"

اماں بی نے تنک کر کہا "ہونے والے شوہر کے سامنے کیوں زبان کے جوہر دکھا رہی ہو"

سیام شرمندہ سا ہنسا نظریں فاطمہ سے چرا لیں۔

"ماما میں اپنے کمرے جا رہی ہوں اگر یاد آ جائے آپ کو کہ میں بھی اس گھر کا حصہ ہوں تو کھانے پر بلا لیجیے گا"

فاطمہ نے سرد لہجے میں کہا اور تیز قدموں سے کمرے کی طرف چل دی۔

"بھائی ابھی بھی وقت ہے سوچ لے چپکلی بہت خطرناک ہے"

فردان نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا تاکہ فاطمہ کو سُنائی دے۔

"اپنا منہ بند رکھو فردان"

سیام نے خفگی سے کہا۔

فاطمہ جاتے جاتے پلٹی، سیام کو ایک نظر دیکھا وہ نظر تیز بھی تھی اور خالی بھی اور کمرے میں چلی گئی۔

کچن سے علشبہ بیگم نکلی تو سیام نے فوراً سلام کیا،

"اسلام علیکم چچی جان"

"وعلیکم سلام بیٹا خوش رہو کیسا ہے میرا بیٹا"

انہوں نے پیار سے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

فردان فوراً بیچ میں کودا۔

"لیڈی یہ ٹھیک ہے آپ نے مجھے چھوڑ کے صرف بھائی کو دعائیں دے دی"

"اللہ کا شکر چچی جان بلکل ٹھیک" سیام بولتے ہوئے اماں بی کی طرف بڑھ گیا۔

"اماں بی کیسی طبیعت ہے آپ کی"

سیام نے محبت سے اماں بی کی طرف رُخ کیا۔

"بس بیٹا اللہ کا کرم ہے"

"آپ نے فاطمہ کو کیوں ڈانٹا" سیام براہِ راست اُن سے سوال کر رہا تھا۔

پھر وہ ہنس پڑیں "تم ابھی سے بیوی کی وکالت کرنے لگے ہو شادی ہوئی نہیں اور بیوی کے حق میں بولنے لگے"

"نہیں اماں بی بس پوچھ رہا تھا" سیام معصومیت کے سارے ریکاڈ توڑ کر بولا۔

"ارے نہیں یہ آپ کو دھوکہ دے رہے ہے"

"یہ تو یہاں صرف اپنی محترمہ کی سفارش کے لیے آئے ہے" فردان ہنستے ہنستے بولا۔

"اوئے فردان"

"مجھے یہاں لانے والا بھی تو تُو ہی تھا" سیام دانت پیس کر بولا۔

* * *

ڈرائنگ روم میں ہلکی روشنی تھی۔ اماں بی نماز پڑھنے اپنے کمرے میں جاچکی تھیں اور علشبہ بیگم کچن سے برتنوں کی ہلکی ہلکی آوازوں میں مصروف تھیں۔

کمرے میں صرف فردان اور سیام موجود تھے ایک صوفے پر ٹیک لگائے دوسرا سامنے بیٹھا موبائل میں مصروف۔

سیام اچانک صوفے سے اٹھا قمیض کے بازو فولڈ کرتے ہوئے بولا۔

"تم بیٹھو میں بس ابھی آتا ہوں"

فردان نے فوراً موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

"جی جی ضرور جائیں آپ کی خاص ملاقات جو ہے چھت پر"

سیام نے ناک چڑھا کر اُسے دیکھا۔

"بکواس بند کر کسی نے پوچھا تو کہنا کال سننے گیا ہوں"

فردان دونوں ہاتھوں سے کانوں کو لگاتے ہوئے معصوم بن گیا۔

"ہائے اللہ میں جھوٹ بولوں وہ بھی آپ کے لیے مجھے اپنی آخرت کی فکر ہے بھائی"

سیام نے ہنستے ہوئے اُس کی کمر پر مکا مارا۔

"جتنا تم سچ بولتے ہو وہ بھی میں جانتا ہوں بس دس منٹ کی بات ہے، سنبھال لینا"

فردان نے انگلی اٹھا کر سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن یاد رکھنا وہ میری بہن لگتی ہے میری غیرت جاگنے سے پہلے نیچے آجایئے گا ورنہ دونوں کی خیر نہیں"

سیام نے قہقہہ لگایا۔

"لعنت ہو تم پہ فلمی ولن"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے زینے چڑھنے لگا قدموں میں بے چینی تھی اور دل میں ایک عجیب سا جوش۔

پیچھے سے فردان جواب تنہا بیٹھا تھا ہونٹ سکیڑ گیا۔

"واہ رے دنیا اتنا ڈیسینٹ بندہ ہو کر بھی کوئی قدر نہیں کرتا"

اُس نے فرضی کالر جھاڑا صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھا اور خود سے کہنے لگا۔

"شکر ہے میں ادھر ہیرو نہیں ہوں ورنہ سب لڑکیاں دل ہار جاتیں"

فاطمہ چھت پر تنہا کھڑی تھی۔ اُس کے بال ہوا میں اُڑ رہے تھے اور وہ ریلنگ کے ساتھ دونوں ہاتھ ٹکائے شہر کی روشنیاں دیکھ رہی تھی۔ جیسے اُس کے دل میں بھی بہت کچھ روشن ہو کر اندھیروں میں چھپ گیا ہو۔

قدموں کی چاپ پر اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سیام دھیرے دھیرے چلتا اُس کی طرف آرہا تھا۔

"آپ یہاں" فاطمہ نے ہلکے سے چونک کر کہا مگر فوراً نظریں جھکا لیں۔

سیام مسکرایا "ہاں میں جانتا تھا کہ تم یہی ہوں گی۔ تم جب بھی خاموش ہوتی ہو چھت کو رازدار بنا لیتی ہو"

فاطمہ کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ آئی مگر وہ اب بھی نیچے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو ہر بات کیسے پتہ چل جاتی ہے"

سیام قریب آکر ریلنگ کے ساتھ کھڑا ہو گیا دونوں اب آمنے سامنے تھے۔

"کیونکہ میں سنتا ہوں فاطمہ تم جو نہیں کہتی وہ بھی"

ایک پل کو خاموشی چھا گئی۔ پھر فاطمہ نے نگاہ اٹھائی اور کچھ دیر اُس کو دیکھتی رہی۔

"آج جو شو ہوا میں نے جان بوجھ کر وہ سوال نہیں کیا تھا لیکن موسیٰ شیر خان"

"تم نے بہت اچھا سنبھالا شو کو میں نے دیکھا" سیام نے بات کاٹی۔

"لیکن وہ اُس نے مجھے سب کے ڈرانے کی کوشش کی ہے" فاطمہ کی آواز ٹوٹنے لگی۔

"تم نے اُسے شکست دی فاطمہ اُس کی گرج دار آواز کے سامنے تمہاری آواز طمانچہ تھی" سیام نے فوراً کہا۔

فاطمہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"آپ کو لگتا ہے میں واقعی اتنی بہادر ہوں کبھی کبھی مجھے خود پر شک ہونے لگتا ہے"

سیام تھوڑا اور قریب آیا اُس کے کندھے کے برابر کھڑا ہو گیا آواز میں نرمی اور گہرائی تھی۔

"تم نے موسیٰ جیسے آدمی کو سوال کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا یہ کم بات نہیں"

اُس نے تھوڑا سا رخ موڑا سیام کو دیکھا۔

"پتہ ہے جب میں اُس سے سوال کر رہی تھی دل چاہ رہا تھا بس آپ کو فون کروں"

"اور کیا کہتی فون پر" سیام نے ہلکی مسکراہٹ سے پوچھا۔

فاطمہ کی نظریں جھک گئیں۔

"بس کہہ دیتی آپ آجائیں آپ کے سامنے ہوتے تو شاید تھوڑا سا ڈر بھی نہ لگتا"

وہ دھیرے سے بولی۔

سیام خاموش رہا۔

"میں ہمیشہ ہوں تمہارے ساتھ فاطمہ... بس ایک دروازہ کھولنے کی دیر ہے"

دھیرے سے بولا۔

چاندنی دونوں کے چہروں پر جھلک رہی تھی ہوا تھوڑی تیز ہو چکی تھی، لیکن اُن کے درمیان ایک سکون سا آچکا تھا۔

* * *

روما بہت دیر سے جائے نماز پر بیٹھی تھی آنکھیں سوجی ہوئی چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا اُس کے سامنے دعا کے لیے اُٹھے ہاتھ اب لرز رہے تھے جیسے تھک چکے ہوں دعا مانگ کر۔

"اللہ میں ہر رات اُس کے لیے دعا کرتی تھی جب میں نے سب کچھ چھوڑ کر صرف اُسی کا نام دل میں رکھا تھا تو وہ کیوں نہیں ملا مجھے "

وہ اب کھلی آنکھوں سے خاموش دیوار کو گھور رہی تھی۔

"میں نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا بس اُس کی محبت مانگی تھی وہ بھی پوری نہ ہو سکی"

اچانک وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا جیسے اپنا چہرہ خود سے بھی چھپانا چاہتی ہو۔

"یا اللہ اگر موسیٰ میری قسمت میں نہیں تھا تو کیوں میرے دل کو اُس کے نام سے آباد کیا کیوں ایسا خواب دکھایا جو کبھی حقیقت بن ہی نہیں سکتا تھا"

وہ خود سے سوال کر رہی تھی جیسے جواب خدا کے ساتھ ساتھ اپنے دل سے بھی چاہیے ہو۔

ایک لمحے کو وہ چپ ہو گئی۔ پھر وہ جائے نماز سے نیچے فرش پر آ کر بیٹھ گئی اپنی گود میں سر رکھ کر جیسے خود کو سمیٹنے لگی ہو۔

"وہ کہتا ہے میں اُس کے قابل نہیں کیا واقعی میری اتنی ہی کم قیمت تھی میری محبت کا کوئی وزن نہیں تھا اُس کی نظروں میں"

"میں نے سُنا تھا محبت عبادت ہوتی ہے تو میری عبادت کو کیوں رد کر دیا گیا"

پھر اچانک اُس نے نظریں اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جیسے براہِ راست خدا سے بات کر رہی ہو۔

"اب نہیں مانگوں گی کچھ، نہ اُسکو نہ محبت بس ایک چیز دے دیں صبر کیونکہ یہ دل اب اور برداشت نہیں کر سکتا"

کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ صرف اُس کے سسکیوں کی آواز تھی اور ایک شکستہ لڑکی کا ٹوٹا ہوا دل جو خاموشی سے اپنے خدا سے انصاف مانگ رہا تھا۔

فاطمہ ابھی نیند کی آغوش سے پوری طرح نکلی بھی نہ تھی کہ فون کی بیپ نے خاموشی کو چیر ڈالا اُس نے نیم وا آنکھوں سے تکیے کے پاس رکھا موبائل اٹھایا سامیہ کا نام جگمگا رہا تھا۔

"ہیلو ہاں سامیہ بولو" اُس نے جمائی لی آنکھیں مسلتے ہوئے بولی۔

"تمہارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں فوراً تیار ہو جاؤ میں اور علی تمہیں پک کرنے آرہے ہیں"

سامیہ کی آواز میں حسبِ معمول جلدی اور شوخی گھلی ہوئی تھی۔

فاطمہ نے حیرانی سے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"اوہو کیوں کہیں جانا ہے کیا"

"علی کہہ رہا تھا آج لنچ باہر کرتے ہیں تو میں نے کہا ٹھیک ہے پھر وہ بولا فاطمہ کو بھی بلا لو بس ہم چلنے والے ہیں تم تیار ہو جاؤ" سامیہ نے ایک ہی سانس میں جیسے خوشی کی برسات کر دی۔

"اچھا ٹھیک ہے میں تیار ہو جاتی ہوں آجاؤ تم لوگ" فاطمہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بستر سے اٹھی اور الماری کی طرف بڑھی۔

"اوکے جلدی تیار ہونا اللہ حافظ" سامیہ نے الوداعی انداز میں کہا اور کال بند ہو گئی۔

فاطمہ نے فون بیڈ پر پھینکا اور الماری کے دروازے کھولے۔ لکڑی سے ٹکرانے کی ہلکی سی آواز کمرے میں گونجی۔ اُس کی نظریں ہینگرز پر ٹنگے رنگ برنگے کپڑوں پر پھسلتی گئیں۔ کچھ پل یونہی سوچتی رہی پھر اُس نے آسمانی نیلے رنگ کا ہلکی ایمبرائڈری والا لباس نکالا جو اُس کے چہرے کی نرمی سے خوب میل کھاتا تھا۔

"یہی ٹھیک رہے گا" اُس نے آہستگی سے کہا اور لباس ہاتھ میں لیے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے میں صرف اُس کے قدموں کی چاپ باقی رہ گئی۔

ماربل سے بنے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں سورج کی سنہری کرنیں نرم پردوں کو چیرتی ہوئی اندر آرہی تھیں کمرے کی فضا میں خاموش وقار بسا ہوا تھا

دیواروں پر آویزاں مصوری اور قیمتی آرائشی اشیاء رئیسہ کے ذوق کی گواہی دے رہی تھیں۔

بدر خان صاحب ڈائنگ ٹیبل پر ناشتہ کر رہے تھے۔ اُن کے سامنے رکھے اخبار کے صفحات کے درمیان سے جب اُن کی نظر دروازے کی طرف گئی تو اُنہوں نے ایک لمحے کو نگاہیں جمادیں۔

سامنے سے رئیسہ آرہی تھی۔ مکمل تیار شان دار بلونیوی کوٹ کے نیچے ہلکا سلک کا کریم رنگ کا اسکارف اور ہاتھ میں چمکتا ہوا لیدر کا بیگ اُس کے چہرے پر معمول سے ہٹ کر ایک ہلکی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

"رئیسہ بیٹا کہیں جارہی ہو" بدر خان صاحب نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"جی ڈیڈ تایا جان کے گھر جارہی ہوں" رئیسہ نے پلٹ کر دیکھے بغیر جواب دیا۔

بدر صاحب کی پیشانی پر ہلکی سی شکن آئی۔ اُنہیں اُس کے لہجے میں چھپی بے رخی کچھ خاص لگی نہیں۔

"کیوں خیریت تو ہے"

اب کی بار رئیسہ نے تھوڑا سا رُخ اُن کی طرف موڑا۔ اُس کی آنکھوں میں تھکی ہوئی سی چمک تھی۔

"جی موسی واپس آگیا ہے تب سے اُس سے ملی نہیں تھی سو چا جا کر مل لوں"

بدر خان نے ہلکے سے سر ہلایا۔

"اچھا ٹھیک ہے تو آج آفس نہیں جاؤ گی"

رئیسہ کے دل میں جیسے ایک ناگوار یاد کوند گئی۔ سیام میر اُس کی بے نیازی اُس کی آنکھوں کا لہجہ اور وہ لمحہ جو وہ بھولنا چاہتی تھی۔

"نہیں آج نہیں جاؤں گی" اُس نے مختصر اور قطعی انداز میں کہا۔

"اوکے جاؤ" بدر خان نے اجازت دی مگر اُن کے لہجے میں باپ کی خاموش تشویش واضح تھی۔

"اوکے بائے" اور اپنی ایڑیوں کی ہلکی ٹک ٹک کے ساتھ پر شکوہ دروازے سے باہر نکل گئی۔ رئیسہ نے ایک رسمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

کمرے میں ہلکی روشنی تھی۔ قالین زدہ فرش دیوار پر آویزاں قدیم فن پارے اور کونے میں رکھی عود سلگتی خوشبو کی مہک ماحول کو ایک شاہانہ مگر پُراسرار انداز دے رہی تھی۔ موسیٰ ایک عریض کھڑکی کے سامنے راکنگ چیئر پر جھولتا ہوا بیٹھا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں وہی گہری چمک تھی جو ہمیشہ کسی ناپے تولے منصوبے کی نشانی ہوا کرتی۔

"اسماعیل تمہیں میں نے جو کہا تھا میرا کام ہوا"

اُس نے کرسی کی ہلکی چرچراہٹ کے ساتھ دائیں طرف کھڑے اسماعیل کی طرف نگاہ اُٹھائے بغیر پوچھا۔

"یہ رہی فائل"

اسماعیل نے دبے قدموں فائل آگے بڑھائی جیسے وہ جانتا ہو کہ اس فائل میں کچھ ایسا ہے جو آگ بھڑکا سکتا ہے۔

"پڑھ کر سُناؤ"

موسیٰ نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ اُس کی آواز میں گہری سنجیدگی تھی۔

اسماعیل نے فائل کھولی اور صاف آواز میں پڑھنے لگا۔

"مس فاطمہ ابراہیم والدین کی اکلوتی بیٹی۔ بارہ جنوری کو چوبیس برس کی ہو جائے گی پندرہ دن بعد ان کی شادی ہے اپنے تایا کے بڑے بیٹے سیام میر سے"

کمرے میں کچھ لمحے خاموشی چھاگئی صرف راکنگ چیئر کی ہلکی ہلکی آواز باقی تھی

موسیٰ نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔

"آج میڈم فاطمہ کا دن کیسے گزرے گا اس کی تفصیل دو"

اُس کی نظریں اب سیدھی اسماعیل پر تھیں جیسے وہ اگلا قدم چالاکی سے سوچ رہا ہو۔

"آج وہ اپنے دوستوں کے ساتھ لنچ پر جا رہی ہیں"

موسیٰ کے لبوں پر ایک عجیب، سرد مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اسماعیل میڈم کا ڈنر آج ہمارے ساتھ ہو گا"

اسماعیل کچھ لمحے چپ رہا الجھن اُس کے چہرے پر نمایاں تھی۔

"مطلب میں سمجھا نہیں"

"اغواہ کرو فاطمہ کو اُس کی ٹولی سمیت"

موسیٰ نے چیئر سے ٹیک لگا کر ایسا کہا جیسے یہ کوئی غیر معمولی حکم نہ ہو بلکہ روزمرّہ کا معمول ہو۔

"فاطمہ کو اغواہ کرنا سمجھ آتا ہے لیکن اُس کے دوست کیوں"

اسماعیل کی آواز میں اب بھی شش و پنج تھا۔ وہ اس آدمی کی سوچ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جو ہر لمحہ بازی پلٹنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

موسیٰ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنسا کر مسکرایا جیسے کوئی شطرنج کا ماسٹر اپنے مہرے سجا رہا ہو۔

"وہ کیا ہے نا اسماعیل تمہاری میڈم اُلٹی کھوپڑی کی ہے اُسے سیدھا کرنے کے لیے ہمیں کچھ مہرے بھی رکھنے ہوں گے ڈراؤ گے نہیں تو قابو کیسے آئے گی"

ایک پل کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ پھر اسماعیل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے جیسا آپ نے کہا"

وہ قدموں کی چاپ کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہوا تو موسیٰ کی آنکھوں میں وہ لمحہ گھومنے لگا، جب ایک بھری محفل میں فاطمہ نے اُس کا انٹرویو لیتے لیتے اُسے سرِعام بے وقعت کر دیا تھا۔

مگر آج بساط اُلٹی جا رہی تھی اب چال اُس کی تھی۔ کھیل اُس کے ہاتھ میں۔

* * *

شاہی طرز کی حویلی کے سامنے جیسے ہی سفید سنگِ مرمر کی روش پر سیاہ مرسیڈیز آکر رکی مین گیٹ خود بخود کھل گیا۔ بھاری دروازوں کی چرچراہٹ گویا کسی خاص مہمان کی آمد کا اعلان کر رہی تھی گاڑی ہلکی رفتار سے اندر داخل ہوئی اور سنگی فوارے کے قریب جا رکی۔

دروازہ کھلا اور اگلے ہی لمحے رئیسہ بدر خان اتری۔ آسمانی رنگ کے مہنگے لانگ کوٹ کے نیچے سنہری پنسل ہیلز زمین سے ٹکرائیں تو فرش پر ایک وقار سا بکھر گیا۔ اُس کے چہرے پر وہی مغرور سنجید گی چہرے کے ایک ایک زاویے سے اعلیٰ تربیت اور شاندار پرورش جھلک رہی تھی۔

رئیسہ نے گاڑی کی چابی اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے اک نخوت بھری نظر ارد گرد ڈال کر قدم حویلی کی طرف بڑھا دیے۔

حویلی کے وسیع لاؤنج میں بیٹھے مرحا، اپنی سفید ایرانی بلی "لونا" کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھی۔ جیسے ہی اُس نے رئیسہ کو اندر آتے دیکھا حیرت سے کھڑی ہو گئی۔

"ارے رئیسہ آپی آپ یہاں" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رئیسہ نے ایک سرسری نظر مرحا پر ڈالی پھر بلی کو دیکھا اور ہلکی سی اُکتاہٹ اس کے چہرے پر ابھری۔

"ہاں کیوں میں یہاں نہیں آسکتی" اُس کی آواز میں سرد سا طنز تھا جیسے محبت اور مروت اس کے لہجے سے چھن چکی ہو۔

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں" مرحا نے جلدی سے وضاحت دی ذرا جھینپتے ہوئے۔

مگر رئیسہ اُس کے جواب کی منتظر نہیں تھی۔ اُس نے فوراً اگلا سوال داغا۔

"موسیٰ کہاں ہے مجھے اُس سے بات کرنی ہے"

مرحا نے ذرا لاپرواانداز میں بلی کو گود میں لیتے ہوئے کہا۔

"لالہ اوپر اپنے کمرے میں ہیں"

رئیسہ نے صرف سر ہلایا اور بغیر مزید ایک لفظ کہے شان و شوکت سے زینوں کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اُس کے جوتوں کی ہلکی ٹک ٹک سنسان راہداری میں گونج رہی تھی، جیسے اُس کے وجود کا اعلان ہو۔

کمرے میں ہلکی مدھم روشنی تھی۔ بھاری پردے کھڑکیوں کو ڈھانپے ہوئے تھے اور اندر گہری خاموشی کا راج تھا صرف پنکھے کی مدھم آواز اور موسیٰ کی انگلیوں کی حرکت سنائی دے رہی تھی جو سامنے رکھی فائل کے صفحات پلٹ رہا تھا۔

موسیٰ کی نظریں اچانک فائل میں موجود سیام میر کی تصویر پر رک گئیں وہ غور سے تصویر دیکھ رہا تھا، جیسے اُس میں چھپی ہوئی کوئی کمزوری تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

تب ہی دروازہ دھڑاک سے کھلا۔

"ہیلو" رئیسہ بدر خان اپنی مخصوص رعونت کے ساتھ اندر داخل ہوئی قدموں میں اعتماد اور چہرے پر بلا کی بے نیازی۔

موسیٰ نے فوراً فائل بند کرتے ہوئے غصے سے اُس کی طرف دیکھا۔

"مائے ڈئیر بتمیز کزن دروازہ اِسی لیے لگایا گیا ہے کہ اندر آنے سے پہلے اجازت لی جا سکے"

رئیسہ نے بے نیازی سے اپنے ہاتھ میں پکڑا مہنگا بیگ صوفے پر پھینکا۔

"اور تم بھی جانتے ہو موسیٰ رئیسہ بدر خان کو اجازت لینے کی عادت نہیں ہے"

موسیٰ نے چبھتی نظروں سے اُسے دیکھا اُس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔

"ڈئیر بتمیز کزن یہاں آنا کیسے ہوا تمہارا"

رئیسہ کے چہرے پر اب ایک ہلکی سی شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"افسوس کرنے آئی تھی"

موسیٰ نے طنزیہ انداز میں آنکھیں سکیڑیں۔

"کیوں کوئی مر گیا ہے کیا"

رئیسہ نے چہرہ قریب لا کر آہستہ مگر نشتر کی طرح کاٹتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں تمہاری عزتِ نفس انٹرویو میں دیکھا تھا کیسے فاطمہ نے تمہاری خاک اُڑا دی تھی دو ٹکے کی عزت بچی بھی نہیں"

موسیٰ کی برداشت جواب دے گئی وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بکواس بند کرو اپنی"

آواز میں ایسا غصہ تھا کہ دیواریں بھی سنبھل جاتیں۔

مگر رئیسہ تو رئیسہ تھی وہ اپنی جگہ سکون سے بیٹھی رہی انگلیوں سے اپنی انگوٹھی سیدھی کی۔

"ڈیئر کزن اب غصہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تم سے بس ایک کام ہے ہیلپ چاہیے"

موسیٰ نے اُس پر گھورتے ہوئے بازو سینے پر باندھ لیے۔

"تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں تمہاری مدد کروں گا"

رئیسہ مسکرائی وہ دل جلاتی ہوئی خود اعتماد مسکراہٹ جو صرف اُس جیسے طبقے کی لڑکیاں مسکرا سکتی تھیں

"مجھے لگتا نہیں مجھے یقین ہے تم کرو گے "

موسیٰ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اُس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"تمہارا یقین بھی تمہارے جیسا ہے "

رئیسہ اب صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس کے قدم نرم تھے لیکن انداز میں وہی بے خوفی۔

"ہاں کیونکہ میں رئیسہ بدر خان ہوں مجھے اپنی صلاحیتوں پر یقین ہے "

پھر طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولی۔

کمرے کی فضا جیسے لمحہ بھر کو ٹھہر گئی تھی۔ دونوں کی نظریں آپس میں جمی تھیں۔ یہ صرف باتوں کا تبادلہ نہیں تھا، بلکہ ایک ذہنی جنگ کا آغاز تھا۔

کلاس روم میں خاموشی چھائی ہوئی تھی صرف فردان کی آواز گونج رہی تھی جو مارکر کے ساتھ بورڈ پر فارمولے سمجھا رہا تھا۔

"یہ والا سوال دھیان سے دیکھیں اس میں کون سا فارمولا لگے گا"

اچانک اُس کی نظریں آخری بینچ پر بیٹھی روما پر جا ٹھہریں جو خالی نظروں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں کہیں اور تھیں جیسے وہ کلاس میں نہیں بلکہ کسی ذاتی طوفان میں گم ہو۔

"روما مس روما میری آواز آرہی ہے"

فردان نے مارکر ڈائس پر مار کر اُسے چونکایا۔

"ج۔۔۔جی سر"

روما گھبرا کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی جیسے نیند سے جاگی ہو۔

"ابھی جو سوال میں نے سمجھایا ہے اُس میں کون سا فارمولا لگایا ہے"

فردان نے بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔

روما کی نظریں بورڈ پر تو تھیں مگر ذہن کہیں اور وہ ہچکچاتے ہوئے بولی

"وہ...وہ مجھے نہیں پتا"

اُس کا ذہن تو کسی اور ہی دُکھ میں اُلجھا ہوا تھا موسیٰ کی وہ باتیں وہ انکار وہ سرد لہجہ فردان نے فوراً روما کے چہرے پر اترتی پریشانی محسوس کر لی، اُس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

"ارے بچے رونے کی تو کوئی بات نہیں جسٹ ریلکس اوکے"

فردان نے نرمی سے کہا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

روما نے بنا کوئی جواب دیے بیگ اُٹھایا اور تیزی سے کلاس روم سے باہر نکل گئی۔

اُس کے پیچھے صرف سناٹا رہ گیا۔

فردان نے کلاس پر نظر ڈالی اور بورڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس سٹوڈنٹس آج کے لیے اتنا کافی ہے آپ سب جا سکتے ہیں"

کچھ لمحوں بعد——

کالج کا گراؤنڈ ہلکی دھوپ سے سجا ہوا تھا پرندے چہچہا رہے تھے، اور ایک طرف بڑے سے درخت کے نیچے روما بیٹھی اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔

"روما کیا ہم بات کر سکتے ہیں"

فردان کی آواز سنائی دی جو اُس کے قریب آ چکا تھا۔ وہ درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا تھا چہرے پر نرمی لہجے میں اجازت۔

"جی سر" روما نے سر اٹھایا اور جلدی سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔

"مس روما آپ کو یاد ہے ہم پہلے بھی مل چکے ہیں"

روما کے چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ آگئی

"جی سر یاد ہے"

فردان نے اس کے چہرے کا تناؤ محسوس کرتے ہوئے ہلکے لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو اچھی بات ہے ایک بات پوچھوں"

"جی سر پوچھیں"

"آپ رو کیوں رہی تھیں"

"بس ویسے ہی. کچھ خاص نہیں"

فردان نے گہری سانس لی پھر نرمی سے بولا۔

"خوش رہا کریں روتی ہوئی آپ اچھی نہیں لگتیں"

یہ کہہ کر اُس نے شفیق مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا اور واپس کلاسز کی طرف بڑھ گیا۔ روما نے اُس کی پشت کو دیکھا ایک لمحے کو دل میں عجیب سا سکون محسوس کیا۔ جیسے کسی اجنبی نے اس کا درد بانٹ لیا ہو بغیر پوچھے بغیر جج کیے۔

کمرے میں ہلکی سی مدھم روشنی تھی براؤن لکڑی کا فرنیچر سنگ مرمر کی میز اور عقبی دیوار پر آویزاں پینٹنگز ایک شاہانہ تاثر دے رہی تھیں۔ موسیٰ راکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے، اپنے ہاتھ میں فاطمہ کی فائل تھامے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

دروازہ بند ہو چکا تھا مگر خاموشی ابھی بھی گفتگو سے پہلے کی تھی۔

"تو بتاؤ، رئیسہ کیسی ہیلپ چاہیے تمہیں"

موسیٰ نے نظریں اُس پر گاڑتے ہوئے گہری آواز میں پوچھا۔

"ایک لڑکا ہے میری کمپنی میں کام کرتا ہے مجھے اُس سے شادی کرنی ہے" رئیسہ نے ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے اپنے غرور سے لبریز انداز میں کہا۔

"اچھا ایک بار میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غور سے دیکھو" موسیٰ کے ماتھے کی لکیر گہری ہوئی اُس نے کرسی سیدھی کی جھٹکے سے فائل بند کی اور رئیسہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

رئیسہ نے ناسمجھی سے نظریں اُٹھائیں۔

"کیا مطلب"

"میں کوئی نکاح خواں ہوں جو تمہیں نکاح نامے دے کر گھروں میں بھیجوں جا کے والد صاحب کو بتاؤ کہ بیٹی کو لڑکا پسند آگیا ہے اُس سے شادی کرواؤ" موسیٰ تپے ہوئے لہجے میں بولا۔

رئیسہ کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی اُس کی آنکھوں میں غرور کی چمک تھی۔

"پسند نہیں ہے مجھے بس بدلہ لینا ہے"

موسیٰ نے اب پوری توجہ کے ساتھ اُس کی بات سنی۔ رئیسہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے بولی۔

"سیام میر کو لگتا ہے کہ رئیسہ بدر جیسی لڑکی اُس کے قابل نہیں اُسے لگتا ہے وہ مجھ سے بہتر کا حقدار ہے"

وہ ٹھہر کر بولی۔

"اُسے اندازہ نہیں رئیسہ بدر خان کون ہے"

موسیٰ کے چہرے پر اچانک الجھن کے آثار اُبھرے۔

وہ سیدھا ہوا۔

"ایک منٹ نام دوبارہ بتانا"

"سیام میر امروز"

موسیٰ نے فائل سے ایک تصویر نکالی اور اُس کی طرف بڑھادی۔

"یہ تو نہیں"

رئیسہ نے تصویر چھینی اور آنکھوں کو ذرا سا سکڑتے ہوئے غور سے دیکھا۔

"ہاں یہی ہے لیکن یہ تمہارے پاس کہاں سے آئی"

موسیٰ نے کرسی سے ٹیک لگا کر ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ سجائی۔

"اس کی پندرہ دن بعد شادی ہے فاطمہ ابراہیم سے"

رئیسہ نے چونک کر نظریں اُٹھائیں۔

"وہی فاطمہ وہ صحافی جس نے تمہارا انٹرویو لیا تھا"

"ہاں وہی"

موسیٰ نے خشک لہجے میں جواب دیا لیکن اُس کی آنکھوں میں ایک شعلہ دہکنے لگا تھا۔

رئیسہ آہستہ سے مسکرائی شیطانی مسکراہٹ اُس کے چہرے پر رینگ گئی۔

"مطلب جو میں سوچ رہی ہوں وہی تم بھی"

موسیٰ نے سر ہلایا۔

"ہاں"

کمرے کی دیواریں اُن کے گونجتے قہقہوں سے لرز اٹھیں۔ جیسے کسی خطرناک کھیل کی بس شروعات ہونے والی ہو۔

بدلے انا اور سازش کے اُس کھیل کی جس میں پیادے بھی انسان تھے۔

فاطمہ آئینے کے سامنے آخری بار خود کو دیکھ کر مطمئن ہوئی ہلکے بلیو رنگ کی فراک سیدھے کھلے بال اور ہونٹوں پر ہلکی سی لپ گلوس کی چمک۔ جیسے ہی اُس نے بیگ اٹھایا سامیہ کی کال آگئی۔

"ہم باہر پہنچ گئے ہیں جلدی آؤ"

فاطمہ نے اثبات میں سر ہلایا اور تیزی سے سیڑھیاں اُترنے لگی۔

لیکن جیسے ہی اُس نے مین ڈور کی طرف قدم بڑھایا اماں بی کی گونجتی ہوئی آواز نے اُسے جکڑ لیا۔

"کدھر چلی تیار ہو کر"

فاطمہ کے قدم تھم گئے۔ آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی، پھر آہستگی سے پلٹ کر کہا

"دا... دادی... میں"

"کیا دادی دادی لگا رکھی ہے صاف صاف بتاؤ یہ راجکماری بن کے کہاں جا رہی ہو"

اماں بی کا لہجہ طنزیہ تھا آنکھوں میں غصہ اور لہجے میں شک۔

"دادی دوستوں کے ساتھ کھانے پر جارہی ہوں"

فاطمہ نے نظریں جھکاتے ہوئے آہستہ سے کہا جیسے الفاظ بھی اُس سے چھپ کر نکل رہے ہوں۔

اماں بی فوراً علشبہ بیگم کو آواز دینے لگیں۔

"علشبہ علشبہ کہاں ہو آ کے اپنی بیٹی کی حرکتیں دیکھو"

علشبہ بیگم کمرے سے گھبرا کر باہر آئیں۔

"جی اماں کیا ہوا"

"اس کی شادی سر پر ہے اور یہ دوستوں کے ساتھ پھرنے نکلی ہے سمجھاؤ اِسے گھر بٹھاؤ اِسے"

اماں بی نے فاطمہ کا بازو سختی سے تھاما ہوا تھا۔

"اماں اُس نے مجھے بتایا تھا میں نے اجازت دی تھی۔ صرف کھانے پر جارہی ہے کوئی غلط جگہ نہیں"

علشبہ نے نرمی سے ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"بس تم لوگوں نے ہی اِسکو سر چڑھادیا ہے۔ آج جارہی ہے کھانے پر کل کہی اور نکل جائے گی"

اماں بی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

فاطمہ اب مزید برداشت نہیں کر پائی اُس نے جھٹکے سے بازو چھڑایا۔

"دادی جانے دیں میرے دوست ویٹ کر رہے ہیں دیر ہو رہی ہے"

اماں بی نے جیسے زہر اُگل دیا۔

"جاؤ بی بی ہمیں کون سا اختیار ہے اب جاؤ کرو اپنی مرضیاں"

فاطمہ نے ایک جھلّاہٹ بھری نظر دادی پر ڈالی، پھر ماں کی طرف مڑی۔

"ماما میں جارہی ہوں اللہ حافظ جلدی واپس آجاؤں گی"

ماں نے ہلکا سا سر ہلایا۔ فاطمہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی جیسے قید سے آزاد ہو کر کسی اور دُنیا کی طرف نکل رہی ہو باہر کھڑی کار کا دروازہ کھلا اور وہ لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو گئی پیچھے رہ گئی اماں بی کی خفگی اور ماں کی خاموش تشویش۔

ریسٹورنٹ کے کونے والی ٹیبل پر فاطمہ سامیہ اور علی بیٹھے تھے۔ نیون لائٹس کی مدھم چمک ہلکی سی موسیقی اور باہر برستی ہلکی بارش نے ماحول کو خوشگوار بنا رکھا تھا۔

"دیکھو نا علی تم نے کہا تھا تم ٹریٹ دو گے پھر بل کا رونا کیوں رو رہے ہو" فاطمہ نے آئسڈ کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے مصنوعی غصے سے کہا۔

"یار وہ تو میں نے تب کہا تھا جب مجھے پتہ نہیں تھا کہ تم لوگ تھائی فوڈ کے نام پر پورا ایشیا کھا جاؤ گے" علی نے ہنستے ہوئے منہ بنایا۔

"او بھائی اب اگر ہم نے چکن تھائی کے بعد چائنیز نوڈلز اور پھر کریمل ڈیزرٹ کھا لیا تو اُس میں تمہارا کیا نقصان ہو گیا" سامیہ نے ہنستے ہوئے فاطمہ کو آنکھ ماری۔

فاطمہ قہقہہ مار کر ہنسی۔

"سنو تم دونوں اگر میری شادی ہو گئی نا تو پہلے دن ہی شوہر کو بول دوں گی مجھے کھانے کی آزادی چاہیے"

"اللہ خیر کرے سیام بھائی سے ہمدردی ہے مجھے جب اُنکو پتہ چلے گا کتنا کھاتی ہو تم" علی نے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا۔

"اوئے تم لوگ رہنے دو تم دونوں کو میری شادی سے زیادہ میرے کھانے کی فکر ہے" فاطمہ نے ناک چڑھا کر کہا۔

"چلو اب چلیں کافی دیر ہو گئی" سامیہ نے گھڑی پر نظر ڈالی۔

تینوں دوست دروازے سے باہر نکلے۔ فاطمہ آسمانی نیلے لباس میں دھوپ میں نکھری ہوئی لگ رہی تھی اُس کے چہرے پر وہی مخصوص اعتماد علی نے گاڑی کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ اچانک۔

چرخچرخچرخ...

ایک سیاہ رنگ کی ویگن بالکل اُن کے قریب آن رکی جیسے کہیں سے اُڑ کر آئی ہو اگلے ہی لمحے دروازے کھلے اور ماسک پہنے چار آدمی جھپٹ پڑے۔

"علی" فاطمہ کی چیخ بلند ہوئی مگر اُس کا بازو ایک سخت گرفت میں آ چکا تھا۔ سامیہ نے مزاحمت کی کوشش کی مگر ایک جھٹکے سے اُسے دبوچ لیا گیا۔

"کیا کر رہے ہو تم لوگ چھوڑو ہمیں" علی نے چیخ کر کہا، مگر اُس کے منہ پر ایک کپڑا رکھا گیا اور سب کچھ اندھیرا ہو گیا۔

فاطمہ کی آنکھوں میں خوف کے سائے تیرنے لگے۔

"کون ہو تم کہاں لے جا رہے ہو ہمیں" وہ مسلسل چیخ رہی تھی مگر کسی نے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔

چند لمحوں بعد سڑک پر صرف ہوائی شور اور کھلتے ہوئے گیٹ کی آواز باقی تھی۔ ویگن غائب ہو چکی تھی۔ لوگ چونک کر دیکھتے رہے مگر یہ سب اتنا جلدی ہوا کہ کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا۔

ویگن کے اندر فاطمہ کی آنکھوں پر پٹی باندھی جا چکی تھی لیکن اُس کے کانوں میں اب بھی علی اور سامیہ کی آوازیں گونج رہی تھیں دل کی دھڑکن بے قابو تھی اور ذہن میں صرف ایک سوال گردش کر رہا تھا:

"یہ سب کون کر رہا ہے اور کیوں"

اور وہیں، شہر کے ایک ویران مقام پر ایک بڑی سی عمارت کے تہہ خانے میں موسیٰ خاموشی سے مانیٹر پر سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں سکون اور چہرے پر ایک پراسرار مسکراہٹ تھی۔

"کھیل شروع ہو چکا ہے مس فاطمہ"

اُس نے آہستہ سے کہا۔

گردوپیش میں مکمل سناٹا تھا صرف چھت سے لٹکتی ایک زرد بلب کی ہلکی جھولتی روشنی جو کمرے میں لرزتی چھاؤں بنا رہی تھی۔

فاطمہ کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں۔ سر میں شدید درد، منہ خشک، اور ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے۔ اُس نے کراہ کر گردن گھمائی کمر سخت زمین سے لگی تھی اور بدن میں سنسناہٹ سی پھیل گئی تھی۔

"آہ۔۔۔ یہ کہاں ہوں میں" اُس کی آواز گھٹی گھٹی سی نکلی۔

قریب ہی سامیہ کی ہلکی سسکی سنائی دی۔ "فا فاطمہ؟ تُم۔۔ تُم ٹھیک ہو"

"سامیہ تم ٹھیک ہو" فاطمہ نے جلدی سے گردن موڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔ اُس نے دیکھا کہ سامیہ بھی اُسی کی طرح رسیوں سے بندھی زمین پر پڑی تھی۔ چہرے پر ہوائی اُڑی ہوئی آنکھوں میں خوف۔

اسی لمحے کمرے کے دوسرے کونے سے علی کی جھنجھلاتی ہوئی آواز آئی۔

"یہ کس نے کیا ہے ہمیں یہاں کیوں لایا گیا ہے"

"علی چپ کر جاؤ پتہ نہیں ہم کہاں ہیں اور کون لوگ ہیں یہ" فاطمہ نے گھبرا کر کہا۔

کمرے میں ایک بوسیدہ سا دروازہ تھا جس کے نیچے سے ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔ دیواریں کچی تھیں اور چھت کی لکڑیاں پرانی ویرانی کی گواہی دے رہی تھیں۔

ایک لمحے کو تینوں کی آنکھیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور اُن آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا ہمیں یہاں کیوں لایا گیا ہے؟

سامیہ نے آنکھیں موند کر ایک گہرا سانس لیا" فاطمہ کہیں یہ اُس شخص کا کام تو نہیں جس پر تُو نے انٹرویو میں ہاتھ رکھا تھا موسیٰ"

فاطمہ کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو اُڑ گیا۔ وہ خاموش ہو گئی جیسے اُسی لمحے اُسے کچھ جوڑنے لگا ہو جیسے اُس کی ہر بات کا جواب اُسی موسیٰ کے چہرے پر لکھا ہو۔

"اگر یہ اُسی کا کام ہے" فاطمہ نے آہستہ کہا "تو وہ ہمیں یوں ہی نہیں چھوڑے گا"

۔۔۔۔

کمرے میں ہلکی روشنی جل رہی تھی دیوار پر لٹکا ہوا گھڑیال ٹک ٹک کر رہا تھا اور سیام بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے موبائل کی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ کبھی موبائل کا بٹن دباتا کبھی لمبے سانس لیتا جیسے کسی فیصلے میں الجھا ہو۔

اچانک دروازہ بغیر دستک کے کھلا۔

"بھائی کیا کر رہے ہیں" فردان نے اندر آتے ہی پوچھا، اُس کے چہرے پر حسبِ معمول شوخی تھی۔

"کچھ خاص نہیں تم سناؤ" سیام نے موبائل سائیڈ پر رکھتے ہوئے آہستگی سے جواب دیا۔

فردان بیڈ پر بیٹھتا ہوا، آنکھیں سکیڑ کر اُسے دیکھنے لگا،

"کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا سچ بتاؤ کیا بات ہے"

سیام نے ایک لمحے کے لیے گردن موڑ کر اُسے دیکھا پھر گہری سانس لی۔

"فاطمہ کو کال کر رہا تھا وہ اٹھا نہیں رہی"

فردان فوراً ہنسا۔

"اوہ ہو چپکلی کی یاد ستا رہی ہے مطلب"

سیام نے ہنستے ہوئے اُس کے کندھے پر مکا مارا۔

"تمیز سے بات کرو وہ تمہاری ہونے والی بھابھی ہے"

فردان نے کمر سہلاتے ہوئے کہا۔

"پہلے دوست ہے وہ میری بعد میں بھابھی"

سیام نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

"اچھا یہ تو بتاؤ میرے کمرے میں کیوں آ گئے ہو"

فردان نے بے تکلفی سے بیڈ پر لیٹتے ہوئے کہا۔ "رومانس کرنے آیا ہوں"

ایک لمحے کو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ سیام کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ جیسے اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

"استغفر اللہ فردان دفع ہو جاؤ میرے کمرے سے"

فردان جلدی سے بیٹھ گیا ہاتھ اٹھا کر معصومیت سے کہا،

"قسم سے رومانس پرفیوم کی بات کر رہا تھا غلط مطلب نہ لو بھائی غلط مطلب نہ لو"

سیام نے گہری سانس لے کر خود کو پر سکون کیا پھر بیڈ کے کونے پر پڑی ڈریسنگ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا

"پڑا ہے وہاں لے لو۔ اور اگلی بار زبان کھولنے سے پہلے دماغ استعمال کرنا"

فردان نے پرفیوم اُٹھایا، مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوکے بھائی آئیندہ صرف سانس لیا کروں گا"

کمرے میں ہنسی کی ہلکی لہر دوڑ گئی ـــــ

فاطمہ، سامیہ اور علی تینوں رسیوں میں بندھے فرش پر بیٹھے تھے۔ کمرے کی خاموشی میں صرف دور کہیں چمگادڑوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو سامیہ" علی نے سر جھٹک کر کہا "موسیٰ اتنا ڈیسنٹ بندہ ہے وہ ہمیں اغوا کیوں کرے گا"

سامیہ نے جواب نہیں دیا صرف دروازے کو گھورتی رہی جیسے کسی آنے والی آفت کو پہچان رہی ہو۔

اور ٹھیک پانچ سیکنڈ بعد پرانا لکڑی کا دروازہ چرچراتے ہوئے کھلا۔

دروازے میں وہی شخص کھڑا تھا موسیٰ کالا کرتہ، نیچے پشاوری چپل چہرے پر ہلکی سی دلکشی اور آنکھوں میں وہی خطرناک سکون جیسے ہر چیز اُس کے منصوبے کے مطابق ہو رہی ہو۔

سامیہ نے علی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو یہ ہے تمہارا ڈیسنٹ بندہ۔

موسیٰ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا فاطمہ کے قریب آیا جو مسلسل اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں کو کھولنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"اُمید ہے میرے مہمانوں کو زیادہ پریشانی نہیں ہوئی ہو گی یہاں" اُس نے نرمی سے، مگر طنزیہ لہجے میں کہا۔

فاطمہ نے کوئی جواب نہیں دیا بس اُس کی طرف غصے سے دیکھا۔ وہ ہاتھ کھینچتے ہوئے کچھ بولنے ہی والی تھی کہ موسیٰ پھر سے بول پڑا۔

"مت کیجیے مس فاطمہ ابراہیم ہاتھ تھک جائیں گے ویسے بھی آپ کا منہ تو کافی تھک چکا ہو گا اتنا بول بول کر"

یہ کہہ کر اُس نے ایک ایسا قہقہہ لگایا جو دلکش بھی تھا اور زہریلا بھی۔

"جسٹ شٹ اپ" فاطمہ نے غصے سے چیخی جیسے رسیوں سے آزاد ہو کر اُسی وقت اُس کا گلا دبوچنے والی ہو۔

موسیٰ نے اس کے ردعمل پر مزید لطف اٹھاتے ہوئے ہنسی کو اور گہرا کر دیا

"اوکے مس فاطمہ آپ کا حکم سر آنکھوں پر"

"فاطمہ کو اغوا کیا ہے یہ تو سمجھ آتا ہے ہمیں کیوں کیا" اسی لمحے علی کا ضبط بھی جواب دے گیا وہ جھنجھلاتے ہوئے بولا۔

موسیٰ اُس کی طرف بڑھا اُس کی آنکھوں میں جھانک کر مدھم آواز میں بولا۔

"تمہیں بھی پتہ چل جائے گا تھوڑی ہی دیر میں"

پھر وہ پلٹ کر دوبارہ دروازے کی طرف بڑھا علی فاطمہ اور سامیہ تینوں کی آنکھیں اُس کے پیچھے جم گئیں غصہ، خوف اور تجسس سے لبریز۔

دروازے کی طرف بڑھنے کے بجائے موسیٰ اچانک مڑا۔ اُس کے قدم نرمی سے زمین پر پڑے جیسے اُس کے اندر کوئی بے چینی اب بھی پوری طرح ختم نہ ہوئی ہو۔ اُس نے دروازے کے قریب رکھی ایک لکڑی کی کرسی اُٹھائی اور اُسے آہستہ سے فاطمہ کے بالکل سامنے رکھ دیا۔ پھر دھیما سا تبسم لبوں پر سجا کر وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا جیسے یہ کوئی معمول کی ملاقات ہو۔

فاطمہ نے اُسے سرد نگاہوں سے گھورا اُس کی آنکھوں میں اب بھی وہی چمک تھی جرأت کی نفرت کی۔

"ایک بات پوچھوں مس فاطمہ" موسیٰ نے آرام دہ لہجے میں کہا جیسے سامنے قید میں بیٹھی لڑکی اُس کی مہمان ہو۔

فاطمہ نے زہر آلود آواز میں جواب دیا۔

"جب اغوا کر ہی لیا ہے تو اب اجازت کس بات کی سوال پوچھو لیکن تماشامت بناؤ۔"

موسیٰ کے چہرے پر ایک خفیف سی چمک آئی۔ وہ تھوڑا آگے جھکا اور آہستہ سے فاطمہ کے چہرے پر پڑی بالوں کی ایک بکھری لٹ کو انگلیوں سے سائیڈ پر کیا—— اُس کے لمس میں ایک عجیب خاموش ضد تھی۔

" کبھی اپنی خوبصورتی سے ڈر محسوس ہوا ہے "اُس کی آواز میں گہری سرگوشی تھی۔

فاطمہ نے فوراً چہرہ پیچھے کھینچا آنکھوں میں تنفر اور لبوں پر بجلی کی سی تیزی۔

"ایک بار میرے ہاتھ کھول کر دیکھو پھر بتاتی ہوں تمہیں ڈر کسے کہتے ہیں"

موسیٰ مسکرایا جیسے کسی بچے کی ضد پر دل بہل گیا ہو۔

تبھی کمرے کی فضا میں علی کی آواز گونجی جواب غصے سے تلملا رہا تھا۔

"موسیٰ صاحب جو بھی کہنا ہے زبان سے کہیے ہاتھوں کو کنٹرول میں رکھیے"

موسیٰ نے علی کی طرف دیکھا ایک پل کے لیے اُس کی مسکراہٹ معدوم ہوئی، لیکن پھر وہ سیدھا ہو کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا گیا۔

"ریلیکس مسٹر علی ابھی تو صرف گفتگو ہو رہی ہے ہاتھ اگر واقعی چلانے پڑے تو وہ بھی وقت پہ ہو گا"

فاطمہ نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔

"تمہیں لگتا ہے یہ سب کر کے تم جیت رہے ہو تم بس وقت ضائع کر رہے ہو موسیٰ یاد رکھنا کچھ لوگ قید میں بھی آزاد ہوتے ہیں اور کچھ ظالم اپنی حویلیوں میں بھی غلام"

کمرے میں لمحہ بھر کو خاموشی چھاگئی ایک کشمکش کی جو زبان سے نہیں آنکھوں سے لڑی جارہی تھی۔

کمرے میں ہوا رُک چکی تھی جیسے درودیوار بھی سہم کر خاموش ہو چکے ہوں بوسیدہ دیواروں پر زرد بلب کی تھرتھراتی روشنی ایک سایہ بنتی اور مٹتی جارہی تھی۔ فاطمہ، علی اور سامیہ رسیوں میں جکڑے فرش پر بیٹھے تھے زخموں سے نہیں خوف اور بے بسی سے تھکے ہوئے۔

موسیٰ آہستہ آہستہ کرسی سے اٹھا اُس کے قدم نرم تھے، لیکن لہجہ وہ زہر سے لبریز تھا۔

"پہلی بات تو یہ مس فاطمہ مجھے آپ کہا کریں 'تم' کہنے کا حق آپ نے کبھی کمایا نہیں"

یہ کہتے ہوئے وہ جھک کر فاطمہ کے بازو کو سختی سے پکڑتا ہے۔ فاطمہ فوراً اُس کی گرفت سے خود کو پیچھے کھینچنے کی کوشش کرتی ہے۔

"میں نے کہا نا اُس سے دور ہو کر بات کرو" علی نے غصے سے چیخ کر احتجاج کیا رسیوں میں جکڑی بے بسی اُس کے لہجے سے چھلک رہی تھی۔

موسیٰ کی پیشانی پر ہلکی سی تیوری آئی۔ اُس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

"اسماعیل اِس کے منہ پر ٹیپ لگا دو"

دروازے سے فوراً اسماعیل داخل ہوا۔ وہ چپ چاپ آگے بڑھا لیکن جیسے ہی ٹیپ علی کے منہ پر رکھنی چاہی موسیٰ کی سخت آواز ایک بار پھر گونجی۔

"ٹیپ سے پہلے ایک ڈوز بھی دو"

پھُڑاک اسماعیل کا گھونسہ علی کی گال پر بجلی کی طرح گرا۔

"آہ! کیوں مار رہے ہو اُسے تم ذلیل انسان" فاطمہ نے غصے سے دانت پیستے ہوئے چیخ کر کہا۔

"اسماعیل ایک اور مکا"

"نہیں" فاطمہ نے ایک لمحے کی تاخیر کے بعد چیخ کر کہا۔

"اوکے میں آپ کہوں گی آپ کہوں گی پلیز اُسے مت مارو"

موسیٰ نے سر ہلایا جیسے کسی شاطر شطرنج باز نے اگلا قدم کامیابی سے بڑھالیا ہو۔

"تمہاری میڈم کافی سمجھدار ہے" اُس نے پلٹ کر اسماعیل کو اشارہ کیا کہ رک جائے۔

موسیٰ دوبارہ فاطمہ کے قریب آیا اور نظریں اُس کی آنکھوں میں گاڑ کر بولا۔

"مس فاطمہ آپ کو مجھ سے ابھی اور یہیں نکاح کرنا ہے اور ہاں رضامندی ہو یا نہ ہو نکاح ہو گا"

فاطمہ نے پہلے اُس کی بات پر بے یقینی سے آنکھیں پھیلائیں پھر تمسخر سے ہنسی۔

"میں یہاں بیٹھے بیٹھے مر جاؤں گی لیکن یہ نکاح نہیں کروں گی اگر آپ موسیٰ ہیں تو یاد رکھیں سامنے فاطمہ ابراہیم بیٹھی ہے"

"آئی لائک یور ایٹیٹیوڈ" موسیٰ مسکرایا "مگر ہو گا وہی جو میں چاہوں گا اسماعیل مولوی صاحب کو اندر لے آؤ"

"بکواس بند کرو" فاطمہ اب چیخنے لگی تھی "میں نے کہا نہ یہ شادی نہیں ہو گی"

"شادی نہیں صرف زرا سا نکاح" موسیٰ ہنستا ہوا کرسی سے اٹھا جیسے اُسے فاطمہ کی چیخوں سے محض تفریح مل رہی ہو۔

"پھر بھی نہیں کروں گی" فاطمہ نے دہرایا۔

موسیٰ نے گہری سانس لی علی کے قریب جا کر اُس کے منہ سے ٹیپ اتاری۔

"سوچ لو آخری موقع ہے"

"میری طرف سے صاف انکار ہے" فاطمہ کا لہجہ ابھی بھی مضبوط تھا۔

موسیٰ نے انگلیاں گننی شروع کیں۔

"ایک دو تین چار پانچ"

پانچ پر پہنچتے ہی اچانک چیخیں کمرے میں گونج گئیں۔

"آہ۔۔۔ میری انگلیاں" علی زمین پر تڑپ اٹھا۔ موسیٰ اُس کا ہاتھ مروڑتے ہوئے پہلی دو انگلیاں توڑ دی۔۔۔۔اب تیسری کی چیخ پورے کمرے میں گونجی۔

"علی علی علییییی!" فاطمہ اور سامیہ کی چیخیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ اُن کی آنکھیں وحشت سے بھر گئیں سامیہ رو پڑی فاطمہ کی آواز بھی کانپنے لگی۔

"مس فاطمہ آخری بار پوچھ رہا ہوں نکاح منظور ہے یا تم ابھی بھی اسے یوں تڑپتا دیکھو گی یقین کرو اگر اب تمہاری طرف سے انکار ہوا جان سے مار دو گا اس کو"

علی مسلسل درد سے چیخ رہا تھا۔ دوست کمزوری ہوتے ہے یہ بات آج اُسے سمجھ آگئی تھی۔

فاطمہ جواب تک اپنی جرأت کا لبادہ اوڑھے بیٹھی تھی آخر کار ٹوٹ گئی اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور گردن خود بخود جھک گئی۔

"میں تیار ہوں" وہ روہانسی آواز میں بولی۔

"میں اس نکاح کے لیے تیار ہوں"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ صرف فاطمہ کے آنسو علی کی کراہیں اور موسیٰ کی جیت کی خاموش چمک باقی رہ گئی۔

کمرے کے ایک کونے میں مولوی صاحب بیٹھے تھے جنہیں بغیر کسی سوال کے یہاں لایا گیا تھا۔ اُن کے سامنے ایک سادہ سا نکاح نامہ رکھا ہوا تھا قلم اُس کے

اوپر رکھا تھا جیسے خود بھی خوفزدہ ہو کہ کس کلمے پر زبردستی کے دستخط ہونے جا رہے ہیں۔

فاطمہ کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا آنکھیں سرخ، آنسو آنکھوں کے کنارے جم گئے تھے۔ ہاتھ ابھی تک رسیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ وہ خاموش بیٹھی تھی جیسے اندر سے ٹوٹ چکی ہو لیکن چہرے پر اب بھی تھوڑی سی سختی باقی تھی۔

مولوی صاحب نے ہچکچاتے ہوئے سوال کیا۔

"بیٹی نکاح قبول ہے"

فاطمہ نے نگاہیں اٹھا کر موسیٰ کی طرف دیکھا جو اُس کے سامنے کرسی پر ایسے بیٹھا تھا جیسے وہ یہ سب صرف تماشے کے لیے کر رہا ہو۔ لمحے بھر کی خاموشی کے بعد فاطمہ کی آواز نکلی مدھم مگر واضح تھی۔

"قبول ہے"

مولوی صاحب نے پھر دہرا کر پوچھا دوسرا اور تیسرا بار بھی اور ہر بار فاطمہ کی آواز اور دل تھوڑا اور مرجھاتا گیا۔

"قبول ہے"

مولوی صاحب نے موسیٰ کی طرف دیکھا جو چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ لیے بولا

"قبول ہے"

مولوی صاحب نے نکاح نامے کی طرف اشارہ کیا۔

"دستخط کروا دیجیے بیٹی سے"

یہ سنتے ہی موسیٰ اُٹھا نکاح نامہ اُٹھا کر فاطمہ کے سامنے لایا اور قلم اُٹھا کر بولا۔

"آیئے بیگم اب دستخط بھی کر دیجیے"

فاطمہ نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا پھر اپنے بندھے ہاتھوں کو دکھاتے ہوئے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کیا منہ سے سائن کروں ہاتھ کھول دو میرے"

ایک پل کو موسیٰ ساکت رہا پھر ہنسا۔

"اوہ معذرت بیگم ابھی کھول دیتے ہے"

اُس نے اشارہ کیا اور اسماعیل آگے بڑھ کر فاطمہ کی کلائیوں سے رسی کھولنے لگا۔

رسی کھلتے ہی فاطمہ نے درد سے ہاتھ جھٹک کر آزاد کیا——رسیوں نے نشان چھوڑ دیے تھے لیکن اُس کی ہتھیلی ابھی بھی کانپ رہی تھی۔

موسیٰ نے خاموشی سے قلم آگے بڑھایا۔ فاطمہ نے قلم پکڑا ہاتھ رو رہا تھا لیکن وہ پھر بھی لرزتے ہاتھوں سے دستخط کر گئی۔

مولوی صاحب نے نکاح مکمل ہونے کا اعلان کیا لیکن کمرے میں کوئی خوشی نہ تھی نہ مبارکباد نہ مسکراہٹ صرف جبر کی خاموش گونج اور اک زبردستی کا رشتہ۔

موسیٰ آہستگی سے جھک کر فاطمہ کے کان کے قریب آیا۔

"مبارک ہو مسز موسیٰ شیر خان"

فاطمہ نے رخ موڑ لیا۔ اُس کے چہرے پر ایک سرد ہنسی تھی۔ وہ قید تو ہو گئی تھی مگر مکمل شکست ابھی نہیں مانی تھی۔

شام کی مدھم روشنی کمرے میں اُتر چکی تھی۔ دیوار پر لگی گھڑی کی سوئیاں چھ بجا چکی تھیں لیکن فضا میں گھڑی کی ٹک ٹک کے سوا کچھ نہ تھا۔ لاؤنج میں ایک ہلکی اداسی چھائی ہوئی تھی۔

علشبہ بیگم نے آہستہ سے ٹیبل پر چائے کی ٹرے رکھی اور کپ ابراہیم صاحب کے سامنے رکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولیں۔

"ابراہیم فاطمہ ابھی تک گھر نہیں آئی میں کئی بار کال کر چکی ہوں مگر وہ ریسیو ہی نہیں کر رہی"

ابراہیم صاحب جو اخبار کے ورق پلٹ رہے تھے چونک کر رُک گئے۔ ایک نظر سامنے دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا۔

"چھ بجے ہیں آجائے گی دوستوں کے ساتھ گئی ہے تھوڑا وقت لگ گیا ہو گا"

علشبہ بیگم اُس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گئی۔

"پچھلی بار بھی تو گئی تھی تب تو جلدی آگئی تھی اب تو اُس کا فون بھی بند جا رہا ہے دل گھبرا رہا ہے میرا"

ابراہیم صاحب نے چائے کا کپ اُٹھایا مگر چسکی لینے سے پہلے رک گئے اُن کے چہرے پر اب کچھ فکر کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔

"آجائے گی علشبہ۔ بچی ہے شاید فون کی بیٹری ختم ہو گئی ہو تم پریشان مت ہو"

مگر دونوں کے درمیان بیٹھا سکوت شام کی گہری ہوتی روشنی اور فون کی مسلسل خاموشی ایک الگ ہی کہانی سُنا رہے تھے۔

* * *

مولوی صاحب جیسے ہی "نکاح مکمل ہوا" کہہ کر باہر نکلے کمرے کی فضا میں ایک عجیب سی کشش اور چنگاری پھیل گئی۔

فاطمہ جس کے ہاتھ ابھی ابھی کھولے گئے تھے تڑپ کر موسیٰ کی طرف بڑھی۔

اُس کے چہرے پر غصہ تھا آنکھوں میں نفرت اور زبان پر بے بسی کا زہر۔

"آپ کو کیا لگتا ہے آپ جیت گئے" وہ موسیٰ کے سینے پر مکے مارتے ہوئے چلائی "یہ سب زبردستی ہے"

موسیٰ نے اُسے نرمی سے قابو کرتے ہوئے بازو سے تھاما اور اسماعیل کو دیکھا۔

"اسماعیل میڈم کے دونوں دوستوں کو اُن کے گھر چھوڑ آؤ اپنی بیگم کو تو میں خود چھوڑوں گا"

فاطمہ اُس کے ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی، مسلسل ہاتھ پیر چلا رہی تھی۔

"میں کہیں نہیں جا رہی آپ کے ساتھ میں سامیہ اور علی کے ساتھ جاؤں گی"

سامیہ جو خود صدمے سے ابھی تک سنبھل نہ سکی تھی آہستہ سے بولی

"فاطمہ ہمارے ساتھ جائے گی پلیز موسیٰ چھوڑ دو اُسے"

موسیٰ نے سامیہ کو ایک نظر دیکھا، پھر اشارہ کیا۔

"اسماعیل لے جاؤ دونوں کو"

اسماعیل نے جھک کر سامیہ اور علی کو سہارا دیا۔ علی کے ہاتھ کی انگلیاں اب بھی سوجی ہوئی تھیں درد ہر زاویے سے ٹپک رہا تھا۔ وہ دونوں جاتے جاتے پیچھے پلٹے لیکن فاطمہ کی نظر موسیٰ پر جمی ہوئی تھی۔

"آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے" فاطمہ دانت پیستے ہوئے چلائی۔

"تم انسان کہلانے کے لائق نہیں"

موسیٰ اُس کی چیخوں پر مسکرایا۔ اُس کی مسکراہٹ میں فتح کا غرور اور زہر بھرا سکون تھا۔

"میں سب کچھ کر سکتا ہوں بیگم"

"اللہ کرے جو میرے ساتھ کر رہے ہو وہ سب تمہاری بہن کے ساتھ ہو"

فاطمہ نے نفرت سے اُسے بد دعا دی۔

موسیٰ کا چہرہ پل میں سنجیدہ ہو گیا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹا فاطمہ کا ہاتھ چھوڑ کر خود چیئر پر بیٹھ گیا۔

"میری تو کوئی بہن ہے ہی نہیں لڑکی"

"تو بد دعا تھوڑی چینج کر و"

فاطمہ نے پل میں اُسے غصے سے گھورا اور فوراً پھنکار کر بولی۔

"اللہ کرے یہ سب تمہاری کی بیٹی کے ساتھ ہو"

یہ سنتے ہی موسیٰ نے آہستہ سے سر جھکایا پھر نظریں اُٹھائیں۔ وہ جھکا اُس کے چہرے کے قریب آیا

"اب تم ہماری بیٹی کو ایسے کہو گی"

ایک لمحے کو فاطمہ کا چہرہ سُرخ ہوا یہ شرم نہیں تھی یہ غصہ تھا شدید غصہ مگر موسیٰ نے اُسے غلط سمجھا وہ اُسکے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا۔

"شرما رہی ہو کیا ویسے جب شرماتی ہو تو اور بھی خوبصورت لگتی ہو"

فاطمہ نے جل کر اُس کے بازو پر زور سے چٹکی کاٹی۔

"پتہ نہیں کتنے لوگ مرے ہوں گے تب جا کر تم جیسا پیدا ہوا"

موسیٰ ہنسا اُسکی بات پر نہیں اُس کی ضد پر۔

"کوئی تین سو چار سو بندہ تو کنفرم مرا ہو گا اتنا مجھے یقین ہے اپنی صلاحیت پر"

موسیٰ اُسکو مزید تپانے والے انداز میں بولا۔

"بیگم چلیے آپ کو گھر چھوڑ دوں، اِس سے پہلے میرے سسرال والے پریشان ہو جائیں"

یہ کہتے ہوئے اُس نے شرارت سے آنکھ ماری اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔

پیچھے فاطمہ کھڑی تھی آنکھوں میں آنسو ہونٹوں پر کڑواہٹ اور دل میں ایک وعدہ اب یہ جنگ اُس کی نہیں رہی اب یہ بدلے کی کہانی ہے۔

ـــ

کمرے میں ہلکی سی مدھم روشنی تھی۔ کونے میں جائے نماز اب بھی بچھی ہوئی تھی جس پر کچھ لمحے قبل روما سجدے میں ٹوٹ کر بکھری تھی۔ وہ آہستگی سے سجدہ سمیٹ رہی تھی جب دروازے کے قریب کسی کے کھڑے ہونے کا

احساس ہوا۔ پلٹ کر دیکھا—ماہ جبین بیگم دروازے کے قریب کھڑی تھیں، خاموش اور نڈھال سی۔

"ماں آپ یہاں کیا کر رہی ہیں" روما نے حیرانی سے پوچھا آنکھوں میں نمی ابھی باقی تھی۔

"روما اِدھر آؤ میرے پاس بیٹھو"

ماہ جبین بیگم نے نرمی سے اُس کا بازو تھام کر اُسے بیڈ پر بٹھایا ان کے چہرے پر ایک چھپی چھپی سی فکر تھی۔

"تمہارے بابا نے بتایا تھا کہ ابھی موسیٰ اور تمہاری شادی نہیں ہو سکتی تو میں نے سوچا تمہیں خود بتا دوں بیٹا"

وہ نظریں چراتے ہوئے بولیں جیسے سچ بولنے میں بھی درد محسوس ہو رہا ہو۔

روما نے ماں کا ہاتھ تھاما۔

"ماں اب ہماری شادی کبھی نہیں ہو سکتی"

ماہ جبین بیگم نے فوراً کچھ کہنا چاہا۔

"بیٹا میری بات سنو"

مگر روما نے تھکے ہوئے لہجے میں بات کاٹ دی۔

"مجھے سب پتہ ہے ماں آج وہ نکاح کرنے گیا ہے"

ایک پل کو کمرے کی فضا جیسے منجمد ہو گئی۔ ماہ جبین بیگم کی آنکھیں پُر نم ہو گئیں اور روما کی آواز میں ٹوٹ پھوٹ چھلکنے لگی۔

"ماں محبت نہیں ہونی چاہیے ایسے انسان سے جو آپ سے نفرت کرتا ہو"

وہ آہستہ آہستہ ماں کی گود میں اپنا سر رکھ چکی تھی۔

ماہ جبین بیگم نے اُسے گود میں لے کر نرمی سے سر سہلایا جیسے وہ پھر سے بچپن کی روما بن گئی ہو وہی جسے دکھ سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

روما کی آواز میں اب تھکن اور گہری چوٹ کا امتزاج تھا۔

" محبتیں بھولانا بڑا مشکل کام ہے امی بہت مشکل "

اُس کی آواز لرز گئی آنکھوں سے ٹپکتے آنسو ماہ جبین کے دوپٹے میں جذب ہو گئے۔

"کیا بہت محبت کرتی ہوں موسیٰ سے "

ماہ جبین کے لب ہلے مگر وہ کچھ بول نہ سکیں صرف اُس کے سر پر تھپکی دیتی رہیں۔

"محبت میں کم زیادہ حیثیت وقت یہ سب معنی نہیں رکھتا وہ تو بس ہو جاتی ہے اور پتہ ہی نہیں چلتا کتنی محبت ہے پتہ تب چلتا ہے جب زخم ملتا ہے محبت میں ملا زخم بڑا گہرا ہوتا ہے زخم بھر بھی جائے تو خون رستا رہتا ہے "

یہ کہتے کہتے روما کی آواز مدھم پڑنے لگی۔ غم کی تھکن دعاؤں کا بوجھ اور بے وفائی کا درد اُسے آہستہ آہستہ نیند کی طرف لے جا رہا تھا ایک ایسی نیند جو پچھلے کئی دنوں سے اُس کی آنکھوں سے روٹھ گئی تھی۔

ماہ جبین بیگم اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے آہستہ آہستہ دُعائیں پڑھتی رہیں شاید وہ دعا کسی واپس پلٹ آنے والی خوشی کے لیے تھی یا پھر ٹوٹے دل کے مرہم کے لیے۔

رئیسہ بدر خان وکیل کے دفتر میں بیٹھی تھی کمرے میں نیم اندھیرا ساماحول تھا۔ کھڑکی کے پردے پوری طرح گرے ہوئے تھے اور کمرے میں صرف میز پر رکھی ٹیبل لیمپ کی روشنی پھیل رہی تھی کمرے کی گھمبیر فضا میں ایئر فریشنر کی ہلکی خوشبو تیر رہی تھی لیکن اس وقت رئیسہ کے اندر کی بے چینی کسی خوشبو سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔

سامنے بیٹھے وکیل صاحب کا چہرہ جیسے پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ اُنہوں نے بار بار ماتھے پر رومال پھیرا اور ہچکچاتی آواز۔

"میڈم یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ایسا پوسیبل نہیں ہے"

رئیسہ نے ناک چڑھاتے ہوئے ایک نظر اُن پر ڈالی جیسے اُن کی کمزوری سے شدید کوفت ہو رہی ہو۔ اُس نے پرس کھولا اندر سے ایک چیک نکالا اور میز پر رکھ دیا پانچ لاکھ کا چیک۔

"کیوں پوسیبل نہیں مجھے فیک نکاح نامہ چاہیے آپ جتنے کہیں گے اُس سے زیادہ دوں گی بس کام ہو جانا چاہیے"

چیک دیکھ کر وکیل صاحب کی آنکھوں میں ایک چمک سی اُبھری۔ وہ ہلکی سی مسکراہٹ دبا کر بولے۔

"میڈم آپ کا کام ہو جائے گا۔ کب تک چاہیے"

"ون ویک" رئیسہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولی اُس کا لہجہ کسی ڈکٹیٹر سے کم نہ تھا۔

"میم مل جائے گا" وکیل صاحب نے چیک تھامتے ہوئے یقین دلایا۔

رئیسہ نے سر ہلایا، پرس بند کیا آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھی۔ اُس کے قدم پُراعتماد تھے۔ اُس نے سن گلاسز آنکھوں پر چڑھائے، گردن اکڑا کر دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اُس کے جوتوں کی چاپ لکڑی کے فرش پر واضح گونجتی تھی جیسے کسی خفیہ کھیل کی شروعات ہو چکی ہو۔

شام کے سائے ہر طرف خاموشی سے پھیل رہے تھے۔ آسمان پر سرمئی رنگ کا غلاف چڑھ چکا تھا۔ سڑک پر کبھی کبھار گزرتی گاڑی کی روشنی لمحہ بھر کے لیے اندھیرے کو چیرتی، مگر فاطمہ کی دنیا تو ویسے ہی ویران ہو چکی تھی۔

گاڑی کے اندر صرف ایک ہی آواز گونج رہی تھی فاطمہ کی دبتی ہوئی ٹوٹتی سسکیاں۔

موسیٰ خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا چہرے پر وہی سختی وہی بے نیازی، جیسے ساتھ بیٹھی لڑکی کی حالت کا اُسے رتی برابر احساس نہ ہو۔ اچانک اُس کی آواز سُن کر چھنجھلا گیا۔

"تم تھوڑی دیر کے لیے چُپ کرو گی میرے کانوں میں درد ہو رہا ہے اب"

فاطمہ نے آنکھوں سے آنسو صاف کیے لیکن موسیٰ کی بات کو مکمل نظرانداز کیا

"مجھے نکاح نامہ چاہیے"

موسیٰ نے ایک تیز نظر اُس پر ڈالی۔

"کس کا نکاح نامہ؟" طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے بولا۔

"ہمارا نکاح نامہ" فاطمہ دانت پیس کر سخت لہجے میں گویا ہوئی۔

"اچھا وہ تو میں نے پھاڑ دیا" موسیٰ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے اور نظریں سڑک پر گاڑ دیں۔

فاطمہ کا صبر جواب دے گیا۔ اُس نے غصے سے ڈیش بورڈ پر ہاتھ مارا۔

"کیا بکواس ہے یہ"

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کیا بکواس ہے یہ" موسیٰ نے بے حد سکون سے جواب دیا۔

"میری پندرہ دن بعد شادی ہے" فاطمہ کی آواز بے بسی اور بے قراری سے لرز گئی۔

موسیٰ نے ایک قہقہہ سا لگایا۔

"او! بہت بہت مبارک ہو مس فاطمہ" اُس کے لہجے میں زہر چھپا تھا۔

"مجھے نکاح نامہ چاہیے موسیٰ" فاطمہ کی آخری امید بھی لرزتی آواز کے ساتھ نکل گئی۔

"پھاڑ دیا" موسیٰ نے وہی الفاظ دہرائے جیسے اُسے اذیت دے کر سکون آ رہا ہو۔

فاطمہ اب رو نہیں رہی تھی اُس کی آنکھیں خشک تھیں مگر اندر کا طوفان باہر نکلنے کو تھا۔

"میں اب شادی نہیں کر سکتی موسیٰ نکاح پر نکاح نہیں ہوتا مجھے وہ نکاح نامہ اپنے والدین کو دکھانا ہے سمجھے تم" اُس کی آواز لرز رہی تھی مگر عزم اُس میں صاف تھا۔

موسیٰ نے گاڑی مین روڈ پر ڈال دی چہرہ سخت آنکھوں میں چنگاریاں۔

"اب کیا دکھاؤ گی مس فاطمہ نکاح نامہ تو ہے نہیں اور بیوی میں تمہیں مانتا نہیں"

فاطمہ نے ایک لمحے کو اُسے دیکھا

"اگر تم یہ نکاح نہیں مانتے تو میں بھی نہیں مانتی اب میں تمہیں شادی کر کے دکھاؤں گی بالکل ٹھیک کہا تم نے نہ نکاح ہوا نہ نکاح نامہ سب ختم"

موسیٰ کا چہرہ تپش سے لال ہونے لگا۔ اُس نے اچانک گاڑی روک دی اور غصے سے فاطمہ کی بازو دبوچتے ہوئے چیخ پڑا۔

"مجھ سے گیم مت کھیلو فاطمہ "

فاطمہ نے جھٹکے سے اُسکا گریبان پکڑ لیا۔ آنکھوں میں آنسو نہیں صرف جنگ تھی۔

"میری یہ مجال موسیٰ"

گاڑی اب بھی سڑک پر تھی لیکن اُن دونوں کے درمیان جیسے دھواں اٹھ چکا تھا چلتی گاڑی میں صرف دو دشمن بیٹھے تھے محبت اور انتقام۔

گاڑی جیسے ہی ایک سُنسان سڑک پر رکی فاطمہ نے فوراً دروازہ کھولا موسیٰ نے بازو سے پکڑنے کی کوشش کی لیکن فاطمہ نے جھٹکے سے خود کو چھڑایا۔

"اب بس کرو، موسیٰ" وہ چیخ پڑی "میری زندگی تمہارے ہاتھ کا کھلونا نہیں"

"تم ابھی گاڑی سے نہیں اُترو گی" موسیٰ نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی۔

فاطمہ ایک قدم پیچھے ہوئی آنکھوں میں آگ تھی۔

"کوئی بات نہیں کرنی مجھے تم جیسے آدمی سے اب نکاح کا ثبوت نہیں بس دوری چاہیے"

"دوری" موسیٰ نے طنز سے قہقہہ لگایا" وہ بھی تم جس نے لائیو شو میں میری عزت کا جنازہ نکال دیا"

فاطمہ کا چہرہ یکدم سنجیدہ ہو گیا جیسے وہ لمحہ یاد آ گیا ہو جو سب کچھ بدل گیا تھا۔

"وہ میرے پروفیشنل سوال تھے تم نے اُسے ذاتی بنالیا"

"سوال وہ سوال نہیں تھے تمہاری سازش تھی تمہیں لگا تم ایک سوال سے میرے سالوں کا کیریئر تباہ کردو گی" موسیٰ چیخ پڑا۔

"میں نے سچ پوچھا تھا" فاطمہ کی آواز بلند ہو گئی۔

"اور میں نے سچ میں تمہیں سزا دی" موسیٰ کی آنکھیں دہکنے لگیں۔

"اب جو میں کہوں گا وہی ہو گا۔ تم میری ہو اور تمہیں وہی کرنا ہو گا جو میں چاہوں گا" اُس نے بیوی کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔

"نہیں میں کچھ نہیں کروں گی تم نہ میرے شوہر ہو نہ مرد کہلانے کے لائق" فاطمہ نے چلا کر کہا۔

موسیٰ کا ضبط ٹوٹنے کے قریب تھا لیکن اُس نے ہونٹ بھینچے۔

"تم اب کھیل کے آخری موڑ پر ہو فاطمہ یا تو جھک جاؤ یا خود کو ختم ہوتے دیکھو"

فاطمہ نے ایک نظر اُس کی آنکھوں میں جھانکا وہاں دکھ غصہ اور زخموں کی ایک تاریخ چھپی تھی۔

"جس دن سے تم نے یہ جنگ ذاتی بنائی اُسی دن میں نے سب کچھ کھو دیا تھا موسیٰ"

وہ کہہ کر تیزی سے گاڑی سے اُتر گئی دروازہ زور سے بند کیا اور تیز قدموں سے سڑک پر آگے بڑھ گئی۔

موسیٰ خاموشی سے اُسے جاتا دیکھتا رہا لیکن اندر ہی اندر وہ جان چکا تھا فاطمہ اب صرف ایک عورت نہیں وہ اُس انا کا آئینہ ہے جس نے اُسے کبھی شکست دینا سکھایا ہی نہیں تھا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی فاطمہ کو ایک مانوس سی خوشبو نے گھیر لیا موتیے اور حنا کی ملی جلی خوشبو جیسے وہ کسی تہوار میں آگئی ہو لیکن اُس کا چہرہ بجھا ہوا تھا آنکھیں سوجی ہوئی اور دل جیسے سینے میں دھڑکنے سے انکاری ہو۔

جیسے ہی وہ لاؤنج کے دروازے پر پہنچی سامنے صوفے پر بیٹھی حفصہ بیگم نے اُسے دیکھ لیا اُن کے چہرے پر چمکتی خوشی کسی معصوم ماں کی طرح بے حد خالص تھی۔

"ارے میری بیٹی آگئی" حفصہ بیگم نے چمکتے لہجے میں کہا۔

"جلدی آؤ یہاں میں تمہارے لیے مایوں کا جوڑا لے کر آئی ہوں"

فاطمہ ایک لمحے کے لیے وہیں رُک گئی جیسے کسی انجانے خوف نے اُس کے قدم جکڑ لیے ہوں وہ کچھ بولنا چاہتی تھی پر زبان جیسے منجمد ہو گئی۔

"ارے بیٹا آؤ نا" علشبہ بیگم نے بھی نرمی سے پکارا فاطمہ کے چہرے کی سفیدی اور لرزتے ہونٹ اُن سے چھپ نہ سکے مگر انہوں نے اپنے شک کو دعا میں بدل دیا۔

"جی ماما" فاطمہ بمشکل لب ہلا سکی اور آہستگی سے قدم اٹھاتے ہوئے حفصہ بیگم کے پاس پہنچی۔

حفصہ بیگم نے ایک خوبصورت کڑھائی والا پیلا دوپٹہ نکالا اور اُس کے سر پر رکھا جیسے کسی شہزادی کو تاج پہنایا جا رہا ہو۔

"ارے اماں بی اور علشبہ دیکھو تو مایوں کا دوپٹہ کتنا پیارا لگ رہا ہے فاطمہ تم میرے سیام کے لیے ہی بنی تھی" اُن کے چہرے پر ممتا کی چمک تھی۔

"اللہ میرے بچوں کو ہمیشہ خوش رکھے"

"آمین آمین" اماں بی اور علشبہ بیگم نے زیرِ لب کہا۔ اور فاطمہ نے بے اختیار آنکھیں جھکا لیں۔ دل کی دھڑکن جیسے رُک سی گئی تھی۔

اسی لمحے حفصہ بیگم نے ایک خوبصورت پیک ٹوکری اُس کے سامنے کی۔ اس پر سرخ و سنہری رنگ کا ریشمی کپڑا لپٹا ہوا تھا۔

"فاطمہ یہ سامان سیام نے تمہارے لیے بھیجا ہے ہم میں سے کسی کو نہیں پتا اس میں کیا ہے بس یہ کہہ رہا تھا 'امی یہ فاطمہ کو دینا ہے وہ خود کھولے گی'"

فاطمہ نے ٹوکری تھامی جیسے وہ کسی دھماکے سے بھرا راز ہو اُس کے اندر خوف بھی تھا اشتیاق بھی اور گہرے سوال بھی۔

"میں میں روم میں جا کر کھولوں گی" وہ بمشکل اتنا کہہ سکی۔

"ہاں بیٹا جاؤ تھک گئی ہو گی آرام کرو" حفصہ بیگم نے محبت سے اُس کے گال پر ہاتھ پھیرا۔

فاطمہ خاموشی سے چلتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ ہاتھ میں وہ پیک ٹوکری تھی دل میں بے چینی کا سمندر اور دماغ میں موسیٰ کی آوازیں گونج رہی تھیں——

"نہ نکاح نامہ ہے نہ بیوی مانتا ہوں"

لیکن اب جو ہونا تھا وہ اُس کے ہاتھ سے نکل کر کسی اور کہانی کا آغاز بننے جا رہا تھا۔

حویلی کے لمبے، خاموش راہداریوں میں ایک آواز مسلسل گونج رہی تھی۔

"ماں ماں یار سُن لے مجھے"

مرحا ہال سے کچن کی طرف بھاگتی ہوئی بار بار آوازیں دے رہی تھی لیکن ماہ جبین بیگم کسی مصروفیت میں اتنی مگن تھیں کہ اُنہیں سنائی ہی نہ دیا۔

"ماں میری لونا نہیں مل رہی پوری حویلی چیک کر لی ہے کہیں نہیں ہے"

مرحا کی آواز اب بے بسی میں ڈھل گئی تھی اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے، جیسے وہ کوئی کھلونا نہیں، بلکہ دل کا ٹکڑا کھو بیٹھی ہو۔

ماہ جبین بیگم نے سرسری سی نظر مرحا پر ڈالی اور خفگی سے بولیں۔

"ادھر ہی ہو گی مرحا مجھے تنگ مت کرو تمہارے بابا کے لیے قہوہ بنا رہی ہوں جاؤ ڈھونڈو خود"

"اچھا دیکھتی ہوں ایک بار پھر"

مرحا نے ہار نہ مانتے ہوئے آہ بھری اور حویلی سے باہر لان کی طرف بڑھ گئی۔

لان کی گھاس ہلکی ہوا میں لہرا رہی تھی۔ سورج کی شعاعیں درختوں کے پتوں سے چھن کر زمین پر سنہری چمک بکھیر رہی تھیں۔ مرحا لان کے بیچ کھڑی ہو کر آواز لگانے لگی۔

"لونا کہاں ہو یار کب سے ڈھونڈ رہی ہوں"

اُس کی نظریں اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں جیسے کسی قیمتی چیز کی تلاش ہو۔

"مالی بابا"

وہ باغیچے میں پانی دیتے بزرگ مالی کی طرف بھاگی۔

"لونا کو دیکھا ہے میری بلی"

مالی بابا نے ہاتھ کا ہلکا سا ماتھے پر ہاتھ مارا پھر کہا۔

"بیٹی اُسے تو میں نے سرونٹ کوارٹر کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ آرام سے چل رہی تھی"

"اوہ شکریہ مالی بابا"

مرحا نے شکریہ ادا کیا اور ننگے پاؤں ہی گھاس پر دوڑتی ہوئی سرونٹ کوارٹر کی طرف بھاگ نکلی۔

مرحا سرونٹ کوارٹر کی طرف تیز قدموں سے جارہی تھی، سانس چڑھی ہوئی ماتھے پر پسینہ اور آنکھوں میں بے چینی تھی۔ لونا اُس کی بلی نہیں تھی اُس کا مان اُس کی بچپن کی ساتھی تھی۔

دروازہ کھلا تھا۔ وہ اندر گھسی تو سامنے کا منظر دیکھ کر وہیں ٹھٹک گئی۔

اسماعیل آرام سے بستر پر نیم دراز تھا اور اُس کی پیاری لونا اُس کے سینے پر سکون سے بیٹھی تھی۔

مرحا کا پارہ چڑھ گیا۔

"یہاں تھی تُم" وہ لونا کی طرف لپکی پھر اسماعیل پر نظریں گاڑتے ہوئے غصے سے بولی۔

"تم نے لونا کو کمرے میں بند کر رکھا تھا کیا حق تھا تمہیں"

اسماعیل حیران ہو کر سیدھا ہوا۔

"ارے نہیں میں نے کچھ نہیں کیا یہ خود ہی آگئی"

"ہاں خود ہی آگئی اور تم نے اسے واپس کیوں نہیں کیا تمہیں اندازہ ہے میں کتنی پریشان ہو گئی تھی" مرحا کی آواز اونچی ہو گئی تھی جیسے اُس کی آنکھوں سے آنسو کسی پل گرنے ہی والے ہوں۔

اسماعیل نے نرمی سے کہا۔

"مرحا بی بی میں نے واقعی کچھ نہیں کیا یہ یہاں آئی سیدھا میرے پاس آکر لیٹ گئی میں نے تو سوچا شاید روز آتی ہے آج میری موجودگی میں شاید پہلی بار آئی ہے "

"روز ہونہہ" مرحا نے بلی کو گود میں اٹھایا" یہ صرف میرے پاس آتی ہے کسی اور کو منہ بھی نہیں لگاتی پر آج"

اچانک اُس کی آواز بند ہو گئی جیسے خود کو شرمندگی کا احساس ہوا ہو۔ اُس نے لونا کو سینے سے لگایا اور ایک لمحہ خاموش رہی۔ پھر گہری سانس لے کر دھیرے سے بولی۔

"سوری مجھے نہیں چلانا چاہیے تھا میں بس بہت گھبرا گئی تھی"

"کوئی بات نہیں محبت میں کبھی کبھی آواز اونچی ہو جاتی ہے" اسماعیل نے دھیرے سے مسکرا کر کہا۔

مرحا نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"محبت بلی سے"

"نہیں بلی سے نہیں آپ کی فکر سے"

اسماعیل نے مدھم آواز میں کہا اور فضا ایک لمحے کو خاموش ہو گئی۔

مرحا نے جلدی سے رُخ موڑا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو

"ٹھیک ہے لو نا مل گئی اب میں جا رہی ہوں"

" کبھی کبھی لگتا ہے بس تم جانے کے لیے ہی آتی ہوں"

مرحا نے دروازے سے نکلتے ہوئے سر جھٹکا لیکن اُس کے چہرے پر ہلکی سی شرمندہ سی مسکراہٹ ضرور اُبھری تھی۔

جیسے ہی فاطمہ کمرے میں داخل ہوئی اُس کے ہاتھوں میں تھما ہوا سیام کا دیا ہوا تحفہ اُس کے وجود کی تلخی سے بوجھل لگنے لگا۔ اُس نے دھیرے سے وہ گفٹ بیڈ پر رکھا اور خود کپکپاتے قدموں سے زمین پر بیٹھ گئی اگلے ہی لمحے وہ ضبط کا بندھن توڑ بیٹھی اُس کے آنسوؤں کا ریلا اُس کے گالوں پر ٹوٹ کر بہنے لگا۔

پورا گھر خوشیوں سے جگمگا رہا تھا لیکن فاطمہ وہ اندر ہی اندر ٹوٹ چکی تھی۔

"کیسے کروں شادی میں کیسے کسی اور کے نکاح میں ہوتے ہوئے"

اُس نے اپنے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے جیسے الفاظ کو اپنے اندر واپس دھکیلنا چاہتی ہو مگر دکھ اتنا گہرا تھا کہ وہ نکل کر ہی رہا۔

"موسیٰ "اُس نے آنکھیں میچ کر آسمان کی طرف دیکھا، جیسے اُس کے الفاظ اب صرف انسانوں کے لیے نہیں رہے تھے۔

"موسیٰ تم مر جاؤ اللہ میں کہاں جاؤں کس کو اپنا دکھ سناؤں تم نے میری زندگی کو تباہ کر دیا میری ہر خوشی چھین لی"

وہ اب کانپتی آواز میں اونچی اونچی رو رہی تھی۔ اُس کی چیخیں کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آ رہی تھیں۔

"یا اللہ موسیٰ کو ایسا درد دینا ایسا زخم دینا کہ وہ کسی کو دکھا نہ سکے کسی سے کہہ نہ سکے اُس کو ایسی عبرت بنا دے کہ زمانہ اُس سے پناہ مانگے"

روتے روتے فاطمہ کی نگاہ بیڈ پر رکھے ہوئے اُس تحفے پر جا ٹکی جو سیام نے اُسے دیا تھا وہ کچھ لمحے یوں ہی اسے دیکھتی رہی جیسے دل کہہ رہا ہو مت چھونا اور دماغ پکار رہا ہو کھول کر دیکھو شاید سکون ملے۔ آخر کار اُس نے کپکپاتے ہاتھوں سے گفٹ باکس کو اپنے قریب کھینچا۔

ڈبہ کھلتے ہی ایک ہلکی سی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ اندر بڑی نفاست سے تہہ کیا گیا ایک لائٹ پنک کلر کا ڈریس رکھا تھا نہایت حسین اور شائستہ اُس کی نرم روشنی جیسے فاطمہ کے آنسوؤں سے بھی شرما گئی ہو۔ اُس نے آہستگی سے اُسے ہاتھوں میں اٹھایا اُس کی انگلیوں کی لرزش میں حیرت اور درد چھپا ہوا تھا۔

ڈریس کے ساتھ ایک چھوٹی سی مخملی ڈبیا بھی رکھی تھی جس میں گلابی رنگ کی میچنگ بینگلز اور ایک نازک سی واچ رکھی گئی تھی ہر چیز سیام کے انتخاب کی سنجیدگی اور دل کی سچائی کی گواہ لگ رہی تھی۔

لیکن سب سے آخر میں ایک کارڈ رکھا ہوا تھا۔

فاطمہ نے ہچکیوں میں روتے ہوئے کارڈ کھولا۔ اندر خوبصورت خطاطی میں لکھا تھا۔

>"فاطمہ تم صرف ایک نام نہیں ہو تم ایک سکون ہو۔

تمہاری مسکراہٹ میرے دن کی روشنی ہے اور تمہاری خاموشی میری رات کی دعا۔

مجھے تم سے محبت ہے ایسی محبت جو تمہیں صرف حاصل کرنا نہیں بلکہ سدا سنبھال کر رکھنا چاہتی ہے۔

میں بہت خوش ہوں کہ تم ہمیشہ کے لیے میری بننے جا رہی ہو صرف تمہارا سیام"

یہ پڑھتے ہی فاطمہ کی آنکھوں سے ایک اور سیلاب بہہ نکلا مگر اب آنسو صرف دکھ کے نہ تھے اُن میں حیرت، افسوس، اور کہیں نہ کہیں دل کی نرمی بھی شامل ہو چکی تھی۔

اُس نے کارڈ اپنے سینے سے لگا لیا جیسے اُس پل سیام کے خالص جذبے نے اُس کے دل کے گرد لپٹے دکھ کو لمحے بھر کے لیے ہلکا کر دیا ہو۔

حویلی کے بڑے دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی موسیٰ کا انداز فاتحانہ تھا۔ اور چہرے پر وہی پرانا مغرور اطمینان۔ وہ تیزی سے سیدھا لاؤنج کی جانب بڑھا جہاں یحیٰ صاحب اپنے مخصوص صوفے پر بیٹھے اخروٹ چبا رہے تھے۔

"تایا جان جیسے آپ نے کہا تھا بالکل ویسے ہی کیا ہے"

موسیٰ نے مودبانہ انداز میں سلام کرتے ہوئے اُن کے قریب بیٹھتے ہی اپنی کامیابی کی اطلاع دی۔

یحیٰ صاحب نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیے۔ اُن کی نگاہوں میں فخر کم اور حساب زیادہ تھا۔

"شاباش موسیٰ بس اب تم نے اُس لڑکی کو فورس کرنا ہے کہ وہ ایک اور انٹرویو کرے جس میں نے تمہاری ساکھ خراب کی ہے اُسے اب وہی صاف کرے گی"

یہ کہتے ہوئے اُنھوں نے نرمی سے موسیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھا جیسے شاباش دے رہے ہوں، مگر آنکھوں میں ایک خطرناک چمک تھی۔

"جی تایا جان اب جیسا میں چاہوں گا ویسا ہی ہو گا"

موسیٰ کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ تھی لیکن لہجے میں غرور صاف جھلک رہا تھا جیسے وہ اب کھیل کا بادشاہ بن چکا ہو۔

یحیٰ صاحب نے ہلکے سے ابرو چڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

"موسیٰ نکاح نامہ کہاں ہے"

موسیٰ نے فوراً جواب دیا آواز میں ٹھہراؤ اور یقین تھا۔

"میرے پاس ہے"

یہ سن کر یحیٰ صاحب نے اطمینان کا سانس لیا جیسے شطرنج کا اگلا مہرہ ہاتھ میں آ چکا ہو۔

"گڈ اچھا چلو اب جاؤ، کچھ دیر ریسٹ کرو"

تبھی ماہ جبین بیگم اندر داخل ہوئیں۔ اُنہیں دیکھ کر یحیٰ صاحب نے اپنی بات وہیں ختم کردی۔ موسیٰ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اللہ حافظ تایا جان"

کہہ کر وہ دھیما مگر مضبوط قدموں سے باہر کی طرف نکل گیا۔ اُس کی پشت پر غرور تھا اور مستقبل کی کسی بڑی چال کی گونج۔

کمرے میں ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ پردے مکمل کھلے تھا لیکن باہر شام ڈھلنے کو تھی۔ گہرے نیلے آسمان پر پرندوں کی ٹولیاں واپسی کے سفر پر تھیں موسیٰ نے دروازہ بند کرتے ہی کوٹ صوفے پر پھینکا اور بیڈ پر آکر نیم دراز ہو گیا ابھی اُس کی کمر نے گدے کو چھوا ہی تھا کہ فون کی بیپ سنائی دی۔ اُس نے سست روی سے موبائل اٹھایا اور کال ریسیو کی۔

"ہاں بولو بتمیز کزن کیسے فون کر لیا" اُس کی آواز میں تھکن بھی تھی اور چھیڑنے والا انداز بھی۔

دوسری طرف رئیسہ اپنے نرم صوفے پر بیٹھ کر ایک کشن گود میں رکھے بیٹھی تھی۔

"تمہیں بس یہ بتانا تھا کہ نکاح نامہ بنوالیا ہے میں نے۔"

موسیٰ کے ہونٹوں پر ایک لمحاتی مسکراہٹ ابھری اُس کی آنکھوں کے سامنے اچانک فاطمہ کا چہرہ آگیا

"گڈ اب جو کہا ہے وہی کرنا ہے"

"اور تم جس کام کے لیے گئے تھے ہو گیا" رئیسہ نے بے چینی سے پوچھا۔

موسیٰ نے کروٹ بدل کر بیڈ پر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے فاتحانہ انداز میں کہا۔

"ہاں میرا کام ہو گیا"

رئیسہ کی آواز میں اب شرارت کا رنگ آیا۔

"پھر تو مبارک ہو دشمن سے نکاح کر کے آگئے ہو"

موسیٰ کے چہرے پر اک غرور بھری مسکراہٹ آئی۔

"اسی دشمن کی میں نے اکڑ نہ توڑی تو میرا نام موسیٰ شیر خان نہیں"

رئیسہ اب سنجیدہ ہو چکی تھی اُس کا لہجہ نرم لیکن گہرا تھا۔

"دیکھتے ہیں کون کس کی اکڑ توڑتا ہے اُسے ہلکے میں مت لینا وہ برباد کرنے کا ہنر رکھتی ہے"

موسیٰ کی آنکھوں میں ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ہلکے میں تو اُسے میں نے انٹرویو میں بھی نہیں لیا تھا اور ہاں وہ واقعی برباد کرنے کا ہنر رکھتی ہے"

فون پر لمحے بھر کی خاموشی طاری ہوئی پھر رئیسہ بولی۔

"چلو، میں رکھتی ہوں فون۔ فرہاد کی کال آ رہی ہے"

"اوکے ڈئیر بتمیز کزن بائے"

موسیٰ نے فون بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

ہوا میں اب صرف ایک خیال گردش کر رہا تھا

"___مس فاطمہ. تمہیں غم میں نیند نہیں آنی اور مجھے خوشی میں" موسیٰ قہقہہ لگا کر آنکھیں موند گیا۔

کمرے میں ہلکی سی ٹھنڈی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لکڑی کی میز پر لیپ ٹاپ کھلا تھا جس کی سکرین پر میل سینڈ ہونے کا اینی میشن چل رہا تھا۔ سیام سلیقے سے بیٹھا انگلیوں سے تیزی سے کی بورڈ پر چل رہا تھا۔ اُس کی توجہ مکمل طور پر اسکرین پر مرکوز تھی جب پیچھے سے فردان کی آواز گونجی۔

"بھائی آئیں میرے ساتھ"

سیام نے چونک کر ابرو اچکائے اور گردن موڑ کر فردان کی طرف دیکھا اُس کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہاں کیوں ابھی؟

"بھائی اُٹھیں نا"

فردان نے نرمی سے اُس کا بازو پکڑا جیسے چھوٹا بھائی بڑی مشکل سے اپنے بڑے بھائی کو منانے آیا ہو۔

سیام نے ایک لمحے کو سوچا پھر کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

"کہاں جانا ہے پہلے تو یہ بتاؤ"

"چاچو کے گھر"

فردان نے بات کہنے کے ساتھ ہی کان کھجایا جیسے خود کو مطمئن کر رہا ہو کہ وہ فضول ضد نہیں کر رہا۔

سیام کی نظریں ایک دم سخت ہو گئیں وہ پھر سے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"پاگل ہو کیا امی جان لیں لے گی شادی میں ویسے ہی دن کم رہ گئے ہیں میں اگر وہاں گیا تو کیا تاثر جائے گا"

فردان اُس کے قریب بیٹھ گیا آواز میں اب ہلکی سی پریشانی شامل ہو گئی تھی۔

"بھائی چپکلی کال ریسیو نہیں کر رہی مجھے لگ رہا ہے وہ کسی ٹینشن میں ہے ورنہ اُس نے کبھی ایسا نہیں کیا"

یہ سنتے ہی سیام کا چہرہ بدل گیا۔ اُس نے ایک لمحہ کو ساکت ہو کر سوچا۔

"میری بھی کال ریسیو نہیں کر رہی"

اُس کے بعد کوئی سوال یا بحث نہ ہوئی۔

سیام فوراً اپنی جگہ سے اٹھا فون جیب میں رکھا اور سیدھا دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"چلو، چلتے ہیں"

کچھ اور
رہ گئی۔

گلی میں شام کا ہلکا سا سناٹا تھا۔ دونوں بھائی دروازے سے نکل کر گاڑی کی طرف جا ہی رہے تھے۔ فردان نے گاڑی کی چابی گھماتے ہوئے کہا۔

"بھائی میں کہتا ہوں راستے میں چاٹ بھی کھا لیں گے دلہن کے گھر خالی پیٹ جانا بدتمیزی ہے"

سیام نے ناک چڑھا کر کہا۔

"کبھی سنجیدہ بھی ہو جایا کرو"

ابھی وہ گاڑی کا دروازہ کھولنے ہی لگے تھے کہ پیچھے سے کسی کی گرجتی ہوئی آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔

"ارے ارے ٹھہرو تم دونوں"

دونوں نے مڑ کر دیکھا تو امروز صاحب ہاتھ میں اخبار اور چشمہ ناک پر ٹکے، برآمدے سے تیز قدموں کے ساتھ آرہے تھے۔

"کدھر جارہے ہو تم دونوں"

فردان نے ہنس کر کہا۔

"ابو کچھ نہیں بس سیام بھائی کو فریش ہوا کھلانے لے جارہا ہوں"

امروز صاحب نے گھورا۔

"فریش ہوا کے کچھ لگتے تم ابراہیم کے گھر جارہے ہو اور تمہیں لگا میں اندھا ہوں میں نے تم دونوں کی باتیں سن لیں تھیں"

سیام نے آہستہ سے سر جھکایا۔

"ابو بس، وہ دو منٹ کے لیے جانا تھا"

امروز صاحب کی آواز میں سختی آگئی۔

"نکاح سر پہ ہے اور تم ابھی اُس گھر جارہے ہو کیا تمہیں سمجھ نہیں ہے شادی سے پہلے کیسی کیسی باتیں کرتے ہے لوگ"

فردان نے جیسے ہی منہ کھولا امروز صاحب نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"اور تم تو ویسے ہی ہر بات کو مزاح سمجھتے ہو یہ وقت ہنسی مذاق کا نہیں عزت اور شرافت سے چلنے کا ہے لوگ دیکھتے ہیں باتیں بنتی ہیں"

سیام نے نظریں نیچی رکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

"ہمیں لگا فاطمہ ٹھیک نہیں ہے بس دیکھنے جارہے تھے"

امروز صاحب کچھ لمحے کو رکے۔ ان کی آنکھوں میں اب غصے سے زیادہ فکریں دکھائی دیں۔

"بیٹا اگر وہ ٹھیک نہیں ہے، تو پھر اُس کے باپ سے بات کرو، رات کے وقت یوں جانا وہ بھی نکاح سے پہلے یہ ہم جیسے گھرانوں کو زیب نہیں دیتا پہلے کی بات اور تھی اب رشتہ بدل گیا ہے"

خاموشی چھا گئی۔

"تو ابو کیا کریں واپس چلے جائیں" فردان نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں اور جا کر اماں کو بتاؤ کہ تم فاطمہ سے ملنے جا رہے تھے میں چاہتا ہوں تمہیں اُن سے بھی ڈانٹ پڑے تا کہ تم دونوں کو زندگی بھر یاد رہے" امروز صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ہم چپکے سے نکل جاتے تو بہتر تھا" فردان نے سیام کی طرف دیکھا سرگوشی میں بولا۔

"اور پھر شادی سے پہلے ہی ولیمہ کی جگہ قل ہو جانا تھا" سیام نے جل کر کہا۔

"چلو اب واپس اندر" امروز صاحب نے تالی بجا کر کہا۔

ــــــ

صبح کا نرم سورج کھڑکی کے شیشوں سے اندر آ رہا تھا، روشنی ٹیبل پر رکھے چمکتے برتنوں پر پڑ رہی تھی۔ دستر خوان پر ناشتہ چُنا جا چکا تھا گرم پراٹھے ابلا ہوا انڈا مکھن شہد اور بی اماں کی پسندیدہ دودھ پتی۔

بی اماں آرام سے تکیے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھیں، کپکپاتی انگلیوں سے چائے کا کپ تھامے نظر فاطمہ پر ٹکی ہوئی تھی جو خاموشی سے ایک کونے پر بیٹھی بس چمچ سے پلیٹ میں کھیل رہی تھی۔

"فاطمہ اب تم دفتر سے چھٹیاں لے لو کل مایوں بیٹھنا ہے کل سے تیاری شروع کرنی ہے"

بی اماں نے جیسے ہنستی ہوئی آواز میں ماحول کو ہلکا کرنا چاہا۔

فاطمہ نے سر اٹھائے بغیر مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"جی کل ہی بتا دیا تھا چھٹیاں مل گئی ہیں"

ابراہیم صاحب جو اخبار پڑھ رہے تھے اُنہوں نے فاطمہ کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

کچھ تھا اُس کی آنکھوں میں وہ زندگی سے خالی سی لگ رہی تھی۔

"میری بیٹی بہت اداس ہے آج کیا ہوا ہے"

ابراہیم صاحب نے نرم لہجے میں پوچھا جیسے وہ بات اُس کے دل سے نکالنا چاہتے ہوں۔

فاطمہ نے زبردستی ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے کی کوشش کی، پھر اُن کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

"نہیں بابا میں ٹھیک ہوں"

علشبہ بیگم نے چپ چاپ یہ منظر دیکھا اُن کا دل مچل گیا۔

"علشبہ میری بیٹی کے لیے اُس کا پسندیدہ ناشتہ بنا کر دو کچھ تو خوشی ملے اُسے"

ابراہیم صاحب نے آواز میں محبت سمو کر کہا۔

علشبہ بیگم فوراً اُٹھ گئیں۔

"ابھی بنا کر لاتی ہوں"

فاطمہ نے آہستگی سے سر ہلایا مگر چہرے پر وہی خالی پن۔

"نہیں ماما میرا دل نہیں ہے"

بس یہ کہہ کر وہ کرسی پیچھے سرکاتی ہوئی آہستہ قدموں سے اوپر چلی گئی۔

پورے کمرے پر ایک خاموشی طاری ہو گئی۔ بی اماں نے چائے کا کپ رکھا اور ایک گہری سانس لی۔

فاطمہ کے قدموں کی آہٹ سیڑھیوں پر مدھم ہو گئی لیکن اُس کی اداسی پورے گھر پر بادل کی طرح چھا گئی تھی۔

شہر سو چکا تھا لیکن فاطمہ کی آنکھوں میں نیند کا نام و نشان تک نہ تھا۔ بستر پر کروٹیں بدلتی وہ بار بار چھت کو گھورتی جیسے وہاں کوئی جواب چھپا ہو۔ دل کی الجھنیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ کسی کو اپنا دکھ سنانا چاہتی تھی، مگر سمجھ نہیں آ رہا تھا کس سے کہے، کس پر یقین کرے۔

اچانک موبائل کی بیپ نے خاموشی کی چادر چاک کی۔

اس نے چونک کر فون دیکھا "سیام" کا نام جگمگا رہا تھا۔

"ہیلو"

آواز میں گھٹن تھی، جیسے آنسو لفظوں کی راہ روک رہے ہوں۔

"ہیلو کیسی ہو"

سیام کی آواز میں فکر مندی تھی، جیسے وہ اُسکے دل کا حال پڑھ چکا ہو۔

"ٹھیک ہوں"

بس یہی دو لفظ، اور پھر خاموشی۔

سیام رک گیا وہ اُسکی آواز سے کچھ سمجھ چکا تھا۔

"ٹھیک لگ نہیں رہی اگر تم ٹھیک ہو تو میں بے چین کیوں ہوں فاطمہ"

وہ چھت پر کھڑا تھا چاندنی میں بھیگی رات اور اُسکی سوچیں دونوں ایک سا سکوت لیے کھڑی تھیں۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے"

فاطمہ نے آنکھیں زور سے میچ لیں شاید آنسوؤں کو پلکوں کے پیچھے چھپانے کی ناکام کوشش تھی۔

"فاطمہ تمہارے بارے میں مجھے کبھی غلط فہمی نہیں ہوتی"

سیام کی بات نے جیسے اسکے ضبط کا بند توڑ دیا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ ٹوٹ چکی ہوں، بکھر گئی ہوں مگر زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"سیام میرا نام مت لیا کریں"

آواز میں لرزش تھی۔

"بس آج آخری بار کہا آئندہ بیگم کہوں گا"

فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"سیام"

بس اتنا ہی کہہ پائی آواز ہچکیوں میں گم ہو گئی۔

"فاطمہ رو کیوں رہی ہو کسی نے کچھ کہا ہے بتاؤ پلیز رونا بند کرو ورنہ ابھی آجاؤں گا"

سیام کی آواز میں بے چینی تھی وہ بے بس ہو چکا تھا۔

"نہیں سیام میں چُپ ہوں"

فاطمہ نے تیزی سے آنسو صاف کیے جیسے اپنے دل کے درد کو موبائل کی دوسری جانب چھپا لینا چاہتی ہو۔

"مجھے پتا ہے، لڑکیوں کے لیے یہ وقت کتنا مشکل ہوتا ہے اپنا گھر چھوڑنا والدین چھوڑنا ہر چیز ایک پل میں پرایا لگنے لگتا ہے"

"ہاں جی"

فاطمہ کے لہجے میں اداسی کی نمی تھی۔

"اگر میرے بس میں ہوتا نا تو"

سیام نے شوخی سے کہا۔

"تو"

فاطمہ کے دل میں ہلکی سی اُمید جاگی۔

"تو سب چھوڑ کر تمہارے پاس آجاتا"

وہ ہنس دیا اور اسکی ہنسی نے فاطمہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھیر دی۔

"ہنستی رہا کرو اچھی لگتی ہو"

سیام کی آواز جیسے اسکے دل کے تار چھیڑ رہی ہو۔

"سیام؟ ایک بات پوچھوں"

فاطمہ نے بیڈ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"پوچھو فاطمہ"

"آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں"

سیام کچھ لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"اگر تم واقعی جاننا چاہتی ہو تو ٹریس پر آؤ پھر جواب دوں گا"

فاطمہ خاموشی سے اُٹھی ٹریس کا دروازہ کھولا ٹھنڈی ہوا اُسکے چہرے سے ٹکرائی۔ وہ چاندنی رات میں ٹریس پر آ کھڑی ہوئی۔

"کیا دیکھا تم نے"

سیام نے نرمی سے پوچھا۔

"چاند"

بس ایک لفظ، لیکن اُس میں کئی جذبات چھپے تھے۔

"اب دوبارہ سوال پوچھو"

"آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں"

سیام نے آنکھیں بند کیں، اور پھر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"جتنی چاند کو آسمان سے ہے مجھے فاطمہ ابراہیم سے اتنی محبت ہے جیسے آسمان چاند کے بغیر ادھورا ہے ویسے ہی سیام میر فاطمہ کے بغیر ادھورا ہے"

یہ سن کر فاطمہ کی آنکھوں سے ایک اور آنسو بہا— لیکن یہ دکھ کا نہیں، محبت کا تھا۔

اُس نے بنا کچھ کہے کال کاٹ دی۔

سیام نے موبائل کان سے ہٹایا نہیں وہ جانتا تھا وہ جا چکی ہے لیکن پھر بھی وہ چاند کو دیکھتا رہا اور آسمان میں اُسکی جھلک ڈھونڈتا رہا۔

— — —

صبح کی روشنی آہستہ آہستہ حویلی کے صحن کو اپنے سنہری لمس سے جگا رہی تھی۔ سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا کھڑکیوں سے چھن چھن کر روشنی کچن کے فرش پر ایسے بکھر رہی تھی جیسے کوئی سنہری چادر ہو کچن میں ہلکی ہلکی چائے کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ روما سفید چادر اوڑھے سنجیدہ چہرے کے ساتھ دودھ کیتلی میں ڈال رہی تھی۔

تبھی موسیٰ کچن میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں کے گرد ہلکے سیاہ حلقے رات بھر کی بے آرام نیند کا پتہ دے رہے تھے۔ ماتھے پر ہاتھ رکھے وہ آہستگی سے بولا۔

"سنو چائے بنا رہی ہو"

روما نے ایک نظر اُس کی طرف دیکھا پھر نظریں چولہے پر مرکوز کر لی۔

"جی"

موسیٰ نے ٹھنڈی سانس بھری اور فریج کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے بھی ایک کپ بنا دینا"

روما نے چمچ کی آواز کے بیچ ذرا سا رک کر طنز سے کہا۔

"جس سے نکاح کیا ہے اُسے بولیں چائے بنا دے"

موسیٰ نے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا مگر روما کی بات دل پر تیر کی طرح لگی۔ اُس نے گلاس آہستہ سے شیلف پر رکھا اور گھوم کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے تلخی سے بولا۔

"کیوں تم تو وہی ہو نا جو دعویٰ کرتی تھی کہ مجھ سے سچی محبت ہے تو پھر ایک کپ چائے ہی سہی"

روما نے چولہے کی آنچ کم کرتے ہوئے سچ میں چھپی بے بسی کو غصے کے پردے میں چھپاتے ہوئے کہا۔

"محبت نہیں وہ ایک غلطی تھی جو ایک خود غرض انسان کے لیے کی"

موسیٰ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا، جیسے کچھ کہنا چاہ رہا ہو لیکن پھر لہجہ سخت کرتے ہوئے بولا۔

"شکر ہے کہ تمہیں حقیقت کا ادراک ہو گیا دیر سے سہی مگر ہو تو گیا۔ مگر یاد رکھو چائے مجھے پندرہ منٹ بعد چاہیے"

اتنا کہہ کر وہ کچن سے ایسے نکل گیا جیسے کچھ کہہ کر نہیں، حکم دے کر گیا ہو۔

بالآخر وہ دن آ ہی گیا جس کا ہر کسی کو شدت سے انتظار تھا مایوں کی شام۔ پورا گھر جگمگا رہا تھا۔ برآمدوں میں زرد اور سبز پردے جھول رہے تھے، چھتوں سے گجرے موتیے اور چمبیلی کے ہار لٹک رہے تھے لائٹوں کی جھلملاہٹ نے حویلی کو کسی فلمی سیٹ میں بدل دیا تھا ہر طرف قہقہوں کی گونج تھی، ہنسی، شوخی اور روایتی گیت فضا میں تیر رہے تھے۔ مگر اس تمام ہنگامے کے بیچ ایک کمرہ تھا جو اس چمک دمک سے کٹا ہوا صرف ایک دل کی بے چینی سمیٹے ہوئے خاموش کھڑا تھا۔

فاطمہ پیلے جوڑے میں ملبوس بیڈ پر بیٹھی تھی ماتھے پر جھومر ہاتھوں میں مہندی گلے میں پھولوں کا ہار مگر چہرہ زرد آنکھیں سوجی ہوئی اور دل بے قرار۔

سامیہ اندر آئی فاطمہ کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی دھیمی آواز میں بولی۔

"فاطمہ تم مایوں کی دلہن کہی سے نہیں لگ رہی چہرہ دیکھو اپنا کیسا مرجھایا ہوا ہے میری جان"

فاطمہ نے نظریں جھکائیں آواز کانپتی ہوئی۔

"میں کیا کروں سامیہ کس چیز کا جشن مناؤں موسیٰ نکاح نامہ دینے کو تیار نہیں اب مجھے افسوس ہے اُس دن کا جب اُس کا انٹرویو لیا"

سامیہ نے جلدی سے ارد گرد دیکھا پھر فاطمہ کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

"چپ کرو! آہستہ بولو کوئی سُن لے گا"

فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو تیر نے لگے اُس نے سامیہ کا ہاتھ پکڑا۔

"میں کیسے بتاؤں اپنے والدین کو سیام کو سب سمجھتے ہیں میں خوش ہوں لیکن میرے اندر سب کچھ ٹوٹ چکا ہے"

سامیہ نے جلدی سے فون فاطمہ کے ہاتھ میں تھمایا۔

"تم موسیٰ کو کال کرو بات کرو شاید مان جائے یہ لو، ابھی کال کرو"

فاطمہ نے لرزتے ہاتھوں سے فون پکڑا آنسو صاف کیے اور کال ملائی۔ دل دھڑک رہا تھا آنکھوں سے اشک بہہ رہے تھے۔

دوسری طرف موسیٰ اپنی گاڑی میں بیٹھا تھکا ہوا جلسے سے واپسی پر تھا۔ فون بجا، اُس نے دیکھا اور کال ریسیو کی۔

"ہیلو، کون" اُس نے بے نیازی سے کہا۔

"میں میں فاطمہ" فاطمہ نے بمشکل ہمت جُٹا کر کہا۔

موسیٰ ہلکا سا ہنسا، جیسے دل کی گہرائی سے نہیں، طنز سے۔

"آہ میری نہ ہونے والی فاطمہ"

موسیٰ کے لہجے میں چھپا طنز فاطمہ کے دل پر چھری بن کر چلا۔ اُس نے آنکھیں بند کیں آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر رخساروں پر بہنے لگے۔ وہ خود کو مضبوط کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"موسیٰ پلیز میری بات سنے"

اُس کی آواز ہچکیوں میں ڈھل گئی تھی۔ وہ اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی مگر دل کی لرزش الفاظ میں صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"جی جی سنایئے مس فاطمہ آج آپ کی مایوں ہے نا تو سُنانے کے لیے کچھ خاص ہو گا یقیناً"

موسیٰ نے طنزیہ نرمی سے کہا جیسے وہ کسی لطیفے سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"موسیٰ، خدا کے واسطے آج میری مایوں ہے پلیز نکاح نامہ دیں دے پلیز ابھی تھوڑی دیر تک نکاح بھی ہونے والا ہے موسیٰ پلیز آ جائے"

فاطمہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جیسے صدیوں کا درد ایک لمحے میں اُبل پڑا ہو وہ کسی آخری امید کی طرح اس کال کو تھامے بیٹھی تھی۔

موسیٰ نے ایک لمحہ خاموشی اختیار کی جیسے اُس کے دل میں کہیں کوئی لرزش ہوئی ہو لیکن پھر وہ اپنے خول میں واپس چلا گیا۔

"اوہ بے بی رونا بند کرو اُس دن۔ تو بڑی بہادری سے کہہ رہی تھی کہ تم شادی کر کے رہو گی کیا ہوا اب"

اُس کے لہجے میں زہر گھلا ہوا تھا، جیسے وہ ہر لفظ سے فاطمہ کی بے بسی کا مذاق اُڑا رہا ہو۔

"ایسا مرد پہلی بار دیکھا ہے جو اپنی بیوی کو نکاح میں رکھ کر کسی دوسرے کے آگے پیش کرے ایسے مردوں کو بغیرت بولتے ہے"

فاطمہ کی برداشت جواب دے گئی۔ اُس نے بھرے گلے اور کانپتی آواز کے ساتھ چیخ کر کہا، جیسے وہ الفاظ برسوں سے سینے میں دبائے بیٹھی ہو۔

موسیٰ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"جسٹ شٹ اپ" وہ دھاڑا" تمہیں میں بیوی مانتا ہی نہیں فاطمہ اور یہ جو تم نے زبان چلائی ہے نا اس کی قیمت تمہیں چکانی پڑے گی نہیں آؤ گا میں جاؤ سب کو جواب دو کیوں نہیں کر سکتی شادی"

اُس نے ایک لمحے کی مہلت دیے بغیر کال کاٹ دی۔

کمرے میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔

فاطمہ آنکھیں پھاڑے موبائل کی سکرین کو تکتی رہی جیسے ابھی بھی کوئی معجزہ ہو جائے مگر اب کچھ باقی نہیں تھا۔

سامیہ تیزی سے اُس کے قریب آئی اُس کے ہاتھ سے فون لیا۔

"کیا کہا اُس نے" سامیہ کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"وہ وہ نہیں آئے گا وہ بدلہ لے رہا ہے سامیہ وہ بدلہ لے رہا ہے صرف ایک انٹرویو کا وہ نہیں آئے گا"

فاطمہ کی آواز گھٹ کر رہ گئی وہ سامیہ کے گلے لگ کر زور زور سے رونے لگی۔ اُس کی آواز دل دہلا دینے والی تھی جیسے کوئی بچھڑنے والا آخری بار چیخ رہا ہو۔

سامیہ اُس کو سینے سے لگائے خاموشی سے اس کی پیٹھ سہلاتی رہی۔ باہر شادی کے گانے بج رہے تھے لیکن اس کمرے میں دل کے ساز ٹوٹ چکے تھے۔

شام کی دھند لکیاں آسمان پر سیاہی کی چادر تان رہی تھیں۔ سرخ نارنجی رنگ آہستہ آہستہ سیاہی میں بدل رہے تھے۔ فضا میں خنکی بڑھتی جا رہی تھی، جیسے کوئی طوفان آنے کو ہو موسیٰ کی گاڑی تیز رفتاری سے سنسان راستوں کو چیرتی حویلی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ گاڑی کی رفتار کے ساتھ ساتھ اُس کے دل کی دھڑکن بھی بے قابو تھی۔ چہرہ تناؤ سے بھرا ہوا تھا اور ماتھے کی رگیں غصے سے ابھری ہوئی تھیں۔ فاطمہ کے الفاظ اُس کے دماغ میں کسی ہتھوڑے کی طرح گونج رہے تھے بار بار تیز تر بے رحم۔

فون کی اسکرین جگمگائی رئیسہ کا نام ابھرا موسیٰ نے کال ملائی آواز میں وہی آمرانہ انداز جو اُس کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

"ہیلو موسیٰ خیریت کال کی اچانک" رئیسہ نے فون اُٹھایا، پس منظر میں ریسٹورنٹ کی ہلکی ہلکی موسیقی بج رہی تھی۔

"تم جہاں بھی ہو فوراً حویلی پہنچو" موسیٰ کی آواز میں تحکمانہ لرزش تھی، جیسے وقت اُس کے ہاتھ سے پھسل رہا ہو۔

"اور ہاں وہ نکاح نامہ جو تم نے بنوایا تھا وہ ساتھ لانا"

رئیسہ کا ماتھا شکن آلود ہوا۔

"اُس کا کیا کرنا ہے موسیٰ تم کہنا کیا چاہتے ہو"

"جس پلان پر ہم نے دو دن بعد عمل کرنا تھا وہ آج ہو گا فوراً پہنچو" موسیٰ نے جواب دیے بغیر کال کاٹ دی۔

رئیسہ نے جھنجھلا کر موبائل بیگ میں پھینکا۔

"اُف پاگل انسان" وہ بڑبڑائی۔

"سب ٹھیک ہے رئیسہ" فرہاد نے میز سے اُٹھ کر پوچھا۔

"نہیں مجھے ابھی جانا ہے" وہ تیزی سے ریسٹورینٹ کے شیشے والے دروازوں کی طرف بڑھی اُس کی ایڑیوں کی آواز فرش پر گونجتی چلی گئی۔

دوسری طرف موسیٰ گاڑی میں بیٹھا اسماعیل سے مخاطب ہوا جو ڈرائیوانگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔

"اسماعیل جو میں نے کہا تھا سب تیار ہے نا"

"ہاں سب تیار ہے لیکن موسیٰ کیا تمہیں یقین ہے کہ جو کر رہے ہو وہ صحیح ہے"

موسیٰ کی نگاہ آسمان کی سیاہی میں کھو گئی۔ وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر آہستہ سے بولا۔

"ہاں وہ یہی ڈیزرو کرتی ہے"

اس کے بعد اُس نے آنکھیں بند کر لیں جیسے ذہن کو آنے والے لمحوں کے طوفان سے پہلے تھوڑا سکون درکار ہو۔ چاروں طرف حفاظتی گاڑیوں کا گھیرا تھا۔ فضاء میں تناؤ اور فیصلہ کن لمحے کی سنسنی واضح محسوس ہو رہی تھی۔

حویلی کے برآمدے میں شام کی ہلکی ہلکی روشنی چھن کر آ رہی تھی۔ باہر لان میں پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی لیکن اندر کے ماحول میں عجیب سی گھٹن تھی جیسے کسی طوفان کے آنے سے پہلے کی خاموشی ہو۔

رئیسہ جیسے ہی تیز قدموں سے گیٹ پار کر کے اندر داخل ہوئی، سامنے سے آتی روما پر اُس کی نظر پڑی۔ وہ سادہ سے لباس میں مگر وقار کے ساتھ چل رہی تھی، چہرے پر تھکن کے آثار مگر آنکھوں میں وہی پرانی چمک باقی تھی۔

رئیسہ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ روما کے قریب آئی۔

"سُنا ہے تمہارا رشتہ ٹوٹ گیا ہے یقین کرو مجھے بہت افسوس ہوا اور تمہیں تو موسیٰ سے محبت بھی تھی نا"

روما کی پلکیں جھپکیں وہ لمحہ بھر کے لیے رُکی پھر نرمی سے مگر کاٹ دار لہجے میں گویا ہوئی۔

"کس بات کا افسوس ہوا آپ کو اور جہاں تک بات رہی میرے اور موسیٰ کے رشتے کی اُس کا ٹوٹ جانا ہی بہتر تھا اور کچھ لوگ ہوتے ہیں جو محبت کے قابل ہی نہیں ہوتے"

رئیسہ کے چہرے پر مصنوعی حیرانی کی جھلک نمودار ہوئی، وہ جھک کر جیسے سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"چھوٹی چونٹیوں کے بھی پر نکل آتے ہیں میں تو سمجھی تم بہت معصوم ہو"

اچانک موسیٰ کی آواز اور قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا، چہرہ سخت اور نظریں برف جیسی ٹھنڈی۔

روما نے ایک لمحے کو اُسے دیکھا پھر ٹھہرے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"معصوم ہوں بیوقوف نہیں"

"موسیٰ تم نے سُنا روما نے کیا کہا" رئیسہ موسیٰ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

موسیٰ کی تیوری چڑھ گئی۔ وہ چند لمحے اُسے گھورتا رہا۔

"نہیں میرا ٹائم اتنا فضول نہیں کہ لوگوں کی باتیں سنوں اور تم رئیسہ میرے روم میں پہنچو"

اُس کی آواز میں وہی دبدبہ تھا جو ہمیشہ ہر محفل پر چھا جاتا تھا۔ وہ زینے چڑھتا گیا پیر کی چاپ زینوں پر گونجتی رہی۔

رئیسہ نے نخوت بھرے انداز میں روما کی طرف دیکھا ہونٹوں پر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے اُس کے کان کے قریب آکر آہستہ سے بولی۔

"اوکے روما میں چلتی ہوں مجھے اُمید ہے تمہیں کوئی اور لڑکا ضرور مل جائے گا"

یہ کہہ کر وہ اپنی خوشبو بکھیرتی موسیٰ کے پیچھے زینوں کی طرف بڑھ گئی۔ اور روما وہیں کھڑی رہی چپ، مگر مضبوط جیسے شکست کی راکھ میں سے کوئی نیا شعلہ اٹھنے والا ہو۔

مہندی کی خوشبو اور گلاب کے پھولوں کی مہک سے سجا ہوا گھر کا ماحول ہر طرف خوشیوں سے جھوم رہا تھا۔ ڈھولک کی دھیمی تھاپ اور خواتین کی ہنسی کی گونج ایک الگ ہی سماں باندھ رہی تھی۔ ایسے میں امروز صاحب مہمانوں سے فراغت پا کر سیدھا سیام کے کمرے میں داخل ہوئے۔

"سیام بیٹا تم تیار ہو تو جاؤ فردان کو بھی کمرے سے نکالو شادی تمہاری ہے لیکن تیاری اُس کی جیسے دلہن خود ہو" امروز صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

سیام جو آئینے کے سامنے کھڑا تھا سفید نفیس کرتا شلوار میں ملبوس، بال سلیقے سے جمے ہوئے آستینیں ذرا سی چڑھی ہوئی تھیں، اور چہرے پر ہلکی سی گھبراہٹ اور جوش کی چمک موجود تھی۔

"جی ابو میں جاتا ہوں اُس کے پاس" وہ ادب سے بولا۔

"جاؤ بیٹا شاباش" امروز صاحب شفقت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

ادھر فردان اپنے کمرے میں تھا ہاتھ میں پرفیوم کی بوتل اور نظر آئینے پر۔

"واہ واہ فردان تو تو آج قیامت لگ رہا ہے اگر لڑکیاں دیکھ لیں تو مر ہی جائیں گی" اپنے بالوں کو نرمی سے سیٹ کرتا ہوا وہ بڑبڑایا۔

"یار تُو تو ریڈ کارپٹ بندہ ہے بلا کا سٹائل ہے مُجھ

ابھی وہ اپنی تعریفوں میں مگن تھا کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"اگر یہ ریڈ کارپٹ بندہ ابو کے ہاتھ لگ گیا تو کیا ہو گا"

دروازے پر کھڑا اسیام ہنسی دباتے ہوئے بولا۔ فردان چونک گیا، پھر زور سے قہقہہ لگا کر بولا۔

"ارے نہ کرے یار حاجی صاحب کا نام مت لے۔ اگر اُن کا بس چلے تو مجھے بغیر کفن کے اللہ کے پاس بھجوا دیں"

"شرم کرو فردان وہ ابو ہیں ہمارے" سیام نے اُس کے کندھے پر ہلکی سی مکہ ماری۔

"او بھائی تو میں نے کب کہا میں اُن کا ابو ہوں" فردان جوتے پہنتے ہوئے مصنوعی سنجیدگی سے بولا۔

سیام ہنستے ہوئے بولا۔

"تم منہ بند رکھو اور جلدی کرو ابو بلا رہے ہیں سب تیار ہیں"

"اُن سے زیادہ جلدی تو آپ کو ہے کیوں بھائی چپکلی سے ملنے کی اتنی جلدی ہے"

فردان نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

سیام نے ہنستے ہوئے آنکھیں گھمائیں۔

"شٹ اپ! جا رہا ہوں میں آجانا خود" یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہوا تو فردان نے ایک گہرا سانس لیا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود سے گویا ہوا۔

"یا اللہ میں کب تک دوسروں کی شادی کے لیے تیار ہوتا رہوں گا میری اپنی شادی کب ہو گی"

وہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے، کسی معصوم بچے کی طرح بولا۔

"اے میرے خدا یہ بندہ ایک عدد بیوی تو ڈیزرو کرتا ہے۔ یا اللہ روما کے دل میں یہ خیال ڈال دے کہ وہ 'مسز فردان' بن کر زیادہ اچھی لگے گی"

اور پھر اُسے جیسے خود بھی احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔ چپ چاپ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے لگا جیسے دل ہی دل میں روما کی جھلک ڈھونڈ رہا ہو۔

کمرے میں ہلکی ہلکی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ پردے کھڑکی سے ہلکے ہلکے ہل رہے تھے۔ موسیٰ کھڑکی کے پاس کھڑا تھا سفید قمیص کی آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں، چہرہ سنجیدہ، آنکھیں دور افق میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

اچانک دروازہ کھلا رئیسہ تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اُس کے قدموں کی آواز کارپٹ پر دھیمی تھی، مگر لہجے میں وہی شوخی۔

"اب بتاؤ موسیٰ اتنی ایمرجنسی میں بلایا کیوں" وہ بازو سینے پر لپیٹے موسیٰ کے پیچھے کھڑی ہو کر بولی۔

موسیٰ نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اُس کی نظریں اب بھی باہر تھیں۔

"آج سیام اور فاطمہ کی مایوں ہے"

"ہاں جانتی ہوں" رئیسہ نے بے نیازی سے جواب دیا اور صوفے پر بیٹھ گئی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر۔

"آج ہی اُن کا نکاح بھی ہو رہا ہے"

موسیٰ کی آواز میں نہ کوئی اتار نہ چڑھاؤ، بس ایک خالی سا سکوت۔

رئیسہ کے چہرے پر جیسے کوئی زلزلہ دوڑ گیا ہو۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"واٹ لیکن نکاح تو کل ہونا تھا"

موسیٰ اب پلٹا۔ اُس کی آنکھوں میں بے چینی اور ضبط کی چمک واضح تھی۔

"ہمارے پاس وقت کم ہے تمہیں جو کہا تھا، وہی کرنا ہے۔ وہاں جاؤ فوراً"

رئیسہ اُسے غور سے دیکھنے لگی۔

"تم اتنے پریشان کیوں ہو"

موسیٰ نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں جیسے کچھ یاد آیا ہو، یا جیسے کوئی جنگ اپنے اندر لڑ رہا ہو۔ پھر دھیرے سے، ٹوٹے لہجے میں بولا۔

"وہاں میری بیوی کا نکاح ہو رہا ہے اور تم پوچھ رہی ہو کہ میں کیوں پریشان ہوں۔"

کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ رئیسہ چند لمحے اُسے تکتی رہی، پھر طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر آ گئی۔

"تم تو اُسے بیوی ماننے کو تیار ہی نہیں تھے آج بیوی مان لیا کل کو محبوبہ بھی مان لو گے"

موسیٰ نے ہلکا سا قہقہہ مارا لیکن وہ ہنسی بھی دکھ سے بھری ہوئی تھی۔

"عورت محبوبہ سے بیوی بن سکتی ہے لیکن بیوی سے کوئی محبوبہ نہیں بنتی احمق عورت"

رئیسہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ جل کر تیز لہجے میں بولی،

"احمق تم اور تمہاری وہ بیوی ہے"

موسیٰ نے اُس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ اب وہ دوبارہ کھڑکی کی طرف مڑ گیا جیسے اُسکی بات کوئی اہمیت ہی نہ رکھتی ہو۔

"اوکے جاؤ۔ اپنا کام کرو" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا، جیسے اُس کے وجود پر اب اور کچھ بوجھ ڈالنا ممکن نہ ہو۔

کمرے میں فضا اور زیادہ بوجھل ہو گئی۔ رئیسہ کچھ دیر کھڑی رہی، پھر پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔ اور موسیٰ بس خاموشی سے اُفق کو تکتا رہا جیسے دل کے اندر کوئی نکاح ٹوٹ رہا ہو بنا گواہ بنا دستخط کے۔

ڈھول کی تھاپ فضا میں گھل چکی تھی۔ گھر کے لان میں جھومتے ہوئے پھولوں کے درمیان قندیلیں روشن تھیں اور آسمان پر رنگ برنگی روشنیوں کا رقص ہو رہا تھا۔ ہر چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا ہر قدم تھرک رہا تھا۔

"میرا پیا گھر آیا او لعل نی۔۔۔"

قوالی کی گونج ہر طرف پھیلی ہوئی تھی جیسے خود ہوا بھی آج خوشی میں جھوم رہی ہو۔

"سانوں اللہ ملایا۔۔۔۔"

کسی کونے سے بچوں کے قہقہے سنائی دے رہے تھے، تو کہیں لڑکیاں ہاتھوں میں رنگ برنگی چوڑیاں بجا رہی تھیں۔ بزرگوں کی بیٹھک سے دعاؤں کی سرگوشیاں اٹھ رہی تھیں اور جوانوں کے چہروں پر چمک سی چھائی ہوئی تھی۔

اسی شور اور خوشی کے عالم میں بڑے گیٹ کی طرف نظریں مرکوز تھیں۔ جیسے ہی لڑکے والوں کا قافلہ اندر داخل ہوا، سب کے لبوں پر ایک ہی جملہ آیا۔

"لڑکے والے آ گئے"

گلاب کی پتیاں فضا میں اڑتی جا رہی تھیں، اور قوالی کی لے تیز ہو گئی تھی۔

"پیا گھر آیا سانوں اللہ ملایا..."

برآمدے کے قریب، ابراہیم صاحب نہایت خندہ پیشانی سے امروز صاحب سے بغلگیر ہوئے جبکہ علشبہ بیگم مسکراتے ہوئے اُن کی بیگم کا ہاتھ تھامے اُنہیں اندر لے آئیں۔

"خوش آمدید خوش آمدید"

ابراہیم صاحب نے گرمجوشی سے کہا آواز میں محبت بھی تھی اور فخر بھی۔

اسی دوران نیلے اور سنہری رنگ کی لائٹنگ سے جگمگاتے اسٹیج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ بولے۔

"فردان بیٹا بھائی کو اسٹیج پر لے جاؤ"

سیام کے چہرے پر خفیف سا نروس سا تبسم، مگر آنکھوں میں ایک خاص سی روشنی تھی۔ وہ اپنی جگہ تھوڑا سا جھجکتا کھڑا تھا جیسے سب کی نظریں محسوس کر رہا ہو۔

"جی چاچو"

فردان نے جو ہمیشہ کی طرح چست، خوش مزاج اور حاضر جواب تھا، مسکراتے ہوئے آگے بڑھا۔

"آجائے بھائی"

دونوں بھائیوں کی جوڑی جیسے پورے اسٹیج کو روشن کر گئی۔ ایک طرف محبت بھری روایات اور دوسری طرف بھائی چارے کی مسکراہٹ یہ محفل مکمل ہو چکی تھی۔

صحن میں رنگ و نور کی برسات ہو رہی تھی۔ قندیلیں آسمان پر جھلملاتی روشنیوں کا عکس بن رہی تھیں، اور فضا میں ہلکی ہلکی گلاب کی خوشبو تیر رہی تھی۔ خواتین کے قہقہوں بچوں کے شور اور ڈھول کی تھاپ نے فضا کو مکمل طور پر مایوں کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔

اسی گہما گہمی میں حفصہ بیگم نے آگے بڑھ کر علشبہ بیگم سے کہا۔

"فاطمہ کو بلا لیں رسم شروع کریں"

علشبہ بیگم نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"جی بھابھی میں سامیہ سے کہتی ہوں وہ اُسے نیچے لے آئے گی"

یہ کہہ کر وہ مہمانوں کو چھوڑ کر اندر چلی گئیں۔

اسٹیج پر ہنگامہ عروج پر تھا۔ فردان اپنی شوخیوں کے پورے موڈ میں تھا کبھی کسی کزن کی پگڑی اُتارتا کبھی کسی کو ہنسا دیتا۔ تب ہی حفصہ بیگم آئی اور اُس کے کان کھینچ لیے۔

"بس کرو اب دلہن آرہی ہے نیچے اُترو"

فردان ہنستے ہنستے سیدھا ہو بیٹھا مگر اچانک اُس کی نظریں دروازے پر پڑیں اور وہ بے ساختہ چیخا۔

"اووو گائز مایوں کی دلہن آگئی"

تمام نظریں اینٹری کی جانب مڑ گئیں۔ دروازے پر سبز اور سنہری روشنیوں کے بیچ فاطمہ اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں داخل ہو رہی تھی۔

وہ مایوں کے جوڑے میں کسی شہزادی کی مانند لگ رہی تھی۔ لائٹ گرین چولی پر جھلملاتا کام یلو کلر کا لہنگا جس پر سنہری دھاگے کڑھے ہوئے تھے اور اُس کی سادہ مگر حسین چال جیسے زمین پر نور برس رہا ہو۔

ڈی۔ جے نے جیسے دلوں کی دھڑکن سمجھ لی ہو فورا گانا بدل دیا۔

♪♪ چمکی چنری کے نیچے دلہن چلی ہے ♪♪

تیرے ہاتھوں پہ کیسی مہندی کھلی ہے

رنگوں سے چاہتوں کی ڈوری بندھی ہے

نازو پلی میٹھی گڑ کی ڈھلی ہے

چمکی چنری کے نیچے دلہن چلی ہے

بانکا پیا جب ڈورے ڈالے

من بھاگے توڑ کے تالے

پیا جب ڈورے ڈالے

من توڑے سب تالے

لڑ گئیاں گئیاں لڑ گئیاں

جب سے اکھیاں لڑ گئیاں

فاطمہ کے قدم دھیرے دھیرے اسٹیج کی طرف بڑھ رہے تھے لیکن دل کی دھڑکن تیز سے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ گانے کے بول جیسے اُس کے اندر اترتے جا رہے ہوں، سانسیں بے ربط ہاتھ کانپتے اور چہرے پر ہلکی گھبراہٹ۔

"بھائی دل تیز دھڑک رہا ہے نا"

فردان نے شوخی سے کان میں کہا۔

"ہاں تُجھے کیسے پتا" سیام نے دھیمی آواز میں جواب دیا آنکھیں فاطمہ پر جمی ہوئی تھیں۔

"آواز باہر تک آرہی ہے"

فردان نے قہقہہ لگایا اور سیام نے چڑ کر کہا۔

"مر جاؤ تم منحوس انسان"

اسی لمحے فاطمہ بلکل اسٹیج کے قریب پہنچ گئی۔

سیام فوراً کھڑا ہو گیا ہاتھ آگے بڑھایا۔

"ہاتھ دو فاطمہ"

فاطمہ چند لمحے بس اُسے دیکھتی رہی زبان جیسے ہلنے سے قاصر تھی نظریں لرزتی پلکوں میں چھپی ہوئی تھیں۔ اُس کی جھجک دیکھ کر سامیہ آگے بڑھی نرمی سے اُس کا ہاتھ تھاما اور سیام کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

"یہ لے بھائی آپ کا کام آسان کر دیا" سامیہ نے شرارتی انداز میں کالر جھاڑتے ہوئے کہا۔

"اگر یہ کام تم نہ بھی کرتیں تب بھی ہم دولہن کو اسٹیج پر لے ہی آتے"

فردان نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ سامیہ کی طرف دیکھا۔

"اچھا مجھے تو لگا شاید صرف میں ہی یہ اعزاز رکھتی ہوں"

سامیہ نے بھی چٹکی لی دونوں کی نوک جھونک نے اسٹیج کا ماحول ہلکا پھلکا کر دیا۔

اسٹیج پر اب سب کچھ مکمل تھا—— دلہا دلہن اور ان کے درمیان قہقہوں محبتوں اور دعاؤں سے جگمگاتا لمحہ۔

سیام اسٹیج پر بیٹھا تھا۔ فاطمہ اُس کے ساتھ آکر بیٹھ گئی نظریں جھکی ہوئیں ہاتھ مہندی سے سجے اور سانس جیسے رُکے ہوئے۔

محفل میں شور تھا مگر سیام کے لیے سب آوازیں بیک گراؤنڈ میں جا چکی تھیں۔

اس نے ایک لمحے فاطمہ کو دیکھا بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جیسے کوئی اپنے خواب کو سامنے دیکھ رہا ہو۔

پھر وہ آہستہ سے بولا آواز اتنی سچی، اتنی صاف، کہ جیسے دل بول رہا ہو۔

"بہت خوبصورت لگ رہی میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں"

فاطمہ نے پلکیں جھپکائیں۔ نظریں اُٹھیں لیکن چہرہ ساکت رہا۔

"تم میری زندگی میں ابھی آئی ہو مگر میرے دل میں تم برسوں سے ہو۔

میں نے تمہیں اُس وقت سے چاہا جب مجھے اُمید بھی نہیں تھی تم ملو گی"

سیام تھوڑا سا جھکا، صرف اتنا کہ لفظ سیدھے اُس کے دل سے نکل کر اُس کی روح تک پہنچیں۔

"فاطمہ آج تم میرے سامنے نہیں بیٹھی

آج میری وہ محبت میرے سامنے بیٹھی ہے

جس کا میں نے کبھی کسی سے ذکر بھی نہیں کیا

بس دل میں چھپائے رکھا جیسے لوگ کوئی قیمتی چیز چھپاتے ہیں"

فاطمہ کی سانس کانپی لب ہلے آنکھیں جھک گئیں۔

"لوگ پوچھتے تھے کوئی ہے جس سے محبت ہے

میں ہنس کے کہتا تھا نہیں

کیونکہ وہ 'کوئی' تب صرف ایک امید تھی

اور آج وہ حقیقت بن کر میرے ساتھ بیٹھی ہے"

پھر سیام کی آخری بات دھیمے لہجے میں بہت نرمی سے۔

"میں تمہیں ابھی سے نہیں چاہتا میں تمہیں ہمیشہ سے چاہتا ہوں بس اب تم ملی ہو"

۔۔۔

ڈھول کی تھاپ ایک دم تھم گئی تھی جیسے خوشیوں کی ہوا کو کسی نے روک دیا ہو۔

"ابراہیم پہلے نکاح کر لیتے ہیں بعد میں رسمیں، کیا خیال ہے تمہارا"

امروز صاحب کا لہجہ نرم ضرور تھا، مگر اُس میں فیصلے کی گونج تھی۔

"جی بھائی صاحب جیسا آپ کو مناسب لگے"

ابراہیم نے اثبات میں سر ہلایا اور اُن کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

"ٹھیک ہے تم خواتین کو اطلاع دو میں مولوی صاحب کو لے آتا ہوں"

امروز صاحب یہ کہتے ہی مردوں کے ہجوم میں بڑھ گئے۔

ابراہیم نے رخ عورتوں کی جانب کیا، اور اونچی آواز میں اعلان کیا۔

"چلو بچوں اسٹیج سے نیچے آجاؤ، پہلے نکاح ہو گا بعد میں رسمیں"

یہ سننا تھا کہ جیسے فضا میں سنّاٹا چھا گیا۔

فاطمہ کے جسم سے جیسے جان نکلتی جا رہی ہو۔ اُس کی پلکیں لرزنے لگیں ہونٹ سوکھنے لگے اور ماتھے پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمکنے لگے۔ وہ جیسے کسی گہرے خواب سے جاگنے سے ڈر رہی ہو۔

سامیہ نے فوراً فاطمہ کا ہاتھ تھاما اس کی آنکھوں میں دیکھا اور دِل ہی دل میں کچھ سمجھ گئی۔

"علشبہ فاطمہ کے سر پر لال چنری ڈال دو مولوی صاحب آتے ہی ہوں گے"

اماں بی کی آواز اب ہلکی نہیں فیصلہ کن ہو چکی تھی۔

"جی اماں ابھی لائی"

علشبہ بیگم اندر کی طرف تیزی سے بڑھ گئیں۔

اسی لمحے——

باہر ایک بڑی سی گاڑی آکر رکی۔

دروازہ کھلا اور رئیسہ اُتری سیاہ ساڑھی میں ملبوس آنکھوں میں غرور کی چمک اور ہاتھ میں نکاح نامہ ہر قدم جیسے کسی اعلان کی طرح تھا وہ آج تماشائی نہیں کردار تھی۔

ابھی وہ دروازے کی طرف بڑھ ہی رہی تھی کہ

"پوووووووو۔۔"

پولیس سائرن کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔

تمام نظریں دروازے کی طرف مڑ گئیں۔

پولیس جیپ رُکی اور اُس میں سے نیوز لائن چینل کے اونر اُترے اُس کے ساتھ مکمل پولیس عملہ تھا سخت چہرے مضبوط قدم۔

رئیسہ ٹھٹک گئی اُس نے پلٹ کر دیکھا۔

اور وہاں دوسری طرف جو سب کو کنٹرول کر رہا تھا موسیٰ شیر خان گاڑی میں بیٹھے سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

وہ، جس نے اُسکو کہا تھا "میں نہیں آؤں گا"

آج پوری برداری پوری طاقت اور پورے اختیار کے ساتھ آگیا تھا۔

محفل میں جیسے وقت منجمد ہو چکا تھا۔

"مائے ڈیئر ہزبینڈ آپ شادی کر رہے ہیں مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا"

رئیسہ کی آواز جیسے کسی تیز گونج کی طرح پورے ہال میں پھیل گئ۔

فاطمہ اور سیام اسٹیج پر بیٹھے تھے اور رئیسہ اُن کے سامنے پورے طنطنے سے کھڑی تھی۔ آس پاس کھڑے مہمانوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

حفصہ بیگم رئیسہ کی بات سُن کر بوکھلا گئیں۔

"بیٹا یہ کیا کہہ رہی ہو تم" اُنھوں نے رئیسہ کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا۔

رئیسہ نے سپاٹ لہجے میں سب کے سامنے اعلان کیا۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں آنٹی مسٹر سیام میر نے مجھ سے نکاح کیا ہے دو مہینے ہو چکے ہیں"

سیام کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ تڑپ کر کھڑا ہوا غصے سے رئیسہ کے پاس گیا۔

"کیا بکواس ہے! کون سا نکاح"

ابھی رئیسہ جواب دینے ہی والی تھی کہ اچانک پولیس انسپکٹر سامنے آیا۔

"دیکھیں مسٹر آپ کی ذاتی بات بعد میں ہم یہاں گرفتاری کے لیے آئے ہیں"

"کس کو گرفتار کرنے"

فردان کے ماتھے کی رنگیں تن گئی اور غصے سے بولا۔

"مس فاطمہ ابراہیم کو"

ایک لمحے کے لیے سانسیں تھم گئیں۔

لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے سب خوشیاں جیسے کسی نے ہاتھ سے کھینچ لی ہوں۔

"میری بیٹی نے کیا کیا ہے"

ابراہیم صاحب کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ جھٹکے سے آگے بڑھے۔

انسپکٹر نے دفتری لہجے میں کہا۔

"ان پر الزام ہے کہ انہوں نے اپنے چینل کی اہم معلومات دوسرے چینل کو بیچیں اور اُس کے بدلے رشوت لی"

"یہ جھوٹ ہے میں نے کچھ نہیں کیا بابا"

فاطمہ کی آواز رند گئی۔ اُس کے چہرے پر آنسو، کاجل بکھرا ہوا، اور بدن لرزتا ہوا۔

لیڈی آفیسر آگے بڑھی اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔

"جو بھی کہنا ہے تھانے جا کر کہنا بی بی"

اور ہتھکڑیاں فاطمہ کے نازک ہاتھوں میں چُپک گئیں۔

"ماما بابا یہ سب جھوٹ ہے"

فاطمہ چیخ پڑی۔ اُس کی ماں زمین پر بیٹھ گئی سینہ پیٹنے لگی۔

انچیف نے تھوڑی دور کھڑے ہو کر بیزاری سے کہا۔

"یہی انجام ہوتا ہے جب لوگ حدود پھلانگ جاتے ہیں لے جاؤ اسے"

پولیس فاطمہ کو لے گئی۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ سیام نے جیسے قدم جمانے کی کوشش کی، لیکن رئیسہ چیخ پڑی۔

"تم مجھے ایسے نہیں چھوڑ سکتے سیام"

سیام نے پلٹ کر طنز بھری نظر ڈالی۔

"بکواس بند کرو اور دفع ہو جاؤ"

"تم نے مجھ سے نکاح کیا ہے سب کے سامنے انکار کر رہے ہو"

رئیسہ قریب آئی، لوگوں کو دکھاتے ہوئے نکاح نامہ ہوا میں لہرایا۔

"انکل آپ خود دیکھ لیں سائن اس کے ہیں"

امروز صاحب نے کانپتے ہاتھوں سے نکاح نامہ لیا، اور لرزتی آواز میں کہا۔

"سیام یہ تمہارے سائن ہیں"

سیام جیسے زمین میں گڑ گیا۔

"بابا یہ جعلی ہے جھوٹ ہے"

"سیام میں تمہاری بیوی ہوں تم انکار کیسے کر سکتے ہو"

رئیسہ اُس کا گریبان پکڑ چکی تھی۔

سیام نے جھٹکے سے رئیسہ کو پیچھے کیا۔

"تم میری بیوی نہیں ہو میں تمہیں نہیں مانتا"

اسی لمحے ایک شخص آگے بڑھا رئیسہ کو سنبھالا۔

"تم نے میری بیٹی کو دھکا دیا"

بدر خان رئیسہ کے باپ موسیٰ کی بھیجی ہوئی کہانی کے مطابق پورے غصے میں سامنے آ کھڑے ہوئے۔

"سیام اگر میری بیٹی کو بیوی نہیں مانتے تو ابھی طلاق دو یا اسی وقت دوبارہ نکاح کرو"

اُن کا لہجہ حتمی تھا۔

"میں نکاح نہیں کروں گا میں صرف فاطمہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں" سیام گرجا تھا۔

"سیام یہ سب کیا تماشا ہے بیٹا سچ بتاؤ کیوں میری عزت خاک میں ملا رہے ہو"

امروز صاحب اتنے سارے مہمانوں کے درمیان سیام پر برسے تھے۔

"یہ جھوٹ بول رہی ہے ابو میں نے کوئی نکاح نہیں کیا"

سیام کی آواز گونجی نہیں پھٹی۔ جیسے سینے میں دبا لاوا پھٹ گیا ہو۔ اس کی آنکھیں غصے اور دکھ سے سرخ ہو چکی تھیں، اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔

رئیسہ نے نرمی سے قدم آگے بڑھائے۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ تھا مگر الفاظ خنجر سے تیز۔

"تو پھر یہ نکاح نامہ کیا ہے جھوٹ اور وہ وکیل بھی جھوٹا ہے جس نے ہمارے سامنے یہ کاغذات بنائے جھوٹے صرف تم ہو سیام۔ کیسا خاندان ہے تم لوگوں کا اپنی بیوی کو ہی نہیں قبول کر رہے ہو"

وہ آنسو جو رئیسہ کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، اُن میں پانی نہیں، جیت کی روشنی تھی مکاری کا تاج جیسے اس کے ماتھے پر جگمگا رہا تھا۔

"امروز صاحب"

بدر صاحب کی آواز جیسے جلتے کوئلے پر قدم رکھ دیا ہو۔

"آپ کے بیٹے کو عزت دی تھی میں نے اپنی کمپنی میں جگہ دی مگر افسوس آپ کے بیٹے نے ہمیں بدنامی دے دی معذرت کے ساتھ آپ کا بیٹا اُن گھٹیا لوگوں میں سے ہے جو لڑکیوں کو ورغلاتے ہیں استعمال کرتے ہیں اور پھر منہ موڑ لیتے ہیں"

امروز صاحب کا چہرہ جیسے پتھر کا ہو گیا۔ آنکھیں سیام پر ٹکی ہوئی تھیں جن میں باپ کا پیار مر چکا تھا اور غیرت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

"سیام" انہوں نے دانت پیستے ہوئے کہا،

"چپ چاپ نکاح کی حامی بھر لو اور اگر تماشا بنایا تو قسم ہے مجھے اپنے خون کی تمہیں میرے جنازے پر آنے کی اجازت نہیں دو گا"

"ابو یہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے یہ ایک کردار فروش عورت ہے اس نے مجھے پھنسانے کی سازش کی ہے آپ میری بات پر یقین کیوں نہیں کر رہے"

سیام کی آواز کانپنے لگی۔ اس کی چیخ اب فریاد بن چکی تھی۔

ٹھااہ!

تھپڑ کی آواز نہیں بجلی کی گرج تھی۔ امروز صاحب کا ہاتھ سیام کے چہرے پر پڑا، اور لمحے بھر میں وہ زمیں سے جا لگا۔

"بکواس بند کرو پنچ لڑکے نکاح کرو گے ابھی اسی وقت ورنہ نکل جاؤ میری زندگی سے۔ آج کے بعد میں تمہیں اپنا بیٹا کہنے کا حق بھی چھین لوں گا"

سیام کا وجود کانپنے لگا۔ آنکھوں سے آنسو نہیں، زخم ٹپکنے لگے۔

"ابو۔۔۔ پلیز"

"بولو ہاں یا ناں" امروز صاحب کی آواز اب بجلی کا قہر بن چکی تھی۔

ایک پل کو سناٹا چھا گیا۔ صرف سیام کی رُکی ہوئی سانس، رئیسہ کی چھلکتی جیت اور مہمانوں کی ساکت نظریں باقی تھیں۔

"سیام بیٹا اپنے ابو کی بات مان لو مزید تماشا مت بناؤ" حفصہ بیگم سیام کے آگے ہاتھ جوڑ گئی۔

سیام نے آنکھیں بند کیں جیسے خود کو موت کے حوالے کر رہا ہو۔ اُس نے اپنی ماں کے ہاتھوں کی لاج رکھی۔

"ابو جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہو گا"

لیکن سب پیٹھ پھیر چکے تھے۔

امروز صاحب آگے بڑھے رئیسہ کے والد سے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"نکاح شروع کروائیں جتنا ہو چکا کافی ہے مزید تماشا نہ بنائے"

"چلو اسٹیج پر آجاؤ نکاح ہمارا ہے"

رئیسہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ سیام کو گھورتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

اور وہ لمحہ جو سیام کا ہونا تھا

وہ رئیسہ کا بن گیا۔

نہ ڈھول کی تھاپ نہ کوئی ہنسی نہ کوئی مبارکباد۔

اسٹیج کے سامنے بیٹھے چہرے بس ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے شرمندگی حیرانی اور خاموشی کے ساتھ۔

اسٹیج پر سرخ پھولوں سے سجی میز پر نکاح نامہ رکھا تھا۔

مولوی صاحب ہاتھ میں قلم تھامے بیٹھے تھے۔ ان کی آنکھوں میں بھی الجھن تھی جیسے وہ خود سوچ رہے ہوں کہ یہ نکاح دلوں کا ہے یا محض کاغذوں کا۔

سیام کا چہرہ سپاٹ تھا۔ جیسے اس کا وجود جسم میں ہو، مگر روح کہیں اور۔

وہ خاموش بیٹھا تھا آنکھیں جھکی ہوئی تھیں جیسے ہر لفظ ہر لمحہ اس کے لیے سزا ہو۔

دوسری طرف رئیسہ سنبھلی ہوئی خاموش مگر آنکھوں میں جیت کی ایک چمک چھپی ہوئی تھی۔

سیاہ ساڑھی میں وہ دلہن کم سیاسی چال زیادہ لگ رہی تھی۔

"ولی کا نام"

مولوی صاحب نے نرمی سے پوچھا۔

"بدر خان" رئیسہ کے والد نے آگے بڑھ کر جواب دیا۔

مولوی صاحب نے نکاح کی شرائط دہرائیں، مہر کی رقم لکھی گئی اور وہ سوال جو صدیوں سے پوچھا جاتا رہا۔

"کیا آپ کو سیام میر سے نکاح قبول ہے"

رئیسہ نے ایک لمحہ سانس لی پھر سر جھکا کر بولی۔

"قبول ہے"

ایک بار،

پھر دوسری بار۔

پھر تیسری بار——ہر بار پہلے سے زیادہ پُریقین آواز میں۔

اب مولوی صاحب کی نگاہ سیام پر تھی۔

"بیٹا آپ کو رئیسہ بدر خان سے نکاح قبول ہے"

سیام کا گلا خشک ہو چکا تھا۔ لب ہلے مگر آواز نہ نکلی۔

مولوی صاحب نے سوال دہرایا۔

سیام نے آنکھیں بند کیں جیسے کوئی زخم یاد آرہا ہو۔

پھر بمشکل لبوں سے نکلا۔

"قبول ہے"

تین بار۔

نکاح مکمل ہو چکا تھا۔

مولوی صاحب نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے، لیکن آوازیں پیچھے ہی رہ گئیں۔

کسی نے آمین نہ کہی۔

رئیسہ نے ایک کونے سے چپکے سے ساڑھی کا پلو سمیٹا اور دھیرے سے سیام کے پاس ہو کر بیٹھ گئی۔

"دیکھا رئیسہ بدر خان جو کہتی ہے وہ کرتی بھی ہے" وہ مدھم آواز میں بولی جیسے جیت کا اعلان ہو۔

ٹھیک پندرہ دن بعد وہ رئیسہ بدر خان سے رئیسہ سیام میر بنی تھی۔

سیام نے جواب نہیں دیا۔

بس اُس کی آنکھوں میں ایک سوال تیرنے لگا۔

"یہ نکاح ہوا ضرور لیکن محبت کہاں ہے"

"سر جیسا آپ نے کہا تھا ویسا ہی کیا"

اسماعیل فاطمہ کے ساتھ پولیس وین میں بیٹھا فون کان سے لگائے موسیٰ کو رپورٹ کر رہا تھا۔

"اوکے جس جگہ میں نے کہا تھا میڈم کو وہیں پہنچاؤ"

موسیٰ کی آواز سنسان رات کے سناٹے میں جیسے گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ تنہا ایک ویران سڑک پر کھڑا تھا۔ دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ماحول کو اور بھی بھیانک بنا رہی تھیں۔

"او کے سر پندرہ منٹ میں پہنچ جائیں گے"

اسماعیل نے بات مکمل کر کے فون بند کیا۔

فاطمہ نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کچھ دیر خاموشی کے بعد سوال کیا۔

"یہ کہاں جا رہے ہیں یہ پولیس اسٹیشن کا راستہ تو نہیں لگ رہا"

لیڈی کانسٹیبل نے سخت لہجے میں گھورتے ہوئے کہا۔

"تھوڑی دیر میں سب پتہ چل جائے گا ابھی چُپ چاپ بیٹھو"

پندرہ منٹ بعد گاڑی ایک ویران، جھاڑیوں سے گھری ہوئی سنسان جگہ پر رک گئی۔ آس پاس کوئی آبادی نہ تھی۔ تاریک رات میں صرف گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشنی کا واحد ذریعہ تھیں۔

"تم سب وہی کرو جو کہا ہے صبح اس لڑکی کو گھر پہنچا دیا جائے گا لیکن یاد رکھنا کسی کو بھی خبر نہیں ہونی چاہیے کہ یہ تھانے میں نہیں تھی"

اسماعیل نے آفیسرز کو سخت لہجے میں ہدایت دی۔ سب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

فاطمہ اب بے چین ہو گئی تھی اسماعیل کو دیکھ کر وہ اِسکو پہچان گئی تھی۔

"تم وہی اسماعیل ہو نا جس نے مجھے اغوا کیا تھا"

وہ غصے سے اسے گھورتی ہوئی بولی۔

اسماعیل نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ موسیٰ کو فون ملایا۔

"میں تم سے بات کر رہی ہوں منحوس ڈھیٹ انسان جواب دو مجھے"

فاطمہ کی آواز اب بلند ہو چکی تھی۔

"سر ہم پہنچ گئے ہیں" اسماعیل مسلسل فاطمہ کی بات کو اگنور کر رہا تھا۔۔

"جہاں تم کھڑے ہو دائیں طرف دیکھو۔ میری گاڑی کھڑی ہے۔ میڈم کو وہاں بھیجو اور گارڈز کو لے کر واپس حویلی چلے جاؤ" موسیٰ گاڑی سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

"او کے"

اسماعیل ابھی فون بند کرنے ہی والا تھا کہ موسیٰ کی آواز دوبارہ آئی۔

"کال بند مت کرنا"

اسماعیل سب سمجھ گیا تھا۔

"میڈم وہ سامنے سر کی گاڑی ہے آپ وہاں چلی جائیں"

فاطمہ نے غصے سے جواب دیا۔

"بھاڑ میں جائے تم اور تمہارا سر میں کہیں نہیں جا رہی"

موسیٰ کی آواز ایک بار پھر اسماعیل کے فون میں گونجی۔

"گارڈز کی گاڑی میں ٹوم اور جیکسن ہیں ان کو پیچھے لگا دو۔ میڈم کو دوڑاؤ اتنا کہ ہوش ٹھکانے آجائیں"

"سر"

اسماعیل جانتا تھا کہ موسیٰ کس خطرناک کھیل کی بات کر رہا ہے۔

"جتنا کہا ہے اتنا کرو"

موسیٰ کی آواز میں اب کوئی گنجائش نہ تھی۔

اسماعیل نے خاموشی سے اشارہ کیا اور خود گاڑی سے اتر کر پیچھے ہٹ گیا۔

فاطمہ اب اکیلی تھی۔ اچانک اندھیرے میں سے دو بڑے کالے خوفناک کتے غرانے کی آواز کے ساتھ اس کی طرف لپکے۔

"آآااا۔۔۔ یہ کتے"

وہ چیختی ہوئی بھاگنے لگی لیکن بھاری لہنگا اس کے قدموں کی راہ میں بار بار حائل ہو رہا تھا۔

ایک طرف موسیٰ کی گاڑی کی لائٹس جھلملا رہی تھیں دوسری طرف وہ دو خوفناک کتے اس کے پیچھے تھے۔

"کوئی ہے بچاؤ خدا کے لیے بچاؤ"

فاطمہ کے حلق سے نکلی چیخیں اندھیرے میں گھلتی جا رہی تھیں۔

گاڑی کے شیشے سے موسیٰ یہ منظر خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نظریں ساکت تھیں جیسے وہ اُسکے ہر قدم ہر چیخ ہر آنسو کا گواہ ہو۔

"موسیٰ میں جانتی ہوں آپ گاڑی میں ہیں خدا کا واسطہ ہے روک دیں یہ کتے مجھے مار ڈالیں گے"

فاطمہ اب ہچکیوں سے روتی ہوئی بھاگ رہی تھی۔

"بھاؤ بھاؤ بھاؤ" کتے مسلسل بھونک رہے تھے۔

"کوئی ہے مجھے بچاؤ آہ آہ آہ" مسلسل چیخنے کی وجہ سے گلے میں خراشیں پڑ رہی تھی۔

مسلسل پندرہ منٹ سے وہ بھاگ رہی تھی اور کتے ہانپتے ہوئے اُس کے پیچھے تھے۔

"کوئی بچاؤ مجھے موسیٰ خدا کا واسطہ ان کو روکو" اُس نے آخری صدا لگائی

موسیٰ نے اُسی لمحے نرمی سے فون پر کہا۔

"اسماعیل ٹوم اور جیکسن کو روک دو"

کتے اچانک رک گئے۔ فاطمہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا کتے غائب تھے۔

"اللہ۔۔۔ آہ۔۔ آہ۔۔"

وہ وہیں زمین پر بیٹھ گئی روتے روتے ہچکیاں لینے لگی۔

پاؤں سے خون بہہ رہا تھا کانچ چبھ چکے تھے جوتے کہی گر گئے تھے۔ وہ اب مزید کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔

موسیٰ اُس کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ لبوں پر ہنسی تھی مگر آنکھوں میں تجسس۔

"اب کیا کتوں کا ڈنر بننے کا ارادہ ہے یا گاڑی میں بیٹھو گی" وہ طنزیہ مگر مدھم لہجے میں بولا۔

فاطمہ نے اُس کی طرف دیکھا اور یکایک چیخ اُٹھی—

"آہ... آہ۔۔۔"

اُس کی آواز کانپ رہی تھی آنکھوں میں آنسو چہرے پر بے بسی اور بدن میں لرزش۔ جیسے وہ ابھی بھی انہی کتوں کے پنجوں میں ہو۔

"میرے پیر" اُس کے پاؤں بُری طرح زخمی ہو چکے تھے۔

موسیٰ آہستہ سے اُس کے سامنے زانو کے بل بیٹھ گیا۔

"میں گود میں نہیں اُٹھانے والا تمہیں خود چل کر گاڑی تک جانا پڑے گا"

فاطمہ کے ہونٹ لرزنے لگے۔

"موسیٰ... وہ کتے۔۔۔ آپ نے نہیں دیکھا کتنے بڑے تھے۔۔۔ اُن کی آواز... اُن کی آنکھیں... وہ میرے بالکل پاس آگئے تھے۔۔۔ میں..."

وہ بدحواسی میں بولے جارہی تھی۔ اُس کی سانسیں بے ترتیب تھیں۔ خوف اُس کے لہجے میں رچ بس گیا تھا۔

موسیٰ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ صدمے کے زیرِ اثر ہے۔

"فاطمہ وہ چلے گئے ہیں۔ سانس لو ریلکس کرو"

اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا "ہاتھ دو مجھے"

مگر فاطمہ نے اُس کے ہاتھ کو دیکھنے کے بجائے اپنے پیروں کی طرف اشارہ کیا

—

"میرے پیر"

وہ پھر رو دی۔

موسیٰ کی نظر جیسے ہی اُس کے پیروں پر پڑی وہ ٹھٹک گیا۔ خون زمین کو رنگین کر رہا تھا۔ پیر سوجھ گئے تھے۔

"شششش چپ کرو۔ میں ہوں نا، میں تمہیں اُٹھالیتا ہوں"

وہ خود بھی اضطراب میں آگیا تھا۔

"میرے پیر" وہ پھر سے سسک پڑی۔

"اُف خدا اب برداشت نہیں ہو رہا درد تو پہلے بیٹھ جانا تھا گاڑی میں اب اُٹھا تو رہا ہوں"

موسیٰ جھنجلا کر بولا اور اگلے ہی لمحے اُسے اپنی باہوں میں بھر لیا۔

مگر اُس نے ابھی بمشکل چند قدم ہی اُٹھائے تھے کہ فاطمہ کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

"فاطمہ؟ فاطمہ؟"

موسیٰ نے چونک کر اُس کے چہرے کی طرف دیکھا آنکھیں بند تھی، چہرہ زرد اور سانس مدھم۔

"توبہ ہے اس لڑکی سے انسانوں سے ڈرتی نہیں اور کتوں سے ایسے ڈر رہی تھی جیسے قیامت آگئی ہو"

وہ دھیرے سے بڑبڑایا مگر اُس کی باہوں کا گھیرا سخت ہو گیا تھا۔

اب وہ بے چینی سے اسے گاڑی کی طرف لیے بڑھ رہا تھا.

رات گہری ہو چکی تھی۔ اندھیرا ہر طرف اپنی سیاہی پھیلا چکا تھا۔ پولیس اسٹیشن کی بلڈنگ ایک خاموش قبر کی مانند کھڑی تھی، جہاں صرف ٹیوب لائٹ کی ٹمٹماتی روشنی اور دور سے آنے والی کتے کی بھونک سنائی دیتی تھی۔

ابراہیم صاحب اور فردان تھکے ہارے دل گرفتہ چہروں کے ساتھ تھانے کے اندر بیٹھے تھے۔ دونوں کے چہروں پر وقت کی مار، آنکھوں میں بے بسی اور امید کی آخری رمق دکھائی دے رہی تھی۔

"سر خدا کا واسطہ ہے ایک بار صرف ایک بار میری بیٹی سے ملنے دیں"

ابراہیم صاحب کی آواز ٹوٹتی ہوئی حلق سے جیسے زبردستی نکلی۔ آنکھیں نم تھیں اور چہرہ غصے سے سرخ۔

ڈی ایس پی کرسی پر پیر پسارے، جمائی لیتے ہوئے گویا ہوا۔

"بزرگ ہو سمجھ دار بنو ملاقات صبح ہو گی اب گھر جاؤ"

فردان کی آواز بلند ہو گئی وہ کرسی سے جھٹکے سے اٹھا۔

"یہ کہاں کا قانون ہے کہ ملاقات صبح ہو گی"

"ہم صرف اُس سے ایک بار ملنا چاہتے ہے صرف ایک نظر ہی تو ڈالنی ہے"

آفیسر کی تیوری چڑھ گئی۔ کرسی پر جھک کر سخت آواز میں بولا۔

"بہت بولتا ہے تُو لگتا ہے تجھے بھی کسی کمرے میں بند کرنا پڑے گا"

"فردان بیٹھو"

ابراہیم صاحب نے اُس کا بازو تھام کر دبایا۔ پھر وہ جھکے، جیسے اپنے وقار کو زمین پر رکھ کر التجا کرنے لگے۔

"آفیسر صاحب آپ کی بیٹی نہیں ہے اس لیے آپ نہیں جان سکتے بس ایک بار ایک لمحے کے لیے اسے دیکھنے دیں اُس پر جھوٹا الزام ہے"

آفیسر نے طنز سے ہنکارا بھرا پھر گھٹیا انداز میں بولا۔

"پہلے اپنی بیٹی کو سنبھالتے رشوت کھانے کے الزام میں بیٹھی ہے اندر مڈل کلاس لوگ بیٹیوں کو فریڈم دے کر پھر تھانوں کے چکر کاٹتے ہیں"

یہ جملے ابراہیم کے دل میں کسی خنجر کی طرح پیوست ہو گئے۔ فردان کے چہرے پر غصہ بے بسی اور آنکھوں میں نمی واضح دکھائی دینے لگی۔

"شکیل" آفیسر نے باہر کی طرف دیکھا،

"ان بزرگ کو باہر تک چھوڑ آؤ"

"جی سر"

شکیل احترام سے بولا اور آگے بڑھا۔

ابراہیم صاحب نے ایک بار تھانے کی دیواروں کو دیکھا جیسے وہاں سے اپنی بیٹی کی آواز سننے کی آخری کوشش کر رہے ہوں۔ فردان نے قدم گھسیٹتے ہوئے اپنے چاچو کا بازو تھاما۔ دونوں سناٹے میں لپٹے اندھیرے میں گم ہو گئے۔

رات کا اندھیرا جیسے اُس فارم ہاؤس پر ٹوٹ کر چھا گیا تھا۔ آسمان پر بادل تھے اور ہر طرف ایک غیر مرئی خوف کا سایہ منڈلا رہا تھا۔ فارم ہاؤس کی لائٹیں بجھی ہوئی تھیں صحن سنسان تھا اور ہوا میں عجیب سا سکوت چھایا تھا۔ کوئی خفیہ سازش جیسے فضا میں گردش کر رہی ہو۔

اندر ڈرائنگ روم میں ہلکی سی پیلی روشنی جل رہی تھی۔ موسیٰ نے فاطمہ کو بازوؤں میں اٹھا رکھا تھا جو ہوش و حواس سے بیگانہ تھی۔ صوفے پر لیٹاتے ہوئے اُس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"اب ان میڈم کو ہوش کب آئے گا"

اُس نے منہ بناتے ہوئے کہا جیسے یہ سب ایک جھنجھٹ ہو۔

فاطمہ کا چہرہ تھکن خوف اور بے ہوشی کی ملی جُلی تصویر پیش کر رہا تھا۔ اُس کے پیر سوجے ہوئے تھے خون رس رہا تھا جیسے وہ زمین پر چلتی نہیں گھسٹتی آئی ہو۔

"اب بینڈ تج بھی میں کرو کیا مصیبت ہے"

موسیٰ نے جھک کر اُس کے پیر دیکھے اور ناک چڑھا کر بڑبڑایا۔

تبھی فاطمہ کی پلکیں ہلنے لگیں۔

"پا۔۔نی۔۔۔پانی..."

آواز مدھم تھی جیسے کسی خواب سے جاگتی جا رہی ہو۔

موسیٰ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کیا چاہیے؟ اونچا بولیں نا جیسے نیوز روم میں بولتی ہیں"

فاطمہ کی بند آنکھوں سے ایک آنسو گرا۔

"بابا۔۔۔سیام"

اُس کی زبان لاشعوری طور پر اُن ناموں کو پکار رہی تھی جن سے اُسے تحفظ جڑا ہوا تھا۔

موسیٰ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"اٹھ کے بیٹھو سیام کی بچھ لگتی آنکھیں کھولو"

وہ اُس کے کندھے جھنجھوڑنے لگا۔

"یہ۔۔یہ کہاں ہوں میں"

فاطمہ نے تھکی ہوئی نظروں سے ارد گرد دیکھا جیسے کسی اجنبی جہان میں ہو۔

"میری دنیا میں"

موسیٰ صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھا اور مسکرا کر بولا اُس کی مسکراہٹ میں سرد مہر تشدد چھپا تھا۔

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو"

فاطمہ چیخی مگر آواز میں نقاہت تھی۔

"بس مرضی میری اور ویسے بھی کال پر تم ہی کہہ رہی تھی موسیٰ پلیز نکاح نامہ دے دو میں نے سوچا میں خود کیوں نہ آ جاؤ" موسیٰ نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"جسٹ شٹ اپ مجھے میرے گھر جانا ہے میرے بابا پریشان ہو رہے ہوں گے"

فاطمہ صوفے سے اٹھی ایک قدم ہی لیا تھا کہ لڑکھڑا کر زمین پر گر گئی۔

"میرے پیر"

وہ اپنے زخم دیکھ کر زار و قطار رونے لگی۔

"ظلم خود کر رہی ہو اور الزام مجھ پر صبح چھوڑ دوں گا لیکن ایک شرط پر"

موسیٰ نے نرمی کا نقاب اوڑھتے ہوئے کہا۔

"اپنی گھٹیا شرطیں اپنے پاس رکھو مجھے ابھی گھر جانا ہے"

فاطمہ غرائی اُس کے لہجے میں نفرت صاف تھی۔

"جاؤ پھر دروازہ کھلا ہے باہر وہی دو کتے ہیں شوق سے جاؤ اٹھو اب"

موسیٰ نے تیز آواز میں طنز کیا۔

فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

"اللہ کرے تم مر جاؤ موسیٰ تمہیں پانی بھی نصیب نہ ہو تم عبرت کا نشان بنو"

موسیٰ نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"بینڈیج کروانی ہے یا بس بددعائیں ہی دینی ہے"

"ہاتھ مت لگاؤ اپنے غلیظ ہاتھ مجھ سے دور رکھو"

فاطمہ پیچھے ہوئی جیسے اُس کا وجود بھی اُس سے نفرت کرتا ہو۔

"یقین مانو سیام سے زیادہ پیارے ہاتھ ہیں میرے"

موسیٰ زہر خند انداز میں بولا۔

"تم سیام کے جوتے کے برابر بھی نہیں ہو اُس کو عورتوں سے بات کرنے کی تمیز ہے وہ تم سے بہت بہتر انسان ہے کیونکہ اُس کے اندر اُس کی ماں کی تربیت بولتی ہے تمہاری تو تمہاری ماں ہی تمہیں کچھ نہ سکھا سکی جیسی ماں ویسا بیٹا"

"ٹھاہ!"

اچانک ایک زوردار تھپڑ فضا کو چیرتا ہوا فاطمہ کے چہرے پر پڑا۔ لمحہ بھر کو ہر چیز رُک گئی۔

"تم نے مجھے تھپڑ مارا"

فاطمہ بے یقینی سے اُسے دیکھ رہی تھی ہاتھ چہرے پر رکھا ہوا۔

"ہاں مارا ہے اگر دوبارہ میری ماں کو بیچ میں لائی تو جان سے مار دوں گا چپ کر کے بیٹھی رہو صبح دفعہ ہو جانا"

موسیٰ نے ٹیبل کو ٹانگ مار کر گرا دیا، غصے سے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔

فاطمہ کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔

"تمہیں اپنی ماں کا خیال ہے تو میری ماما کا کیا وہ بھی ماں ہے تم بہت بُرے ہو موسیٰ"

یہ سنتے ہی موسیٰ نے آنکھیں بند کر لیں۔

اُس کے اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا۔ وہ اُس لمحے ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ لمحہ اُس کے قابو سے نکل گیا تھا۔ اُس نے حد پار کر دی تھی۔

نکاح ختم ہوتے ہی سیام بنا ایک پل رُکے دروازے سے باہر نکل گیا۔ جیسے اُس کے لیے یہ ایک بوجھ تھا جسے اتار پھینکا گیا ہو۔ پیچھے رہ گئی رئیسہ جس کی آنکھوں میں فتح کی چمک تھی وہ جیت گئی تھی کم از کم اُسے یہی لگ رہا تھا۔ وہ مسکرائی جیسے خود سے کہہ رہی ہو "میں نے کر دکھایا جو رئیسہ چاہے وہی ہوتا ہے"

بدر خان کا چہرہ سپاٹ تھا لیکن آنکھوں میں کئی فیصلوں کا عکس تھا۔

"امروز صاحب مجھے اب اجازت دیجیے میں چلتا ہوں" بدر خان نے نرمی سے کہا، اور امروز کے گلے لگے۔

"جی جی بدر صاحب لیکن جو کچھ آج ہوا اُس پر میں واقعی بہت شرمندہ ہوں" امروز کی آواز میں پشیمانی چھپی نہ رہ سکی۔

بدر خان نے سر ہلایا۔

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب میں چاہتا ہوں میری بیٹی آپ کے گھر میں خوش رہے" رئیسہ جواب تک خاموشی سے سب سن رہی تھی جیسے زمین میں گڑ گئی ہو۔ وہ تو بس اُس شخص سے نکاح کرنا چاہتی تھی یہ کیا ہو گیا۔

"بابا چلیں" رئیسہ کی گھٹی گھٹی آواز نے ماحول کی فضا بدل دی۔ امروز صاحب لب کھولنے ہی والے تھے کہ رئیسہ کی بات نے اُنہیں خاموش کرا دیا۔

بدر خان رئیسہ کی طرف مڑے اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"بیٹا آج سے امروز صاحب کا گھر ہی تمہارا گھر ہے تم اب سیام کی بیوی ہو جہاں وہ رہے گا تمہاری جگہ وہی ہے۔"

یہ جملہ رئیسہ کے لیے گویا ایک زنجیر تھا جس نے اُسے باندھ دیا۔ اُس کی فتح کی چمک ماند پڑ گئی۔

"ڈیڈ میں کیسے" اُس کے لب کپکپانے لگے۔

"شروع میں مشکل لگے گا لیکن سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور ہاں اب تمہیں کمپنی آنے کی ضرورت نہیں تم اپنا گھر سنبھالو گی"

بدر خان کا لہجہ اب حکم دینے والا تھا جیسے وہ اپنا فیصلہ سنا چکے ہوں۔ اُن کی آنکھوں میں سختی اور نرمی کا عجب امتزاج تھا گویا اپنی بیٹی کو بچانے کا آخری حربہ آزما رہے ہوں۔

"ڈیڈ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں" رئیسہ کا لہجہ اب بے یقینی میں ڈوبا ہوا تھا، جیسے اُس کا پورا منصوبہ اُس کے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسلتا جا رہا ہو۔

"بیٹا میں چلتا ہوں مجھے دیر ہو رہی ہے کل میری فلائیٹ ہے اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ" بدر خان نے بغیر پیچھے دیکھے قدم اُٹھا لیے۔

رئیسہ بس کھڑی دیکھتی رہی۔ دروازہ بند ہوا اور اُس کے دل میں جیسے ایک گونج سی رہ گئی "اب میں اکیلی ہوں"

دروازے کی طرف بڑھتے امروز صاحب کی آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"چلو بیٹا گھر چلیں میں علشبہ کو بتا کر آتا ہوں"

رئیسہ کی آنکھوں میں نمی تھی مگر وہ آنسو نہیں تھے وہ احساسِ ہار تھا وہ تو بس سیام کو نیچا دکھانا چاہتی تھی۔

رات کی سیاہی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ گلیاں سنسان تھیں صرف کہیں دور سے آتی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ماحول کو اور زیادہ ویران بنا رہی تھیں۔ سڑک کے کنارے جلتی بجھتی لائٹیں جیسے سیام کے اندر جلتے بجھتے جذبات کا عکس ہوں۔

سیام کب سے بغیر منزل کے چل رہا تھا۔ اُس کے قدم بے مقصد آنکھیں خالی اور دل بوجھل تھا وہ نہیں جانتا تھا وہ کہاں جا رہا ہے—— کیونکہ اُس کی اصل منزل تو فاطمہ تھی وہی فاطمہ جس سے اُس نے سچی محبت کی تھی جس کے لیے اُس نے سب کچھ قربان کرنے کا سوچا تھا۔

پھر کیوں؟ کیوں ایسا ہوا؟

ایک ٹھنڈی آہ بھر کر وہ فٹ پاتھ کے کنارے بیٹھ گیا۔ ماتھے پر پسینے کی بوندیں جم چکی تھیں اور آنکھوں میں جلتی ہوئی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔

"میں نے کیا کیا تھا اللہ صرف محبت کی تھی نہ صرف فاطمہ کو چاہا تھا"

وہ خود سے مخاطب تھا جیسے جواب خدا کی زمین سے یا اپنے ضمیر سے مانگ رہا ہو۔

"رئیسہ میں اُس کو ڈیزرو نہیں کرتا نہ اُس جیسی لڑکی کو نہ اُس کے جھوٹ کو اُس نے میرے ساتھ یہ سب کیوں کیا"

سیام کی آواز میں اب دکھ کے ساتھ نفرت بھی شامل ہو چکی تھی۔ اُس کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں۔ چہرے پر تناو بڑھنے لگا۔

"جس لڑکی کے غیر مردوں سے تعلقات ہوں وہ میری بیوی کیسے بن سکتی ہے"

سیام کی آنکھوں میں حقارت اُتر آئی تھی جیسے وہ رئیسہ کا وجود برداشت نہ کر پا رہا ہو۔

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر آسمان کی طرف دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے لیکن لہجہ سرد ہو چکا تھا۔

"تم نے اپنی انا بچانے کے لیے مجھے قربان کر دیا رئیسہ اب تم دیکھنا میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں"

ٹھنڈی ہوا اُس کے گرد گھومنے لگی رات کی تاریکی مزید گہری ہو رہی تھی لیکن سیام کے دل میں جو طوفان اٹھ چکا تھا، وہ رات سے کہیں زیادہ سیاہ تھا۔

فاطمہ کی سسکیاں تھمی تھیں اور جانے کب وہ آنکھیں نم کیے زمین پر سو گئی تھی۔ اُس کا سر صوفے سے ٹیک لگائے چہرے پر دکھ کی ایک لہر ساکت تھی۔ رات گہری ہو چکی تھی مگر موسیٰ کی آنکھوں میں نیند کا نام و نشان نہ تھا وہ بس اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

زندگی میں بے شمار فیصلے کیے دشمنوں کو مات دی کمزوروں کو روند ڈالا لیکن آج آج پہلی بار اُسے شرمندگی نے اندر سے توڑا تھا۔

وہ آہستگی سے فاطمہ کے قریب آیا زمین پر بیٹھا اور دھیمی آواز میں جیسے اپنے دل کی عدالت میں گواہی دے رہا ہو۔

"جتنی بھی دشمنی ہو تم سے جتنی بھی نفرت لیکن ہاتھ اُٹھانے کا حق کبھی نہیں تھا مجھے"

فاطمہ بے خبر تھی مگر اُس کا بدن ہلکا سا کسمسایا۔ موسیٰ کا دل کسی انجانے بوجھ سے دبنے لگا پہلی بار جب اُسے دیکھا تو اُس کی آنکھیں موسیٰ کو بہت اچھی لگی سب سے منفرد۔

"ضدی ہو تم ابھی بھی زخم سے خون رس رہا ہے مگر میں کیسے ہاتھ لگا سکتا ہوں میں تو غلیظ ہوں"

فاطمہ کے کہے الفاظ اُس کے گلے میں کانٹے بن کر چبھنے لگے تھے۔

وہ خاموشی سے اُٹھا کچن کی طرف گیا، اور فرسٹ ایڈ باکس لے کر واپس آیا۔ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اُس نے نرمی سے فاطمہ کے پیر اپنی گود میں رکھے اور پٹی باندھنے لگا۔ پائوڈین کا ٹھنڈا لمس زخم پر پڑتے ہی فاطمہ کی آنکھیں کھل گئیں۔

"آؤچ" اُس کے لبوں سے نکلا اور نظر سیدھی موسیٰ پر پڑی۔

"تم یہ" وہ اُلجھی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ریلیکس بس بینڈیج کر رہا ہوں" موسیٰ نے نرمی سے کہا جیسے کوئی خاردار جھاڑیوں میں ننگے پاؤں چل رہا ہو۔

فاطمہ نے ہلکا سا طنزیہ قہقہہ مارا آنکھوں میں اب بھی نمی تھی۔

"زخم دینے والے مرہم رکھتے اچھے نہیں لگتے"

موسیٰ کے ہاتھ لمحہ بھر کو رُک گئے۔ پھر اُس نے سر اُٹھایا چہرے پر وہی پرانا سرد خول چڑھا لیا جو اُس کا ہتھیار بھی تھا اور ڈھال بھی۔

"کس نے کہا میں مرہم رکھ رہا ہوں بس زخم ٹھیک کر رہا ہوں تاکہ اگلی بار پھر دے سکوں"

ایک لمحہ کو خاموشی چھا گئی۔ فاطمہ نے نظریں ہٹا لیں اور موسیٰ کے دل میں جیسے ایک سناٹا اُتر گیا۔

رات اب اور زیادہ گہری لگنے لگی تھی اور دلوں کی دیواریں اور اونچی۔

رات کے دو بج رہے تھے۔ گھر کے در و دیوار نیند میں ڈوبے ہوئے تھے۔
دروازے پر گاڑی رکی امروز صاحب اور ان کی فیملی رئیسہ کو لے کر خاموشی سے اندر داخل ہوئے۔ گھر میں پھیلی خاموشی کو صرف دروازوں کی چرچراہٹ اور دبے قدموں کی آہٹ توڑ رہی تھی۔

فردان جو ابراہیم صاحب کے پاس ہی رُکا ہوا تھا۔ امروز صاحب کا صبح وہاں جانے کا ارادہ تھا۔

"حفصہ تم ایسا کرو بیٹی کو سیام کے کمرے میں چھوڑ دو"

امروز صاحب نے آہستہ سے کہا اور بغیر کسی اضافی بات کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

حفصہ بیگم نے رئیسہ کی طرف دیکھا جو پورے گھر کا جائزہ لے رہی تھی مگر اُس کی آنکھوں میں دلچسپی نہیں تحقیر تھی۔

یہ سادہ سا مکان اُس کے لیے کسی قید خانے سے کم نہیں تھا۔ وہ جو زندگی بھر جھومر فانوس اور ماربل کی چمک کے درمیان پلی بڑھی تھی اب اس چھت کے نیچے سانس لینا بھی دشوار محسوس ہو رہا تھا۔

"بیٹا آؤ میں تمہیں سیام کے کمرے میں چھوڑ دوں" حفصہ بیگم نرمی سے بولیں۔

رئیسہ چونکی "ج۔۔۔جی" بوکھلا کر بولی اور فوراً اُن کے پیچھے چل دی۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہر قدم رئیسہ کے اندر ایک نیا اضطراب جگا رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ سیام کے کمرے کے قریب پہنچ رہی تھی اُس کا دل اور تنگ پڑتا جا رہا تھا۔

دروازہ کھلا تو ایک مانوس سی اداسی کمرے سے جھانکنے لگی۔

کمرہ چھوٹا تھا اُس کے معیار سے تو بہت ہی کمتر۔

بس ایک ڈبل بیڈ دو سائیڈ ٹیبلز ہلکے گرے رنگ کے سادہ پردے جو کھڑکی سے لٹک رہے تھے ایک درمیانے سائز کا ڈریسنگ ٹیبل جس پر دو پرفیوم اور ایک ہیئر برش رکھا ہوا تھا۔

واش روم اٹیچ تھا مگر وہ بھی اُس کی پُر تعیش زندگی سے کوسوں دُور تنگ اور سادہ۔

"بیٹا بیٹھو اگر کپڑے بدلنے ہوں تو سیام کی الماری میں کچھ کپڑے رکھے تھے اُن میں سے پہن لینا" حفصہ بیگم نے نرم لہجے میں کہا اور اُسے کمرے میں چھوڑ کر واپس پلٹ گئیں۔

دروازہ بند ہوتے ہی رئیسہ جیسے پھٹ پڑی۔

"یہاں تو اے۔ سی بھی نہیں ہے"

وہ سر جھٹک کر بولی اور کھڑکی کے پردے ایک طرف کرتے ہوئے جیسے کچھ تازہ ہوا کی تلاش میں تھی لیکن ہوا بھی اُتنی بوجھل تھی جیسے کمرے میں اُس کی مرضی کے خلاف موجود ہو۔

"اتنا چھوٹا کمرہ"

وہ زیرِ لب بڑبڑائی اور بے چینی سے ادھر اُدھر چلنے لگی۔ اُس کی نظریں ہر چیز کو ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے وہ کسی پرانی گرد آلود دنیا میں آگئی ہو۔

بیڈ پر ہاتھ رکھا تو چادر کی سادگی اُسے مزید کوفت دینے لگی۔ اُس کی آنکھیں پھر سے کمرے کا جائزہ لینے لگیں۔

ہر دیوار ہر کونا ہر شے اُسے چیخ چیخ کر بتا رہی تھی۔

"رئیسہ اب تم محل میں نہیں رہی"

رات کے سائے مزید گہرے ہو چکے تھے۔ رئیسہ سیام کے کمرے میں بے چینی سے چل رہی تھی اُس کی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ اور چہرے پر بیزاری پھیلی ہوئی تھی وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

"کیا زندگی ہے نہ آسائش نہ جگہ اور اب یہ کمرہ گھٹن ہونے لگی ہے مجھے یہاں"

اُس نے غصے سے تکیہ دیوار پر دے مارا پھر ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا پرفیوم ہاتھ میں لے کر بددل انداز میں زمین پر پھینکا۔

چپک!

شیشے کی ٹوٹنے کی آواز کمرے میں گونجی۔

اتنے میں دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔ سیام اندر داخل ہوا پسینے سے شرابور آنکھوں میں لال شعلے اور چہرے پر جنون بھرا غصہ۔

جیسے ہی اُس کی نظر رئیسہ پر پڑی جو اُس کے کمرے میں آزاد گھوم رہی تھی اُس کا دماغ جیسے پھٹ گیا۔

"تُم تُم میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو میرے کمرے میں"

رئیسہ اُس کی آواز پر چونکی لیکن اپنے لہجے کی تلخی نہ چھپا سکی۔

"اب تمہیں مجھے اس کمرے میں برداشت کرنا پڑے گا"

سیام کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور ایک زوردار تھپڑ رئیسہ کے گال پر جڑ دیا۔

"چٹاخ"

"یہ میرا کمرہ ہے میری زندگی میں زبردستی گھسنے کا حق تمہیں کس نے دیا" وہ غرایا۔

رئیسہ نے چیخ کر اپنا چہرہ پیچھے کیا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو"

لیکن جواب میں دوسرا تھپڑ۔

"چٹاخ"

"جو عورت دھوکے سے نکاح کرے وہ عزت کی امید مت رکھے"

تیسرا تھپڑ۔

"تم جیسی چالاک عورت کو میں کبھی قبول نہیں کروں گا"

چوتھا تھپڑ۔

"نفرت ہے مجھے تم سے رئیسہ"

رئیسہ اب فرش پر گر چکی تھی آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر صدمہ تھا۔ وہ کانپ رہی تھی الفاظ اُس کے لبوں سے نکل ہی نہیں پا رہے تھے وہ اُس کا غصہ دیکھ کر بولنا بھول چکی تھی۔

اچانک کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے دوبارہ کھلا۔

"سی۔۔۔ام" امروز صاحب کی گرجدار آواز کمرے میں گونجی۔ اُن کے پیچھے حفصہ بیگم بھی بدحواسی میں اندر داخل ہوئیں۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم ہوش میں ہو؟" امروز صاحب تیزی سے آگے بڑھے۔

سیام نے پلٹ کر اُن کی طرف دیکھا مگر اُس کے چہرے پر اب بھی غصے کی جلن باقی تھی۔

"یہ عورت یہ دھوکے باز"

چٹاخ!

امروز صاحب کا ہاتھ سیام کے چہرے پر پڑا۔ تھپڑ کی آواز پورے کمرے میں گونجی۔

"شرم آنی چاہیے تمہیں یہ تمہاری تربیت ہے کہ عورت پر ہاتھ اٹھاؤ"

سیام ساکت ہو گیا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ اُس کے چہرے پر شرمندگی اور حیرت کا امتزاج پھیل گیا۔

"باپ ہونے پر آج شرمندہ ہوں میں" امروز صاحب کی آواز بھرا گئی۔

"کیا تمہیں یہی سکھایا تھا کہ کمزور پر ہاتھ اٹھاؤ"

حفصہ بیگم رئیسہ کے پاس دوڑ کر آئیں اُسے سہارا دیا۔ رئیسہ کی آنکھوں میں بے یقینی صدمہ اور خاموش آنسو تھے۔

امروز صاحب سیام کے بالکل سامنے کھڑے تھے۔

"اگر ایک بار پھر تم نے کسی عورت پر ہاتھ اٹھایا تو میرے ساتھ تمہارا رشتہ ختم ہو جائے گا یہ یاد رکھنا"

کمرے میں سناٹا چھا گیا تھا۔ صرف رئیسہ کی ہلکی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں اور سیام کی آنکھوں میں وہ پہلی شرمندگی جو شاید اُسے اپنے عمل کا آئینہ دکھا رہی تھی۔

سیام چھت پر جا چکا تھا۔ کچھ دیر پہلے گونجنے والی چیخیں تھپڑوں کی آوازیں اور امروز صاحب کا غصہ سب کہیں دور جا چکے تھے لیکن وہ گونج رئیسہ کے دل و دماغ میں مسلسل سنائی دے رہی تھی۔

وہ بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔ چہرہ ایک طرف کو جھکا ہوا، بال بکھرے ہوئے اور گال پر سیام کے ہاتھ کا نشان سرخ ہو چکا تھا۔ اُس کے اندر جیسے سب کچھ منجمد ہو چکا تھا نہ کوئی آواز نہ آنکھ سے آنسو، نہ لب پر فریاد۔

وہ... خاموش تھی۔

رئیسہ وہ رئیسہ جو کبھی نوکروں کو بھی آنکھیں دکھا کر بات کرتی تھی۔

جسے کبھی کسی نے زور سے دیکھنے کی ہمت نہ کی۔

جس کے ایک اشارے پر چیزیں سجائی جاتیں اور ایک تیوری پر فیصلے بدلے جاتے۔

آج وہ خود بدلی ہوئی بیٹھی تھی۔

اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ سیام وہ سیام، جس پر اُس نے نکاح کے ذریعے اختیار جتانے تھے وہ اُس پر ہاتھ اُٹھا سکتا ہے وہ جو کبھی اُس کی طرف نظریں اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا آج اُسے نیچے زمین پر پھینک چکا تھا۔

وہ بے یقینی سے کمرے کی دیوار کو گھور رہی تھی۔ آنکھیں خشک تھیں، لیکن دل نم تھا۔ گلا رُندھ چکا تھا۔

"مجھے کسی نے آج تک اونچی آواز میں بات نہیں کی اور اُس نے"

وہ سرگوشی جیسی آواز میں بڑبڑائی جیسے خود پر یقین نہ آرہا ہو۔

اُس کا ہاتھ آہستہ آہستہ گال پر گیا، جیسے یہ جانچنا چاہتی ہو کہ یہ حقیقت تھی یا کوئی بھیانک خواب۔ لیکن جلد کی جلن سچائی کی مہر ثبت کر چکی تھی۔

"میں رئیسہ بدر خان ہوں" اُس نے خود کو یاد دلانا چاہا۔

لیکن یہ جملہ آج بے وزن لگ رہا تھا جیسے کسی خالی خول میں گونجتی ہوئی صدا۔

وہ اٹھی کمرے میں بے مقصد چلنے لگی۔ قدم لڑکھڑاتے نظریں بکھری ہوئی اور دل کسی سنبھال کے قابل نہ رہا۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر اُس نے آئینے میں خود کو دیکھا۔

چہرہ وہ چہرہ جو ہمیشہ غرور سے تنا رہتا تھا آج شکستہ لگ رہا تھا۔

وہ لمس جو ہمیشہ ہیرے ریشم اور خوشبوؤں کا عادی تھا آج تھپڑ کا وزن اُٹھا چکا تھا۔

آئینے کے سامنے کھڑے کھڑے اُس کی آواز آخر کار کانپ اُٹھی۔

"مجھے اُس نے مارا واقعی مارا"

یہ جملہ جیسے کسی نے دل میں کیل ٹھونک دیا ہو۔

پھر پہلی بار رئیسہ کی آنکھوں سے ایک خاموش آنسو ٹپکا۔

نہ کسی کے لیے نہ سیام کے لیے صرف اپنی انا کے ماتم میں۔

وہ بیڈ پر واپس آکر بیٹھ گئی خود کو گھٹنوں میں سمیٹ لیا۔

کمرے کی روشنی مدھم تھی لیکن اُس کے اندر کی روشنی مکمل طور پر بجھ چکی تھی۔

آج رئیسہ پہلی بار خود کو کمزور محسوس کر رہی تھی۔

چھت پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا بس دور کسی گلی میں کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ رات کا سناٹا سیام کے دل کی گونج جیسا تھا بے قراری دکھ اور غصے سے لبریز۔

وہ چھت کے ایک کونے میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ بازو سینے پر بندھے نظریں آسمان پر جیسے خدا سے کوئی جواب مانگ رہی ہوں ہوا ٹھنڈی تھی لیکن اُس کے اندر بھڑکتی آگ نے اُسے بے حال کر رکھا تھا۔

حفصہ بیگم آہستہ قدموں سے چھت پر آئیں بیٹے کو اکیلا کھڑا دیکھ کر دل کانپ اٹھا وہ اُس کے قریب گئیں اور نرمی سے بولیں۔

"سیام میرے بچے جہاں تک مجھے یاد ہے میرا بیٹا کبھی ایسا نہیں تھا جو عورت پر ہاتھ اُٹھائے"

سیام چونکا آواز سنی تو پلکیں بھاری ہو گئیں۔ اُس کی گردن جھکی رہی لیکن آواز زہر سے لبریز تھی۔

"امی وہ یہی ڈیزرو کرتی ہے وہ ایک نمبر کی ب"

زبان تھم گئی۔ گالی ہونٹوں تک آئی، لیکن ماں کے سامنے نکل نہ سکی۔ وہ کبھی اپنی ماں کے سامنے کسی عورت کے لیے وہ لفظ نہیں کہہ سکتا تھا۔

حفصہ بیگم نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا جیسے دل کی شدت تھامنا چاہ رہی ہوں۔

"بیٹا اب نکاح ہو چکا ہے اپنے بابا کو مزید ٹینشن مت دو وہ پہلے ہی فاطمہ کی وجہ سے بہت پریشان ہے"

"کیا مطلب" سیام کا دل جیسے ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔ "فاطمہ اب تک لاک اپ میں ہے"

ماں نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔

"بیٹا اب تم اُسکو بھول جاؤ میرے بچے"

سیام کی آنکھوں میں بے چینی جاگی۔

"آپ کہتی ہے میں اُسے بھول جاؤں "اُس کی آواز رندھ گئی "امی کوئی ایک طریقہ بتادے خدا کی قسم میں فوراً بھول جاؤں گا بس بتادے کیسے بھول جاؤں"

پھر وہ یکدم اُن کے کندھے سے لگ کر شدت سے رونے لگا۔ آنسو جو نہ فاطمہ کے سامنے بہے تھے نہ رئیسہ کے وہ ماں کے سامنے ٹوٹ کر برسنے لگے۔

حفصہ بیگم نے بیٹے کے بالوں میں ہاتھ پھیرا "بیٹا صبر کرو اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"

لیکن سیام کا صبر ٹوٹ چکا تھا۔ وہ دھیرے سے پیچھے ہٹا، آنکھیں سرخ تھیں، چہرے پر بغاوت تھی۔

"صبر امی صبر ہی تو کیا تھا میں نے سالوں تک اُس انتظار کا صلہ رئیسہ تھی وہ ڈائن جو میری ہر خوشی کھا گئی"

اُس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی ضبط کی حد پار ہو رہی تھی۔

"امی وہ مجھے مار رہی ہے اندر سے اُس کے ساتھ ایک چھت کے نیچے رہنا میرے لیے سزا ہے"

حفصہ بیگم کی آنکھیں بھر آئیں وہ ماں تھی اُس کا دکھ دیکھ کر خود کو کیسے سنبھالتی۔

"میرے بیٹے حوصلہ رکھو وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا تم اُسے بھولنے کی کوشش کرو ہو جائے گا"

لیکن سیام کا دل آج خالی ہو چکا تھا۔ وہ زخم دہرا ہو گیا جب اُس نے اپنا آخری شکوہ کہا۔

"کچھ ٹھیک نہیں ہو گا اب ایک بات بتائے امی وہ تو پرائی تھی اُس نے الزام لگایا بہت تکلیف دی لیکن آپ اور ابو آپ تو میرے اپنے تھے آپ نے ایک بار بھی مجھ سے پوچھا نہیں فوراً یقین کر لیا سب پر"

حفصہ بیگم نے کچھ کہنا چاہا۔

"بیٹا وہ حالات کا تقاضہ تھا ہم"

"بس امی" سیام کا لہجہ کڑک گیا" حالات کو کوسنے سے کچھ نہیں بدلے گا۔ آپ سب نے ظلم کیا ہے میرے ساتھ بہت بڑا ظلم"

یہ کہہ کر وہ اُن کے پاس سے ہٹ گیا۔ اُس کے قدم سیڑھیوں کی طرف تھے لیکن دل میں ایک ایسی گونج تھی جو چھت پر رہ گئی ماں کے آنسو اور بیٹے کا ٹوٹا ہوا اعتبار۔

اُنھوں نے پیچھے سے پکارا نہیں کیونکہ اُس لمحے وہ جانتی تھیں بیٹے کو الفاظ نہیں تنہائی درکار ہے۔

ڈرائنگ روم میں سکوت تھا مگر وہ سکوت گھٹن سے بھرا ہوا تھا۔ کمرے کی فضا پر ایک عجیب بوجھ طاری تھا جیسے ہر چیز تھم گئی ہو سوائے اماں بی کی زہر بھری زبان کے۔

" کہتی تھی نا ابراہیم لگام دو بیٹی کو " اماں بی ہاتھ کمر پر رکھے طنز کی آگ میں دہکتی ہوئیں بولیں " نہیں سُنی تم نے میری اب بھگتو روتے رہو بتاتے پھرو سب کو کہ ابراہیم کی بیٹی تھانے میں بیٹھی ہے "

ابراہیم صاحب کا سر جھکا ہوا تھا چہرے پر بے بسی کی چادر تنی تھی وہ کسی جواب کے قابل نہیں تھے۔

" دادی آپ دیکھ رہی ہیں نا کتنے پریشان ہیں چاچو آپ تو کچھ خیال کریں "

فردان نے نرمی سے کہا لیکن اس کی التجا بھی اماں بی کے کانوں سے ٹکرا کر بے اثر ہو گئی۔

"پریشانی یہ تو خود ہی اپنے گلے ڈالی ہے اُس نے آج تھانے میں ہے کل کہیں اور نظر آئے گی"

اماں بی کی زبان سے جیسے زہر ٹپک رہا تھا اُن کی ہر بات ایک تیر بن کر ابراہیم صاحب کے دل میں پیوست ہو رہی تھی۔

"اماں بس کر دیں" علشبہ بیگم نے نرمی سے مگر تاکید بھرے لہجے میں کہا۔

"بیٹی کو کہنا تھا بی بی اب ہمیں کہہ رہی ہو بس کر دیں" اماں بی نے آخری وار بھی کیا اور غرور سے سر اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

فضا مزید بوجھل ہو گئی۔ ابراہیم صاحب بدستور صوفے پر ساکت بیٹھے تھے۔ اُن کے چہرے پر وہی سوال تھا جو دل کو چھلنی کر رہا تھا فاطمہ وہاں کیسے ہو گی۔

فردان نے نرمی سے آگے بڑھ کر علشبہ بیگم کو گلے سے لگایا۔

"چچی آپ چاچو کو کمرے میں لے جائیں میں یہیں ہوں"

پھر وہ ابراہیم صاحب کے قریب آیا اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"چاچو اُٹھیں چلیں کمرے میں جا کر تھوڑا آرام کریں اللہ سب بہتر کرے گا ان شاءاللہ"

"فردان میری فاطمہ وہاں کیسے رہ رہی ہو گی"

اُن کی آواز لرز رہی تھی اور آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔

فردان نے اُن کے ہاتھ تھامے۔

"وہ ٹھیک ہو گی چاچو میں جانتا ہوں وہ بہت بہادر ہے"

کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی مگر اس بار یہ خاموشی سہارا دیتی محسوس ہو رہی تھی۔

"چلیں چچی آپ چاچو کو اندر لے جائیں میں باہر ہوں"

علشبہ بیگم نے اپنے شوہر کا ہاتھ تھام لیا اور آہستہ آہستہ اُنہیں کمرے کی طرف لے جانے لگیں۔

فردان صوفے پر آ کر بیٹھ گیا اور اُن دونوں کو جاتا دیکھتا رہا۔

کمرے میں اب بھی اماں بی کے لفظوں کی گونج باقی تھی مگر فردان کی آنکھوں میں صرف ایک عزم جھلک رہا تھا فاطمہ کو واپس لانا ہے۔

صبح کی ہلکی دھوپ پردوں سے ٹکرا کر چھنک کر فارم ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں اُتر رہی تھی صوفے اور فرش پر پڑتی روشنی کسی کٹی پھٹی خاموش فلم کی طرح ساکت تھی بے رنگ، بے صدا مگر بوجھل۔

موسیٰ جو رات بے چین نیند میں بار بار کروٹیں بدلتا رہا، اب دھوپ کی تیز لکیر آنکھوں پر پڑنے سے جاگ گیا۔ آنکھیں نیم وا کرتے ہوئے پہلو بدلا تو اُس کی نظر فاطمہ پر پڑی جو ٹیبل کے قریب فرش پر ایک طرف کو سمٹی ہوئی بے سدھ لیٹی تھی۔

"رات کو رونا ڈال رہی تھی 'چھوڑ آؤ مجھے' اور اب ایسی سو رہی ہے جیسے اپنا ہی گھر ہو اس کا" موسیٰ تنک کر بڑبڑایا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، آنکھیں رگڑتے ہوئے جھنجھلاہٹ سے اُسے پکارنے لگا۔

"فاطمہ اُٹھو آواز سن رہی ہو"

فاطمہ نے کوئی جنبش نہ کی۔ موسیٰ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ اُس کے قریب آیا اور جھک کر چہرہ دیکھا۔

"کہیں بے ہوش تو نہیں ہو گئی کل سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا" وہ فکر مندی اور غصے کے بیچ جھولتا ہوا سوچنے لگا۔

"فاطمہ"

اب کی بار اُس نے اُس کے چہرے سے بال پیچھے کرتے ہوئے اُسے جھنجھوڑا۔

فاطمہ نے جھٹکے سے اپنی آنکھیں کھولیں بازو اُس کی گرفت سے آزاد کروا گئی

"ہاں کیا ہے"

"گھر نہیں جانا تم نے" موسیٰ قدرے سخت لہجے میں بولا ہاتھ پیچھے کھینچتے ہوئے۔

"ہاں جانا ہے تو چھوڑ کر آؤ"

فاطمہ کی آواز میں زہر گھلا ہوا تھا۔ اُس کے لہجے میں وہ ساری اذیت بول رہی تھی جو رات اُس نے سہی تھی۔

موسیٰ نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا گال پر اُس کے ہاتھ کا نشان جیسے طمانچے کی طرح خود اُس کے ضمیر پر لگا ہو۔ ایک لمحے کو وہ نظریں چُرا گیا۔

"باہر اسماعیل کھڑا ہے وہ چھوڑ آئے گا تم جاؤ"

موسیٰ نے نظریں دوسری طرف کرتے ہوئے کہا۔

فاطمہ کی آنکھوں میں غصہ اور بے بسی ساتھ بھر آئی۔

"مر جاؤ تم اور تمہارا وہ اسماعیل بھی"

وہ چیخی اور لڑکھڑاتے ہوئے صوفے کا سہارا لے کر اٹھنے لگی۔ پاؤں میں درد کی ٹیسیں اُس کے چہرے پر چھپی اذیت بن کر ابھریں۔

موسیٰ بے تاثر سا پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔

"اوکے جاؤ دماغ مت چاٹو"

اُس کی آواز میں وہی سرد روایتی بے حسی۔

فاطمہ نے اُسے جاتے دیکھا۔ ایک لمحے کو لب بھیجے۔

"بے حس بتمیز"

وہ زیرِ لب بولی اور لنگڑاتے قدموں کے ساتھ فارم ہاؤس کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ کھولتے ہی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اُس کے چہرے سے ٹکرایا مگر اُس کے اندر کی تپش کسی طوفان سے کم نہ تھی۔

زخم جسم سے زیادہ روح پر تھے اور وہ تنہا تکلیف کے سائے میں فارم ہاؤس سے باہر نکل گئی۔

دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔ فاطمہ نے قدم اندر رکھا۔ پاؤں اب بھی درد سے بوجھل تھے مگر دل اُس سے بھی زیادہ زخمی چہرہ تھکن سے سوجا ہوا،

آنکھیں نیند درد اور بے بسی سے خالی جیسے زندگی چند گھنٹوں میں برسوں پرانی ہو چکی ہو۔

گھر کی فضا میں خاموشی تھی وہ خاموشی جو کسی طوفان کے بعد بچی رہ جاتی ہے۔

صوفے پر فردان بیٹھا تھا جونہی اُس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی چونک کر اٹھا جیسے یقین نہ آیا ہو۔

"فاطمہ" اُس نے حیرت بے چینی اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے کہا۔

فاطمہ بمشکل مسکرائی ایک قدم اور آگے بڑھایا۔

اسی لمحے اندر سے علشبہ بیگم بھاگتی ہوئی آئیں۔ بیٹی کو یوں زندہ سلامت مگر ٹوٹی ہوئی حالت میں دیکھ کر اُن کا دل قابو سے باہر ہونے لگا۔

"فاطمہ میری بچی"

وہ لپک کر اُسے گلے لگا لیں فاطمہ ماں کے گلے لگتے ہی جیسے برسوں کا بوجھ ایک آنسو میں بہا گئی۔

ماں کا سینہ نم ہو گیا۔

"مما" بس اتنا ہی کہہ پائی۔

فردان نے آگے بڑھ کر سہارا دیا" چلو بیٹھو آرام سے "

ابھی وہ تینوں بیٹھ بھی نہ پائے تھے کہ اماں بی کی آواز آ گئی سرد کٹیلی اور ہمیشہ کی طرح بے رحم۔

"آ گئی ملکہ بیگم بڑی مہربانی فرمائی تھانے سے نکل کر اپنی سلطنت میں قدم رکھنے کا وقت مل ہی گیا"

فاطمہ کی پلکیں لرزیں۔ دل جیسے کسی پرانے زخم پر نمک پڑنے سے کچو کے کھا گیا ہو۔

"اماں "علشبہ بیگم نے دبے دبے لہجے میں کہا "اب کچھ نہ بولیں بچی آئی ہے ابھی"

"ابھی "اماں بی نے جیسے بھڑک کر کہا۔

"بچی یہ تو ماشاءاللہ پورے محلے کا چراغ بن چکی ہے آج تھانے کل اخبار میں "

فاطمہ نے نگاہ نیچی کرلی۔ زبان پر کوئی جواب نہیں آیا آنکھیں نم تھیں مگر وہ ٹوٹنا نہیں چاہتی تھی۔

ابراہیم صاحب اندر سے نکلے ان کی چال نڈھال تھی مگر فاطمہ کو دیکھ کر قدموں میں لرزش آگئی۔

"بابا"

فاطمہ کی آواز لرزی اور اگلے ہی لمحے وہ اُن کے سینے سے لگ گئی۔

"میری بیٹی "ابراہیم صاحب نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا، آواز بھرا گئی۔

"کیسی ہے میری بیٹی"

"بابا میں ٹھیک ہوں بس تھک گئی ہوں" فاطمہ نے آہستہ سے کہا۔

اماں بی اب بھی باز نہ آئیں۔

"ابراہیم مان لیا تمہیں بیٹی سے پیار ہے مگر آنکھوں پر پٹی مت باندھو تمہاری بیٹی اب وہ فاطمہ نہیں رہی جو کل تک تمہاری آنکھ کا تارا تھی وہ اب شہر بھر کا تماشا بن چکی ہے"

"دادی اب بس کریں آپ کی ہر بات زخم پر تیر کا کام کرتی ہے" فردان نے برداشت نہ کرتے ہوئے پلٹ کر سخت لہجے میں کہا۔

"زخم خود لگایا ہے اس نے اب مرہم کا ڈرامہ مت کرو سب" اماں بی غصے سے کمرے میں واپس پلٹ گئیں مگر ان کے لفظوں کی گونج وہیں رہ گئی۔

فاطمہ اب ماں باپ اور فردان کے درمیان بیٹھی تھی لیکن دل کے اندر تنہائی کے وہی سناٹے جو فارم ہاؤس میں بھی تھے۔

"بیٹا چلو اندر چل کر آرام کرو" علشبہ بیگم اُس کا ہاتھ تھام کر اُٹھنے لگیں۔

فاطمہ نے ایک آخری نظر دروازے کی طرف ڈالی۔ جیسے کچھ پیچھے چھوٹ گیا ہو یا شاید دل اب تک فارم ہاؤس کے فرش پر پڑا تھا جہاں اُس کا غرور اُس کی بے بسی اور اُس کی خاموشی دفن ہو چکی تھی۔

کمرے کی کھڑکی سے دھوپ کی ایک تیز لکیر قالین پر چمک رہی تھی۔ ہوا بند تھی ماحول بوجھل اور خفا سا لگ رہا تھا۔ سیام آہستہ قدموں سے اوپر کی منزل پر چڑھا۔ رات گزر چکی تھی، مگر اس کے اندر کی آگ اب بھی سلگ رہی تھی۔

دروازہ آہستہ سے کھلا۔

کمرے میں رئیسہ اب جاگ چکی تھی۔ بیڈ پر بیٹھی ایک ہاتھ میں فون اور دوسرے ہاتھ سے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے اُس کے انداز میں اب بھی وہی غروراور خوداعتمادی تھی، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

سیام نے دروازے پر کھڑے ہو کر اُسے خاموشی سے دیکھا، آنکھوں میں طوفان دبا ہوا تھا۔

رئیسہ نے نظر اُٹھا کر اُسے دیکھا پھر ناک سکیڑ گئی

"اوہ تمہیں خیال آہی گیا اس کمرے کا یا میں کہوں اپنی بیوی کا"

سیام نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا آواز تھوڑی سخت تھی۔

"بیوی تم نے نکاح کو مذاق بنایا، اور اب بیوی بننے کا دعویٰ"

رئیسہ ہنسی ایک تلخ، تیز ہنسی۔

"ارے واہ، اب تم مجھے نکاح کے سبق پڑھاؤ گے جو کل رات میرے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کر چکا ہو"

سیام کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑ گئیں۔

"جانور تم نے مجھے اُس مقام پر لا کر کھڑا کیا جہاں انسانیت کا پردہ پھٹ جائے"

رئیسہ نے بالوں کی کنگھی میز پر پٹخی۔

"تمہیں مجھے صرف سزا دینی تھی وہ تم نے مار کر دی اب دیکھوں میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں"

"نہیں رئیسہ" سیام کی آواز اب گھمبیر ہو چکی تھی۔

"تم خود اپنے لیے سزا ہو جو خود کو دوسروں کی انا توڑنے کے لیے استعمال کرے اُسے زندگی کبھی خوشی نہیں دیتی"

رئیسہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھاتواب تم مجھے زندگی کے اصول سکھاؤ گے تمہیں توبس فاطمہ کی ناکامی کا غصہ ہے جو تم میرے ذریعے نکال رہے ہو جتنی نفرت تم مجھ سے کرتے ہوں اُس سے کئی زیادہ میں کرتی ہوں"

سیام ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر سنبھل گیا۔

"نہیں رئیسہ میں تم سے نفرت کر کے بھی سکون میں نہیں ہوں کیونکہ تم صرف میری زندگی میں زبردستی شامل کی گئی ایک تکلیف ہو"

رئیسہ کی اکڑا اتنے تھپڑ کھانے کے بعد بھی نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ آج بھی کمزور نظر نہیں آنا چاہتی تھی۔

"تو پھر نکاح کیوں کیا مجھ سے کر دیتے انکار" وہ پکار کر بولی۔

سیام نے ٹھہر کر جواب دیا۔

"کیونکہ میں مجبور تھا اور تم موقع پرست فرق صرف اتنا تھا کہ میں دل سے ہارا تھا اور تم انا سے جیتی تھیں"

یہ کہہ کر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ پیچھے رئیسہ کھڑی رہی، اندر سے ٹوٹتی ہوئی لیکن چہرے پر اب بھی غرور کا خول تھا لیکن اب خود اُس کے وجود پر بھاری ہو چکا تھا۔

سیام ابھی بھی کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔ آنکھوں میں رات کا غصہ ذہن میں رئیسہ کے الفاظ، اور دل میں فاطمہ کا نام——سب کچھ ایک ساتھ گونج رہا تھا۔

ڈائننگ روم کے پاس پہنچا تو سامنے فردان کھڑا تھا، ہاتھ میں موبائل چہرہ متفکر۔

"سیام بھائی" فردان نے سنجیدہ لہجے میں اُسے پکارا۔

سیام تھم گیا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ فردان کا انداز غیر معمولی حد تک ٹھہرا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے" سیام نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

فردان نے فون جیب میں رکھا دو قدم آگے بڑھا۔ "فاطمہ واپس آگئی ہے"

جیسے ہی یہ الفاظ سیام کے کانوں سے ٹکرائے اُس کے قدم زمین میں گڑ گئے۔ آنکھیں ساکت ہو گئیں زبان پر جیسے قفل پڑ گیا۔

"کیا" وہ صرف یہی لفظ نکال سکا۔

"جی ہاں آج صبح ہی گھر پہنچی ہے زخمی تھی آئی تھنک پولیس ریمانڈ ملا تھا"

فردان کا لہجہ پر سکون تھا لیکن اُس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی چمک رہی تھی۔

سیام کی سانسیں بے ترتیب ہو گئیں۔ اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"کس نے بیل کروائی تھی "اُس نے ہلکی آواز میں پوچھا، جیسے خود سے۔

"خود آئی ہے شاید پولیس والے چھوڑ کر گئے تھے "

سیام نے دیوار کا سہارا لیا۔ اگر فاطمہ کو پتا چل گیا اُسکے نکاح کا تو کیا ہو گا وہ بس سوچ سکا۔۔

"وہ وہ کیسی ہے "اُس کی آواز کپکپا گئی۔

"خاموش ہے لیکن ہوش میں ہے۔ اماں بی اُسی پر طنز برسا رہی ہیں ابراہیم چاچو ٹوٹ گئے ہیں اور چچی اسے سینے سے لگائے بیٹھی ہیں جیسے دوبارہ جنم دیا ہو اُسے "

فردان نے ایک توقف کے بعد کہا۔

"سیام بھائی ہاتھ سے جو پھسل گیا تھا وہ لوٹ آیا ہے۔ لیکن جب اُسکو آپکی بے وفائی کا پتہ چلے گا تو کیا ہو گا "

سیام کے اندر کچھ چٹخا۔ وہ چاہ کر بھی ایک لفظ نہ بول سکا۔ اُسکا بھائی اُس پر یقین نہیں کر رہا تھا۔

"اگر ملنے کا سوچ رہے ہے تو یاد رکھیے گا اب آپکی نہیں ہے وہ آپکی بس رئیسہ بھابھی ہے جن سے چُھپ کر نکاح کیا"

فردان نے آخری جملہ کہا اور پلٹ کر وہاں سے چلا گیا۔

سیام وہیں کھڑا رہ گیا۔ خاموش پچھتاوے کی ایک نئ گونج کے ساتھ۔

اور اُس لمحے اُسے پہلی بار محسوس ہوا۔

کبھی کبھی انسان جو کھو دیتا ہے، وہ لوٹ کر آ بھی جائے تو اپنا نہیں رہتا۔

حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہوتی موسیٰ کی گاڑی نے گرد اُڑاتے ہوئے صحن میں دھواں سا بھر دیا۔ دھوپ کی سنہری روشنی سفید پتھروں سے ٹکرا کر

دیواروں پر ناچ رہی تھی مگر موسیٰ کے چہرے پر تناؤ کی گہری لکیر تھی۔ آنکھوں میں نیند کا نام ونشان نہیں تھا اور چہرے پر رات کی بے چینی ثبت تھی۔

ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتے ہی اُس کی نظر سامنے بیٹھے یحیٰ صاحب پر پڑی جو ہلکے رنگ کے شلوار قمیص میں اخبار تھامے بیٹھے تھے اُن کے چہرے پر سختی اور آنکھوں میں سوالات کی بھرمار تھی۔

"السلام علیکم تایاجان"

موسیٰ نے مدھم آواز میں سلام کیا اندر داخل ہوتے ہوئے۔

"وعلیکم السلام کہاں تھے تم کل رات سے میں ساری رات پریشان رہا"

یحیٰ صاحب کی آواز میں غصہ اور فکر کا امتزاج تھا۔

"بس کچھ مصروفیت تھی"

موسیٰ نظریں چراتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اصل بات بتانا اُس کے بس سے باہر تھا۔

"اچھا چلو ناشتہ کر لو۔ پھر میٹنگ ہے سارے ممبرز آ چکے ہوں گے اور یاد ہے نہ شہسوار ملک کا انٹرویو دو دن بعد طے ہے"

یحیٰ صاحب نے بات بدلتے ہوئے ناشتہ کا اشارہ دیا، لیکن ساتھ ہی سیاسی ذمہ داری کا بوجھ یاد دلا دیا۔

"انٹرویو اُس کا انٹرویو کون لے گا اور آپ کو کیسے پتہ وہ انٹرویو دے رہا ہے"

موسیٰ چونکا شہسوار ملک جیسے بندے کا انٹرویو جو ہمیشہ کیمروں سے دور رہتا تھا؟

یحیٰ صاحب کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"ابھی تو کنفرم نہیں شاید تمہاری بیوی لے گی"

یہ جملہ جیسے موسیٰ کے سینے میں کیل کی طرح لگا۔

"وہ میری بیوی نہیں ہے"

وہ تیز لہجے میں بولا آنکھوں میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"اور وہ یہ انٹرویو نہیں لے گی"

"کیوں نہیں لے گی تمہیں مسئلہ کیا ہے" یحیٰی صاحب نے اخبار میز پر رکھا اور ماتھے پر تیوری چڑھاتے ہوئے کہا۔

" شہسوار ملک کی فطرت جانتے ہیں آپ اُس جیسے آدمی کے سامنے فاطمہ کو بٹھانا خطرناک ہو سکتا ہے"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں تمہاری بیوی کو ہینڈل وہی کر سکتا ہے"

یحیٰی صاحب کا لہجہ زچ کرنے والا تھا جیسے جان بوجھ کر چبھتی بات کی گئی ہو۔

" بار بار بیوی کہنا بند کریں ت"

موسیٰ کی آواز میں شدت آگئی جبڑے بھینچ گئے۔

"اور شہسوار ملک وہ تیار کیسے ہو گیا انٹرویو کے لیے وہ تو ہمیشہ اپنے بندے آگے کرتا ہے خود کبھی سامنے نہیں آتا"

بادشاہ اپنے وقت پر آتا ہے اور بادشاہ کا وقت آگیا ہے۔

یحیٰ صاحب مسکرائے جیسے کوئی راز جانتے ہوں۔

"یہ تو وہی جانتا ہے خیر تم ناشتہ کرو۔ پھر ہمیں نکلنا ہے۔ سارا دن بھاگ دوڑ ہے"

موسیٰ کچھ بولے بغیر اُٹھ کھڑا ہوا۔ دل کی بے چینی اور دماغ کے سوالات کے ساتھ وہ دبے قدموں کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ پیچھے ٹی وی کی آواز گونج رہی تھی سیاست کے شور میں ذاتی زخموں کی گونج دبی جا رہی تھی۔

صبح کی روشنی کھڑکیوں سے اندر آ رہی تھی۔ کچن سے آتی تڑکے ہوئے مصالحے کی خوشبو پورے گھر میں پھیل چکی تھی۔ دستر خوان پر روٹیاں انڈے پراٹھے اور چائے رکھی جا چکی تھی۔

فاطمہ خاموشی سے آ کر بیٹھ گئی۔ چہرہ نکھرا ہوا تھا، مگر آنکھوں میں تھکن اور سنجیدگی چھپی ہوئی تھی۔

ابراہیم صاحب بھی آ کر بیٹھے ان کا چہرہ بجھا ہوا تھا۔ علشبہ بیگم نے خاموشی سے چائے اُن کے سامنے رکھی۔ اماں بی پہلے سے ہی کرسی پر موجود تھیں، تسبیح ہاتھ میں مگر نظر فاطمہ پر۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد فاطمہ نے خود ہی بات کا آغاز کیا۔

"بابا مجھے آج نیوز لائن آفس جانا ہے۔ اُنہوں نے بلایا ہے۔"

چمچ کی آواز رُک گئی۔ ابراہیم صاحب نے آہستگی سے نظریں اُٹھا کر فاطمہ کو دیکھا جیسے سنا ہو مگر یقین نہ آیا ہو۔

"کیا" اُن کی آواز دبی ہوئی تھی۔

"ہاں وہ چاہتے ہیں کہ میں شہسوار ملک کا انٹرویو کروں" فاطمہ نے صاف اور پُراعتماد لہجے میں کہا۔

ابھی وہ مزید کچھ کہتی کہ اماں بی کی تیز آواز گونجی۔

"بس یہی کمی رہ گئی تھی۔ ابھی تھانے سے آئی نہیں اب پھر اخباروں میں تصویر چھپوانی ہے بی بی نے"

فاطمہ نے اماں بی کی طرف دیکھا، مگر خاموش رہی۔

"فاطمہ نہیں۔ میں نہیں چاہتا تم وہاں جاؤ"

ابراہیم صاحب نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ابھی تمہاری عزت کے داغ بھی دھلے نہیں تمہیں وہاں نہیں جانا چاہیے"

فاطمہ کی آنکھیں نم ہوئیں مگر آواز میں مضبوطی تھی۔

"ابو اگر میں اب بھی چھپ گئی تو لوگوں کو یہی لگے گا کہ میں واقعی مجرم تھی"

"بیٹا، لوگ کیا کہتے ہیں اس کی پرواہ مت کرو۔ مجھے تمہاری حفاظت عزیز ہے"

"اور مجھے اپنی سچائی"

فاطمہ نے اُن کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"اگر میں اب نہیں گئی تو ساری زندگی مجھ پر وہ الزام چپکا رہے گا جو میں نے کبھی کیا ہی نہیں"

"عزت دار بیٹیاں تو ایک بار تھانے چلی جائیں پھر گھر میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتی ہیں۔ یہ تو اب بھی گلیوں میں گھومنا چاہتی ہے" اماں بی پھر سے بولیں۔

علشبہ بیگم نے اماں بی کو روکنے کی کوشش کی۔

"اماں بس کریں بچی ابھی تو گھر لوٹی ہے"

"واپس آگئی، تو اب کیا پھر سے وہی کام کرے گی اخبار انٹرویو گلیوں میں کیمروں کے آگے ناچنا باقی ہے"

اماں بی نے جیسے زہر اُگل دیا ہو۔

فاطمہ کی آنکھوں میں اب آنسو تھے مگر وہ مسکرائی۔

"اماں بی اگر میرے سچ بولنے کو آپ ناچنا کہتی ہیں تو میں ہر روز ناچوں گی کیونکہ میرے لفظ کسی کی مرضی کے غلام نہیں"

ابراہیم صاحب نے فاطمہ کی طرف دیکھا۔ ایک طرف باپ کی فکر ایک طرف بیٹی کا یقین۔ آخر کار اُنہوں نے نظریں جھکا لیں۔

وہ جانتے تھے فاطمہ کو اب روکا نہیں جا سکتا۔

صبح کی نیم روشن دھوپ کچن کی کھڑکی سے اندر آرہی تھی۔ دو مرلے کا چھوٹا سا صحن جس کے ایک کونے میں بیٹھک تھی جہاں ناشتہ لگایا گیا تھا۔ فرش پر صف بچھا کر پلیٹیں رکھی گئیں تھیں۔ حفصہ بیگم روٹیاں توے سے اُتار کر لارہی تھیں جبکہ فردان خاموشی سے موبائل چیک کر رہا تھا۔ سیام کپ اور چائے لیے بیٹھ چکا تھا۔

اتنے میں دھپ دھپ کرتی سیڑھیوں سے رئیسہ نیچے اُتری۔

ٹراؤزر اور ڈھیلی شرٹ میں دوپٹہ غائب چہرے پر صاف بیزاری اور قدموں میں لاپروائی۔

"یہ کیا ناشتہ ہے پراٹھے آچار دہی مجھے لگا کم از کم انڈہ یا براؤن بریڈ تو ہوگی"

حفصہ بیگم نے حیرانی سے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"بیٹا یہی ناشتہ ہے اگر کچھ اور کھانا ہے تو میں ابھی بنا دیتی ہوں"

رئیسہ ہنکارا بھر کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

"نہیں شکریہ میں یہ سب کھا کے اپنا معدہ خراب نہیں کرنا چاہتی اور پلیز اگلی بار ناشتہ بناتے ہوئے کوئی نورمل چیز بھی سوچ لیا کریں یہ 1960 نہیں ہے"

حفصہ بیگم کا چہرہ ایک لمحے کو سُن ہو گیا پھر بھی لہجہ نرم تھا۔

"بیٹا ہمارے ہاں یہی چلتا ہے تم اگر کچھ اور چاہو تو بتا دینا میں بنا دوں گی"

رئیسہ کا لہجہ اور تیز ہو گیا۔

"بس کر دیں یہ 'بیٹا بیٹا' آپ لوگ سمجھ رہے ہیں میں ہمیشہ کے لیے یہاں رہنے آئی ہوں صرف اس لیے نکاح ہوا ہے کہ آپ لوگوں کی ناک بچ جائے ورنہ نہ میں یہاں رہ سکتی ہوں نہ یہ ماحول میری برداشت سے باہر ہے"

یہ جملے سنتے ہی سیام کی گردن ایک دم اُٹھی۔

چائے کا کپ رکھ کر وہ تیز قدموں سے کھڑا ہوا۔

"بس کرو رئیسہ زبان بند کرو اپنی اب ایک لفظ بھی تمہارے منہ سے نکلا مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا"

"اُف اب تم بھی شروع ہو گئے" رئیسہ نے تمسخر سے کہا۔

سیام نے ایک لمحہ ضائع نہ کیا۔ اُس نے رئیسہ کا بازو پکڑا۔

"آؤ کمرے میں بات کرتے ہیں فوراً" سیام مزید تماشا نہیں چاہتا۔ اُس کو اپنا سر پھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ پاگل ہو گئے ہو کیا"

رئیسہ نے جھٹکنے کی کوشش کی لیکن سیام اُسے تقریباً کھینچتا ہوا اوپر کمرے میں لے گیا۔

کمرے کا دروازہ زور سے بند ہوا۔ سیام نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ رئیسہ کو بازو سے کھینچ کر کمرے کے بیچوں بیچ لا کھڑا کیا۔ اُس کے چہرے پر غصے کی سرخی ابھری ہوئی تھی سانسیں تیز آنکھوں میں جیسے طوفان گھوم رہا ہو۔

"یہ کیا تماشہ تھا نیچے یہ کیسا لباس پہن کر آئی تھی"

سیام کی آواز میں دھاڑ تھی جیسے کسی آتش فشاں کے دہانے سے نکلتی آگ۔

رئیسہ نے نخوت سے نظریں چرائیں۔

"کیا مسئلہ ہے تمہیں میرے کپڑوں سے میں کوئی برقعہ اوڑھنے والی نہیں ہوں"

یہ جملہ گویا آگ میں پٹرول ڈال گیا۔

سیام آگے بڑھا رئیسہ کا دونوں بازو سختی سے تھام کر قریب کیا، اُس کا چہرہ اپنے بالکل سامنے لا کر غرایا۔

"تمھیں شرم نہیں آتی میری ماں اور بھائی کے سامنے بغیر دوپٹے کے بے حیا بن کر بیٹھ گئی تم کون ہو دکھانے والی"

رئیسہ نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔

"چھوڑو مجھے، تم پاگل ہو گئے ہو ہاتھ مت لگاؤ"

مگر سیام نے اُس کا چہرہ سختی سے پکڑ لیا اُس کا منہ دبایا آنکھوں میں نفرت اور زہر بھرا تھا۔

"یہ زبان جو ہر وقت زہر اُگلتی ہے نا اگر اگلی بار میری ماں کے خلاف چلی تو یاد رکھنا زبان کاٹ دو گا کل صرف چار تھپڑ مارے اب اگر میری بات نہ مانی تو جان سے مار دو گا"

رئیسہ کی آنکھوں میں ایک لمحے کو خوف سا اُبھر آیا جیسے اُسے یقین نہ ہو رہا ہو کہ سیام ایسا کر سکتا ہے۔

"تمہیں کسی نے سکھایا نہیں کیا کہ کسی کے گھر میں آ کر عزت دی جاتی ہے تم یہ لباس پہن کر یہ ناک چڑھا کر، یہ زبان چلا کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟ کہ تم ہم سب سے برتر ہو"

سیام نے اُس کا منہ چھوڑا اُسے پیچھے دھکیلتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹا۔

"سنو رئیسہ تم نے میرے صبر کی آخری حد توڑ دی ہے یہ تمہارا ڈیڈی کا محل نہیں ہے یہ ایک چھوٹا سا عام سا گھر ہے لیکن اس گھر میں عزت ہے اور وہ تمھارے جیسوں کو کبھی برداشت نہیں ہوتی"

رئیسہ خاموش کھڑی رہی لب کپکپا رہے تھے سانس تیز ہو چکی تھی لیکن وہ پہلی بار کچھ نہ بول سکی۔

سیام نے دروازہ کھولا ایک آخری نظر اُس پر ڈالتے ہوئے بولا۔

"تم اب میرے لیے صرف ایک بوجھ ہو اور یاد رکھنا بوجھ اُٹھایا نہیں جاتا اُتارا جاتا ہے"

دروازہ زور سے بند ہوا اور رئیسہ تنہا کھڑی رہ گئی۔ اب کے بار اس کے غرور میں دراڑ سی پڑ گئی تھی اور خاموشی نے اُس کے وجود کو آگھیرا تھا۔

نیوز لائن چینل کا کانفرنس روم روشن مگر پُرسکون تھا۔ ٹیبل کے گرد ایڈیٹر ان چیف، ایکسیکٹو پروڈیوسر، HR ہیڈ اور دو سینئیر رپورٹر بیٹھے تھے۔ سب کے چہروں پر ایک غیر معمولی سنجیدگی طاری تھی۔

دروازہ کھلا۔ فاطمہ اندر داخل ہوئی۔ اُس کا انداز صاف تھا نہ مغرور نہ عاجز بس ایک سنجیدہ عورت جو سچائی کے ساتھ کھڑی تھی۔

"فاطمہ شکریہ آپ آئی ہیں بیٹھیں"

ایڈیٹر ان چیف نے رسمی مسکراہٹ کے ساتھ کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

فاطمہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھ میز پر رکھے نظریں سیدھی اُن کی آنکھوں میں۔

"شہسوار ملک کا انٹرویو کنفرم ہو چکا ہے"

ایکسیکٹو پروڈیوسر نے فوراً بات شروع کی۔

"اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہی وہ انٹرویو لیں آپ کا انداز آپ کا نالج آپ جانتی ہیں وہ کتنا حساس کیس ہے"

"اچھا اب آپ کو میری قابلیت یاد آ گئی" فاطمہ چند لمحے خاموش رہی پھر دھیما لیکن سخت لہجے میں بولی۔

سب چونکے HR ہیڈ کچھ بولنے کو ہوئی لیکن فاطمہ نے ہاتھ اُٹھا کر روک دیا۔

"مجھ پر رشوت کا الزام یاد ہے آپ کو شہسوار ملک کا انٹرویو کوئی اور بھی لے سکتا ہے پھر میں ہی کیوں"

ایڈیٹر ان چیف نے گلا صاف کیا۔

"فاطمہ وہ سب ایک صورتحال تھی ہم"

"وضاحت مت کریں الزام آپ نے لگایا نہیں تھا لگوایا گیا تھا"

فاطمہ کی آواز بلند نہیں ہوئی لیکن اُس کی کاٹ نے سب کی ریڑھ کی ہڈی میں کپکپی دوڑا گئی۔

"اور وہ الزام لگوایا موسیٰ نے جس کی سیاسی ساکھ بچانے کے لیے آپ سب نے مجھے قربانی کا بکرا بنایا"

کمرے میں سکوت چھا گیا۔

"میرا قصور صرف یہ تھا کہ میں نے اُسے آئینہ دکھایا وہ برداشت نہیں کر سکا۔ اور آپ سب اُس کے سامنے بکے ہوئے تھے ایک عورت کی سچائی آپ سب کو برداشت نہ ہوئی"

HR ہیڈ نے تھوڑی ہمت کی۔

"فاطمہ موسیٰ کا اس وقت چینل پر خاصا اثر تھا ہم مجبور تھے"

"تو اب کون مجبور ہے آپ"

فاطمہ نے سیدھے ایڈیٹر ان چیف کو دیکھا۔

"مجھے واپس بلانے سے پہلے چینل کے اُس الزام پر آفیشل معافی نشر کی جائے۔ جس دن میری عزت واپس دی میں یہ انٹرویو لینے پر سوچوں گی ورنہ آپ سب کو کوئی نیا چہرہ ڈھونڈنا ہو گا جو موسیٰ کی مرضی کے مطابق بولے جھکے اور خاموش رہے"

یہ کہہ کر وہ اُٹھ گئی۔ دروازہ کھولنے سے پہلے رُکی۔ پیچھے مڑ کر ایک آخری بات کہی۔

"اب کی بار اگر جھوٹ جیتا تو میں ہار کر بھی خاموش نہیں بیٹھوں گی"

دروازہ بند ہوا اور کانفرنس روم میں صرف اُس کی باتوں کی بازگشت باقی رہ گئی۔

کالج کا معمول کا دن تھا۔ کلاس کے درو دیوار پر پنکھا گھومتا رہا اور طلبہ اپنی نشستوں پر بے زاری سے بیٹھے فردان کے ہاتھ میں تھامے ٹیسٹ پیپرز کو گھور رہے تھے۔

"اُس دن کے ٹیسٹ کے رزلٹ آج میں واپس کر رہا ہوں اور یقین مانیں کچھ لوگوں نے حد ہی کر دی"

فردان کی آواز سخت تھی، نگاہوں میں وہی سنجید گی۔

اُس نے ایک ایک کر کے پیپر بانٹے۔ چند طلبہ نے خوشی سے ہاتھ اٹھائے کچھ کے چہرے لٹک گئے۔

"روما آپ میرے آفس آیئے"

فردان نے کرسی سے نیم اٹھتے ہوئے کہا۔

روما جو پیچھے بیٹھی تھی چونک سی گئی۔ اُس کے ہاتھ میں جھولتا ہوا پیپر صاف دکھا رہا تھا کہ اُس کے نمبر اچھے نہیں آئے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی فردان کے آفس کی طرف بڑھی۔

فردان نے کرسی پر بیٹھتے ہی اُس کا پیپر میز پر رکھا۔

"یہ کیا کیا ہے آپ نے یہ پڑھائی ہے یہ آپکی تیاری ہے"

اس کا لہجہ غصے سے زیادہ مایوسی بھرا تھا۔

روما خاموش رہی۔ نظریں نیچے جھکی ہوئی تھیں۔

"روما میں آپ سے زیادہ کی امید رکھتا تھا آپ کلاس میں خاموش ضرور ہوتی ہے مگر مجھے لگا آپ سمجھتی ہو بات کو یہ کیا بچپنا ہے"

بس اتنا کہنا تھا کہ روما کی آنکھوں میں نمی اُترنے لگی۔ وہ کچھ بولی نہیں، بس لب کپکپائے اور پھر ایک دم آنسو چھلک گئے۔

"روما رونا کیوں شروع کر دیا آپ نے"

فردان یکدم پریشان ہوا آواز نرمی میں بدل گئی۔

"سوری سر میں نے کوشش کی تھی میں نے"

اُس کے الفاظ آنسوؤں میں بہہ گئے۔

فردان نے جھک کر دراز سے ٹشو نکالا اُس کی طرف بڑھایا۔

"روما بس کریں چپ کریں ایسے روتے نہیں ہیں بچوں کی طرح دیکھیں میری طرف"

روما نے نم آنکھوں سے سر اُٹھایا۔

اور یہ وہ لمحہ تھا جب فردان پہلی بار رُک گیا۔

اُس نے روما کے چہرے کو غور سے دیکھا آنکھوں میں نمی، چہرے پر معصومیت الجھن اور شاید وہ سچائی جو وہ ہمیشہ لفظوں میں ڈھونڈتا تھا۔

"اچھا سنے "اُس نے نرمی سے کہا۔

"آئندہ اگر کسی چیز میں مسئلہ ہو، تو ڈر کے بجائے آکر پوچھ لیا کرے۔ میں آپ کا ٹیچر اہوں ٹھیک ہے"

روما نے ہولے سے سر ہلایا۔ اُس کے آنسو تھم چکے تھے لیکن پہلی بار دل میں کچھ ٹھہرا تھا شاید اعتبار۔ شاید کچھ اور۔

روما جا چکی تھی۔

"ایک تو بندہ جس سے محبت کرتا ہوں اُسکو ڈانٹ بھی نہیں سکتا اُف روما تم مجھے پاگل کر دو گی جتنا میں کالج میں سیریس رہنے کی کوشش کرتا ہوں اُتنا ہی تم میرے حواسوں پر سوار ہو رہی ہوں" فردان چیئر سے ٹیک لگائے خود سے کہنے لگا۔

شام کا وقت تھا۔ چھوٹے سے گھر کی فضا میں عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کچن سے ہلکی ہلکی چائے کی خوشبو آرہی تھی اور صحن میں بکھرے برتن سمیٹے جا رہے تھے۔ سیام صحن میں بیٹھا اخبار کی آڑ میں خاموشی سے بیٹھا تھا جب سیڑھیوں پر تیز قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

ٹھک ٹھک۔۔۔

اُس کو یہاں رہتے ہوئے تین دن گزر گئے تھے۔ اب اس ماحول میں رہنا اُس کو مشکل لگ رہا تھا۔

رئیسہ نیچے اُترتی نظر آئی۔ ایک ہاتھ میں بیگ تھا دوسرا موبائل پکڑا ہوا۔ چہرے پر صاف جھنجھلاہٹ آنکھوں میں تھکن اور ہونٹوں پر وہی نخوت بھری لکیر۔

"بس میں مزید یہاں نہیں رہ سکتی میں جا رہی ہوں اپنے ڈیڈ کے گھر"

حفصہ بیگم جو ابھی چائے کپ میں ڈال رہی تھیں ایک دم چونک گئیں۔

"بیٹا ایسے کیسے جا سکتی ہو کیا ہوا کچھ کہا کسی نے"

رئیسہ نے پلٹ کر سرد لہجے میں جواب دیا۔

"یہ گھر میرے رہنے کے قابل نہیں ہے نہ یہاں سکون ہے، نہ سہولت نہ عزت"

سیام کمرے سے باہر آ چکا تھا۔ اُس نے رئیسہ کو بیگ کے ساتھ کھڑے دیکھا اور پھر اپنی ماں کو پریشان۔

حفصہ بیگم لپک کر رئیسہ کے قریب آئیں۔

"بیٹا سسرال میں شروع میں مشکل لگتا ہے لیکن تھوڑا وقت دو سب بہتر ہو جائے گا۔ میں ہوں نا سب سنبھل جائے گا" حفصہ بیگم کو پہلے ہی محلے والے بہت باتیں سُنا چکے تھے اور اگر رئیسہ چلے جاتی تو لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے۔

رئیسہ نے خود کو پیچھے ہٹایا اور تلخ لہجے میں بولی۔

"نہیں یہ سب میرے بس کا نہیں نہ یہ چھوٹا سا کمرہ نہ یہ ماحول۔ میں محلوں کی عادی ہوں یہ زندگی میرے لیے نہیں"

سیام آگے بڑھا آواز میں آہنی سختی تھی۔

"امی رہنے دیں جانے دیں اسے"

پھر رئیسہ کی طرف دیکھ کر زہر میں بجھا جملہ بولا۔

"ایسی لڑکیاں صرف تصویروں میں اچھی لگتی ہیں گھر نہیں بسایا کرتیں"

رئیسہ کی گردن تن گئی جیسے کسی نے چہرے پر طمانچہ مار دیا ہو۔ وہ کچھ کہنے لگی لیکن سیام کا انداز ایسا تھا جیسے کچھ بھی کہنے کی اجازت نہیں۔

"تمہیں اگر جانا ہے تو دروازہ کھلا ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا جو بار بار گھر بدلتی ہیں نا اُنہیں کبھی اپنا گھر نہیں ملتا"

رئیسہ کی نظریں چند لمحے کے لیے نیچے جھکیں پھر اُس نے سر اُٹھایا اور بیگ کھینچتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

حفصہ بیگم نے آنکھوں میں نمی لیے بس اُسے جاتے دیکھا۔ دروازہ بند ہوا اور خاموشی پھر سے اُس چھوٹے سے گھر کی فضا میں اتر گئی لیکن اس بار ایک بوجھ کے ہٹ جانے کی سی آواز کے ساتھ۔

دروازہ خود بخود کھلا جیسے ہمیشہ اُس کے لیے کھلتا آیا تھا مگر آج وہ اندر داخل ہو رہی تھی بیٹی کی حیثیت سے نہیں، ایک مسئلے کی صورت میں۔

دروازہ پار کرتے ہی رئیسہ نے شان سے قدم رکھا۔ وہ وہی رئیسہ تھی مگر اندر کچھ ہل چکا تھا۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی اُس کی نظر بدر خان پر پڑی، جو صوفے پر بیٹھے فائلز دیکھ رہے تھے۔ پاس ہی افراء بیگم موجود تھیں، ناخنوں پر نیل پالش کا دوسرا کوٹ لگا رہی تھیں۔

"ڈیڈ" رئیسہ کی آواز میں پہلے جیسا اعتماد نہیں تھا مگر اُس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔

بدر خان نے نگاہ اُٹھائی سرد اور ناپ تولتی ہوئی۔

"میں وہاں نہیں رہ سکتی وہ لوگ چھوٹے لوگ ہیں وہ گھر وہ ماحول مجھے وہاں گھٹن ہوتی ہے"

رئیسہ نے اپنا بیگ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

بدر خان ہنسے مگر وہ ہنسی زہر بھری تھی۔

"گھٹن تو وہ گھٹن تمہیں نکاح سے پہلے کیوں محسوس نہیں ہوئی یا جھوٹا نکاح نامہ بنواتے ہوئے؟"

رئیسہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

"ڈیڈ آپ جانتے ہیں میں نے وہ نکاح صرف اس لیے کیا تا کہ سیام کو نیچا دکھا سکوں"

"لیکن میں نے نہیں کہا تھا کہ خود کو بھی رسوا کرو"

بدر خان کا لہجہ فولادی ہو چکا تھا۔

"اب کیا ہو گا" رئیسہ نے نظریں چرا کر کہا۔

"اب ہو گا یہ کہ تم وہیں واپس جاؤ"

بدر خان نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے صاف کہا۔

"کیونکہ میری بیٹی اگر میرے نام پر دھبہ لگائے گی تو اُس کا بوجھ میں نہیں اُٹھاؤں گا"

"لیکن میں وہاں نہیں رہ سکتی ڈیڈ وہ وہ ایک عام سا گھر ہے مجھے نہیں برداشت ہوتا پلیز ڈیڈ مجھے یہیں رکھ لیں"

"نہیں رئیسہ تمہارا اصل مقام اب وہی ہے یہی تم نے چُنا تھا، اسی میں رہو"

رئیسہ اب افراء بیگم کی طرف مڑی۔

"ماما پلیز آپ سمجھائیں ڈیڈ کو"

افراء بیگم نے انگلیاں ہلاتے ہوئے ہاتھ روک کر کہا۔

"بیٹا جو تمہارے ڈیڈ کہہ رہے ہیں وہی ٹھیک ہے ہم نے بہت کچھ برداشت کیا ہے تمہاری ضدوں کی وجہ سے اب ہم نہیں کر سکتے جاؤ اپنے شوہر کے گھر!"

"ڈیڈ اور موم مجھے آپ دونوں نکال رہے ہے" رئیسہ کے حلق میں آنسو اٹکنے لگے۔

"ہاں کیونکہ یہ راستہ تم نے خود چنا ہے" افراء بیگم کا لہجہ اتنا ہی بے نیاز تھا جتنا اُن کا انداز۔

"کیونکہ اب تم نہ ہماری عزت میں ہو نہ ہم تمہاری ضدوں کے محتاج بہتر یہی ہے واپس لوٹ جاؤ"

بدر خان نے ملازم کو آواز دی۔

"دروازہ کھولو بی بی کو واپس جانا ہے"

رئیسہ کی آنکھوں میں اب حقیقت اُترنے لگی تھی۔ یہ وہ گھر نہیں تھا جو اُسے گود لے گا یہ وہ در تھا جو اُسے اُس کی انا کی قیمت دکھا رہا تھا۔

"آپ سب میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں میں آپ کی بیٹی ہوں"

"تھی اب تم صرف سیام کی بیوی ہو۔ اور وہی تمہاری دنیا ہے"

بدر خان کا جواب آخری مہر تھا۔

دروازہ کھلا۔ رئیسہ نے ساکت قدموں سے باہر قدم رکھا اور پہلی بار رئیسہ بدر خان واقعی اکیلی ہو چکی تھی۔

موسیٰ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا اُس کے چہرے پر بے چینی کی پر چھائیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ ماتھے پر بل قدموں میں اضطراب اور آنکھوں میں چھپا ایک انجانا خوف۔ وہ اندر آتے ہی غصے سے کوٹ اتار کر پھینک گیا۔

"اسماعیل فوراً پتہ کرو شہسوار ملک کا انٹرویو کون لے رہا ہے"

اسماعیل، جو صوفے پر بیٹھا موبائل دیکھ رہا تھا چونک کر موسیٰ کی طرف دیکھنے لگا۔

"یار تم اتنی ٹینشن کیوں لے رہے ہو ایک انٹرویو ہی تو ہے"

موسیٰ کمرے میں چکر کاٹنے لگا جیسے زمین پر قدم نہیں کسی آتش فشاں کے دہانے پر رکھے ہوں۔ اُس کی آواز میں لرزش تھی، مگر الفاظ سخت اور واضح تھے۔

"انٹرویو کوئی بھی لے لیکن فاطمہ ہر گز نہیں"

اسماعیل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا جیسے موسیٰ کا خدشہ ابھی پوری طرح سمجھ نہ پایا ہو۔

"یار ریلکس جیسے اُس نے تمہارا انٹرویو لیا تھا ویسے ہی اُس کا بھی ہو جائے گا اِٹس ناٹ آ بگ ڈیل"

موسیٰ یکدم رُک گیا ایک گہری سانس لی جیسے غصہ اندر اُتارنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"جب اُس نے میرا انٹرویو لیا تھا انجام تمہارے سامنے ہے آج وہ میری بیوی ہے زبردستی دشمنی کے تحت"

وہ چند لمحے رُکا پھر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولتا چلا گیا۔

"میں سیاست میں نیا تھا صاف دامن بس چار سال ہوئے ہیں اس میدان میں قدم رکھے لیکن شہسوار وہ چالاک ہے پرانا کھلاڑی ہے۔ اُس کے دامن پر پہلے ہی

داغ ہیں اور فاطمہ اگر اُس کے سامنے ویسے ہی سوال لے کر کھڑی ہو گئی تو اس بار معاملہ بگڑ جائے گا۔ اُس کے پاس کھونے کے لیے بہت کچھ ہے اور وہ کبھی برداشت نہیں کرے گا کہ اُس کے الیکشن سے پہلے کوئی اُس کا پول کھولے"

اسماعیل اب کچھ کہنے سے جھجک رہا تھا۔

"کیا پتہ مس فاطمہ یہ انٹرویو نہ لے" مگر پھر بھی نرم لہجے میں بولا۔

موسیٰ نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکا۔ اُس کی نظریں کسی ان دیکھے منظر میں گم تھیں۔

"اس کے لیے یہی بہتر ہو گا کیونکہ ہر کوئی موسیٰ شیر خان نہیں ہوتا جو اُس کے سوال اُس کے الفاظ اُس کی زہر اُگلتی زبان کو برداشت کر لے"

یہ آخری جملہ موسیٰ نے دل میں کہا تھا لیکن اس کی آنکھیں جیسے ہر لفظ چیخ چیخ کر بول رہی ہوں۔

رات کے دس بجے کا وقت تھا۔ شہر کے مہنگے اور خفیہ پولیٹیکل کلب کی وی آئی پی میٹنگ روم میں دھواں دھواں ماحول تھا۔ ایک طرف سگار کی مہک دوسری طرف سیاست کی بُو۔

شہسوار ملک اپنی مخصوص گہری سرمئی شلوار قمیض میں بازو کی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کرسی پر بیٹھا تھا۔ اُس کے چہرے پر سکون لیکن آنکھوں میں خطرناک چمک تھی سامنے اس کا قریبی ساتھی اور سیاسی مشیر جمال فائلز سنبھالے کھڑا تھا۔

"سر، نیولائن نیوز چینل کی طرف سے انٹرویو کے لیے دو نام سامنے آئے ہیں ایک عام رپورٹر اور دوسرا فاطمہ ابراہیم" جمال نے جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی شہسوار کی نظریں محسوس کیں جن میں ایک عجیب سی دلچسپی ابھر آئی تھی۔

شہسوار نے سگار کی راکھ جھاڑی ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر آئی۔

"فاطمہ وہی لڑکی جس نے موسیٰ کا پول کھولا تھا"

"جی سر وہی بڑا طوفان مچایا تھا اُس انٹرویو نے"

شہسوار کرسی پر تھوڑا سا جھک کر بیٹھا جیسے شطرنج کا اگلا چال سوچ رہا ہو۔

"تو پھر یہ فیصلہ ہو گیا میرا انٹرویو صرف وہی لے گی"

جمال چونک گیا۔

"لیکن سر وہ خطرناک ہو سکتی ہے۔ تیکھے سوال کرتی ہے، جذبات میں نہیں آتی اور موسیٰ کو بھی اسی نے بیک فٹ پر ڈالا تھا"

شہسوار ہنس دیا مگر اُس کی ہنسی میں طنز چھپا ہوا تھا۔

"جمال خطرناک لوگ مجھے متاثر کرتے ہیں اور ویسے بھی اگر میدان میرا ہے تو مہرہ بھی میری مرضی کا ہونا چاہیے"

"مگر سر اگر اُس نے کوئی پرانا اسکینڈل چھیڑ دیا تو"

شہسوار کی آنکھوں میں اب سرد ملال اُترا اُس نے سگار میز پر رکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں وہ چھیڑے۔ اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گا کہ میڈیا اب بھی میرا خوف کھاتا ہے یا نہیں اور ایک بات سن لو اگر وہ مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کرے گی تو اُسے یاد دلا دوں گا کہ شہسوار ملک صرف سوالوں کا جواب نہیں دیتا وہ سوال بنانے والوں کی قسمت بھی بدل دیتا ہے۔"

جمال نے دھیرے سے سر ہلایا۔ اب اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ انٹرویو صرف ایک میڈیا ایونٹ نہیں تھا بلکہ ایک خفیہ جنگ کی شروعات تھی۔

رات کے دس بجنے کو تھے۔ گھر کا ماحول نسبتاً پر سکون تھا۔ سب لوگ صحن میں چائے کے کپ لیے بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ فضا میں ہلکی ہوا چل رہی تھی لیکن کسی کو خبر نہ تھی کہ اگلے لمحے ہوا کا رُخ بدلنے والا ہے۔

اچانک سیام کی جیب میں رکھا فون زور سے بجنے لگا۔ اُس نے ایک نظر سکرین پر ڈالی "بدر صاحب" نام دیکھ کر ہی دل میں ایک عجیب سی ٹھنڈک اُتری جیسے کوئی سرد خنجر روح میں پیوست ہو گیا ہو۔

"جی بولیے" سیام نے فون کان سے لگایا مگر آواز میں کوئی تپاک کوئی ادب نہیں تھا نہ سلام نہ تعارف۔

فون کے دوسری طرف بدر صاحب کا سخت کرخت لہجہ گونجا۔

"مجھے تم سے صاف صاف کہنا ہے رئیسہ کو میں نے واپس اسی لیے بھیجا ہے کہ اب وہ تمہاری بیوی ہے اُس کا یہاں آنا مکمل بند ہے اگر اُس نے نکاح کیا ہے تو اُسے اپنے گھر رکھو میں اُسے صاف الفاظ میں سمجھا چکا ہوں اب تم بھی سمجھا دینا اور میرا پیغام اُسے پہنچا دینا"

فون بند ہوا تو سیام چند لمحے یونہی پتھر کا ہو کر بیٹھا رہا۔ جیسے دل کے اندر کچھ ٹوٹا ہو بکھرا ہو لیکن زبان پر الفاظ نہ آئے۔ ہاتھ ابھی تک کان سے لگا ہوا تھا اور آنکھوں میں حیرت جم گئی تھی۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اُسکے باپ نے اُسکو گھر سے نکال دیا ہے تو وہ گئی کہاں۔

"سیام کیا ہوا بیٹا" امروز صاحب نے تشویش سے پوچھا۔ وہ اپنے بیٹے کے چہرے کی بدلی رنگت ہاتھ میں تھما فون اور خاموشی کو دیکھ کر گھبرا گئے تھے۔

سیام نے اچانک چونک کر ارد گرد دیکھا

"ابو میں ابھی آیا" پھر بے قراری سے بولا۔

وہ تیزی سے اُٹھا چائے کا کپ ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گرا اور اُس نے فردان کو پکارا۔

"فردان اُٹھو تم میرے ساتھ چلو"

فردان حیران رہ گیا۔

"پر بھائی کہاں کیا ہوا"

"بس چلو ابو آپ امی کو بتا دیجیے گا ہمیں شاید دیر ہو جائے"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ اُس کے قدموں کی آہٹ جیسے صحن کی خاموشی چیرتی جا رہی تھی۔

"بیٹا میری بات تو سنو" امروز صاحب نے آواز دی، لیکن سیام دروازہ پار کر گیا۔

فردان نے ایک نظر باپ پر ڈالی پھر چائے کا کپ وہیں رکھ کر بولا۔

"ابو آپ رُکیے میں بھائی کو دیکھتا ہوں"

وہ بھی لپکتا ہوا باہر نکل گیا۔ رات کی تاریکی گھبراہٹ اور انجانا سا خوف اب پورے گھر کے ماحول پر چھا چکا تھا۔

رات کی سیاہی پورے شہر پر چھائی ہوئی تھی۔ گلیوں میں سنّاٹا تھا صرف کبھی کبھار کسی دور جاتی گاڑی کی آواز یا بھونکتے کتوں کی ہلکی گونج سنائی دیتی تھی۔ سٹریٹ لائٹس کی زرد روشنی فٹ پاتھوں پر لمبے سائے بکھیر رہی تھی۔ رات کے سائے جیسے دیواروں پر رینگتے ہوئے آسیب ہوں۔

پچھلے تین گھنٹے سے سیام اور فردان رئیسہ کو تلاش کرتے پھرتے تھے ہر ممکن جگہ دیکھ چکے تھے اس کے باپ کا گھر پارک ہسپتال یہاں تک کہ پولیس اسٹیشن تک چھان مارا تھا۔ لیکن وہ کہیں نہیں تھی۔

"بھائی آپ کو اُنہیں گھر سے نہیں جانے دینا چاہیے تھا۔ جو بھی ہوا جیسے بھی ہوا آخر کار آپ کی بیوی تھی"

فردان، جو بائیک چلا رہا تھا غصے اور پریشانی کے ملے جلے لہجے میں بولا۔

سیام نے جھنجلا کر رہ گیا تھا "مجھے کیا پتہ تھا وہ لاپتہ ہو جائے گی بس یہی کہہ کر گئی تھی کہ وہ میرے گھر میں نہیں رہ سکتی اور اپنے باپ کے گھر جا رہی ہے"

فضا میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ بائیک کے انجن کی گڑگڑاہٹ ہی واحد آواز تھی جو اس خاموشی کو چیر رہی تھی۔

اچانک فردان نے چونک گیا۔

"بھائی سامنے فٹ پاتھ پہ دیکھیں رئیسہ بھابھی"

سٹریٹ لائٹ کی مدھم زرد روشنی میں فٹ پاتھ پر ایک دبلی سی خاموش سی عورت بیٹھی تھی۔ اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے چہرہ دھواں دھواں اور

آنکھیں کہیں کھوئی ہوئی لگ رہی تھیں۔ وہ کسی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، جیسے جسم میں ہمت باقی نہ ہو۔

سیام نے اس کو دیکھا تو جیسے دل میں کچھ چبھ گیا ہو ایک کرب بھری آہ اس کے لبوں سے نکلی۔

"اُف خدایا مجھے صبر دے"

دونوں بائیک سے اُتر کر اُس کی طرف بڑھے۔ رئیسہ نے جیسے ہی اُنہیں آتے دیکھا نظریں جھکا لیں۔ اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ پائی۔ شرمندگی اور ندامت نے اُس کی آواز بھی چھین لی تھی۔

سیام قریب آکر رک گیا اُس کا لہجہ تلخ تھا پر آنکھوں میں ایک کرب چھپا ہوا تھا۔

"فٹ پاتھ پر بیٹھنے کا شوق پورا ہو گیا ہے تو اب گھر چلنے کا ارادہ ہے یا مزید کوئی شوق پورا کرنا ہے"

رئیسہ نے کچھ نہ کہا۔ اُس نے بس نظریں جھکا کر زمین کو گھورنا شروع کر دیا۔ اُس کے لب کانپ رہے تھے، پر زبان خاموش تھی۔

فردان نے نرمی سے سیام کا بازو تھاما۔

"بھائی چھوڑیں اب گھر چل کر بات کرتے ہیں بھابھی کی حالت دیکھیں اُنہیں آرام کی ضرورت ہے"

سیام کا چہرہ سختی سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے رئیسہ کی طرف اشارہ کیا۔

"کیسی حالت اِن جیسی عورتوں کا یہی انجام ہوتا ہے جو دوسروں پر زبردستی مسلط ہوتی ہے مجھے بہت گھمنڈ سے کہہ کر نکلی تھی نا کہ میرے گھر میں نہیں رہ سکتی

اپنے باپ کے گھر جا رہی ہے تو یہ باپ کا گھر ہے اگر باپ نے نکال دیا تو واپس آجاتی نا لیکن تمہیں تو خود کا تماشا بنانے کی عادت ہو گئی ہے"

رئیسہ کی پلکوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا۔ وہ پھر بھی چُپ رہی۔ اُس کے اندر بہت کچھ ٹوٹ چکا تھا نفس غرور انا سب کچھ۔ وہ اب کچھ سننے کچھ کہنے کی حالت میں نہیں تھی۔ صرف چاہتی تھی کہ کوئی اُسے وہاں سے اٹھا لے اس ذلت کی رات سے نکال کر کہیں خاموشی میں پناہ دے دے۔

سیام نے گہری سانس لی جیسے خود کو روک رہا ہو۔ پ

"چلو اب اگر ہمت ہے تو قدم اٹھاؤ ورنہ میں یہیں چھوڑ کر جا رہا ہوں"

رئیسہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے زمین پر سہارا لیا۔ بمشکل کھڑی ہوئی۔ اُس کے قدم لڑکھڑائے تو فردان نے آگے بڑھ کر سہارا دیا۔ اُس نے شکر گزار نظروں سے اُسے دیکھا پھر جھکی گردن کے ساتھ سیام کے پیچھے پیچھے چل دی۔

آج غرور ہار چکا تھا۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا صرف دور کہیں کسی کتے کے بھونکنے کی آواز کبھی کبھار خامشی کو چیرتی۔ سڑک پر ایک سیاہ کار پارک تھی اور اس کے پاس کھڑے موسیٰ نے دیوار کی طرف دیکھا۔

"موسیٰ تمہیں لگتا ہے آدھی رات کو کسی لڑکی کے گھر دیوار پھلانگنا ٹھیک ہے"

اسماعیل نے سرگوشی کے انداز میں کہا، نظریں گھبرا کر اِدھر اُدھر دوڑاتے ہوئے۔

"یار پندرہ منٹ بس اتنا وقت دو اور باہر دھیان رکھنا"

موسیٰ نے پر اعتماد انداز میں کہا اور لمحہ ضائع کیے بغیر دیوار پھلانگ گیا۔

پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا صرف فاطمہ کے کمرے کی کھڑکی سے ہلکی سی روشنی چھن رہی تھی۔ موسیٰ کھڑکی کے قریب پہنچا لیکن روشنی دیکھ کر ایک لمحے کو رُک گیا۔ جھک کر اندر جھانکا سامنے آئینے کے سامنے فاطمہ کھڑی تھی۔

وہ سیاہ سادہ لباس میں ملبوس بالوں کو تولیے سے سکھا رہی تھی۔ شاید ابھی نہا کر نکلی تھی۔ آئینے میں اُس کے چہرے پر تھکن اور سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

فاطمہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ آئینے کے بائیں طرف والی کھڑکی کھلی تھی۔ اچانک ایک دھیمی سی سرگوشی گونجی۔ موسیٰ کا چہرہ فاطمہ کے بالوں کے قریب ایسے جیسے وہ اُسکی خوشبو انہیل کر رہا ہو

" Nice shampoo.... Honey bee”

فاطمہ نے چونک کر گردن موڑی موسیٰ کھڑکی سے اندر کود چکا تھا اور عجیب سا مصنوعی مسکراہٹ لیے کھڑا تھا۔

فاطمہ بے یقینی سے بولی اُسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ موسیٰ اُسکے کمرے تک آگیا ہے۔

"کیا تم۔۔۔ تمم یہاں کیسے آئے"

موسیٰ نے کندھے اچکائے۔

"سامنے کھڑکی دیکھ رہی ہوں بس وہی سے"

فاطمہ نے آہستہ جیسے خود سے سرگوشی کی۔

"کاش میں کھڑکی پہ کیل ٹھوک دیتی"

موسیٰ چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"پھر بھی آجاتا سوال اٹھتا ہے تمہارا taste شہسوار تک کیوں گیا"

فاطمہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"اوہ... تو اصل بات یہ ہے تمہیں میری professional decisions سے مسئلہ ہے"

موسیٰ اب لہجہ سنجیدہ ہوتا جا رہا تھا۔

"مسئلہ مسئلہ تو تم ہو ہر بار ایسی چیز چن لیتی ہو جو آگ لگا دے شہسوار کوئی عام بندہ نہیں"

فاطمہ بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"میں نہ تم سے ڈرتی ہوں نہ شہسوار سے آئی سمجھ۔ میں رپورٹر ہوں جو سچ ہے وہی بولوں گی میری بلا سے وہ عام ہو یا خاص آئی ڈونٹ کیئر"

موسیٰ اب قدم آگے بڑھا رہا تھا۔

"تم جان بوجھ کر میرے خلاف جا رہی ہو اُس شخص کا انٹرویو کرو گی جو تمھاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے جھوٹ بولے گا"

فاطمہ آنکھیں سکیڑ گئی۔

"تو کیا تم چاہتے ہو میں بھی تمھاری طرح سچ کو بند کمرے میں دفن کر دوں موسیٰ تمہارے اندازے غلط ہو سکتے ہیں مگر میرے فیصلے نہیں"

موسیٰ دھیرے سے، جیسے ضبط کر رہا ہو۔

"اب تو مجھے بھی انتظار ہے اس انٹرویو کا ہر کوئی موسیٰ شیر خان نہیں ہوتا جو تمہاری ہر بات سُنے وہ آواز بند کر دے گا تمہاری"

فاطمہ چہرہ اُس کے قریب لا کر، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"جب آواز بند ہونے لگتی ہے نا موسیٰ تو صحافی نہیں چیختے وہ خاموشی کو خبر بنا دیتے ہیں"

ایک لمحے کو دونوں خاموش ہو گئے جیسے پورا کمرہ سانس روک گیا ہو۔

وہ دھیرے دھیرے اُس کی طرف بڑھا اور جھک کر اُس کے بالوں کے قریب سرگوشی میں کہا۔

"Honey Bee" ابھی بھی وقت ہے خود کو روک لو"

فاطمہ فوراً پیچھے ہٹی جیسے کسی بچھو نے چھو لیا ہو۔

وہ اب زچ ہو رہی تھی۔

"مجھے ان چیپ کارٹون نما ناموں سے بلانا بند کرو موسیٰ"

موسیٰ کے چہرے پر ایک شیطانی سی مسکراہٹ ابھری، جیسے اُس کی ضد اور انا کو مزہ آنے لگا ہو۔ وہ ایک قدم اور آگے بڑھا اُس کا بازو سختی سے تھام لیا۔

"عادت ڈال لو اب سے تمہیں 'honey bee' ہی کہوں گا"

فاطمہ کی آنکھوں میں اب صرف غصہ نہیں توہین کا زہر بھی بھر گیا تھا۔ وہ جھٹکے سے اپنا بازو چھڑانے لگی، اور پھر اچانک موسیٰ کا گریبان دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

"اگر تمہیں لگتا ہے اس طرح کی گھٹیا حرکتیں کر کے تم مجھے روک لوگے تو یہ تمہاری سب سے بڑی بھول ہے میں وہ ہوں جو سچ کے لیے سب کچھ داؤ پر لگا سکتی ہے اور پیچھے ہٹنا میرے خون میں نہیں"

کمرے میں خاموشی چھا گئی لیکن یہ وہ خاموشی تھی جو طوفان سے پہلے کی ہوتی ہے۔ موسیٰ نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا وہاں خوف نہیں تھا صرف عزم تھا۔ وہ آہستہ سے پیچھے ہٹا جیسے خود بھی اُس کی شدت سے تھوڑا لرز گیا ہو۔

"تم ہو بہت خطرناک اور مجھے لگتا ہے اب تمہیں قابو رکھنا ضروری ہو گیا ہے"

"قابو میں کوئی تمھارا پالتو جذبہ نہیں میں وہ طوفان ہوں جسے تم نے چھیڑا ہے اب سامنا کرنے کی ہمت بھی رکھو" فاطمہ سخت لہجے میں اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولی۔

موسیٰ نے ایک نظر اور ڈالی پھر خاموشی سے پلٹا مگر اُس کے قدموں میں اب بے چینی تھی۔

صبح صادق کی نرم دودھیا روشنی آسمان سے اُترتی ہوئی صحن کے فرش پر آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔ کھڑکیوں سے چھن چھن کر آتی روشنی کمرے کی دیواروں پر خاموشی سے ناچ رہی تھی۔ باورچی خانے سے جلتے گھی اور پکتی چائے کی خوشبو ہوا میں رچی ہوئی تھی۔

فردان ناشتہ کی میز پر بیٹھا گھڑی پر بار بار نظر ڈال رہا تھا۔

"امی یار کتنا ٹائم لگے گا میں لیٹ ہو رہا ہوں کالج سے"

وہ قدرے جھنجھلا کر بولا اور گھڑی کی سوئیاں جیسے اُس کی بے چینی کا مذاق اُڑا رہی تھیں۔

اسی لمحے دروازہ ہلکے سے چرچراتے ہوئے کھلا۔ سیام خاموش قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوا چہرے پر سپاٹ تاثرات، آنکھوں میں نیند کی نمی باقی تھی۔

"السلام علیکم"

اُس نے دھیمے مگر رعب دار لہجے میں کہا اور میز کے کنارے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"وعلیکم اسلام بھائی"

فردان نے موبائل سائیڈ پر رکھتے ہوئے خلوص سے جواب دیا، مگر اُس کی نظریں سیام کے چہرے سے بھابھی کی غیر موجودگی کے اشارے چُرا رہی

تھیں۔

"بھابھی کہاں ہیں بھائی"

اُس نے آہستہ سے پوچھا جیسے جواب سے ڈر رہا ہو۔

"کمرے میں ہو گی"

سیام نے مختصر سا جواب دیا اور پانی کا گلاس اُٹھا کر لبوں سے لگا لیا جیسے اُس جملے کے ساتھ ہی وہ گفتگو بھی ختم کرنا چاہتا ہو۔

حفصہ بیگم نے پراٹھوں کی پلیٹ میز پر رکھی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"بیٹا تم دونوں ناشتہ کرو، آج تمہارے ابو اور میں فاطمہ کے گھر جا رہے ہیں تم لوگ بھی جلدی آجانا ساتھ چلیں گے"

فردان نے ایک لمحے کو سیام کے تنے ہوئے جبڑے اور سخت پڑے چہرے کو دیکھا، پھر بول اٹھا۔

"امی بھابھی اکیلی گھر پر کیا کریں گی اُنہیں بھی ساتھ لے جایئے گا"

حفصہ بیگم کے ہاتھ میں پکڑی چمچ لمحے بھر کو رُک گئی۔ وہ چونک کر سیام کی طرف دیکھنے لگیں۔

"وہ یہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے فردان۔ تمہیں بتایا نہیں سیام نے کل شام چلی گئی تھی"

کمرے کی فضا یکدم بوجھل ہو گئی۔ فردان نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔

"امی بھابھی واپس آگئی تھیں رات کو"

یہ جملہ سنتے ہی حفصہ بیگم کے چہرے پر حیرت اضطراب اور سوالات کی جھلک نمودار ہوئی۔

"سیام یہ فردان کیا کہہ رہا ہے" اُن کا لہجہ اب صرف سوال نہیں ایک ماں کی بے چینی بھی بن چکا تھا۔

سیام نے پلکیں جھپکیں، مگر نگاہیں ماں سے نہ ملائیں۔ اس کے چہرے پر نرمی کی بجائے بے رخی کے آثار گہرے ہو چکے تھے۔

"امی مجھے دیر ہو رہی ہے آج میرا انٹرویو ہے دعا کیجیے گا" وہ کرسی سے اُٹھا فائل ہاتھ میں لی اور کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز کے بعد کمرے میں ایک گھمبیر خاموشی چھا گئی۔

کمرے میں ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دروازے کے پردے سست ہوا سے ہولے ہولے ہل رہے تھے۔ رئیسہ خاموشی سے بستر کے کنارے بیٹھی تھی نظریں فرش پر گڑی تھیں اور دل الجھا ہوا۔ رات کی ہولناکی اب بھی اُسکے چہرے پر لکھی جاسکتی تھی۔ سیام کے ساتھ اُس کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ رئیسہ کی آنکھوں کے گرد سوجن واضح تھی جیسے رات کے آنسو ابھی سوکھے نہ ہوں یکایک دروازہ ہلکے سے بجا اور پھر آہستگی سے کھلا۔ حفصہ بیگم اندر داخل ہونے کے لیے اجازت مانگی نرم مسکراہٹ اُن کے لبوں پر تھی مگر آنکھوں میں فکر صاف جھلک رہی تھی۔

"بیٹا کیا میں اندر آجاؤں"

اُن کے لہجے میں وہی ماں جیسا لحاظ تھا جیسے وہ رئیسہ کے دکھ کو لفظوں سے چھونے سے ڈر رہی ہوں۔

رئیسہ نے چونک کر سر اُٹھایا ہونٹ کانپے مگر پھر نظریں جھکا گئی۔

"جی آجایئے"

اس لمحے اُس کے لہجے میں وہ سب کچھ چھپا تھا جو رات کے صدمے سے وہ کہنا چاہتی تھی مگر الفاظ نہ ملے۔ اب وہ اس گھر میں مہمان نہیں پناہ گزین تھی۔

حفصہ بیگم اُس کے قریب بیٹھ گئیں۔ بیڈ کی چادر میں اُن کی موجودگی کی حدت اُتر آئی۔

"فردان بتا رہا تھا تم رات میں واپس آگئی تھی"

رئیسہ نے پلکیں جھپکیں، سانس کھینچی اور آہستگی سے بولی۔

"ڈیڈ نے گھر سے نکال دیا ہے یہی سننا چاہتی ہے نا تماشا دیکھنا چاہتی ہے آپ میرا"

کمرے میں خاموشی در آئی۔ صرف دیوار پر چلتی گھڑی کی ٹِک ٹِک سنائی دی۔

حفصہ بیگم نے رئیسہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"بیٹا اب یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ میں نہیں جانتی تمہارے ابو نے ایسا کیوں کیا اور نہ ہی یہ مان سکتی ہوں کہ تم نے جو الزام لگایا سیام پر وہ سچ تھا لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ میرا بیٹا غلط کام نہیں کر سکتا۔ جو کچھ ہوا اُس پر پانی ڈالو اور آگے دیکھو اپنے رشتے کو موقع دو"

رئیسہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ جیسے الفاظ اُس کے اندر کے سچ پر مرہم رکھ رہے ہوں۔ اُس نے تو اتنی بتمیزی کی تھی۔

"سیام مجھے پسند نہیں کرتا آپ کو معلوم ہے نا"

وہ ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی آواز میں شکستگی چھپی نہ سکی۔

حفصہ بیگم نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"شوہر ہے آج نہیں پسند کرتا کل کرلے گا وقت سب کچھ بدل دیتا ہے دل بھی"

"لیکن وہ فاطمہ کو پسند کرتا ہے اُس سے شادی کرنا چاہتا تھا"

یہ جملہ رئیسہ کے اندر کی سب سے تلخ حقیقت تھی جو آخر کار لبوں پر آگئی۔

حفصہ بیگم نے ایک گہری سانس لی جیسے وہ پہلے ہی اس سچ سے واقف تھیں۔

"ہاں وہ اب بھی فاطمہ کو پسند کرتا ہے۔ وہ اُس کی بچپن کی محبت ہے پہلی چاہت ہے لیکن تم اُس کے دل میں نئی جگہ بنا سکتی ہو۔ تم کرو گی کوشش"

رئیسہ کی آنکھوں سے ایک قطرہ آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر گال پر بہہ نکلا۔

"جی کوشش کروں گی"

یہ وہ لمحہ تھا جب رئیسہ کا غرور انا اور ضد کسی چھوٹی بچی کی طرح اس عورت کے سامنے پگھل گئی تھی جس نے اُسے ماں جیسا سہارا دیا۔

حفصہ بیگم کی نظریں رئیسہ کے لباس پر پڑیں جو دھول سے اٹے ٹراؤزر اور شرٹ پرانی اور بگڑی حالت میں تھے۔

"تمہارے کپڑے صاف نہیں ہیں ہمارے گھر کی لڑکیاں ایسے کپڑے نہیں پہنتیں سیام کی شادی پر کچھ جوڑے لیے تھے اُس کی دلہن کے لیے الماری میں رکھے ہیں ایک پہن لو تھوڑی دیر میں ہمیں سیام کے چاچو کے گھر جانا ہے"

رئیسہ نے نرمی سے سر ہلایا پھر دھیرے سے پوچھا،

"کب تک جانا ہے"

"بس... سیام کے ابو آجائیں پھر سیام اور فردان بھی وہیں پہنچیں گے۔ میں اب کچن میں جا رہی ہوں تم تیار ہو کر نیچے آجانا ناشتہ ساتھ کریں گے"

حفصہ بیگم نے جاتے وقت بھی کوئی طعنہ نہیں دیا۔ رئیسہ کو پہلی بار کسی نے اُس کی غلطی کا آئینہ نہیں دکھایا بلکہ اُسے موقع دیا سنورنے کا۔ وہ سمجھ گئی یہ عورت صرف سیام کی ماں نہیں اُس کی نئی زندگی کا پہلا سہارا ہے۔

"میں شاور لے کر آتی ہوں" رئیسہ دھیرے سے بولی اور بستر سے اُٹھ کر الماری کی طرف بڑھ گئی۔

الماری کھول کر اُس نے جوڑا نکالا ایک نفیس سا گاجری رنگ کا سوٹ جس پر ہلکی سی کٹ ورک کی خوبصورتی تھی۔

"یہ والا پہن لو" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

حفصہ بیگم قریب آکر مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔

"ہاں یہی پہن لو بہت پیارا لگے گا"

"یہ تھوڑا ہیوی نہیں ہے پہلی بار ایسا کچھ پہن رہی ہوں"

"نہیں بالکل نہیں تم پر بہت اچھا لگے گا۔ اب جلدی تیار ہو جاؤ، میں ناشتہ تیار کرتی ہوں"

حفصہ بیگم باہر نکل گئیں اور رئیسہ نے دروازے کو بند ہوتے دیکھا پھر اُس نے نرمی سے سوٹ کو اپنے سینے سے لگالیا جیسے وہ صرف کپڑا نہیں ایک نیا رشتہ ہو۔

کمرے میں ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے قریب رکھی آرام دہ کرسی پر ابراہیم صاحب پشت ٹکائے کسی سوچ میں گم بیٹھے تھے۔ دروازہ آہستگی سے کھلا اور فاطمہ اندر داخل ہوئی۔ اُس نے آہٹ سے اندازہ کر لیا تھا کہ بابا جاگ رہے ہیں۔

"بابا مجھے آپ سے بات کرنی ہے" اُس کی آواز میں ہلکی سی جھجک تھی۔

"مجھ سے نیوز لائن والوں نے معافی مانگی ہے اور میں نے بھی معاف کر دیا ہے اب میں واپس جاب پر جانا چاہتی ہوں کیا میں چلی جاؤ"

ابراہیم صاحب نے آہستہ سے ٹیک سیدھی کی اور فاطمہ کو محبت سے دیکھتے ہوئے مسکرا دیے۔

"بیٹا میں نے تمہیں کبھی تمہاری مرضی سے روکا نہیں بس اب تھوڑی احتیاط برتنا خاندان والے باتیں بنا رہے ہیں"

وہ اپنے لہجے میں نرمی اور فکر سمیٹ کر فاطمہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

فاطمہ کی آنکھیں لمحہ بھر کو بھیگ سی گئیں، لیکن وہ مسکرا کر پیچھے ہٹی۔

"جی بابا اب مجھے چینل پر پہنچنا ہے میٹنگ ہے دیر ہو رہی ہے میں چلتی ہوں"

ابراہیم صاحب نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا خیال سے جانا اور شام کو جلدی آجانا، تمہارے تایا ابو آرہے ہیں"

تایا ابو کا نام سنتے ہی فاطمہ کے دل میں ایک ہلچل سی ہوئی سیام کی یاد بجلی کی طرح ذہن میں کوندا۔ وہ لوٹ آئی تھی مگر اُس نے ایک بار بھی آکر حال نہیں پوچھا۔

"جی بابا آجاؤں گی ان شاءاللہ۔ اب میں چلتی ہوں اللہ حافظ "

"اللہ حافظ بیٹا" ابراہیم صاحب نے اُسے رخصت کیا۔

فاطمہ نے ایک آخری نظر کمرے پر ڈالی اور پھر تیزی سے باہر کی جانب بڑھ گئی۔ اس کے قدموں میں اعتماد تھا مگر دل میں کہیں ایک خالی پن اب بھی باقی تھا۔

دفتر میں ہلکی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی کھڑکی کے پار دھوپ آہستہ آہستہ مٹیالی ہوتی جا رہی تھی۔ فردان اپنی فائلز میں گم تھا جب اچانک دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"سر کیا میں اندر آجاؤں "

ایک نرم سی آواز پر فردان چونک کر سیدھا ہوا۔ سر اٹھا کر دیکھا تو دروازے پر روما کھڑی تھی ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھی ہوئی تھیں، م آنکھوں میں ہلکی سی جھجک۔

"جی آجاؤ" فردان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اجازت دی۔

روما آہستہ قدموں سے اندر آئی اور سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"سر مجھے آپ سے بات کرنی تھی"

فردان نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا

"جی جیبتائیں کیا بات ہے"

"سر نیکسٹ منتھ اگزامز ہیں اور مجھے میتھس بالکل نہیں آتی میری تیاری بالکل اچھی نہیں ہے کیا آپ مجھے وہ امپورٹنٹ سوالات سمجھا سکتے ہیں جن کے پیپر میں آنے کے چانسز زیادہ ہوں" روما نے دبی دبی آواز میں کہا۔

روما کی سنجیدہ اور نروس شکل دیکھ کر فردان کا چہرہ کھل اٹھا پھر اچانک اُس کے ہونٹوں سے ایک زوردار قہقہہ نکل گیا۔ روما گھبرا کر فوراً کھڑی ہو گئی۔

"سر میں چلتی ہوں سوری" اُس کی آواز میں شرمندگی تھی۔

"بیٹھیں روما بیٹھیں"

فردان نے مسکراہٹ دباتے ہوئے ہاتھ سے اُسے روکا۔

"بس آپ کی بات اتنی معصوم تھی کہ ہنسی آگئی"

روما نظریں چرا کر واپس بیٹھ گئی اب وہ کچھ اور نروس لگ رہی تھی۔ فردان نے تھوڑا جھک کر اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا،

"مس روما اگر میں آپ کو امپورٹنٹ سوالات سمجھا دوں تو بدلے میں مجھے کیا ملے گا"

روما کی پلکیں جھپکیں، اُس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"کیا کیا مطلب آپ کو کیا چاہیے آپ کے پاس تو سب کچھ ہے "

فردان کی نظریں اُس کے چہرے پر ٹک گئیں۔ بڑی بڑی آنکھیں لمبی پلکیں جیسے خاموشی میں بھی باتیں کرتی ہوں۔

"سب ہی تو نہیں ہے میرے پاس مس روما" اُس کا لہجہ دھیمے سے گمبھیر ہو گیا۔

روما کچھ نہ سمجھی۔

"میں سمجھی نہیں"

فردان نے بات کا رخ بدل دیا جیسے کچھ کہنا چاہ کر رک گیا ہو۔

"کچھ نہیں میں آپ کو وہ سوالات سمجھا دوں گا جن کے آنے کے چانسز زیادہ ہیں"

"سچ میں تھینک یو سر" روما کی آنکھوں میں ایک دم چمک آگئی جیسے اسے کوئی خزانہ مل گیا ہو۔

کمرے میں گہرے رنگوں کے پردے نیم وا تھے۔ روشنی اتنی ہی تھی کہ سائے دیواروں پر اُلجھے اُلجھے سے دکھائی دیتے۔ یحیٰ صاحب کمرے کے فرش پر نرم قالین پر ننگے پاؤں چکر لگا رہے تھے ہاتھ میں موبائل چہرے پر سنجیدگی اور آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک۔

"بس انچیف صاحب میں نے جو کہہ دیا ہے وہی ہوگا" وہ رُک کر تیز لہجے میں بولے۔ اُن کی آواز میں حکم کا سا جبر تھا۔

"شہسوار کا انٹرویو فاطمہ ہی لے گی یہ میرا فیصلہ ہے"

موبائل کے دوسرے جانب سے کسی نے جواب دیا تو یحیٰ صاحب کے چہرے پر ایک زرا سی جھلک مسکراہٹ کی اُبھر آئی۔

"اچھا ہے اگر مان گئی ہے تو ٹھیک ہے"

وہ کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھ کر جھک گئے۔

"مگر ایک بات سن لو جتنے پیسے تم نے مانگے تھے اُتنے دے دیے گئے ہیں اب بدلہ پورا ہونا چاہیے۔ موسیٰ جتنا نیچے گرا تو شہسوار کو بھی وہیں ہونا چاہیے میں چاہتا ہوں اُس کی ساکھ اُس کی عزت سب کچھ خاک ہو"

انچیف کی آواز سن کر یحیٰ صاحب کے چہرے پر لمحہ بھر کو ناگواری چھا گئی۔

"شہسوار صاحب اس شرط پر مانے ہے کہ کوئی اسکینڈل نہ بنے" انچیف کے الفاظ یحیٰ کے دل میں چبھے جیسے کسی نے سازش کے گڑھے میں پھول ڈالنے کی بات کی ہو۔

یحیٰ صاحب نے تیز قدموں سے دوبارہ ٹہلنا شروع کیا۔ پھر یکدم رُک گئے

"جو میں نے کہا ہے وہی ہونا چاہیے انچیف صاحب یہ بات آپ ذہن نشین کر لیں اللہ حافظ"

اور بغیر کسی مزید بات کے فون بند کر دیا۔

وہ لمحہ بھر کے لیے ساکت کھڑے رہے جیسے کسی شطرنج کے مہلک چال کا مزہ لے رہے ہوں۔ پھر اُن کی آنکھوں میں ایک مکروہ اطمینان اُبھر آیا جو صرف وہی جانتا ہے جسے بدلہ لینا ہوتا ہے۔

نیچے لاونج میں صبح کی دھیمی روشنی کھڑکیوں سے چھن چھن کر آرہی تھی ہر چیز ہلکی سی سنہری روشنی میں نہائی ہوئی تھی دیوار کے ساتھ رکھی میز پر امروز صاحب چشمہ لگائے اخبار کے صفحات پلٹ رہے تھے جبکہ ساتھ ہی کچن سے برتنوں کی کھنک سنائی دے رہی تھی۔

رئیسہ سیڑھیاں اُترتے ہوئے تھوڑا جھجکی۔ وہ نئے ماحول میں ابھی پوری طرح گھل نہیں پائی تھی۔ جیسے ہی اُس کی نظر امروز صاحب پر پڑی وہ رُک گئی۔

"ہیلو انکل"

الفاظ منہ سے نکلتے ہی اُسے خود حیرت ہوئی کہ کیا کہنا چاہیے تھا۔ ادھر حفصہ بیگم جو ناشتہ کی ٹرے ہاتھ میں لیے لاونج میں آرہی تھیں، رئیسہ کی معصوم غلطی پر ہنس پڑیں۔

"بیٹا بڑوں کو ہیلو نہیں کہتے سلام کیا جاتا ہے" اُن کے لہجے میں شفقت اور نرمی تھی۔

رئیسہ فوراً سنبھلی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ دوبارہ بولی۔

"سوری السلام علیکم انکل"

"وعلیکم السلام بیٹا آؤ ناشتہ کرو"

امروز صاحب نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور رئیسہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔ ان کا انداز بالکل ایک محبت کرنے والے بزرگ جیسا تھا۔

رئیسہ اُن کے ساتھ آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ میز پر ناشتہ سجا ہوا تھا انڈے پراٹھے چائے۔ رئیسہ کے پیچھے اب کوئی نہیں تھا جس بنا پر وہ لوگوں سے ضد کرتی بحث کرتی۔

"بیٹا تم پراٹھا نہیں کھاتی جو کھانا ہے بتا دو ابھی بنا دیتی ہوں" حفصہ بیگم نے نرمی سے پوچھا جیسے رئیسہ کو اپنا سمجھ چکی ہوں۔

"نہیں آنٹی میں یہ ہی کھالوں گی۔ آپ بیٹھیں میں خود لے لوں گی" رئیسہ نے سر ہلایا اور نرمی سے بولی۔

"چلو جیسے تمہاری مرضی" حفصہ بیگم مسکراتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔

ناشتہ کرتے ہوئے کمرے میں خاموشی نہیں تھی بلکہ ایک گھریلو سکون تھا، جیسے برسوں سے رئیسہ اس گھر کا حصہ ہو۔

موسیٰ جیسے ہی میٹنگ سے نکلا اُس کا مزاج سخت تھا۔ ابھی وہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ سیکریٹری کی اطلاع نے اُسے ٹھٹکا دیا۔

"سر آپ سے ملنے شہسوار ملک آئے ہیں"

ایک لمحے کو موسیٰ کی انگلیاں فائلوں پر رک گئیں آنکھوں کی پتلیوں میں ایک سرد شعلہ لہرایا۔

"اندر بھیجیں" اُس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور ٹیبل پر نظریں جمائے بیٹھا رہا جیسے ماضی کی کسی دیوار سے نظریں نہ ملانا چاہتا ہو۔

دروازہ کھلا اور شہسوار ملک کسی فاتح کے انداز میں اندر داخل ہوا۔ اُس کا لباس قیمتی قدم نپے تُلے اور لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ جیسے وہ میدان مارنے آیا ہو۔

"میرے احترام میں کھڑے نہیں ہو گے" اُس کی آواز میں چبھتا ہوا طنز تھا۔

موسیٰ نے نظریں نہیں اٹھائیں لیکن لہجہ ٹھنڈا تھا۔

"موسیٰ نے لوگوں کے احترام میں کھڑا ہونا بہت پہلے چھوڑ دیا ہے"

شہسوار کرسی کھینچ کر اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"سیاست سکھانے والوں کے ساتھ سیاست نہیں کرنی چاہیے"

موسیٰ اب نظریں اُٹھا چکا تھا مگر لہجہ وہی زہر آلود۔

"کیوں اب ڈر لگتا ہے میری سیاست سے"

شہسوار نے قہقہہ مارا مگر آنکھوں میں نمی تھی جسے وہ چھپا گیا۔

"ڈرنا چھوڑ دیا ہے موسیٰ۔ بس دوست چھوڑنے سے ڈرتا تھا لیکن جس دن تم نے ہماری دوستی توڑی سارے ڈر مر گئے اُس دن"

موسیٰ کی انگلیاں کرسی کے ہینڈل پر سختی سے چپک گئی تھیں۔

"توڑنے والے تم تھے" موسیٰ چیخا تھا۔

دھوکہ دینے والے تم" شہسوار گرجا تھا۔

کمرے کی فضا میں ماضی کی تلخیاں جیسے تیر بن کر اُڑ رہی تھیں۔

"یہاں آنے کا مقصد بتاؤ میں مصروف ہوں" موسیٰ نے رخ موڑ لیا۔

"الیکشن میں تم میرے برابر آ رہے ہوں سوچا کبھی دوست تھے مبارکباد دے دوں" شہسوار نے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور دھیرے سے بولا۔

موسیٰ نے طنزیہ ہنکارا ابھرا۔

"دوست تھے اب نہیں ہیں جا سکتے ہو"

چند لمحے خاموشی چھائی "لنڈن میں گزارے دن یاد نہیں آتے" شہسوار نے نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں آتے ہیں" موسیٰ نے پلٹ کر سوال داغا۔

"بالکل نہیں" شہسوار کی انا نے سچ کو پھر دبا دیا۔

"مجھے بھی نہیں آتے" موسیٰ کی آواز میں غرور کی جھلک تھی۔

شہسوار ہنسا زہر خند سے۔

"ویسے تمہارا انٹرویو شاندار تھا پورا مہینہ ٹرینڈنگ پر رہا"

موسیٰ نے نظریں تیکھی کر لیں۔

"میرا تو ایک مہینہ رہا تمہارا شاید سال بھر چلے آخر کرتوت کالے ہیں"

"میرا وہ فاطمہ کچھ نہیں بگاڑ سکتی" شہسوار ناک چڑھا کر بولا۔

موسیٰ کی تیوری چڑھ گئی۔ آنکھوں میں چنگاریاں تھیں۔

"یہ وقت بتائے گا وہ کیا کر سکتی ہے یا نہیں جسٹ ویٹ اینڈ واچ"

شہسوار اٹھا "میں تو چاہتا ہوں وہ کچھ کرے تا کہ میں بھی اُسکو کچھ دکھا سکوں اُسکے پاس زبان ہے تو ہمارے پاس ہاتھ ہے" مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا بولا۔

موسیٰ پوری طرح تن کر کھڑا ہوا۔

"تم اُس کو ہاتھ لگا کر دیکھو اگر تمہارا ہاتھ سلامت بچ گیا تو آ کر مجھ سے سلام ضرور لینا"

شہسوار دروازے کی جانب بڑھا لیکن موسیٰ کے آخری جملے نے اُس کے قدم روک دیے۔

"چلو چلتا ہوں کل شام میں انٹرویو ہے میرا پھر آؤ گا سلام لینے"

دروازہ بند ہوا تو کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ماضی کی پرچھائیاں غرور دھو کہ سب کچھ ہوا میں تیرتے دکھائی دے رہے تھے۔

تیسرا باب: کوونٹ گارڈن لندن

~بس ایک تو ہے جسے دوست بولتا ہوں

بس ایک تو ہے جسے دوست بولتا ہوں

وگرنہ ساتھ میں ایسے پچاس بیٹھتے ہے۔

۔۔۔۔

موسیٰ کی نظریں ابھی بھی ٹیبل پر جمی تھیں مگر دماغ کہیں اور بھٹک رہا تھا شہسوار کے قدموں کی چاپ جیسے اُس کے اندر ایک دروازہ کھول چکی تھی ایک پرانا زنگ آلود دروازہ جس کے پیچھے ہنسی قہقہے اور دوستی کی خوشبو قید تھی۔

—"دوستی کا پہلا دن کوونٹ گارڈن لندن"

۔۔۔ فلیش بیک۔۔۔

Covent Garden, London—سردی میں لپٹا شام کا منظر

ہر طرف ہلکی روشنیوں میں نہایا ہوا بازار جگمگا رہا تھا۔ سڑک کنارے گٹار بجاتے فنکار جگلنگ کرتا ایک جوکر اور قہقہے بکھیرتی دنیا۔ لوگوں کے ہاتھوں میں کافی کے کپ سانسوں میں بھاپ اور آنکھوں میں زندگی تھی۔

"او بھائی تمہیں پتہ بھی ہے تم نے کیا آرڈر کیا ہے" شہسوار اپنی مخصوص بے فکر ہنسی کے ساتھ موسیٰ کی طرف کافی کا کپ بڑھاتے ہوئے انگریزی میں بولا۔ وہ پہچان گیا تھا یہ پاکستانی ہے۔

"مجھے لگا Flat White کوئی خاص چیز ہو گی یہ تو دودھ میں پانی گھولا ہوا ہے" موسیٰ ناک چڑھاتا ہوا بولا۔

شہسوار ہنستے ہنستے بینچ پر بیٹھ گیا۔

"تو پھر پاکستانی انداز میں چائے ڈھونڈو یہاں کسی دیگچی والے چاچا کو لاؤ جو پتی تین گنا ڈالے"

موسیٰ بھی ہنس دیا اُس کے چہرے پر پہلی بار اجنبیت کی جگہ اپنائیت نے لی۔

"بس تمہارے جیسے دیوانوں کے ساتھ دوستی ہو سکتی ہے" شہسوار کافی کا سپ لیتے ہوئے بولا۔

"دوستی ابھی اتنی جلدی مجھے لگا تم سڑیل ہو"

"ہوں بھی لیکن تم جیسے لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا بغیر ہنسے اور تم نے سُنا نہیں لڑکے دوست جلدی بناتے ہے"

ایک دم سے گٹار بجانے والا فنکار ان کی طرف آیا اور گنگنانے لگا۔

"You’ve got a friend in me..."

شہسوار نے اُسے دو پاؤنڈ پکڑائے پھر موسیٰ کی طرف دیکھا۔

"دیکھا لندن بھی مان گیا ہم دوست ہیں"

شام کی دھند میں دونوں کا قہقہہ کوونٹ گارڈن کی فضا میں گونج رہا تھا۔

بے فکری دوستی اور جوانی سب کچھ اس لمحے میں قید تھا۔

موجودہ وقت:

ٹیبل پر پڑی انگلی موسیٰ نے مٹھی میں بند کرلی۔ آنکھوں میں وہ دھند واپس آگئی تھی مگر اس بار کوونٹ گارڈن کی نہیں سیاست کے گرد اٹھتے طوفان کی۔

"دوستی تم نے توڑی تھی" موسیٰ نے آہستہ سے زیر لب کہا جیسے ماضی میں کسی کو سنانے کی ناکام کوشش ہو۔

دوپہر کی دھوپ کمرے کی کھڑکی سے چھن چھن کر اندر آرہی تھی۔ دیوار پر لگی گھڑی دو کا وقت دکھا رہی تھی جب امروز صاحب اور اُن کی فیملی ابراہیم صاحب کے کشادہ، مگر سلیقے سے سجے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

"اسلام وعلیکم بھابھی"

علشبہ بیگم جو گلابی رنگ کے نفیس سوٹ میں ملبوس صوفے پر بیٹھی تھیں، جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"وعلیکم اسلام کیسی ہو علشبہ "حفصہ بیگم گرمجوشی سے گلے ملتے ہوئے بولیں اُن کی آواز میں برسوں پرانی اپنائیت تھی۔

رئیسہ پیچھے کھڑی تھی شرمندہ سی ہاتھوں سے اپنا بار بار سلکتا دوپٹہ سنبھالتی۔ پہلی بار سر ڈھانپا تھا اور وہ بوجھ سا لگ رہا تھا۔ نظریں نیچی سانسیں ہلکی ہلکی۔

"بیٹا یہ تمہاری چچی ساس ہیں ملو ان سے "حفصہ بیگم نے رئیسہ کو ہلکے سے آگے بڑھاتے ہوئے تعارف کروایا۔

"اسلام وعلیکم آنٹی "رئیسہ دھیرے سے بولی اُسکی آواز میں جھجک صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"وعلیکم اسلام بیٹا آؤ بیٹھو، میں اماں بی اور ابراہیم کو بُلا لاتی ہوں "

علشبہ بیگم نے اُس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے جواب دیا اور اندر کی طرف چل دیں۔ لیکن دل میں ایک ٹیس اُٹھی تھی رئیسہ کو سیام کی بیوی کی حیثیت سے دیکھ کر۔

"علشبہ فاطمہ کہاں ہے" حفصہ بیگم نے اُس کے جاتے جاتے پوچھا۔

"بس آتی ہی ہو گی آفس گئی ہے"

حفصہ بیگم رئیسہ کے پاس بیٹھ گئیں۔ رئیسہ کی انگلیاں آپس میں گتھم گتھا تھیں۔

"امروز سیام اور فردان کو کال کرے ابھی تک پہنچے نہیں"

"کی تھی بس پہنچ رہے ہیں" امروز صاحب نے جیسے ہی کہنا شروع کیا دروازے کے پار سے اماں بی کی بلند مانوس آواز گونجی۔

"آگئی تمہیں یاد ہماری"

اماں بی نے امروز صاحب کو دیکھتے ہی اپنے بازو پھیلائے اور اُن کے گلے لگ گئیں۔

"نہیں اماں ایسی کوئی بات نہیں" امروز صاحب کی آواز تھمی سی تھی۔

پاس کھڑی رئیسہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

"اسلام و علیکم" اُس نے ادب سے سلام کیا۔

"و علیکم اسلام ویسے بڑی ہی ڈھیٹ ہو تم فاطمہ کی طرح" اماں بی نے تنک کر اُس کی طرف دیکھا "پہلے پولیس والے لے گئے اُس کو پھر بھی سیدھی دفتر پہنچ گئی اور تم تو چلی ہی گئی تھی اب واپس منہ اٹھا کر آ گئی"

رئیسہ کی آنکھیں پانی سے بھر گئی پلکیں بھیگنے لگی۔

"اماں وہ ہمارے گھر کی مہمان ہے آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں"

ابراہیم صاحب کی آواز میں سختی تھی ماں کی تلخی پر بیٹے کا ضبط جواب دینے لگا۔

"ایسی لڑکیاں مہمان ہی ہوتی ہیں چند دن کی جو گھر والوں کے بغیر نکاح کرتی ہیں نہ ذات کا پتہ نہ ماں کا۔ بس باپ آیا بیاہ کر چلا گیا وہ بھی زبردستی" اماں بی کی زبان کا زہر چھپ نہ سکا۔

دروازے پر کسی کی آہٹ ہوئی۔

"اسلام و علیکم"

سیام اندر داخل ہوا اُسکی نظریں اماں بی پر اور پھر فوراً رئیسہ پر جا ٹکیں جو بے بسی سے اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔

"و علیکم اسلام آ جاؤ۔ تمہاری بیوی سے ہی بات ہو رہی تھی" اماں بی نے طنز سے کہا اور صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"چاچو کیسے ہیں آپ"

سیام نے رئیسہ کی طرف دیکھتے ہوئے خود کو سنبھالا اور ابراہیم صاحب کی طرف بڑھا۔ اُنہوں نے شفقت سے اُسکے سر پر ہاتھ رکھا،

"میں ٹھیک ہوں بیٹا"

کمرے میں ایک خاموش تناؤ بھر گیا تھا جیسے سب اپنی سانسیں روکے بیٹھے ہوں۔

تب امروز صاحب کی آواز گونجی سنجیدہ، گمبھیر۔

"یہاں آنے کا میرا مقصد بہت اہم ہے ابراہیم"

"اوئے تم کہاں گئی تھی چپکلی"

فردان نے شوخی سے کہا جیسے برسوں کی شرارت ایک جملے میں اُتار دی ہو۔

بائیک کی چابی جیب میں ڈالتے ہوئے وہ اُس کے برابر آکر کھڑا ہو گیا۔

"آفس گئی تھی آج میٹنگ تھی کل انٹرویو ہے نا اس لیے" فاطمہ نے گیٹ بند کرتے ہوئے جواب دیا لیکن اُس کی آواز میں دن بھر کی تھکن صاف جھلک رہی تھی۔ پھر چونک کر پلٹی "لیکن تم آج یہاں کیسے"

"میں نہیں سب آئے ہیں بس میں ذرا لیٹ ہو گیا"

فردان نے مسکرا کر جواب دیا اور دونوں ساتھ اندر کی طرف بڑھے۔

فاطمہ نے دہلیز پار کی تو کمرے کی خاموشی میں اُس کی آواز گونجی۔

"السلام علیکم"

"آگئی ہے یہ بھی"

اماں بی کا جملہ تیر کی طرح نشانہ باندھ کر آیا۔ فاطمہ نے پلکیں جھپکیں لیکن لبوں پر مسکراہٹ سجائے رکھی۔

"وعلیکم السلام بیٹا آؤ بیٹھو"

امروز صاحب نے شفقت سے اُسے اپنے قریب بلایا اور فاطمہ اُن کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ اُنھوں نے نرمی سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا، جیسے کوئی دل کا بوجھ ہلکا کر رہا ہو۔

تبھی فاطمہ کی نظریں کمرے میں بیٹھے سیام سے ٹکرا گئیں وہ اُسی کو دیکھ رہا تھا جیسے آنکھوں سے کچھ کہنا چاہتا ہو اور رئیسہ ... جو کچھ قدم کے فاصلے پر، خاموشی سے اُن دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

فاطمہ کا ماتھا سکڑ گیا۔ وہ چونکی اور دھیرے سے فردان کے قریب ہو گئی۔

"یہ یہ کون ہے" اُسے تجسس ہوا۔

"فاطمہ یہ ہماری پیاری بھابھی رئیسہ ہے"

فردان نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ رئیسہ کی طرف اشارہ کیا اور اُس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

"بھابھی مطلب"

فاطمہ کی آواز مدھم ہو گئی۔ پلکوں میں الجھن آواز میں بے یقینی۔

"سیام بھائی کی بیوی"

یہ جملہ تھا یا کوئی دھماکہ جیسے لمحے بھر میں دنیا کی دیوار اُس پر گرا دی گئی ہو۔

فاطمہ کی آنکھیں حیرت سے سیام کی طرف اُٹھیں وہ تو اُس سے محبت کرتا تھا تو پھر رئیسہ؟

کب کیوں کیسے یہ سوال اُس کے دل میں جنم لینے لگے۔

"بیٹا میرے پاس آؤ"

امروز صاحب نے اُسے پاس بلایا لہجے میں نرمی بھی تھی اور پشیمانی بھی۔

"سیام اور رئیسہ سے غلطی ہوئی چھپ کر نکاح کر لیا۔ ہم سب شرمندہ ہیں بیٹا تم ہمیں معاف کر دو"

انہوں نے اُسے اپنی طرف کھینچ کر سر پر ہاتھ رکھا جیسے ہر درد کی تلافی اُس چھوٹی سی دعا میں چھپی ہو۔

فاطمہ کی آنکھیں نم ہوئیں لیکن آواز میں ضبط تھا۔

"تایا ابو آپ کیوں معافی مانگ رہے مجھے بُرا نہیں لگا۔ اللہ ان دونوں کو خوش رکھے"

یہ کہتے ہوئے اُس کی نظریں ایک لمحے کو سیام پر ٹھہریں جو رئیسہ کو ایسا گھور رہا تھا جیسے وہ اُسے وہاں سے ہٹا دینا چاہتا ہو۔

"آمین بیٹا" امروز صاحب نے سُکھ کا سانس لیا۔

"تم تھکی ہو جاؤ فریش ہو جاؤ پھر تم سے اور فردان سے ایک ضروری بات کرنی ہے"

"جی تایا جان"

فاطمہ نے دھیرے سے کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

سیام نے نظریں اُس کے قدموں کے ساتھ حرکت دیتی دیکھیں جیسے ہر قدم اُس کے دل پر نقش چھوڑتا جا رہا ہو۔

وہ جانتا تھا وہ کمرے میں نہیں چھت پر جائے گی۔ ہمیشہ کی طرح خاموشی میں اپنے سوالوں کے جواب ڈھونڈنے۔

فاطمہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ ہر قدم بھاری تھا۔ دل میں ایک خالی پن سا اُتر چکا تھا۔

چھت پر پہنچ کر وہ ریلنگ کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ نیچے پورے شہر کی روشنیاں تھیں لیکن اُس کی آنکھوں میں ایک سیاہی سی پھیل چکی تھی۔

ہوا بالوں کو بکھیر رہی تھی۔ وہ چپ چاپ کھڑی آسمان کو تکتی رہی، جیسے کوئی سوال کرنا چاہتی ہو۔

اچانک پیچھے سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا سیام۔

وہ دھیرے دھیرے اُس کی طرف آیا آنکھوں میں الجھن چہرے پر شرمندگی اور آواز میں ایک چھپا ہوا اضطراب۔

"فاطمہ"

وہ خاموش رہی، بس نظریں نیچے کر لیں۔

"رئیسہ نے رئیسہ نے سازش کی بس مجھے تم سے دور کرنے کے لیے نیچا دکھانے کے لیے اُس نے میری کمزوری کو جانا اور اس نکاح کا ڈرامہ رچایا"

سیام کی آواز ٹوٹنے لگی، جیسے ہر لفظ کے ساتھ اُس کا بوجھ بڑھ رہا ہو۔

"میں میں تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتا تھا فاطمہ لیکن رئیسہ نے زبردستی. کی

اور میں"

"بس"

فاطمہ نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روک دیا پھر آہستہ سے بولی۔

"آپ کی شادی ہو چکی ہے سیام۔ اب یہ سب کہنے کا فائدہ"

سیام کے لب ہلے لیکن آواز نہ نکلی۔

"آپ خوش رہیے یہی بہتر ہے۔ میں اسے اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کر لوں گی"

فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو تھے لیکن وہ گرنے نہیں دے رہی تھی وہ مضبوط بننے کی کوشش کر رہی تھی پہلی بار اپنے دل کے خلاف جا کر۔

"میں میں بھول جاؤں گی کہ کبھی ہمارا ساتھ ممکن تھا یہ سوچ کر کہ کچھ رشتے صرف آزمائش ہوتے ہیں ہمیشہ کے لیے نصیب نہیں"

سیام نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"فاطمہ پلیز میں تمہیں نہیں کھونا چاہتا تھا"

"لیکن آپ کھو چکے ہیں مسٹر سیام"

یہ جملہ فاطمہ نے ٹوٹتی آواز میں کہا جیسے کوئی آخری دروازہ بند کر رہا ہو۔

"آپ اُس کے ہو چکے ہیں اور میں میں آپ کی زندگی کی وہ دعا تھی جو قبول نہیں ہوئی اب آپ جا سکتے ہے"

ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔ صرف ہوا کی سسکیاں تھیں۔

سیام کچھ کہے بغیر مڑ گیا اور فاطمہ

وہ آسمان کی طرف دیکھ کر ایک بے آواز آنسو بہا گئی۔

دوپہر کی دھیمی روشنی ڈرائنگ روم کے پردوں سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ فضا میں ایک عجیب سی خاموشی تھی جیسے کوئی طوفان آنے کو ہو۔ ابراہیم صاحب صوفے پر بیٹھے اخبار پلٹ رہے تھے کہ امروز صاحب نے حلق صاف کرتے ہوئے بات چھیڑ دی۔

"میں تم سے فاطمہ کے متعلق بات کرنے آیا ہوں" امروز صاحب کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

ابراہیم صاحب کے ہاتھ رُک گئے پیشانی پر شکنیں ابھریں۔

"کیا بات کرنا چاہتے ہیں آپ اُس کے متعلق"

امروز صاحب نے پلکیں جھپکائیں جیسے الفاظ چب رہے ہوں۔

"میں چاہتا ہوں ابراہیم کہ تم فردان کے لیے فاطمہ کا رشتہ دے دو"

یہ کہتے ہی کمرے میں ایک دم گہری خاموشی چھا گئی۔ لمحہ بھر کو وقت جیسے تھم گیا ہو۔ صوفے کے کنارے بیٹھا فردان سکتے میں آ گیا نظریں نیچی اور سانس اٹکی ہوئی۔ اُسی لمحے دروازے کے قریب کھڑی فاطمہ جو ابھی اندر آنے کو تھی یہ الفاظ سُن کر پتھر کی طرح جم گئی۔ اُس کی آنکھوں میں حیرانی اور دل میں اضطراب کا طوفان تھا۔

ابراہیم صاحب نے گہری سانس لی اور نہایت ضبط سے بولے۔

"دیکھیں امروز بھائی میں مزید اپنی بیٹی کا تماشا نہیں بنا سکتا جو کچھ سیام نے کیا اُسے بھلا کر میں آپ سے عزت سے مل رہا ہوں کیونکہ میں رشتے نبھانا جانتا ہوں۔ لیکن معذرت کے ساتھ، جو جیسا چل رہا ہے ویسا چلنے دیں"

فردان نے اندر ہی اندر شکر ادا کیا —— اُس کے لب ہلے بغیر دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

اسی لمحے فاطمہ نے ماحول کا تناؤ محسوس کرتے ہوئے جلدی سے مداخلت کی۔

"ارے یہ کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہیں آپ لوگ ماما نے کھانا لگالیا ہے سب کو ڈائنگ پر بلا رہی ہیں"

امروز صاحب نے خفگی کو دبا کر مسکراہٹ سجائی۔

"چلو بیٹا، ویسے بھی بہت بھوک لگی ہے" کہتے ہوئے وہ ڈائنگ ایریا کی طرف بڑھ گئے۔

رئیسہ صوفے پر خاموش بیٹھی تھی جب فردان نے اُس کی طرف رخ کیا۔

"رئیسہ بھابھی سیام بھائی باہر صحن میں ہیں اُنہیں بلالیں"

رئیسہ ہچکچا گئی اُس کی بات سُن کر۔

"میں جاؤں"

فاطمہ نے فوراً جواب دیا لہجے میں چٹکی کا سا رنگ تھا۔

"اف کورس تمہارا شوہر ہے تم ہی جاؤ گی"

رئیسہ نے بے چینی سے سر ہلایا۔

"اچھا تم لوگ چلو میں بلا کر لاتی ہوں" کہتے ہوئے وہ باہر کی طرف بڑھ گئی۔

"فاطمہ سوری قسم لے لو مجھے نہیں پتا تھا ابو رشتے کی بات کریں گے ورنہ میں خود ہی انکار کر دیتا" فردان فاطمہ کے پاس آ کر دھیرے سے بولا۔

"اگر تم نہ بھی کرتے انکار، تو میں کر دیتی مجھے کسی لنگور سے شادی نہیں کرنی

"فاطمہ نے اُس کی طرف دیکھا پھر ہنستی ہوئی کہنی مار کے بولی۔

"بیٹا میں نے تو یہ نوبت ہی نہیں آنے دینی ویسے بھی تمہاری بھابھی میں ڈھونڈ چکا ہوں۔ اب تو سب سیٹ ہے" فردان نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے فخر سے سینہ پھُلایا۔

"ڈونٹ ٹیل می کہ وہ تمہاری کوئی سٹوڈنٹ ہے" فاطمہ نے مشکوک نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

فردان نے بالوں میں ہاتھ پھیر کر شوخی سے جواب دیا۔

"پہلے محبت بنی بعد میں سٹوڈنٹ"

فاطمہ نے حیرانی سے آنکھیں پھیلائیں۔

"اوہ مائی گاڈ مجھے پوری کہانی سناؤ کون ہے کیسی ہے کب ملی"

فردان نے ہنستے ہوئے ہاتھ اٹھایا۔

"پہلے پیٹ پوجا پھر کام دوجا بعد میں سب بتاؤں گا، ابھی چلیں کھانے پر" فردان کہہ کر ڈائنگ کی طرف بڑھ گیا۔

شام کے سائے دھیرے دھیرے لان پر اُتر رہے تھے۔ ہلکی ہَوا پودوں کی پتیاں ہلکا سا ہلا رہی تھی مگر فضا میں جیسے خاموشی جم گئی ہو ایک کونے میں سیام خاموش

کھڑا تھا سگریٹ کے لمبے کش لیتا ہوا۔ دھواں اُس کے چہرے کے گرد لپٹ کر جیسے اُس کے اندر کے طوفان کا عکس دے رہا تھا۔

پھر ایک مدھم سی آواز نے سکوت توڑا۔

"سیام" رئیسہ نے ہچکچاتے ہوئے پکارا۔

سیام کے کانوں نے آواز سنی مگر اُس نے خود کو بے پرواظاہر کیا۔

"سیام" اس بار رئیسہ کی آواز میں التجا تھی۔

وہ جھنجھلا گیا آنکھوں میں انگارے لیے پلٹا۔ "کیا ہے بہرا نہیں ہوں آواز کانوں سے سنتا ہوں، منہ سے نہیں"

رئیسہ کچھ لمحے ٹھٹکی "سیام تم مجھ سے ایسے بات نہیں کر سکتے"

سیام کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی جو کسی زخم کی مانند چبھتی تھی۔

"اور ریئلی مس رئیسہ بدر تمہیں ابھی تک اندازہ نہیں ہوا کہ میں تم سے کتنا بدتر ہو سکتا ہوں اور خبردار جو دوبارہ مجھے 'تم' کہا اُس دن چار تھپڑ مارے تھے اگلی بار بارش کر دوں گا تھپڑوں کی"

یہ کہتے ہی اُس نے رئیسہ کا بازو جھٹک کر پکڑ لیا۔

"سیام چھوڑو مجھے درد ہو رہا ہے" رئیسہ نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا مگر اُس کی آواز میں اب بھی خودداری تھی۔

سیام نے اُس کا چہرہ اپنے قریب کر لیا، نظریں جمی ہوئی تھیں جیسے دھمکی نگاہوں سے ٹپک رہی ہو۔

"ابھی صرف بات کی ہے اگلی بار اگر تم نے تم کہا تو یاد رکھنا چھوڑو گا نہیں اور ہاں یہ دوپٹہ جو تم نے گلے میں لٹکایا ہے اسکی جگہ سر پر ہے آئندہ اگر تمہارے گلے میں لٹکتا دکھا تو گردن اُڑا دوں گا تمہاری"

رئیسہ کانپ اٹھی۔ آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے مگر وہ بس سسک کر رہ گئی اب تو اُس جواب بھی نہیں دے سکتی تھی۔

"سوری اندر بلا رہے ہیں"

سیام نے طنز بھرا قہقہہ مارا۔

"اندر تو آہی جاؤں گا لیکن تم دفعہ ہو جاؤ یہاں سے"

جب وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی تو وہ دھاڑا

"سنائی نہیں دیتا دفعہ ہو جاؤ ورنہ سچ میں ہاتھ اُٹھ جائے گا"

رئیسہ کی روح لرز گئی۔ وہ ایک دم پیچھے ہوئی دوپٹہ جلدی سے سر پر جما کر کانپتے قدموں کے ساتھ اندر کی جانب دوڑ گئی۔

پیچھے صرف سیام رہ گیا جس کی آنکھوں میں سگریٹ کا دھواں نہیں، اپنی ہی جلتی ہوئی روح کا دھندلکا تھا۔

کمرے میں ہلکی روشنی جل رہی تھی۔ پنکھے کی ہلکی آواز کے سوا ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ مرحا بیڈ پر پہلو بدلتے ہوئے اچانک اٹھ بیٹھی اور آہستہ سے بولی۔

"آپی ایک بات پوچھوں"

روما آنکھیں بند کیے لیٹی تھی مگر آواز پر پلکیں کھولیں اور گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔

"ہاں بولو" اُس کے لہجے میں معمول کی نرمی تھی۔

مرحا کہنیوں کے بل اُس کے قریب ہوئی "آپ پہلے سے کافی بدل گئی ہیں"

"بدل جانا چاہیے مرحا وقت کے ساتھ بدلنا ہی عقل مندی ہے ویسے یہ تمہیں کیسے لگا کہ میں بدل گئی ہوں" روما نے ایک ہلکی سانس بھری اور چھت کی طرف نظریں دوڑاتے ہوئے بولی۔

مرحا نے پل بھر سوچا "پہلے آپ بہت معصوم سی لگتی تھیں اب اب تھوڑی روڈ ہو گئی ہیں" پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔

روما کے لبوں پر ہلکی سی تلخ مسکراہٹ ابھری اُس نے نرمی سے مرحا کا ہاتھ تھاما۔

"مرحا میری جان معصومیت تب تک اچھی لگتی ہے جب تک وہ تمہاری کمزوری نہ بن جائے جب دنیا تمہاری خاموشی کو کمزوری سمجھے تو بدلنا ضروری ہو جاتا ہے اور جہاں تک روڈ ہونے کی بات ہے وہ رویہ صرف اُن کے لیے ہے جو سمجھتے ہیں کہ ہم لڑکیاں جذبات کی مورت ہیں جسے جیسے چاہا توڑ دیا۔ موسیٰ جیسے لوگوں کے لیے روڈ ہونا مجبوری بن جاتی ہے"

مرحا نے الجھن سے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تو آپ کو اب بھی محبت ہے موسیٰ بھائی سے"

روما کی آنکھیں لمحہ بھر کو چھلکیں مگر اُس نے خود کو سنبھال لیا آواز دھیمی ہو گئی۔

"محبت شاید آج بھی دل کے کسی کونے میں دبی ہوئی ہے ایسی جگہ جہاں ہاتھ نہیں پہنچتا بس احساس رہتا ہے یہی مسئلہ ہے ہم لڑکیوں کا مرحا ہم دل لگا بیٹھتی ہیں وہ نہیں لگاتے اور پھر روتی بھی ہم ہیں بڑی زیادتی کرتی ہے ہم لڑکیاں خود کے ساتھ لیکن اب میں نے خود سے وعدہ کیا ہے کہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھوں گی چاہے جتنی بھی تکلیف ہو اپنی عزتِ نفس کو دوبارہ روندنے نہیں دوں گی اب جو مجھ سے محبت کرے گا روما یحییٰ خان اُس کی"

روما نے آنکھوں کے گوشے انگلیوں سے صاف کیے جیسے دل کے درد کو مسکراہٹ میں چھپانا چاہتی ہو۔

مرحا اُس کے گلے لگ گئی۔

"آپی دیکھیے گا اللہ آپ کو موسیٰ بھائی سے بھی اچھا کوئی دے گا جو صرف آپ کا ہو آپ کی قدر کرے"

روما نے اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا دل میں ایک دھیمی سی صدا گونجی۔

"جس کو دل نے چاہا وہی کیوں نصیب نہ ہو"

مگر اُس نے یہ جملہ لبوں تک نہ آنے دیا۔ دھیرے سے بولی۔

"چلو اب سو جاؤ صبح کالج جانا ہے ہم نے"

روما نے بلینکٹ کھینچ کر خود کو ڈھانپا۔ مرحا نے اُس کے گال پر ہلکی سی محبت بھری کس دی۔

"اوکے گڈ نائٹ آپی"

کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی۔ مگر روما کی آنکھوں میں نیند نہیں موسیٰ کی یادوں کی گرد گونج رہی تھی۔ اُس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا جیسے کچھ منظر چھپانا چاہتی ہو مگر یادیں کہاں چھپتی ہیں۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے جیسے کوئی ادھورا دکھ اوپر بھی برسنے کو تیار ہو۔ شہر کی روشنیاں دور کہر میں لپٹی تھیں۔ موسیٰ چھت پر کھڑا ریلنگ کے ساتھ ٹیک لگائے خاموشی سے نیچے سڑکوں کو تکتا رہا۔ سرد ہوا بالوں سے الجھ رہی تھی، مگر اُس کے اندر کی گرمی غصے دکھ اور مایوسی کی سب پر حاوی تھی۔

قدموں کی آہٹ پر اُس نے پلکیں جھپکیں۔

"تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہوں"

اسماعیل چھت پر آتا ہوا رک گیا۔ موسیٰ کو یوں خاموش اور الجھا ہوا دیکھ کر اُسے کچھ بے چینی سی ہوئی۔

"کچھ نہیں بس سوچ رہا تھا"

موسیٰ کی آواز مدھم تھی جیسے وہ خود سے بات کر رہا ہو۔

اسماعیل اُس کے قریب آگیا آنکھوں میں تجسس تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو"

موسیٰ نے گہری سانس لی پھر آنکھیں موندلیں جیسے لفظوں کو خود سے کھینچ رہا ہو۔

"اُسے آج میرے آفس نہیں آنا چاہیے تھا"

"کس کو"

اسماعیل حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

موسیٰ نے پلکیں کھول کر فضا کی طرف دیکھا جیسے ماضی کو آنکھوں سے ٹٹول رہا ہو۔

"شہسوار کو" پھر آہستہ سے بولا۔

چند لمحے دونوں کے درمیان خاموشی چھاگئی صرف ہوا کا شور باقی تھا۔

"وہ میرا بہت اچھا دوست تھا اسماعیل"

موسیٰ کی آواز ٹوٹنے لگی "میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ مجھے یوں چھوڑ دے گا میں اُس کا دھوکا ڈیزرو نہیں کرتا تھا لیکن وہ کہتا ہے میں نے دھوکا دیا"

اسماعیل نے آہستہ سے پوچھا "لیکن اُس نے ایسا کیوں کیا"

موسیٰ نے ریلنگ سے ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہٹتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں کچھ بھاری سا اُتر آیا تھا۔

"مجھے آج تک وجہ نہیں ملی لیکن ایک بات جانتا ہوں جو اُس نے کیا وہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہم نے لندن میں وقت گزارا تھا صرف وقت نہیں خواب دوستی وعدے وہ میرے لیے لڑتا تھا میں اُس کے لیے دشمن ہمارے درمیان نہیں تھے کیونکہ ہم ایک دوسرے کی ڈھال تھے"

ایک تلخ سی ہنسی موسیٰ کے لبوں پر آئی۔

"آج جب وہ میرے سامنے آیا لمحے بھر کو لگا کہ شاید پرانا شہسوار لوٹ آیا ہے وہی ہنستا مسکراتا دوست۔ لیکن میں غلط تھا۔ وہ آج بھی ایک سیاسی رہنما تھا لفظوں میں لپٹا ہوا چہرے پر نقاب سجائے جذبات سے خالی"

موسیٰ کچھ لمحے خاموش رہا پھر دھیرے سے بولا۔

"لندن کی وہ راتیں وہ بارشیں وہ بے فکری سب خواب تھے اب جو باقی ہے وہ صرف مایوسی ہے"

اسماعیل نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا لیکن وہ لمس بھی موسیٰ کے دل کی سردی کو گرم نہ کر سکا۔ وہ اب بھی کہیں لندن کی کسی سنسان سڑک پر ماضی کی گلیوں میں کھویا ہوا تھا جہاں دو دوست ہنسا کرتے تھے۔

فلیش بیک: لندن، چند سال پہلے—

سڑکوں پر بارش ابھی ابھی تھمی تھی۔ لندن کی نم فضا میں ہر منظر دھند سے دھندلا سا ہو رہا تھا مگر دو نوجوان موسیٰ اور شہسوار — آکسفورڈ اسٹریٹ کے کنارے بنی ایک چھوٹی سی کافی شاپ کے باہر بیٹھے جیسے اُن کا آپس کا رشتہ دنیا کی تمام موسموں پر بھاری ہو۔

"یار تُو نے اُس پروفیسر کو جواب دیا کیا کلاس میں جیسے بم پھٹ گیا ہو"

شہسوار نے ہنستے ہنستے اپنا کافی کا مگ موسیٰ کے کندھے پر مارنے کی ناکام کوشش کی۔

موسیٰ قہقہہ لگا گیا۔

"کیا کرتا اُس نے کہا کہ سیاست صرف تجربے سے آتی ہے۔ میں نے کہا سیاست تو پاکستان میں پیدا ہوتے ہی سیکھ لیتے ہیں ہم"

دونوں کی ہنسی فضا میں گونج گئی۔ سامنے سے لوگ گزرتے کچھ رک کر دیکھتے مگر اُنہیں کسی کی پروانہ تھی۔

یہ اُن کی روزمرّہ کی شام تھی۔

کبھی ہائیڈ پارک میں بیٹھ کر کتابوں پر بحث کبھی شام کی بارش میں بھیگتے ہوئے ہنسی مذاق کبھی یونیورسٹی کینٹین میں دیر رات تک نظریات پر جھگڑا۔

شہسوار اکثر کہا کرتا تھا۔

"موسیٰ ہم دونوں ایک دن پاکستان کی سیاست بدلیں گے۔ تو ذہن ہے میں آواز ہوں"

اور موسیٰ ہنستا تھا۔

"تم آواز ہو لیکن میں تمہاری چپ کو بھی سن لیتا ہوں"

اکثر رات کو دونوں لندن برج پر جا کر بیٹھ جاتے ٹھنڈی ہوا کے بیچ خاموشی سے تیمز دریا کو دیکھتے۔

"پتا ہے موسیٰ ایک دن ہم یہاں نہیں ہوں گے واپس جائیں گے بڑے لوگ بنیں گے۔ لیکن اگر کبھی بدل گئے نا تو یہ راتیں ضرور یاد دلانا ایک دوسرے کو کہ ہم کہاں سے اُٹھے تھے"

موسیٰ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"شہسوار میرے یار، تُو بدلے گا نہیں تیرے جیسا مخلص کہاں ملتا ہے"

"میں تجھے کبھی دھوکا نہیں دوں گا موسیٰ تو دوست نہیں بھائی ہے" شہسوار نے اُس کی طرف دیکھ کر دل سے کہا تھا۔

مگر زندگی کے وعدے اکثر کمزور ہوتے ہیں۔

حال:

موسیٰ کی آنکھوں میں نمی تھی۔ وہ چھت پر کھڑا اُن لمحات کو یاد کر رہا تھا جو اب صرف ماضی کا ایک دردناک گوشہ بن چکے تھے۔

رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ شہر کے سب راستے خاموشی میں ڈوبے تھے مگر وزارتی ریسٹ ہاؤس کی ایک کھڑکی سے ہلکی سی روشنی باہر آ رہی تھی۔

کمرے کے اندر شہسوار بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے خاموشی سے چھت کو گھور رہا تھا۔ اُس کے سامنے کافی کا آدھا خالی کپ کھلا ہوا لیپ ٹاپ مگر ذہن کہیں اور الجھا ہوا۔

ایک دھیمی سانس کے ساتھ اُس نے آنکھیں بند کیں اور جیسے ماضی کی کوئی تصویر آنکھوں کے پردے پر اُبھر آئی۔

موسیٰ کا چہرہ۔ وہی آنکھیں وہی تلخی وہی خاموشی جو چیخ رہی تھی۔

شہسوار کا دل اندر سے کسی انجانی کسک سے بھر گیا۔

"یار میں نے بُرا کیا لیکن اچھا تو تم نے بھی نہیں کیا دوستی توڑ دی دھوکا دیا کیا یہ زیادتی نہیں میرے ساتھ"

وہ دل میں خود سے مخاطب تھا۔

چند لمحے بعد وہ آہستہ سے بیڈ سے اٹھا الماری سے ایک پرانا ڈبہ نکالا جس میں لندن کی تصویریں تھیں۔

ایک تصویر کے کنارے پر لکھا تھا۔

"Two fools, one dream – Oxford Street 2016"

شہسوار نے تصویر کو دیر تک دیکھا۔ وہ اور موسیٰ—— خوش بے فکر دو بھائی۔

ایک آنسو اُس کی آنکھ کے کونے سے خاموشی سے بہہ نکلا۔

"تم ٹھیک کہتے تھے موسیٰ ہم دوست نہیں بھائی تھے اور میں نے بھائی کو سیاست کی بھیڑ میں کھو دیا"

وہ دھیرے سے کرسی پر بیٹھ گیا سر ہاتھوں میں تھامے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں بدل گیا ہوں ہاں بدلا ہوں وقت نے نظام نے میرے ارد گرد کے مکار لوگوں نے اب تو تمہیں بھی لوگوں نے مکاری سکھا دی ہے" پر اندر وہی شہسوار ہے جو تیمز کنارے تیرے ساتھ بیٹھ کر خواب دیکھتا تھا"

ایک اور تصویر ہاتھ میں لی—— جس میں موسیٰ اُسے زبردستی بارش میں گھسیٹ رہا تھا۔

"تم تب بھی ضدی تھے اور آج بھی بس آج ضد چپ ہو گئی ہے ہم دونوں کے اندر"

اچانک اُس کے فون کی روشنی جھلکی لیکن وہ بے پرواہ رہا۔ جیسے اب دنیا کی کوئی کال اُسے اُس خاموشی سے نہ نکال سکتی ہو جس میں وہ خود کو گم کر چکا تھا۔

شہسوار آج بھی سیاست کے ایوان میں تھا لیکن دل آج بھی اُس چھت کے نیچے تھا جہاں دو دوست سیاست کے بغیر جیتے تھے۔

رات کے کسی سنّاٹے میں جب سارا گھر گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ آنکھوں میں طوفان ہاتھ میں موبائل اور سانسوں میں غصے کی لپک۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس نے فون کان سے لگایا۔ دوسری طرف موسیٰ نیم تاریک کمرے میں بیڈ پر نیم دراز تھا، ایک ہاتھ سر کے پیچھے دوسرا موبائل تھامے۔ موبائل اسکرین پر رئیسہ کا نام دیکھ کر ایک شیطانی سی مسکراہٹ اُس کے لبوں پر ابھری۔

"کزن آج کیسے یاد کر لیا مجھے"

اُس کے لہجے میں زہر گھلا ہوا مکر تھا۔

"بکواس بند کرو موسیٰ"

رئیسہ کی آواز فون کے اسپیکر سے یوں نکلی جیسے دھماکہ ہو گیا ہو۔

"ڈیڈ سے کیا کہا تھا اور خبر دار جو جھوٹ بولا مجھے صرف سچ چاہیے"

موسیٰ تھوڑا سا سیدھا ہوا لیکن لہجہ اب بھی ہلکا سا طنزیہ تھا۔

"یہی کہ تم نے سیام سے بدلہ لینا تھا اس لیے وہ نقلی نکاح نامہ بنوایا میں نے بس اُس نقلی نکاح کو اصل بنا دیا تمہارا کام آسان کیا چاہے تو قسم لے لو"

ایک زوردار قہقہہ اُس کے کمرے کی دیواروں سے ٹکرایا۔

رئیسہ کا لہجہ سرد ہو چکا تھا "گڈ تم نے اچھا کیا میرے کام کو آسان کر دیا اب میں بھی تمہارے لیے کچھ آسان کر دیتی ہوں"

موسیٰ کے چہرے کی رنگت ذرا سا بدلی۔

"مطلب" اُس کی آواز میں پہلی بار سنجیدگی آئی۔

"تمہارے پرائیویٹ نکاح کو پبلک کر دیتی ہوں کیا خیال ہے"

رئیسہ کی زبان پر زہر تھا اور لہجے میں فاتحانہ ٹھہراؤ۔

موسیٰ سیدھا بیٹھ گیا غصے سے آنکھیں تنگ ہو گئیں۔

"بکواس بند کرو ایسا سوچا بھی تو منہ توڑ دوں گا"

وہ جھاگ کی طرح ابل پڑا۔

رئیسہ کا لہجہ سرد تھا۔

"ریلیکس موسیٰ ڈر کیوں رہے ہو تم مجھے جانتے نہیں ہو اگر تم سیاست کھیل سکتے ہو تو رئیسہ بدر خان اُس سیاست میں تمہیں جھلسانے کا ہنر بھی رکھتی ہے۔ جو تم نے میرے ساتھ کیا ہے اُس کا بدلہ ضرور لوں گی جسٹ ویٹ اینڈ واچ"

کال کاٹ دی گئی۔ رئیسہ موبائل میز پر پھینک کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی جیسے اب اُس کے غصے کو کچھ اور دھونا تھا۔

ادھر موسیٰ کا چہرہ خون کی طرح سرخ ہو چکا تھا۔

وہ موبائل بیڈ پر دے مارا اور دھاڑا۔

"کاش تم پیدا ہوتے ہی مر گئی ہوتی رئیسہ"

وہ جانتا تھا اگر رئیسہ نے وہ راز فاش کر دیا کہ اُس نے فاطمہ سے چپکے سے نکاح کر رکھا ہے تو اُس کا سیاست میں بنا بنایا نام خاندان کا بھرم اور ساکھ سب کچھ خاک میں مل جائے گا۔

کمرے میں صرف اُس کے دل کی دھڑکنیں باقی رہ گئیں——

* * *

رئیسہ جیسے ہی باتھ روم سے نکلی قدموں کی رفتار دھیمی پڑ گئی۔ کمرے میں ہلکی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی، اور سامنے بیڈ پر سیام سکون سے لیٹا ہوا تھا۔ وہ چند لمحے وہیں دروازے پر ٹھٹکی دل کی دھڑکن جیسے رک سی گئی ہو۔ نکاح کو دس دن ہو چکے تھے مگر یہ پہلی رات تھی جب وہ اس کمرے میں موجود تھا۔

سیام نے اس کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا مگر وہ آنکھیں بند کیے یوں لیٹا رہا جیسے اسے فرق ہی نہ پڑتا ہو۔

رئیسہ دھیرے دھیرے بیڈ کے قریب آئی۔

"سیام تم میرا مطلب ہے آپ آج یہاں سوئیں گے" اس کی آواز میں گھبراہٹ اور حیرت دونوں شامل تھے۔

سیام نے آنکھیں کھول کر اُسے ایک کڑی نگاہ سے دیکھا "غالباً یہ میرا کمرہ ہے تو تمہارا یہ سوال کرنا بنتا نہیں" طنز سے لبریز لہجے میں بولا۔

رئیسہ نے نظریں چرا کر اپنی طرف کا تکیہ درست کیا۔

"میں نے صرف اس لیے پوچھا کیونکہ جب سے ہماری شادی ہوئی ہے آپ پہلی بار آئے ہے"

سیام نیم دراز ہو کر تکیے سے ٹیک لگا گیا۔

"شادی زبردستی کی شادی کہنا زیادہ مناسب ہو گا اور جہاں تک میرے نہ آنے کی بات ہے تم اس کی اصل وجہ خود ہو"

رئیسہ نے ہمت جُٹا کر کہا۔

"سیام سوری میں واقعی شرمندہ ہوں جو کچھ میں نے"

سیام کا پارا چڑھ گیا۔

"بکواس بند کرو، خبردار جو پھر کبھی سوری جیسا لفظ بولا تم نے جو زخم دیے ہیں، ان پر معافی کا مرہم کافی نہیں اب لائٹ بند کرو صبح انٹرویو ہے جلدی جانا ہے"

وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

"مگر آپ تو میری کمپنی میں جاب کر رہے تھے پھر انٹرویو" رئیسہ رکی پھر چونک کر بولی۔

سیام نے غصے سے کروٹ بدلی اور تیکھی نظروں سے گھورا۔

"تم شاید غیرت کی تعریف نہیں جانتیں رئیسہ لیکن سیام میر امروز ایک خوددار انسان ہے میں تمہاری کمپنی چھوڑ چکا ہوں اور اب اپنا سوال نامہ بند کرو"

پھر وہ آنکھیں موند کر لیٹ گیا۔ لیکن روشنی ہونے کی وجہ سے پھر بول پڑا۔

"کیا بُت بنی بیٹھی ہو لائٹ بند کرو"

رئیسہ نے خاموشی سے لیمپ بند کیا اندھیرے نے کمرے کو ڈھانپ لیا۔ وہ دبے قدموں آکر بیڈ کے ایک کنارے پر لیٹ گئی۔ دل میں ایک ہلچل سی تھی۔ چند لمحوں بعد اُس نے گردن موڑی اور سیام کو دیکھا وہ گہری نیند میں تھا۔ ماتھے پر

بکھرے بال بند آنکھیں اور چہرے پر وہی سختی مگر نہ جانے کیوں آج وہ اُسے خوبصورت لگا۔

ایک سرد آہ بھر کر رئیسہ نے آنکھیں موند لیں۔

دل ہی دل میں دعا کی۔

"کاش ہمارے درمیان سب ٹھیک ہو جائے سیام کاش"

وہ پہلی بار اُس کے پہلو میں سو رہی تھی اور دل کو جیسے کچھ سکون سا مل گیا تھا۔

صبح کی پہلی کرنیں آسمان پر سنہری دھاگوں کی طرح بکھر رہی تھیں۔ پرندے درختوں پر چہچہا رہے تھے، مگر فاطمہ کی آنکھوں میں نیند اب بھی باقی تھی۔

رات دیر تک فائلز اور نوٹس دیکھتے گزری تھی آج کا دن عام دنوں جیسا نہیں تھا آج اسے شہسوار ملک کا انٹرویو لینا تھا۔

اس نے جلدی جلدی تیار ہو کر آئینے میں خود کو دیکھا۔ مسٹرڈ کلر کا لمبا کُرتا نیچے بلیک پنسل پاجامہ اور پاؤں میں بندھی بلیک سینڈل۔ آج وہ معمول سے ہٹ کر تیار ہوئی تھی ہونٹوں پر ہلکی پنک لپ اسٹک آنکھوں میں کاجل اور چہرے پر ہلکا سا بی بی کریم۔ شیشہ جیسے اُس کے اندر کی بے چینی پڑھ رہا ہو۔

فائل بیگ میں ڈالی دوپٹہ شانوں پر درست کیا اور تیزی سے نیچے اُتری۔

"السلام وعلیکم" فاطمہ نے ڈائنگ ایریا میں قدم رکھتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا آؤ ناشتہ کر لو" ابراہیم صاحب نے مسکراتے ہوئے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"بابا میں آج لیٹ ہو گئی ہوں وہاں جا کر کچھ کھالوں گی" وہ تیز قدموں سے باہر کی طرف بھاگی۔

گیٹ سے باہر نکلی ہی تھی کہ سامنے اسماعیل کھڑا نظر آیا۔

فاطمہ کی آنکھوں میں چنگاریاں سی لپکیں۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو" وہ جبڑے بھینچتے ہوئے بولی۔

"میڈم سر گاڑی میں ویٹ کر رہے ہیں چاہتے ہیں آپ اُن سے دو منٹ بات کر لیں" اسماعیل نے ایک طرف کھڑی سیاہ کار کی طرف اشارہ کیا۔ وہ جانتی تھی اس گاڑی میں موسیٰ شیر خان ہے۔

فاطمہ نے ناک سکیڑی۔

"بس اُس دن کا انتظار ہے جب تم دونوں مر کر دنیا کا بوجھ ہلکا کرو گے" کہتی ہوئی قدم تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھا دی۔

دروازہ کھولتے ہی آواز گونجی۔

"کیوں آئے ہو تم یہاں" وہ اندر بیٹھتے ہی برسی۔

موسیٰ سیٹ سے ٹیک لگائے اُسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے برسوں کی پیاس کو آنکھوں سے بجھا رہا ہو۔

"بال کھلے آنکھوں میں کاجل دوپٹہ سر پر اچھی لگ رہی ہو" وہ مسکرایا۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے" فاطمہ اُس کی نظریں پڑھ کر تھوڑا خائف ہو گئی۔

"بس تھوڑی دیر چُپ رہو مجھے تمہیں دیکھنا ہے" موسیٰ نے آہستہ سے اُس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ فاطمہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔

"تم جو چاہ رہے ہو وہ کبھی نہیں ہو گا موسیٰ" اُس نے انگلی جھٹکتے ہوئے غصے سے کہا۔

"کیا چاہ رہا ہوں یہ تم ہی بہتر بتا سکتی ہو" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

اچانک موسیٰ نے اُس کا دوپٹہ آہستہ سے اُسکے سر سے اتار دیا۔

"میں لیٹ ہو رہی ہوں آفس سے اگر بات ختم ہو گئی ہے تو گاڑی روکو" فاطمہ نے سرد لہجے میں کہا۔

"تم اُس کا انٹرویو لینے جا رہی ہو وہ شخص ٹھیک نہیں ہے" موسیٰ نے آہستہ سے آنکھیں موند لیں۔

"اچھے تو تم بھی نہیں تھے پھر بھی میں نے تمہارا انٹرویو لیا" وہ ہنسی دبا کر طنز سے بولی۔

"میری بات اور ہے" وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں تمہاری بات اور کیوں ہے" فاطمہ کو اس کی باتوں میں آج کچھ بدلا بدلا سا لگا۔

"شوہر ہوں تمہارا" اُس نے نرمی سے کہا مگر پھر بھی 'تم بیوی ہو میری' نہ کہا۔

"زبردستی کے" وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

"بس ایک بات پوچھنی ہے کیا تم یہ نفرت کم نہیں کر سکتیں" موسیٰ نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"اور تم سیاست میں جھوٹ اور فریب نہیں چھوڑ سکتے" فاطمہ نے ہاتھ چھڑوانا چاہا مگر موسیٰ کی گرفت مضبوط تھی۔

"خاموش رہو صرف دیکھنے آیا ہوں تمہیں" اُس نے پھر سے انگلی اُس کے لبوں پر رکھ دی۔

"اپنی بات آئی تو خاموش رہو بھول تو نہیں گئے دشمن ہوں تمہاری" فاطمہ نے تیزی سے انگلی ہٹائی۔

"دشمن ہو تو کیا ہوا ہو تو میری" موسیٰ نے اس کا ہاتھ نرمی سے چوما۔

فاطمہ کی آنکھیں پانی سے بھر گئی "تم مجھے ایموشنلی بلیک میل کر رہے ہو"

"نہیں بس کوشش کر رہا ہوں" وہ آہستہ سے اس کا ہاتھ چھوڑ گیا۔

"کیا ہوا تم اُداس ہو" فاطمہ نے بے ساختہ پوچھ لیا۔

موسیٰ نے فوراً سر اُٹھایا "تو کیا میں سمجھوں مس فاطمہ کو میری فکر ہو رہی ہے"

"بالکل نہیں" فاطمہ فوراً بولی پھر دل میں خود کو کوسا "کیا ضرورت تھی پوچھنے کی مجھے"

"چلو جاؤ دیر ہو رہی ہے تمہیں" موسیٰ نے گاڑی ان لاک کی۔

"رُکو کیا آج رات میں تمہارے کمرے میں آجاؤں" فاطمہ دروازہ کھول ہی رہی تھی موسیٰ بول پڑا۔

فاطمہ نے اُسے تیکھی نظروں سے گھورا "ہمارے درمیان کچھ نارمل نہیں ہے"

"تو ہو جائے گا" موسیٰ نے دھیرے سے کہا۔

"میں کچھ بھی نارمل نہیں کرنا چاہتی"

فاطمہ غصے سے بولی۔

یہ آج اتنا معصوم کیوں بن رہا ہے اُس نے دل میں سوچا۔

"لیکن میں آؤں گا" موسیٰ ضدی لہجے میں بولا۔

"میری بلا سے" فاطمہ نے گھڑی پر وقت دیکھا "اب جانا ہے مجھے دیر ہو رہی ہے "

اچانک موسیٰ نے جھک کر اُس کے ماتھے پر لب رکھے پھر نرمی سے اُس کے گال کو چھو گیا۔

یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ فاطمہ ساکت رہ گئی۔ نہ غصہ نہ لفظ صرف خاموشی۔

"اب جاؤ" موسیٰ دھیرے سے بولا۔

فاطمہ چپ چاپ گاڑی سے اتری۔ اُس کی نظریں نیچے تھیں قدموں میں ہچکچاہٹ اور دل میں عجیب سا خالی پن۔ موسیٰ اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

پھر زیرِ لب بولا۔

"اتنا بُرا نہیں ہوں جتنا تم سمجھتی ہو بلکہ اس سے زیادہ برا ہوں دوسروں کے لیے
"

فاطمہ نیوز چینل کی عمارت میں داخل تو ہو گئی تھی مگر دل اور دماغ اب بھی کسی اور مقام پر ٹھہرے تھے موسیٰ شیر خان پر۔ اُس کی آنکھوں میں آج کچھ بدلا بدلا سا تھا جیسے وہ وہی شخص نہ ہو جو کبھی صرف بدلہ لینے آیا تھا۔

یہ سب کیا ہے کیا یہ کوئی نیا طریقہ ہے مجھے گرانے کا یا پھر واقعی وہ بدل رہا ہے۔ اتنی جلدی سب کیسے بدل سکتا ہے۔

فاطمہ نے دفتر کا دروازہ کھولا میز پر فائل رکھی لیکن نظریں خلا میں گم تھیں وہ کرسی پر بیٹھی اور کسی سوچ میں گم بس ایک نقطے کو گھورتی رہی۔

"فاطمہ کہاں کھو گئی ہو تین بار آواز دی ہے تمہیں"

سامیہ جو کمرے میں آچکی تھی ہلکی جھنجھلاہٹ کے ساتھ بولی۔

فاطمہ چونک گئی جیسے کسی خواب سے نکلی ہو۔ "ہاں یار کچھ نہیں تم بتاؤ کیا ہوا"

سامیہ نے فاطمہ کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"کوئی پریشانی ہے موسیٰ نے کچھ کیا" اُس نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

فاطمہ نے ایک گہری سانس لی پھر جیسے لفظ خود بخود لبوں پر آگئے۔

"مجھے نہیں سمجھ آرہا وہ کیا چاہتا ہے لیکن سامیہ کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا"

"کیا مطلب" سامیہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے "کھل کر بتاؤ فاطمہ"

فاطمہ نے بے چینی سے اپنی انگلیاں آپس میں لپیٹ لیں پھر بولی۔

"وہ مجھے ایموشنلی ٹریپ کرنے کی کوشش کر رہا ہے جیسے وہ کوئی جال بچھا رہا ہو جس میں میں خود پھنس جاؤں"

سامیہ کچھ لمحے سوچتی رہی پھر نرمی سے بولی۔

"کیا پتہ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو شاید وہ واقعی بدل رہا ہو"

فاطمہ ہلکے سے ہنسی ایک تلخ بے یقینی ہنسی۔

"موسیٰ جیسے لوگ بدلتے نہیں سامیہ۔ اُنہیں اپنے کیے پر کبھی پچھتاوا نہیں ہوتا احساسِ ندامت ایمپاسیبل"

سامیہ نے موضوع بدلنے کے لیے ارد گرد دیکھا پھر جلدی سے بولی۔

"اچھا چھوڑو شہسوار ملک صاحب آ چکے ہیں انٹرویو کا سیٹ ریڈی ہے اور باس کب سے تمہیں بلا رہے ہیں۔ جلدی آؤ"

"اچھا تم چلو میں ابھی آئی"

فاطمہ نے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

روشنی میں بھی جیسے اُس کے دل کا اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ موسیٰ کی آنکھوں کی وہ خاموشی اُس کے لمس کی نرمی اچانک چوم لینا——یہ سب اُس کے اندر گونج رہا تھا۔ یہ سب سچ تھا یا ایک چال۔

ـــ

فاطمہ جلدی قدموں سے نیوز روم کے اندرونی کارڈور سے گزرتی ہوئی چیف ایڈیٹر کے آفس کی طرف بڑھی۔ دل اب بھی الجھا ہوا تھا لیکن چہرے پر صحافتی اعتماد کی چادر تان رکھی تھی۔

دروازہ کھولتے ہی ایئر کنڈیشنڈ کمرے کی ٹھنڈک اور بریف کیسوں کی مہک نے اُس کا استقبال کیا۔ سامنے انچیف صاحب اپنی مخصوص گہری آواز میں کسی مہمان سے بات کر رہے تھے۔

فاطمہ نے نظریں موڑیں سامنے بیٹھا شخص لمحے بھر کے لیے اجنبی لگا لیکن اگلے ہی لمحے شناخت کا دائرہ مکمل ہوا۔

نیوی بلیو سوٹ فولڈ کی گئی آستینیں سلیقے سے جمے بال اور وہی گہری آنکھیں یہ تھا شہسوار ملک۔

فاطمہ کے قدم ایک لمحے کو رُک گئے۔

"آ جاؤ فاطمہ تم سے ہی ملوانا تھا" وقار صاحب نے خوش دلی سے اشارہ کیا۔ وقار صاحب چینل کے ہیڈ تھے۔

"سر" فاطمہ نے آہستگی سے قدم آگے بڑھاتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اُنہیں دیکھا۔

وقار صاحب نے شہسوار کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ ہیں شہسوار ملک اور شہسوار صاحب یہ ہے ہماری بہت قابل اینکر اور رپورٹر فاطمہ ابراہیم آج آپ کا انٹرویو یہی لے گی"

شہسوار نے مسکراہٹ دبائے اپنی نشست سے کھڑا ہوا۔ اُس کی آنکھوں میں نرم سی چمک اُتری جیسے یہ لمحہ وہ پہلے ہی جیت چکا ہو۔

"میں جانتا ہوں ان کے بارے میں"

اُس کی آواز میں وہ یقین اور احترام تھا جو کم ہی کسی تعریف میں ہوتا ہے۔

فاطمہ چونکی "آپ"

"نام سے نہیں کام سے۔ آپ کی رپورٹنگ اور انداز نے پہلے ہی تعارف کروادیا ہے" شہسوار نے نرمی سے کہا۔

فاطمہ کے چہرے پر ایک لمحے کو الجھن اور پروفیشنل فخر کا امتزاج سا اُبھر آیا۔ اُس نے پلکیں جھپکائیں اور نپے تلے انداز میں بولی۔

"آپ کی مہربانی ہے وقار صاحب اگر اجازت ہو تو میں سیٹ پر چلوں"

"بالکل شہسوار صاحب بھی تیار ہیں انٹرویو اہم ہے اور مجھے یقین ہے آپ دونوں زبردست ڈسکشن کرے گے" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

شہسوار نے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے اشارہ کیا۔

"بعد میں سوالات کا وقت ہو گا ابھی تو ملاقات کا تاثر ذہن میں محفوظ کر رہا ہوں"

فاطمہ نے نظریں چرائیں۔

یہ شخص کچھ تو مختلف ہے۔ مگر مجھے اپنے سوالات سے مطلب رکھنا ہے۔

وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی مگر اُس کی پشت پر شہسوار ملک کی نظریں ایک لمحے کو ٹھہر گئیں۔

دوپہر کی دھیمی دھوپ کھڑکی سے اندر جھانک رہی تھی۔ لاؤنج میں حفصہ بیگم صوفے پر نیم دراز تھیں اُن کے ہاتھ میں تسبیح تھی جو آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ دوسری طرف رئیسہ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی تھی خاموش سنجیدہ اور کسی حد تک گھبرائی ہوئی۔

"بیٹا تمہیں کھانا بنانا آتا ہے"

حفصہ بیگم نے نرمی سے پوچھا مگر سوال رئیسہ کے دل میں جیسے کانچ کی طرح چبھ گیا۔

"آنٹی کبھی گھر میں بنانے کا موقع ہی نہیں ملا" وہ چونک گئی پھر شرمندگی سے نظریں نیچی کرتے ہوئے بولی۔

"کوئی بات نہیں میں تمہیں سکھا دوں گی" حفصہ بیگم کی آواز میں وہ ماں والی شفقت تھی جو رئیسہ نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

رئیسہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ دروازہ کھلا اور سیام اندر آیا قدموں کی چاپ نے رئیسہ کو تھوڑا سا چونکایا مگر اُس نے رخ نہیں موڑا۔

"السلام علیکم امی" سیام نے اندر آتے ہی مسکرا کر ماں کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا کیسا رہا انٹرویو" حفصہ بیگم نے اُسے اپنے قریب بلایا اور ماتھے پر ہاتھ پھیر کر محبت سے بٹھا لیا۔

سیام اُن کے کندھے سے لگا جیسے بچپن کا کوئی مانوس منظر لوٹ آیا ہو۔

رئیسہ کی آنکھوں میں ایک عجیب سی نمی تیرنے لگی۔ وہ منظر اُس کے لیے کسی خواب جیسا تھا۔ اُس کی اپنی نے ماں تو کبھی اُسے قریب نہیں آنے دیا ایک بار جب رئیسہ نے ماں کے گلے لگنے کی کوشش کی تھی تو ماں نے کہا تھا۔

"ابھی نہیں بیٹا بعد میں"

وہ لمس آج تک رئیسہ کی روح پر ادھورا تھا۔

"امی دعا کریں جاب مل جائے کل رزلٹ آئے گا" سیام نے ماں کے ہاتھ تھام کر کہا پھر ایک لمحے کو رئیسہ کی طرف دیکھا اور منہ بنا کر نظریں پھیر لیں۔

"انشاءاللہ سب اچھا ہو گا۔ تمہیں پتہ ہے رئیسہ تمہارے لیے کھانا بنانا سیکھے گی"

حفصہ بیگم نے جیسے ماحول کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی۔

سیام ہنسا وہ طنزیہ مسکراہٹ جس کی رئیسہ کو اچھی طرح پہچان تھی۔

"سیکھ ہی نہ لے یہ کھانا بنانا"

"زیادہ بولو مت وہ سیکھ لے گی۔ اچھا تم سیدھے ہو کر بیٹھو میں پانی لے کر آتی ہوں"

حفصہ بیگم کچن کی طرف چلی گئیں اور کمرے میں لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

سیام نے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے رئیسہ کی طرف گردن موڑی۔

"ویسے ایک بات بتاؤ تم نے بوائے فرینڈ بنانے کے علاوہ زندگی میں کچھ اور سیکھا بھی ہے"

اُس کے الفاظ خنجر کی طرح رئیسہ کے سینے میں اترے۔ وہ لمحے بھر کو ساکت رہ گئی۔

"سیام" رئیسہ نے مدھم لہجے میں کہا مگر آواز حلق میں اٹک گئی۔

"کیا' سیام 'تمہاری ہوبی بھی الگ ہے نا باقی لڑکیاں سیکھتی ہیں کھانا سلائی تم سیکھتی ہو دل توڑنا رشتے بگاڑنا بوائے فرینڈ بنانا تمہارے جیسے لوگ تو ہمیشہ 'ڈفرنٹ' ہوتے ہیں نا"

رئیسہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اُس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

"آہستہ بولیں پلیز آنٹی سن لیں گی"

اُس نے کانپتی آواز میں کہا دل میں خوف اور شرمندگی کی ملی جُلی لہر دوڑ گئی۔

سیام کھڑا ہوا نفرت بھری نظر اُس پر ڈالی۔

"او پلیز میرے سامنے یہ معصوم بننے کے ڈرامے نہیں جیسے میں تمہیں جانتا نہیں ہوں۔ جاؤ میرے لیے چائے بنا کر لاؤ میں کمرے میں جا رہا ہوں"

وہ غصے سے سڑھیاں چڑھ گیا اور رئیسہ اُس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

کمرے کی خاموشی میں اُس کے اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا۔

اُس نے آنکھیں بند کیں مگر آنکھوں سے آنسو نکل کر رخسار پر بہنے لگے۔

یہ غلطیاں نہیں تھیں یہ گناہ تھے اور اب شاید سزا کا وقت تھا۔

چینل کا مرکزی اسٹوڈیو روشنیوں سے چمک رہا تھا۔ کیمروں کی آنکھیں فوکس میں تھیں ٹیم اپنی جگہ سنبھال چکی تھی۔

فاطمہ ابراہیم مسٹرڈ لباس میں پوری تیاری کے ساتھ میز کے سامنے بیٹھی تھی۔ اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی اور آنکھوں میں سوالوں کی تپش تھی۔

سامنے کرسی پر شہسوار ملک جو چند لمحے پہلے انچیف کے آفس میں دل جیت چکا تھا اب قوم کے سامنے تھا مگر اس بار سامنے وہ لڑکی تھی جو جھوٹ کو چیر کر رکھ دینے کی شہرت رکھتی تھی۔

"ناظرین خوش آمدید آپ دیکھ رہے ہیں صاف صاف بات فاطمہ کے ساتھ اور آج ہمارے ساتھ موجود ہیں سابق صوبائی وزیر بزنس ٹائیکون اور حالیہ سیاسی امیدوار جناب شہسوار ملک صاحب"

شہسوار نے ہلکا سا سر جھکا کر کیمرے کی طرف مسکرایا۔

فاطمہ نے پہلا وار کیا۔

"ملک صاحب آپ پر الزام ہے کہ آپ نے پبلک ہیلتھ پروجیکٹس ارب روپے کا فنڈ کھایا اور اب عوام کو صاف پانی تو نہ دے سکے لیکن خود کے لیے دبئی میں ولا لے لیا آپ کیا کہیں گے "

شہسوار کا چہرہ متغیر نہیں ہوا وہ وہی مسکراہٹ لیے بولا۔

"محترمہ فاطمہ الزام لگانا آسان ہوتا ہے ثبوت دینا مشکل میرے خلاف جن رپورٹس کا ذکر آپ کر رہی ہیں وہ سیاسی بنیاد پر بنائی گئیں "

فاطمہ نے آنکھیں سکیڑیں۔

"آپ کے سگنیچر کے ساتھ وہ فنڈ ریلیز لیٹرز تو موجود ہیں جو آپ کے دورِ وزارت میں جاری ہوئے تو کیا آپ ان پر بھی سیاست کہہ رہے ہیں "

شہسوار نے صوفے کی پشت سے کمر سیدھی کی اب وہ سنجیدہ ہو چکا تھا۔

"جی ہاں دستخط میرے تھے لیکن منظوری کا عمل ایک بورڈ سے ہوتا ہے۔ اگر کسی نے فنڈز کا غلط استعمال کیا ہے تو اسے جواب دہ ہونا چاہیے اور میں خود بھی انکوائری میں پیش ہوا ہوں"

فاطمہ نے میز پر رکھا قلم اٹھا کر انگلیوں میں گھمایا۔

"تو آپ قوم کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اربوں روپے آپ کی ناک کے نیچے سے نکل گئے اور آپ کو خبر تک نہ ہوئی عوام یہ سن کر بہت مطمئن ہو جائیں گی"

شہسوار نے پہلی بار فاطمہ کو براہِ راست گھورا اور نرم مگر گہرے لہجے میں بولا۔

"محترمہ آپ کی زبان کی کاٹ بہت تیز ہے لیکن آپ کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ میں نے ساڑھے چار سالوں میں سات اسپتال بنوائے بارہ اسکول اپگریڈ کیے آپ صرف الزام پڑھتی ہیں زمینی حقیقتیں نہیں دیکھتیں"

فاطمہ کا چہرہ سنجیدہ تھا مگر اندر سے چیلنج قبول کر چکی تھی۔

"سچائی یہ ہے کہ ان میں سے کئی پروجیکٹس مکمل ہی نہیں ہوئے اور جو ہوئے وہ ناقص میٹریل کی نذر ہو گئے۔ سوال صرف الزام کا نہیں سوال یہ ہے کہ عوام نے آپ کو چُنا۔ اور آپ نے بدلے میں کیا دیا"

موسیٰ بڑے آرام سے اپنی کرسی پر نیم دراز تھا۔ ٹی وی پر یہی انٹرویو لائیو شو چل رہا تھا۔ اُس کے سامنے کافی کا کپ تھا اور لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ۔

"واہ فاطمہ مار دیتی ہو تم لفظوں سے" وہ زیرِ لب ہنسا۔

موسیٰ نے ایک سگریٹ جلا کر ہونٹوں کے درمیان رکھا دھواں باہر چھوڑتے ہوئے کہا۔

"اب دیکھتے ہیں شہسوار ملک صاحب کب ہار مانتے ہیں۔"

شہسوار کی مسکراہٹ تھوڑی معدوم ہو گئی تھی مگر اُس نے خود پر قابو رکھا۔

"آپ کے سوالات بہت سخت ہیں لیکن آپ کا انداز مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں آپ کی آنکھوں میں جھانکوں اور سچ کہوں میں پرفیکٹ نہیں ہوں لیکن کرپٹ بھی نہیں"

فاطمہ نے پہلا دفعہ تھوڑا توقف کیا جیسے کچھ لمحوں کو دل بھی سُننے لگا ہو۔

"تو پھر عوام کو کیا یقین دلوائیں گے"

شہسوار ملک کی آواز اب بھاری ہو چکی تھی۔

"یہی کہ میں دوسرا موقع نہیں مانگ رہا میں یہ موقع کماؤں گا اور اگر غلطی کی تو سزا کا پہلا امیدوار خود بنوں گا"

کیمرا زوم ان ہوا اور فاطمہ کی نظریں ایک لمحے کو اُس کے چہرے پر رُک گئیں کیا واقعی وہ جھوٹ بول رہا تھا یا یہ سچائی کا ایک نیا چہرہ تھا۔

کلاس کی خاموشی دیواروں سے لگ کر بیٹھ چکی تھی۔ شام کی سنہری دھوپ کھڑکیوں سے چھن کر اندر آرہی تھی اور سفید بورڈ پر ہلکی چمک پیدا کر رہی تھی۔ فردان رجسٹر بند کر کے میز پر رکھا اور ایک گہرا سانس لیتے ہوئے روما کی طرف دیکھا جو اپنا بیگ ترتیب دے رہی تھی۔

"جی تو مس روما آپ کو سوال سمجھ آگئے ہوں گے"

فردان نے دھیرے سے کہا۔

روما نے سر اٹھا کر مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"جی سر تھینک یو آپ نے جو ایکسٹرا کلاسز دیں وہ واقعی بہت ہیلپ فل تھیں"

کچھ لمحے دونوں کے درمیان خاموشی نے قدم رکھا۔

فردان نے ہلکا سا گلا کھنکارا جیسے کوئی مشکل بات کرنے سے پہلے کوئی حوصلہ جمع کرتا ہے۔

"مس روما مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے میری نیت صاف ہے بس دل کی بات ہے"

روما نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"جی سر کہیے"

"آپ کسی سے محبت کرتی ہیں"

یہ سوال جیسے اُس کے اندر بہت دنوں سے قید تھا اب الفاظ کی شکل میں باہر آگیا۔

روما کے چہرے پر لمحے بھر کو ایک پرچھائیں سی چھا گئی۔

موسیٰ کی دھندلی سی شبیہ اُس کے ذہن میں ابھری مگر وہ بس ایک تکلیف دہ سیراب تھا، کوئی حقیقت نہیں۔

"جی کرتی تھی"

"تھی مطلب اب نہیں"

فردان کی آواز تھوڑی مدھم ہو گئی۔

"نہیں"

روما نے مختصر جواب دے کر اپنی نظریں پھیر لیں اور اُٹھنے لگی۔

"ٹھیک ہے مس روما آپ جا سکتی ہے اگر کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لیجئے گا" فردان نے نرمی سے کہا۔

"اوکے سر اللہ حافظ" روما الوداعی کلمات کہہ کر آفس سے باہر چلے گئی۔

فاطمہ نے مسکرا کر آخری سوال مکمل کیا اور شہسوار کی طرف مائیک بڑھایا۔

"آپ کے ان تمام جوابات کے لیے شکریہ شہسوار ملک صاحب ناظرین کو یقیناً آپ کی گفتگو سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا ہو گا"

شہسوار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا"آپ کا شکریہ فاطمہ صاحبہ "

فاطمہ کی نگاہ کیمرے کی طرف گئی اُس نے اعتماد بھرے لہجے میں کہا۔

"تو ناظرین آج کا پروگرام بس یہی تک۔ اگلی نشست میں ایک اور معزز مہمان کے ساتھ دوبارہ ملاقات ہو گی۔ تب تک کے لیے اپنی میزبان فاطمہ ابراہیم کو اجازت دیجیے اللہ حافظ "

کیمرہ آف ہوا اسٹوڈیو میں ہلکی سی خاموشی چھا گئی، مگر فاطمہ کے چہرے پر وہی پروفیشنل مسکراہٹ قائم رہی۔ پروگرام ختم ہو چکا تھا مگر شاید سوالات کا سلسلہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔

سٹوڈیو کی روشنیاں مدھم ہونے لگیں۔

کیمرے ایک ایک کر کے بند ہو چکے تھے عملہ سامان سمیٹ رہا تھا۔

مگر شہسوار اب بھی اپنی کرسی پر ویسے ہی پر سکون انداز میں بیٹھا تھا جیسے وقت تھم گیا ہو جیسے یہ شو اس کے لیے ختم نہیں ہوا۔

"سر چلیں"

اس کا اسسٹنٹ احترام سے جھک کر بولا۔

شہسوار نے ہولے سے گردن گھمائی مگر نظریں فاطمہ کے چہرے سے نہ ہٹیں۔

"تم جاؤ میں آتا ہوں"

لہجہ سادہ تھا، لیکن اس میں ایک عجیب سا اختیار چھپا تھا۔

اسسٹنٹ بنا کچھ کہے پلٹ گیا۔

فاطمہ سامنے میز پر رکھی اپنی فائلیں ترتیب دے رہی تھی۔ تبھی اُس نے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ چونکی نہیں لیکن اُس کے ہاتھ لمحہ بھر کو رک گئے۔

"فاطمہ صاحبہ"

شہسوار کی آواز قریب سے آئی "مجھے اچھا لگا انٹرویو دے کر"

فاطمہ نے پلکیں جھپکیں مگر جلدی خود کو سنبھال لیا۔

"میرے انٹرویوز سب کو اچھے لگتے ہیں سر"

شہسوار کے ہونٹوں پر آہستہ سی مسکراہٹ ابھری۔

"لیکن مجھے انٹرویو سے زیادہ اُس کی ہوسٹ اچھی لگی"

فاطمہ نے بے ساختہ نظریں اُس کی آنکھوں سے ملائیں۔ دونوں کی نظریں ملی اُسی لمحے شہسوار ملک نے فاطمہ ابراہیم کو دل میں اُتار لیا۔

"مطلب"

شہسوار نے اپنی جیب سے چشمہ نکالا پہنا اور ایک لمحے کو رُک کر بولا۔

"جلد سمجھ آ جائے گا ابھی کے لیے اجازت چاہتا ہوں"

وہ پلٹا اور قدموں کی نرم چاپ کے ساتھ سٹوڈیو سے باہر نکل گیا۔

فاطمہ پلکیں جھپکنا بھول گئی۔ اُس کا دل جیسے کسی ان جانے سوال کی گرفت میں تھا۔

وہ اُس مرد کو اب تک نہ سمجھ پائی تھی۔

لیکن اب وہ صرف ایک بات چاہتی تھی۔

یہ جگہ چھوڑ دینا فوراً ابھی وہ گھر جا کر ریسٹ کرنا چاہتی تھی۔

شام کی مدھم روشنی پورے گھر پر اتر چکی تھی۔

دروازے پر بائیک رکنے کی آواز آئی تو رئیسہ جو ٹرے میں چائے رکھے سیام کے کمرے کی طرف جارہی تھی چند قدم رُک گئی۔

دروازہ کھلا اور فردان اندر داخل ہوا۔ اُس کی پیشانی پر دن بھر کی تھکن جھلک رہی تھی مگر لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"السلام علیکم بھابھی"

فردان نے رئیسہ کو دیکھا اور ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام" رئیسہ نے ٹرے کو دونوں ہاتھوں سے تھامے جواب دیا۔

"آج کچھ زیادہ دیر نہیں ہوگئی تمہیں"

فردان جوتے اتار کر صوفے پر بیٹھ گیا "جی بس تھوڑی دیر ہوگئی امی کہاں ہیں"

ابھی اس کے سوال کا جواب آتا کہ حفصہ بیگم کچن سے نکلتی ہوئی بولیں۔

"یہاں ہوں میں تم آج اتنی دیر کیوں لگائی"

"امی چھوڑیں یہ لیکچر مجھے ابھی چپکلی کے گھر جانا ہے کافی دن ہو گئے اُس سے ملے ہوئے"

فردان نے شرارت سے ماں کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"چپکلی" رئیسہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں سکیڑیں۔

فردان ہنسا۔

"ارے بھابھی فاطمہ کی بات کر رہا ہوں"

رئیسہ کے چہرے پر کچھ لمحے کو سنجیدگی چھا گئی پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

"آنٹی اگر آپ کو بُرا نہ لگے تو کیا میں بھی فاطمہ سے ملنے چلی جاؤں ایک بار ملنا چاہتی ہوں اُس سے"

حفصہ بیگم نے رئیسہ کی طرف دیکھا، چہرے پر نرمی لاتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹا کیوں نہیں فردان جارہا ہے اُس کے ساتھ چلی جاؤاور یہ چائے مجھے دے دو میں سیام کو دے دوں گی"

رئیسہ نے خاموشی سے چائے تھمائی۔

"جلدی آجائیے گا بھابھی میں بائیک پر ویٹ کررہا ہوں"

فردان آواز دیتا ہوا باہر کی طرف بڑھ گیا۔

"اللہ حافظ آنٹی"

رئیسہ نے دوپٹہ سنبھالا نظریں جھکائیں اور دروازے کی طرف چل دی۔

ادھر سیام کے کمرے کا دروازہ دھیرے سے کھلا۔

وہ بیڈ پر نیم دراز تھا آنکھیں بند تھیں جیسے سوچوں میں ڈوبا ہو۔

"سیام تمہاری چائے"

حفصہ بیگم نے چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور آہستگی سے آواز دی۔

سیام چونک کر اٹھ بیٹھا۔

"امی آپ کیوں لے کر آئیں میں نے رئیسہ سے کہا تھا لانے کو"

"بیٹا رئیسہ فاطمہ کے گھر گئی ہے فردان کے ساتھ اسی لیے میں لے آئی"

حفصہ بیگم نے نرمی سے سمجھایا۔

سیام کا رنگ بدل گیا ماتھے پر بل پڑے۔

"وہ وہاں کیوں گئی اور کس سے پوچھ کر"

"کیا ہو گیا ہے سیام وہ مجھ سے پوچھ کر گئی ہے۔ اور دیکھو اگر وہ واپس آئے تو اُس پر چِلانا مت"

حفصہ بیگم کا لہجہ قدرے سخت تھا۔

"امی پلیز آپ اور ابو میرے اور رئیسہ کے درمیان مت بولیں آپ نہیں جانتیں وہ کیسی ہے اُس کے چہرے پر جو ہے وہ دل میں نہیں" سیام نے چائے کو نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"بس کرو اب غصہ تھوک دو چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔ میں تمہارے ابو کو بھی چائے دے آؤں"

حفصہ بیگم ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔

پیچھے سیام کا چہرہ غصے سے تپ رہا تھا۔

دل تو چاہ رہا تھا ابھی کچھ کر ڈالے۔

مگر ہاتھ صرف مٹھی میں بند ہو کر رہ گئے۔

فاطمہ ابھی دروازے سے اندر داخل ہی ہوئی تھی کہ اُسے دروازے پر فردان اور رئیسہ آتے دکھائی دیے۔

"ارے واہ آج تو بڑے خاص لوگ آئے ہیں ہمارے گھر"

فاطمہ نے شرارتی انداز میں رئیسہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس سوچا چپکلی کی خیر خبر لے لی جائے اسی لیے بھابھی کو بھی ساتھ لے آیا"

فردان صوفے پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"چچی اور اماں بی کہاں ہیں" رئیسہ نے ارد گرد نظریں دوڑائیں۔

"وہ ساتھ والی آنٹی کے گھر گئی ہیں تم دونوں بیٹھو میں چائے بنا کر لاتی ہوں"

فاطمہ ابھی مڑنے ہی لگی تھی کہ رئیسہ نے نرمی سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ارے نہیں رہنے دو بیٹھو نا ہمارے ساتھ"

"ہاں چپکلی مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے ابھی" فردان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

فاطمہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئ "بولو کیا بات ہے"

"یاد ہے میں نے بتایا تھا کہ ایک لڑکی کو پسند کرتا ہوں اب مسئلہ یہ ہے کہ اُسے یہ بات کیسے بتاؤں" فردان نے اپنا مسئلہ پیش کیا۔

"تو صاف صاف کہو کہ تم اُس سے شادی کرنا چاہتے ہو" رئیسہ نے فوراً مشورہ دیا۔

"بھابھی یہ سب اتنا آسان نہیں ہے" فردان نے بے بسی سے سر جھٹکا۔

"بس تم اسے یوں کہو محترمہ آپ کی پہلی جھلک میں ہی میرا دل بے قابو ہو گیا آپ کے بغیر زندہ رہنا اب ناممکن سا لگتا ہے۔ میری عاجزانہ گزارش ہے کہ آپ

میری زندگی کی ہمسفر بن جائیں" فاطمہ نے اداکارانہ انداز اپناتے ہوئے ڈرامائی لہجے میں کہا۔

"اور وہ آگے سے کہے گی 'میری عاجزانہ گزارش ہے کہ آپ فوراً غائب ہو جائیں "فردان نے جلی ہوئی آواز میں کہا جس پر تینوں ہنسنے لگے۔

"تم بس سادگی سے کہہ دو کہ تم اُسے پسند کرتے ہو اور چاہتے ہو تمہارے کہ والدین اُس کے گھر رشتہ لے کر جائے" رئیسہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے اب تو فیصلہ کر لیا ہے چاہے جو بھی ہو میں اُسے شادی کے لیے صاف صاف کہہ دوں گا میرے سے نہیں ہوتا اب صبر "فردان نے پُر عزم لہجے میں کہا۔

"یہ ہوئی ناچیتوں والی بات اب اسی خوشی میں ہمارے لیے چائے بنا دو" فاطمہ نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔

"چلو اب جب تم اتنی اسسٹ کر رہی ہو تو بنا ہی دیتا ہوں" فردان مغرور انداز میں بولا۔

"تھینک یو فردان" فاطمہ نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور فردان ہنستے ہوئے کچن کی طرف چلا گیا۔

رئیسہ نے لمحہ بھر فاطمہ کو دیکھا، پھر نرمی سے پکارا

"فاطمہ"

"ہمم بولو" فاطمہ نے سکون سے جواب دیا۔

"آئی ایم سوری" رئیسہ نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

فاطمہ نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"رئیسہ جو کچھ ہوا اُس کو یہیں دفن کر دو میں خود بھی سب کچھ بھول جانا چاہتی ہوں بار بار معافی مانگ کر میرے لیے تکلیف دہ مت بناؤ پلیز "

"لیکن سچ کہوں سیام تمہیں ہی ڈیزرو کرتا تھا مجھے وہ سب کچھ نہیں کرنا چاہیے تھا" رئیسہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

فاطمہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

" جانتی ہو مجھے سب سے زیادہ بھروسہ سیام پر ہی تھا وہ جیسا بھی ہے دل کا بہت صاف ہے چاہے محبت کرے یا نفرت خالص کرتا ہے اور مجھے یہی چیز اُس کی سب سے زیادہ پسند ہے "

رئیسہ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں "سچ کہتی ہو فاطمہ اور میرے نصیب میں اُس کی خالص نفرت آئی ہے "

"آج اگر نفرت ہے تو کل محبت بھی ہو سکتی ہے بس جیسا سیام پسند کرتا ہے ویسی بن جاؤ۔ گھریلو باتیں سادگی اُس کو پسند ہے اُس کے لیے کچھ پکاؤ اُس کے دل کا راستہ وہیں سے نکلتا ہے جب وہ آفس سے آئے تیار ہو کر اُسکا انتظار کرو دیکھنا پھر ہمارا لڑکا تمہارا دیوانہ ہو جائے گا"

رئیسہ ہلکا سا مسکرا دی۔

"کوشش کروں گی لیکن ایک بات پوچھنی تھی"

"ہاں پوچھو" فاطمہ نے لاپرواہی سے کہا۔

"موسیٰ سے بات ہوئی تمہاری"

رئیسہ کے سوال نے فاطمہ کے چہرے سے رنگ چھین لیے۔

"تم موسیٰ کو کیسے جانتی ہو" فاطمہ کے الفاظ مشکل سے نکلے۔

"وہ میرا کزن ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اُس نے تم سے نکاح کیا ہے"

رئیسہ نے سنجیدگی سے کہا۔ اتنے میں کچن سے لوٹتے فردان نے یہ بات سن لی۔

"ایک منٹ بھابھی آپ نے کیا کہا وہ موسیٰ جو سیاسی رہنما ہے اُس نے فاطمہ سے نکاح کیا ہے"

فردان کے قدم رُک گئے چہرے پر بے یقینی چھا گئی۔

"فردان آہستہ بولو"

فاطمہ فوراً اُس کے پاس پہنچی "بیٹھو میں سب بتاتی ہوں"

"مجھے سچ سننا ہے ابھی"

فردان نے چائے کی ٹرے زور سے ٹیبل پر رکھ دی۔

"یار بس سنو وہ انٹرویو تھا اُس میں میں نے اُس کی بے عزتی کر دی اُس نے بدلہ لیا نکاح کیا زبردستی اب میں خلع لوں گی بس"

"اتنی بڑی بات اور تم نے ہمیں کچھ نہیں بتایا"

فردان کا غصہ عروج پر تھا۔

"اور بھابھی آپ کو معلوم تھا پھر بھی آپ نے کچھ نہیں کہا میں چھوڑوگا نہیں اُس موسیٰ کو سمجھتا کیا ہے خود کو"

"بس کرو فردان" فاطمہ نے اُس کا ہاتھ تھام کر اپنے سر پر رکھا" تمہیں قسم ہے اگر کسی کو بتایا ساری زندگی تم سے بات نہیں کروں گی"

"موسیٰ کو میں جانتی ہوں وہ کھیل سوچ سمجھ کر کھیلتا ہے۔ تم ابھی کچھ مت کرو پلیز۔" رئیسہ نے بھی اُسے سمجھایا۔

"میں جارہا ہوں بھابھی آپ باہر آجائیں"

فردان غصے میں باہر نکل گیا۔

"میں اُسے سمجھاؤں گی تم فکر مت کرو اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ"

رئیسہ بھی اُس کے پیچھے نکل گئی۔

دروازہ بند ہوتے ہی فاطمہ خاموشی سے وہیں بیٹھ گئی۔

اب ایک اور طوفان سر پر کھڑا تھا فردان کو کیسے سنبھالا جائے۔

۔۔۔۔

فردان اور رئیسہ جب گھر لوٹے تو رات کے آٹھ بج چکے تھے فردان کا چہرہ سپاٹ تھا آنکھوں میں تھکن اور اندر کہیں غصے کی دھیمی آگ سلگ رہی تھی۔ وہ بنا کسی سے کچھ کہے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

"فردان ایک منٹ میری بات سنو" رئیسہ نے پیچھے سے پکارا۔

مگر فردان رُکنے کے بجائے بے نیازی سے کہہ گیا "بھابھی پلیز مجھے اس وقت کسی سے بات نہیں کرنی"

رئیسہ نے گہرا سانس لیا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھی ہی تھی کہ سامنے سے امروز صاحب آتے دکھائی دیے۔ چہرے پر نرمی آنکھوں میں مروت کا عکس تھا۔

"السلام علیکم انکل" رئیسہ مؤدب انداز میں بولی۔

"وعلیکم اسلام بیٹا تمہاری آنٹی کہاں ہیں" امروز صاحب نے شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"اپنے کمرے میں ہیں"

"اچھا میں دیکھتا ہوں تم بھی آرام کرو"

رئیسہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتی کمرے تک پہنچی۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ مدھم روشنی میں سیام بیڈ پر لیٹا تھا بازو آنکھوں پر رکھے۔ وہ جاگ رہا ہے یا سو رہا یہ سمجھنا مشکل تھا۔

ابھی وہ باتھ روم کی طرف مڑنے ہی لگی تھی کہ گرج دار آواز نے اُسے چونکا دیا۔

"کہاں سے آرہی ہو"

سیام اب بیڈ سے اُٹھ چکا تھا آنکھوں میں چنگاریاں۔

"فاطمہ کے گھر گئی تھی" رئیسہ نے نرمی سے جواب دیا۔

"کس سے اجازت لے کر" سیام اُس کے قریب آیا۔

"آنٹی سے پوچھ کر"

"میرے سے پوچھا تم نے" سیام دھاڑا۔ اُس کی آواز میں وہی دراڑ تھی جو رئیسہ کو اندر تک لرزا گئی۔

"سیام میں نے" رئیسہ کچھ کہنے لگی لیکن سیام نے ایک بار پھر اُسے کاٹ دیا۔

"چُپ شرم نام کی کوئی چیز ہے تم میں یا وہ بھی بیچ کھا گئیں"

"میں صرف فاطمہ کے گھر گئی تھی فردان کے ساتھ" رئیسہ کی آواز دب گئی۔ وہ جانتی تھی کہ چیخنے کی اجازت نہیں پچھلی بار جب زبان اُٹھائی تھی تو ہاتھوں کے نشان کئی دن گالوں پر رہے تھے۔

"میرے بھائی کے ساتھ یعنی اب تم اُسی کے پیچھے ہو" سیام غصے میں اُس کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے چلایا۔ "اتنی گری ہوئی ہو تم کچھ تو خدا کا خوف کر لو"

رئیسہ نے نم آنکھوں سے اُس شخص کو دیکھا آج اُسکو احساس ہو رہا الزام لگانا آسان ہے سہنا مشکل۔ وہ اُسے دنیا کی سب سے گھٹیا عورت سمجھ رہا تھا۔

"وہ میرے لیے بھائی جیسا ہے" رئیسہ کی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

"مجھے مت بتاؤ تم کون ہو اور تمہارے لیے کون کیسا ہے میں نے تمہیں اپنے سامنے ہی فرہاد کے ساتھ بانہیں پھیلائے دیکھا ہے میں برداشت کر رہا ہوں تمہیں صرف اپنے ظرف کی وجہ سے"

"تو نکال دیتے نا اُس دن کیوں لینے آ گئے تھے مجھے سڑک پر ہی رہنے دیتے"

رئیسہ کی ہمت جواب دے چکی تھی۔

"اپنے باپ سے پوچھتی تم اُسی کا فون آیا تھا کہ تمہیں کہہ دو کہ اب دوبارہ اُس کے گھر مت جانا تمہارے اپنے ماں باپ نے تمہیں نہیں رکھا جانتے ہو گے تمہارے کالے کرتوت"

یہ سن کر رئیسہ کے وجود میں لرزہ سا دوڑ گیا۔ وہ ٹوٹ گئی۔

"تو یہ سلوک کرو گے جب دل چاہا تذلیل جب دل چاہا الزام" سیام نے اُسکو بیڈ پر پھینکا۔

"ہاں اور سن لو آئندہ میری اجازت کے بغیر ایک قدم بھی باہر رکھا تو ٹانگیں توڑ دوں گا"

یہ کہہ کر سیام دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

دروازے کے سامنے حفصہ بیگم کھڑی تھیں۔ اُن کی آنکھوں میں دکھ اور صدمہ دونوں تھے۔ سیام کا چہرہ دیکھ کر وہ سب کچھ سمجھ چکی تھیں۔ سیام بنا کچھ کہے گھر سے نکل گیا۔

حفصہ بیگم دوڑتی ہوئی رئیسہ کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ رئیسہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی تھی سسکیوں کی آواز کمرے کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔

"رئیسہ" حفصہ بیگم لپک کر اُس کے قریب آئیں۔

"جی آنٹی" رئیسہ نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

"چُپ کر میری بچی کیا حال بنا لیا اپنا"

"میں بس فاطمہ کے گھر گئی تھی اور وہ بھی فردان کے ساتھ کوئی غلط ارادہ نہیں تھا یقین کریں" رئیسہ اُن کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"مجھے تم پر یقین ہے بیٹا تم چُپ ہو جاؤ۔ آنے دو سیام کے ابو کو وہی اُس کی کلاس لیں گے سیام ویسے بھی وہ غصے کا تیز ہے لیکن آج کل زیادہ غصہ کر رہا ہے"

"غصے میں سچ ہی نکلتا ہے آنٹی اور شاید وہی میری حقیقت ہے جو میں خود نہیں سہہ پاتی"

"نہیں بیٹا یہ سب وقتی باتیں ہیں تم اللہ سے دعا کرو وہ سب بہتر کرے گا سیام کا دل بدل دے گا"

"میں میں دعا کیسے مانگوں مجھے تو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی" رئیسہ کا دل ندامت سے بوجھل ہو چکا تھا۔

"تو میں سکھاؤں گی آؤ وضو کرنا سیکھو پھر نماز پڑھیں گے"

حفصہ بیگم نے اُسے ماں کی طرح تھاما جیسے وہ چھوٹی سی بچی ہو۔ اُن کے ہاتھوں میں شفقت تھی اور دل میں رحم۔

فاطمہ بستر پر لیٹی نیند کی منتظر تھی مگر آنکھوں میں بے چینی کا طوفان اُمڈ رہا تھا۔ شہسوار اور موسیٰ کی گفتگو انٹرویو کی گونج اور اس کے بعد اُٹھنے والے طوفان نے اُس کے دماغ کو ایک گرداب میں جھونک دیا تھا۔

ابھی وہ انہی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی کہ کھڑکی کے قریب کچھ آہٹ سنائی دی۔ دل دھڑکا۔ وہ جلدی سے چپل پہن کر کھڑکی کی جانب بڑھی۔ جیسے ہی پٹ کھولا موسیٰ پائپ سے چڑھتا ہوا اندر چھلانگ لگا چکا تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں" فاطمہ کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

"بیوی کے پاس آیا ہوں۔ اب شادی شدہ مرد بیوی کے پاس ہی آئے گا" موسیٰ ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولا جن پر مٹی لگی تھی۔

"پاگل ہو گئے ہیں آپ فوراً واپس جائیں اگر کسی نے دیکھ لیا تو"

"ارے پہلے شکریہ تو کرنے دو مجھے" وہ جوتے اتار کر بیڈ پر ایسے لیٹ گیا جیسے اپنے کمرے میں آیا ہو۔

"شکریہ کس بات کا شکریہ" فاطمہ بھنّا کر بولی۔

"کھڑکی کھولنے کا لوگوں کی بیویاں دروازے کھولتی ہیں میری بیوی نے کھڑکی کھولی"

"اگر یہ مذاق تھا تو بہت ہی چیپ تھا" فاطمہ تپ کر بولی۔

"ویسے آج کا انٹرویو شاندار تھا شہسوار کی شکل دیکھنے لائق تھی"

"اور آپ کی حرکتیں بھی شاندار رہے میرے بستر پر کیوں لیٹے ہیں اُٹھیں فوراً"

"آہستہ بولو کیوں سب کو بتانا چاہ رہی ہو کہ داماد آیا ہے" فاطمہ کا چہرہ غصے سے لال ہو چکا تھا مگر زبان بند کسی کو بُلا بھی نہیں سکتی تھی۔

"اتنا بڑا بیڈ ہے تھوڑا سا حصہ مجھے دے دو باقی تمہارا" موسیٰ نے جیسے سمجھوتہ پیش کیا ہو۔

"میں کیوں لیٹوں آپ کے ساتھ"

"گندی بات مت سوچو فاصلے پر لیٹ جانا میں تو نیند میں بھی اپنی جگہ نہیں بدلتا"

وہ شرارت سے مسکرایا۔

"آپ کو خوش فہمی ہو گئی ہے کہ میں آپ کو یہاں سونے دوں گی" فاطمہ کمبل کھینچ گئی اُسکے اوپر سے۔

"کوئی مسئلہ نہیں بغیر کمبل کے سو جاؤں گا"

"حد ہے اللہ اٹھا لے ایسے ڈھیٹ انسان کو"

فاطمہ دل میں بڑ بڑاتے ہوئے اپنی سائیڈ پر لیٹ گئی۔ درمیان میں ایک موٹا سا تکیہ رکھنا نہ بھولی۔

"واہ ہنی بی کیا دیوار کھڑی کی ہے میں تو اِس پار آ ہی نہیں سکتا" موسیٰ اُس کے چہرے کے قریب آتے ہوئے بولا۔

"اگر سونا ہے تو سو جائیں ورنہ کھڑکی وہی ہے واپس جا سکتے ہیں" فاطمہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"او کے گڈ نائٹ ہنی بی" موسیٰ نے غیر متوقع طور پر اُس کا ماتھا چوم لیا۔

فاطمہ حیرت میں گم رہ گئی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد موسیٰ نے چپکے سے اُس کا ہاتھ تھاما اور اپنے سینے پر رکھ لیا۔

فاطمہ کو اُس کے دل کی دھڑکن اپنی ہتھیلی پر محسوس ہوئی۔

"یہ کیا حرکت ہے ہاتھ چھوڑیں میرا"

"کمبل نہیں دیا تو ہاتھ ہی دے دو ہنی بی"

اُس نے ایسی معصومیت سے کہا کہ فاطمہ انکار نہ کر سکی۔

"مجھے گھورنا بند کرو گی فاطمہ" موسیٰ کب سے اُسکی نظرین اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا۔

"آپ آپ جاگ رہے ہیں"

اُس نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں سویا ہی کب تھا" موسیٰ نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

"لیکن آپ نے آنکھیں بند رکھی تھیں"

"میری بند آنکھیں بھی اب فاطمہ ابراہیم کو دیکھنے کی تمنا کرنے لگی ہے"

وہ اب آنکھیں کھول کر مسکرا رہا تھا۔ اُس کی نظریں فاطمہ پر ٹک گئی تھیں۔

فاطمہ کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

"اب ٹماٹر مت بن جانا"

موسیٰ اُس کے گال نرمی سے کھینچتے ہوئے بولا۔

"چپ کریں اور سو جائیں" فاطمہ کہہ کر کمبل میں منہ چھپا کر لیٹ گئی مگر اُس کا ہاتھ اب بھی موسیٰ کی گرفت میں تھا—اور دل بے اختیار دھڑکنے لگا تھا۔

کمرے کی فضا پر سکوت طاری تھا صرف وال کلاک کی ٹِک ٹِک اور رئیسہ کی دبی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ جائے نماز پر بیٹھی تھی حجاب میں لپٹا ہوا معصوم چہرہ آنسوؤں سے تر۔ اس کا دل جیسے کسی انجانے بوجھ تلے دب چکا تھا۔

حفصہ بیگم نے نرمی سے رئیسہ کے سر پر ہاتھ رکھا اُن کی آواز میں وہی ماں والی مٹھاس تھی۔

"بیٹا یہ جو ہم نے نماز پڑھی ہے نا یہ عشاء کی نماز ہے جو ہم رات میں پڑھتے ہیں یہ نماز ہمیں شیطانی وسوسوں اور برے خیالات سے بچاتی ہے"

رئیسہ نے نم آنکھوں سے ماں کی بات سنی جیسے ہر لفظ اُس کے دل کے اندر اتر رہا ہو۔

"چلو بیٹا اب دعا مانگو"

حفصہ بیگم نے پیار سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"کیا مانگوں" رئیسہ کی آواز ٹوٹ رہی تھی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"جو مانگوں گی کیا وہ سب مجھے مل جائے گا"

حفصہ بیگم نے ایک گہرا سانس لیا اور دھیرے سے بولیں۔

"سب سے پہلے اُن گناہوں کی معافی مانگو جو انجانے میں تم سے سرزد ہوئے پھر سیام کے ساتھ اپنے رشتے کی دعا کرو جو تمہارے حق میں بہتر ہو گا اللہ وہی کرے گا"

رئیسہ نے ہاتھ اٹھا دیے۔ آنکھیں بند کیں۔ آنسو اب رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"یا اللہ مجھے معاف کر دے" وہ کہہ کر زار و قطار رونے لگی، جیسے دل کا بوجھ آنکھوں کے راستے بہہ رہا ہو۔

اتنے میں دروازہ کھلا۔ سیام اندر داخل ہوا۔ رئیسہ کو جائے نماز پر دیکھ کر طنزیہ مسکراہٹ اُس کے چہرے پر پھیل گئی۔

"نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی" اُس کے الفاظ تیر کی طرح رئیسہ کے دل میں پیوست ہو گئے۔

حفصہ بیگم نے فوراً بات سن لی۔ جائے نماز سمیٹ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"سیام چھت پر چلو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"امی صبح کر لیں گے نا بات" سیام نے لاپروائی سے گھڑی اُتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی۔

"اگر ابھی بات کرو گے تو میں کروں گی ورنہ صبح تم سے تمہارے ابو بات کریں گے"

حفصہ بیگم کے لہجے میں سختی تھی اور وہ بنا کچھ سنے باہر نکل گئیں۔

سیام رئیسہ کو غصے سے دیکھتا ہوا بولا۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے اب پھر میری کلاس لگنے والی ہے" وہ پیر پٹختا باہر نکل گیا۔

رئیسہ کی آنکھیں دوبارہ چھلک گئیں۔ وہ جو دوسروں کو آنسوؤں میں دیتی تھی آج خود اپنی قسمت پر اشک بہا رہی تھی۔

چھت پر رات کی خاموشی پھیل چکی تھی۔ ایک طرف چارپائی بچھی تھی جہاں سیام نیم دراز ہو کر آسمان تکتا خود سے الجھا بیٹھا تھا۔ جیسے ہی حفصہ بیگم اوپر آئیں اُن کی نگاہوں میں ناراضی کی بجائے دکھ چھپا ہوا تھا۔

"سیام تمہیں شرم نہیں آتی تم نے کتنی گھٹیا بات کی رئیسہ سے کچھ تو حیا کرو تم وہ نہیں رہے جو کبھی تھے"

حفصہ بیگم کی آواز میں ایک ماں کا صدمہ بول رہا تھا جو اپنے بیٹے کی زبان سے زخم کھا چکی ہو۔

سیام نے چونک کر آنکھیں جھپکائیں پھر آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں تھکن اور بے بسی تھی۔

"امی پلیز جیسا اُس کا ماضی ہے جو میں نے سمجھا وہی کہا"

سیام نے دفاعی انداز میں کہا لیکن آواز میں اندرونی الجھن چھپی تھی۔

حفصہ بیگم نے ایک قدم آگے بڑھایا اُن کی آواز نرم ہوئی لیکن لہجہ اب بھی فیصلہ کن تھا۔

"سیام کسی کا ماضی اُس کی سزا نہیں ہوتا اگر وہ شرمندہ ہے تو تمہاری بھی ذمہ داری ہے کہ معاف کردو"

سیام نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"کوشش کروں گا امی"

حفصہ بیگم کی نگاہ میں مایوسی اتر آئی مگر وہ چپ رہیں۔

پھر اُنہوں نے سوال داغا جو سیدھا سیام کے ضمیر پر لگا۔

"ویسے رئیسہ کے کردار پر تمہیں شک ہے لیکن فردان وہ تو تمہارا سگا بھائی ہے تم نے کیسے سوچ لیا کہ وہ"

دروازے کے قریب فردان چپ چاپ کھڑا تھا وہ اوپر آرہا تھا مگر ماں کی بات سن کر ٹھٹک گیا۔

سیام نظریں چراتے ہوئے بولا۔

"امی مجھے فردان پر پورا بھروسہ ہے لیکن رئیسہ پر نہیں"

اچانک فردان کی آواز چھت کی خاموشی کو چیرتی ہوئی ابھری۔

"ایک منٹ بھائی آپ نے کیا کہا آپ مجھ پر اور رئیسہ بھابھی پر شک کر رہے ہیں"

فردان کے لہجے میں دکھ چھپا تھا جیسے اُسے اپنے سگے بھائی کی سوچ پر یقین نہ آرہا ہو۔

"نہیں میرا مطلب وہ نہیں تھا امی آپ ہی سمجھائیں"

سیام کے لہجے میں اب گھبراہٹ تھی۔

فردان نے تلخی سے کہا۔

"بھائی اگر اُن کا ماضی میں کوئی تعلق تھا بھی تو آپ کو کیوں تکلیف ہو رہی ہے آپ کا ماضی بھی تو فاطمہ کے ساتھ رہا ہے نا"

سیام جھٹکے سے کھڑا ہوا۔

"فردان تم بات کا رخ غلط لے جا رہے ہو"

"نہیں بھائی" فردان کا لہجہ اب واضح اور مضبوط تھا "یہی مسئلہ ہے ہم مردوں کا عورت کے ماضی پر انگلی اٹھاتے ہیں تانے دیتے ہیں یہاں تک کہ مار بھی دیتے ہیں۔ لیکن جب عورت کو شوہر کا ماضی معلوم ہو، تو وہ چپ رہتی ہے کیونکہ اُسے پتہ ہوتا ہے اُسی نے سب کچھ سہنا ہے اور اُسی نے گھر کو چلانا ہے "

خاموشی چھا گئی۔

"بھائی آپ پڑھے لکھے ہے مجھے آپ سے یہ تنگ نظری کی توقع نہیں تھی "

فردان کی آنکھوں میں تلخی تھی لیکن لہجہ سچائی سے لبریز تھا۔ وہ کہہ کر نیچے چلا گیا جیسے دل کا بوجھ اتار دیا ہو۔

حفصہ بیگم نے چند لمحے خاموشی سے اپنے بڑے بیٹے کو دیکھا پھر نرمی سے بولیں۔

"سیام مت بناو اپنی اور اُس کی زندگی کو جہنم۔ وہ اگر گناہ گار تھی تو اب توبہ کر رہی ہے اُس کو کوئلہ مت بناؤ ہیرا بناؤ مجھے یقین ہے میرا بیٹا ایک دن میری بات ضرور سمجھے گا"

یہ کہہ کر وہ نیچے اتر گئیں۔

چھت پر صرف سیام رہ گیا۔ ہلکی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی۔ اُس کی نظریں آسمان پر تھیں لیکن سوچیں رئیسہ کے گرد گھوم رہی تھیں۔

کیا واقعی ایک موقع دینا چاہیے۔

یہ سوال اب اُس کے دل میں گھر کر چکا تھا۔

فجر کی اذانیں دور دور ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ ہلکی نیلی روشنی کھڑکی کے پردے سے چھن کر کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ فاطمہ سونے سے پہلے الارم لگا کر سوئی تھی تاکہ موسیٰ کو جلدی یہاں سے بھیج سکے۔ ابھی الارم بجا ہی تھا کہ فاطمہ ذرا سی کسمسائی۔ نیند کی گہرائی سے آنکھیں کھولنا اُسے مشکل لگ رہا تھا۔ ایک بار پھر الارم کی آواز گونجی تو وہ فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئی لیکن جیسے ہی ٹانگوں پر بوجھ محسوس ہوا اُس کی نظر نیچے گئی تو دیکھا موسیٰ کی ٹانگیں اُس کے پیروں کے اوپر رکھی تھیں۔

"توبہ ہے سونے کا طریقہ بھی نہیں ہے ویسے کہہ رہے تھے کہ اپنی جگہ پر سوتا ہوں"

فاطمہ اُس کی ٹانگیں سائیڈ پر کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔

"موسیٰ اُٹھیں میری آواز آ رہی ہے"

فاطمہ جو اپنی نیند کسی کے لیے خراب نہیں کرتی تھی آج اس شخص کے لیے کر رہی تھی لیکن مجال ہے وہ اٹھ جائے۔

"موسیٰ اگر سونا ہے تو اپنے گھر جا کر سوئیں اُٹھیں فوراً"

فاطمہ اُس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔

"کیا ہے سونے دو"

موسیٰ نے مندھی مندھی آنکھیں کھولیں اور پھر واپس موند لیں۔

"یہی تو کہہ رہی ہوں اپنے گھر جا کر سوئیں"

فاطمہ اب اس کی حرکتوں سے زچ ہو رہی تھی۔

"بیوی کا گھر بھی شوہر کا گھر ہی ہوتا ہے"

موسیٰ اب کی بار دانت پیس کر بولا۔

"وہ کڈنیپ کر کے شادی نہیں کرتے"

فاطمہ اب کی بار تکیہ کھینچ گئی نیچے سے۔

"سب کے سامنے بھی کر لوں ابھی تکیہ دے دو بہت نیند آ رہی ہے"

موسیٰ جمائی لیتے ہوئے بولا۔

"بالکل نہیں اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتی۔ نکلیں یہاں سے فوراً ابھی ماما آنے والی ہیں"

فاطمہ دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے پریشانی سے بولی۔

"چلا جاتا ہوں کیا ہو گیا ہے"

موسیٰ سر جھٹکتے ہوئے بیٹھا۔ سونے تو اس نے دینا نہیں تھا فائدہ۔

"اپنی ساری چیزیں لے کر جایئے گا کمرے سے"

فاطمہ اُس کا وائلٹ اور گھڑی اُسے پکڑاتے ہوئے بولی۔

"تم بھی تو میری ہو کیا خیال ہے تمہیں بھی لے جاؤں"

موسیٰ نے اُس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے قریب کر لیا۔

"میں آپ کی نہیں ہوں اور مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے"

فاطمہ موسیٰ کو دھکا دیتے ہوئے بولی۔

"بولو تمہیں ہی تو سننے کے لیے آیا ہوں"

موسیٰ بیڈ پر بیٹھ کر جوتے پہننے لگا۔

"مجھے طلاق چاہیے اگر نہیں دیں گے تو خلع کا کیس دائر کروں گی"

فاطمہ غصیلے لہجے میں بولی۔

موسیٰ جو شوز پہن رہا تھا فاطمہ کی بات سن کر اُس کے ہاتھ رک گئے۔ ماتھے کی رگیں تن گئیں چہرے پر سختی اُتر آئی۔

"تم ایک کام کرو خلع کا کیس ہی درج کروا لو کیونکہ طلاق تو میں نہیں دینے والا"

موسیٰ کا چہرہ فاطمہ کے گال کی طرف جھکا غصے کی گرمی میں اُس کے الفاظ تپنے لگے۔

"مجھے مجبور مت کریں میں میڈیا کے سامنے سب کچھ ایکسپوز کر دوں گی کہ آپ نے مجھ سے زبردستی شادی کی ہے"

فاطمہ کی آنکھوں میں غصے کی چمک دوڑ گئی۔

"کر دو یار اسی بہانے مجھے چھپ کر نہیں آنا پڑے گا کھڑکی سے کمرے میں آنا بہت مشکل ہے"

موسیٰ اُس کے بالوں سے کیچر نکالتا ہوا بولا۔

"اور ایک بات اپنی عقل میں بٹھا لو طلاق کسی صورت نہیں دوں گا اب تم مسز موسیٰ شیر خان ہو۔ آئی سمجھ نہیں آئی تو سمجھا دوں گا نو پرابلم لیکن طلاق والا کیڑا اپنے دماغ سے نکال دو ہنی بی یو آر مائن اونلی مائن"

وہ فاطمہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دل والے مقام پر رکھتے ہوئے بولا۔

"تمہاری ضد مجھے برباد کر دے گی موسیٰ کیونکہ فاطمہ ابراہیم اتنا تو جانتی ہے کہ تم اُس سے نفرت کر سکتے ہو محبت نہیں"

فاطمہ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"ایک بات کہوں کیا پتا اس بار فاطمہ ابراہیم غلط ثابت ہو جائے"

موسیٰ اُس کے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

"میں غلط ثابت نہیں ہونے والی"

فاطمہ چیلنجنگ انداز میں بولی۔

"وعدہ کرو جس دن تمہیں یقین ہوا کہ تم غلط تھیں اُس دن رخصت ہو کر میرے گھر آؤ گی"

موسیٰ اُس کے آگے اپنی ہتھیلی رکھتا ہوا بولا۔

"مجھے کوئی وعدہ نہیں کرنا جاؤ یہاں سے"

فاطمہ اپنا رخ موڑ گئی۔

"کیوں اب ڈر رہی ہو کہ کہیں غلط ثابت نہ ہو جاؤ"

موسیٰ اُس کے بالوں کی لٹ کو اپنے ناک کے قریب لایا اُس کی خوشبو سانسوں میں گھلنے لگی۔

"ہاں میں ڈرتی ہوں ایک بار دل ٹوٹا ہے دوبارہ افورڈ نہیں کر سکتی"

فاطمہ کی آواز دھیمی ہو گئی سیام کا درد اب بھی اُس کے اندر تازہ تھا۔ آنکھیں آنسو روکنے کی کوشش میں سرخ ہو چکی تھیں۔

"پہلا اور آخری وعدہ موسیٰ شیر خان سب کا دل توڑ سکتا ہے لیکن فاطمہ ابراہیم کا نہیں"

کہتے ساتھ ہی اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"تم بدلہ لے رہے ہو ضرور تم اپنے مفاد کے لیے مجھے یوز کر رہے ہو"

فاطمہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"بدلہ لینا چاہتا تھا لیکن تم سے نہیں لے پا رہا میری منزل آسان کر دو تھام لو میرا ہاتھ"

موسیٰ اُس کے ماتھے سے اپنا ماتھا ٹکائے بولا۔ دونوں کی سانسیں ایک دوسرے کی سانسوں سے الجھنے لگیں۔

"جس دن مجھے یقین ہو گیا کہ تمہارے اس سب کے پیچھے کوئی مفاد نہیں اُس دن میں خود آ جاؤں گی۔ اب جاؤ"

فاطمہ نے اُس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھکیلا اور رخ موڑ لیا۔ اُس میں ہمت نہیں تھی کہ موسیٰ کی آنکھوں کی تپش برداشت کر سکے۔

موسیٰ نے اُس کا چہرہ موڑا ماتھے پر نرمی سے بوسہ دیا اُس کے آنسو صاف کیے اور پھر مڑ گیا۔

"اللہ حافظ"

آخری الفاظ فضا میں تیر گئے اور وہ جہاں سے آیا تھا وہاں سے چلا گیا۔

پیچھے فاطمہ بیڈ کی پائنتی کے ساتھ زمین پر بیٹھ گئی۔ اُس کی کمر دیوار سے لگی تھی اور نگاہیں خلا میں

کیا یہ آزمائش تھی اگر تھی تو وہ اب برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

فجر کی اذان مدھم ہو چکی تھی آسمان پر ہلکی نیلاہٹ پھیل رہی تھی جیسے رات اور دن کے درمیان جنگ آخری مرحلے میں ہو۔ چھت پر ہلکی سی خنکی تھی، جہاں سیام چادر اوڑھے لیٹا تھا۔ اچانک اُس کی آنکھ کھلی تو گھبرا کر اُٹھ بیٹھا جماعت کا

وقت گزر چکا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور ننگے پاؤں سیڑھیاں اُتر کر نیچے اپنے کمرے کی طرف لپکا۔

ابھی دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ اچانک رئیسہ سے ٹکرا گیا جو دبے قدموں وہاں سے گزر رہی تھی۔

"سوری مجھے پتہ نہیں چلا" وہ ہچکچاتی ہوئی پیچھے ہٹی اور جانے لگی مگر سیام نے اُسے روک لیا۔

"بتانا پسند کرو گی یہ شاہی سواری کہاں جا رہی ہے "اُس کی نظریں رئیسہ کے ہاتھ میں تھامی جائے نماز اور اُس کے دوپٹے پر تھیں جو آج حجاب کی صورت اوڑھا گیا تھا۔

رئیسہ نظریں چرا گئی "وہ آنٹی کے پاس جا رہی ہوں"

اُس کی آواز مدھم تھی جیسے کسی چوری کا اعتراف کر رہی ہو۔

سیام دروازہ بند کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولا "وجہ "

" نماز پڑھنے جانا ہے آنکھ دیر سے کھلی لیٹ ہو گئی ہوں " رئیسہ کی آنکھوں میں بے بسی تھی۔

سیام نے اُس کی بات پر ناپسندیدگی سے لب بھینچے "امی نے پڑھ لی ہو گی تم جائے نماز بچاؤ میں وضو کر کے آتا ہوں "

وہ مڑ کر واش روم جانے لگا ہی تھا کہ رئیسہ کی آواز روکتے ہوئے آئی "نہیں میں آنٹی کے ساتھ پڑھوں گی "

وہ اب نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ اصل میں وہ وضو کرنا نہیں جانتی تھی کل بھی حفصہ بیگم نے اُسے وضو کروایا تھا۔

سیام پلٹا "کیوں میں کاٹ رہا ہوں تمہیں "

"مجھے آنٹی کے پاس جانا ہے بس" وہ ضدی انداز میں بولی جیسے خود کو قائل کر رہی ہو۔

سیام چڑ گیا "چھپ کر کے بیٹھو آنٹی کی چمچی"

دروازہ دھکیلتا ہوا اندر چلا گیا۔

تقریباً سات منٹ بعد جب وہ واپس آیا تو رئیسہ وہیں کھڑی تھی۔ اُس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"اب یہاں کیوں کھڑی ہو نماز نہیں پڑھنی"

رئیسہ بمشکل بولی "وہ مجھے وضو کرنا ہے آنٹی کے پاس جانا ہے"

یہ کہتے کہتے اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔ شرمندگی اُس کی آواز میں لرزش بن کر ظاہر ہوئی۔

سیام کا غصہ جیسے پگھلنے لگا۔ "تو پہلے بتا دیتی جب میں کرنے گیا تھا۔ چلو میرے ساتھ آؤ"

وہ اپنے کف جواب تک فولڈ کیے ہوئے تھے کھولنے لگا اور رئیسہ کو واش روم کی طرف لے گیا۔

"توبہ ہے تمہارے ڈراموں سے" وہ بڑبڑایا مگر اُس کی آواز میں اب سختی کی بجائے ہلکی سی نرمی تھی۔

دس منٹ بعد دونوں وضو کر کے باہر آئے۔ چھوٹے سے کمرے میں سیام نے رئیسہ کی جائے نماز سے تھوڑے فاصلے پر اپنی بچھائی۔

فضا میں خشوع و خضوع کی خاموشی تھی۔ سیام آہستہ آواز میں قرأت کر رہا تھا اور رئیسہ اُس کے ساتھ ساتھ دھیرے دھیرے دہرا رہی تھی۔

نماز مکمل ہوتے ہی سیام نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ رئیسہ بس اُسے تکتی رہی۔ اُس کی نگاہیں اُس کے ہاتھوں اُس کے بکھرے ماتھے کے بالوں اور بند آنکھوں پر جمی رہیں ایسے جیسے کوئی ٹوٹ کر دعا مانگ رہا ہو۔ وہ دعا مانگتے ہوئے حسین مرد لگ رہا تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے اگر مرد کا حسن دیکھنا ہے تو اُسکو نماز پڑھتے دیکھو جب وہ اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہو تب دیکھو۔

"اگر میں بھی ایسے مانگوں تو کیا اللہ میری سن لے گا" رئیسہ دل میں سوچ رہی تھی۔

نماز ختم ہو چکی تھی۔ سیام نے آنکھیں کھول کر رئیسہ کی طرف دیکھا جو یک ٹک اُسے دیکھ رہی تھی۔

وہ آنکھوں سے سوال کر رہا تھا "کیا ہے؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو"

مگر رئیسہ کی نظروں میں ایک عجیب سی پکار تھی۔ جیسے کوئی پیاسا کنویں کو دیکھے جیسے کوئی بچھڑا ہوا عاشق محبوب کو۔

"ناسمجھ ہے وہ میری بات نہیں سمجھے گا

میری جگہ نہیں ہے میرے حالات نہیں سمجھے گا"

وہ دل ہی دل میں بول رہی تھی۔

سیام اب اُسے دیکھے جارہا تھا۔ اُس کی نگاہوں میں آج کچھ اور تھا کچھ ایسا جسے وہ خود بھی سمجھ نہ پایا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو مجھے" وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔

رئیسہ نے ہمت کر کے اُس کے برابر بیٹھ گئی۔ "مجھے کچھ کہنا ہے"

"بولو" سیام نے اُسے دیکھا ایک لمحے کو۔

"معافی نہیں مل سکتی" رئیسہ نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

سیام کے دل کی دھڑکن جیسے لمحہ بھر کو رُک گئی۔

"خدا سے مانگو خدا معاف کر دیتا ہے" اُس نے ہاتھ نہیں چھڑایا۔

"مجھے بھی کر دے گا" رئیسہ کی آواز میں آنسو لرزنے لگے۔

"ہاں خدا سب کو معاف کر دیتا ہے تمہیں بھی" وہ نظریں چراتا بولا۔

رئیسہ نے اُس کی طرف رُخ کیا اُس کا چہرہ تھام گئی "تو جب اللہ کر دیتا ہے تو آپ بھی کر دیں"

سیام خاموش رہا چند لمحوں بعد دھیرے سے بولا۔ "میں کوشش کروں گا"

"میں انتظار کروں گی" رئیسہ نے اُس کے ہاتھ پر نرمی سے بوسہ دیا۔

وہ اب رئیسہ بدر خان نہیں صرف رئیسہ سیام میر امروز بننا چاہتی تھی۔

خاموشی میں سورج کی پہلی کرن نے جھانکا۔ "مجھے جاب پر جانا ہے آج پہلا دن ہے تو"

وہ جملہ ادھورا چھوڑ گیا۔ رئیسہ سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ وہ دھیرے سے اُس کا ہاتھ چھوڑ کر جائے نماز سمیٹنے لگی۔

سیام نے بھی جائے نماز اُٹھایا اور ہلکے قدموں سے باہر نکل گیا۔

دن نکل آیا تھا مگر اُن کی زندگی کا ایک نیا باب ابھی طلوع ہوا تھا۔

باب چہارم: لبِ دریا، دل کا سفر

(محبت شروع ہو رہی ہے مگر بہاؤ نازک ہے جیسے دریا کے کنارے پر کھڑے ہوں)

~ہم سے پوچھو کہ محبت میں خسارہ کیا ہے

جان لے کر بھی کوئی پوچھے کہ ہارا کیا ہے

ایک عمر کاٹی جن کی وفاداری میں

وہ کہتے ہے تم تو پاگل ہوں تمہارا کیا ہے

جم میں روشنی نیم مدھم تھی دیواروں پر لگے آئینوں میں شہسوار کی پرکشش اور توانا شخصیت کا عکس بار بار جھلک رہا تھا۔ وہ ٹریڈمل پر دوڑ رہا تھا بدن پسینے سے تر سانسیں قدرے تیز اور نگاہیں کہیں دور خلا میں۔ بلیک ٹریک سوٹ اُس کی شخصیت کو مزید پُراثر بنا رہا تھا۔

پیچھے جمال خاموش کھڑا تھا جیسے کوئی راز جاننے کے انتظار میں ہو۔

"سر آپ نے ابھی تک اُس رپورٹر کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا"

جمال کی آواز میں وہی پرانی سختی تھی جو اکثر اُس کی وفاداری سے جڑی ہوتی تھی۔

"آپ ٹرول ہو رہے ہیں پہلے تو آپ نے کبھی برداشت نہیں کیا"

شہسوار کے قدم جیسے دھیمے ہو گئے۔ وہ مشین کی رفتار کم کر رہا تھا جیسے ذہن بھی کسی یاد میں دھیرے دھیرے داخل ہو رہا ہو۔

"لے تو لیا دل نے ایکشن جمال اور کیسے لوں"

وہ بال جھٹکتے ہوئے ہنسا مگر وہ ہنسی تھکی ہوئی سی تھی جیسے وہ خود حیران ہوا اپنے حال پر۔

جمال نے ٹاول آگے بڑھایا" سر مجھے لگتا ہے آپ کو وہ اچھی لگنے لگی ہے"

شہسوار نے ٹاول تھاما آنکھیں بند کیں اور آہستہ سے بولا۔

"اچھی لگنا تو بہت دور کی بات ہے وہ تو اب میری لگنے لگی ہے"

اُس کی بند آنکھوں کے پیچھے فاطمہ کا چہرہ ابھرا وہ لمحہ جب وہ سوال پر سوال کیے جا رہی تھی بے خوف تیز مگر سچ کے لیے تڑپتی ہوئی۔

جمال پہلی بار اُس سے محبت پر بات کر رہا تھا" سر محبتیں تخت کھا جاتی ہیں"

شہسوار کی آواز میں اب گہرائی آ چکی تھی جیسے کوئی شخص اپنے اندر بول رہا ہو۔

"نہیں جمال محبتیں تخت چھین لیتی ہیں اور بخت روند دیتی ہیں"

ایک لمحے کو جمال خاموش ہوا پھر دھیرے سے بولا "آپ سب داؤ پر لگا دیں گے"

شہسوار کی پلکیں لرزیں مگر آنکھیں بند ہی رہیں۔

"اُس کے لیے سب کچھ داؤ پر لگایا جا سکتا ہے"

اب جمال کا سوال ذاتی ہوتا جا رہا تھا وہ انٹرویو کی ملاقات کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"دو گھنٹے کی ملاقات میں محبت ہو جاتی ہے کیا"

شہسوار کی سانس گہری ہوئی جیسے کسی پرانی چوٹ نے پھر سر اٹھایا ہو۔

"محبت دو گھنٹوں میں نہیں ہوتی لیکن کبھی کسی کا خیال دو منٹ میں بھی زندگی کا روگ بن جاتا ہے"

وہ پہلی بار الجھا ہوا لگا مضبوط مگر اندر سے بکھرا ہوا۔

جمال نے جیسے اُسے یاد دلایا "سر آج آپ کی میٹنگ ہے"

شہسوار آنکھیں کھول گیا۔

"میٹنگ کے بعد مس فاطمہ کے چینل جانا ہے"

اُس نے چہرہ ٹاول سے پونچھا آنکھوں کے نیچے ہلکی سی سرخی تھی تھکن کی نہیں دل کی بے چینی کی۔

"اوکے سر" جمال ادب سے بولا اور چلا گیا۔

شہسوار مگر وہیں کھڑا رہا جیسے جسم واپس آیا ہو مگر دل اب بھی کہیں اور تھا۔

وہ خود سے پوچھ رہا تھا آخر وہ کیوں؟

وہ تو سینکڑوں چہروں سے ملا تھا سینکڑوں نظریں اُس پر جھکی تھیں۔

پھر یہی چہرہ کیوں دل کی دیوار پر نقش ہو گیا؟

اور نقش بھی ایسا جو مٹایا نہیں جا سکتا صرف مانا جا سکتا ہے

صبح کی خنک ہوا حویلی کے لمبے درودیواروں سے ٹکرا رہی تھی پرندے اُڑتے ہوئے صحن میں چہچہا رہے تھے۔ کچن سے تازہ پراٹھوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ روما نے جلدی سے بیگ اُٹھایا جلد بازی اُس کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔

"ماں مجھے دیر ہو جائے گی کالج سے ڈرائیور کو پہلے بھیج دینا تاکہ وہ مرحا کو لے جائے" روما جلدی جلدی اپنی ماں کو اطلاع دیتی دروازے کی طرف بڑھی۔

"رُکو روما"

یحیٰ صاحب کی گہری آواز نے قدم روک دیے۔

"جی بابا" وہ مڑی آواز میں ادب تھا۔

"آج سے تم لوگ اسماعیل کے ساتھ جاؤ گے اور اُسی کے ساتھ واپس آؤ گے سیکیورٹی گارڈز بھی ساتھ جائیں گے"

یحیٰ صاحب نے بات مکمل کی اور ناشتہ دوبارہ شروع کر دیا۔

"اوکے بابا"

روما کو پتہ تھا یہاں بات ماننا ہی حکم کی تعمیل ہے۔

"مرحا تم بھی جاؤ" ماں کی نرمی سے کہی بات پر مرحا نے بیگ اُٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

باہر موسم خنک مگر روشن تھا۔ حویلی کی دہلیز پر اسماعیل گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا کالی شرٹ اور سادہ انداز میں جیسے سادگی میں ہی اُس کی شان ہو۔

"اسلام علیکم اسماعیل بھائی بابا کہہ رہے ہیں آپ ہمیں ڈراپ کریں گے"

روما نے ہلکے لہجے میں اطلاع دی۔

"جی سر نے مجھے رات میں ہی بتا دیا تھا"

اسماعیل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

اسی لمحے مرحا بھی آگئی خاموشی سے پچھلی سیٹ پر روما کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"آپی آپ کا کالج نزدیک ہے اور میرا دور میں بور ہو جاؤں گی"

مرحا نے منہ بنایا جیسے روز کی یہ شکایت آج کچھ اور رنگ لے آئی ہو۔

"بس کرو ہر بات پر رونا مت شروع کر دیا کرو"

روما نے اُس کے بال بگاڑتے ہوئے کہا۔ گاڑی کی فضا میں بہنوں کی ہلکی ہنسی گھل گئی۔

اسماعیل جو سامنے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا فرنٹ مرر سے مرحا کو بار بار دیکھ رہا تھا۔

اس کی نظروں میں کوئی شوق کوئی خیال اور ایک پرانی ہچکچاہٹ جھلک رہی تھی۔

مگر اُسے معلوم تھا یحیٰی صاحب کبھی کسی ملازم کو اپنی بیٹی نہیں دیں گے۔

روما کا کالج آ گیا وہ نیچے اُتر گئی۔

اب گاڑی میں صرف خاموشی اور دو دھڑکنیں رہ گئیں۔

"تم مجھے چھپ چھپ کر دیکھنا کب بند کرو گے اسماعیل"

مرحا نے اچانک وہ خاموشی توڑ دی جو شاید برسوں سے اُس کے بیچ تھی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ فرنٹ مرر سے اُسے دیکھ رہا ہے۔

اسماعیل چونکا نہیں شاید وہ جانتا تھا کہ یہ سوال کبھی نہ کبھی آنا ہی تھا۔

"جب تک سامنے بیٹھا کر دیکھنے کا حق نہ مل جائے"

وہ ہلکی اداس مسکراہٹ کے ساتھ بولا نظریں مرر پر مرکوز تھیں۔

"حق ایسے ہی حاصل نہیں ہوتے کوشش کرنی پڑتی ہے"

مرحا کی آنکھوں میں چمک اور ہنکار دونوں تھے۔

"حق کے لیے لڑنا پڑتا ہے میں تو لڑ جاؤں لیکن ایک اعتماد کی ڈور ہاتھ میں ہو تو"

گاڑی کی رفتار اب سست ہو چکی تھی جیسے دل کی دھڑکن کسی فیصلے سے پہلے ٹھہر جاتی ہے۔

"اعتماد کی ڈور تھامنے کے لیے پہلے یہ بتانا پڑتا ہے کہ کیا واقعی محبت ہے"

مرحا اب مرر میں نہیں براہِ راست اُس کی روح میں جھانک رہی تھی۔

اسماعیل نے گاڑی روک دی۔ ایک گہری سانس لی —— اور جیسے برسوں کا بوجھ اُتار دیا۔

"اگر اب بھی یقین نہیں ہے تو سن لو میں اسماعیل بخاری مرحا یحیٰی خان سے محبت کرتا ہوں"

مرحا ساکت ہو گئی الفاظ کی شدت اُس کے وجود میں گونج گئی۔

"محبت بادشاہوں کو فقیر اور فقیروں کو دیوانہ بنا دیتی ہے اور میں فقیر سے دیوانہ بن چکا ہوں مرحا۔

کیا تمہیں یہ غریب مگر دل کا امیر اسماعیل قبول ہے"

وہ اب بھی اپنی جگہ بیٹھا تھا مگر دل جیسے اُس کے قدموں میں رکھا تھا۔

مرحا خاموشی سے اُتری فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی۔

"اگر بابا نہ مانے تو" اُس کی آواز بھرا گئی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"منا لوں گا لیکن تم بتاؤ کیا تمہیں دل کا امیر اسماعیل قبول ہے"

اسماعیل نے دھیرے سے ہاتھ آگے بڑھایا۔

مرحا نے بنا ایک لمحہ گنوائے وہ ہاتھ تھام لیا۔

"مجھے دل کا امیر اسماعیل بخاری قبول ہے"

اسماعیل کی آنکھیں نم ہو گئیں مگر مسکراہٹ میں سکون تھا۔

"شکریہ" وہ آہستگی سے بولا اور ہاتھ دھیرے سے واپس کھینچ لیا۔

"چلو اب جلدی کالج چھوڑ دو" مرحا نے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔

"جلدی کیوں" اسماعیل نے جیسے خوشی کو کھینچنا چاہا۔

"میرا ٹیسٹ ہے تم اپنے امتحان میں پاس ہو گئے اب مجھے بھی اپنے ٹیسٹ میں پاس ہونا ہے"

مرحا ہنسی اور گاڑی ایک نئی منزل کی طرف چل پڑی جہاں محبت کا پہلا قدم رکھا جا چکا تھا۔

شہسوار ابھی میٹنگ ختم کر کے اپنے کیبن میں داخل ہوا ہی تھا کہ سیکریٹری نے اطلاع دی۔

"سر موسیٰ شیر خان آپ کا انتظار کر رہے ہیں" اُس کا دل جیسے ایک لمحے کو ساکت ہو گیا۔ ماتھے پر بل آیا اور سانس گہری ہو گئی۔

وہ جانتا تھا موسیٰ یہاں کیوں آیا ہے۔

سامنے دیکھا تو موسیٰ اپنی مخصوص رعونت اور وقار کے ساتھ ٹانگ پر ٹانگ رکھے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ لیے بیٹھا تھا۔ جیسے ہی شہسوار اندر داخل ہوا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو" شہسوار کی آنکھوں میں آگ دہکنے لگی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

"سوچا تم تو آئے نہیں سلام لینے تو میں ہی آجاؤں" موسیٰ اپنی مخصوص خمار آلود آواز میں بولا لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اب بھی رینگ رہی تھی۔

"اگر سلام لینے آئے ہو تو وعلیکم السلام جواب مل گیا اب جا سکتے ہو" شہسوار نے کندھے اُچکا کر سرد لہجے میں کہا اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

موسیٰ نے آگے جھک کر میز پر ہاتھ رکھا۔

"ارے افسوس تو کرنے دو ویسے تمہارا انٹرویو خوب ٹرینڈ کر رہا ہے گالیوں کی تعداد بھی میری نسبت تمہیں زیادہ پڑی ہے صحیح عزت کا جنازہ نکالا مس فاطمہ ابراہیم نے"

اُس نے فاطمہ کے نام پر خاص زور دیا جیسے شہسوار کے زخموں پر نمک چھڑک رہا ہو۔

شہسوار ہنسا لیکن وہ ہنسی زہر میں بجھی ہوئی تھی۔

"تم نے سنا نہیں سیاست کا یہی دستور ہے کبھی گالیاں کھاؤ کبھی نکالو It's not a big deal."

پھر اُس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی جیسے موسیٰ کی بات کوئی معنی نہیں رکھتی۔

"اور ہاں تمہاری بات کا جواب اگر فاطمہ ابراہیم نے میری عزت کا جنازہ نکالا بھی ہو تو بھی شہسوار ملک اُس پر قربان "اُس کی آواز میں ایسا سکون تھا جو جلتے دل کو اور سلگا دے۔

موسیٰ کا چہرہ تن گیا۔ فاطمہ کا ذکر سن کر جیسے اندر کی آگ نے انگارے اگلنے شروع کیے ہوں۔

"ایک لڑکی کے آگے سب کچھ قربان کر رہے ہو شہسوار ملک خیریت تو ہے" اُس نے دانت پیستے ہوئے کہا ہاتھ کی مٹھی بھینچ گئی جیسے خود پر قابو پانے کی آخری کوشش کر رہا ہو۔

شہسوار دھیرے سے مسکرایا۔

"آہ وہ صرف ایک لڑکی نہیں ہے موسیٰ تم بھی جانتے ہو مجھے سب سے زیادہ عزیز تخت ہے لیکن وہ اب تخت سے عزیز لگنے لگی ہے"

موسیٰ کی آنکھیں لال ہو گئیں۔

"لیکن وہ تمہاری نہیں ہے" وہ غرایا جیسے لفظ اُس کے اندر سے ٹوٹ کر نکلے ہوں۔

شہسوار سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"نہیں ہے تو ہو جائے گی۔" اُس کی آنکھوں میں ایک انوکھا یقین تھا ایک چمک جیسے آنے والے وقت کا اعلان ہو۔

"کبھی نہیں ہو گی وہ تمہاری" موسیٰ چیخا اور زور سے میز پر ہاتھ مارا۔ آواز پورے کمرے میں گونج گئی۔

"اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہو کس بات پر تپ رہے ہو موسیٰ" شہسوار کی آواز میں اب چیلنج تھا۔

"یہ مت پوچھو کہ کیوں بھڑک رہا ہوں بس یہ جان لو وہ تمہاری نہیں ہو سکتی"

موسیٰ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا جیسے ہر لفظ کے ساتھ کوئی راز دفن ہو۔

"اگر کسی کے ساتھ اُس کا نام جُڑے گا تو وہ صرف شہسوار ملک ہو گا سمجھ گئے تم"

شہسوار کی آواز اب دھاڑ میں بدل گئی تھی جذبات جیسے قابو سے باہر نکلنے لگے۔

"بکواس بند کرو تم اُس کو توڑنا چاہتے ہو جیسے تم نے مجھے توڑا کیا وعدہ کر کے لائے تھے لندن سے کہ ہم ساتھ ملک سنواریں گے تم نے میرے ساتھ دھوکہ کیا دوسری پارٹی سے ہاتھ ملا لیا دشمنی کی حد پار کر دی"

اب موسیٰ کا لہجہ بے قابو تھا دل کی ساری چبھن لبوں پر آگئی تھی۔

شہسوار نے پلکیں جھپکائیں پھر دھیرے سے بولا۔

"تم نے بھی وعدے کیے تھے موسیٰ لیکن تم نے کیا کیا تایا سرکار کے پیچھے لگ کر مجھے چھوڑ دیا وہ تمہیں صرف استعمال کر رہے ہیں کب سمجھو گے"

"خبر دار جو تایا جان کا نام لیا جان لے لوں گا تمہاری سیاست تمہیں مبارک ہو شہسوار" موسیٰ دھاڑا اور آفس کا دروازہ زور سے کھول کر باہر نکل گیا اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ آج سیاست نے اُسکی دوستی بھی چھین لی تھی

۔

شہسوار اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ دل میں سوالوں کا شور تھا۔

"یہ اتنا بھڑ کا کیوں یہ صرف فاطمہ کی بات تھی یا کچھ اور"

کیفے کا کونر ہلکی سی مدھم روشنی دیوار پر نصب روشنیوں کا سنہرا عکس میز پر بکھرا ہوا تھا۔

فردان نے بار بار اپنی گھڑی دیکھی۔ اُس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا آج وہ سب کچھ کہنے آیا تھا جو برسوں سے اُس کے دل میں تھا۔

عین اُس لمحے دروازہ کھلا اور روما اندر داخل ہوئی۔ ہلکی سی ہوا کے ساتھ اُس کے دوپٹے کا پلو فضا میں لہرا کر کندھے پر آ گرا۔ اُس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر فردان کو کونے والی میز پر بیٹھا پایا۔

"اسلام و علیکم سر" روما دھیمے لہجے میں بولی، اُس کی آواز میں رسمی ادب اور حیرت دونوں شامل تھے۔

"وعلیکم السلام مس روما بیٹھیں پلیز" فردان فوراً کھڑا ہو گیا جیسے اُس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا ہو۔ روما سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"سر آپ نے یہاں بلایا سب خیریت تو ہے" اُس نے میز پر رکھے گلابی رنگ کے مینو کارڈ کو انگلیوں سے سہلاتے ہوئے پوچھا۔ ماحول کا سکوت اُسے بے چین کر رہا تھا۔

فردان نے سانس بھری آواز میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔

"مس روما میں نے آپ کو یہاں ایک خاص مقصد کے لیے بلایا ہے میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں اور کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری کسی بات سے آپ کی عزت پر کوئی حرف آئے"

روما کے چہرے پر حیرت کا سایہ گہرا ہونے لگا۔

"سر میں سمجھی نہیں کہنا کیا چاہتے ہیں آپ"

فردان نے کچھ دیر خاموش رہ کر اُس کی آنکھوں میں دیکھا، پھر دھیرے سے بولا۔

"آپ کو ہماری پہلی ملاقات یاد ہے شاید آپ کو نہ ہو لیکن میں کبھی نہیں بھولا"

اُس کی آواز میں ماضی کی نمی گھل چکی تھی ایک اداس مسکراہٹ اُس کے چہرے پر پھیل گئی۔

"سر پلیز صاف صاف بات کریں" روما نے سپاٹ لہجے میں کہا، اُس کے لفظوں میں الجھن چھپی تھی۔

"مس روما اگر سیدھی بات کروں تو وہ یہ ہے کہ مجھے آپ سے محبت ہے اُس دن کلاس میں آپ سے سوال کیا تھا کہ کیا آپ کسی کو پسند کرتی ہیں اُس کا مقصد یہی جاننا تھا"

فردان کی آنکھوں میں سچائی کی جوت چمکنے لگی۔

روما نے پلکیں جھپکیں گہری سانس لی۔

"اور میں اُس دن جواب دے چکی تھی کہ میں اپنے حصے کی محبت کر چکی ہوں"

اُس کے لہجے میں تلخی نہیں تھی صرف تھکن تھی جیسے کوئی زخم بہت پرانا ہو۔

"پھر مجھے میرے حصے کی محبت کرنے دے" فردان نے نرمی سے جواب دیا۔

وہ اب کچھ پُر سکون تھا جیسے سچ بول کر بوجھ اُتار دیا ہو۔

"میں کیسے مان لوں کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں" روما کی آواز میں شک نہیں تھا صرف ایک عورت کا وہ سوال تھا جو دھوکہ برداشت نہیں کر سکتی۔

"جیسے مانا جاتا ہے" فردان نے دھیرے سے کہا۔

"کیسے مانا جاتا ہے" روما نے پھر پوچھا۔

"نکاح کر کے اور جن کی منزل نکاح ہو اُن کو انکار نہیں کرنا چاہیے" فردان اب اُسکے جواب کا منتظر تھا۔

روما خاموش رہی نظریں جھک گئیں۔

"تو کیا میں یہ خاموشی 'ہاں' سمجھوں یہ مشرقی ملک ہے مس روما یہاں لڑکیوں کی خاموشی کو ہاں سمجھا جاتا ہے" فردان نے نرمی سے آنکھیں جھکاتے ہوئے کہا۔

"میں نے 'ہاں' بھی نہیں کہا" روما بے ساختہ بول پڑی اور وہ لمحہ رک سا گیا۔

"میں انتظار کروں گا آپ کے جواب کا" فردان نے تھکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

لیکن اگلے ہی پل کیفے کا ماحول جیسے منجمد ہو گیا۔ دروازے سے داخل ہونے والے لمبے قد سیاہ ماسک والے شخص نے سب کچھ بدل دیا۔ وہ موسیٰ تھا لیکن اُس کا چہرہ جزوی طور پر ڈھکا ہوا تھا اور آنکھوں میں شعلے لپک رہے تھے۔

اُس نے روما کو دیکھا اور پھر فردان کو۔

"تم ابھی کے ابھی گھر پہنچو میں کوئی تماشا نہیں چاہتا" موسیٰ کا لہجہ برف جیسا تھا لیکن اُس کی آنکھوں میں طوفان تھا۔

روما چونکی لیکن چہرہ سپاٹ رکھا۔

"موسیٰ" فردان نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"بکواس بند یہاں کوئی ڈراما نہیں چاہیے مجھے۔ باہر گاڑی کھڑی ہے جا کر بیٹھو فوراً" موسیٰ کی آواز اب بلند ہونے لگی تھی۔ وہ اس جگہ کوئی تماشا افورڈ نہیں کر سکتا نہیں تو وہ شاید کچھ کر گزرتا۔

روما نے فردان کی طرف دیکھا جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو لیکن پھر خاموشی سے اُٹھ کر چلی گئی۔

فردان چند لمحے یونہی بیٹھا رہا پھر اٹھا اور موسیٰ کا ہاتھ تھام لیا۔

"میری بات سنو موسیٰ۔ فاطمہ کے ساتھ جو کیا تم نے وہ ٹھیک نہیں تھا" اُس کی آواز میں غصہ بھی تھا اور درد بھی۔

موسیٰ نے طنزیہ ہنسی ہنسی۔

"اوہ تو تمہیں سب معلوم ہے اسی لیے روما سے بدلہ لینا چاہتے ہو"

"ہر کوئی تمہاری طرح گھٹیا نہیں ہوتا موسیٰ وہ محبت ہے میری" فردان کی آواز گونج اُٹھی تھی اُس کی برداشت جواب دے چکی تھی۔

"وہ جو تمہاری محبت ہے میری عاشق تھی وہ تو میں نے چھوڑ دیا اُسے" موسیٰ نے زہر خند انداز میں کہا اور پھر قدم گھسیٹتا ہوا باہر نکل گیا۔

فردان لڑکھڑاتا ہوا اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اب اُسے یقین ہو گیا تھا۔

موسیٰ کچھ ٹھیک نہیں ہونے دے گا۔

موسیٰ نے غصے سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور دھڑام سے بند کیا۔ اس کی نظریں سامنے بیٹھی روما پر پڑیں تو جیسے خون کھولنے لگا۔ جبڑے بھینچتے ہوئے وہ اس پر پل پڑا۔

"تم بتانا پسند کرو گی کالج کے نام پر یہ کون سی کلاس تھی "اُس کی آواز میں زہر گھلا ہوا تھا آنکھوں میں شعلے ناچ رہے تھے۔

روما نے نظریں ملاتے ہوئے ہنکارا ابھرا "آپ کو خود نظر نہیں آتا جو مجھ سے پوچھ رہے ہیں "اُس کا لہجہ بھی کچھ کم کاٹ دار نہ تھا۔

"بکواس بند کرو "موسیٰ کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ "ایک دفعہ تایا جان کو بتا دیا نا کہ تم پڑھائی کے بہانے عاشقی فرما رہی ہو تو وہ تمہاری ٹانگیں توڑ دیں گے "

اس نے غصے میں اسٹیئرنگ گھمایا اور گاڑی حویلی کی جانب موڑ دی۔ اس کے ہاتھ کی گرفت اسٹیئرنگ پر سخت ہوتی جا رہی تھی۔

روما نے جل کر کہا "جب آپ لڑکی کو اغوا کر کے شادی کر سکتے ہیں تو میں تو پھر عزت سے کر رہی ہوں "اُس کی آنکھوں میں اب بھی بغاوت کی چمک تھی۔

"بہت زبان چل رہی ہے تمہاری" موسیٰ نے خطرناک حد تک پر سکون ہو کر کہا "یہ زبان تایا جان کے سامنے چلانا، پھر دیکھنا ہتھیلی پر نہ رکھ دی تو کہنا۔ "

گاڑی سڑک پر برق رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ شیشے کے پار اندھیرے میں روشنیوں کی جھلکیاں تیزی سے گزر رہی تھیں مگر گاڑی کے اندر صرف کشیدگی کی گھٹن پھیلی ہوئی تھی۔

روما نے گہرا سانس لیا۔

" بابا کو بھی بتادوں گی محبت کرتی ہوں میں فردان سے کم از کم وہ آپ کی طرح ظالم نہیں ہے اور اب شادی کروں گی تو اُسی سے "

یہ اعلان نہیں تھا اعلانِ جنگ تھا۔ روما کے دل میں محبت نہیں تھی مگر اب ضد تھی۔ وہ ثابت کر کے رہے گی کہ اُس کی مرضی ہی آخری فیصلہ ہے۔

موسیٰ نے ایک تلخ قہقہہ مارا پھر لہجے میں آخری وارننگ سمو کر بولا۔

"تم بھی اِدھر ہو اور میں بھی تین دن کا وقت ہے تمہارے پاس اپنی عاشقی یہیں روک دو ورنہ جو ہو گا اُس کی ذمہ دار تم خود ہو گی"

موسیٰ کی آنکھوں میں وہ چمک ابھری جو روما نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی خطرے کی اور شاید انتقام کی۔

کیونکہ فردان نے فاطمہ کا نام لیا تھا اور موسیٰ کو اب یقین ہو چکا تھا کہ جو زخم اُس نے فاطمہ کو دیا وہی زخم اب کوئی روما کے ہاتھوں واپس دینا چاہتا ہے۔

حویلی کی دہلیز پار کرتے ہی روما بنا کسی کو دیکھے تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، جیسے جذبات کا طوفان چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی ہو۔ موسیٰ بھی کچھ کہے بغیر اپنے کمرے میں داخل ہوا دروازہ زور سے بند کیا اور غصے سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ پیشانی کی نسیں تن گئی تھیں دل دھڑک نہیں رہا تھا بلکہ دھاڑ رہا تھا۔

غصہ کم کرنے کی کوئی صورت نہ ملی تو اس نے وہی کیا جو وہ اکثر کرتا تھا۔۔۔فاطمہ کو کال ملادی۔

دوسری طرف فاطمہ نیوز چینل کے آفس میں میز پر جھکی لیپ ٹاپ پر کام کر رہی تھی۔ نیکسٹ شو کا اسکرپٹ ترتیب دے رہی تھی کہ موسیٰ کی کال دیکھ کر بے زاری سے آنکھیں مٹکائیں پھر فون کان سے لگایا۔

"ہیلو" اُس کی آواز میں ایک واضح لاپروائی تھی۔

"کیسی ہو" موسیٰ نے آنکھیں موندتے ہوئے کہا جیسے فاطمہ کی آواز ہی اس کے لیے سکون کی دوا ہو۔

"جیسی صبح تھی" فاطمہ نے طنزیہ کہا اشارہ صبح والی ناخوشگوار ملاقات کی طرف تھا۔

"مطلب موڈ آف ہے" موسیٰ کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

"نہیں موڈ بالکل ٹھیک ہے۔ آپ فکر نہ کریں" فاطمہ کی انگلیاں بدستور کی بورڈ پر دوڑتی رہیں۔

"تم ایک فیصلہ کر لو یا تو تم بلا لیا کرو یا آپ اب تو عجیب لگتا ہے کبھی تم کبھی آپ" موسیٰ نے زچ ہو کر کہا۔

"ڈیپینڈز آن یور بیہیوئیر" فاطمہ نے ہنستے ہوئے ایک شرارتی طنز مارا۔ اگر موسیٰ باتوں میں مات دیتا تھا تو وہ شہ مات دینے کی عادی تھی۔

"تم سے باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا ہنی بی" موسیٰ نے آنکھیں بند کیے ہی کہا۔

"مجھے بھی یہی لگتا ہے" فاطمہ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اُسے بھی مزا آرہا تھا۔

"مت کرو ایسی باتیں ورنہ ابھی آجاتا ہوں تمہارے پاس" موسیٰ نے آدھی دھمکی آدھا فلرٹ کیا۔

"جی نہیں" فاطمہ نے ہنستے ہوئے کچھ کہنا ہی تھا کہ اچانک دروازہ کھلا اور سامیہ اندر داخل ہوئی۔

"فاطمہ تم سے ملنے شہسوار ملک صاحب آئے ہیں" سامیہ اتنا کہہ کر نکل گئی۔

موسیٰ کی بند آنکھیں یکدم کھل گئیں۔ اُس کے چہرے پر جیسے ایک لمحے میں بجلی کوند گئی ہو۔

"فاطمہ تم کال بند نہیں کرو گی" موسیٰ کی آواز میں عجیب سی کشمکش تھی۔

"کیوں" فاطمہ جان چکی تھی وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے لیکن پوچھا پھر بھی۔

"بس میں نے کہہ دیا ہے" موسیٰ کا لہجہ اب سخت ہوتا جا رہا تھا۔

فاطمہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ موبائل کو الٹا رکھا اور بلند آواز میں کہا۔

"آجایئے"

دروازے پر دستک ہوئی اور شہسوار ملک اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم مس فاطمہ "اُس نے نرمی سے کہا۔

"وعلیکم السلام بیٹھیں" فاطمہ کا چہرہ سپاٹ تھا۔ نہ کوئی جوش نہ حیرت۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے" شہسوار نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی مجھے معلوم ہے کوئی خاص بات ہی آپ کو یہاں تک کھینچ لائی ہو گی" فاطمہ نے ہاتھوں کو آپس میں الجھاتے ہوئے جواب دیا۔

موسیٰ اب بھی کال پر موجود تھا اور سب کچھ سُن رہا تھا۔ شہسوار کے ہر لفظ پر اُس کے ماتھے کی شکنیں گہری ہوتی جا رہی تھیں۔

"میں نے یہاں آنے سے پہلے آپ کا مکمل بایوڈیٹا چیک کروایا ہے پتا چلا آپ سنگل ہیں" شہسوار کا انداز مکمل اعتماد سے بھرا تھا۔

"تو" فاطمہ نے ایک لفظی جواب دیا۔

"تو میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں آپ کے والدین سے باقاعدہ رشتہ مانگنا چاہتا ہوں"

فاطمہ کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ اُس نے ایک نظر فون کی طرف ڈالی کال اب بھی چل رہی تھی۔

"اور اگر میرے والدین نہ مانیں تو" فاطمہ نے دانستہ پوچھا موسیٰ کو تپانے کے لیے۔

موسیٰ کا غصہ اب خون کی رگوں میں اُبلنے لگا۔

"تو آپ مان جائیں اُنہیں منانا شہسوار ملک کا کام ہے" شہسوار کے لہجے میں اعتماد ہی اعتماد تھا۔

"ویسے میرے شو کے بعد آپ ٹرول ہو چکے ہیں اور آپ رشتے کی بات کر رہے ہیں سازش اچھی تھی میرے خلاف لیکن معاف کیجیے گا مجھے آپ کے پرپوزل میں کوئی دلچسپی نہیں"

"میں کسی سازش کے تحت نہیں آیا فاطمہ صاحبہ" شہسوار اب بھی پُر سکون تھا مگر اندر کی بے چینی اُس کی آنکھوں میں تیر رہی تھی۔

"تو کس کے تحت آئے ہیں"

"دل کے تحت دل لے کر آیا لیکن دماغ کہہ رہا تھا کہ نہیں آنا چاہیے تھا"

"دماغ کی سن لیتے تو بہتر ہوتا" فاطمہ نے کہا۔

"محبت جب فیصلہ سناتی ہے تو دماغ کی عدالت بند ہو جاتی ہے اور اگر میں دماغ کی سُن لیتا تو آپ کے لیے بہتر نہ ہوتا کیونکہ میرا دماغ اکثر اُلٹے فیصلے کرتا ہے"

یہ جملہ فاطمہ کے دل کو چھو گیا۔ لمحہ بھر کو وہ ساکت ہو گئی۔ کیا یہ واقعی اُس سے محبت کرتا ہے؟

"لیکن مجھے نہ آپ سے محبت ہے نہ کوئی رشتہ جوڑنا ہے۔" اب کی بار اُس کی آواز میں غصہ نمایاں تھا۔

"لیکن مجھے جوڑنا ہے" شہسوار اب بھی نرمی سے بولا۔

موسیٰ کا دل چاہا فون دیوار پر دے مارے یا شہسوار کو گولی مار دے۔

"زبردستی جوڑیں گے" فاطمہ نے چبھتے ہوئے کہا۔

"ضرورت پڑی تو گریز نہیں کروں گا آپ کے پاس سوچنے کا وقت ہے چلتا ہوں اللہ حافظ"

شہسوار نے اٹھ کر چشمہ لگایا اور خاموشی سے باہر نکل گیا فاطمہ اُسے جاتا دیکھتی رہی ایک عجیب کشمکش کے ساتھ۔

دروازہ بند ہونے کی آواز کے ساتھ ہی فاطمہ نے ایک گہری سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ چند لمحے گزرے وہ خاموشی سے موبائل کی طرف دیکھنے لگی کال اب بھی جاری تھی۔

نرمی سے موبائل اٹھایا کان سے لگایا۔ اور ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"سنا آپ نے"

دوسری طرف مکمل خاموشی تھی جیسے کسی آتش فشاں کے دھماکے سے پہلے کا سکوت ہو۔

"مطلب لڑکا تو خاصا ڈیسنٹ لگا مجھے اندازہ ہے بایو ڈیٹا نکال کر آیا عزت سے رشتہ مانگا اور کیا شائستہ انداز تھا بات کرنے کا لاسٹ پر پوزیسسو بھی ہوا" فاطمہ نے جان بوجھ کر بات لمبی کی جیسے چنگاری کو تیل میں بدل رہی ہو۔

"منہ بند کرو فاطمہ "موسیٰ کی آواز غصے سے کپکپا رہی تھی" جان بوجھ کر زچ کر رہی ہو نا مجھے"

"اوہ لگتا ہے غصہ آرہا ہے مجھے لگا آپ کو تو فرق ہی نہیں پڑتا"

"فرق نہیں پڑتا" موسیٰ کی آواز بلند ہوئی "میں ابھی آیا نا تمہارے آفس تمہیں بھی اور اُس شہسوار کو بھی ایسا سبق سکھاؤ گا کہ ہمیشہ یاد رہے گا"

فاطمہ ہنسی ایک ایسی ہنسی جو جلتی آگ پر پانی نہیں نمک کا کام کرتی ہے۔

"اُف اتنا تو وہ بھی نہیں بولا جتنا آپ تپ گئے ہے کم از کم اُس کے انداز میں تہذیب تھی آپ کی طرح چیخنے کی عادت نہیں"

"فاطمہ "موسیٰ کی آواز میں اب صرف غصہ نہیں حسد بھی شامل ہو گیا تھا" وہ صرف ایک موقع پرست ہے تمہاری شہرت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور تم تم مزاق بنا رہی ہو سب کا"

"اور آپ کیا کر رہے ہے مجھے روکنے کے لیے زبردستی شادی کی اور جب میں نے ایک فیصلہ لیا تو آپ کو ہضم نہیں ہوا" فاطمہ کا اشارہ طلاق والی بات پر تھا۔

"تم جانتی ہو میں تم سے "موسیٰ کے الفاظ درمیان میں ٹوٹ گئے۔

"کیا" فاطمہ نے جان بوجھ کر چُبھتے لہجے میں پوچھا "محبت کرتے ہے تو پھر رویہ ایسا کیوں ہے جیسے میں آپ کی جاگیر ہوں"

"کیونکہ تم میرے لیے کیا ہوں یہ تم کبھی نہیں جان سکتی "موسیٰ کا لہجہ اب زخمی سا ہو گیا۔

موسیٰ خاموش ہو گیا۔ کچھ پل گزرے۔

"فاطمہ بس اتنا یاد رکھو اگر وہ آدمی تمہارے قریب بھی آیا نا تو جو فلم میں چلتا ہے نہ ہیرو نے ولن کو جان سے مار ڈالا اصل میں کر کے دکھاؤ گا"

"اور یہ سن لے اگر آپ نے میرے فیصلوں میں مداخلت کی تو اُس فلم کی ولن میں بن جاؤ گی"

فاطمہ نے کال کاٹ دی موبائل میز پر رکھا اور لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ مگر اس کی آنکھوں میں بھی اضطراب تھا۔ شاید وہ بھی جانتی تھی یہ جنگ اب صرف لفظوں کی نہیں رہی۔

شام کے سائے آسمان پر گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ مغرب کی اذانوں کی آوازیں مدھم ہو چکی تھیں اور پورا گھر ایک خاموش سی مصروفیت میں گُم تھا۔ کچن میں ہلکی آنچ پر دیگچی میں کچھ چمک رہا تھا اور حفصہ بیگم اپنے مخصوص نرم مگر تجربہ کار انداز میں رئیسہ کو ہانڈی بنانے کا فن سکھا رہی تھیں۔

"بیٹا یہ دیکھو جب پیاز ہلکے سنہری رنگ میں آجائے تب ہی مصالحہ ڈالنا ہے ورنہ ذائقہ خراب ہو جائے گا"

حفصہ بیگم نے چمچ کو دیگچی میں ہلاتے ہوئے نرمی سے سمجھایا۔

رئیسہ خاموشی سے اُن کے قریب کھڑی تھی۔ آنکھیں حیرت سے دیگچی میں جھانک رہی تھیں جیسے کوئی اجنبی دنیا دیکھ رہی ہو۔ بچپن سے کبھی کچن کا رخ نہیں کیا تھا یہ پہلا تجربہ اُس کے لیے اجنبی لیکن تلخ سچائی جیسا تھا۔ وہ کبھی دیگچی دیکھتی کبھی چولہا اور کبھی حفصہ بیگم کی طرف اور بس خاموشی سے سر ہلاتی جاتی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور سیام اندر داخل ہوا گرد آلود بال تھکے قدم اور ماتھے پر دن بھر کی مشقت کی پرچھائیاں۔

"اسلام و علیکم امی" وہ آتے ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

حفصہ بیگم نے ایک گلاس میں پانی بھرا اور رئیسہ کی طرف بڑھایا۔

"سیام آگیا ہے بیٹا جاؤ اُسے پانی دے آؤ"

رئیسہ کے دل میں ایک جھجک سی پیدا ہوئی صبح والا لمحہ اُس کے ذہن میں تازہ تھا۔

کیا ضرورت تھی اُس کا ہاتھ تھامنے کی چومنے کی

اب کیا سوچتا ہوگا میرے بارے میں اُسے شرمندگی سی محسوس ہوئی۔

"میں جاؤں" وہ آہستہ سے بولی۔

"بیٹا جاؤ جلدی" حفصہ بیگم نے اس بار ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"جا رہی ہوں" رئیسہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا اور پانی کا گلاس تھام لیا۔

آج رئیسہ کے انداز میں نرمی تھی اس کا لباس بھی اُس کی بدلی ہوئی شخصیت کی غمازی کر رہا تھا۔ مہندی رنگ کا سادہ سا سوٹ جس پر ہلکا پھلکا کام تھا۔ بال جو اکثر کھلے رہتے تھے آج سلیقے سے بندھے تھے۔ وہ اب وہ رئیسہ نہیں رہی تھی جو

کبھی زرا سی بات پر تنک جاتی تھی۔ زندگی نے اُسے توڑ کر دوبارہ جوڑا تھا اب کے بار کچھ مختلف سانچے میں۔

وہ آہستہ آہستہ سیام کے قریب گئی۔

"پانی" وہ دھیرے سے بولی نظریں جھکائے گلاس آگے بڑھا دیا۔

سیام نے ایک لمحے کے لیے اُسے دیکھا پھر گلاس لے لیا۔

"اور کچھ چاہیے" رئیسہ نے ادب سے کہا اور ٹرے سامنے میز پر رکھ دی۔

"نہیں امی کہاں ہیں" سیام نے اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"کچن میں کھانا بنا رہی ہیں" رئیسہ اب بھی کھڑی تھی۔

سیام نے ایک ہلکی سانس بھری اور میز پر گلاس رکھتے ہوئے بولا۔

"تو تم بھی سیکھو کھانا بنانا کب تک امی اکیلی کریں گی سب کچھ اُن کی عمر اب آرام کرنے کی ہے"

آج سیام کی آواز میں وہ کڑواہٹ نہیں تھی مگر نرمی بھی نہیں تھی۔ ایک درمیانی حقیقت پسند لہجہ تھا۔

"جی سیکھ رہی ہوں" رئیسہ نے دھیرے سے کہا اور پلٹنے لگی۔

"سنو" سیام نے اُسے پکارا۔

وہ رُکی پیچھے مڑی۔

"جی"

سیام صوفے سے اٹھا اور بولا۔

"میں اوپر جا رہا ہوں فریش ہونے میرے کپڑے نکال دینا"

یہ پہلا موقع تھا جب اُس نے رئیسہ سے کوئی کام کہا تھا۔ نہ طنز نہ ناراضی بس ایک عام سا جملہ ـــــ مگر رئیسہ کے دل میں وہ جملہ کسی اعزاز سے کم نہ تھا۔

رئیسہ کچن میں گلاس رکھ کر پلٹی تو اُس کے قدم خود بخود سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ دل میں ہلکی سی بے چینی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سیام نے خود اُس سے کوئی بات کی تھی اور وہ بھی کسی کام کی، جس میں اعتماد کی ہلکی سی پرچھائیں تھی۔

اوپر کا فلور ہمیشہ اُسے خاموش اور سنسان لگتا تھا لیکن آج جیسے دیواروں نے بھی اُس کے قدموں کی چاپ محسوس کی ہو۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا ہلکی روشنی اندر پھیلی ہوئی تھی۔ سیام کا کمرہ اُس کی شخصیت کی طرح سادہ خاموش مگر پُر اثر تھا۔

بیڈ کے ایک طرف کپڑوں کی الماری تھی اور سامنے ایک بڑی سی کھڑکی جس کے پردے ہَوا کے ہلکے جھونکوں سے آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ کمرے میں سیام کے موجود ہونے کی خوشبو بسی ہوئی تھی مسک کے ہلکے نوٹ کے ساتھ کوئی خاص مانوسیت تھی اُس مہک میں۔

رئیسہ نے نرمی سے الماری کھولی کپڑوں کی تہیں نہایت ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں جیسے ہر چیز اُس کے سخت مزاج کی گواہی دے رہی ہو۔

اُس نے ہاتھ بڑھا کر ایک سفید شلوار قمیض بیڈ کے کنارے تہہ کر کے رکھ دی۔

اچانک اُسے دروازے پر آہٹ سنائی دی پلٹ کر دیکھا تو سیام دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا تھا۔ بال اب نیم خشک تھے اور چہرے پر تازگی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں تولیہ تھا جو وہ کندھے پر ڈالے کھڑا تھا۔

رئیسہ فوراً سیدھی ہو گئی نظریں نیچی ہاتھ کپڑوں سے بندھے ہوئے۔

"آپ کے کپڑے" اُس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

سیام نے ایک نظر بیڈ پر پڑے کپڑوں پر ڈالی پھر اُس کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے شکریہ" وہ مختصر سا بولا مگر اُس کے لہجے میں نہ جھجک تھی نہ حکم نہ تلخی ـــــ بس ایک عام سا شکریہ تھا مگر رئیسہ کے لیے وہ بہت کچھ تھا۔

وہ واپس پلٹی اور دروازے کی طرف بڑھنے لگی کہ سیام کی آواز نے اُسے روک دیا۔

"رئیسہ"

وہ پلٹی آنکھوں میں حیرت اور دل میں دھڑکن تیز ہو چکی تھی۔

"اب تم پہلے سے بہتر لگتی ہو"

سیام نے دھیرے سے کہا اور نظر کھڑکی کی طرف موڑ لی جیسے یہ بات کہنا اُس کے لیے آسان نہیں تھا۔

رئیسہ ایک پل کو ساکت رہ گئی دل کی دھڑکن جیسے کمرے کی خاموشی میں گونجنے لگی۔ وہ کچھ بول نہ سکی بس سر جھکا کر دھیرے قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

دروازہ بند ہوا تو سیام نے ایک گہری سانس لی جیسے کوئی بوجھ ہلکا ہوا ہو۔

ـــــ

رات کا اندھیرا آسمان پر سیاہ چادر کی طرح تن چکا تھا۔ باہر خاموشی گہری ہو رہی تھی جیسے پوری کائنات سانس روکے کسی خطرناک انجام کا انتظار کر رہی ہو۔

مکان کے ایک تاریک کمرے میں ہلکی پیلی لائٹ جل رہی تھی جو صرف صوفے اور کھڑکی کے درمیانی حصے کو روشن کر رہی تھی باقی سب کچھ دھندلا سائے اور سازشوں میں لپٹا ہوا۔

صوفے پر بیٹھا شخص اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر جھولا جھول رہا تھا جیسے اپنے ہی خیالات میں الجھا ہو۔ اُس کے چہرے پر غصے اور بے چینی کی دھند چھائی تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر کھڑکی کے پاس ایک اور شخص کھڑا تھا دیوار سے ٹیک لگائے اور باہر سیاہ رات کی خاموش گہرائیوں میں جھانکتا ہوا۔

"وہ ایسے نہیں مانے گی"

صوفے پر بیٹھا شخص دھیمی مگر سرد آواز میں بولا۔

"ہمیں کچھ اور سوچنا پڑے گا"

کھڑکی کے پاس کھڑا شخص اپنی جگہ سے ہٹا ایک قدم پیچھے لے کر بولا۔

"ایک اور کوشش کرتے ہیں کیا پتا مان جائے"

کمرے کی فضا میں سازش کی بُو پھیلی ہوئی تھی۔ باہر کتے کے بھونکنے کی آواز آئی اور پھر خاموشی جیسے ماحول بھی ان دونوں کی باتیں سُن رہا ہو۔

صوفے پر بیٹھا شخص جھٹکے سے سیدھا ہوا آنکھوں میں چمک اور لبوں پر سازش کا سایہ تھا۔

"جب بغاوت اُتر آئے آنکھوں میں تو موقع نہیں دیا کرتے اب اس پلان پر عمل ضروری ہو چکا ہے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا وقت آگیا ہے۔"

کھڑکی کے پاس کھڑا شخص اب آہستہ آہستہ اُس کے قریب آیا۔ اُس کے قدموں کی چاپ کمرے میں گونجنے لگی جیسے ہر قدم کے ساتھ سازش مزید گہری ہو رہی ہو۔

"تمہیں یقین ہے کہ اس سے ہمارا کام بھی ہو جائے گا اور ہمارا حریف بھی ختم"

اُس کی آواز میں بے یقینی کم اور خطرناک سکون زیادہ تھا۔

صوفے پر بیٹھا شخص اب دونوں ہاتھوں سے ٹیک لگائے آگے جھکا اور سرگوشی جیسی آواز میں بولا۔

"میں نے سمجھا دیا ہے کب کہاں اور کیسے اب صرف عمل باقی ہے"

اُس کے بعد وہ ہلکا سا جھک کر ایک قہقہہ مارا ایسا قہقہہ جس میں نہ خوشی تھی نہ ہنسی بس خالص زہر سازش اور شیطانی سکیم کی بازگشت تھی۔

دوسرا شخص پلکیں جھپکے بغیر اُسے دیکھتا رہا پھر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"دیکھتے ہیں"

اب دونوں کے درمیان خاموشی تھی لیکن کمرے کی دیواروں روشنیوں اور سناٹے میں وہ طوفان گونج رہا تھا جو کسی معصوم کی زندگی کو برباد کرنے آ رہا تھا۔

آدھی رات کی گہری خاموشی میں جیسے وقت تھم گیا ہو۔

ابراہیم صاحب کا گھر گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ گلی کی روشنیاں مدھم پڑ چکی تھیں اور پورا محلہ نیند کی آغوش میں تھا۔ نہ کوئی آہٹ نہ کوئی سانس صرف خاموشی کا راج۔ اسی سنّاٹے میں اچانک چار سائے دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوئے کالے لباس میں ملبوس چہرے سیاہ ماسک سے ڈھکے ہوئے اور ہاتھوں میں چمکتا ہوا اسلحہ ان کی حرکتوں میں مہارت تھی جیسے وہ بارہا یہ کر چکے ہوں۔

دو اوپر کی منزل کی جانب بڑھے اور دو نیچے کے کمروں کی طرف آہستہ آہستہ قدم رکھے سب کچھ اتنی خاموشی سے ہو رہا تھا کہ جیسے اندھیرے بھی اُن کے ساتھ ساز باز کیے بیٹھے ہوں۔

اچانک ایک زوردار آواز کے ساتھ ابراہیم صاحب کے کمرے کا دروازہ کھلا۔

"اُٹھو جلدی کرو جلدی اُٹھو"

علشبہ بیگم ایک جھٹکے سے جاگیں اور سامنے دو خوفناک نقاب پوشوں کو دیکھ کر چیخ ماردی۔

"ک۔۔ کون ہو تم لوگ"

"چُپ کر بُڑھیا"

ایک آدمی کمرے کا سامان توڑنے لگا جبکہ دوسرے نے ان کے سروں پر بندوق تان لی۔

"ابراہیم فاطمہ میری بیٹی وہ اکیلی ہے اوپر" علشبہ بیگم کی چیخ میں ماں کا درد صاف جھلک رہا تھا۔

"اُسکا اوپر علاج ہو رہا ہے" نقاب پوش نے شیطانی قہقہ لگایا۔

ابراہیم صاحب کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ وہ فاطمہ کے لیے بے قرار ہو اُٹھے بندوق والے کی طرف لپکے مگر——

ٹھاہ!

ایک دھماکے کی آواز اب ہمیشہ کے لیے اُنکی زندگی بدل گئ گولی سیدھا ابراہیم صاحب کے پیٹ میں لگی اور وہ تڑپتے ہوئے فرش پر گر پڑے علشبہ بیگم کی چیخیں کمرے کی دیواریں چیرتی باہر نکلنے لگیں۔

"کام ہو گیا" ایک نقاب پوش دوسرے پر جھپٹا۔

"جلدی نکل"

وہ دونوں تیزی سے باہر نکلے اور اپنے باقی ساتھیوں کو میسج کیا

"کام ہو گیا واپس آ جاؤ"

باقی دونوں نے جاتے جاتے گھر کا سارا سامان تہس نہس کر دیا۔ الماریاں الٹ دیں فرنیچر توڑ دیا پردے پھاڑ دیے۔ گھر کی دیواریں چیخ چیخ کر مظلومیت کی داستان سُنا رہی تھیں۔

فاطمہ نیند سے نیم جاگی ہوئی تھی اُسے لگا شاید ماں نماز کے لیے جگانے آئی ہیں مگر جیسے جیسے آوازیں تیز ہوئیں وہ یکدم اٹھ بیٹھی ننگے پاؤں سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے پہنچی۔

اور جو منظر اُس کے سامنے تھا اُس نے اُس کی روح تک کو جھنجھوڑ دیا۔

سامان بکھرا پڑا تھا صوفے اُلٹے ہوئے ہر شے ٹوٹی ہوئی جیسے قیامت برپا ہو گئی ہو۔ وہ بد حواسی کے عالم میں اپنے ماں باپ کے کمرے کی طرف بھاگی۔

"ماما کیا ہوا"

وہ جیسے ہچکیوں میں بولی۔

لیکن اُسکی سانسیں اُس لمحے رک گئیں جب اُسکی نظریں باپ کے خون میں لت پت وجود پر پڑیں۔

"فاطمہ ایمبولینس کو کال کرو فردان کو بلاؤ گولی ماردی انھیں"

علشبہ بیگم کی آواز رندھی ہوئی آنکھوں سے اشک بہہ رہے تھے۔

فاطمہ کا جوتا پیچھے رہ گیا تھا وہ ننگے پاؤں باہر کی طرف بھاگی۔ ساتھ والے گھر کا دروازہ پیٹنے لگی۔

"انکل پلیز بابا کو گولی لگی ہے خون بہت بہہ گیا ہے جلدی کریں"

شوکت صاحب جو ابراہیم کے پرانے دوست تھے ہڑبڑا کر باہر نکلے۔

"بیٹا کیا ہوا"

"انکل چلیں اندر چل کے بتاتی ہوں"

فاطمہ تقریباً انہیں گھسیٹتی ہوئی اندر لے آئی۔

اندر جا کر شوکت صاحب کے قدم بھی لرز گئے۔ علشبہ بیگم اور اماں بی ابراہیم کے وجود کے گرد رو رہی تھیں۔

"شوکت میرے بیٹے کو لے جاؤ جلدی ہسپتال لے جاؤ"

اماں بی اُنکے بازو کو جھنجھوڑتی رہیں لیکن شوکت صاحب کا چہرہ مرجھا گیا۔ انہوں نے نبض چیک کی ——

خاموش ساکن بے جان۔

"فاطمہ بیٹا وقت نکل چکا ہے ابراہیم اب نہیں رہے میں تمہارے تایا کو اطلاع کرتا ہوں"

شوکت صاحب کی آواز مدھم اور بوجھل تھی۔

"نہیں بابا اُٹھیں آپ ایسا نہیں کر سکتے میری قسم ہے آپ کو خدارا آنکھیں کھولیں"

فاطمہ ابراہیم صاحب کے جسم کو جھنجھوڑ رہی تھی آنسو اُس کے گالوں پر بہتے جا رہے تھے۔

پیچھے تین خواتین کا نوحہ پورے محلے میں گونجنے لگا اور باہر کھڑے لوگ حیرانی و خوف میں ڈوبے اس المناک رات کے گواہ تھے۔

صبح کی روشنی ایک لرزہ خیز رات کی گواہی دے رہی تھی۔

ہر طرف ہلچل مچی ہوئی تھی نیوز چینلز پر مسلسل ایک ہی خبر دہرائی جا رہی تھی۔

"مشہور رپورٹر فاطمہ ابراہیم کے والد کو گزشتہ رات نامعلوم افراد نے ان کے گھر میں یرغمال بنانے کے بعد بے دردی سے قتل کر دیا"

ٹوٹے ہوئے درودیوار بکھرا ہوا فرنیچر، خون آلود فرش اسکرین پر دکھایا جا رہا تھا گویا دہشت کی ایک فلم کا منظر ہو۔

خبریں صرف واقعہ تک محدود نہ تھیں۔ انٹرویو کلپس فوٹیج اور فاطمہ کی آواز کی بازگشت میں ایک ہی نام بار بار ابھرتا رہا۔

شہسوار ملک۔

اور دوسری طرف شہسوار ملک اس وقت اپنے دفتر کے کونے میں کھڑا نظریں ٹی وی اسکرین پر جمائے اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔

"سر یہ سب آپ کو بلیم کیوں کر رہے ہیں"

جمال اُس کا دیرینہ ساتھی تپتے لہجے میں بولا۔

شہسوار کی آنکھوں میں گہرا سکوت اتر آیا۔ ایک لمبی سانس لی اور آہستہ سے گویا ہوا۔

"یہ فرق نہیں پڑتا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں جمال مجھے اس بات کا درد ہے کہ فاطمہ کے اس ناقابلِ تلافی نقصان میں میرا نام گھسیٹا جا رہا ہے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا"

اسکرین پر فاطمہ کی مٹی میں لپٹی چیخیں اُس کے باپ کے خون میں لت پت بدن اور محلے والوں کی افراتفری ابھرتی رہی۔ شہسوار کی پلکیں جھپکنا بھول گئیں دل جیسے کسی گرفت میں آ چکا ہو۔

جمال نے ایک قدم آگے بڑھایا قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ حکم دے تو میں ایکشن لے سکتا ہوں سر"

شہسوار نے سر ہلایا۔

"نہیں جمال اس بار نہیں میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ مجھے گرانے کے لیے لوگ کہاں تک جا سکتے ہیں لیکن یہ سب کیا کس نے یہی سوچنے کی بات ہے"

وہ بولتے ہوئے گویا کسی گہرے بھنور میں ڈوب گیا تھا۔

"جلد پتہ چل جائے گا سر" جمال ایسے بولا جیسے کوئی وعدہ کر رہا ہو۔

کمرے کی فضا جیسے اور بھی بوجھل ہو گئی۔ ٹی وی پر اب فاطمہ کی روتی آواز اور محلے والوں کی شہادتیں چل رہی تھیں۔

"سر میری مانے تو کچھ دنوں کے لیے اپنی والدہ کے پاس چلے جائیں۔ یہاں خطرہ ہے اور دشمن کسی بھی حد تک جا سکتا ہے اور نقصان بھی ہو سکتا ہے"

جمال نے دھیرے سے مشورہ دیا آنکھوں میں فکر کے سائے تھے۔

شہسوار کی نظریں اب بھی اسکرین سے جمی ہوئی تھیں۔ اُس کے چہرے پر دکھ بے بسی اور کسی ان کہی خواہش کا عکس تھا۔

"نقصان تو ہو چکا ہے جمال اور ایسا نقصان جس کی تلافی ممکن نہیں"

اُس کے لب کپکپائے۔

"اور سب سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ جس کا نقصان ہوا ہے اُس کا دکھ میں افورڈ نہیں کر سکتا"

اُس کا اشارہ واضح تھا فاطمہ۔

جمال کچھ کہے بغیر سر جھکائے خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔

کمرے میں اب صرف ٹی وی کی آواز گونج رہی تھی اور شہسوار کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ کی بازگشت۔

فاطمہ کے گھر اس وقت صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ کہرام کا عالم تھا دیواریں جیسے سوگ میں ڈوبی ہوں اور صحن میں موت کی سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ امروز

صاحب ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھے تھے آنکھیں پتھرا چکی تھیں چہرے پر گہرے دکھ کی لکیریں کھنچ چکی تھیں۔ بیٹھے بیٹھے ان پر قیامت گزر چکی تھی چھوٹا بھائی اچانک موت کی آغوش میں چلا گیا۔ کون تھا جو یہ ظلم کر گیا یہی سوال اُن کے دل کو چیر رہا تھا۔

صحن میں رکھی چارپائی پر ابراہیم صاحب کی میت سفید چادر میں لپٹی ہوئی تھی لیکن فاطمہ کو لگتا تھا جیسے وہ ابھی آنکھ کھول دیں گے، اُٹھ کر اُسے سینے سے لگا لیں گے۔

"بابا اُٹھیں نا بابا آپ تو میرے بابا ہیں ایسے کیسے جا سکتے ہیں"

فاطمہ سسکتی ہوئی چارپائی سے لپٹی تھی اُس کی آواز میں ایسی تڑپ تھی کہ سُننے والوں کے دل دہل گئے۔ وہ اپنے بابا کو جھنجھوڑ رہی تھی جیسے اُس کے آنسو زندگی لوٹا دیں گے۔

رئیسہ تیزی سے اُس کے پاس آئی اور اُسے سنبھالنے کی کوشش کی "فاطمہ صبر کرو"

"کیسے کیسے صبر کروں رئیسہ" فاطمہ اُس کے کندھے ہلا کر چیخی اُس کا دل جیسے پھٹ رہا ہو۔

اماں بی تھرتھراتی آواز میں بولیں "اب کیوں ماتم کر رہی ہو کہا تھا چھوڑ دو یہ نوکری دُشمنی پال لی تھی تم نے لے گئی تمہاری نوکری میرا بیٹا"

وہ بار بار سینہ پیٹتی جا رہی تھیں۔ علشبہ بیگم ابراہیم کی میت سے چمٹی بیٹھی تھیں ہوش و حواس کھو چکی تھیں زبان پر ایک ہی فقرہ تھا "ابراہیم ابراہیم"

صحن کے باہر لوگ اکٹھے ہو رہے تھے جنازے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔

"بھائی جنازے کا وقت ہو گیا ہے" فردان نے سیام کے پاس آ کر دھیرے سے کہا۔

سیام نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا، "میری ہمت نہیں ہو رہی اندر جانے کی"

"لیکن جانا تو ہے نا بھائی" فردان آہستہ سے چل پڑا۔ اور سیام بھی بھاری قدموں کے ساتھ اُس کے پیچھے ہو لیا۔

"امی جنازہ لے جانے کا وقت ہو گیا ہے" فردان نے جھک کر حفصہ بیگم کے کان میں کہا۔

"فاطمہ میرے ساتھ آؤ" رئیسہ نے نرمی سے اُسے میت کے پاس کھڑا کرنے کی کوشش کی۔

"نہیں مجھے کہیں نہیں جانا" فاطمہ کی آواز میں ضد، دکھ اور ٹوٹے دل کا شور تھا۔ وہ جان چکی تھی ---- اب واپسی کا کوئی در نہیں۔

"فاطمہ جنازہ لے جانا ہے" فردان نے نرمی سے اُسے چارپائی سے ہٹانے کی کوشش کی۔

"نہیں نہیں فردان تم میرے بابا کو نہیں لے جا سکتے میری وجہ سے میرے گناہوں کی سزا میرے بابا کو کیوں"

فاطمہ فردان کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتی رہی، جیسے اپنے بابا کو ایک بار پھر زندگی کی طرف کھینچ لائے گی۔

"سیام بھائی اُٹھائیں جنازہ" فردان نے نگاہ چرائی اور سیام نے مردوں کو آگے اشارہ کر دیا۔

فاطمہ کی نگاہیں بے یقینی سے دیکھتی رہیں۔

"ماما، دیکھیں فردان بابا کو لے جا رہا ہے سیام رُک جاؤ کوئی انہیں واپس لے آؤ"

وہ بے بس ہو کر ٹوٹ گئی۔

جنازہ اُٹھا لیا گیا تھا۔

فاطمہ کی آوازیں صحن کی فضا میں گونجنے لگیں۔

"بابا۔۔۔ بابا واپس آجائیں۔۔۔ بابا۔۔۔ اللہ میرے بابا کو لوٹا دے"

اس کے الفاظ نہیں سسکیاں بول رہی تھیں اور ہر سننے والا دل تھام کر رہ گیا۔

مردے کو دفنایا جا چکا تھا۔ مٹی کی تہہ میں اُسے سونپ دیا گیا مگر جو مرا اُس کا قصور کیا تھا؟

کوئی قاتل سے یہ کیوں نہیں پوچھتا کہ آخر اُس نے کس گناہ کی سزا دی۔

ڈرائنگ روم میں نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ یحییٰ خان صوفے پر بیٹھے گہرے سوچوں میں گم، ٹی وی پر چلتی خبر کو گھور رہے تھے۔

"یہ نہیں ہونا چاہیے تھا بیچاری کے باپ کو بے دردی سے قتل کر دیا" ان کی آواز رندھ گئی تھی۔

ٹی وی اسکرین پر فاطمہ کی ویران صورت نظر آ رہی تھی۔ موسیٰ کے دل میں کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ اُسکی آنکھیں سُرخ ہو چکی تھیں اور گلے میں جیسے کانٹے چبھنے لگے۔ وہ چیخ نہیں سکتا تھا بس دیکھ سکتا تھا —— فاطمہ جو سسکیاں لے رہی تھی جو بکھر گئی تھی۔

"اللہ بخشش کرے" یحییٰ خان دھیرے سے کہتے ہوئے اوپر چلے گئے۔

موسیٰ نے کپکپاتے ہاتھوں سے موبائل نکالا۔ رئیسہ کا نمبر ملایا۔

کال اُسی وقت ملی جب رئیسہ فاطمہ کے کمرے میں موجود تھی۔ فاطمہ بے ہوش ہو چکی تھی اسے بیڈ پر لٹا دیا گیا تھا۔ اس کی سانسیں چل تو رہی تھیں مگر روح جیسے ہار چکی تھی۔

فون بجا رئیسہ نے چونک کر اسکرین دیکھی۔ موسیٰ کا نام جگمگا رہا تھا۔ دل میں نفرت کی لہر دوڑی پھر بھی کال اٹھالی۔

"ہیلو رئیسہ فاطمہ کیسی ہے پلیز ایک بار میری بات کروادو" موسیٰ کی آواز میں بے چینی اضطراب اور درد سب عیاں تھا۔

"موسیٰ وہ ٹھیک نہیں ہے خدا کا واسطہ ہے اسے اور پریشان مت کرو" رئیسہ کی آواز میں غصہ تھا اور آنکھوں میں نمی۔

"میں جانتا ہوں وہ ٹھیک نہیں پلیز ایک بار" موسیٰ وہ شخص تھا جو کبھی کسی کے آگے نہیں جھکا مگر آج اُس کی آواز میں التجا تھی۔

"تم سب نے شرم بیچ دی ہے کیا پہلے زبردستی نکاح صرف ایک انٹرویو کے لیے اور اُس شہسوار نے کیا کیا اُس معصوم کے باپ کو مار دیا تم سب تم سب کتنے ظالم ہو" رئیسہ کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ آنسو رخساروں سے بہنے لگے۔

موسیٰ کے اندر کچھ لرز گیا۔ اس نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"میں رات کو آؤں گا پلیز کوئی بھی بہانہ بنا کر مجھے اُس سے ملواؤ"

"پاگل ہو گئے ہو یہاں مہمانوں کی بھیڑ ہے" رئیسہ نے جھنجھلا کر فاطمہ کی طرف دیکھا۔ وہ بے سدھ لیٹی تھی، رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ ایک دن میں جیسے برسوں کی زندگی ہار گئی ہو۔

"پلیز رئیسہ میں پہلے بھی آ چکا ہوں مت روکو مجھے بس ایک بار" موسیٰ کی آواز لرزنے لگی۔

"کرنی تو تم نے آخر میں اپنی ہی مرضی ہے" رئیسہ نے تھکے لہجے میں کہا اور فون کاٹ دیا۔

فلیش بیک:

رات اپنی سیاہی کی انتہا پر تھی۔ ہر جانب خاموشی اس قدر گہری تھی کہ جیسے کائنات نے سانس روک لی ہو۔ ایک سنسان کمرہ، جہاں پردے نیم وا تھے کھڑکی سے آنے والی سرد ہوا کے جھونکے جلتی سگریٹ کی راکھ کو ہوا میں بکھیر رہے تھے۔ اندھیرے میں صرف ایک دھیمی روشنی سائے تخلیق کر رہی تھی——دو آدمیوں کے جو وقت کے خلاف سازش بُن رہے تھے۔

"اگر بدلہ لینا ہے تو نشانہ اُس کی روح پر لگنا چاہیے اُسکے اپنوں کو کیوں بخشیں" کھڑکی کے پاس کھڑا شخص دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے بولا جیسے اندیشے اُسکے اندر پل رہے ہوں۔

"زخم وہی کارگر ہوتا ہے جو عمر بھر نہ بھرے میں چاہتا ہوں وہ زخم دے جو صرف تکلیف دے مرہم نہ بنے۔" صوفے پر بیٹھا شخص گہرے سکون سے سگریٹ کے کش لیتے ہوئے گویا ہوا۔

"یعنی اُس کو چھوڑ دو گے" کھڑکی کے پاس کھڑا شخص چونک گیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ بے چینی بھی در آئی تھی۔

"ہاں بیٹیاں طاقتور ہوتی ہیں لیکن اُنکی طاقت اُن کے باپ ہوتے ہیں میں چاہتا ہوں اُس کا باپ کل کا سورج نہ دیکھے" صوفے پر بیٹھے شخص کی آواز میں زہر گھلا تھا الفاظ میں ایسی سرد مہری تھی کہ فضا اور گہری لگنے لگی۔

"مطلب" کھڑکی والا شخص اب بھی ٹھیک سے بات نہ سمجھ سکا۔

"فاطمہ ابراہیم وہ اکلوتی ہے۔ اُس کا باپ اُس کے لیے ڈھال ہے بیک بون ہے۔ اگر فاطمہ پر وار کرو گے تو وہ کھڑا ہو گا۔ لیکن اگر باپ ہی نہ رہا تو پھر اُسکے پیچھے کوئی نہیں کھڑا ہو گا فاطمہ اکیلی رہ جائے گی کمزور بے بس یہ وار اُس کی روح پر ہو گا نہ کہ جسم پر"

یہ جملے گونج بن کر کمرے میں پھیل گئے۔ جیسے وقت تھم سا گیا ہو۔

"پلین ٹھیک ہے لیکن اگر کچھ گڑ بڑ ہو گئی تو" کھڑکی والا شخص اب بھی تھوڑا ہچکچا رہا تھا۔

"بس کھیل ہوشیاری سے کھیلنا ہے باقی سب سنبھل جائے گا" صوفے پر بیٹھا شخص سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بولا جیسے کسی فیصلے پر مہر لگا رہا ہو۔

"ٹھیک ہے وہ ہو جائے گا" کھڑکی والا اب مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

"بس یہی کرنا ہے اب تم جا سکتے ہو" اُس نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے رخصت کیا۔ کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی —— لیکن اب وہ خاموشی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔

چند دن بعد:

کمرے کی فضا بھاری تھی جیسے آنسوؤں کی نمی دیواروں میں جذب ہو چکی ہو۔ رئیسہ ہاتھ میں جائے نماز تھامے کمرے کے ایک گوشے میں دبکی بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں آنسو دل میں خلش اور وجود میں ایک ایسی ادھوری تڑپ تھی جو لفظوں سے کہیں آگے کی چیز تھی۔

یہ آنسو کسی مرنے والے کے لیے نہیں بلکہ اپنے اندر مرنے والی روح کے لیے تھے۔ وہ نماز پڑھنا چاہتی تھی دل بے قرار تھا سجدے میں گرنے کو لیکن ذہن میں سنبھالی گئی گناہوں کی دھند اسے روک رہی تھی۔ بچپن کی وہ پرورش وہ ماحول جہاں دین کا نام نہیں لیا گیا آج اُسے اپنی بے بسی کا احساس دلا رہا تھا۔

سیام آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا۔ رئیسہ کو اس حالت میں دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ دروازہ بند کرتے ہوئے اُس کے قدم آہستہ آہستہ بیڈ کی طرف بڑھے۔

"تم رو رہی ہو" سیام کی آواز میں ہلکی تشویش تھی۔

رئیسہ نے تیزی سے آنسو پونچھنے کی کوشش کی جیسے اپنے ٹوٹے وجود کو چھپانے کی ناکام کوشش ہو۔

"نہیں ویسے ہی "اُسکی آواز لرز رہی تھی۔

"یہ جائے نماز تم نے نماز پڑھ لی "سیام نے نرمی سے پوچھا، لیکن سوال مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ رئیسہ کی ضبط کی دیوار ٹوٹ گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جیسے برسوں کا بوجھ دل سے اُتر رہا ہو۔

"سیام میں ایسی کیوں ہوں میرے والدین نے مجھے نماز کیوں نہیں سکھائی میں نماز کیوں نہیں پڑھ پا رہی آج "وہ اُس کا ہاتھ تھام کر شدت سے رو دی۔

سیام پریشان ہو گیا۔ اُس نے رئیسہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا جیسے اُسکی ٹوٹتی ہمت کو سہارا دینا چاہتا ہو۔

"فاطمہ کے بابا نے اُسے نماز سکھائی وہ اُس سے محبت کرتے تھے۔ آج وہ اپنے بابا کے لیے نماز پڑھتے دعا مانگ رہی تھی۔ لیکن میرے والدین نے مجھے صرف پارٹیز سکھائیں موبائل دیا جب میں پلے گروپ میں تھی تب موبائل پکڑا دیا پتہ ہے سیام وہ لیرا میری نینی وہ نان مسلم تھی وہ مجھے ولگر انگلش موویز دکھاتی تھی تب سمجھ نہیں آتا تھا لیکن بعد میں میں عادی ہو گئی گناہ مزہ دیتا تھا سیام لذت ملتی تھی مجھے آج میں نماز نہیں پڑھ پا رہی مجھے کوئی سورت نہیں آتی آج بھی میرے دماغ میں موویز آ رہی ہے"

سیام کی آنکھوں میں بے یقینی کی جھلک تھی۔ وہ ایک لمحے کو ساکت ہو گیا۔

"پھر ایک دن حفصہ آنٹی نے سورۃ الاعراف کی آیت سنائی تھی تب

کہہ دو: میرے رب نے حرام کیا ہے فحش باتوں کو چاہے وہ ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی ہوں' تب سے سب چھوڑ دیا۔ لیکن آج نماز پڑھنا چاہتی ہوں مگر دماغ میں وہ مناظر آ رہے ہیں میں کیا کروں"

رئیسہ کا وجود لرز رہا تھا۔ گناہوں سے لڑنے والی روح اب روشنی کے لیے تڑپ رہی تھی۔

سیام نے دھیرے سے رئیسہ کے آنسو پونچھے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"رئیسہ بس اب رونا بند کرو۔ میں تمہیں نماز پڑھنا سکھاتا ہوں آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارا دل بدل جائے گا"

رئیسہ نے ہچکیوں کے درمیان مسکرانے کی کوشش کی۔

"سیام میں امیر تھی لیکن رشتوں میں شاید سب سے غریب۔ فاطمہ کے بابا اُس سے محبت کرتے تھے مجھے صرف واٹس ایپ پر پراؤڈ آف یو کا میسج ملتا تھا۔ مجھے کسی نے نہ سچ بتایا نہ جھوٹ سے روکا۔ میں زبردستی نماز پڑھتی ہوں شاید خدا میرا دل بدل دے لیکن آج یہ بھی نہیں ہو پا رہا"

سیام نے اُسے گلے لگا لیا جیسے ایک بکھری ہوئی روح کو پناہ دے دی ہو۔ آج رئیسہ بدر خان ترس کی حقدار لگی۔

"آج مجھے خود پر ترس آ رہا تھا میں وہاں سپارہ نہیں پڑھ پائی سب سپارہ پڑھ رہے تھے اور میں چھپ رہی تھی لوگوں سے کوئی مجھے سپارہ نہ پکڑا دے پڑھنے کے لیے میں نے کہاں زندگی گزار دی" رئیسہ اُس کے گلے لگے روئے جا رہی تھی۔

رات کی تاریکی کمرے میں چھا چکی تھی۔ خاموشی ایسی کہ جیسے پوری کائنات نے سوگ اختیار کر لیا ہو۔ چاند کی مدھم روشنی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی اور اُس نور میں فاطمہ جائے نماز پر بیٹھی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے جیسے رب سے اپنے غم کا حساب مانگ رہی ہو۔ یتیمی کا دکھ بڑا بے رحم ہوتا ہے خاص طور پر لڑکیوں کے لیے جن کے لیے باپ صرف سایہ نہیں پوری کائنات ہوتا ہے۔

اچانک کھڑکی سے ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ فاطمہ نے چونک کر پلٹ کر دیکھا موسیٰ اندر کود چکا تھا۔ اُس کے چہرے پر فاطمہ کی اذیت صاف لکھی تھی۔

"موسیٰ" فاطمہ نے ٹوٹتی آواز میں اُس کا نام لیا اور اگلے ہی لمحے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

موسیٰ تیزی سے اُس کے پاس آیا، جھک کر اُسے بانہوں میں بھر لیا۔ فاطمہ اُس کے سینے سے لگ کر ایسے روئی جیسے اندر جمع ساری کرب و اذیت آج آزاد ہو گئی ہو۔

"موسیٰ میرے بابا شہسوار نے اُنہیں مار دیا اُس نے بدلہ لیا اپنی ریجکشن کا اپنے انٹرویو کا میرے بابا چھین لیے اُس نے"

وہ ہچکیاں لیتی ٹوٹتی سانسوں میں بولتی گئی۔ آج فاطمہ کے والد کے قتل کو سات دن بیت چکے تھے۔ مہمان رخصت ہو چکے تھے علشبہ بیگم عدت میں تھیں اماں بی خاموش جیسے روح کھو چکی ہو۔

موسیٰ نے اُس کے بالوں کو چومتے ہوئے کہا۔

"چپ کرو فاطمہ پلیز بس اب چپ ہو جاؤ"

مگر فاطمہ کہاں چپ ہونے والی تھی۔

"کیسے چپ ہو جاؤں موسیٰ میرے بابا بے گناہ تھے اُن کا کوئی قصور نہیں تھا وہ میری دنیا تھے اب میرے پیچھے کون ہے"

موسیٰ نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا اپنے ہاتھوں سے اُس کے آنسو صاف کیے۔

"تمہارے پیچھے تمہارا شوہر ہے میں ہوں میں لڑوں گا تمہارے لیے تمہارے حق کے لیے"

فاطمہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"وعدہ کریں شہسوار کو سزا دلائیں گے"

"میں وعدہ کرتا ہوں فاطمہ وہ اپنے کیے کی سزا ضرور پائے گا"

اُس نے نرمی سے اُسے جائے نماز سے اٹھایا۔

"چلو شاباش بیڈ پر بیٹھو"

وہ اُسے سہارا دے کر بیڈ کے کنارے تک لایا۔

"تم نے کھانا کھایا ہے"

موسیٰ اُس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ اور اُس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

فاطمہ نے سر ہلایا "نہیں"

موسیٰ نے اُسے پیار سے دیکھا۔

"تمہارے غم میں تین دن سے خود بھی کچھ نہیں کھایا ملنے آنا چاہتا تھا مگر تمہارے گھر مہمان بہت زیادہ تھے"

"آپ کھا لیتے موسیٰ" موسیٰ ایموشنلی اس کو خود سے اٹیچ کر چکا تھا۔ وہ اُس کے ساتھ کمفرٹیبل محسوس کرنے لگی تھی۔

فاطمہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

موسیٰ مسکرایا اُس کی ناک کھینچی۔

"مسز شیر خان بھوکی تھی تو مسٹر شیر خان کیسے کھا لیتے"

فاطمہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر درد تیرنے لگا۔

"میری فکر ایک ہی انسان کرتا تھا وہ چلا گیا"

موسیٰ خاموش ہو گیا۔ الفاظ جیسے حلق میں اٹک گئے ہوں۔

"تمہیں کچھ بتاؤں"

وہ یکایک کھڑا ہو گیا۔

"ہمم"

فاطمہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تم نے اپنے بابا کے ساتھ بچپن گزارا ہے"

"جی"

"جانتی ہو تمہارے آس پاس کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں یہ جملہ سننا بھی نصیب نہیں ہوتا۔

'بابا نے کہا ہے آج جلدی گھر آئیں گے' یا

آج وہ ماما کے ہاتھ سے کھانا کھائیں گے یہ سب صرف خواب بن کر رہ گیا اُن کے لیے۔"

فاطمہ حیرت سے اُٹھی۔

"کون لوگ"

موسیٰ نے رخ موڑ لیا آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے بولا۔

"تمہارا شوہر موسیٰ شیر خان"

"آپ کے پیرنٹس"

فاطمہ کا دل لرز گیا۔

"نہیں ہیں۔ ایک کار حادثے میں ہمیشہ کے لیے چلے گئے"

"تب آپ چھوٹے تھے"

"بہت چھوٹا اور بہت اُداس ہر دن اُن کا انتظار کرتا کہ کب آئیں گے کب کھانا کھائیں گے لیکن وہ دن کبھی نہیں آیا"

فاطمہ نے اُسے بیڈ پر بٹھایا۔

"آپ تایا جان کے ساتھ رہے پھر"

"ہاں وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں"

"تو آپ کے پاس تو رپلیسمنٹ تھی"

موسیٰ نے فاطمہ کی ٹھوڑی اُٹھائی۔

"ماں باپ کا کوئی بدل نہیں ہوتا فاطمہ "

"لیکن تایا تائی اُن کی بچے تو ہے نا آپ کے پاس"

موسیٰ تلخی سے مسکرایا۔

"تائی جان کو میں کبھی پسند نہیں آیا۔ اُن کے لیے میں وہ بچہ تھا جو اُن کی بیٹیوں کا حق چھین رہا تھا۔ جب وہ اپنی بیٹیوں کو کھانا کھلاتی تھیں میرا دل چاہتا تھا مجھے بھی کھلائیں مگر مجھے بس الزام ملے"

وہ نظریں جھکاتا چلا گیا۔

"جب ایک پیار مانگتے کو الزام ملتے ہیں تو وہ اندر سے بکھر جاتا ہے"

فاطمہ نے اُس کا ہاتھ تھاما۔

"ماں باپ کی یاد تو سب کو آتی ہے نا مجھے بہت یاد آتے ہے بابا"

موسیٰ نے اُسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"ہاں اور جب کوئی یاد آتا ہے نا تو سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے"

فاطمہ اُس کے سینے میں چھپتی گئی۔

"موسیٰ مجھے میرے بابا یاد آتے ہیں پلیز اُنہیں واپس لے آئیں پلیز"

"شششش چپ فاطمہ تم بہادر رہو"

یہ پہلا موقع تھا جب موسیٰ نے کسی عورت کو "بہادر" کہا تھا۔ اُس مرد نے جو خود زندگی سے لڑتا آیا تھا۔

کمرے میں مسلسل چکر لگاتی روما کی بے چینی ماحول کو بوجھل بنا رہی تھی۔ اُس کے قدموں کی آہٹ فرش پر نہیں، مرحا کے دل پر پڑ رہی تھی۔

"روما آپی کیا ہو گیا ہے آپ کو پلیز بیٹھ جائیں چکر لگا لگا کر میرا دم گھٹنے لگا ہے"

مرحا چڑ کر بولی مگر اس کی آواز میں فکر صاف محسوس ہو رہی تھی۔

روما کے ہاتھ مسلسل فون پر تھے اُس کی انگلیاں بے قراری سے اسکرین پر چلتی جا رہی تھیں جیسے الفاظ کے ذریعے فردان تک پہنچنے کی آخری کوشش کر رہی ہو۔

"مرحا فردان سر کو ایک ہفتہ ہو گیا ہے یونیورسٹی آئے ہوئے۔ میں نے میسیج کیا کوئی جواب نہیں

اور موسیٰ اُس نے بابا کو اگر سب بتا دیا۔ اُس نے مجھے تین دن دیے تھے وہ تو ابھی خاموش ہیں لیکن میں جانتی ہوں وہ کوئی بڑی سازش کرے گا"

روما کی آواز میں ہلکی لرزش تھی جیسے وہ اپنے اندر کا طوفان چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"آپی ہو سکتا ہے فردان بھائی بزی ہوں"

مرحا نے نرمی سے کہا مگر خود بھی الجھن میں تھی۔

روما اچانک بیٹھ گئی چہرے پر گہری سوچ کی لکیر ابھری۔

"مرحا میری ساری زندگی کے فیصلے بابا کی مرضی سے ہوئے موسیٰ کا نام میری تقدیر میں بھی بابا نے ہی لکھا تھا لیکن اب اب میں وہی چاہتی ہوں جو میری عزت کرے جو میری محبت کو سمجھے"

مرحا نے آنکھیں جھکائیں۔

"بابا مان جائیں گے مجھے ڈر ہے آپی"

"اس بار اُنہیں ماننا پڑے گا مرحا کیونکہ جتنی ذلت میں نے موسیٰ سے سہی ہے اب اور برداشت نہیں کروں گی"

اُس کے کانوں میں موسیٰ کے سخت الفاظ گونجنے لگے۔ وہ لمحے وہ نظر انداز وہ طنز——سب کچھ آج بھی زخم دے رہے تھے۔

"میں پانی لے آتی ہوں آپ فردان بھائی کو پھر سے کال کریں کیا پتا اس بار فون اُٹھا لیں"

مرحا کمرے سے نکل گئی۔

مرحا بے قدموں حویلی کے راہداریوں میں گزرتی آنکھوں سے چاروں طرف جائزہ لیتی چھت کی سیڑھیوں کی طرف لپکی۔

یحییٰ صاحب اور ماہ جبین بیگم اپنے کمرے میں تھے——راستہ صاف تھا۔

سانسیں پھول چکی تھیں ماتھے پر پسینہ تھا اور دل ایک خوف اور بے تابی کے بیچ دھڑک رہا تھا۔

چھت پر قدم رکھتے ہی اُس کی نظر کونے میں کھڑے اسماعیل پر پڑی جو ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھ رہا تھا۔

"اُف اللہ تم تو جیسے میری جان لے کر دم لو گے"

مرحا ہانپتی ہوئی بولی۔

اسماعیل نرمی سے مسکرایا۔

"میں کیوں تمہیں ماروں ہاں اگر تم چھت پر نہ آتیں تو شاید میں ضرور اللہ کو پیارا ہو جاتا"

"ڈائیلاگ بعد میں مارنا یہ بتاؤ بلایا کیوں ہے کوئی کام تھا"

مرحا اُس کے قریب آئی آنکھوں میں ناراضگی اور شرارت کا امتزاج تھا۔

اسماعیل نے آنکھوں میں محبت سمو کر کہا۔

"محبوب کو کبھی کسی کام کے لیے نہیں بلایا جاتا

بس عاشق ایک جھلک کا طلبگار ہوتا ہے اور نظر ڈالنے کی خواہش نے بلا لیا"

مرحا کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ لیکن اُس نے نظریں چرا کر ایک بار پھر حقیقت کو سوچا۔

"اسماعیل اگر بابا کو پتہ چل گیا تو"

خوف دکھ اور بے بسی سب کچھ اُس کے سوال میں چھپا تھا۔ محبت مل چکی تھی مگر قسمت کی مہر ابھی باقی تھی۔

اسماعیل نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"مرحا میں منالوں گا تم فکر کیوں کرتی ہو"

"تم منالو گے مگر ضروری نہیں وہ مان بھی جائیں

بابا ظلم پر اُتر آئیں تو اپنی بیٹی کو بھی نہیں بخشے گے"

مرحا آسمان کی طرف دیکھنے لگی جیسے دعا مانگ رہی ہو محبت کی حفاظت کی۔

"محبت میں مرد کا بہادر اور عورت کا جنونی ہونا لازم ہوتا ہے مرحا اور تمہارا غریب اسماعیل محبت میں بہادر رہے" اسماعیل نے نرمی سے کہا۔

مرحا نے اُس کی طرف دیکھا دل کی گہرائی سے جواب دیا۔

"اگر جنون کی بات ہے تو جان لو اسماعیل مرحا یحییٰ خان سے زیادہ محبت میں کوئی جنونی نہیں ہو سکتا بس تم بہادر رہنا اگر تم ساتھ چھوڑ گئے تو میرا بھروسہ ٹوٹ جائے گا"

یہ کہہ کر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی اور نیچے اتر گئی۔

اسماعیل وہیں کھڑا رہا خاموش مگر اندر سے ہل چکا تھا۔

اُس ایک جملے نے اُسے زندگی کا سچ سمجھا دیا تھا۔

"سر ابھی اُن کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے قتل کا لیکن میڈیا پر ایک ہی نیوز چل رہی ہے کہ میڈم فاطمہ کے فادر کے قتل میں آپ کا ہاتھ ہے"

جمال ایک ہفتے کی اپڈیٹ دینے لگا۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا میڈیا کیا کہتا ہے جمال ایک کام کرو، کل کی ساری میٹنگز کینسل کرو، کل ہم فاطمہ سے ملنے جائے گے"

شہسوار سامنے چلتی نیوز کو دیکھ کر بولا۔

"سر وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے"

جمال نے ایک آخری کوشش کی اُسے روکنے کی۔

"نہیں جمال مجھے وہاں لازمی جانا ہے میں دیکھنا چاہتا ہوں میرا سہارا لے کر کون بدلہ لے رہا ہے اور اس دفعہ سازش کی بو قریب سے آ رہی ہے"

شہسوار عقل و فہم والا انسان وہ سمجھ گیا تھا یہ کام کس کا ہو سکتا ہے۔

اگر جو وہ سوچ رہا تھا ویسا ہوا تو سیاست آج دوستی کھا گئی تھی اُسکی۔

موسیٰ دو گھنٹوں سے فاطمہ کے ساتھ تھا۔ کمرے میں ہلکی سی مدھم روشنی جل رہی تھی اور باہر رات کے دس بج چکے تھے۔ کمرے میں ایک عجب خامشی تھی جیسے وقت تھم سا گیا ہو۔ فاطمہ موسیٰ کے کندھے سے سر ٹکائے دھیرے دھیرے اپنے بابا کی باتیں کر رہی تھی۔ اُس کی آواز میں ٹوٹا پن تھا لیکن اُس کی آنکھوں میں محبت کی رم جھم برس رہی تھی۔

"آپ کو پتہ ہے بابا ہمیشہ دادو کی ڈانٹ سے بچا لیتے تھے ماما کو بھی کہتے تھے کہ فاطمہ کو مت ڈانٹا کرو میری ہر غلطی معاف کر دیتے تھے"

فاطمہ کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں آواز کہیں دل کے گہرے کونے سے نکل رہی تھی۔

موسیٰ خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کے دل میں ایک عجیب سی بے چینی ہونے لگی تھی۔ لمحے لمحے کے ساتھ فاطمہ کی موجودگی اُس کے لیے بے حد قیمتی لگنے لگی۔

"فاطمہ ایک بات پوچھوں"

اُس کی آواز میں کچھ لرزش تھی جیسے وہ جانتا ہو جواب اُسے ہلا دے گا۔

"پوچھیں"

فاطمہ نے اُس کے کندھے سے سر ہٹایا نظریں اُس کی طرف اُٹھائیں۔

"کیا تمہیں ابھی بھی میری محبت پر یقین نہیں آیا یا تم صرف اپنا دکھ بانٹنے کے لیے میرے ساتھ ہو"

موسیٰ نے اُس کا ہاتھ تھام لیا آنکھوں میں امید جھلکنے لگی۔

فاطمہ نے فوراً نظریں چرا لیں۔ دل تیز دھڑکنے لگا۔ وہ اُسے کیسے بتاتی کہ اُس کا دل اب موسیٰ کی طرف مائل ہو چکا ہے لیکن ڈر ایک انجانا سا خوف اگر یہ سب ویسا نہ ہوا جیسا اُس نے سوچ رکھا تھا تو پھر کیا۔

"پتہ نہیں آپ جائیں آپ کو دیر ہو رہی ہے"

وہ دھیرے سے بولی اور پلٹنے لگی۔

موسیٰ نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"پتہ کرو فاطمہ میں منتظر ہوں پلیز"

وہ جھک کر اُس کا ہاتھ چوم لیا۔ لمحہ تھم سا گیا۔

"میں نے کہا تھا نا جب مجھے یقین آئے گا تو خود آؤں گی آپ کے پاس"

فاطمہ نے نظریں چرائیں ارد گرد دیکھا جیسے کوئی چھپی ہوئی بات کہنے سے گھبرا رہی ہو۔

"تو ابھی تک نہیں آیا یقین"

موسیٰ کی آواز میں مایوسی کی پرچھائیاں تھیں۔

فاطمہ خاموش رہی۔ دل کچھ اور کہہ رہا تھا لب کچھ اور۔

"کچھ بول دو فاطمہ ورنہ میں تمہاری آنکھوں میں لکھی تحریر پڑھ لوں گا"

موسیٰ کی آواز میں ایک گہری نرمی تھی جیسے وہ اُس کے خاموش جذبات کو سننے لگا ہو۔

"کیا کہہ رہی ہیں میری آنکھیں"

فاطمہ نے انجان بنتے ہوئے سوال کیا لیکن اُس کی پلکیں تھرتھرا رہی تھیں۔

"یہی کہ فاطمہ ابراہیم کو موسیٰ شیر خان سے انسیت ہونے لگی ہے اُس کے ساتھ وقت اچھا لگنے لگا ہے وہ اُس کے ساتھ رہنے کی چاہ کرنے لگی ہے بس بولنے سے ڈرتی ہے"

موسیٰ آہستہ آہستہ اُس کے قریب آیا دھیمے لہجے میں لفظوں کو اس کے دل پر رکھتا گیا۔

"ایسی ایسی کوئی بات نہیں ہے"

فاطمہ ہکلا گئی لفظوں نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

موسیٰ مسکرایا ایک نرم سی مسکراہٹ جیسے صبر کا نقاب ہو۔

"میں انتظار کروں گا تمہارے جواب کا میں چلتا ہوں اللہ حافظ"

وہ اُس کے بالوں پر بوسہ دیتا ہے اور آہستہ آہستہ کھڑکی کی طرف بڑھتا ہے۔

فاطمہ وہیں کھڑی رہ گئی دل اور دماغ کی کشمکش میں الجھی ہوئی۔

"اللہ میں کیا کروں دل کہتا ہے موسیٰ پر یقین کر لو مگر دماغ نہیں مانتا"

وہ خود سے بڑبڑائی۔

اچانک اُس کے سامنے آئینے میں اُس کا عکس ابھرا خاموشی سے اُسے دیکھنے لگا۔ پھر جیسے عکس نے سرگوشی کی۔

"محبت کے سامنے دماغ کی نہیں سننی چاہیے دماغ اکثر غلط فیصلے کرواتا ہے"

فاطمہ نے سر جھکا لیا پھر دھیرے سے کہا۔

"ہاں اگر موسیٰ نے بدلہ لینا ہوتا تو وہ اُس دن فارم ہاؤس پر لے لیتا لیکن اُس نے نہیں لیا"

آئینہ خاموش ہو گیا عکس غائب ہو چکا تھا۔ اب کمرے میں صرف خاموشی تھی اور اُس کی کشمکش۔

رات کا پہر تھا ہر طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کھڑکی سے باہر سنّاٹے کا راج تھا جیسے وقت تھم سا گیا ہو۔ کمرے میں ہلکی سی پیلی روشنی لیمپ سے چھن کر

فرش پر بکھری ہوئی تھی۔ سیام چھت کو گھورتا لیٹا تھا نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی جبکہ پاس ہی رئیسہ پر سکون نیند کے عالم میں تھی اُس کی سانسوں کی مدھم آواز خاموشی کو توڑ رہی تھی۔

اچانک چلتا ہوا پنکھا ایک جھٹکے سے رک گیا۔ پنکھے کے خاموش ہونے کی آواز گویا خاموشی میں شور بن کر گونجی۔ سیام نے پلکیں جھپکائے بغیر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے سر ہلایا.

"لائٹ چلی گئی ہے" —— وہ دل میں بولا اسے تو عادت تھی اس اندھیرے اس گرمی کی لیکن رئیسہ جس کی زندگی اے سی اور آرام سے شروع ہو کر انہی پر ختم ہوتی تھی وہ یہ سب کیسے جھیلے گی۔

"یہ پنکھا کیوں بند ہو گیا" رئیسہ نے نیند میں پہلو بدلتے ہوئے بے چینی سے کہا پسینے سے اُس کی پیشانی چمک رہی تھی۔

"لائٹ چلی گئی ہے" سیام نے مختصر سا جواب دیا اُس پر ایک نظر ڈالے بغیر مگر دل میں سوال گردش کرنے لگے۔ کیا وہ یہاں کے حالات کو برداشت کر پائے گی۔

"یہ کیا مذاق ہے ایسے کیسے چلی گئی جنریٹر آن کرو" رئیسہ نے غنودگی میں لاشعوری طور پر وہی حکم دینے والا لہجہ اپنایا جو شاید وہ ہمیشہ سے اپناتی آئی تھی۔

سیام نے دانت پیسے "یہاں جنریٹر نہیں ہے"

"مجھے گرمی لگ رہی ہے" رئیسہ نے بلینکٹ ایک طرف کرتے ہوئے شکایت کی اور پھر سیام کا کندھا ہلایا۔

"میری سائیڈ پر آجاؤ یہاں چلر لگا ہوا ہے" سیام بیزاری سے بولا وہ ضبط کی حد پر تھا۔ آدھی رات تھی حبس کا عالم اور وہ مسلسل شکایات کیے جا رہی تھی۔ سیام طنز میں ماہر تھا۔ رئیسہ بس سوچ سکی۔

"مجھے سچ میں گرمی لگ رہی ہے" رئیسہ کی آواز اب دھیمی اور لاچار سی ہو گئی تھی۔

سیام نے گہری سانس لی کچھ کہے بغیر سائیڈ ٹیبل سے رجسٹر کا موٹا گتہ اٹھایا اور رئیسہ کو پنکھا جھلنے لگا۔ رئیسہ نے آدھ کھلی آنکھوں سے اُسے دیکھا وہ منظر اُسے ایک لمحے کو ساکت کر گیا۔ اتنی شدت اتنا غصہ پھر بھی پنکھا دے رہا تھا۔

رئیسہ نے دھیرے سے چادر اپنے سر تک تان لی۔

"اگر یہ سو گز کی چادر لو گی تو گرمی ہی لگے گی سردی تو لگنے سے رہی" سیام تنک کر بولا۔

رئیسہ نے خاموشی سے بلینکٹ پرے پھینکا اور کروٹ لے کر پھر نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی بس پنکھے کے گتے کی مدھم آواز اور سیام کے دل کی بے چینی باقی تھی۔

ابراہیم صاحب کے انتقال کے بعد آج وہ اپنے گھر آئی تھی۔ لیکن یہ گھر یہ رات یہ خاموشی ——سب کچھ بدل چکا تھا۔

رات کے گھنے سناٹے میں موسیٰ کی گاڑی حویلی کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ ہیڈلائٹس کی روشنی نے لمحہ بھر کو سنسان حویلی کے خاموش درو دیوار کو چمکا دیا، پھر سب کچھ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ بارہ بج چکے تھے۔ فضا میں خاموشی اس قدر گہری تھی کہ موسیٰ کے قدموں کی چاپ بھی گونج بن کر واپس آ رہی تھی۔

گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے وہ چابی جیب میں رکھ ہی رہا تھا کہ سیڑھیوں سے نیچے آتی ہلکی سی چاپ نے اُسے چونکا دیا۔ روشنی کی ہلکی مدھم لکیروں میں سفید شال لپیٹے روما کی شبیہ اُبھری۔

"تو کیا سوچا پھر تم نے"

موسیٰ نے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے آواز میں سرد مہری بھر کر سوال داغا۔

روما جو کچن کی طرف بڑھ رہی تھی پلٹ کر رکی ایک لمحے کو نظریں ملی پھر وہ انجان بن کر بولی۔

"کس بارے میں"

موسیٰ کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"وہی اپنی دو نمبر عاشقی کے بارے میں۔ کل تک میرے لیے مر رہی تھی کہتی تھی 'پلیز موسیٰ میں بہت محبت کرتی ہوں آپ سے' اور آج اُس پروفیسر پر جان دے رہی ہو تین دن دیے تھے میں نے کچھ اور وقت بھی بڑھا دیا تا کہ اچھے سے سوچ لو بتاؤ کیا سوچا"

اب کی بار اُس کا لہجہ قدرے دھیمے طنز میں لپٹا ہوا تھا، جیسے وہ روما کو آخری موقع دے رہا ہو۔

روما نے نگاہیں چراتے چراتے پھر سے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اب کے لہجے میں ٹھہرا ہوا یقین تھا۔

"میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں میں فردان سر سے محبت کرتی ہوں اور شادی بھی اُنہی سے کروں گی"

یہ جملہ نہیں اعلانِ بغاوت تھا۔

موسیٰ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اُس کے دل میں چھپی چوٹ اب چہرے پر آ گئی۔

"مطلب تم باز نہیں آؤ گی بغاوت کی بو آ رہی ہے تم سے تایا جان سے دغا کرو گی"

روما کی آواز سخت ہوئی۔

"اس دفعہ بغاوت بھی ہو گی اور دغا بھی۔ اگر بابا بن کر بات کریں گے تو مان رکھوں گی لیکن اگر موسیٰ کی منگ کہہ کر زبان کھولی تو اس بار میں بغاوت کی ہر حد پار کر جاؤں گی"

الفاظ کی تپش فضا کو جلا گئی۔ ایک پل کو خاموشی چھا گئی۔

"یعنی تم اپنی مرضی کرو گی"

موسیٰ اُس کے قریب ہوا لہجہ دبا دبا سا مگر دھمکی لیے۔

روما کی آنکھوں میں اب ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ وہ صاف گوئی سے بولی۔

"ہاں"

موسیٰ نے تیزی سے اُس کے سامنے آکر راستہ روک لیا۔ دونوں کی آنکھیں چند لمحوں کے لیے آمنے سامنے ٹکرا گئیں۔

"ٹھیک ہے تم اپنی مرضی کرو میں اپنی کروں گا"

پھر وہ جھک کر اُس کے کان کے قریب آیا آواز میں زہر گھول کر بولا۔

"ایک بات کہوں تم بھی رئیسہ کی طرح بیوقوف عورت ہو"

یہ کہتے ہی وہ پیچھے ہٹا ایک نگاہ ارد گرد دوڑائی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

روما وہیں کھڑی رہ گئی جیسے اُس کی آنکھیں موسیٰ کی پشت کو روک لینا چاہتی ہوں لیکن وہ جا چکا تھا۔ اور اُس کی جگہ خاموشی پھر سے حویلی پر چھا گئی—اس بار ایک جنگ کے اعلان کے ساتھ۔

موسیٰ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا وہاں ہمیشہ کی طرح ایک مانوس وجود اُس کا منتظر تھا۔ نیم تاریک کمرے کی مدھم روشنی میں صوفے پر بیٹھا اسماعیل اُسے گھور رہا تھا۔

"کہاں گئے تھے تم"

اسماعیل کا سوال گرم نہیں گہرا تھا—جیسے وہ صرف جاننا نہیں چاہتا تھا تول رہا ہو۔

"کہیں نہیں بس اِدھر ہی چکر لگا رہا تھا"

موسیٰ نے واچ اتارتے ہوئے بے نیازی سے کہا جیسے وہ اپنی ہی بات پر یقین نہ رکھتا ہو۔

اسماعیل نے قریبی کشن اُٹھا کر اُس کی طرف اچھالا۔

"یہ چکر فاطمہ ابراہیم کے گھر کے تو نہیں تھے"

موسیٰ نے مسکرا کر وہی کشن واپس اچھالا۔

"اگر لگا بھی لیا تو کیا فرق پڑتا ہے بیوی ہے میری چاہے دُشمنی میں ہی سہی"

اسماعیل نے قہقہہ مارا پھر سنجیدہ ہو کر بیڈ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"بیوی مانتے ہو یا دشمن کچھ بیلنس کر لو"

موسیٰ کی نظریں اب سنجیدہ ہو چکی تھیں۔

"موسیٰ شیر خان کا جو دشمن ہے وہ دشمن ہی رہتا ہے چاہے وہ سامنے بیوی بن کر ہی کیوں نہ آئے"

اسماعیل اُس کے بدلتے تاثرات کو نوٹ کر رہا تھا۔

"اگر وہ واقعی دشمن ہے تو اُس کے گھر جانے کے بہانے کیوں ڈھونڈتے ہو یہ نہ ہو کہ دل کی بازی لگا بیٹھو"

موسیٰ لمحہ بھر کو خاموش ہو گیا۔ قدم کھڑکی کے قریب لے گیا ہاتھ بڑھا کر پردہ ایک طرف کیا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ باہر آسمان گھرے بادلوں سے ڈھکا تھا۔

"موسیٰ کا دل صرف سیاست میں لگتا ہے دشمنوں میں نہیں لیکن"

وہ جملہ ادھورا چھوڑ گیا۔

"لیکن کیا"

اسماعیل اُس کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔

موسیٰ کی آواز دھیمی ہو چکی تھی مگر اُس میں ایک درد چھپا تھا۔

"اُس کے باپ کا قتل نہیں کرنا چاہیے تھا وہ رو رہی تھی بہت رو رہی تھی"

اُس لمحے کمرے میں سناٹا چھا گیا جیسے وقت بھی اُس جملے پر ٹھٹھک گیا ہو۔

"مگر تم نے خود ہی کہا تھا کہ قتل ضروری ہے"

اسماعیل نے یاد دلایا۔

موسیٰ کی آنکھوں میں سرد روشنی ابھری۔

"ہاں قتل ضروری تھا۔ تاکہ اُسے پتہ چلے کہ فلسطین میں جو لوگ مر رہے ہیں وہ صرف خبروں میں نہیں مرتے وہ درد اصل میں کیسا ہوتا ہے"

اسماعیل اُس کی بات پر خاموش ہوا پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"اگر تمہیں اُس سے محبت ہو گئی ہو اور اُسے پتہ چل گیا کہ اُس کے باپ کے قاتل تم ہو تو کیا وہ تمہیں معاف کر دے گی"

موسیٰ نے سر جھکا یا نگاہیں پھر آسمان کی طرف اٹھائیں جہاں اب بجلی چمک رہی تھی۔

"جذبات کے قتل کی معافی ہوتی ہے لیکن باپ کے قتل کی نہیں ہوتی"

پھر اُس کے لہجے میں سختی آگئی۔

"میں نے اُسے سزا دی کیونکہ وہ مجھے تنگ کر رہی تھی۔ اور جو موسیٰ کو تنگ کرے موسیٰ اُس کو قبر میں اتارے گا"

مگر آج اُس کے الفاظ کی گھن گرج میں کہیں کچھ خالی تھا کچھ کمزور سا۔

اسماعیل نے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔

"تو پھر اُسی کو مار دیتے باپ کو کیوں مارا"

موسیٰ پلٹا اُس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

"مارنا اُسی کو تھا لیکن مار نہیں سکا۔ پتہ نہیں کیوں لیکن جو ازیت اُس کو اپنے باپ کو مرتا دیکھ کر ملی ہے وہ زیادہ خطرناک ثابت ہوئی"

اسماعیل کی آنکھوں میں ایک شرارت چمکی۔

"محبت نے قدم رکھ دیا ہے دل میں"

موسیٰ نے لب ہلائے سچائی تسلیم کی۔

"اب مجھے بھی لگ رہا ہے اُسے خود سے محبت کرواتے کرواتے خود اُس سے محبت کرنے لگا ہوں شاید"

اُس لمحے آسمان پر زوردار بجلی کڑکی۔ جیسے اُس کے دل کی حالت کی گواہی دے رہی ہو۔

اسماعیل نے گردن اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

"آسمان نے ثبوت دے دیا ہے تمہیں محبت ہو گئی ہے"

پھر وہ موسیٰ کے قریب آکر کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ایک بات بولوں جو اقتدار کا شوق رکھتے ہیں وہ محبت کا روگ نہیں پالتے"

موسیٰ کی آنکھوں میں ایک چمک لہرائی۔

"محبت کا روگ نہیں پالوں گا وہ میری ہی ہے جہاں تک اقتدار کی بات ہے یہ قتدار موسیٰ کا تھا ہے اور رہے گا"

الفاظ میں یقین تھا مگر وقت کیا وہ ساتھ دے گا۔

"جیسا تم کہہ رہے ہو ویسا ہی ہو میں چلتا ہوں"

اسماعیل اُس کے قریب سے گزرا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمرے کی خاموش فضا میں اب صرف بجلی کی گرج باقی تھی——اور وہ قدموں کی چاپ جو شاید سنائی نہیں دی تھی لیکن ایک اور شخص وہاں موجود تھا۔ اُس نے ساری باتیں سن لی تھیں۔ وہ جس خاموشی سے آیا تھا اُسی خاموشی سے چلا گیا۔

کمرے میں باقی رہ گیا صرف موسیٰ اور وہ آسمان جو جانتا تھا کہ محبت شروع ہو چکی ہے——اور انجام بہت قریب ہے۔

صبح کی روشنی آہستہ آہستہ ہر سمت پھیل چکی تھی۔ سورج کی کرنیں کھڑکیوں سے چھن کر دیواروں پر پڑ رہی تھیں، جیسے رات کی خاموشی کو نرمی سے جگا رہی ہوں۔ آسمان پر ہلکے گلابی بادل تیر رہے تھے اور ماحول میں ایک ٹھنڈی سی تازگی گھلی ہوئی تھی۔

فردان آج سات دن بعد کالج جا رہا تھا۔ گرے شرٹ اور بلیک پینٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح نفیس اور وجیہہ لگ رہا تھا۔ ہاتھ میں فائل تھامی جلدی سے سیڑھیاں اُترتے وہ کچن کی طرف آیا جہاں حفصہ بیگم ناشتہ تیار کر رہی تھیں۔

"امی میں لیٹ ہو رہا ہوں ناشتہ کالج سے کر لوں گا۔ اللہ حافظ" اُس نے جلدی سے کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

حفصہ بیگم نے فوراً اُس کا بازو تھام لیا "ارے بات تو سنو اتنی جلدی کہاں جا رہے ہو"

"امی فاطمہ کے گھر جانا ہے۔ بس اجازت دیں اللہ حافظ" فردان نے جلدی سے جواب دیا۔

اور وہ تیزی سے دروازہ عبور کر گیا۔

اسی لمحے رئیسہ کچن میں داخل ہوئی "یہ فردان اتنی صبح کہاں چلا گیا آنٹی"

"علشبہ کے گھر گیا ہے شاید فاطمہ سے کوئی کام ہو گا" حفصہ بیگم نے سکون سے جواب دیا۔

"آنٹی اگر کوئی ہیلپ چاہیے ہو تو مجھے ضرور بتایئے گا" رئیسہ نے پانی گلاس میں نکالتے ہوئے کہا۔

حفصہ بیگم چولہا بند کرتے ہوئے رئیسہ کی طرف مڑی۔ "نہیں بیٹا میں سب کر لوں گی۔ تم بس سیام کا خیال رکھو۔ ایک بات پوچھنی ہے برا نہ مانو تو"

"جی آنٹی پوچھیں" رئیسہ کچھ گھبرا گئی۔

"تمہارے اور سیام کے درمیان سب ٹھیک ہے" حفصہ بیگم نے نرمی سے پوچھا

۔

رئیسہ کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی وہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"پتا نہیں آنٹی میں بہت کچھ بدل چکی ہوں لیکن شاید سیام کو اب بھی وہی پرانی رئیسہ یاد ہے۔ وہ سمجھتا ہے میں ویسی ہی ہوں لیکن میرا یقین کریں میں بدل گئی ہوں۔ مجھے نہیں پتا ایسا کیا کروں کہ سب ٹھیک ہو جائے مجھے تو لگتا ہے وہ فاطمہ سے ابھی بھی محبت کرتا ہے"

حفصہ بیگم نے اُس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

"بیٹا سیام کو وقت دو اُس کے ساتھ رہو اُس کا خیال رکھو۔ جو کچھ سیکھا ہے سب کام میں لاؤ۔ اُس کے کپڑے اُس کا کھانا سب کچھ پہلے سے تیار رکھو۔ جب وہ گھر آئے تو اُسے اپنا خیال محسوس ہو۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ سے دعا مانگو دل سے "

کچن کے دروازے کے قریب ہی سیام خاموش کھڑا یہ سب سن رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر حیرانی کے ساتھ ساتھ شرمندگی بھی تھی۔ وہ سمجھتا تھا رئیسہ نے صرف ایک لمحاتی جذبے میں معافی مانگی تھی لیکن آج وہ اُس کی باتوں سے واقعی بدل جانے کا یقین دل میں محسوس کر رہا تھا۔

"ان شاءاللہ آنٹی میں سیام کو دیکھ کر آتی ہوں" رئیسہ نے نرم لہجے میں کہا اور باہر نکل گئی۔

"آ جاؤ سیام وہ چلی گئی ہے" سیام جلدی سے پلر کے پیچھے چھپ گیا تاکہ وہ اُسے نہ دیکھے۔ حفصہ بیگم مسکرا کر بولیں۔

"امی وہ میں بس ناشتہ کرنے آیا تھا" سیام شرمندہ سا قدم بڑھاتے ہوئے باہر آیا۔

"پتا ہے مجھے لیکن ناشتہ سے پہلے کچھ بات کرنی ہے"

سیام کو اندازہ تھا کہ بات رئیسہ کے بارے میں ہی ہو گی وہ خاموشی سے کھڑا رہا۔

"بچی بدل گئی ہے سیام اُسے ایک موقع دو معاف کر دو" حفصہ بیگم اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

"امی میں کوشش کر رہا ہوں اب میں اُس سے آرام سے بات کرتا ہوں" سیام نے ماں کا ہاتھ تھاما۔

"واہ بڑا احسان کرتے ہو آرام سے بات کر کے" حفصہ بیگم نے شرارت سے اُس کا کان کھینچا۔

"اچھا اچھا چھوڑیں ایک کپ چائے بنا دیں میں کمرے سے ہو کر آتا ہوں" سیام ہنسا

"ہاں اب تو کمرے میں بھی جانا ہے" حفصہ چھیڑنے لگی۔

"امی اگر ایسے ہی تنگ کرتی رہیں گی تو میں نہیں جا رہا"

"اچھا جاؤ جاؤ اتنے تم فرمانبردار" حفصہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

سیام ہنستے ہوئے باہر نکل گیا لیکن دل میں رئیسہ کی باتیں گونجتی رہیں۔

فاطمہ نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں پھر بوجھل قدموں سے اُٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے اُس کی آنکھوں کے گرد ہلکے غم کے مستقل پہرے دار کی طرح گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ خاموشی سے نیچے آئی تا کہ اپنی ماما کے لیے ناشتہ بنا سکے۔ ابراہیم صاحب کے انتقال کے بعد جیسے زندگی کے

سب رنگ ماند پڑ چکے تھے۔ اُس کی ماں نے کھانا پینا تقریباً چھوڑ ہی دیا تھا اور فاطمہ نے اب صرف اپنی نہیں اُن کی بھی ذمہ دار اُٹھانی تھی۔

ابھی وہ کچن کی طرف مڑی ہی تھی کہ اچانک دروازے کی گھنٹی بے تابی سے بجی۔

"آ رہی ہوں صبر تو کرو" وہ دوپٹہ سنبھالتے ہوئے بڑبڑائی آواز میں خفگی نہیں تھکن تھی۔

گھنٹی مسلسل بج رہی تھی جیسے سامنے والا بھی فاطمہ کی بے چینی میں شریک ہو۔ اُس نے دروازہ کھولا تو سامنے فردان بائیک پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ فاطمہ نے۔ حیرت سے اُسے دیکھا۔

"فردان تم صبح صبح یہاں"

"ہاں میڈم" وہ شوخی سے بولا "کالج جا رہا تھا سوچا شہزادی کو دیکھتا چلوں کچھ چاہیے تو نہیں"

فاطمہ کی آنکھوں میں نمی سی چمک گئی لیکن وہ مسکرادی۔ "مجھے تو بس باباکی ضرورت ہے فردان اور کسی چیز کی نہیں"

فردان کادل کٹ گیا۔ وہ بائیک سے اُتر آیا۔ باہر کھڑے ہونا اُسے اچھا نہیں لگا محلے کے کچھ لوگ کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے۔ فاطمہ اور فردان ہمیشہ بھائی بہن جیسے تھے لیکن آج نظروں میں کچھ اور تھا اور یہ 'کچھ اور' فردان کو بے چین کر رہا تھا۔

"فاطمہ میری بات سنو میرے پاس زیادہ وقت نہیں بس کچھ پوچھنے آیا تھا۔ تم جاب چھوڑدوگی کیا" اُس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

فاطمہ کا چہرہ لمحے بھر کو ساکت ہوگیا "میری جاب میرے باباکو کھاگئی ہے فردان تمہیں لگتاہے میں دوبارہ وہی کام کرپاؤں گی لیکن اب میں شہسوار ملک کو چھوڑوں گی نہیں۔ تم دیکھنا اُس کے خلاف ایف آئی آر درج کرواؤں گی" اُس کی آواز میں دکھ اور غصے کا امتزاج تھا۔

فردان نے آہ بھری "ہم گئے تھے پولیس اسٹیشن میں اور بھائی کوئی پرواہ نہیں ہے شہسوار نے تو اپنے ٹوئٹر پر بھی کلیئر کر دیا کہ اس کیس سے اس کا کوئی تعلق نہیں"

"تم نہیں جانتے فردان یہ سب اُسی کا کام ہے میں یقین سے کہہ رہی ہوں" فاطمہ کے لہجے میں شدت تھی۔

"ہو سکتا ہے لیکن پلیز فاطمہ موسیٰ سے دور رہو وہ آدمی ٹھیک نہیں لگتا جو دکھتا ہے وہ ویسا ہرگز نہیں"

"پہلے مجھے بھی یہی لگتا تھا لیکن وہ ویسا نہیں ہے۔ موسیٰ شروع میں بدلہ لینے آیا تھا لیکن وہ لے نہیں پایا" فاطمہ نے پلکیں جھکائیں پھر آہستہ سے بولی۔

"فاطمہ" فردان اُس کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ رہا تھا۔

"ریلکس مجھے لگتا ہے تم اُس کی ایڈکٹ ہو رہی ہو"

فاطمہ نے ہولے سے آنکھیں بند کر لیں جیسے ایک بھید کھلنے لگا ہو۔

"ہمارے نکاح کو چھ ماہ ہو چکے ہیں شروع میں بات چیت نہیں ہوتی تھی لیکن اب وہ اچھا ہے فردان وہ میری فکر کرتا ہے"

"ٹھیک ہے اس بارے میں پھر بات کرتے ہیں۔ تم ریسٹ کرو میں چلتا ہوں اللہ حافظ "فردان کو ایک جھٹکا سا لگا۔ لمحہ بھر کو وہ کچھ بول نہ سکا پھر جیسے خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

وہ جانتا تھا ایک عاشق کو اُس کے محبوب کے خلاف سمجھانا بیوقوفی ہے۔

"او کے اللہ حافظ "فاطمہ نے دھیرے سے کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

باہر خاموشی تھی لیکن فاطمہ کے دل میں طوفان برپا تھا۔

* * *

رئیسہ کمرے میں داخل ہوئی تو نظریں بے اختیار سیام کو تلاش کرنے لگیں۔ کمرہ خاموش تھا جیسے ابھی ابھی کسی کی موجودگی وہاں سے رخصت ہوئی ہو۔ اُس نے فوراً واشروم کا دروازہ کھولا مگر وہاں بھی خالی پن ہی بسا تھا۔

"یہ کہاں چلے گئے ابھی تو یہیں تھے" وہ خود سے بڑبڑاتے ہوئے اِدھر اُدھر نظر دوڑانے لگی۔

ابھی وہ دروازے کی سمت بڑھ ہی رہی تھی کہ سامنے سے سیام نمودار ہوا۔

"کہاں جارہی ہو" اُس نے آتے ہی رئیسہ کا بازو تھام کر نرمی سے پوچھا۔

رئیسہ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا" وہ آپ کہاں گئے تھے"

"کالی پہاڑی کے پیچھے چھپا ہوا تھا بس انتظار کر رہا تھا کہ کب رئیسہ میڈم مجھے ڈھونڈنے نکلیں گی"

سیام نے آنکھوں میں شوخی کی چمک لاتے ہوئے جواب دیا۔

رئیسہ کو اُس کے طنز میں چھپی محبت کا اندازہ ہو گیا" میں تو بس ناشتہ کا کہنے آئی تھی آپ کمرے میں نہیں تھے" اُس نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"ادھر ہی تھا تم میرے کپڑے نکال دو" سیام نے نرمی سے اُس کا بازو تھام کر اُسے ڈریسنگ کی طرف بڑھایا۔

"جی" رئیسہ نے مختصر جواب دیا اور الماری کی طرف بڑھ گئی۔ اُس نے ایک نفیس وائٹ پینٹ اور بلیو شرٹ نکالی جو تازہ استری شدہ تھی۔

"یہ لیں آپ کے کپڑے" وہ نرمی سے بولی۔

سیام کپڑے لیتے ہوئے اُس کے قریب ہوا" کل رات گرمی تو نہیں لگی"

رئیسہ فوراً سنبھل گئی" نہیں مجھے تو بہت اچھی نیند آئی"

"اچھا پھر وہ کون تھا جو بار بار بول رہا تھا مجھے گرمی لگ رہی ہے لائٹ کب آئے گی" سیام اُس کے جھوٹ کو مسکراہٹ کے ساتھ بے نقاب کر رہا تھا۔

رئیسہ نے نظریں چرائیں "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو گی میں نیچے جا رہی ہوں آپ بھی آجائیے گا" وہ تیزی سے جانے لگی مگر سیام نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"نیچے تو میں آجاؤں گا لیکن تم میرے ساتھ چلو گی ویٹ کرو میں بس کپڑے بدل کر آتا ہوں" وہ اُس کے چہرے کو نرمی سے چھو کر آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

رئیسہ پلکیں جھپکنا بھول گئی۔ سیام کا انداز آج کچھ اور ہی تھا کچھ مختلف کچھ نرم کچھ قریب۔

"ان کو کیا ہو گیا آج" وہ خود سے بڑبڑاتی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

دس منٹ بعد سیام واپس آیا۔ تر و تازہ پرفیوم کی ہلکی خوشبو لیے۔

"رئیسہ ادھر آؤ" اُس نے رئیسہ کو آئینے میں دیکھا اور پکارا۔

رئیسہ نے سوالیہ انداز میں اُس کی طرف دیکھا تو وہ اُس کی طرف بڑھا اور ہاتھ میں ایک سفید ٹائی تھمائی

"یہ لگادو"

"میں" رئیسہ نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں اس وقت کمرے میں تم ہی ہو اور رئیسہ بھی تمہارا ہی نام ہے شہزادی۔ اگر برا نہ لگے تو اس غلام کی ٹائی لگادو" سیام نے ہمیشہ کی طرح بات کو طنز سے لپیٹ دیا۔

"یہ بات بغیر طنز کے بھی کہہ سکتے تھے" رئیسہ کو ہنسی آگئی مگر سنجیدگی کا نقاب اوڑھ کر بولی

"اوکے شہزادی رئیسہ" سیام نے اب کی دھیرے سے طنز کیا۔ اُسے پہلی بار اس مشرقی لباس میں دیکھا۔ ہلکے گلابی رنگ کا سوٹ کندھے پر سلیقے سے رکھا دوپٹہ

اور بال جو ہائی پونی ٹیل میں بندھے تھے —— سیام نے پہلی بار اس کو غور سے دیکھا۔

رئیسہ نے آہستہ سے ٹائی باندھ دی۔

"ٹائی لگ گئی ہے "اُس نے بتایا مگر سیام کی نظریں اُس کے چہرے پر جمی تھیں۔

"چلو بال بھی بنادو "اُس نے برش بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بن گئے ہیں" رئیسہ خاموشی سے برش پکڑا اور اُس کے بالوں کو نرمی سے سنوارنے لگی۔ چند لمحے بعد اُس نے برش واپس رکھ دیا۔

"تھینک یو" سیام نے آہستہ سے اُس کی پیشانی سے ایک بکھری لٹ ہٹاتے ہوئے کہا۔

تبھی رئیسہ نے نرمی سے اُس کا ہاتھ تھاما آہستگی سے اُس کی شرٹ کے کف فولڈ کیے پھر اُس کے وینی ہاتھوں پر نرمی سے بوسہ دیا۔

"شکریہ مجھے ایک موقع دینے کے لیے" اُس کی آواز میں شکر گزاری تھی پچھتاوا نہیں۔

سیام ساکت کھڑا تھا جیسے وقت وہیں رک گیا ہو۔ رئیسہ خاموشی سے اُس کے پاس سے گزر گئی۔ سیام اُس کی پشت کو دیکھتا رہا شاید دل کی دھڑکن کو بھی اُس کے قدموں سے باندھ دیا گیا تھا۔

صبح کا وقت تھا ہلکی دھوپ شیشے کی دیواروں سے جم کے اندر اُتر رہی تھی ایر کنڈیشنر کی ٹھنڈی ہوا اور پسینے کی مہک فضا میں مل کر ایک خاص سا ماحول بنا رہی تھی شہسوار ٹریڈ مل پر دوڑ رہا تھا اُس کے سانسوں کی رفتار تیز تھی ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں اور چہرے پر مستقل سنجیدگی وہ روز کی طرح آج بھی اپنے معمول میں مصروف تھا جیسے زندگی کی تمام الجھنوں کو پسینے میں بہا دینا چاہتا ہو۔

کونے میں کھڑا جمال حسبِ معمول اس کا ویٹ کر رہا تھا۔

"جمال تمہاری شادی نہ ہونے کی اصل وجہ مجھے اب سمجھ آنے لگی ہے" شہسوار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ طنز کیا۔

"مطلب سر" جمال چونک کر بولا۔

"جب سارا وقت میرے سر پر سوار رہو گے تو شادی کہاں سے ہو گی" شہسوار نے سانسوں کے درمیان مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ ہنسا بھی لیکن ساتھ ہی اُس کا ہانپنا واضح ہو گیا۔ رننگ نے جسم کے ساتھ دل کو بھی بوجھل کر دیا تھا۔

جمال نے بات بدلی" سر ویسے بھی مجھے ابھی شادی نہیں کرنی اور آج آپ کی میٹنگ ہے مس سعدیہ اور جہانگیر صاحب کے ساتھ "

"ایک میٹنگ تم بھول گئے ہو جمال مس فاطمہ کے ساتھ" شہسوار نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

جمال کا چہرہ فوراً سنجیدہ ہو گیا۔

"سر معاملہ ابھی گرم ہے بہتر ہے آپ اُن کے گھر نہ جائیں"

"یہ معاملہ تو گرم ہی رہے گا لیکن اسے ایسے چھوڑا نہیں جا سکتا" شہسوار نے ٹاول سے چہرہ صاف کرتے ہوئے نرمی سے جواب دیا۔

وہ تیس سال کا ایک وجیہہ شخص تھا۔ سیاہ آنکھیں اُن سے بھی زیادہ سیاہ بال اور سرخ مائل گوری رنگت اُس کی شخصیت میں ایک وقار ایک خاموش شدت تھی جو اُس کے ہر انداز میں جھلکتی۔

"سر ایک بات کہوں" جمال نے تھوڑا جھجکتے ہوئے کہا۔

شہسوار نے دوڑنا بند کر کے اُسے دیکھا "کہو"

"مس فاطمہ آپ سے محبت نہیں کرتی اور اس الزام کے بعد تو وہ شاید سوچ بھی نہ سکے محبت کے بارے میں" جمال نے دل کی بات سادگی سے کہہ دی۔

"یا تو محبوب ملتا ہے یا اُس کی محبت دونوں ساتھ میں کبھی نہیں ملتے جمال اگر محبت ملے تو محبوب جدا ہو جاتا ہے اور اگر محبوب ملے تو محبت نصیب نہیں ہوتی اس لیے میں اس چاہ میں نہیں ہوں کہ اُس کی محبت ملے مجھے صرف وہ چاہیے میری محبت اُس کے لیے کافی ہے" شہسوار چند لمحے خاموش رہا۔ پھر گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

وہ سچ بول رہا تھا آنکھیں بند کر کے دل کی آواز سن رہا تھا لمحہ بھر کے لیے وقت جیسے تھم گیا تھا۔

"ان شاءاللہ جیسا آپ چاہتے ہیں ویسا ہی ہو گا۔ آپ فریش ہو جائیں میں گاڑی تیار کرواتا ہوں"

وہ یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔ پیچھے جم کی خالی فضا میں صرف مشینوں کی ہلکی آواز تھی اور شہسوار کی خاموشی جس میں اب صرف فاطمہ کی یادیں گونج رہی تھیں۔

کالج کی عمارت میں صبح کی خاموشی ابھی مکمل طور پر نہ ٹوٹی تھی ہلکی دھوپ کھڑکیوں سے چھن کر آفس کی سنہری دیواروں پر پڑ رہی تھی جیسے ہی فردان نے آفس کا دروازہ کھولا اندر کا منظر اُسے چونکا گیا۔

سامنے روما بے چینی سے چکر کاٹ رہی تھی اُس کے چہرے پر پریشانی اور آنکھوں میں بے تابی صاف جھلک رہی تھی۔

"مس روما آپ میرے آفس میں کیا کر رہی ہیں"

فردان کے لہجے میں حیرت کے ساتھ غصہ بھی تھا۔ اگر کسی نے روما کو یہاں دیکھ لیا تو۔

روما فوراً اُس کی طرف بڑھی آواز میں طوفان تھا۔

"میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں سات دن ہو گئے ہیں روز آپ کو کال کرتی ہوں، روز یہاں آتی ہوں لیکن آپ آپ آ کیوں نہیں رہے تھے"

وہ غصے سے ٹیبل پر ہاتھ مار گئی جیسے اُس کی برداشت کی حد ختم ہو چکی ہو۔

فردان روما کے شدید ردِ عمل پر اُلجھ گیا۔

"روما سب ٹھیک ہے کسی نے کچھ کہا ہے"

رومانے طنزیہ ہنسی مگر اُس کے چہرے پر پریشانی کا عکس تھا۔

"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے سر"

"بیٹھیں پلیز مجھے بتائیں کیا ہوا ہے"

فردان خود بھی سنبھلتے ہوئے چیئر پر بیٹھ گیا۔

روما لمحہ بھر چپ رہی، پھر دھیرے سے بولی۔

"آپ نے اُس دن کیفے میں مجھ سے کچھ پوچھا تھا میں اُسی کا جواب دینے آئی ہوں"

فردان کا دل ایک لمحے کو دھڑکا وہ سیدھا ہو کر بیٹھا "جی بولیے"

رومانے نظریں جھکالیں مگر الفاظ واضح تھے۔

"میری طرف سے ہاں ہے"

ایک لمحے کو وقت جیسے تھم گیا۔ فردان کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی لیکن فوراً سنجید گی چھا گئی۔

"روما ریسنٹلی میرے چاچو جان کی وفات ہو گئی ہے والدین ابھی کسی سے ملنے کے کنڈیشن میں نہیں ہے مجھے دو سے تین ہفتے دے دیں میں خود اپنے والدین کو آپ کے گھر لے کر جاؤں گا"

روما کی آنکھوں میں افسوس ابھرا "مجھے بہت افسوس ہوا لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے فردان سر"

"کیا مطلب" فردان اب مکمل پریشان ہو گیا۔

"موسیٰ بابا کو کسی بھی وقت ہمارے بارے میں بتا سکتا ہیں اور آپ جانتے ہیں اُن کا مزاج وہ فیصلہ کریں گے اور وہ فیصلہ ہماری مرضی کے خلاف ہو گا اگر آپ کو مجھ سے محبت ہے تو اب وقت آ گیا ہے اسے ثابت کرنے کا"

فردان کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"ثابت کیسے کیا ہمارا رشتہ یقین کے قابل نہیں رہا"

روما نے دل تھام کر کہا۔

"نکاح کر کے "

چند لمحے خاموشی چھا گئی صرف دیوار پر لٹکی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔

فردان نے گہری سانس لی، سنجیدگی سے بولا۔

"روما میں آپ کے گھر والوں کو منالوں گا یہ قدم یہ جلد بازی ٹھیک نہیں"

روما نے آنکھوں میں نمی لیے فیصلہ سنادیا۔

"میں خاندان کی پابندیوں سے واقف ہوں میں بس یہی کہوں گی اگر آج نکاح کے لیے تیار ہیں تو بتائیں ورنہ اپنی محبت کو ہمیشہ دل میں سنبھال کر رکھیں اللہ

حافظ اور آئندہ اگر محبت اون کرنے کی ہمت نہ ہو تو اس اظہار سے بھی گریز کرے"

وہ کھڑی ہوئی بیگ اُٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

"روما چلیے میرے ساتھ"

فردان نے اُس کے سامنے آکر راستہ روکا۔

"کہاں" روما نے چونک کر پوچھا۔

فردان نے نرمی سے اُس کا بیگ تھاما اور ایک اعتماد بھرے لہجے میں کہا۔

"مسجد نکاح کرنے"

روما کا سانس جیسے تھم گیا اُسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا کیا وہ واقعی اتنی جلدی مان گیا تھا۔

وہ دونوں آفس سے باہر نکلے ایک نئے سفر کی شروعات کے لیے۔

مسجد قریب ہی تھی۔ چھوٹی مگر صاف ستھری۔ سہن میں سفید سنگِ مرمر کی ٹھنڈی ٹھنڈی زمین اور باہر درختوں کی چھاؤں میں ہلکی ہلکی ہوا۔ مسجد کے اندر سکون چھایا ہوا تھا جیسے وقت نے اپنی رفتار سست کر دی ہو۔ چند نمازی قرآن کی تلاوت میں مشغول تھے۔

فردان نے وضو کیا سفید رومال سے ہاتھ پونچھے اور روما کے قریب آیا۔

"آپ تیار ہیں" اُس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

روما نے دھیمی سی ہاں میں سر ہلایا جیسے اُس کے دل کی دھڑکن بھی کچھ لمحے کو تھم گئی ہو۔

مولوی صاحب کو اطلاع دی گئی فردان کے دو ساتھی اور مسجد کے دو گواہ موجود تھے مسجد کے ایک گوشے میں سادہ سی سفید چادر بچھا دی گئی نکاح کے لیے دو

کرسیاں لگائی گئیں رومانے ایک خالی کمرے میں جا کر دوپٹہ ٹھیک کیا اور آنکھوں میں نمی لیے باہر آگئی۔

نکاح شروع ہوا۔

مولوی صاحب نے عربی میں خطبہ پڑھا کلماتِ نکاح ادا کیے۔

"فردان بن امروز آپ کو روما بنت یحیٰ سے نکاح کے قبول ہے"

"قبول ہے"

فردان کا جواب مضبوط پُراعتماد اور دل سے تھا۔

پھر روما سے وہی سوال ہوا۔ اُس نے پل بھر کو سانس روکی اور دھیرے سے بولی۔

"قبول ہے"

قلم و کاغذ پر دستخط ہوئے گواہان نے تصدیق کی دعائیں مانگی گئیں مسجد کی خاموش فضا میں آج دو دلوں کا مقدر لکھا گیا تھا۔

نکاح مکمل ہوتے ہی روما نے فردان کو دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ دی، جو نم آنکھوں کے پیچھے سے نکلی۔

"اب آپ کی محبت صرف زبانی وعدہ نہیں ایک رشتہ بن چکی ہے"

فردان نے اُس کے ہاتھ سے چپکے سے نکاح نامہ لے کر کہا۔

"اور یہ رشتہ چاہے دنیا جانے یا نہ جانے میرے لیے زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے چلے اب آپ کو کالج چھوڑ دو"

صحن میں چلتی ہوا نے دوپٹے کو ذرا سا ہلایا کہیں قریب اذانِ ظہر کی صدا بلند ہوئی یہ صرف وقتِ نماز نہیں تھا یہ ایک نئی زندگی کے آغاز کی گواہی تھی۔

نیچے لاؤنج میں ہلکی سی خنکی چھائی ہوئی تھی۔ سلیقے سے سجے ڈرائنگ روم میں گھڑی کی سوئیاں مسلسل چل رہی تھیں اور اُن کے درمیان ایک بارعب شخصیت صوفے پر بیٹھے انتظار میں تھی یحییٰ خان۔ گہرے براؤن رنگ کی جارجٹ کی شال کندھے پر رکھی سفید شلوار قمیص اور سنہری فریم والے چشمے میں وہ ہمیشہ کی طرح باوقار لگ رہے تھے۔

اُسی لمحے سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ گونجی، اور موسیٰ نمودار ہوا۔

کالا کڑھا ہوا کرتا بائیں کلائی پر چمکتی برانڈڈ گھڑی نیچے پشاوری چپل وہ بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ اُس کی چال میں اعتماد اور چہرے پر ہمیشہ کی سنجیدگی تھی مگر آنکھوں میں چھپا اضطراب یحییٰ خان کی نظر سے چھپا نہ رہ سکا۔

"السلام علیکم تایا جان اگر آپ تیار ہیں تو چلیں اسماعیل کی کال آئی تھی میٹنگ شروع ہونے والی ہے"

موسیٰ نے قریب آکر مؤدب انداز میں کہا۔

یحییٰ خان نے اُس کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا، ایک نظر سر سے پیر تک جائزہ لیا اور خفیف سا طنز چھپائے بغیر بولے۔

"وعلیکم اسلام مجھے تو لگا تھا تم بھول گئے ہو کہ الیکشن بھی سر پر ہے تمہاری تیاری دیکھ کر اچھا لگا لگتا ہے کچھ یاد تو ہے"

موسیٰ اُن کی بات کے پیچھے چھپا مفہوم بخوبی سمجھ گیا اُس کے چہرے پر خفگی کی ایک لہر ابھری۔

"میں کب سے سیاسی معاملات بھولنے لگا"

یحییٰ خان نے نظریں اُس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"جب سے تمہارے اپنی بیوی کے گھر کے چکر لگنے لگے ہیں"

یہ بات نشتر کی طرح چبھ گئی۔ موسیٰ کا چہرہ پل بھر کو سخت ہوا، مگر اُس نے خود پر قابو رکھا۔

"آپ کو کس نے کہا کہ میں وہاں گیا ہوں"

یحییٰ خان اب صاف صاف بات پر آ گئے۔

"کل رات تم اپنی بیوی کے گھر گئے تھے"

"بیوی نہیں دُشمن ہے میری"

موسیٰ کے لہجے میں غصہ ابھر آیا۔ اُس کے ہاتھ کی مٹھیاں سختی سے بند ہو گئیں۔

یحییٰ خان نے تلخی سے مسکرا کر وار کیا۔

"وہی دشمن جس کے آنسو پونچھنے تم اُس کے گھر تک جا پہنچے"

"نہیں بس اُس کے غم کا افسوس کرنے گیا تھا آخر انسانیت بھی کوئی چیز ہے" یہ طنز سیدھا دل پر لگا۔ موسیٰ نے نظریں چرائیں اور لاپرواہی سے کہا۔

یحییٰ خان نے شال کو شانوں پر مزید ٹھیک کرتے ہوئے کندھے اُچکائے۔

"امید کرتا ہوں تم وہی کرنے گئے ہو کیونکہ آج کل آثار کچھ اور بتا رہے ہیں"

انہوں نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔

"گاڑی میں بیٹھا ہوں آجاؤ"

یہ کہہ کر وہ قدموں کی مضبوط چاپ کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گئے۔

موسیٰ نے اُن کی پشت کو دیکھا دل میں کئی سوالات اُٹھے، مگر لب خاموش رہے۔ چند لمحے کھڑا رہا پھر آہستگی سے قدم بڑھائے اور اُن کے پیچھے باہر نکل گیا اُس کے قدموں کی چاپ میں کچھ بے یقینی کچھ ضد اور بہت سی اُلجھنیں تھیں۔

محلے کی گلی میں یکایک ہلچل سی مچ گئی شہسوار ملک کے قافلے کی چمچماتی گاڑیاں فاطمہ کے گھر کے باہر آکر رکیں سیکیورٹی گارڈز برق رفتاری سے باہر نکلے اور

شہسوار کے گرد حفاظتی دائرہ قائم کرلیا۔ محلے کے درودیوار اس غیر معمولی منظر سے چونک اٹھے۔

لوگ دروازوں اور کھڑکیوں سے جھانکنے لگے۔

شہسوار ملک یہاں۔

جو اسے جانتے تھے، وہ حیران تھے اور جو نہیں جانتے تھے وہ چہ مگوئیاں کرنے لگے۔

گارڈ نے ڈور بیل دی چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اماں بی دوپٹہ سر پر لیے دروازے پر آئیں تو ایک دم ٹھٹک گئیں اتنے سارے مرد، گاڑیاں باڈی گارڈز وہ خوفزدہ سی ہو گئیں۔

عین اُس وقت امروز صاحب مسجد سے واپس آرہے تھے۔ انہوں نے منظر دیکھا تو فوراً دروازے کی طرف بڑھے۔

"کون ہو تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو" اماں بی نے لرزتی آواز میں سوال کیا۔

شہسوار نے آگے بڑھ کر ادب سے جواب دیا۔

"بی جان میں شہسوار ملک ہوں اگر آپ برا نہ منائیں تو کچھ بات کرنا چاہتا ہوں اندر آ کر"

"لیکن ایسے یوں اچانک کوئی گھر میں نہیں آ سکتا" اماں بی نے تذبذب سے پیچھے ہٹتے کہا مگر ابھی اُن کی بات مکمل نہ ہوئی تھی کہ امروز صاحب بول پڑے۔

"آنے دے اماں اندر ملک صاحب آپ آیئے"

"شکریہ"

شہسوار نے سر ہلایا اور جمال کے ہمراہ اندر داخل ہو گیا۔

گھر کے اندر فاطمہ کچن میں علشبہ بیگم کے لیے چائے تیار کر رہی تھی چائے کپ میں انڈیلی ٹرے میں رکھی اور جیسے ہی لاؤنج کی طرف بڑھنے لگی سامنے کا منظر دیکھ کر اُس کے قدم رک گئے۔

شہسوار اُس کا دشمن اُس کے باپ کا قاتل اُس کے گھر میں۔

دھچکے سے اُس کے ہاتھ سے ٹرے چھوٹ گئی۔ گرم چائے کے چھینٹے پاؤں پر پڑے مگر اُسے اس کا ہوش ہی نہ رہا۔ وہ تو ایک لمحے میں ماضی کی تلخیاں دکھ، اور غصہ سب سمیٹے اُس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے گھر آنے کی ذلیل انسان"

وہ اُس کے قریب جا کر چلائی آنکھیں شعلہ بن گئیں۔

"فاطمہ بیٹا میری بات سنو" امروز صاحب نے اُس کا بازو پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ جھٹک کر ایک قدم اور آگے بڑھی۔

"تایا جان کیا ہو گیا ہے آپ کو یہ شخص میرے باپ کا قاتل ہے اور آپ اُسے میرے گھر لے آئے"

شہسوار کے چہرے پر ضبط کی ایک تہہ تھی۔

"میں یہی بات واضح کرنے آیا ہوں مس فاطمہ ایک موقع دیجیے مجھے"

"جسٹ شٹ اپ"

فاطمہ کی آواز دہل گئی۔

"تم بات کلئیر کرنے نہیں تماشہ بنانے آئے ہو اپنی الیکشن کی گری ہوئی ساکھ بچانے آئے ہو"

شہسوار نے گہری سانس لی۔

"آپ کو لگتا ہے مجھے اپنی ساکھ بچانے کے لیے کسی کی ضرورت ہے میں صرف آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ آپ کے والد کے قتل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں"

فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"بکواس بند کرو اپنی میں سب جانتی ہوں تم نے بدلہ لیا ہے تمہیں شرم نہیں آئی اگر بدلہ لینا تھا تو مجھ سے لیتے میرے باپ کو کیوں مارا"

شہسوار نے نظریں جھکا کر کہا۔

"اگر یہ قتل میں نے کیا ہوتا تو اتنی صفائی سے کرتا کہ آپ میڈیا میں آکر کوئی بیان نہ دے پاتیں میں کہہ رہا ہوں میں نے یہ قتل نہیں کیا یہ بدگمانی نکال دیجیے"

فاطمہ نے غرّا کر کہا۔

"بدگمانی سے باہر اب تم نکل آؤ کیونکہ اب میں تمہیں چھوڑنے والی نہیں اب تم دیکھو میں کیا کرتی ہوں"

پھر اُس کی نظریں امروز صاحب کی طرف مڑیں۔

"کس سے پوچھ کر بلوایا ہے انھیں یہاں"

"مس فاطمہ آپ سر کی انسلٹ نہیں کر سکتی" جمال نے غصے سے کہا۔

فاطمہ نے تیزی سے پلٹ کر جمال کی طرف دیکھا۔

"جسٹ شٹ اپ اگر تمہارے سر کی کر سکتی ہوں تو تمہاری بھی کر سکتی ہوں آئی سمجھ"

اُس کے لہجے کی تیزی پر شہسوار کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ آگئی۔ اگر اُس نے کہا تھا کہ وہ انسلٹ کر سکتی ہے تو اُس کو اجازت تھی شہسوار کی وہ کر سکتی ہے۔

"مس فاطمہ ایک بار بیٹھ کر بات" شہسوار ابھی بول رہا تھا فاطمہ نے اُس کی بات کاٹی۔

"سلیم"

فاطمہ کی آواز گونجی دور کھڑا محلے کا لڑکا سلیم جو کبھی اُس کا شاگرد رہا تھا فوراً لپکا۔

"انھیں لے کر جاؤ اور دھکے دے کر باہر پھینکواؤ"

شہسوار نے ایک بھنویں اُچکائی——اُس کے لیے یہ نیا تھا کہ کوئی اُسے دھکے دینے کی بات کرے۔ یعنی کوئی تو تھا جو اُس کو بھی دھکے دے کر نکالنے کی دھمکی دے سکتا تھا۔

سلیم آگے بڑھا مگر جمال نے اُسے ہاتھ سے روکا دانت پیس کر کہا۔

"ہم خود جا سکتے ہیں"

شہسوار نے فاطمہ کی آنکھوں میں ایک گہری نظر ڈالی جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو مگر خاموشی سے پلٹا۔

"چلو جمال"

وہ واپس مڑا قدم آہستہ مگر بھاری تھے۔ فاطمہ کے دل میں نفرت کا طوفان اور شہسوار کی پشت پر گہرا سکوت سایہ فگن تھا وہ دروازہ پار کر گیا مگر پیچھے ایک ایسا سوال چھوڑ گیا جو شاید وقت سے پہلے جواب نہ پائے گا۔

اسماعیل کافی دیر سے کالج کے باہر کھڑا تھا گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے نظریں گیٹ پر جمائے۔ سورج کی دھیمی دھوپ میں اُس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے لیکن جیسے ہی مرحا کی جھلک دکھائی دی اُس کی آنکھوں میں ایک روشنی سی بھر گئی وہ آہستہ آہستہ چلتی اُس کی طرف بڑھ رہی تھی ہاتھ میں بیگ چہرے پر امتحان کے بعد کا سکون۔

"کیسا ہوا پیپر" اسماعیل نے نرمی سے پوچھا اور اُس کا بیگ تھام لیا۔

مرحا نے بیگ پکڑاتے ہوئے بے فکری سے دروازہ کھولا اور گاڑی میں بیٹھ گئی جیسے برسوں کا اعتبار ہو۔

"اچھا ہوا ہے تم بتاؤ کب سے یہاں کھڑے ہو" اُس نے واٹر باٹل لیتے ہوئے پوچھا اسماعیل ہمیشہ اُس کا خیال رکھتا تھا خاص طور پر پیپر والے دن اور پانی دینا جیسے اُس کی عادت بن چکی تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے آیا ہوں بھوک تو نہیں لگی" وہ گاڑی مین روڈ پر ڈالتے ہوئے بولا ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر، دوسرا بازو آرام سے فولڈ کیے اور بال بے ترتیب سے ماتھے پر گرے ہوئے۔

"نہیں گھر جا کر کھالوں گی ویسے تم اتنے اچھے نہیں لگتے مجھے لیکن آج بہت لگ رہے ہو" مرحا نے ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر شرارت سے کہا۔

"اگر میں اچھا نہیں لگتا تو آج اتنی مہربانی کیوں ہو رہی ہے" اسماعیل نے اُس کے انداز میں ہی جواب دیا آنکھوں میں دلچسپی کی چمک۔

"کیونکہ جب تم میری فکر کرتے ہو تو مجھے اچھا لگتا ہے ایسے کسی نے کبھی نہیں کی بابا نے تو بالکل نہیں"

مرحا نے دھیرے سے کہا نظریں اسماعیل کے چہرے پر تھی مگر دل ایک زخم پر ٹھہرا ہوا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو نظر لگانی ہے مجھے"

اسماعیل نے یکدم بات کا رخ موڑنے کی کوشش کی جیسے جانتا ہو یہ یادیں اُس کے دل کو دکھ دیتی ہیں۔

"میں نے ماشاءاللہ دل میں پڑھ لیا تھا" مرحا نے دانتوں تلے زبان دباتے ہوئے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اسماعیل کی مسکراہٹ جیسے گاڑی میں روشنی بھر گئی ہو اور مرحا کے لیے وہ لمحہ دنیا کا سب سے خوبصورت منظر بن گیا۔

"مرحا ایک بات پوچھوں" وہ اب اُسے دیکھ رہا تھا آنکھوں میں سنجیدگی کے ساتھ نرمی بھی تھی۔

"پوچھونا"

"میں نے بس ایک بار اظہار کیا اور تم نے اقرار کر دیا تمہیں مجھ سے اتنی جلدی محبت کیسے ہو گئی"

مرحا نے سانس بھر کر اُس کی طرف دیکھا "محبت جلدی نہیں ہوئی تھی تم اچھے لگنے لگے تب جب تم میری بات کو اہمیت دیتے تھے پھر جب تم چھپ کر دیکھتے تھے میں محسوس کرتی تھی اور مجھے وہ احساس اچھا لگنے لگا پھر جب تم نے اطراف کیا تو اُسی لمحے دل نے تمہاری محبت قبول کر لی"

گاڑی آہستہ ہو چکی تھی جیسے وقت رُک گیا ہو۔

"ایک بات کہوں" مرحا نے نرمی سے اجازت چاہی۔

"حکم کرو" اسماعیل نے جھک کر کہا جیسے دل اُس کے قدموں میں رکھ دیا ہو۔

"مجھے اب خود سے زیادہ تم عزیز ہو"

مرحا کی آنکھوں میں سچائی کی کرن جھلک رہی تھی۔ اسماعیل کے دل میں ایک احساس گہرا ہوتا جارہا تھا۔ اُسے محسوس ہورہا تھا کہ وہ مرحا کی کچی عمر کا عشق بن چکا ہے مگر اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ کچی عمر کی محبت اگر سنبھالی نہ جائے تو پکی عمر کا بڑا روگ بن جاتی ہے۔

"تم منالو گے نا بابا کو" تھوڑی دیر بعد مرحا نے پھر آہستہ سے کہا۔

اسماعیل نے ڈرائیونگ روک کر اُس کی طرف دیکھا وہ لڑکی جس کی آنکھوں میں آس تھی جس کے چہرے پر اُمید تھی اُس کے دل میں صرف ایک سوال تھا۔

"میں منالوں گا مرحا"

بس یہی ایک جملہ مرحا کے دل سے سارے اندیشے سارے شک سارے ڈر نکال گیا۔

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ سورج کی کرنیں صحن کے فرش پر لمبی لکیروں کی صورت بکھری ہوئی تھیں۔ فاطمہ صحن میں کین کی کرسی پر بیٹھی تھی ایک ہاتھ میں چائے کا کپ اور دوسرے ہاتھ میں اُس کا موبائل۔ ہوا کی مدھم سرسراہٹ اور دور سے آتی پرندوں کی آوازیں ماحول میں ایک پُرسکون خاموشی گھول رہی تھیں۔

اچانک موبائل کی اسکرین روشن ہوئی——واٹس ایپ پر موسیٰ کا پیغام آیا تھا۔

>"ہزاروں سے باتیں نہیں کرنی
ہزار باتیں تم سے کرنی ہے"

>"لفظ سادہ ہے مگر کتنے پیارے ہے
تم ہمارے ہم تمہارے"

یہ وہی شعر تھا جو وہ پہلے بھیج چکا تھا تب فاطمہ بنا دیکھے ہی ڈیلیٹ کر دیا کرتی تھی لیکن آج اُس نے پیغام نہ صرف پڑھا بلکہ کچھ دیر اس پر نظریں جمائے رکھیں۔

پانچ منٹ بعد تیسرا شعر آیا۔

>"تو جو ہنس کر دیکھ لے میری طرف

خدا کی قسم میرے بخت ٹھکانے لگ جائیں

میرے سکون کے لیے کافی ہے میری جاں

تیرے شانے سے ہم کسی بہانے لگ جائیں"

ایک اور شعر اُس نے بھیجا۔

>"تیرا دیدار سے پہلے کی بات ہے

ہم عشق سے دور رہتے تھے"

یہ اشعار نہیں جیسے محبت کی نرم دھڑکنیں تھیں۔ فاطمہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری جیسے دل کے بند کمرے میں کسی نے چراغ جلا دیا ہو۔

ان سات دنوں میں موسیٰ نے جیسے خلوص کی انتہا کر دی تھی۔ ہر گھنٹے بعد ایک فون ہر بات پر خیال ہر کیفیت میں فکر۔ اگر فاطمہ کہہ دیتی کہ وہ موسیٰ سے محبت کرنے لگی ہے تو شاید اُس میں کوئی جھوٹ نہ ہوتا۔

اب اسکرین پر نام جگمگا رہا تھا—— شیر۔

"ہیلو" فاطمہ نے کال ریسیو کی آواز میں ایک نرمی سی تھی۔

"کیسی ہو" موسیٰ کی آواز سنتے ہی وہ آفس کی چیئر سے ٹیک لگا گیا فاطمہ کی آواز اب اُس کے کانوں کا سکون بن چکی تھی۔

"ٹھیک ہوں آپ نے کال کی سب خیر ہے" فاطمہ نے بال کان کے پیچھے کرتے ہوئے پوچھا انداز سادہ تھا مگر لہجہ خاص۔

"خیر نہیں ہے بیگم مجھے اپنی بیوی کی بہت یاد آرہی ہے" موسیٰ کی شوخی بھری آواز نے فضا میں ہلکی سی شرارت بھر دی۔

"اس کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے آپ کو" فاطمہ کے لبوں پر سات دن بعد مسکراہٹ ابھری۔

"شاعری بھی آتی ہے مگر مجال ہے بیوی صاحبہ نے کبھی تعریف کی ہو" موسیٰ خفا سا بولا اور فاطمہ ہنس پڑی۔ اُس کی ہنسی میں ایک معصوم شوخی تھی جو موسیٰ کو دیوانہ بنا دیتی تھی۔

"مسکراتی رہا کرو فاطمہ بہت اچھی لگتی ہو" موسیٰ نے دھیرے سے کہا جیسے دل سے نکلا ہو۔

"کیا کروں لوگ مسکرانے نہیں دیتے" فاطمہ کی آنکھوں کے سامنے شہسوار ملک کا چہرہ گھوم گیا لمحہ بھر میں مسکراہٹ دھندلا گئی۔

"کیا ہوا فاطمہ "موسیٰ فوراً سنجیدہ ہو گیا، اُس کی آواز میں فکر چھپ نہ سکی۔

"وہ آیا تھا" بس یہی کہنا تھا کہ موسیٰ سب کچھ سمجھ گیا۔

"شہسوار وہ کیوں آیا تھا وہاں "موسیٰ کی آواز میں غصے کی لپک تھی اُس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

"یہ ثابت کرنے کہ بابا کے قتل میں اُس کا کوئی ہاتھ نہیں "فاطمہ کی آنکھیں نم ہو گئیں دل پھر سے زخمی ہوا۔

"جھوٹا ہے وہ میں جانتا ہوں اُسے وہ شیطان صفت شخص ہے اب الیکشن آ گئے ہیں اس لیے ہمدردی کا ناٹک کرنے آیا ہے "موسیٰ نے غصے سے مٹھیوں کو میز پر مارا جیسے الفاظ سے آگ نکل رہی ہو۔

"جانتی ہوں میں لیکن چھوڑوں گی نہیں اُسے "فاطمہ نے دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ اُس کی آواز میں کمزوری نہیں ہمت کی جھلک تھی۔

"تم پریشان مت ہو دیکھ لوں گا میں اُس کو" موسیٰ کی آواز میں وعدے کی گونج تھی۔ "میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں"

یحییٰ خان کے اچانک آفس میں داخل ہونے پر موسیٰ نے فون بند کیا۔

کال ختم ہوتے ہی فاطمہ نے آنکھیں بند کیں جیسے تھکن اتار رہی ہو پھر خاموشی سے اندر کی طرف بڑھ گئی—— لیکن دل میں موسیٰ کے آخری جملے کی گونج باقی تھی۔

<"دیکھ لوں گا میں اُس کو"

موسیٰ کو جب سے یہ خبر ملی تھی کہ شہسوار فاطمہ کے گھر گیا ہے اُس کے اندر جیسے طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہو۔ غصہ اُس کے رگ وپے میں دوڑ رہا تھا۔ دل چاہتا تھا شہسوار کے وجود کو مٹا دے اُس کا چہرہ زمین سے رگڑ دے وہ کار چلا رہا تھا لیکن

اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے جیسے ابھی اگلے لمحے وہ گاڑی چھوڑ کر شہسوار تک اُڑ کر پہنچنا چاہتا ہو۔

"فاطمہ کے پاس اب کوئی بھی جائے یہ میں برداشت نہیں کر سکتا" وہ خود سے بڑبڑایا آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔

جیسے ہی موسیٰ آفس پہنچا تیز قدموں سے اندر داخل ہوا۔ ریسپشن پر بیٹھی سیکریٹری اُسے روکنے لگی۔

"سر پلیز آپ ایسے اندر"

"Just shut up! راستے سے ہٹو"

اُس کی آواز کی گرج سے سیکریٹری کے قدم خود بخود پیچھے ہٹ گئے آنکھوں میں جنون صاف دکھائی دے رہا تھا۔

موسیٰ نے شہسوار کے آفس کا دروازہ پوری طاقت سے دھکیل کر کھولا۔ شہسوار فون پر مصروف تھا مگر یہ اچانک حملہ اُس کو چونکا گیا۔

"تم چاہتے کیا ہو آخر" موسیٰ دھاڑا، جیسے آتش فشاں پھٹ چکا ہو۔

شہسوار نے فون میز پر پٹخا اور کھڑا ہو گیا۔

"یہ کیا بد تمیزی ہے یہ میرا آفس ہے تمہارا ذاتی ڈرائنگ روم نہیں"

"بکواس بند کرو" موسیٰ اُس کے قریب آیا "میں تمہیں آخری بار وارن کر رہا ہوں فاطمہ ابراہیم سے دور رہو"

شہسوار کی آنکھیں تنگ ہو گئیں۔ "کیوں کیا وہ تمہاری پھوپھی کی بیٹی لگتی ہے جس پر تمہاری ملکیت ہے"

"لگتی ہے یا نہیں یہ بتانے کی مجھے ضرورت نہیں" موسیٰ غصے میں آگے بڑھا "لیکن اگر آئندہ اُس کے گھر جانے کی کوشش بھی کی تو کیا کر جاؤں خود بھی نہیں جانتا"

شہسوار نے میز پر زور سے ہاتھ مارا۔ "میں جہاں چاہوں جاؤں گا تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے"

"میں اُس کا شوہر ہوں تمہیں اپنی بیوی کے گھر جانے سے روکو گا"

یہ جملہ جیسے وقت کو روک گیا ہو۔

شہسوار کی سانسیں اُکھڑ گئیں۔ اُس کے قدم پیچھے ہٹنے لگے جیسے زمین اُس کے نیچے سے نکل رہی ہو۔

"جھوٹ تم جھوٹ بول رہے ہو فاطمہ ابراہیم تم جیسے پر تھوکے بھی نہ" شہسوار کی آواز لڑکھڑا گئی۔

موسیٰ نے تمسخر سے ہنکارا۔

"وہ کبھی تھوکے گی نہیں کیونکہ وہ مجھ پر جان دیتی ہے"

شہسوار بے بس سا اُس کے قریب آیا "تم بدلہ لے رہے ہو اُس سے میں تمہیں تم سے بہتر جانتا ہوں"

"بدلہ ہو یا محبت یہ میرا معاملہ ہے لیکن یہ یاد رکھو فاطمہ ابراہیم اب موسیٰ شیر خان کی بیوی ہے اور تمہیں اُس سے دور رہنا ہے"

"یہ میرے بس میں نہیں ہے"

شہسوار کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ موسیٰ کا مکہ اُس کے چہرے پر جا لگا۔ شہسوار کے قدم ڈگمگا گئے۔

"شرم سے ڈوب مرو شہسوار ملک"

موسیٰ کی آواز بجلی کی طرح کڑکی "وہ صرف میری ہے"

شہسوار نے اُس کا گریبان پکڑا "تم نے اُسے صرف توڑنے کے لیے اپنی مرضی تھوپنے کے لیے شادی کی ہے اُسے کمزور کرنا چاہتے ہو جھکانا چاہتے ہوں "

"میری بیوی میری کمزوری نہیں میری طاقت ہے۔ اور جس کے ساتھ موسیٰ شیر خان کی طاقت ہو اُسے زمانہ تو کیا خود موسیٰ بھی نہیں جھکا سکتا" موسیٰ نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔

"اگر تم نے کبھی دل سے مجھ سے دوستی کی تھی تو تمہیں اُس دوستی کی قسم ہے میری بیوی سے دور رہو" پھر وہ شہسوار کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

یہ کہہ کر وہ دروازہ دھکیلتا ہوا چلا گیا پیچھے صرف شہسوار رہ گیا اکیلا شکست خوردہ بکھرا ہوا۔

پہلے اُسے دوست نے چھوڑا تھا اور اب

جس سے وہ محبت کرتا تھا وہ کسی اور کی بیوی تھی۔

~ کبھی جو خواب تھا وہ آج حقیقت بن گیا ہے

مگر کسی اور کی آنکھوں کا چراغ بن گیا ہے۔

میں جس کے نام سے دل کو تسلی دیتا رہا،

وہ اب کسی اور کے نام کی مانگ سجائے بیٹھی ہے۔

دوستی گئی محبت گئی اب فقط خاموشی ہے،

میری ہار کی گواہی بس یہ تنہائی دیتی ہے۔

(از قلم فاطمہ شاہد)

شام کے چھ بج چکے تھے سورج کی سنہری کرنیں صحن میں پھیلی تھیں جہاں حفصہ بیگم اور رئیسہ ایک چائے کے کپ کے ساتھ ہلکی باتوں میں مصروف تھیں۔

اچانک دروازے پر آہٹ ہوئی اور دروازے سے امروز صاحب کے ساتھ بدر خان اور اُن کی اہلیہ افراء بیگم اندر داخل ہوئیں رئیسہ کی نظریں چونک گئیں وہ ساکت بیٹھی رہ گئی دل جیسے پل بھر کو بند ہو گیا ہو۔

"حفصہ رئیسہ کے والدین آئے ہیں ذرا چائے پانی کا بندوبست کرو" امروز صاحب نے کہا۔

مگر بدر خان نے نرم لہجے میں ہاتھ اٹھا کر منع کیا" نہیں ہم بس رئیسہ سے کچھ بات کرنے آئے ہیں وقت کم ہے"

افراء بیگم کی نظریں صحن کے کونے کونے پر پھسل رہی تھیں۔ چھوٹا سا سادہ گھر پرانی دیواریں خاموش فضاء اور پھر رئیسہ پر نظر پڑی جو بڑی سی چادر اوڑھے وقار

سے بیٹھی تھی۔ افراء بیگم کی آنکھوں میں ناگواری ابھری جیسے یہ منظر اُن کی سوچ سے میل نہ کھاتا ہو۔

"کیا بات کرنی ہے جلدی کریں" رئیسہ نے بے نیازی سے کہا۔ اُس کی آواز میں سالوں کا زہر اور کرب چھپا تھا۔

عین اسی لمحے سیام آفس سے واپس آرہا تھا۔ سامنے اپنے سسر کو دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹھکا مگر خاموشی سے وہیں رک گیا۔

"ہم باہر سیٹل ہو رہے ہیں یہ خان انٹرپرائزز اور وہ گھر جہاں ہم رہتے تھے سب تمہارا ہے" بدر خان نے چند کاغذات رئیسہ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

رئیسہ نے کاغذات کی طرف ایک نظر ڈالی پھر نظریں ہٹا لیں۔

"وہ رئیسہ بدر خان تھی جسے یہ سب چاہیے تھا لیکن اب رئیسہ سیام میر امروز ہے اُسے آپ سے کچھ نہیں چاہیے شکریہ کہ آپ کو یاد آیا لیکن یہ کاغذ واپس لے جائیں"

آنسو آنکھوں کے کناروں تک آ گئے تھے مگر اُس نے پلک تک نہ جھپکی۔ وقار سے اُنہیں روکے رکھا۔ سیام جو دور کھڑا سب سن رہا تھا اُس کی باتوں پر بے اختیار مسکرا اُٹھا فخر سے۔

"یہ تمہارا حق ہے رئیسہ قبول کر لو" افراء بیگم نے کمرے کو ایک بار پھر حقارت سے دیکھا اور کہا۔

رئیسہ جیسے برس پڑی ہو لفظوں کا طوفان اُس کے اندر سے نکلا۔

"میرے اور بھی حق تھے میرا حق تھا کہ میرے والدین میری پرورش کرتے کیوں ملازموں کے حوالے کیا میرا حق تھا کہ ماں باپ کا پیار ملتا کیوں ہمیشہ اکیلا

چھوڑا جب کہتی تھی کہ مجھے آپ کی ضرورت ہے تو آپ پارٹیز میں مصروف ہوتے تھے یہ کاغذیہ حق نہیں تلافی ہے"

افراء بیگم نے رئیسہ کا ہاتھ تھامنا چاہا مگر رئیسہ جھٹک کر پیچھے ہٹ گئی۔

"آپ کی وجہ سے میں نے سیام پر الزام لگایا کیونکہ مجھے کبھی صحیح اور غلط کی تمیز ہی نہیں دی گئی"

اُس کی آواز لرز رہی تھی۔

"میں سب کے سامنے کہتی ہوں مجھے افسوس ہے میں غلط تھی وہ سب میری جھوٹی کہانی تھی سیام نے کچھ نہیں کیا تھا"

وہ امروز صاحب کے سامنے جھک گئی ہاتھ جوڑ دیے۔

"انکل پلیز سیام کو معاف کر دیں۔ اُس کا کوئی قصور نہیں صرف میں تھی جو غلط تھی میں انتقام میں پاگل ہو گئی تھی پلیز اُن کو معاف کر دے پلیز"

امروز صاحب کا چہرہ نم ہو چکا تھا، اُنہوں نے رئیسہ کے سر پر ہاتھ رکھا "بیٹا چھپ کرو میں نے تمہیں معاف کیا"

رئیسہ نے اپنے والدین کی طرف دیکھا بھی نہیں بس ایک آخری زخم دے دیا۔

"آپ لوگ جا سکتے ہیں اور اپنی دی گئی 'محبت' کے چند ٹکڑے ساتھ لیتے جائیں"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بھاگی آنسو اب اس کی پلکوں سے نکلنے لگے تھے۔

حفصہ بیگم کی آواز میں اضطراب تھا "سیام جاؤ دیکھو اُسے"

سیام خاموشی سے اوپر بھاگ گیا۔

بدر خان نے بے چینی سے ماحول دیکھا "میرے خیال میں ہمیں چلنا چاہیے اللہ حافظ"

وہ دروازے سے نکل گئے اور پیچھے فقط وہ جذبات رہ گئے جو برسوں بعد ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔

--

رئیسہ کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر کے اُس سے ٹیک لگا گئی پلکوں پر جمی ہوئی نمی اب خود کو آزاد کرنے کو بے تاب تھی وہ زمین پر بیٹھ گئی جیسے زندگی کی ساری طاقت چھن چکی ہو آنسو خاموشی سے گالوں پر بہہ رہے تھے اور ہچکیوں کی آواز اُس کی بے بسی کو چیخ چیخ کر ظاہر کر رہی تھی۔

"کیوں کیا میرے ساتھ ایسا"

"کیوں نہیں ملا وہ لمس جو ہر بچی کو اپنی ماں سے ملتا ہے"

"کیوں میرا بچپن نارمل نہیں تھا"

اُس کی آواز لرز رہی تھی دل جیسے برسوں کے بوجھ تلے دب چکا ہو۔

دروازہ آہستہ سے کھلا۔

سیام اندر آیا قدم دھیرے تھے مگر دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اُس نے رئیسہ کو یوں بکھرا ہوا کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ خاموشی سے اُس کے قریب آیا اور اُس کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔ رئیسہ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا آنکھیں نم، چہرہ تھکا ہوا جیسے ہر احساس اب بے جان ہو چکا ہو۔

"میں میں نے تمہیں بہت تکلیف دی سیام"

اُس کی آواز میں پچھتاوا ندامت اور ایک عجیب سی بے بسی تھی۔

"تمہارے ساتھ زیادتی کی تمہیں بدنام کیا اور پھر پھر تمہیں دل دے بیٹھیں میں بہت بری ہوں نا تمہیں فاطمہ سے دور کیا"

سیام نے نرمی سے اُس کے چہرے پر ہاتھ رکھا۔

"بُری"

اُس نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا"رئیسہ تم وہ ہو جسے محبت کے لیے کبھی جگہ نہیں ملی لیکن تم نے دل دینا سیکھا ٹوٹنے کے بعد بھی محبت کرنا نہیں چھوڑا ایسی محبت بری نہیں ہوتی بہت خالص ہوتی ہے اور جہاں تک رہی بات فاطمہ کی تو اُس سے دور مجھے ہونا تھا کیونکہ مجھے رئیسہ کے قریب جو آنا تھا"

رئیسہ نے نظریں جھکالیں۔

"لیکن تم کیسے محبت کر سکتے ہو مجھ سے جب میں نے تمہیں ہی سب سے زیادہ دکھ دیے"

سیام اُس کے اور قریب ہو گیا اُس کے چہرے سے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

"محبت دلیلوں سے نہیں ہوتی رئیسہ اور تم نے جو دکھ دیے اُن سے زیادہ تم نے میرے دل کو چھو لیا تمہاری سچائی تمہاری آنکھوں کی نمی سب کچھ مجھے تم سے اور بھی قریب کر گئی ہے"

رئیسہ کا دل لرز اٹھا۔

"کیا کیا تم اب بھی مجھے چاہ سکتے ہو ایسے جیسے ایک شوہر چاہتا ہے جیسے ایک دوست چاہتا ہے جیسے کوئی چاہنے والا صرف چاہتا ہے"

سیام نے دھیرے سے اُس کا چہرہ اوپر کیا نظریں اُس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"نہیں رئیسہ میں صرف تمہیں چاہتا نہیں میں تمہیں چاہ چکا ہوں مکمل طور پر"

پھر ایک لمحے کی خاموشی کے بعد سیام نے اُسے آہستہ سے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ رئیسہ نے ہچکیوں کے ساتھ اُس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ وہ لمحہ وقت

سے باہر تھا۔ وہاں صرف دو دل تھے دو روحیں جو برسوں بعد ایک مکمل سانس میں جُڑ گئی تھیں۔

"اب تم میرے پاس ہو رئیسہ اور یہ وعدہ ہے زندگی کے کسی موڑ پر تمہیں پھر کبھی اکیلا محسوس نہیں ہونے دوں گا" سیام نے آہستہ سے اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

رئیسہ کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں مگر ان میں پہلی بار سکون کی روشنی جھلک رہی تھی۔

دروازے کے باہر رات گہری ہوتی جا رہی تھی

اور اندر۔

دو دل ایک خاموشی میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

کہیں بغیر سب کچھ کہہ چکے تھے۔

۔۔۔۔

رات کا وقت تھا۔ کمرے میں ہلکی روشنی جل رہی تھی اور باہر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ فردان بار بار فون پر نظر ڈال رہا تھا۔ دل بے چین ہو رہا تھا جیسے کوئی بات کیے بغیر نیند نہ آئے گی۔ اُس نے پھر کال ملائی یہ پانچویں بار تھی۔

بالآخر کال ریسیو ہوئی۔

"السلام علیکم کب سے فون کر رہا ہوں کہاں تھی تم"

فردان کی آواز میں بے چینی اور فکر دونوں جھلک رہے تھے۔

دوسری طرف روما نے بالوں کو جوڑے کی قید سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔

"میں کہیں نہیں گئی بس یہیں تھی آپ نے کال کی خیریت ہے سب"

فردان بیڈ پر سیدھا لیٹتے ہوئے مسکرایا "سوچا تم نے تو فون کرنا نہیں میں ہی کر لوں۔ تم وقت پر گھر پہنچ گئی تھی نا"

"جی پہنچ گئی تھی" روما نے نرمی سے جواب دیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر فردان کی آواز میں ایک گہری سنجیدگی ابھری۔

"روما میں جانتا ہوں تم مجھ سے محبت نہیں کرتی اور یہ نکاح تم نے کسی ضد کسی دباؤ میں آکر کیا لیکن میں نے یہ نکاح دل سے کیا ہے محبت ہے مجھے تم سے محبت کی امید نہیں ہے تم سے بس اتنا چاہتا ہوں کہ تم مجھ پر بھروسا کرو کیونکہ اب میں تمہارے ساتھ ہوں ہمیشہ کے لیے"

روما کی پلکیں جھپکیں دل جیسے ایک پل کو رُک گیا۔ اُس نے آہستگی سے سانس لی۔

"فردان مجھے آپ پر یقین ہے تبھی تو میں نے آپ سے نکاح کا کہا لیکن مجھے اپنے خاندان پر بھروسہ نہیں۔ میں جانتی ہوں جو ماضی میں ہو چکا اُسے میں بدل نہیں سکتی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ وہ سب بھول جاؤں اور یہ یاد رکھوں کہ اب کوئی ہے جو مجھے چاہتا ہے اور ہاں آپ بھی یہ یقین رکھیں روما یحیٰی کی زندگی میں اب صرف فردان امروز ہے"

ایک خاموش لمحہ گزرا۔ پھر فردان کی آواز نے نرمی سے شرارت کا روپ لے لیا۔

"اتنی پیاری باتیں کرو گی تو ساری رات فون کان سے لگا کے بیٹھا رہوں گا"

روما کھلکھلا اٹھی "لیکن میں تو کال کاٹ دوں گی"

"کل کالج آؤ پھر دیکھتا ہوں"

فردان نے ہلکی سی دھمکی دی۔

"میں ڈرتی نہیں ہوں" روما اب سنجیدہ ہو گئی۔

"اچھا کل میتھس کا ٹیسٹ ہے پھر پتہ چلے گا"

فردان جانتا تھا کہ روما میتھس سے بھاگتی ہے۔

"یہ تو غلط ہے نئی نئی بیوی کے ساتھ ایسے تھوڑی کرتے ہیں" روما نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"اور یہ جو نئی نئی بیوی اپنے نئے نئے شوہر کی بات نہیں مانتی اُس کا کیا"

فردان نے اُسی کے انداز میں جواب دیا۔

"ارے مانوں گی نا میں تو مزاق کر رہی تھی"

روما فوراً سیدھی ہو گئی۔

"اچھا جی مزاق لیکن میں بالکل بھی مزاق نہیں کر رہا اپنی نئی بیوی کے ساتھ"

فردان نے معصومیت سے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"فردان آپ اپنی نئی بیوی کو فیل کر دیں گے"

روما نے منہ بنا لیا۔

"دماغ کہتا ہے کر دوں لیکن دل کہتا ہے نئی نئی بیوی ہے تھوڑی رعایت دے دو

"

"آپ کا دل بہت اچھا ہے آپ اُسی کی سنیں" روما نے فوراً کہا۔

"مطلب نئی نئی بیوی کو رعایت دے دی جائے"

فردان اب بھی اُسے چھیڑ رہا تھا۔

"یہ کیا نئی نئی بیوی لگا رکھا ہے"

روما جھنجھلا گئی۔

"تو کیا نئی نہیں ہو"

"توبہ ہے میں ویسے ہی بولی آپ تو شروع ہو گئے"

روما آنکھیں گھما کر بولی۔

"میں نے بھی ویسے ہی بولا"

فردان نے معصوم بن کر کہا۔

"میں کال کاٹ رہی ہوں اللہ حافظ" روما نے ہنستے ہنستے کال کاٹ دی۔

فردان نے فون کی اسکرین کی طرف گھورا جیسے روما اب بھی وہیں ہو۔

"اب تو پکا کل فیل کروں گا"

وہ ہنستے ہوئے بولا اور فون تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

کمرے کی خاموشی میں اُس کی مسکراہٹ اور دل کی دھڑکن ایک ساتھ گونج رہی تھی۔

"کبھی کبھی ایک کال ایک ہنسی ایک جملہ دل کو مکمل کر دیتا ہے"

کمرے میں ہلکی سی روشنی بھی نہیں تھی۔ ایک خاموشی تھی جو چیخ چیخ کر شہسوار کی اندرونی حالت بیان کر رہی تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھا دونوں ہاتھوں میں سر تھامے ساکت سا نظر آ رہا تھا جیسے وقت وہیں رک گیا ہو۔

جب سے اُسے خبر ملی تھی کہ فاطمہ اب موسیٰ کی ہو چکی ہے اُس کے حواس معطل ہو گئے تھے۔ دنیا کی ہر کامیابی ہر جیت ہر اختیار بے معنی ہو گیا تھا۔ وہ جو ہزاروں دلوں پر حکومت کرتا تھا آج خود اپنے دل کا غلام بن بیٹھا تھا۔

اسی لمحے جمال اندر داخل ہوا۔ کمرے کی گھٹن محسوس کرتے ہی وہ چونکا۔

"سر آپ ٹھیک ہیں "اُس نے فکر مندی سے پوچھا۔

شہسوار نے آنکھیں بند رکھتے ہوئے بمشکل آواز نکالی۔

"اب ٹھیک ہونا ممکن نہیں رہا جمال"

"سر کچھ تو بتائیں آخر ہوا کیا ہے" جمال نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

شہسوار نے آہستہ سے سر اُٹھایا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور چہرے پر بے بسی کا نقش نمایاں تھا۔

"موسیٰ سے اُس کا نکاح ہو گیا ہے۔ اللہ نے اُسے موسیٰ کو دے دیا کاش مجھے دے دیتا میں اُسے محبت دیتا عزت دیتا اپنی دنیا کا مرکز بناتا کیا میں اُسے ڈیزرو نہیں کرتا تھا"

"سر آپ مس فاطمہ کی بات کر رہے ہیں" جمال نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

شہسوار نے نم آنکھوں سے دیکھا "میرے پاس بات کرنے کو اب بس وہی ایک نام بچا ہے جمال"

پھر وہ یکدم اُٹھا اور فرش پر پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ اپنے دونوں گھٹنے سمیٹ کر سر اُن میں چھپا لیا۔ ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔

"اللہ پلیز ایک بار ایک بار مجھے وہ دے دے میں سب کچھ چھوڑ دوں گا سیاست اقتدار ظلم سب کچھ لیکن اُسے دے دے"

جمال نے ایک لمحے کے لیے رک کر شہسوار کی حالت دیکھی یہ وہ شہسوار نہیں تھا جو دنیا کو مٹھی میں رکھتا تھا یہ ایک عاشق تھا جو ٹوٹ چکا تھا۔ جمال خاموشی سے باہر چلا گیا۔

اب کمرے میں صرف شہسوار کی گمبھیر ہچکیوں کی آواز باقی تھی اور اُس کی دعاؤں کی بازگشت۔

"میں بُرا سہی پر اتنا نہیں کہ عشق کی سزا یہ ہو"

وہ بار بار آسمان کی طرف دیکھتا اور روتے ہوئے کہتا۔ "اللہ میں فاطمہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا پلیز بس ایک بار ایک بار"

اس کی ٹوٹی ہوئی آواز اندھیرے کو چیرتی رہی

> کسی کو عشق کی اچھائی نے مار ڈالا

کسی کو عشق کی گہرائی نے مار ڈالا

کر کے عشق کوئی نہ بچ سکا

جو بچ گئے اُنہیں تنہائی نے مار ڈالا۔

وہ فرش پر بیٹھا دونوں بازوؤں سے گھٹنوں کو جکڑے ٹوٹا ہوا انسان لگ رہا تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں ہونٹ کپکپا رہے تھے اور دل دل تو جیسے کسی نے نچوڑ لیا تھا۔

ہچکیوں میں ڈوبی آواز میں وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بول پڑا۔

"اللہ اے میرے رب ایک بار بس ایک بار وہ دے دے"

"میں نے بہت ظلم کیے بہت گناہ کیے سیاست کی گندی سڑکوں پر چلا لوگوں کو دھوکہ دیا جھوٹ بولا دھمکایا لیکن دل کے اس کونے کو ہمیشہ صاف رکھا جس میں صرف اُس کا نام لکھا تھا فاطمہ"

"مالک تو سب جانتا ہے تجھ سے کچھ چھپا نہیں تجھے معلوم ہے میں نے کسی لڑکی کو کبھی نظر بھر کر نہیں دیکھا کسی کے ساتھ کھلواڑ نہیں کیا بس فاطمہ سے دل لگا بیٹھا اور وہ دل آج تیرے حضور فریاد لے کر آیا ہے"

"تو سب کا ہے سب کو دیتا ہے تو سنے گا نہ بس ایک بار دے دے اُسے مجھے ایک بار میں سب چھوڑ دوں گا سب سیاست دولت طاقت یہاں تک کے اپنا نام بھی مٹا دوں گا اگر وہ میری بن جائے"

"تو چاہے تو کسی مردہ کو زندگی دے دے، تو چاہے تو پتھر میں سے پانی نکال دے تو چاہے تو فاطمہ کو میرے نام کر دے تو رب ہے میں صرف ایک بدکار بندہ"

اس کے آنسو اب داڑھی میں جذب ہو رہے تھے۔ سانس ٹوٹ ٹوٹ کر آ رہی تھی مگر دل کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔

"میں اُس کے بغیر نہیں جی سکتا یا اللہ نہیں جی سکتا وہ کسی اور کی ہو گئی یہ سوچ کر دل پھٹ رہا ہے وہ میری کیوں نہیں ہوئی"

"تو انصاف کرتا ہے نہ تو رحمت ہے نہ تو شہسوار کو بس وہ عطا کر دے میں اس کے قدموں پر زندگی وار دوں گا میں کبھی اُس کو تکلیف نہیں دوں گا بس وہ دے دے رب دے دے"

وہ پنجوں کے بل جھک گیا اور اپنا سر فرش سے ٹکا دیا۔

"میرے گناہ بہت ہیں لیکن اگر کبھی تیری بارگاہ میں میری کوئی نیکی قبول ہوئی ہو اگر کبھی کسی یتیم کے آنسو پونچھے ہوں کسی کو بے لوث معاف کیا ہو تو اُس کے صدقے وہ مجھے دے دے"

"مالک پلیز پلیز"

"شہسوار اتنا برا نہیں ہے وہ بس اُس کے بغیر ادھورا ہے"

یہ وہ لمحہ تھا جہاں شہسوار نے خود کو رب کے آگے بالکل بے لباس کر دیا وہ طاقتور سیاستدان نہیں رہا تھا ایک عام انسان بن گیا تھا جسے بس اپنے رب سے پسندیدہ عورت چاہیے تھی۔

> یا اللہ دے دے اُسے میری قسمت میں

میں نے سب کچھ لٹا دیا بس وہ باقی ہے

تیرے آگے ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہوں

تو خالی نہ لوٹا کچھ تو باقی ہے

(از قلم فاطمہ شاہد)

رات کے دس بج چکے تھے بارش تھم چکی تھی لیکن کھڑکی کے شیشوں پر نمی ابھی باقی تھی کمرے میں ہلکی مدھم روشنی تھی سیام لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے کام میں مگن تھا جب رئیسہ ہاتھ میں کپ لیے خاموشی سے اندر داخل ہوئی۔

"آپ کی چائے" رئیسہ نے ہلکے سے مسکرا کر کپ اُس کی طرف کیا لیکن ہاتھ بایاں تھا۔

سیام نے نظریں اُٹھائیں کپ کی طرف دیکھا اور پھر رئیسہ کی طرف۔

"میری سلیقہ شعار رئیسہ شہزادی اگر کسی کو کچھ دینا ہو تو دائیں ہاتھ سے دیا جاتا ہے" سیام نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا مگر لہجے میں طنز کا ہلکا سا رنگ چھپا تھا۔

رئیسہ نے فوراً ندامت سے سر ہلایا "سوری آئندہ خیال رکھوں گی"

وہ کپ تھام کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔

"وہ مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے" رئیسہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"بولو" سیام نے چائے کا پہلا گھونٹ لیا۔ جیسے ہی ذائقہ زبان کو چھوا اس کی بھنویں سکڑ گئیں۔ نمک کی زیادتی نے چائے کو زہر بنا دیا تھا مگر اس نے بمشکل حلق سے اتار ہی لیا۔

"ہم کل شاپنگ پر جا سکتے ہیں" رئیسہ بولی "یہ ہیوی ڈریسز مجھ سے نہیں پہنے جاتے"

سیام نے کپ نیچے رکھا اور اُسے غور سے دیکھا۔

"رئیسہ ایک بات سچ سچ بتانا یہ بیویوں کے پاس کون سی طاقت ہوتی ہے جس سے انہیں پتہ چل جاتا ہے کہ شوہر کو سیلری مل چکی ہے"

رئیسہ ہنس پڑی "یہ تو اچھی بات ہے نا اب دل کھول کے شاپنگ کروں گی"

"جیسے دل کھول کے نمک ڈالا ہے چائے میں" سیام نے کپ اس کے سامنے کیا

۔

"ارے نہیں شوگر ڈالی تھی میں نے میں نے تو یوٹیوب سے ریسپی سیکھی"

رئیسہ نے فخر سے کہا۔

سیام نے ہنستے ہوئے سر ہلایا "کاش تم ریسپی مجھ سے پوچھ لیتی"

"چائے اچھی نہیں بنی" رئیسہ نے پہلی بار اس کے لیے کچھ دل سے بنایا تھا اس کی آنکھوں میں ایک معصوم سوال جھلک رہا تھا۔

"بہت اچھی بنی ہے" سیام نے اُس کا دل رکھنے کے لیے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر میری بات وہی رہ گئی تھی لے جائیں گے نا شاپنگ پر" رئیسہ کو اپنی بات یاد آ گئی۔

"لے جاؤں گا کل تیار رہنا آفس سے واپسی پر چلیں گے" سیام نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ایک بات کہو" سیام کی انگلیاں رئیسہ کے ہاتھ پر رقص کر رہی تھیں۔

"جی کہیں" رئیسہ نے اس کے لمس سے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میک اپ مت لینا کیونکہ تم میک اپ میں بہت ڈراؤنی لگتی ہو"

رئیسہ جو شرما رہی تھی جیسے کوئی محبت بھرا جملہ سننے والی ہو۔

"آپ بہت بد تمیز ہیں" اُس کی بات سُن کر منہ بناتے ہوئے بولی۔

اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی جو سیام نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

"تو تم تمیز سکھا دو نا" سیام نے اُسے مزید قریب کرتے ہوئے کہا۔

"پہلے تو آپ ایسے نہیں تھے" رئیسہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"پہلے رئیسہ عرف شہزادی میری زندگی میں نہیں آئی تھی"

"یہ باتیں کب سے کرنے لگے آپ" رئیسہ شرارت سے بولی۔

"جب سے تم آئی ہو" سیام نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

"یعنی اب زندگی حسین ہو گئی ہے" رئیسہ نے شرما کر کہا۔

"حسین نہیں بے حد حسین" سیام نے اس کے ہاتھ پر نرمی سے بوسہ دیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب اُس نے رئیسہ کے ہاتھ کو چوما تھا۔

"بس ایک بات مان لو میک اپ مت لینا میرا دل سچ میں کمزور ہے" لیکن اگلے لمحے پھر چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔

"حد ہو گئی میں نہیں جا رہی آپ کے ساتھ شاپنگ پر میں آنٹی کے ساتھ چلی جاؤں گی آپ اپنی سیلری بچائیں"

"ہاتھ چھوڑیں فوراً چھوڑیں" وہ ہاتھ پر ہلکے تھپڑ مارنے لگی۔

"تشدد مت کرو مجھ پر ورنہ اگر میں نے ایک تھپڑ مارا تو ہاتھ لے کر بیٹھی رہو گی دو دن تک" سیام نے ہنستے ہوئے اُسے روکا۔

اُس کی بات سنتے ہی رئیسہ کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔

"آپ کے تھپڑ تو سچ میں برداشت نہیں ہوتے بہت زور سے مارتے ہیں"

سیام کا چہرہ بجھ گیا۔ اُسے جمعے کا خطبہ یاد آ گیا۔

>"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل (بیوی) کے لیے بہتر ہو، اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل کے لیے بہتر ہوں۔" (ترمذی)

>"کوئی شخص اپنی بیوی کو غلاموں کی طرح نہ مارے اور پھر رات کو اُس کے ساتھ ہمبستری کرے" (بخاری و مسلم)

وہ خاموش ہوا نظریں جھکائیں۔

"کون سے گال پر مارا تھا" اُس نے نرمی سے پوچھا۔

رئیسہ نے دائیں گال کی طرف اشارہ کیا۔

سیام نے آہستہ سے اس گال کو چُوما جیسے زخم محسوس کر رہا ہو۔

"سوری رئیسہ مجھے کوئی حق نہیں تھا۔ میں تمہیں جانوروں کی طرح مارتا رہا اگر ہو سکے تو معاف کر دو"

رئیسہ نے اُس کی شرمندگی کو محسوس کیا۔

"میں نے آپ کو معاف کیا لیکن شاپنگ پر نہیں جاؤں گی آئی سمجھ"

وہ مسکرا کر بات کا رُخ بدل گئی۔

"اب کیوں نہیں جاؤ گی" سیام نے حیرت سے پوچھا۔

"بس میری مرضی" رئیسہ نے ادا سے بال جھٹکتے ہوئے کہا۔

"تمہاری مرضی کی تو"

سیام نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ رئیسہ نے آئی برو اچکائیں "تو کیا"

"کچھ نہیں سو جاؤ" سیام نے لیپ ٹاپ بند کیا۔

کمرے کی روشنی مدھم ہوتی گئی۔

اور سیام کے دل میں عجیب سا سکون اتر آیا۔

جیسے زندگی اب کسی خوبصورت نظم کی طرح ہو گئی ہو نرم گہری اور مکمل۔

شادی صرف دو لوگوں کا ساتھ نہیں دو دلوں دو عادتوں اور دو دعاؤں کا ملاپ ہے۔ جو رشتہ حقوق کی جنگ بن جائے وہ ٹوٹ جاتا ہے۔

لیکن جو رشتہ صبر، معافی اور نرمی میں لپٹا ہو وہ جنت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

رات کے تین بج رہے تھے۔

ہر طرف موت جیسی خاموشی تھی۔ دیواروں پر سایے لرز رہے تھے کھڑکی سے چاند کی مدھم روشنی اندر آ رہی تھی۔ کمرے میں صرف گھڑی کی ٹک ٹِک سنائی دے رہی تھی۔

فاطمہ نیند کی وادی میں تھی جب اُس نے محسوس کیا کوئی اُسے پکار رہا ہے۔

پہلے تو آواز دھندلی تھی جیسے دور کسی ویرانے سے آ رہی ہو۔

پھر وہ نام واضح ہو گیا۔

"فاطمہ فاطمہ یا اللہ اُس کو میرا کر دے میں تجھ سے فاطمہ کو مانگتا ہوں"

آواز میں ایسی بے قراری تھی کہ نیند جیسے چھن گئی۔

فاطمہ نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ پسینے کی بوندیں ماتھے سے ٹپکنے لگیں سانسیں بے ترتیب ہو گئیں۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"اللہ"

بس ایک لفظ اُس کے لبوں پر آیا۔

اس نے نظریں سامنے اٹھائیں اور وہ منظر دیکھ کر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

ابراہیم صاحب اُس کے والد سفید لباس میں، خاموشی سے کھڑے تھے۔

"با... بابا آپ ہیں آپ مجھے بلا رہے ہیں"

فاطمہ کی آواز کپکپاتی ہوئی نکلی۔

"وہ تمہیں بلا رہا ہے اُس کے پاس چلی جاؤ" ابراہیم صاحب نے دھیرے سے کہا۔

یہ کہہ کر وہ پرچھائی کی مانند دھند میں تحلیل ہو گئے۔

"بابا رُکیں میری بات سنیے بابا"

فاطمہ اُن کی طرف بڑھی لیکن کمرے میں صرف خاموشی بچی تھی اور اُس کی بے چینی۔

دوسری طرف۔۔۔

شہسوار تنہائی میں سجدہ ریز تھا۔

نماز کی جائے نماز آنسوؤں سے بھیگی تھی دل کے زخم آج شدت اختیار کر گئے تھے۔

"یااللہ بس ایک دعا ہے اُس کو میرا کر دے صرف میرا"

وہ رو رہا تھا سسکیاں ضبط کر رہا تھا۔ آج اُس کے پاس صرف دعا تھی اور ایک نام۔

فاطمہ۔

اسی لمحے فاطمہ کا دل بے قرار ہو اٹھا۔

اُسے ایسا لگا جیسے کسی نے اُس کی روح کو پکارا ہو۔

وہ کھڑکی کے قریب گئی باہر دیکھا مگر کچھ نہ تھا۔

فضا میں عجیب سی گُھٹن تھی۔

اس کے کانوں میں اب بھی وہ صدا گونج رہی تھی۔

"فاطمہ... فاطمہ"

وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ خواب تھا یا کسی کی ٹوٹ کر مانگی گئی دعا کا اثر۔

لیکن ایک بات طے تھی۔

کسی نے کسی بہت خاص نے اُسے یاد کیا تھا۔

صبح کا وقت تھا۔ سورج کی نرم کرنیں آسمان پر سنہری رنگ بکھیر رہی تھیں۔ ہوا میں خنکی تھی، اور پرندے چہچہاتے ہوئے رزق کی تلاش میں نکل چکے تھے۔ سڑکوں پر معمول کی زندگی رواں دواں ہو رہی تھی مگر شہسوار ملک کے دل میں ایک طوفان چھپا ہوا تھا۔

وہ اپنی وسیع و عریض رہائش گاہ کے ڈرائنگ روم میں صوفے پر گہری سوچ میں ڈوبا بیٹھا تھا۔ چہرے پر سنجیدگی تھی اور آنکھوں میں کسی خفیہ فیصلے کی چمک۔

"جمال ملک کے جتنے بڑے نیوز چینلز ہیں سب کو اطلاع دے دو" اُس نے آنکھیں بند رکھتے ہوئے حکم دیا۔

"میں آج پریس کانفرنس کروگا اور سب کو بلایا جائے"

جمال چونک گیا۔

"سر سب خیریت ہے اچانک کانفرنس"

"جتنا کہا ہے اتنا کرو باقی وقت آنے پر سب خود سمجھ آجائے گا" شہسوار نے گہری سانس لی اور آنکھیں بدستور بند رکھتے ہوئے بولا۔

"او کے سر فوراً کرتا ہوں" جمال جلدی سے وہاں سے نکل گیا۔

--

نیوز لائن چینل کے آفس میں فاطمہ کئی لمحوں سے ایڈیٹرِان چیف کے سامنے بیٹھی اپنی بات سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"سر پلیز میری مجبوری کو سمجھیے میں یہ نوکری اب جاری نہیں رکھ سکتی" فاطمہ کی آواز میں تھکن اور دل کا بوجھ صاف جھلک رہا تھا۔

انچیف صاحب نے گہری نظر سے اُس کی طرف دیکھا جیسے کوئی طبیب کسی زخمی دل کا حال جاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"فاطمہ ابھی کچھ ثابت نہیں ہوا کہ آپ کے والد کا قتل آپ جاب کی وجہ سے ہوا آپ اتنی باصلاحیت رپورٹر ہو خود کو ضائع مت کرے یہ میرا آخری فیصلہ ہے آپ نوکری نہیں چھوڑ رہی ہو"

"لیکن سر میرے لیے یہ سب بہت مشکل ہے" فاطمہ نے آخری کوشش کی۔

"میں کہہ چکا ہوں آپ یہ جاب نہیں چھوڑے گی" انچیف نے بات ختم کرنے کے انداز میں کہا۔

"اور سنے آج شہسوار ملک کی پریس کانفرنس ہے ہمارا پورا رپورٹر اسٹاف وہاں جا رہا ہے آپ کو بھی جانا ہوگا"

شہسوار کا نام سنتے ہی فاطمہ کے چہرے کے رنگ بدل گئے، جیسے کسی زخم پر نمک چھڑک دیا گیا ہو۔

"سر وہ میرے باپ کا قاتل ہے میں اُس کی کانفرنس میں کیسے جاؤں"

"تم اچھی طرح جانتی ہو فاطمہ شہسوار جیسے لوگ اگر کسی کو ختم کریں تو پتہ بھی نہ چلے ابھی پولیس انویسٹیگیشن کر رہی ہے جب تک کچھ ثابت نہ ہو، تم الزام مت لگاؤ" انچیف صاحب کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سنجیدگی سے بولے۔

فاطمہ کی آنکھوں میں آگ دہکنے لگی۔

مجھے پورا یقین ہے وہ قاتل ہے اور پولیس کا منہ پیسوں نے بند کیا ہے لیکن اب میں کانفرنس میں آؤ گی"

وہ تیزی سے دفتر سے نکل گئی اور اُس کے قدموں کی چاپ دیر تک انچیف کے کانوں میں گونجتی رہی۔

کلاس میں فردان نے اچانک سرپرائز میتھس ٹیسٹ رکھ دیا تھا۔

کلاس میں جیسے سناٹا چھا گیا۔ سب سے زیادہ پریشان روما تھی جسے میتھس سے ہمیشہ بیر رہا تھا۔

"سو کلاس آئی تھنک یو آر ریڈی فار ٹیسٹ "فردان نے شوخ لہجے میں کہا اور جان بوجھ کر روما کو دیکھا۔

"یس سر "سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔

"رمل مجھے کچھ بھی نہیں آتا کیا کروں "روما نے اپنی دوست رمل کے کان میں سرگوشی کی۔

"یار مجھے بھی کچھ خاص نہیں آتا تھوڑا بہت کرلیں گے باقی ادھر اُدھر سے دیکھ لیں گے "رمل نے بے بسی سے کہا۔

"اللہ جی بچا لینا "روما نے اوپر کی طرف منہ کیا اور معصومیت سے بولی۔

اچانک فردان نے آواز لگائی۔

"روما آپ آگے آجایئے"

"سر میں یہاں ٹھیک ہوں وائٹ بورڈ بھی بالکل صاف دکھ رہا ہے" روما نے بہانہ بنایا۔

"آپ کو وائٹ بورڈ تو صاف دکھ رہا ہے لیکن آپ مجھے بالکل بھی نہیں دکھ رہیں آیئے آگے بیٹھیں" فردان نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

روما دانت پیستے ہوئے اٹھی اور فرسٹ بینچ کی طرف بڑھی، لیکن اُسی وقت اُس کا پاؤں ٹیبل سے ٹکرایا اور وہ دھڑام سے گر گئی۔

"آہ میرا پاؤں بہت زور سے لگا ہے" وہ زمین پر بیٹھ گئی۔

فردان فوراً اُس کے پاس آیا۔

"روما آپ ٹھیک ہیں"

"نہیں سر میری ہڈی ٹوٹ گئی ہے کھڑا ابھی نہیں ہوا جارہا" روما کی آنکھوں میں مصنوعی آنسو تھے۔

فردان کو اس کی ڈرامے بازی سمجھ آگئی۔

"ٹیبل سے ٹکرانے سے ہڈی نہیں ٹوٹتی"

"سر ٹوٹ گئی ہے شوز کی وجہ سے نظر نہیں آرہا پلیز مجھے ڈسپینسری جانے دیں" وہ بچوں جیسا منہ بنائے روتے ہوئے بولی۔

"ایڈی توما دھوری" فردان بس دل میں کہہ سکا روما کی ایکٹنگ دیکھ کر۔

"رمل آپ انھیں ڈسپینسری لے جائیں" فردان نے روما کی طرف دیکھتے ہوئے س کہا۔

"ہاں ذلیل رمل میرا مطلب پلیز رمل مجھے لے جاؤ بہت درد ہے میرے" روما کے آنسو اب گال پر بہنے لگے تھے۔

"ہاں، لے جاؤ رمل ورنہ پاؤں کہیں سچ میں نہ اُتر جائے" فردان طنزیہ انداز میں گویا ہوا اُس کی بیوی سچ میں میلوڈراما تھی۔

جیسے ہی رمل اُسے سہارا دے کر کلاس سے باہر لے گئی تھوڑا آگے پہنچتے ہی روما نے اُس کا سہارا چھوڑ دیا۔

"رمل اب تم کلاس میں جاؤ میں خود ڈسپینسری چلی جاؤں گی"

"تم نے جھوٹ بولا سر سے" رمل حیران رہ گئی۔

"جھوٹ نہیں بس تھوڑا ڈرامہ کیا ہے اب تم جاؤ ٹیسٹ رہ نہ جائے" روما نے شرارت سے مسکرا کر کہا۔

اور وہ فردان کے آفس کی طرف چل دی۔

شام کی ہلکی روشنی گھر کے کمروں میں اتر رہی تھی۔ سیام آج آفس سے معمول سے کچھ پہلے لوٹ آیا تھا آج اُس نے رئیسہ کو وعدے کے مطابق شاپنگ پر لے جانا تھا وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا تو اُسے حیرت ہوئی پورا گھر خاموش تھا کوئی دکھائی نہ دیا۔

ابھی وہ صوفے پر بیٹھنے ہی لگا تھا کہ اچانک کچن کی طرف سے رئیسہ کی چیخ سنائی دی۔

"رئیسہ کیا ہوا"

سیام گھبرا کر کچن کی طرف لپکا اور اگلے لمحے اُس کے قدم رُک گئے۔

سامنے کچن میں تیز شعلے بھڑک رہے تھے دیگچی جل کر سیاہ ہو چکی تھی اور کچن دھوئیں سے بھر گیا تھا۔ رئیسہ کونے میں کھڑی لرز رہی تھی اُس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔

"تم ٹھیک ہو"

سیام نے فوراً چولہا بند کیا اور رئیسہ کو نرمی سے اپنی طرف کھینچا۔

"یہ آگ کیسے لگ گئی" وہ اُسے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے بولا۔

رئیسہ نے لرزتی آواز میں کہا۔

"میں کھانا پکا رہی تھی پتہ نہیں اچانک کیا ہوا سب کچھ ایک دم سے جل گیا"

اُس نے بے بسی سے سیام کی شرٹ کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔

سیام نے کچن پر ایک نظر دوڑائی پورا کچن دھوئیں میں لپٹا تھا برتن جل کر سیاہ ہو چکے تھے اور فرش پر تیل کے چھینٹے بکھرے ہوئے تھے۔

"چلو باہر آؤ"

وہ اُسے نرمی سے سہارا دیتا ہوا باہر لے آیا۔

اسی وقت حفصہ بیگم جو اوپر نماز پڑھ رہی تھیں پریشانی کے عالم میں نیچے آ گئیں۔

"کیا ہوا رئیسہ کیوں چلا رہی تھی"

سیام نے ہنستے ہوئے طنز کیا۔

"جب اناڑی کھلاڑی کو میدان میں اُتارا جائے گا تو ایسا ہی ہو گا"

"رئیسہ بیٹا تم بتاؤ کیا ہوا چھوڑو اس کی باتیں آؤ یہاں بیٹھو"

حفصہ بیگم نے رئیسہ کو صوفے پر بٹھایا اور اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

رئیسہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"آنٹی آپ نے کہا تھا جب آئل گرم ہو جائے تو پانی ڈال دینا ہے میں نے ڈال دیا بس وہی کرتے ہی آگ لگ گئی"

سیام نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"ماشاءاللہ بہت خوب ایسے ہی کھانا بناتی رہی تو ایک دن پورا گھر دھماکے سے اُڑ جائے گا"

"آنٹی" رئیسہ روہانسی ہو گئی۔

"سیام" حفصہ بیگم نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اگر تمہارے منہ سے ایک اور لفظ نکلا تو میرا جوتا پاؤں سے نکل آئے گا"

سیام نے ہاتھ اُٹھا دیے۔

"اچھا اب سچ بھی نہ بولے انسان خیر جو ہونا تھا ہو گیا۔ رئیسہ جاؤ، تیار ہو جاؤ ہم شاپنگ پر جا رہے ہیں"

"ہاں بیٹا تم جاؤ تیار ہو جاؤ کھانا میں بنالوں گی تم دونوں باہر گھوم آؤ" حفصہ بیگم نے نرمی سے کہا۔

رئیسہ نے آہستگی سے سر ہلایا اور اوپر کی جانب چلی گئی۔

حفصہ بیگم نے سیام کو گھورا۔

"تم اُسے لے جا رہے ہو خبر دار اگر اُس سے بد تمیزی کی تو اچھا نہیں ہو گا"

"امی آپ ایسے بات کر رہی ہیں جیسے میں بندے کھاتا ہوں اگر آپ کو وہ اتنی ہی نازک لگتی ہے کہ میرے ساتھ دو گھڑی گزارنے سے ٹوٹ پھوٹ جائے گی تو اُس کو آپ شیشے کے ڈبے میں بند کر دے" سیام نے جل کر کہا۔

"زیادہ باتیں مت بناؤ جو کہا ہے وہی کرو"

حفصہ بیگم تنبیہ کرتی ہوئی واپس اوپر چلی گئیں۔

چند لمحوں بعد رئیسہ سیڑھیوں سے نیچے اُتری اُس نے بلیک شیفون کا فراک پہنا ہوا تھا جس پر ہلکی سی چمکدار کڑھائی تھی۔ بالوں کو پونی ٹیل میں سمیٹ رکھا تھا چہرہ دھلا دھلا سا لگ رہا تھا مگر کاجل نے آنکھوں میں عجیب سا جادو بھر دیا تھا۔

پاؤں میں سادہ مگر خوبصورت کھوسے اور سر پر ہلکی سی چادر۔

سیام کی نگاہ جیسے ٹھہر گئی ہو وہ کچھ پل کے لیے بس اُسے دیکھتا رہا۔

"چلیں" رئیسہ اُس کے قریب آکر دھیرے سے بولی۔

"ایک منٹ"

سیام نے اُس کے قریب ہو کر آہستگی سے اُس کی چادر درست کی جو بالوں سے ہٹ گئی تھی۔ پھر نرمی سے اُس کے بالوں کو لبوں سے چھوا۔

"پرفیکٹ اب چلتے ہیں" اُس نے مسکرا کر کہا۔

رئیسہ اس کی حرکت پر ہنس پڑی۔ اُس کی ہنسی میں وہ معصومیت تھی جو سیام کے دل کو چھو گئی تھی۔

--

شہر کی ہر بڑی نیوز چینل کی وین اس وقت اُس ہال کے باہر کھڑی تھی جیسے کوئی طوفان آنے والا ہو۔ رپورٹرز مائیک نوٹ بکس اور تیز نظریں لیے اپنی اپنی

پوزیشن پر تھے ہر آنکھ دروازے کی طرف لگی تھی وہ دروازہ جس سے ابھی تک شہسوار ملک نے قدم نہیں رکھا تھا۔

لیکن سب سے زیادہ چہ میگوئیاں اُس لڑکی کے بارے میں ہو رہی تھیں جو دوسری لائن کی چوتھی کرسی پر خاموش بیٹھی تھی فاطمہ ابراہیم۔ سفید لباس بند مٹھی سخت نگاہیں۔ وہی فاطمہ، جو بار بار یہ دعویٰ کر چکی تھی کہ اُس کے باپ کا قتل شہسوار ملک نے کروایا۔

پریس کانفرنس میں اُس کی موجودگی آگ میں گھی ڈالنے کے مترادف تھی۔

پھر اچانک...

دروازہ کھلا۔

اور ہال میں جیسے وقت تھم سا گیا۔

شہسوار ملک سیاست کا شاہکار اقتدار کی علامت اپنے مخصوص پر سکون انداز میں اندر داخل ہوا۔ سفید شلوار قمیض بال سلیقے سے جمے ہوئے اور چہرے پر وہی پرانی خاموش برتری۔

جیسے ہی وہ اسٹیج تک پہنچا اور کرسی پر بیٹھا چاروں طرف کیمرے اُس کے چہرے کو قید کرنے لگے۔

"السلام علیکم معذرت کہ آپ سب کو انتظار کرنا پڑا" اُس نے مختصر کہا اور ہال ایک دم مکمل خاموش ہو گیا۔

"وقت ضائع کیے بغیر بات کرتا ہوں میں آج سیاست کو خیر باد کہنے آیا ہوں"

ایک ہلچل سی مچ گئی۔

مائیک بٹن دبنے لگے رپورٹرز نے ایک دوسرے کی طرف چونک کر دیکھا۔

شہسوار ملک سیاست چھوڑ رہا تھا دس دن قبل الیکشن کے۔

پہلی صف سے سینئر رپورٹر نے سوال داغا۔

"سر سیاست کیوں چھوڑ رہے ہیں یہ کوئی عام فیصلہ تو نہیں"

شہسوار کی نظریں ہال پر دوڑیں لیکن پھر اچانک وہ ایک چہرے پر ٹھہر گئیں

فاطمہ ابراہیم۔

وہ لمحہ لمحہ نہیں رہا ایک زخم بن گیا۔

وہ چند لمحے بس اُسے دیکھتا رہا جیسے سب کچھ بھول چکا ہو۔

جمال نے اُس کا کندھا چھوا یاد دلایا کہ وہ اسٹیج پر ہے۔

"میں مزید سیاست کی گندی سڑکوں پر نہیں چل سکتا بس اسی لیے دستبرداری کا اعلان کرتا ہوں" شہسوار نے آہستگی سے نظریں ہٹائیں اور سنجیدگی سے کہا۔

یہ کہتے ہوئے اُس نے دوبارہ فاطمہ کی طرف دیکھا۔

نہ پلک جھپکی نہ چہرہ لرزا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا سکون تھا اور فاطمہ کی آنکھوں میں وہی پرانی آگ۔

"آپ گندگی سے بچنے کے لیے سیاست چھوڑ رہے ہیں مگر گندگی صاف نہیں کر رہے"

فاطمہ کی آواز سرد تھی مگر چبھتی ہوئی۔

شہسوار جانتا تھا وہ سوال کرے گی—اور سوال تلخ ہوں گے۔

"اس طرح کے معاملات میں جلد بازی نہیں کی جا سکتی مس اگر کیچڑ میں پتھر پھینکو گے تو چھینٹے اپنے ہی دامن پر پڑتے ہیں"

شہسوار نے نرمی اور دانش مندی سے جواب دیا۔ وہ اب بھی اُس کی آنکھوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یعنی آج بھی آپ کو اپنے دامن کی فکر ہے واہ فکر کیسے نہ ہو آخر آپ نے بے قصور کا خون جو اپنے ہاتھوں سے کروایا ہے اب تو چھینٹوں کا ڈر ہونا ہی ہے"

فاطمہ نے سخت طنز کیا اور رہال ایک بار پھر ساکت ہو گیا۔

شہسوار بس اُسے دیکھتا رہا——وہ کیوں نہیں سمجھتی۔

"مجھے اپنے دامن کی کبھی فکر نہیں رہی

اور جہاں تک اُس قتل کی بات ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا کیونکہ وہ شخص میرے لیے عام انسان نہیں تھا وہ اُن کے والد تھے جنہیں میں کبھی دکھ دینا تو دور ناراض بھی نہیں کر سکتا تھا" پھر آہستگی سے بولا۔

فاطمہ کا چہرہ لمحے بھر کو سُن ہو گیا——شاید کوئی پرانا منظر اُبھر آیا ہو۔

"اگر آپ کے سوالات ختم ہو گئے ہوں تو ایک بات کہنا چاہتا ہوں

میرا نام اب سیاست سے جوڑنا بند کر دیں۔

یہ نہ پوچھا جائے کہ میں کیوں جا رہا ہوں بس اتنا جان لیں کہ میں جا چکا ہوں اللہ حافظ" شہسوار نے مائیک تھاما، اور آخری بار سب سے مخاطب ہوا۔

اُس نے مائیک بند کیا نشست سے اُٹھا اور اپنے گارڈز اور پی اے کے ساتھ ہال سے نکل گیا۔

کیمرے اُس کے پیچھے پیچھے حرکت کرتے رہے۔

اور فاطمہ بس اُسی کرسی پر بیٹھی رہ گئی جیسے اُس کے دل میں کوئی پہاڑ دھڑام سے گرا ہو لیکن گرد ابھی بھی نہیں بیٹھی تھی۔

دفتر کی کھڑکی سے ہلکی دھوپ اندر آ رہی تھی۔ دیوار پر گھڑی کی سوئیاں دوپہر کے اوقات بتا رہی تھیں اور کمرے میں پھیلی ہلکی سی خوشبو روما کے قیمتی پرفیوم

کی تھی۔ فردان ابھی اپنا ٹیسٹ لے کر آفس میں داخل ہوا ہی تھا کہ سامنے روما کو مسکراتے ہوئے چلتے پھرتے دیکھا بلکل صحت مند خوش باش۔

اُس کے ہونٹوں پر خود بخود ایک شرارتی مسکراہٹ ابھری۔

"جھوٹ بولتے وقت ذرا جو شرم آئی ہو" فردان نے ٹیسٹ ڈیسک پر رکھتے ہوئے چوٹ کی۔

"بالکل درست فرمایا اتنی سی بھی نہیں آئی" روما آرام سے اُس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

فردان نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔

"روما میں تمہیں معصوم سمجھتا تھا"

روما نے آنکھیں سکیڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔

"اور میں بھی اتنا چالاک نہیں سمجھتی تھی آپ کو"

"میں نے کیا چالاکی کی" فردان نے حیرانی سے پوچھا۔

روما نے شرارت سے پلکیں جھپکائیں۔

"وہ ٹیسٹ آپ کو پتا ہے مجھے میتھس نہیں آتی پھر بھی"

"بس یہ ڈرامے بازی اب نہیں چلے گی تمہارا ٹیسٹ ہو گا" فردان نے انگلی اُٹھا کر سخت لہجے میں کہا۔

روما نے جیسے احتجاجی جلوس نکال دیا۔

"ایسے کیسے ہو گا میں نہیں دوں گی یہ میرا آخری فیصلہ ہے"

اُس نے ہاتھ فضا میں بلند کر کے جیسے قسم کھائی ہو۔

مگر وہ یہ نہ سمجھ پائی کہ باتوں باتوں میں فردان اُس کے اتنا قریب آ چکا ہے کہ اب دونوں کے درمیان صرف سانسوں کا فاصلہ باقی تھا۔

"اور اگر زبردستی لے لوں تو"

فردان کی سانسوں کی گرمی اور آواز کی نزدیکی نے روما کو ایک لمحے کے لیے ساکت کر دیا۔

"یہ آپ" روما کی آواز لرز گئی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ٹیسٹ دو گی ناں اب"

فردان نے شرارت سے اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

"دو گی بالکل دو گی"

روما ایک دم چیئر سے چھلانگ مار کر کھڑی ہو گئی۔

فردان اُس کے سرخ پڑتے گالوں کو دیکھ کر ہنسا۔

"بس یہ کرنے کی دیر تھی اور تم فوراً مان گئی"

"اللہ آپ کو پوچھے نئی نئی بیوی کو ستاتے ہیں"

روما نے اوپر اشارہ کیا جیسے عدالتِ الٰہی میں شکایت دائر کر رہی ہو۔

فردان نے اُسے نرمی سے قریب کیا صوفے پر بٹھایا اور خود میز کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اُس کی آواز میں پہلی بار کچھ اور ہی رنگ تھا۔

"روما تمہیں زبردستی میرے لیے دل میں جگہ بنانے کی ضرورت نہیں میں دیکھ رہا ہوں تم خود کو بدل رہی ہو میرے لیے نہیں چاہتا تم خود کو بدلو میں خود اپنی جگہ بناؤں گا تمہارے دل میں"

روما کی آنکھیں پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ وہ سمجھ گئی تھی وہ سمجھ چکا ہے۔

یہ کوئی عام شوہر نہیں یہ وہ شخص ہے جو بغیر کچھ کہے سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔

"فردان آپ غلط سمجھ رہے ہیں"

روما آہستہ سے اُس کے پاس آئی۔

"روما تم میری بیوی ہو اور مجھے بہت پیاری ہو۔

میں بس چاہتا ہوں تم مجھے دل سے قبول کرو"

فردان نے اُس کے چہرے پر گرے بال سلیقے سے ایک طرف کیے۔

روما کی آنکھوں سے ایک قطرہ آنسو نکلا اور آہستہ سے فردان کے ہاتھ پر گرا۔

"آپ بہت اچھے ہیں شکریہ مجھے سمجھنے کے لیے"

"اور میں بہت حسین بھی ہوں" فردان نے اُس کا آنسو صاف کرتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"اگر آپ حسین ہیں تو میں وفادار رہوں گی آپ کے معاملے میں"

روما نے مسکرا کر اُس کا وہی ہاتھ تھام لیا۔

"میرے لیے یہی کافی ہے"

فردان نے اُسے اپنے حصار میں لے لیا۔ لمحہ بھر کے لیے جیسے دنیا رُک گئی ہو۔

"اب جلدی سے میری نئی نئی بیوی میرے آفس سے غائب ہو جائے اس سے پہلے کوئی چھاپہ مارے" پھر اُسی شرارتی لہجے میں بولا۔

وہ اُس کی ناک کھینچ کر ہنسا۔

"جا رہی ہوں لیکن ٹیسٹ نہیں دوں گی پلیز مان جائیں"

روما فوراً اپنے مطلب پر آ گئی۔

"یعنی نئی نئی بیوی کو معافی دے دی جائے"

فردان نے اُس کی ٹھوڑی پکڑ کر پوچھا۔

روما نے طوطے کی طرح فوراً سر ہلایا۔

"کیا یاد کرو گی دے دی معافی"

فردان نے دھیرے سے اُس کے بال پر بوسہ دیا اور اُسے اپنے بازوؤں سے آزاد کیا۔

"چلو بھاگ جاؤ فٹافٹ"

اُس نے اُس کا بیگ پکڑایا۔

"اچھا جا رہی ہوں نکال کیوں رہے ہیں"

روما نے شکایت کی بیگ تھامتے ہوئے۔

"جی جی فوراً نو دو گیارہ ہو جاؤ ورنہ ابھی ٹیسٹ لے لوں گا"

فردان نے دھمکی دی۔

اور اگلے ہی لمحے روما دروازے سے باہر —— غائب۔

"پاگل بیوی"

فردان نے اُس کی بھاگتی ہوئی پشت کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

یحییٰ خان اپنی وسیع و عریض حویلی کے ڈرائنگ روم میں چمڑے کی کالی آرام دہ کرسی پر بیٹھا ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ سامنے شہسوار ملک کی لائیو

پریس کانفرنس جاری تھی۔ کمرہ ایئر کنڈیشنڈ ہونے کے باوجود اس کے ماتھے پر پسینہ نمودار ہونے لگا حیرت سے نہیں تجسس سے۔

شہسوار کی آواز ایک بار پھر گونجی۔

"آج میں سیاست کو خیر باد کہہ رہا ہوں کچھ سچ انسان کو اندر سے ہلا دیتے ہیں"

یحییٰ خان نے ریموٹ میز پر رکھتے ہوئے کروفر سے گردن موڑی جیسے پوری دنیا کی عقل پر صرف اُسی کی گرفت میں تھی۔

"آخر کیا ہے اس لڑکی میں" وہ خود سے بڑبڑائے آنکھوں میں ایک خطرناک چمک ابھر آئی۔

"پہلے موسیٰ جیسا بے قابو بے لگام شخص اُس کے پیچھے پاگل ہو رہا ہے اب شہسوار جو سیاست میں خود کو خدائی دعویٰ دار سمجھتا تھا وہ بھی اُسی کے سامنے جھک گیا"

اُس کی انگلیاں صوفے کے بازو پر تیزی سے حرکت کرنے لگیں۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ کھڑا ہو گیا، کھڑکی کے پردے ہٹائے اور باہر شہر کی روشنیاں دیکھتے ہوئے بول اُٹھا۔

"لیکن اب ایک بات تو طے ہے" اُس کے لبوں پر ایک زہریلی، سفاک مسکراہٹ ابھری۔

"موسیٰ کو فاطمہ سے جدا کرنے کا جو کھیل میں نے چالاکی سے شروع کرنا تھا اب اُسی کھیل میں شہسوار میرا بہترین مہرہ بنے گا"

اُنھوں نے قہقہہ لگایا ایک زہر سے بھرا قہقہہ جو صرف دل کو نہیں روح تک کو چھلنی کر دے کمرہ جیسے اس شیطانی ہنسی سے گونج اُٹھا۔

فاطمہ کے قدم تیزی سے شہسوار کے آفس کی طرف بڑھے۔ کانفرنس ختم ہوتے ہی اُس کا دل خون کی مانند اُبلنے لگا تھا۔ جیسے اندر کوئی طوفان پک رہا ہو جس کا اب دھماکہ ہونا لازمی تھا۔ ریسپشن پر جمال حسبِ معمول موجود تھا مگر آج اُس کی موجودگی فاطمہ کے لیے دیوار سے کم نہ تھی۔

"تمہارے سر کہاں ہیں مجھے اُن سے ابھی ملنا ہے" فاطمہ کا لہجہ برف کی طرح سخت اور دھواں کی طرح سلگتا ہوا تھا۔

جمال ایک لمحے کو گڑبڑا گیا۔

"میم سر بیزی ہیں آپ بعد میں"

"میں نے پوچھا نہیں تم سے بتایا ہے کہ مجھے ملنا ہے ابھی" اُس نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے رعب دار آواز میں کہا اور جمال کی سانسیں اُکھڑ گئیں۔

"میں سر کو انفارم کرتا ہوں" وہ جلدی سے پلٹا اور آفس کی طرف بڑھ گیا۔

دفتر کے اندر شہسوار چیئر پر نیم دراز بیٹھا آنکھیں بند کیے سکون کی سانس لے رہا تھا جیسے دنیا کے شور سے بے خبر ہو۔ جمال کی آواز نے سکوت توڑا۔

"سر مس فاطمہ آئی ہیں آپ سے ملنے"

شہسوار کی پلکیں یکدم لرزیں وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کیا"

"سر بھیج دوں" جمال نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

شہسوار نے ایک گہری سانس لی اور سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"محبوب کو انتظار نہیں کرواتے اُسے ساتھ لے کر آنا چاہیے تھا"

"اوکے سر" جمال جھکتے ہوئے باہر نکلا۔

باہر فاطمہ اب ویٹنگ ایریا میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی جب جمال اُس کے قریب آیا۔

"میم آپ جا سکتی ہیں"

فاطمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ تیز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھی۔ دستک دینے کا تکلف نہ کیا دھڑام سے دروازہ کھولا اور سیدھی اُس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے سیاست چھوڑنے سے بچ جاؤ گے تم نے میرے باپ کو مارا ہے اور میں تمہیں آخر تک گھسیٹوں گی" فاطمہ کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں ہاتھ میز پر دے مارا۔

شہسوار نے آہستہ سے کرسی پر پہلو بدلا۔

"میں نے کل بھی کہا تھا آج بھی کہہ رہا ہوں اور آنے والے کل میں بھی کہوں گا میں نے قتل نہیں کیا"

"مر کے زندہ بھی ہو جاؤ نا تب بھی یقین نہیں آئے گا مجھے تم پر" اُس کی آواز گونجی جیسے کمرے میں دھماکہ ہو گیا ہو۔

شہسوار نے دھیرے سے نظریں اُس کی طرف اُٹھائیں۔ آواز رُکی مگر دل کا زلزلہ اب بھی گونج رہا تھا۔

"میں تو اُسی دن مر گیا تھا. جس دن سنا آپ نے موسیٰ شیر خان سے نکاح کر لیا"

فاطمہ جیسے کرسی سے لڑکھڑا گئی۔

"کس نے کہا تمہیں"

"جس نے بھی کہا ہو لیکن آپ نے غلط انسان پر بھروسہ کیا"

فاطمہ کی آنکھیں شعلہ وار تھیں۔

"موسیٰ چاہے جیسا بھی ہو، تم سے لاکھ درجے بہتر ہے تم نے کیا کیا ایک عورت سے بدلہ لینے کے لیے اُس کے باپ کو مار دیا"

"نہیں کیا قتل" شہسوار اب خود پر قابو کھو بیٹھا۔

"اگر کرنا ہوتا تو اُس کا کرتا جس سے بدلہ لینا تھا۔ کیوں نہیں سمجھتیں آپ"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں" شہسوار کی آواز میں اب کرب گھل چکا تھا۔

"میں تم پر ایک خراش تک برداشت نہیں کر سکتا اور تم کہتی ہو میں نے تمہارے باپ کا قتل کیا"

فاطمہ کی آواز ہچکیوں میں ڈھل رہی تھی

"تمہاری محبت اور تم بھاڑ میں جائے تم نے میرے انٹرویو کا میری ریجیکشن کا بدلہ لیا ہے کاش تم مجھے مار دیتے میرے بابا کی جگہ"

شہسوار کی آنکھوں میں نمی لرزنے لگی۔

"میں تم سے اونچی آواز میں بھی بات نہ کرو اور تم کہتی ہو میں تمہیں مار سکتا ہوں"

"بس" فاطمہ کی آواز بلند ہوئی۔

"قسم کھاتی ہوں ایک بار ثبوت ملنے دو چوراہے پر لا کر پھانسی دو گی"

وہ مڑی مگر شہسوار نے آواز دی۔

"اگر قاتل میں نہ نکلا تو تمہاری کیا سزا ہو گی"

فاطمہ کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔

"مجرم تم ہی ہو" وہ لرزتے ہونٹوں سے بولی۔

شہسوار اُس کے قریب آیا آنکھوں میں گہرائی تھی۔

"قسم کھاؤ اگر میں بے گناہ نکلا تو جو سزا میں دوں گا وہ قبول کرو گی"

ایک لمحہ صرف ایک لمحہ خاموشی رہی۔

پھر فاطمہ نے پلٹ کر ایک لفظ کہا۔

"قبول ہے"

اور وہ چل دی دل میں ایک طوفان لیے آنکھوں میں ایک جنگ لیے اور پیچھے رہ گیا شہسوار ملک جس کی دنیا فاطمہ کے ایک "قبول ہے" سے پلٹ گئی تھی۔

رئیسہ اور سیام شاپنگ مال کی روشنیوں میں گھوم رہے تھے۔ ہر طرف چکا چوند لوگوں کا ہجوم رنگ برنگی دکانیں اور بیچ بیچ میں ہلکی موسیقی کا شور۔ رئیسہ سیام کے لیے شرٹس دیکھنے میں مصروف تھی، اُس کی نظریں کپڑوں پر تھیں جب اچانک ایک مانوس سی آواز نے اُس کے قدم جکڑ لیے۔

"رئیسہ کیسی ہو ہم کتنے ٹائم بعد مل رہے ہیں"

نرم لہجہ ہلکی سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں پرانی یادوں کی چمک لیے شہباز سامنے کھڑا تھا۔

رئیسہ کا دل جیسے ایک لمحے کو رک گیا۔ وہ ٹھٹکی نظریں اس چہرے پر جم گئیں جسے وہ ہمیشہ کے لیے بھولنا چاہتی تھی۔

"میں۔۔ میں ٹھیک ہوں تم یہاں"

ابھی وہ کچھ اور کہنے ہی والی تھی کہ سیام پاس آگیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک نیلی شرٹ تھی چہرے پر بے خبری کا سکون لیکن اگلے لمحے شہباز کے الفاظ نے سب کچھ بدل دیا۔

"ویسے رئیسہ تمہیں نہیں لگتا ہم نے بریک اپ کا فیصلہ بہت اچھا کیا"

سیام چونکا نظریں رئیسہ کے چہرے پر ٹک گئیں۔

"رئیسہ اگر شاپنگ مکمل ہو گئی ہو تو چلے"

اُس نے دھیرے سے کہا مگر لہجہ سرد اور تلخ ہو چکا تھا۔ آنکھوں میں ضبط کی چمک تھی جیسے وہ خود کو بمشکل سنبھال رہا ہو۔

"جی چلے" رئیسہ نے فوراً ہامی بھری اُس کی سانسیں الجھنے لگیں وہ یہاں مزید رکنا نہیں چاہتی تھی۔

"یہ کون ہے تم تو بالکل بدل گئی ہو واٹ آ چینج نیو بوائے فرینڈ بھی اچھا ہے" لیکن شہباز باز کہاں آنے والا تھا۔ وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

رئیسہ کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں ماتھے پر پسینے کی نمی چمکنے لگی۔ وہ بس سیام کو دیکھتی رہی جیسے اُسے سمجھ نہ آ رہا ہو کیا کرے۔

"شوہر ہوں میں اس کا" سیام کی نظریں اب شہباز پر جمی تھیں۔ اُس نے شہباز کی طرف بڑھ کر پر اعتماد انداز میں ہاتھ بڑھایا اور کہا۔

شہباز کا قہقہہ فضا میں گونجا۔

" گریٹ رئیسہ جیسی لڑکی کا بھی شوہر ہو سکتا ہے"

یہ جملہ رئیسہ کے دل پر نہیں روح پر چابک بن کر لگا۔ لیکن سیام اُس کا ضبط اب ٹوٹ چکا تھا اُس نے پلک جھپکتے ہی شہباز کا گریبان پکڑ لیا۔

"زبان سنبھال کے بات کرو اگر کوئی فضول بکواس کی تو منہ توڑ دوگا"

"سیام چھوڑیں اُسے پبلک پلیس ہے" رئیسہ نے گھبرا کر سیام کو پیچھے کرنے کی کوشش کی آس پاس کے لوگ رک کر دیکھنے لگے تھے کچھ موبائل نکال چکے تھے۔

"میرا کیوں منہ بند کروا رہے ہو تمہاری بیوی کی حقیقت ہے" شہباز اُس کو دھکہ دیتے ہوئے بولا۔

اسی لمحے مال کا مینجر جلدی سے پاس آیا۔

"سر ایوری تھنگ آل رائٹ"

"جی سب ٹھیک ہے" سیام نے گہری سانس لی رئیسہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور قدرے سخت لہجے میں بولا۔

پھر بنا کچھ کہے رئیسہ کو ساتھ لیے وہ وہاں سے نکل گیا شہباز پیچھے رہ گیا اور رئیسہ کے دل میں عجیب سی خلش ایک پرانے باب کی بدترین یاد کے ساتھ۔

جیسے ہی فاطمہ گھر میں داخل ہوئی اماں بی کی تیز آواز نے اُسے گھیر لیا۔ صحن میں تناؤ سا پھیلا ہوا تھا جیسے کچھ طوفان آنے کو ہے۔ شہسوار کی باتیں ابھی ذہن سے محو نہ ہوئی تھیں کہ اماں بی کی آواز گونجی، جو کسی عدالت کے فیصلے کی طرح کمرے کی فضا میں تیر گئی۔

"علشبہ اب اس لڑکی کی شادی جس سے مرضی ہو لیکن ایک مہینے کے اندر اندر ہو جانی چاہیے بہت ہو گیا اب"

اماں بی کا چہرہ غصے سے لال تھا آواز میں وہی سختی جو صدیوں پرانی روایتوں کو لے کر آتی ہے علشبہ بیگم نے دبے لہجے میں جواب دیا لیکن دکھ ان کی آنکھوں سے عیاں تھا۔

"اماں کوئی مناسب رشتہ تو ہو ایسے کیسے فیصلہ ہو سکتا ہے"

فاطمہ دروازے کے قریب کھڑی تھی اور ہر جملہ اُس کے دل میں تیر کی طرح اتر رہا تھا۔ اُس کے قدم بوجھل ہو گئے۔ ایک انجانی فکر نے اُس کی سانسیں روک لیں۔

"میں نے رشتے والی کو بول دیا ہے کل دو تین رشتے دکھانے آ رہی ہے اب اور دیر نہیں ہو گی" اماں بی نے آخری بات اس انداز میں کہی جیسے عدالت نے فیصلہ سنا دیا ہو۔

علشبہ بیگم نے دھیرے سے ہامی بھری وہ جانتی تھیں ابراہیم صاحب کے بعد یہ گھر فاطمہ کا مستقبل بن جانا چاہیے۔

فاطمہ نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ جیسے اُس کے اندر کچھ ٹوٹ کر بکھر گیا ہو۔

کمرے میں پہنچتے ہی اُس نے بیگ زمین پر پھینکا لرزتے ہاتھوں سے موبائل نکالا اور موسیٰ کا نمبر ڈائل کیا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

موسیٰ نے پہلی بیل پر ہی کال اٹھالی اُس کی آواز ہمیشہ کی طرح نرم اور اپنائیت بھری تھی۔

"آج ہمیں خود سے کال خیریت"

"مجھے آپ سے ملنا ہے" فاطمہ نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے بے چینی سے کہا۔

"سب ٹھیک تو ہے نا" موسیٰ کی آواز میں تشویش آگئی۔

"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے کیا آپ آج آ سکتے ہیں"

"ریلیکس میں آجاؤں گا رات کو تم فکر نہ کرو"

"اوکے پھر رات کو بات ہوتی ہے" یہ کہہ کر فاطمہ نے کال کاٹ دی۔

ابھی موبائل بیڈ پر رکھا ہی تھا کہ اُس کی اسکرین چمکی۔ واٹس ایپ کا ایک نوٹیفکیشن آیا۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے جیسے دل کو پہلے سے اندازہ ہو۔

پیغام کھولتے ہی ایک سطر نے اُسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"تمہارے باپ کی طرح تمہارا ابھی قتل کر دیا جائے گا"

سانسیں جیسے رُک گئیں دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں آنکھوں کے سامنے ابراہیم صاحب کا خون آلود چہرہ گھومنے لگا۔

لیکن اگلے ہی لمحے اُس نے آنسو پونچھے ہونٹ بھینچے اور غصے سے فون اٹھا کر جواب لکھا۔

"میں ڈرتی نہیں ہوں تم سے تمہارا وہ حال کروں گی دنیا دیکھے گی"

پیغام سینڈ کر کے اُس نے موبائل بیڈ پر دے مارا اور تیزی سے باتھ روم کی طرف چلی گئی۔

دروازہ بند ہوتے ہی کمرے میں ایک عجیب سا سناٹا چھا گیا ایک طوفان آنے والا تھا۔

شہسوار تھکے قدموں سے گھر لوٹا تھا آج شام اُس نے ڈیرہ غازی خان کے لیے روانہ ہونا تھا مگر سفر کی شروعات لاہور سے کرنا چاہتا تھا شاید کچھ سوالوں کے جواب اُسی شہر میں رہ گئے تھے۔

کبھی وقت کبھی حالات اور کبھی دل کی الجھنیں شاید اسی لیے لاہور جیسے شہر میں محبتیں نہیں پنپتیں صرف دھوکہ اور سازشیں۔

وہ بیگ میں کپڑے رکھ رہا تھا تبھی جمال اندر آیا آواز میں معمول سے زیادہ سنجیدگی تھی۔

"سر یحیٰ صاحب آئے ہیں آپ سے ملنے"

شہسوار کے ہاتھ رک گئے۔ وہ گردن موڑ کر جمال کی طرف دیکھا آنکھوں میں اک خاص تاثر آیا۔

"ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں آرہا ہوں"

جمال سر ہلاتا باہر چلا گیا اور شہسوار نے اپنی شرٹ تہ کرتے ہوئے اک لمبا سانس لیا جیسے کسی پرانے زخم کو پھر سے کھولنے کا وقت آگیا ہو۔

پندرہ منٹ بعد وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ یحیٰ صاحب حسبِ عادت پورے اعتماد اور سکون سے بیٹھے تھے جیسے وہ اس گھر کے نہیں، بلکہ کسی سیاسی میدان کے فاتح ہوں۔

"دشمن کے گھر آنا جگر والا کام ہوتا ہے اور آپ کو دیکھ کر لگ رہا ہے بڑا جگر ہے آپ کے پاس" شہسوار نے سامنے بیٹھتے ہوئے تلخ طنز کیا۔

یحیٰ صاحب مسکرائے وہی مغرور سی مسکراہٹ جو کئی لوگوں کو راکھ کر چکی تھی۔

"اب تو ہم حریف نہیں رہے سنا ہے تم سیاست چھوڑ رہے ہو سوچا معلوم کر لوں آخر ایسا کیا ہوا"

"یہ میرا ذاتی فیصلہ ہے آپ یہاں کیوں آئے ہیں مدعا بیان کریں" شہسوار اب کسی کھیل میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"دوستی کا ہاتھ بڑھانے" یحیٰ صاحب نے اپنی شال کو آہستہ سے اتارتے ہوئے کہا۔

شہسوار ہلکے سے ہنسا وہ ہنسی جس میں اعتماد کم زخمی عقل کی گہرائی زیادہ تھی۔

"میں سیاست چھوڑ رہا ہوں سیاسی چالیں نہیں۔ دشمن سے دوستی ایسے ہے جیسے برابر میں بیٹھا سانپ کاٹے نہ"

"تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو میں چاہتا ہوں ہمارے تعلقات بہتر ہوں"

"نہیں ہو سکتے اب آپ جا سکتے ہیں" شہسوار نے سیدھا دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

یحیٰ صاحب اٹھتے اٹھتے رُک گئے نظریں گہری ہو گئیں۔

"کیا تم فاطمہ ابراہیم کی وجہ سے سیاست چھوڑ رہے ہو"

شہسوار کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو بدل گیا۔

"ویسے اُس میں ایسا کیا ہے موسیٰ بھی اُس کے پیچھے پاگل ہونے لگا ہے اب تم بھی نہ جانے اور کتنے ہو گے "اُن کی مسکراہٹ زہر سے لبریز تھی۔

"بکواس بند کرو اور دفع ہو جاؤ میرے گھر سے" شہسوار نے میز پر ہاتھ مارا آواز پوری حویلی میں گونج گئی۔

"جذباتی کیوں ہو رہے ہو میں تو تمہیں فائدہ دینے آیا ہوں اُس کے باپ کی طرح اُس کی جان کو بھی خطرہ ہے" یحیٰ صاحب کچھ لمحے خاموش رہے پھر دھیرے سے بولے۔

شہسوار لمحہ بھر کو چپ ہو گیا۔

"کس سے خطرہ" پھر آہستہ سے بولا۔

"جس نے اُس کے باپ کو مارا وہی اب اُسے بھی مٹانا چاہتا ہے"

یہ جملہ خنجر کی طرح دل میں اُتر گیا شہسوار کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئیں۔

"اُس کے باپ کے قتل کا الزام مجھ پر ہے" اُس کی آواز میں گرج تھی۔

"وہ کہتی ہے لیکن تم اور میں دونوں جانتے ہیں تم نے قتل نہیں کیا" یحیٰ صاحب جھک کر بولے۔

اب شہسوار کو سب کچھ صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ قاتل، سازش، اور یہ مکڑی کا جالا۔

"آپ چاہتے کیا ہیں" اُس نے گہری نظروں سے پوچھا۔

"موسیٰ کو اُس کی زندگی سے نکالو" یحیٰ صاحب نے اپنی بات کہی۔

"بول دو اُسے چھوڑ دے فاطمہ کو" شہسوار بھی اُلٹی کھوپڑی کا تھا۔

"وہ نہیں چھوڑے گا لیکن اگر فاطمہ کو سچ پتہ چل گیا تو وہ خود چھوڑ دے گی اور تم سے بہتر کون جانتا ہے موسیٰ اپنی چیز توڑ دیتا ہے چھوڑتا نہیں"

شہسوار کی آنکھیں بجھنے لگیں۔

"وہ چیز نہیں ہے انسان ہے اور آپ یہ کام میرے ذریعے کیوں کروانا چاہتے ہیں"

"کیونکہ میں نے عشق کی چنگاری تمہاری آنکھوں میں دیکھی ہے اور موسیٰ کی نظروں میں انتقام" یحیٰ صاحب تھوڑا جھک کر اُس کے دل میں جھانکتے ہوئے بولے۔

شہسوار کے لب کانپے دل جیسے چھلنی ہو گیا ہو۔

"وہ نکاح میں ہے اُس کے"

"ٹوٹ جائے گا" یحیٰ نے سرسری لہجے میں کہا جیسے یہ سب محض کھیل ہو۔

"موسیٰ نہیں چھوڑے گا اُسے"

"چھوڑنا پڑے گا کیونکہ دشمن کے ساتھ موسیٰ شیر خان کا چلنا ممکن نہیں۔ اور پاکستان میں دشمن ہمیشہ دشمنِ جان ہوتے ہیں"

یہ کہتے ہوئے یحیٰ صاحب کھڑے ہو گئے شال کندھے پر ڈالی اور خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھ گئے اُن کے قدموں کے پیچھے سازشوں کی گرد تھی۔

پیچھے شہسوار بس ایک ہی سوال کے گرد چکر کاٹتا رہا۔

یہ سب ہو کیا رہا ہے اور وہ کس جنگ میں کھینچ لیا گیا ہے۔

"لیکن وہ یہ سمجھ گیا تھا کہ ابرہیم کے قتل کا تعلق موسیٰ سے ہے"

شاپنگ سے واپسی پر رئیسہ نے بڑی ہوشیاری سے سیام کے کمرے کا رخ نہیں کیا۔ اُسے اندازہ تھا کہ سیام ناراض ہو گا اور وہ اس وقت اُس کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار محسوس نہیں کر رہی تھی۔ وہ لاونج کے ایک کونے میں خاموش بیٹھی تھی، مگر دل کی دھڑکنیں معمول سے کہیں تیز تھیں۔

تبھی حفصہ بیگم کی آواز نے اُس کے خیالات کی زنجیر توڑ دی۔

"رئیسہ تم یہاں بیٹھی ہو اوپر سیام تمہیں بلا رہا ہے"

رئیسہ جیسے چونک گئی ہو اُس نے بے یقینی سے اُسے دیکھا۔

"مجھے لیکن کیوں" وہ بوکھلا کر بولی۔

"سب خیریت ہے نا سیام نے کچھ کہا ہے تم سے" حفصہ بیگم اُس کے پاس آکر نرمی سے بولیں۔

"ن... نہیں آنٹی سب ٹھیک ہے بس آپ نے اچانک کہا تو ذرا گھبرا گئی" رئیسہ نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"اچھا جاؤ اوپر سیام بلا رہا ہے میں فردان کو دیکھ لوں" حفصہ بیگم مسکراتے ہوئے چلی گئیں۔

مگر رئیسہ کا دل بیٹھنے لگا۔ جیسے اُس کے حلق میں کوئی کانٹا اٹک گیا ہو زبان سوکھ گئی تھی۔ اُس کے قدم آہستہ آہستہ سیڑھیوں کی طرف بڑھے جیسے وہ کسی عدالت میں پیشی دینے جا رہی ہو۔

کمرے کا دروازہ کھولا تو سامنے سیام بیڈ پر نیم دراز تھا۔ گود میں لیپ ٹاپ رکھا تھا مگر نظریں سکرین پر نہیں تھیں وہ اُسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔

رئیسہ نے دروازے کے قریب رک کر اُسے دیکھا کچھ لمحے بیت گئے۔

"اب وہیں کھڑے ہو کر ایکسرے کرو گی یا ادھر بھی آؤ گی محترمہ" سیام نے لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھتے ہوئے کہا، آواز میں وہی شرارت تھی جو وہ اکثر چھپانے کی کوشش کرتا تھا۔

"میں آپ کے پاس آؤں" رئیسہ نے دھیرے سے کہا۔ جیسے یقین کرنا چاہ رہی ہو کہ واقعی وہ اُسے بلا رہا ہے۔

"ہاں کیونکہ مجھے میری بیوی کی بہت یاد آرہی ہے اور قدرتی قانون کے تحت تم ہی وہ بیوی ہو تو تشریف لاؤ" سیام کا لہجہ شوخ تھا مگر آنکھوں میں نرمی تھی۔

رئیسہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اُس کے پاس پہنچی مگر بیڈ پر بیٹھنے سے جھجک رہی تھی۔ سیام نے آہستہ سے اُس کا ہاتھ تھاما اور اُسے اپنے پہلو میں بٹھالیا۔

"کمرے میں آنے سے کیوں کترا رہی تھی" اُس نے نرمی سے پوچھا۔

رئیسہ نے بمشکل زبان کھولی "وہ میں" اور پھر خاموشی کے ساتھ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

سیام نے اُسے فوراً اپنے سینے سے لگالیا۔

"سوری میری وجہ سے آپ سب کے سامنے شرمندہ ہوئے" رئیسہ اُس کے کندھے سے لگی ہوئی رو رہی تھی جیسے دل کا بوجھ آنسوؤں کے راستے نکل رہا ہو۔

"سوری تو مجھے کرنا چاہیے۔ اُس کی ہمت کیسے ہوئی تمہارے بارے میں ایسی بات کرنے کی تم نے کچھ کہا کیوں نہیں آفس میں تو میری بولتی بند کر دیتی تھی وہاں زبان زنگ آلود ہو گئی تھی کیا"

سیام نے اُس کی انگلیوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے شکوہ کیا۔

"آپ کی بات اور تھی تب" رئیسہ کی آواز بھیگی ہوئی تھی پر وہ جانتی تھی آج اُسے سیام کے کندھے کی ضرورت ہے اور سیام یہ بات بخوبی سمجھ گیا تھا۔

"اور میری بات اور کیوں تھی" سیام نے اُس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ پہلے آپ مجھے بالکل پسند نہیں تھے" رئیسہ نے اُس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

سیام کی آنکھوں میں ہنسی کی چمک ابھری ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اور اب؟"

"اب آپ کے علاوہ کوئی پسند ہی نہیں" رئیسہ نے نظریں جھکا لیں، پھر نرمی سے کہا۔

"اگر تم ایسے ہی باتیں کرتی رہیں تو تمہیں مجھ سے ملنے پاگل خانے آنا پڑے گا"

یہ سن کر سیام کا دل جیسے پگھل گیا ہو اُس نے جھک کر ہنستے ہوئے کہا۔

رئیسہ اُس کے بازو کے حصار میں مکمل طور پر سما گئی۔

"نہیں ابھی پاگل نہیں ہونا مجھے آپ کی بہت ضرورت ہے"

یہ سن کر سیام ہنسا زور سے دل سے جیسے کسی بہت عرصے بعد سکون ملا ہو۔

رات کے دس بج چکے تھے۔ فاطمہ کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔

کمرے میں مدھم سی لائٹ جل رہی تھی اور باہر صحن میں ہلکی ہوا چل رہی تھی

مگر اندر کا موسم طوفانی تھا۔ اُس کی نظریں بار بار دیوار پر لٹکی گھڑی کی سوئیوں پر جا ٹھہر تیں جیسے وہ وقت کو زور سے کھینچنا چاہتی ہو۔

موسیٰ نے کہا تھا وہ بارہ بجے تک آئے گا لیکن دل کو تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

اچانک موبائل کی رنگ ٹون بجی خاموش کمرے میں یہ آواز کسی گولی کی طرح گونجی فاطمہ نے جھٹ فون اُٹھایا مگر اسکرین پر جیسے زہر کا نام چمک رہا تھا۔

"کون" اُس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں شہسوار بات کر رہا ہوں" دوسری طرف سے دھیما، دبہ ہوا سا لہجہ آیا۔

یہ نام سنتے ہی جیسے فاطمہ کی رگوں میں آگ دوڑ گئی ہو۔

"صاف صاف بولو قاتل بات کر رہا ہے تمہارے نام میں مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے" وہ دہاڑی جیسے ضبط کا بند ٹوٹ گیا ہو۔

شہسوار نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں۔ دل کے اندر کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی۔

"یہ عورت میرے ہاتھوں قتل کروا کر ہی دم لے گی" اُس نے دل میں سوچا مگر لبوں تک لایا صرف اتنا۔

"یہ غلط فہمی بھی جلد دور ہو جائے گی"

"فاطمہ ابراہیم کو غلط فہمیاں نہیں ہوتیں" وہ زہر بھری طنز سے بولی آواز میں وہی درد وہی نفرت۔

"جی آپ کو تو صرف خوش فہمیاں ہوتی ہیں یہ اندازہ ہو گیا مجھے" شہسوار کا لہجہ اس بار مدھم نہیں تھا، ایک زخمی مرد کی تلخی اُس کے لفظوں میں شامل ہو گئی تھی۔

"مجھے کال کرنے کا مقصد بھی بتاؤ گے یا صرف میرے ضبط کا امتحان لینے کے لیے فون کیا ہے" فاطمہ اب مزید برداشت کے دائرے میں نہ تھی۔

"موسیٰ سے دور رہو وہ تم سے بدلہ لے رہا ہے" شہسوار نے ایک بار پھر نرمی سے، سمجھانے والے انداز میں کہا جیسے آخری موقع ہو۔

فاطمہ کا دل پھٹنے کو آیا مگر آنکھوں میں آنسو نہیں تھے صرف چنگاریاں تھیں۔

"مجھے لگتا ہے مجھے تم سے دور رہنا چاہیے براہ مہربانی آئندہ نہ کال کرنا اور نہ نظر آنا جب تک میں تمہارے خلاف ثبوت نہ لے آؤں" اُس کی آواز کانپ رہی تھی مگر اُس کے لفظ پتھر کی طرح ٹھوس تھے۔

شہسوار نے ایک لمبی سانس لی ائیرپورٹ کی گہما گہمی اُس کے ارد گرد تھی مگر اندر صرف سناٹا تھا۔

"تم سے دور ہی جا رہا ہوں بے فکر رہو ڈیرہ غازی خان جا رہا ہوں سوچا جانے سے پہلے ایک بار سمجھا دوں شاید دل مان جائے"

اُس کی آنکھوں کے سامنے صرف فاطمہ کا چہرہ تھا وہی چہرہ جو اب نفرت کی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔

"بھاگ رہے ہو بزدل کہیں کے" فاطمہ کا لہجہ کپکپا گیا" لیکن یاد رکھنا بس ایک ثبوت کی دیر ہے میں ڈیرہ غازی سے تمہیں واپس گھسیٹ کر لاؤں گی"

شہسوار ہولے سے مسکرایا ایک تھکی ہوئی سی مسکراہٹ۔

"تمہیں آنے کی ضرورت نہیں پڑے گی فاطمہ میں خود آؤں گا تمہارے لیے اللہ حافظ" اُس کے کان میں ائیر پورٹ کی روانگی کا اعلان گونج رہا تھا۔

"میری بلا سے تم مر جاؤ"

فاطمہ نے چیخ کر کہا اور فون پوری قوت سے بیڈ پر دے مارا۔

کمرے میں اب صرف سناٹا تھا اور دیوار پر لٹکی گھڑی جو مسلسل چل رہی تھی جیسے بتا رہی ہو کہ وقت کسی کے لیے نہیں رکتا چاہے محبت ہو یا نفرت۔

کمرے کی خاموش فضا میں بس روما کے قدموں کی چاپ اور اُس کی دبتی ہوئی آواز گونج رہی تھی وہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی ایک ہاتھ میں موبائل تھامے آواز دھیمی تھی مگر الفاظ میں اضطراب تھا۔

"میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں فردان اللہ حافظ "

روما نے جیسے ہی پلٹ کر رخ بدلا وہ لمحے بھر کو ساکت رہ گئی۔

سامنے موسیٰ کھڑا تھا۔

سیاہ رنگ کی شرٹ چہرے پر سختی، اور آنکھوں میں وہی گھمبیر خاموشی جو طوفان سے پہلے ہوتی ہے۔ وہ مکمل طور پر تیار لگ رہا تھا جیسے کسی اہم مقام کی جانب روانہ ہونے والا ہو۔

"تو تم باز نہیں آؤ گی "

موسیٰ نے اپنے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈال کر وقت دیکھا مگر الفاظ اُس کے لبوں سے وقت کی مانند نہیں خنجر کی طرح نکلے۔

روما نے دل تھام کر خود کو سنبھالا اس کا سامنا کرنے کی عادت پڑ چکی تھی مگر ہر بار جیسے ایک نئ آزمائش ہوتی۔

"راستے سے ہٹو مجھے باہر جانا ہے"

اُس نے سرد لہجے میں کہا اور سائیڈ سے گزرنے لگی لیکن موسیٰ نے ایک قدم بڑھا کر اُس کا راستہ روک لیا۔

اب دونوں آمنے سامنے تھے اتنے قریب کہ ایک دوسرے کی سانسوں کی تپش محسوس ہو سکتی تھی۔

"دعا کرو آج میں گھر واپس نہ آؤں کیونکہ اگر آ گیا تو تم کبھی اس گھر سے باہر نہیں نکل سکو گی"

موسیٰ کی آواز میں ایسی گھن گرج تھی جیسے بجلی کسی پہاڑ پر گرنے والی ہو وہ آواز صرف لفظ نہیں دھمکی تھی خالص دھمکی چہرے پر سایہ سا چھا گیا تھا، جیسے اندر کوئی اندھیرا جنم لے چکا ہو۔

روما کی آنکھیں تپ رہی تھیں۔ لمحہ بھر کو اُس کا دل دھڑکا، مگر پھر وہ سنبھلی۔

"تو میری دعا ہے تم مر جاؤ" گردن سیدھی کی اور نگاہ اس کی آنکھوں میں ڈال کر بولی۔

الفاظ کسی گولی سے کم نہ تھے۔ اُس کی آواز نڈر تھی صاف اور سچائی سے لبریز۔ اُس نے بات مکمل کرتے ہی اُس پر ایک نظر ڈالی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی اپنی بے بسی کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ایک ایسی جنگ سے جس کا کوئی انجام ابھی لکھا نہیں گیا تھا۔

شہسوار کی کال بند ہوئی تو فاطمہ جیسے ٹوٹ سی گئی۔ آنکھوں سے بہتے آنسو اُس کی بے بسی کی گواہی دے رہے تھے۔ وہ کچھ نہ کر پائی تھی اپنے باپ کے قاتل کو روک نہ سکی اور اب وہ شہر چھوڑ کر جا رہا تھا۔ اُسے لگا جیسے ساری دنیا اُس کے خلاف ہو گئی ہو۔

کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ باہر کی زرد روشنی کھڑکی کے پردوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی اور وہ خود کو سمیٹے ایک کونے میں بیٹھ کر رو رہی تھی۔ اُسی لمحے کھڑکی بجنے کی ہلکی سی آواز آئی وہ چونکی آنسو جلدی سے صاف کیے اور دھڑکتے دل کے ساتھ کھڑکی کے قریب گئی۔

کھڑکی کھولی تو سامنے موسیٰ کھڑا تھا۔ اُس نے چہرے پر ماسک پہنا ہوا تھا لیکن آنکھیں وہی تھیں جانی پہچانی فکر مند۔

"یار میں کب سے کھڑکی بجا رہا ہوں تم نے کھولا ہی نہیں اگر کوئی دیکھ لیتا تو" موسیٰ جلدی سے اندر آتے ہوئے بولا لیکن فاطمہ اُسے نظر انداز کرتے ہوئے چپ چاپ واپس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"فاطمہ کیا ہوا ہے میری ہنی بی کیوں رو رہی ہے" موسیٰ اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور نرمی سے اُس کے ہاتھ تھام لیے۔

"موسیٰ وہ چلا گیا ہے" اتنا کہہ کر وہ پھر سے رو پڑی۔

"کون چلا گیا" موسیٰ نے اُس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر نرمی سے پوچھا۔

"شہسوار میرے بابا کا قاتل اب میں کیا کروں گی وہ فرار ہو گیا ہے موسیٰ پولیس بھی کچھ نہیں کر رہی ہم گھنٹوں تھانے میں بیٹھے رہے مگر کوئی ہماری بات سننے کو تیار نہ تھا"

فاطمہ کا ایک ایک لفظ موسیٰ کے دل میں تیر کی طرح چبھ رہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی فاطمہ کو سچ نہیں بتا پا رہا تھا۔

"فاطمہ پلیز بس تھوڑا صبر کرو میں سب ٹھیک کر دوں گا قسم سے اُسے سزا دلوا کر رہوں گا"

"پچھلے دو ہفتوں سے صبر ہی تو کر رہی ہوں میں اب برداشت نہیں ہوتا موسیٰ" اُس کی آواز لرز گئی۔

موسیٰ اُس کے قریب بیٹھا اُس کا ہاتھ چومے۔

"ایک بات پوچھوں اگر میں کبھی کوئی ایسی غلطی کر بیٹھوں جس کی معافی ممکن نہ ہو کیا تم پھر بھی معاف کر دو گی" نرمی سے بولا۔

فاطمہ نے حیرانی سے اُس کی طرف دیکھا "موسیٰ فاطمہ ابراہیم کی ڈکشنری میں معافی کا لفظ نہیں آتا اور ویسے بھی آپ ایسی غلطی کیوں کریں گے جس کی معافی نہ ہو"

"بس یوں ہی پوچھا سُنا ہے جہاں سچی محبت ہو وہاں غلطیاں بھی معاف ہو جاتی ہیں" موسیٰ نے مسکرا کر بات بدلنے کی کوشش کی۔

"محبت ہو تو غلطی کی گنجائش ہی نہیں ہونی چاہیے موسیٰ بعض اوقات چھوٹی غلطی بڑے رشتے توڑ دیتی ہے"

موسیٰ خاموش ہو گیا۔ کچھ لمحوں بعد اُس نے فضا کو بدلنے کی کوشش کی "چلو باہر کھانے چلتے ہیں۔ قسم سے تمہیں دیکھنے کے شوق میں کھانا بھی نہیں کھایا"

"مگر مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے" فاطمہ سنجیدگی سے بولی۔

"پہلے کھانا پھر بات چلو تمہاری فیورٹ جگہ پر چلتے ہیں میں ہنی کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں آج"

موسیٰ تیزی سے کھڑکی کے راستے باہر نکل گیا۔ فاطمہ نے ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا۔ سیاہ کی فلیپر پینٹ سیاہ ٹاپ مدھم کاجل اور بالوں کی اونچی پونی چہرے پر تھکن لیکن آنکھوں میں ایک نئی روشنی تھی۔

اُس نے چادر سنبھالی دبے پاؤں دروازے کو لاک کیا اور گھر کی پچھلی جانب پہنچی جہاں موسیٰ اپنی ہیوی بائیک کے ساتھ اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"ہم بائیک پر جائیں گے" فاطمہ نے سرگوشی کی۔

"یس ہنی آج تمہارے لیے اپنی اسپیشل بائیک نکالی ہے بس بتاؤ جانا کہاں ہے"

"اندرون لاہور بابا وہاں سے ریشمی بوٹی لاتے تھے مجھے وہ بہت پسند ہے بہت ٹیسٹی ہوتی ہے"

"بس حکم کرو تمہارا شیر وہاں نہیں وہاں سے بھی آگے لے جائے گا" موسیٰ نے اُس کی پیشانی سے چادر سمیٹی، اور نرمی سے بولا۔

فاطمہ بائیک پر بیٹھی تو ہچکچاہٹ محسوس ہوئی۔

"ہنی زور سے پکڑ لو مجھے" موسیٰ نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"پکڑ لیا شیر صاحب" وہ اُس کے کان کے قریب بولی۔

بائیک ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ شہر کی سڑکیں روشنیاں ہلکی خنکی سب جیسے کسی فلم کا سین بن گئے تھے۔

"آرام سے چلائیں میں گر جاؤں گی" فاطمہ نے ڈر کر کہا۔

"یقین رکھو شیر خان پر کبھی گرنے نہیں دوں گا"

وہ اُس کا ہاتھ تھامے بولا اور پھر اُس کا ہاتھ اپنے دل کے قریب لے گیا۔

"دونوں ہاتھوں سے بائیک چلائیں موسیٰ" وہ چٹکی کاٹتے ہنسی۔

"جب اتنی حسین بیوی پیچھے بیٹھی ہو تو نظریں سامنے کیسے رہیں"

کچھ دیر میں وہ اندرون لاہور پہنچ گئے۔ تنگ گلیاں روشنیوں میں نہایا ہوا ہر کونہ چٹ پٹے کھانوں کی خوشبو قہقہوں اور ہنسی کی آوازیں جیسے لاہور کا اصل دل یہیں دھڑکتا ہو۔

فاطمہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اُسے لگا جیسے تھوڑی دیر کے لیے دکھ تھم گیا ہو لیکن موسیٰ کے دل میں ایک طوفان چل رہا تھا جس سچ کو وہ چھپا رہا تھا وہ کب تک چھپے گا۔

اندرون لاہور کی ایک پرانی مگر مشہور فوڈ اسٹریٹ میں، ایک چھوٹے سے مگر صاف ستھرے ڈھابے کے باہر موسیٰ نے بائیک روکی۔ دونوں نے چہرے ڈھانپ رکھے تھے لیکن آنکھوں کی چمک اور آواز کی پہچان سے ایک دوسرے کو مکمل پہچانتے تھے۔

فاطمہ کی نظریں وہاں موجود ریشمی بوٹی والے اسٹال پر جم گئیں "یہی ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں سے بابا ہمیشہ میرے لیے لاتے تھے" اُس کی آواز میں ایک نمی سی گھل گئی تھی۔

موسیٰ نے نرمی سے اُس کا ہاتھ تھاما "تو آج تمہاری یہ خوشی شیر خان پوری کرے گا"

تھوڑی ہی دیر میں گرم گرم کباب اور ریشمی بوٹی کی خوشبو سے بھری پلیٹ اُن کے ٹیبل پر آگئی۔ پلیٹ پر بوٹیوں کے ساتھ نان اور ہری چٹنی بھی تھی۔

دونوں ایک کنارے پر ایک خالی بنچ پر آ کر بیٹھے۔ ارد گرد لوگ اپنے کھانوں میں مصروف تھے۔ موسیٰ نے پلیٹ فاطمہ کے سامنے رکھی اور خود الجھن سے اُسے دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا" فاطمہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یار میں نے کبھی اتنا اوئلی کھانا نہیں کھایا مطلب مجھے پتا نہیں یہ کیسے کھاتے ہیں ہاتھ چکنے نہ ہو جائے اور اس طرح کا فوڈ میں نے کبھی پہلے ٹرائے بھی نہیں کیا"

فاطمہ پہلے چونکی پھر ہنس دی وہ ہنسی جس میں پہلی بار اُس کی آنکھوں سے درد غائب تھا۔

"اچھا سنیں ایسے کھاتے ہیں" وہ خود پلیٹ کی طرف بڑھی، ایک نرم گرم بوٹی نان میں لپیٹی تھوڑی سی چٹنی لگائی اور نرمی سے موسیٰ کے منہ کے قریب کی۔

"کھولیں منہ شیر خان کو آج اُس کی ہنی اپنے ہاتھوں سے کھلا رہی ہے"

موسیٰ نے آنکھیں بند کیں اور فاطمہ کے ہاتھ سے نوالہ لے لیا۔

"تم نے کھلایا تو اب اس کا ٹیسٹ زیادہ اچھا ہو گیا ہے" موسیٰ خوشی سے بولا پہلی دفعہ وہ خود سے

کچھ کر رہی تھی اُس کے لیے۔

"بابا کہتے تھے جو چیز پیار سے ملے اُس کا ذائقہ دنیا کی ہر نعمت سے بڑھ کر ہوتا ہے" فاطمہ نے مسکرا کر نرمی سے کہا۔

کچھ دیر دونوں خاموشی سے کھاتے رہے۔ شہر کی روشنیوں میں گم، اپنے ہی ایک الگ جہاں میں۔

رات کے اندھیرے میں اندرون لاہور کی پرانی عمارتوں کی چھتیں ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔ آسمان پر ستارے مدھم

روشنی بکھیر رہے تھے، اور دور کسی دربار سے قوالی کی دھن فضا میں گھلی ہوئی تھی۔

<"یہ جو ہلکا ہلکا سرور ہے

یہ تیری نظر کا قصور ہے..."

فضا میں ایک مدہوشی تھی — عشق کی دعا کی اور تقدیر کی۔

فاطمہ چھت کے کونے پر جا کھڑی ہوئی اُس کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا جو اُس نے دھیرے سے پرانی اینٹوں کی دیوار پر رکھا اور ہولے سے بولی۔

"موسیٰ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے"

موسیٰ، جو اُس لمحے اُس کی طرف پشت کیے آسمان تک رہا تھا پلٹا اور اُسے اپنے پہلو میں لیتے ہوئے بولا

"بولو میں سن رہا ہوں"

فاطمہ کی نظریں نیچے گلی میں پڑی ٹھنڈی روشنی پر تھیں، جیسے وہ لفظوں کو ترتیب دے رہی ہو۔

"دادی اماں ماما سے کہہ رہی تھیں میری شادی اسی مہینے کے آخر تک کرنی ہے" وہ رکی پھر تھوڑا جھجکتے ہوئے بولی۔

"آپ اپنے گھر والوں کو کب بھیجیں گے میں ماما کو کچھ کہنا چاہتی ہوں لیکن پلیز نکاح والی بات مت کہیے گا"

موسیٰ خاموش ہوا پھر اُس نے فاطمہ کو گہرائی سے دیکھا، جیسے اُس کے لفظ اُس کے دل میں اُتر رہے ہوں۔

"مطلب فاطمہ ابراہیم اب مجھ پر یقین کرنے لگی ہے اب وہ چاہتی ہے کہ اُس کی رخصتی ہو جائے"

فاطمہ نے ہلکا سا مسکرا کر اُس کا ہاتھ تھاما۔

"کہہ سکتے ہیں آپ اب میں چاہتی ہوں اگر میرے نام کے ساتھ کسی کا نام جُڑے تو وہ صرف موسیٰ شیر خان ہو"

موسیٰ کے چہرے پر محبت کا رنگ مزید گہرا ہو گیا۔ لیکن اچانک فاطمہ کی شوخ آنکھوں میں چمک آئی۔

"لیکن آپ نے مجھے پرپوز تو نہیں کیا"

موسیٰ نے ہنستے ہوئے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"ناٹ ایٹ آل! اب تم یہ چاہتی ہو کہ میں جو پہلے ہی تمہارا شوہر ہوں تمہیں دوبارہ پرپوز کروں"

"جی بالکل یہی چاہتی ہوں" فاطمہ ضدی انداز میں بولی۔

موسیٰ نے گہرا سانس لیا اور اُس کے سامنے ہاتھ پھیلایا

"تو سنو مسز موسیٰ شیر خان آپ کا شوہر موسیٰ شیر آپ کو ایک بار پھر دل جان اور ایمان کے ساتھ اپنے نکاح میں قبول کرنا چاہتا ہے کیا آپ کو قبول ہے"

فاطمہ آنکھیں مٹکا کر بولی۔

"اگر میں انکار کر دوں تو"

موسیٰ کے ہونٹوں پر ایک شوخ مسکراہٹ آئی۔

"تو پھر جیسے پہلے چھپ کر اٹھایا تھا اب سب کے سامنے اٹھا کر لے جاؤں گا"

فاطمہ نے ہنستے ہوئے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

"اس بار اُٹھانے کی ضرورت نہیں دلہن خود آپ کے ساتھ رضامندی سے بھاگنے کو تیار ہے"

موسیٰ ہنس پڑا اُس کا قہقہ چھت کی اینٹوں سے ٹکرا کر لوٹنے لگا۔

"چلو اب تم بھی مجھے پرپوز کرو"

فاطمہ ایک ادا سے اُس کے سامنے کھڑی ہوئی اور سنجیدہ انداز اپنایا۔

"مسٹر موسیٰ شیر خان آپ کو آپ کی وائف فاطمہ ابراہیم اپنی ساری خامیوں ساری خوبیوں اور ساری محبت کے ساتھ ایک بار پھر اپنے نکاح میں قبول ہے"

موسیٰ نے اُس کی ہتھیلی تھامی اور آہستگی سے چوم لی۔

"مجھے ہزار بار قبول ہے بس شرط یہ ہے کہ دلہن ہمیشہ فاطمہ ابراہیم ہی ہو"

قوالی کی آواز اب بھی پسِ منظر میں مدھم چل رہی تھی۔

چاندنی چھت پر سُکون کی چادر تان چکی تھی۔

اور لاہور کی فضا——

محبت قہقہوں اور وعدوں کی گواہ بن چکی تھی۔

رات کے تین بج رہے تھے۔

حویلی کی چھت پر چاندنی اپنے پورے جوبن پر تھی اور ہلکی ہلکی ہوا دونوں کے چہرے چھو کر گزر رہی تھی۔ اسماعیل اور مرحا چھت کے کنارے خاموش کھڑے تھے۔ چاروں طرف خاموشی کا راج تھا صرف دلوں کی دھڑکنیں تھیں جو شور مچا رہی تھیں۔

"تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا" مرحا نے بے چینی سے پوچھا "کب سے پوچھ رہی ہوں اور تم ہو کہ چپ ہو پلیز جلدی بولو کوئی آ نہ جائے"

اُس کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی شاید ڈر سے زیادہ جذبات سے اسماعیل چاند کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے کسی اور ہی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔

"کوئی نہیں آئے گا اور مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے" اسماعیل کی آواز دھیمی تھی مگر لہجہ گہرا۔ اس کا چہرہ چاندنی میں کچھ اور ہی اداس لگ رہا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو نا تم کچھ پریشان لگ رہے ہو"

مرحا نے اُس کا چہرہ اپنی طرف موڑ کر نرمی سے پوچھا۔

"میں نے گھر والوں سے ہمارے رشتے کی بات کی ہے"

بس یہی کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

مرحا کی آنکھوں میں ایک پل میں خوف اُتر آیا آواز میں نمی بھر آئی "انہوں نے منع کر دیا کہا ہو گا چھوڑ دو بولو اسماعیل تم چھوڑ دو گے مجھے"

آنسو پلکوں سے پھسلنے لگے۔

اچانک اسماعیل کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ ابھری "ابو نے کہا میاں پھر کب بیوی بنا کے لا رہے ہو"

مرحا کی آنکھوں میں جیسے بہار آ گئی لبوں پر وہ مسکراہٹ تھی جو صرف سچی خوشی میں آتی ہے۔

"تم یہ بات پہلے بھی بتا سکتے تھے مجھے لگا سب ختم ہو گیا میں نے پتہ نہیں کیا کیا سوچ لیا تھا" وہ رو بھی رہی تھی ہنس بھی رہی تھی۔

اسماعیل نے اُس کا ہاتھ تھام لیا "میرے بارے میں کبھی ایسا نہ سوچنا مرحا میں تمہیں کبھی کسی اور کا ہونے نہیں دوں گا تم صرف اس غریب اسماعیل کی ہو اور ہمیشہ رہو گی"

مرحا نے ہاتھ مضبوطی سے تھاما "میں ساری عمر تمہاری رہنا چاہتی ہوں جب کوئی میرا نام پوچھے تو وہ کہے ہاں جانتے ہو اسماعیل کی بیوی مرحا میں چاہتی ہوں جب میں کسی گلی سے گزروں تو لوگ کہیں یہ دیکھو اسماعیل کی بیوی جا رہی ہے"

"بیوی نہیں کہیں گے یہ تو دیوانی ہے اسماعیل کی" اسماعیل نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں میں ہوں" مرحا نے آنکھوں میں مکمل سچائی کے ساتھ قبول کیا۔

"اتنی محبت کب سے" اسماعیل نے حیرت اور محبت سے پوچھا۔

"جب تم ساتھ ہوتے تھے وقت رک جاتا تھا جب دور ہوتے تھے دل جب تمہاری خاموش نظریں مجھے دیکھتی تھی جب تمہاری مسکراہٹ میرے دن کا سب سے خوبصورت لمحہ بن گئی جب تمہارے ہونے سے مجھے لگا کہ مرحا بھی کسی کے لیے قیمتی ہے۔ تب سے محبت ہوئی لیکن ایک ڈر ہے"

اس کی آواز کانپ گئی۔

"کس چیز کا ڈر" اسماعیل نے جانتے ہوئے بھی نرمی سے پوچھا۔

"میرے بابا" مرحا آسمان کی طرف دیکھنے لگی، "تمہارے ابو نے مان لیا، میرے بابا کاٹ کر پھینک دیں گے، پر خاندان سے باہر شادی نہیں کرے گے"

اسماعیل نے اُس کا چہرہ تھاما "میں تمہیں دور لے جاؤں گا جہاں صرف اسماعیل اور اُس کی بیوی ہو گی"

اُس نے آہستہ سے مرحا کے آنسو صاف کیے۔

"چلو اب نیچے چلو۔ کل کالج کے بعد تمہاری فیورٹ آئسکریم کھلاؤں گا۔ لیکن ایک شرط ہے"

"کیسی شرط" مرحا نے شرارت سے ائبرو اٹھایا۔

"یہی کہ اب تم روؤ گی نہیں سو جاؤ گی وعدہ"

"پنکی پرومس" مرحا نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا اور نیچے کی طرف بھاگی لیکن سامنے سے آتے موسیٰ سے ٹکرا گئی۔

"تم آدھی رات کو چھت سے کیوں آرہی ہو" موسیٰ کی آواز سخت تھی۔

مرحا کا رنگ فق ہو گیا اور پیچھے سے آتے اسماعیل کو دیکھ کر جیسے وقت تھم گیا۔

"تم دونوں چھت پر تھے" موسیٰ کا لہجہ بجلی کی طرح گرجا۔

"نہیں میں تو لان میں تھا۔ مرحا بی بی چھت پر تھی میں بس دیکھنے آیا تھا کہ یہ اوپر کیا کر رہی ہے" اسماعیل فوراً بولا۔

"اور تم چھت پر کیا کر رہی تھی آدھی رات کو" موسیٰ نے مرحا کا بازو دبوچا۔

" گر گرمی لگ رہی تھی بس تازہ ہوا کھانے گئی تھی" مرحا نے گھبرا کر کہا۔

" گرمی لگے تو اے سی کی سپیڈ تیز کیا کرو چھت پر مت نظر آنا اگلی بار جاؤ اپنے کمرے میں" موسیٰ نے بازو چھوڑ دیا۔

"اور تم آئندہ رات کو یہاں مت آنا" پھر اسماعیل کی طرف مڑتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"میں خیال رکھوں گا" اسماعیل نے سر جھکاتے ہوئے کہا اور خاموشی سے حویلی سے باہر چلا گیا۔

مگر موسیٰ اب سب کچھ سمجھ چکا تھا۔

اور اب وہی کرے گا جو اُسے کرنا ہے۔

صبح کی اذانیں فضا میں گونجنے لگیں۔

ہلکی ہلکی روشنی نے آسمان کے دامن کو چھونا شروع کیا تو شہسوار کی گاڑی ڈیرہ غازی خان کے ایک سنسان راستے پر داخل ہوئی وہ آج برسوں بعد اپنے آبائی علاقے لوٹ آیا تھا۔

وہی شہر...

جہاں اُس کے بچپن کی دھول ماں کی دعائیں، اور باپ کی خاموش ناراضگی بکھری ہوئی تھی۔

ایک گھنٹے بعد...

گاڑی ایک عظیم الشان مگر پرانی حویلی کے سامنے آ کر رُکی۔

وقت جیسے تھم گیا۔ شہسوار گاڑی سے اُترا اور بس دروازے کے سامنے کھڑا رہ گیا۔

نگاہیں عمارت پر جمی تھیں۔ وہ حویلی جسے اُس نے کبھی خوابوں کے بدلے چھوڑا تھا آج پھر اُسے پناہ دینے کو تیار کھڑی تھی۔

"سر اندر چلیں" جمال نے آہستگی سے یاد دلایا۔

سامنے گارڈ دروازہ کھول چکا تھا، لیکن شہسوار کی نظریں دروازے کے اُس پار ماضی کے کسی در کو کھول رہی تھیں۔

جب وہ اندر داخل ہوا۔

سامنے صحن میں بیٹھی حانم بیگم ہاتھ میں شیشے کا مرتبان لیے آچار ڈالنے میں مصروف تھیں۔

چاندنی چہرے پر بکھری ہوئی تھی اور صبح کی ٹھنڈی ہوا میں آم کا تر ہوتا ہوا خوشبو مہک رہا تھا۔

"السلام علیکم امی"

شہسوار نے کچھ فاصلے سے آواز دی۔

حانم بیگم کے ہاتھ وہیں رک گئے۔

آواز نے دل کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا جسے برسوں سے صرف اُس کی آہٹ کا انتظار تھا۔

"وعلیکم السلام "اُن کے لب لرز گئے

"مجھے یقین نہیں آرہا تم آگئے ہو"

"کر لے یقین میں آگیا ہوں ہمیشہ کے لیے" شہسوار آہستہ آہستہ قریب آیا اور کہا۔

وہ ماں سے لپٹ گیا۔ ایک بیٹے کی ساری تھکن ساری انا، ساری خالی شامیں اُس ایک لمحے میں ختم ہو گئیں۔

"بہت ستایا ہے تم نے سوار" حانم بیگم نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

آواز میں شکایت کم، ممتاز یادہ تھی۔

"اسی لیے شاید آج مجھے بھی بہت ستایا جا رہا ہے امی میں نے والدین کا دل دکھایا تھا نا" شہسوار نے سر جھکا کر نرمی سے کہا۔

"اللہ کرے تمہیں کبھی کوئی پریشانی نہ ستائے بس"

انہوں نے چارپائی کی طرف اشارہ کیا "آ کر بیٹھو"

شہسوار بیٹھتے ہوئے دائیں بائیں نگاہ دوڑاتا رہا۔

اسی حویلی کی دیواروں پر اُس کے بچپن کی چیخیں تھیں باپ کی خاموش سختی اور ماں کی دھیمی مسکراہٹیں۔

"ابو کہاں ہیں"

ایک پل کو دل کانپ سا گیا ماں نے تو معاف کر دیا، کیا باپ بھی کرے گا۔

"وہ مویشی منڈی گئے ہیں بس کچھ دیر میں آ جائیں گے تم بتاؤ ناشتہ کرو گے"

"نہیں امی تھک گیا ہوں تھوڑا آرام کروں گا"

وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہوا "جمال کے لیے نیچے والا کمرہ تیار کروادیں آج رات وہ یہی رکے گا کل چلا جائے گا"

"ٹھیک ہے میں کہہ دیتی ہوں تم جاؤ تھوڑا آرام کرو بیٹا" جب اولاد تکلیف میں ہوتی ہے تو اُسے بس ماں باپ چاہیے ہوتے ہے حانم بیگم جانتی تھی اصل وجہ جمال سب بتا چکا تھا اُنھیں۔

یہ حانم بیگم تھیں جن کی شخصیت علم و قار اور ماں کی نرمی کا حسین امتزاج تھی۔ تعلیم یافتہ بردبار، مگر بیٹے کے لیے تڑپتی ماں۔

ان کی شادی شاہنواز ملک سے ہوئی تھی ایک وضع دار خوددار آدمی جنہیں سیاست سے سخت نفرت تھی۔

شہسوار کو جب سیاست کا شوق ہوا تو وہ باپ کی مرضی کے خلاف نکل گیا۔

لیکن شاہنواز نے ایک شرط رکھی تھی۔

"اگر لوٹنا ہے تو سیاست چھوڑ کر آنا"

آج شہسوار اُسی وعدے کو پورا کر کے اپنا غرور اپنی سیاست اپنا شہر سب چھوڑ کر۔

بس ماں باپ کی دہلیز پر لوٹ آیا تھا۔

حویلی میں صبح کے دس بجے تھے مگر اندر ایک خاموش بے چینی سی پھیلی ہوئی تھی۔ یحیٰ خان اپنے کمرے میں تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ہاتھ میں چشمہ پکڑا ہوا، آنکھوں میں بے حد تھکن، جیسے کئی راتوں سے نیند اُن سے روٹھ گئی ہو۔

دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجاؤ" یحیٰ خان نے سرد لہجے میں کہا۔

دروازہ آہستہ سے کھلا اور موسیٰ اندر آیا۔ قدم ناپ تول کے رکھ رہا تھا جیسے جانتا ہو جو کہنے جا رہا ہے وہ زمین ہلا دے گا۔

"آپ سے ضروری بات کرنی ہے" موسیٰ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہی بولا۔

"کہو" یحیٰ خان نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ نے روما اور مرحا کی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے"

"روما کی شادی تم سے ہونی ہے اور مرحا کی بھی ہم جلد کر دیں گے" یحیٰ خان نے بغیر تاثر کے جواب دیا۔

موسیٰ کی نظریں سیدھی اُن کی آنکھوں میں تھیں۔ "روما کی شادی مجھ سے کیسے ہو سکتی ہے میرا نکاح ہو چکا ہے اور آپ یہ جانتے ہیں"

"وہ نکاح دشمنی میں کیا گیا تھا جذبات میں نہیں اب طلاق دے دو اور آگے بڑھو ویسے بھی شہسوار کی وجہ سے معاملہ ٹھیک ہو گیا ہے" یحیٰ خان ایک لمحے کو خاموش ہوئے پھر تلخی سے بولے۔

موسیٰ کی آواز میں خراش تھی "وہ میری بیوی ہے نکاح جیسا بھی ہوا ایک بار ہو گیا تو اُس کا احترام میرا فرض ہے"

یحیٰ خان کا لہجہ بلند ہوا "جس دن اُسے سچ پتہ چلا کہ تم اُس کے باپ کے قاتل ہو وہ سب سے پہلی تمہیں گولی مارے گی"

موسیٰ کرسی سے اٹھا اب اُس کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ "میری فکر چھوڑیں اپنی بیٹیوں کی فکر کریں جن کی عزت ہاتھ سے جا رہی ہے"

یحیٰ خان ایک دم اُٹھ کھڑے ہوئے "کیا بکواس کر رہے ہو"

"روما کو بلائیں میں بتاتا ہوں وہ کہاں جاتی ہے اور کس سے ملتی ہے کالج کے نام پر عاشقی کر رہی ہے"

یحیٰ خان نے غصے سے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ "روما"

کچن میں کھڑی روما کے ہاتھ سے چمچ گر گیا۔ دل کی دھڑکن ایک لمحے کو رک گئی۔ اُس نے پتی ڈالنے کے لیے رکھا ہوا برتن بند کیا اور دوڑتی ہوئی باپ کے کمرے میں آئی۔

"جی۔۔۔جی بابا آپ نے بلایا"

"تم کالج کے بہانے کہاں جاتی ہو"

"کہیں نہیں بابا سیدھا کالج جاتی ہوں" روما کی آواز کانپ رہی تھی۔

"تو پھر فردان کے ساتھ کیفے میں بیٹھ کر الیکشن ڈسکس کر رہی تھی" موسیٰ اُس کی طرف مڑ کر بولا۔

روما کا رنگ زرد ہو گیا۔ "ب۔۔ بابا میں اُسے نہیں جانتی"

"اس کا فون منگوائے ابھی پتہ چل جائے گا" موسیٰ اُس کی اڑتی رنگت دیکھ کر ہنس کر بولا۔

"مرحا" یحیٰ خان کی آواز گرجی "اِس کا فون لاؤ"

مرحا تھر تھر کانپتی ہوئی اندر گئی فون لے کر آئی۔ موسیٰ نے سختی سے روما کی انگلی فنگر پر رکھی فون ان لاک ہوا۔ موسیٰ نے کال ملائی۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ارے واہ نئی نئی بیوی نے آج خود فون کر لیا"

یہ جملہ گویا زلزلہ تھا۔ پورا کمرہ تھر تھرا گیا۔ دیواریں گواہ بن گئیں۔

یحیٰ خان نے جھپٹ کر فون چھینا اور دیوار پر دے مارا۔

"نئی نئی بیوی کیوں کہا اُس نے"

"بابا میری بات سنیے میں"

"نئ نئ بیوی کیوں کہا اُس نے" یحیٰ خان کا چہرہ لال، آنکھوں میں خون اُتر آیا۔

اگلے ہی لمحے روما کے گال پر تھپڑ پڑا۔ وہ نیچے گر گئ۔

"یحیٰ میری بیٹی" ماہ جبین کمرے میں بھاگتی ہوئی داخل ہوئیں مگر روک نہ سکیں۔

یحیٰ خان نے بالوں سے کھینچ کر اُسے اُٹھایا پاس پڑی ٹیبل اس پر دے ماری۔ روما کی چیخ فضا کو چیرتی چلی گئ۔

"جواب دو مجھے کیوں اُس نے بیوی بولا" یحیٰ صاحب اُس کے چہرے پر تھپڑ در تھپڑ مار رہے تھے۔

"ہم نے نکاح کر لیا ہے" روما نے بہ مشکل کہا آنکھوں سے آنسو نہیں خون بہہ رہا تھا۔

یحیٰ خان کا بدن کانپنے لگا۔ اُس نے ایک کے بعد ایک لات اور گھونسے برسا دیے۔

"بابا پلیز آپی مر جائے گی" مرحا آگے بڑھی روکتی رہی۔

"خبردار کوئی نزدیک آیا تو جان سے مار دوں گا"

"آپ کے لیے موسیٰ کا نکاح قابل قبول تھا کیونکہ وہ آپ کا فیصلہ تھا۔ اور میرا نکاح ناقابل قبول نہیں کیونکہ وہ میرا فیصلہ تھا" روما اُن کی گرفت میں مچلتے ہوئے بولی۔

یحیٰ خان نے جوتا اُٹھایا اور روما کے منہ پر دے مارا۔ روما کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔

"میرے سے بغاوت کرو گی میرے فیصلوں کے خلاف جاؤ گی اپنے باپ کے" یحیٰ صاحب اُس کے منہ پر ایک بار پھر جوتا مارتے ہوئے بولے۔

روما زمین پر گری ہوئی تھی۔ چہرے پر جوتے کے نشان ہونٹوں سے خون رس رہا تھا۔ سکینہ اُسے سمیٹنے کو آگے بڑھی مگر روما نے کانپتے ہاتھ سے اُسے روکا۔

"نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گی"

یحیٰ خان نے تلوار کی طرح آواز بلند کی "لے جاؤ اِسے بند کر دو اِسے سٹور میں اپنے باپ سے بغاوت کرنے کا یہی انجام ہوتا ہے"

روما ہانپتے ہوئے آنکھیں آنسوؤں سے تر آہستہ آہستہ اُٹھی۔ اُس کے پاؤں لرز رہے تھے لیکن الفاظ کی بنیاد پتھر کی دیوار جیسے مضبوط ہو چکی تھی۔

"آپ کہتے ہے آپ باپ ہے "اُس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

یحیٰ خان ٹھٹھک کر رُکا۔

"آپ پوچھتے ہیں میں نے کیا کیا میں نے وہی کیا جو آپ کرتے آئے ہیں میں نے اپنی زندگی کا فیصلہ خود لیا آپ کو برداشت نہیں ہوا"

یحیٰ خان نے آگے بڑھنا چاہا مگر روما کی آواز پہلے بڑھ گئی۔

"نہیں اب آپ سُنیں گے"

"آپ نے ہمارے لیے کیا کیا ہے بابا" اُس کی آواز میں اب صرف چیخ نہیں تھی، ایک دہائیوں کی دبی چیخ تھی جو دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔

"ساری زندگی ماں کو مارا ہے اُن کے جسم پر نشان تھے میں نے بچپن میں اپنی ماں کو خون کے ساتھ دیکھا ہے اور آپ کہتے ہیں آپ باپ ہیں"

ماہ جبین کا چہرہ سفید پڑ گیا وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئیں۔

"ہم نے بچپن میں آپ کے قدموں کی آہٹ سے سہمنا سیکھا ماں کی چیخوں سے نیند ٹوٹی ہے ہماری اور آپ کے اس سانپ سے شادی کر کے میں بھی اپنی ماں جیسی زندگی گزارتی بہت اچھا کیا تم نے مجھے چھوڑ دیا"

روما کے لفظ اب برف نہیں انگارے تھے۔

"آپ نے ماما کو روتے دیکھا اور خود باہر مہمانوں کے سامنے مسکراتے رہے۔ آپ نے ہمیں بند کمروں میں قید کیا اور خود زمانے میں باعزت کہلائے"

"اور آج جب میں نے نکاح کر کے اپنی زندگی کو محفوظ بنانا چاہا آپ کو میری عزت غیرت لگنے لگی آپ سے کہتی نکاح کرنا تو جو آج کیا میرے ساتھ وہ پہلے کرتے"

یحیٰ خان کا چہرہ لال ہو چکا تھا مٹھیاں بند تھیں لیکن اب جیسے وقت اُسے آئینہ دکھا رہا تھا۔

روما نے آخری ضرب لگائی "آپ نے ہمیں دیا ہی کیا ہے بابا خوف زخم یا وہ تربیت جس میں لڑکیاں صرف برداشت کرنا سیکھتی ہیں"

"اس کو لے کر دفعہ ہو جاؤ" یحیٰ صاحب نے کہتے ساتھ ایک بار پھر اُس کے چہرے پر جوتا مارا۔ روما نیم بہوش ہو چکی تھی۔ آنکھیں محفوظ تھی باقی پورا چہرہ نیلا ہو چکا تھا۔

کمرے میں مکمل سناٹا چھا گیا۔

سکینہ کی سسکیاں مرحا کے ہونٹوں پر کپکپاہٹ اور ماہ جبین کی آنکھوں میں سالوں کی نمی —— سب خاموش گواہ تھے۔

"سکینہ اِسے لے جاؤ بند کر دو اسے سٹور میں جہاں روشنی کا گزر نہ ہو"

سکینہ نے سہم کر روما کو گھسیٹا وہ مسلسل کراہ رہی تھی۔

یحیٰ خان نے واپس مڑ کر موسیٰ کو دیکھا۔

"طلاق کے کاغذات تیار کرو۔ اور اسماعیل فردان کہاں ہے اُسے میرے پاس لے کر آؤ" یحیٰ صاحب کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فردان کو ڈھونڈ کر قتل کر دے۔

صحن کی نرم دھوپ میں ہلکی سی خنکی گھلی ہوئی تھی۔ درخت کے سائے میں بیٹھا فردان ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھ موبائل اسکرین کو گھور رہا تھا۔ پیشانی پر الجھن کی شکنیں تھیں اور انگلیاں بار بار واٹس ایپ کی کھلی چیٹ کو اسکرول کر رہی تھیں روما کی آخری کال اچانک بند ہو گئی تھی اور اُس کے بعد مکمل خاموشی۔

تب ہی صحن کے دروازے پر سیام نمودار ہوا۔ ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور آنکھوں میں نیند کی خمار ابھی باقی تھی اُس نے فردان کو اس حالت میں دیکھ کر ٹھٹک کر قدم روکا پھر ہلکا سا مسکرا کر اُس کے پاس آیا۔

"اوئے تم یہاں کیا کر رہے ہو امی بلا رہی ہے ناشتہ کرنے چلو اُٹھو" اُس نے محبت سے فردان کی گردن کو ہلکے سے جھنجھوڑا۔

فردان چونکا لیکن نظریں موبائل سے نہ ہٹیں "آپ چلے جائیں بھائی میں آتا ہوں" اُس کی آواز میں گمبھیر خاموشی تھی۔

سیام کچھ لمحے اُسے غور سے دیکھتا رہا اُس کے چہرے پر پریشانی صاف لکھی تھی جیسے کسی نے دل میں کوئی پھانس چبھو دی ہو۔

"کیا ہوا ہے کوئی پریشانی ہے مجھے بتاؤ کچھ چھپاؤ مت آج تم بہت اُداس لگ رہے ہو ایسے کبھی نہیں دیکھا"

فردان نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی لیکن چہرے پر وہ مسکراہٹ آ نہیں سکی آنکھیں بوجھل تھیں۔

"نہیں بھائی میں ٹھیک ہوں"

"جھوٹ مت بولو مجھ سے" سیام نے سخت لہجے میں کہا اور اُس کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گیا۔

کچھ لمحے خاموشی میں گزرے، پھر فردان نے آہستہ سے کہا" بھائی میں ایک لڑکی کو پسند کرتا ہوں اُس کا نام روما ہے ابھی اُس کی کال آئی تھی لیکن اچانک بند ہوگئی س نے کبھی پہلے ایسا نہیں کیا"

سیام کے چہرے سے ہنسی غائب ہوگئی وہ سنجیدہ ہوگیا" کب سے"

"چار ماہ ہوگئے ہیں"

"فردان" سیام کا لہجہ بلند ہوگیا" چار مہینے؟ تم ایک نامحرم لڑکی سے ریلیشن میں ہوا اتنا وقت ضائع کردیا؟ تم دونوں کو امی سے بات کرنی چاہیے تھی رشتہ لے کر جاتے یہ کیا طریقہ ہے بغیر نکاح کے تم باتیں کرتے ہو"

Zubi Novels Zone

فردان نے گہری سانس لی" نکاح میں ہے وہ میرے"

خاموشی چھاگئی۔

سیام کی نظریں ساکت ہوگئیں۔ جیسے وقت تھم گیا ہو۔

"کیا کہا تم نے"

"میں سچ بول رہا ہوں بھائی تین ماہ ہو گئے ہیں چاچو کے انتقال کے ایک ہفتے بعد ہم نے نکاح کیا تھا اُس کی رضامندی سے"

سیام جیسے پتھر کا ہو گیا اُس نے فردان کے چہرے کو پرکھتی نظروں سے دیکھا وہاں نہ مذاق تھا، نہ جھجک صرف سچ۔

"فردان تم نے اتنی بڑی بات چھپائی"

"میں خود نہیں سمجھ پا رہا کہ کیا ہو رہا ہے"

سیام نے گہرا سانس لیا، ہاتھ فردان کے کندھے پر رکھا "ویٹ کرو وہ خود کانٹیکٹ کرے گی اور پلیز امی کو سب کچھ بتاؤ۔ ابو کو تو تم جانتے ہو اُن سے چھپانا مسئلہ بن سکتا ہے"

فردان نے سر ہلایا آنکھیں موند لیں "آپ جائیں ناشتہ کریں میں آتا ہوں"

سیام اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر سر جھکا کر اندر کی طرف چلا گیا دل میں فکر اور چہرے پر خاموشی کا گہرا سایہ لیے۔

کچن میں دھیمی آنچ پر چائے کا پانی اُبل رہا تھا۔ فاطمہ خاموشی سے چمچ سے اُسے چھینٹ رہی تھی باہر سے آتی ہلکی سی ہوا کھڑکی کے پردے کو آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی جیسے کوئی دھیرے سے کوئی راز سرگوشی کر رہا ہو۔

علشبہ بیگم دروازے سے داخل ہوئیں اُن کے چہرے پر خستہ سی تھکن اور سوگ کی مدت کے بعد ایک عجیب سا وقار تھا آج اُن کی عدت ختم ہو چکی تھی لیکن اُن کی آنکھوں میں ابھی بھی دکھ کی نمی باقی تھی۔

"فاطمہ رقیہ باجی آئی تھیں سامنے والے گھر سے" وہ دھیرے سے بولیں۔

"اچھا" فاطمہ نے سادہ سا جواب دیا اور واپس چائے پھینٹنے لگی جیسے کچھ سننے کی خواہش ہی نہ ہو۔

"وہ کہہ رہی تھیں کہ کل رات اُن کے بیٹے نے تمہیں گھر سے باہر جاتے دیکھا ہے"

اُن کے لب مکمل ہوئے ہی تھے کہ فاطمہ کے ہاتھ سے ڈونگا چھوٹ کر فرش پر گر گیا۔ دھات کی آواز کچن کی خاموشی میں گونج اُٹھی جیسے کسی راز نے خود کو ظاہر کر دیا ہو۔

علشبہ بیگم جھک کر ڈونگا اُٹھانے لگیں لیکن اُن کی نظریں فاطمہ کے چہرے پر جمی تھیں۔

"کہاں گئی تھی تم" اُن کا لہجہ نرم تھا مگر اندر ایک چبھن چھپی ہوئی تھی۔

فاطمہ کا رنگ فق ہو چکا تھا پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے جیسے کوئی اندرونی طوفان اُس کے سکون کو روند رہا ہو۔ آنکھوں کی پتلیاں بے ترتیب حرکت کر رہی تھیں لیکن اُس نے خود کو سنبھالتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔

"مما میں کہیں نہیں گئی تھی، کہاں جانا تھا مجھے وہ رات کو کسی نے بیل بجائی تھی میں نے دروازہ کھول کر دیکھا، لیکن باہر کوئی نہیں تھا شاید وہ اُسی وقت کی بات کر رہے ہوں گے"

اُس کی آواز میں ایک خفیف سی کپکپاہٹ تھی۔ ہر لفظ جیسے بمشکل اُس کے لبوں سے نکل رہا تھا۔

علشبہ بیگم نے ڈونگا سنک میں رکھا پل بھر کو کچھ کہنے کے لیے رُکیں لیکن خاموشی کو ترجیح دی اُن کے چہرے پر شک فکر اور ایک ماں کی بے بسی لکھی ہوئی تھی۔

کچن کی فضا میں چائے کی خوشبو تھی مگر اُس کے ساتھ ایک ایسا سناٹا بھی شامل ہو چکا تھا جسے صرف ماں اور بیٹی کی خاموش نظریں ہی محسوس کر سکتی تھیں۔

باب پنجم:

خامشی زیرِ ستم

~اس کی پناہ لے کبھی اُس کی پناہ لے
کرلی نہ تو نے زندگی اپنی تباہ لے
اس کی پناہ لے کبھی اُس کی پناہ لے
کرلی نہ تو نے اپنی زندگی تباہ لے
اور ٹھہرا دیا نہ تجھ کو سب نے ہی گناگار
اور ٹھہرا دیا نہ تجھ کو سب نے گناگار

لے اور اپنے سر تو سب کے گناہ لے

موسیٰ تیز قدموں سے اپنے دفتر میں داخل ہوا۔ آج الیکشن کی اہم میٹنگ تھی۔ جوں ہی وہ لابی میں پہنچا ایک نئی خبر نے اُس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھیر دی شہسوار کی پارٹی اب سعدیہ احمد کی قیادت میں تھی۔ یہ سنتے ہی جیسے اس کے شانے کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اُس کے چہرے سے تناؤ کی پرچھائیاں دھیرے دھیرے چھٹنے لگیں۔

"آجاؤ" ابھی وہ کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"سر وکیل صاحب آگئے ہیں" بلال نے ادب سے اطلاع دی۔

"اندر بھیج دو اور چائے بھی لے آنا" موسیٰ نے اطمینان سے کہا بلال سر ہلاتے ہوئے واپس پلٹ گیا۔

چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور ایک باوقار شخصیت اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم سر آپ نے بلایا" وکیل صاحب نے بیٹھتے ہوئے رسمی لہجے میں کہا۔

"جی ایک ضروری کام تھا اسی لیے آپ کو زحمت دی" موسیٰ کا لہجہ نرم تھا مگر پیشانی پر کچھ شکنیں اب بھی جمی ہوئی تھیں۔

"فرمایئے" وکیل صاحب نے چائے کی پہلی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"طلاق نامہ بنوانا ہے"

چائے حلق میں پھنس گئی۔ وکیل صاحب نے ہچکچاتے ہوئے بات دہرائی "طلاق نامہ"

موسیٰ کی آنکھوں میں طنز کی چمک ابھری۔ "کیا ہو گیا ایڈووکیٹ صاحب طلاق نامہ بنوانا ہے آئین نہیں جو آپ اتنے حیران ہو رہے ہے"

"جی سر بن جائے گا" وکیل صاحب نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے خود کو سنبھالا۔

"آج شام تک مکمل ہو جانا چاہیے بن جائے تو میرے پی اے کو اطلاع دے دینا" موسیٰ کا لہجہ حتمی تھا۔

"جی بہتر اب اجازت دیجیے" وکیل صاحب سلام کرتے ہوئے اٹھے اور دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

موسیٰ نے گھڑی پر نظر ڈالی میٹنگ شروع ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا۔ وہ اٹھنے ہی والا تھا کہ موبائل کی بیل بجی۔ دفتر میں وہ عموماً فون ریسیو نہیں کرتا تھا، مگر یہ کال اُس کی بیوی کی تھی۔ وہ کیسے انکار کرتا۔

"ہیلو جی کیسی ہیں آپ" موسیٰ نے مسکراتے ہوئے فون کان سے لگایا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں" فاطمہ نے لاپرواہی سے کہا۔ وہ کیب میں بیٹھی گھر جارہی تھی دل چاہا بات کر لے۔

"میں بالکل ٹھیک ہنی تم سناؤ" موسیٰ نے گھڑی کی سوئیوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ ہنی مت کہا کریں یہ کیسا نام ہے" فاطمہ نے برا سامنہ بنایا۔

"تم پہ یہی سوٹ کرتا ہے دیکھنے کا انداز شہد جیسا بولنے کا انداز زہر جیسا" موسیٰ کی آواز میں شرارت تھی۔

"مسٹر موسیٰ کہنا کیا چاہتے ہیں ذرا صاف بولیے" فاطمہ کی آنکھیں سکڑ گئیں۔

"بیوی میں تو غلام ہوں جو تم کہو میں نے کیا کہنا" اُس کا لہجہ گہرا اور سچا تھا۔

فاطمہ بے اختیار ہنس پڑی۔ اُس کو اچھا لگتا تھا جب موسٰی یوں اُس کے سامنے جھک جاتا۔

"میری زبان بھی میری طرح میٹھی ہے" فاطمہ نے چڑانے کے انداز میں کہا۔

"بس یار تمہاری بات سن کر وہ دن یاد آ گیا" موسٰی لمحہ بھر کو خاموش ہو گیا۔

"کون سا دن" فاطمہ چونکی۔

"جس دن تم نے میرا انٹرویو لیا تھا دل کر رہا تھا کہ تمہارے منہ پر پانی پھینک دوں"

"کیا وہ کیوں" فاطمہ کو حیرت ہوئی۔

"تا کہ تمہارا سارا میک اپ اتر جائے" موسٰی نے قہقہہ لگایا۔

"ویری فنی تو پھینک دیتے روکا کس نے تھا" فاطمہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

"پھر بھی میں ہار گیا کیونکہ "موسیٰ نے وقفہ لیا" کیونکہ تم میک اپ کے بغیر زیادہ حسین لگتی ہو"

یہ جملہ تھا یا تیر؟ فاطمہ کے گالوں کا رنگ گلابی سے اناری ہو گیا۔

"اگر ایسے ہی شرماتی رہی تو وہ دن دور نہیں جب تم ٹماٹر بن جاؤ گی" موسیٰ اُس کی خاموشی پر بولا۔

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی چھا گئی۔

"م میں نہیں مجھے کوئی شرم نہیں آ رہی غلط

فہمی ہے آپ کی" اُس نے نظریں بچاتے ہوئے آئینے میں خود کو دیکھا۔ اُس کا چہرہ سچ میں سرخ ہو چکا تھا۔

"بیوی میں تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں چلو اب میٹنگ کا وقت ہو گیا ہے رات میں بات کرتے ہیں خیال رکھنا اللہ حافظ" موسیٰ نے نرمی سے کہا۔

فاطمہ نے ایک پل کو موبائل کی سکرین کو دیکھا جیسے اُس کی گرمائی ہوئی سانسیں اب سرد ہوا میں تحلیل ہو رہی ہوں پھر اُس نے آہستہ سے کہا "اللہ حافظ" اور کال کاٹ دی۔

صبح کی دھیمی روشنی کمرے میں پھیل چکی تھی مگر رئیسہ کی نظریں اب بھی استری پر جمی تھیں وہ بار بار سکائے بلیو شرٹ پر ہاتھ پھیرتی جیسے اُس میں کوئی شکن رہ نہ جائے۔ آج کمپنی کی طرف سے لنچ تھا جہاں سب ملازمین کے ساتھ اُن کی بیویوں کو بھی بلایا گیا تھا رئیسہ کو خاص اہتمام کرنا تھا۔

"رئیسہ یار جلدی کرو ہم لیٹ ہو جائیں گے" سیام نے کمرے میں آتے ہی تھوڑا سا جھنجھلا کر کہا مگر لہجہ اب بھی نرم تھا۔

"بس ہو گئے ہیں" رئیسہ نے پیار سے اُسے پلین سکائے بلیو شرٹ پکڑاتے ہوئے کہا جو اُس کی خود کی فراک سے میچ کرتی تھی ہلکی ایمبرائڈری والی بہت خوبصورت شارٹ فراک تھی۔

سیام واش روم کی طرف بڑھ رہا تھا کہ یکدم رکا۔ "رئیسہ امی کہاں ہیں نیچے تو نظر نہیں آئیں"

رئیسہ نے نظریں کپڑوں سے ہٹائیں "فردان کے ساتھ علشبہ آنٹی کی طرف گئی ہیں بس آتی ہوں گی"

سیام سر ہلاتا باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ بند ہوا تو رئیسہ کا دل ایک لمحے کو ساکت ہوا۔ وہ چپ چاپ کھڑی ہو گئی اور اس کی آنکھیں اُس دروازے کو تکنے لگیں جہاں وہ گیا تھا۔

پانچ مہینے صرف پانچ مہینے میں زندگی کا مطلب بدل گیا تھا۔

یہ گھر چھوٹا تھا سادہ تھا لیکن یہاں دلوں میں وسعت تھی۔

وہ مہنگے ہوٹلوں میں ڈنر نہیں کراتا تھا لیکن اُن کے چھوٹے سے کچن میں محبت ہمیشہ گرم رہتی تھی۔

سیام خود سستے کپڑے پہن لیتا مگر رئیسہ کے لیے مال سے شاپنگ کرتا۔

یہی وہ چیزیں تھیں جنہوں نے رئیسہ کے دل کو قید کر لیا تھا۔

اُس کی سوچوں کا سلسلہ سیام کے واپس آنے سے ٹوٹا جو ہاتھ میں تولیہ لیے بال سکھا رہا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو" اُس نے چونک کر رئیسہ کو خود میں گم پایا۔

"اپنی زندگی کے بارے میں" رئیسہ کی آواز میں گہرا سکون تھا۔ وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو جذبات چھپاتی ہیں وہ محبت کرتی تھی تو پورے دل سے نفرت کرتی تو سچائی سے۔

"تو پھر کیا نتیجہ نکالا تم نے اپنی زندگی کا" سیام تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے بولا۔

"یہی کہ آپ کے بغیر سب ادھورا ہے آپ ہیں تو سب کچھ ہے" رئیسہ چند قدم چل کر اُس کے قریب آئی نرمی سے اُس کا دایاں ہاتھ تھاما جیسے کسی مقدس شے کو چھو رہی ہو۔ پھر اُس کے ہاتھ کو لبوں سے لگا کر بولی۔

سیام کی مسکراہٹ گہری ہو گئی یہ منظر اُس کے لیے نیا نہیں تھا لیکن ہر بار وہ اُسے نئے رنگوں میں جکڑ لیتی تھی۔ رئیسہ جب اُس کا ہاتھ چومتی تھی تو وہ لڑکی نہیں لگتی تھی—— وہ کسی صدیوں پرانی دعا کی مانند لگتی تھی۔

"اگر تم میرا رائٹ ہینڈ ہی چومتی رہو گی تو میرا لیفٹ ہینڈ مائنڈ کر جائے گا یقین کرو یہ بھی میرا ہی ہاتھ ہے"

رئیسہ نے قہقہہ لگایا دل کھول کے۔

"اب نہیں کرے گا مائنڈ پر امس" وہ بولی اور فوراً اُس کا بایاں ہاتھ بھی چوم لیا

سیام ہنسا اُس کی ہنسی میں فخر تھا محبت تھی اور شکر گزاری بھی۔

"تم میری زندگی کی سب سے حسین مجبوری ہو رئیسہ "اُس نے اُس کو نرمی سے خود کے قریب کرتے ہوئے کہا۔

رئیسہ نے نظریں اُس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ "مجبوری مطلب "

"اگر بابا مجبور نہ کرتے تو شاید ہم کبھی نہ ملتے لیکن اب تمہیں دیکھ کر یقین آتا ہے کہ کبھی کبھی مجبوریاں بھی حسین ہو جاتی ہیں"

یہ کہتے ہوئے اُس نے آہستگی سے رئیسہ کا گال چھو لیا۔ رئیسہ کی ہنسی اس بار شرارت سے نہیں شکر سے لبریز تھی۔

"چلو اب تیار ہو جاؤ میں بہت پینچوئل آدمی ہوں" سیام ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"جی جانتی ہوں" رئیسہ نے نرمی سے کہا اور باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ اُس کے قدموں کی چاپ میں آج سکون کی جھنکار تھی۔

لائٹ گولڈن فانوس کی روشنی میں سجا وہ ہال کسی شاہی دعوت کی تصویر پیش کر رہا تھا۔ لان میں سفید میزوں پر نیلے پھولوں کی سجاوٹ، ہلکی موسیقی اور چہروں پر مسکراہٹیں مگر ان سب کے بیچ سیام کی نظریں صرف ایک چہرے پر ٹھہری تھیں رئیسہ۔

وہ اُس نیلے فراک میں کسی کہانی کی ہیروئن لگ رہی تھی وہی فراک جو اس نے صبح تیار کی تھی۔ سیام نے خود کو خوش قسمت محسوس کیا جیسے قسمت نے اُسے کسی اور ہی دنیا کا تحفہ دیا ہو۔

"سب دیکھ رہے ہیں آپ کو" رئیسہ نے نرمی سے کہا۔

"کیونکہ میرے ساتھ جو ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے" سیام نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ابھی وہ دونوں اپنی میز کی طرف بڑھنے ہی والے تھے کہ ایک شناسا آواز فضا میں گونجی۔

"رئیسہ"

رئیسہ کا وجود لمحے بھر کو ساکت ہو گیا سیام نے چونک کر اُس کے چہرے کی طرف دیکھا وہ پلک جھپکنا بھول گئی تھی آہستہ سے اُس نے گردن موڑ کر دیکھا سامنے فرہاد کھڑا تھا۔ وہی فرہاد رئیسہ کا ماضی۔

سفید شرٹ براؤن کوٹ اور وہی خود پسند نظروں کا زاویہ۔

"فرہاد" رئیسہ کی آواز مدھم تھی جیسے ہوا میں گھل گئی ہو۔

"واہ کتنے ٹائم بعد مل رہے ہیں اور تم اب بھی ویسی ہی لگ رہی ہو بس تھوڑی خاموش ہوگئی ہو شاید" فرہاد نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

سیام فوراً درمیان میں آیا سیام پہچان گیا تھا" یہ میری بیوی ہے اور آپ"

فرہاد نے ہنکارا ابھرا" اوہ اب یہ آپ کی بیوی ہے دل تو میرا ابھی اسی خوش فہمی میں تھا کچھ وقت... خیر میں فرہاد ہوں مجھے تو تم جانتے ہو گے رئیسہ کا ماضی"

سیام کی آنکھوں میں حیرت سے زیادہ سختی ابھری۔ "ماضی ہمیشہ ماضی ہی رہتا ہے اُس سے چمٹے رہنا اچھا نہیں"

فرہاد کی مسکراہٹ زہر خند میں بدل گئی" بات صرف چمٹنے کی نہیں ہے سیام صاحب اگر آپ جان لیں کہ آپ کی بیوی کچھ وقت پہلے تک کس دروازے پر تھی تو شاید یہ لہجہ بدل جائے"

رئیسہ نے جھٹکے سے اُس کی طرف دیکھا" فرہاد چپ رہو"

"نہیں رئیسہ اب بات ہو ہی گئی ہے تو مکمل ہو" فرہاد کا لہجہ تیز ہو چکا تھا۔

مہمانوں کی نظریں اب اس طرف اٹھنے لگی تھیں۔

"جب تم نے سیام کا گھر چھوڑا تھا تو میرے دروازے پر آئی تھی یاد ہے میں نے بھی تمہیں نکال دیا تھا"

خاموشی۔

ہال میں موسیقی بند ہو چکی تھی یا شاید سیام کے کانوں میں کچھ سنائی دینا بند ہو گیا تھا۔

رئیسہ کی سانسیں جیسے رک گئیں اُس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی پر الفاظ ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

سیام کا چہرہ پتھر ہو چکا تھا۔ آنکھوں میں دکھ، بے یقینی اور غصے کی ملی جلی پرچھائیاں تھیں۔

"کیا یہ سچ ہے" اُس کی آواز دبی ہوئی تھی مگر اس کے نیچے لاوا دہک رہا تھا۔

"سیام میں گھر چل کر سب بتاتی ہوں پلیز" رئیسہ نہیں چاہتی تھی مزید تماشا ہو۔

"ارے اتنی جلدی کہاں جا رہی ہوں سیام صاحب کو لے کر تمہیں اُس کے ایک اور بوائے فرینڈ سے ملواؤ"

اُس نے اچانک آواز بلند کی۔

"شازر ادھر آنا ذرا"

تقریباً سب کی نظریں اس طرف اُٹھ گئیں۔

ایک لمبا خوش لباس نوجوان ہجوم چیرتا ہوا قریب آیا۔

چہرے پر وہی پرانا غرور آنکھوں میں پہچان کی چمک۔

"یہ ہے شازر"

فرہاد نے تماشا مکمل کرنے کے انداز میں کہا۔

"جس کے ساتھ رئیسہ تین مہینے رہی تھی بڑی خوبصورت جوڑی تھی ان کی بٹ پھر رئیسہ کو میں پسند آ گیا"

ایک دم سناٹا چھا گیا۔

ہنسی موسیقی سب دب گئی جیسے کسی نے تیز دھار خنجر سے فضا کا سینہ چاک کر دیا ہو۔

سیام کی آنکھیں رئیسہ پر جم گئیں وہ چپ تھی آنکھیں نیچے سانسیں رکی ہوئی۔

"ایکسکیوز می"

سیام نے سرد لہجے میں کہا اور رئیسہ کا ہاتھ پکڑ کر اُسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے باہر لے گیا۔

حویلی میں شام کی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان پر سورج ڈھل رہا تھا اور لان کی گھاس پر ہلکی سی سنہری روشنی پڑ رہی تھی۔ شہسوار آہستہ آہستہ گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ چہرے پر سکون اور آنکھوں میں کسی گہرے خیال کی پرچھائیاں تھیں۔ وہ سیاست کے میدان سے ہٹ چکا تھا اور اب حویلی کی فضا میں ایک اجنبی سا سکون محسوس ہو رہا تھا۔

سامنے سے خانم بیگم تیزی سے اُس کی طرف آئیں۔ اُن کے چہرے پر حیرت اور اپنائیت کا ملا جلا تاثر تھا۔

"تمہارے ابو بتا رہے تھے تم مسجد میں تھے" اُن کے لہجے میں سوال سے زیادہ فکر تھی۔

شہسوار نے نظر اٹھا کر ماں کو دیکھا اور دھیمے لہجے میں کہا۔

"جی وہی تھا"

وہ آہستگی سے صوفے پر بیٹھ گیا پرانے گلابی قالین پر اُس کے قدموں کی چاپ جیسے ماضی کی دھڑکنوں جیسی محسوس ہو رہی تھی۔

"وہاں کیا کر رہے تھے" حانم بیگم کی آواز میں ہلکی سی حیرت تھی۔

"امی مسجد کیا کرنے جاتے ہیں" شہسوار نے ذرا سا مسکرا کر کہا۔

"نماز پڑھنے" حانم بیگم ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔

"میں بھی وہی پڑھنے گیا تھا" وہ سنجیدگی سے بولا۔

حانم بیگم نے کچھ لمحے اُسے دیکھا جیسے دل یقین نہیں کر رہا تھا کہ یہ اُن کا وہی بیٹا ہے جو کبھی وقت کا سب سے ضدی اور مغرور شہسوار ملک تھا۔

"تم بدل گئے ہو، سوار تمہارے ابو بھی یہی کہہ رہے تھے"

انہوں نے پیار سے اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

شہسوار آہستہ سے اُن کے کندھے سے لگ گیا" کبھی کبھی بدل جانا ہی بہتر ہوتا ہے امی"

وہ لمحہ خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔

"کیا ابھی بھی اُسی سے محبت کرتے ہو" خانم بیگم نے دھیرے سے اُس کے سر کو چومتے ہوئے پوچھا۔

شہسوار ایک لمحے کو ٹھٹکا پھر نظریں چرا کر بولا۔

"کس کی بات کر رہی ہیں آپ"

"اُسی کی جس کے لیے تم نے سب کچھ چھوڑ دیا اور ہمارے پاس لوٹ آئے ہو"

اُن کے لہجے میں ماں کی وہ پہچان چھپی تھی جو بنا الفاظ کے بھی سچ جان لیتی ہے۔

شہسوار کے چہرے پر فاطمہ کی یاد ایک درد بن کر چھا گئی۔

"اُس سے محبت کرنا شاید میری تقدیر میں لکھا گیا ہے امی"

اُس کی آواز میں شکست کی وہ لرزش تھی جو صرف دل کے ٹوٹنے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

"یک طرفہ محبت بڑی تکلیف دیتی ہے سوار" خانم بیگم نے اُس کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"یہ وہ زخم ہے امی جو وقت کے ساتھ کم نہیں ہوتا یہ وقت کے ساتھ گہرا ہوتا جاتا ہے اور درد بھی اُتنا ہی بڑھتا ہے"

پھر ایک دم جیسے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔

" کہی یہ سب آپ کو جمال نے تو نہیں بتایا ہے"

"اور کون بتائے گا" خانم بیگم نے مسکرا کر سر ہلایا۔

شہسوار بھڑک اٹھا "اسی لیے اُس آدمی کی شادی نہیں ہو رہی مرد ہے یا عورت کچھ سمجھ نہیں آتا"

"اچھا بس کرو اُس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو"

حانم بیگم نے ہنستے ہوئے ٹوکا۔

"میری بات سنو تمہارے ابو ثمن کو لینے گئے ہیں اُسے نہیں پتہ تم واپس آ گئے ہو تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہو گی"

ثمن وہی چلبلی ضدی اور بے باک لڑکی جس سے شہسوار کی کبھی نہیں بنی تھی۔ ثمن کے والدین کے انتقال کے بعد حانم بیگم نے اُس کو اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ چار سال پہلے اُس کی شادی بھی کر دی تھی۔

"ماشاءاللہ اُسی کی کمی تھی آ کر دماغ کھا لے گی"

شہسوار نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اب بہت سمجھدار ہو گئی ہے میری بیٹی ایک بار مل لو پھر دیکھنا"

"اچلے دیکھ لیتے ہیں ابھی تو کھانا لگوا دیں بہت بھوک لگی ہے"

شہسوار اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"ٹھیک ہے تم فریش ہو جاؤ، میں لگواتی ہوں"

حانم بیگم اُس کے پیچھے مسکراتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

سیام اُس کو ہال سے باہر لے کر آیا۔ بارش کی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی جیسے فضا بھی اُس کے حال پر رو رہی ہو۔

"یہ سب کیا تھا رئیسہ"

سیام کی آواز میں طوفان تھا وہ چلایا نہیں —— اُس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا جیسے اندر کچھ بکھر رہا ہو۔

رئیسہ چپ رہی۔ شاید لفظوں نے بھی اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

"ایک کے بعد ایک" وہ سر جھٹک کر ہنسا "میں اُس عورت سے محبت کر بیٹھا جس کے ماضی کی گنتی میرے صبر سے زیادہ نکلی"

"سیام" رئیسہ کی آنکھوں میں آنسو تھے "میں نے آپ سے کبھی جھوٹ"

"جسٹ شٹ اپ ایک لفظ بھی مت نکالنا اگر صحیح سلامت گھر جانا چاہتی ہوں"

سیام چیخ پڑا۔

رئیسہ خاموش ہو گئی اُس میں اپنا دفاع کرنے کی بھی سکت نہیں تھی۔

دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے ایک مکمل خاموشی کے ساتھ۔

گاڑی چل پڑی لیکن اُن کے بیچ ایک فاصلہ ایسا پیدا ہو چکا تھا۔

جسے شاید وقت بھی نہیں مٹا سکے گا۔

* * *

فردان آفس میں اپنی کرسی پر بیٹھا تھا مگر اُس کا دل بے چین اور دماغ منتشر تھا۔ دو دن سے روما کالج نہیں آئی تھی، نہ ہی اُس کا فون ریسیو ہو رہا تھا ہر گزرتا لمحہ اُس کی پریشانی میں اضافہ کر رہا تھا۔ آخر کار اُس نے انٹر کام پر رمل کو بلوایا۔

"مس رمل کو فوراً بھیجیں" اُس کی آواز میں ایک انجانی سی سختی آگئی تھی۔

چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور رمل دھیمے قدموں کے ساتھ آفس کے اندر داخل ہوئی۔

"سر مے آئی کمنگ" اُس نے اجازت چاہی۔

"جی آجائیں" فردان سیدھا ہو کر بیٹھ گیا جیسے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہو مگر اُس کی آنکھوں میں الجھن صاف نظر آرہی تھی۔

"سر آپ نے مجھے بلایا کوئی خاص بات کرنی تھی" رمل نے آفس کے بیچ میں رک کر ادب سے پوچھا۔

فردان نے گہرا سانس لیا پھر آہستہ مگر پریشانی سے بھرپور لہجے میں پوچھا۔

"مس رمل روما دو دن سے کالج کیوں نہیں آرہی کیا آپ کی اُس سے بات ہوئی ہے"

رمل نے ہچکچاتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"نو سر میں نے ٹرائے کیا تھا بٹ اُس کا نمبر بند جارہا ہے"

فردان کی پیشانی پر شکنیں مزید گہری ہو گئیں اُس کے چہرے سے صاف لگ رہا تھا کہ یہ بات اُس کے لیے معمولی نہیں تھی۔ اُس نے چند لمحے خاموشی سے رمل کو دیکھا، جیسے کچھ سوچ رہا ہو پھر دھیرے سے بولا۔

"او کے مس رمل آپ جاسکتی ہیں"

رمل سر جھکا کر باہر نکل گئی دروازہ بند ہوا تو آفس میں خاموشی چھا گئی صرف ایئر کنڈیشنر کی مدھم آواز باقی تھی۔ فردان نے اپنی گردن پیچھے کر کے کرسی کی پشت سے ٹکا دی اور آنکھیں موند لیں۔

"کہاں چلی گئی ہو روما"

یہ سوال اُس کے دل میں گونج رہا تھا بار بار بغیر کسی جواب کے۔

سیام کے قدموں کی چاپ جیسے ہی دروازے کے اُس پار سنائی دی رئیسہ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ جانتی تھی آج کچھ ٹوٹنے والا ہے شاید اعتماد شاید رشتہ، شاید خود وہ۔

دروازہ کھلتے ہی سیام کی آنکھوں میں آگ سی دہک رہی تھی۔ اُس کا چہرہ سرخ ہاتھ کانپتے اور سانسیں بپھری ہوئی تھیں۔ رئیسہ اُس کے پیچھے پیچھے گھر میں داخل ہوئی لیکن وہ اُس کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔

"سیام بات سنیں"

"مت بولو" سیام کی آواز گرجی جیسے بجلی کڑک رہی ہو "میرے سامنے مت بولو رئیسہ"

نیچے حفصہ بیگم نے آواز سنی تو گھبرا کر سامنے آئیں۔

"بیٹا کیا ہوا باہر کسی سے جھگڑا ہوا ہے"

رئیسہ نے آنکھوں میں نمی لیے ایک بے ضرر جھوٹ گھڑا "گاڑی رینٹ پر لی تھی وہ ٹکرا گئی بس اسی پر غصہ ہے"

"اُس کو دیکھو بیٹا وہ بہت غصے میں ہے" حفصہ بیگم کے لہجے میں فکر تھی۔ رئیسہ فوراً سیام کے پیچھے بھاگی فوراً دروازہ بند کر کے لاک کیا تاکہ آوازیں باہر نہ جائیں۔

کمرے کی حالت ویران میدان جیسی تھی تکیے فریم کتابیں ہر چیز بکھری ہوئی تھی جیسے کسی طوفان نے یہاں بسیرا کیا ہو۔

"سیام پلیز میری بات سنیے" رئیسہ نے نرمی سے اُس کی کلائی پکڑی۔

"چھوڑو مجھے" اُس نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا "دور رہو رئیسہ دور"

رئیسہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ "مجھے بولنے دیں سیام اُس وقت میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ میں فرہاد کے گھر تب گئی تھی جب ڈیڈ نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا"

سیام کی ہنسی زہر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ "تو میرے گھر کیوں نہیں آئیں شوہر کی دہلیز چھوٹی لگی تمہیں یا شاید تمہارے لیے غیر مردوں کی دہلیز زیادہ آرام دہ ہے"

"سیام پلیز بس کریں میری ایک بار سُن تو لے" رئیسہ کی آواز لرز رہی تھی۔

"نہیں اب میں بولوں گا" سیام کا لہجہ تلوار بن چکا تھا۔ "میں پاگل تھا جو تمہیں بدلا ہوا سمجھا۔ دو نمازیں چند نقاب اور میں یہ سمجھ بیٹھا کہ رئیسہ نئی ہو گئی ہے۔ لیکن نہیں تم وہی ہو۔ وہی رئیسہ جس کا ماضی حال اور شاید مستقبل بھی کسی اور کی بانہوں میں لکھا ہے"

رئیسہ خاموش کھڑی سُن رہی تھی۔ اُس کے پیروں تلے زمین کھسک رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے سب سے بڑا مذاق کیا ہوا مجھے میری بیوی کے ایک اور بوائے فرینڈ سے ملوایا گیا جیسے میری حیثیت ہی کوئی نہیں"

"سیام خدا کے لیے میں وہاں سے فوراً واپس آگئی تھی اور شاذر یہ سب میرا ماضی تھا" رئیسہ کی آواز بھیگ چکی تھی۔

"تم واپس نہیں آئیں تمہیں نکالا گیا تمہارے لیے کوئی بھی دروازہ مستقل نہیں رہا رئیسہ نہ ماضی میں نہ حال میں تو میرے ساتھ کیوں ہو میں نے کون سا گناہ کیا جس کی سزا تم ہو۔ تمہارا ماضی کھا گیا مجھے۔ تم اپنا سب کچھ دوسروں میں بانٹ کر میرے پاس آگئی"

رئیسہ نے لب کاٹے۔ آنکھوں میں اب صرف آنسو نہیں بے بسی بھی تھی۔

"بس کریں سیام کب تک لفظوں سے ماریں گے"

"تب تک جب تک تمہارے زخموں کا خون میرے اندر کی سچائی کو دھونے نہ لگے تم کیوں آئی میری اور فاطمہ کی زندگی میں نکل جاؤ پلیز میں ایسی بیوی کے ساتھ نہیں رہ سکتا جو صرف نام کی میری بیوی ہو"

"تو ٹھیک ہے جا رہی ہوں" رئیسہ نے تھرتھراتے لبوں سے کہا۔

"دروازہ کھلا ہے نکل جاؤ" سیام درازہ کھولتے ہوئے بولا۔

سیام کی آواز سن کر حفصہ بیگم دروازے پر آ گئیں۔ دروازہ کھولتے ہی اندر کے بکھرے منظر اور رئیسہ کی نم آنکھیں دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

"کیا ہوا بیٹا سب ٹھیک ہے"

"امی رئیسہ یہاں سے جانا چاہتی ہے۔ پلیز اُس کی پیکنگ میں مدد کریں" سیام نے سرد لہجے میں کہا۔

رئیسہ کا وجود جیسے جم گیا ہو۔ اُس کی سانسیں رک گئیں۔ وہ سیام کو دیکھتی رہی جیسے اُس شخص کو پہلی بار پہچانا ہو۔ وہ جانتا تھا اُس کے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں ہے پھر بھی اُس کو جانے کا بول رہا تھا۔

موسیٰ جیسے ہی مٹنگ سے فارغ ہوا سیدھا حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں طلاق نامہ تھا اور چہرے پر سختی اور تھکن کے گہرے سائے۔ قدم تیز تھے جیسے ہر لمحہ اب کسی بڑے دھماکے سے پہلے کی خاموشی ہو۔

وہ سیدھا یحییٰ صاحب کے کمرے میں پہنچا دروازے پر رکا آداب بجالایا۔

"کیا میں اندر آجاؤں"

"آجاؤ" یحییٰ صاحب نے بستر پر ٹیک سیدھی کرتے ہوئے جواب دیا۔

موسیٰ نے قدم اندر رکھے اور خاموشی سے طلاق نامہ ان کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ بنوالیا ہے"

یحییٰ صاحب نے ایک گہری سانس لی جیسے کچھ طے کر لیا ہو۔

"اسے باہر لے جاؤ اور سکینہ سے کہو کہ روما کو اسٹور روم سے باہر لے آئے"

موسیٰ نے سر ہلا کر تعمیل کی اور باہر نکل گیا لیکن وہ جانتا تھا حویلی میں اب طوفان آنے والا ہے۔

کچھ ہی دیر بعد، سکینہ روما کو سہارا دیتے ہوئے لے آئی۔ روما کی حالت خستہ تھی —— چہرے پر جگہ جگہ نیل، ہونٹ پھٹے ہوئے اور آنکھوں میں بے پناہ دکھ اور تھکن۔ وہ بمشکل اپنے قدموں پر کھڑی تھی لیکن نگاہوں میں ہار کا کوئی شائبہ نہ تھا۔

موسیٰ نے خاموشی سے طلاق نامہ اُس کے سامنے رکھا۔

"یہ لو سائن کرو"

روما نے سر اُٹھا کر دیکھا پھر نظریں پیچھے ہٹائے بغیر بولی۔

"میں سائن نہیں کروں گی"

لمحہ بھر کے لیے کمرے پر سناٹا چھا گیا۔ مرحا ایک کونے میں سہمی کھڑی تھی اور ماہ جبین بیگم روما کو آنکھوں ہی آنکھوں میں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

یحییٰ صاحب اپنی جگہ سے اٹھ کر اُس کے سامنے آ کھڑے ہوئے آواز میں بجلی جیسی کڑک تھی۔

"تم سائن نہیں کرو گی"

"نہیں آخری فیصلہ ہے" روما نے بہ مشکل ہونٹ ہلائے، لیکن لہجہ پتھر جیسا تھا۔

اُس کے الفاظ ابھی ہوا میں تھے کہ یحییٰ صاحب نے ایک زوردار تھپڑ اُس کے چہرے پر دے مارا۔

"کرو سائن نہیں تو انگوٹھا کاٹ کر لگوا دوں گا"

وہ اُس کے بال کھینچتے ہوئے بپھرے شیر کی طرح بولے۔ زبردستی اُس کے ہاتھ میں پین تھما دیا۔

موسیٰ کی آواز میں زہر اور غرور دونوں بول رہے تھے۔

"اگر تم نے سائن نہ کیے روما تو میں فردان کی جان لینے سے بھی نہیں ہچکچاؤں گا تم مجھے جانتی ہو کہ کیا کر سکتا ہوں"

اُس کی بات پر روما جو بمشکل کھڑی تھی اچانک جیسے بھڑک اٹھی۔

اُس نے لڑکھڑاتے قدموں سے موسیٰ کا گریبان پکڑ لیا۔

"تمہارا منہ توڑ دوں گی اگر اُس کی طرف نظر بھی اُٹھائی"

پورا کمرہ ساکت تھا۔ زندگی میں موسیٰ کا گریبان فاطمہ کے بعد اگر کسی نے پکڑا تھا تو وہ روما تھی۔

موسیٰ کا غصہ آسمان چھونے لگا۔ اُس نے جھٹک کر روما کو پیچھے کیا اور زوردار تھپڑ مارا۔ مگر اُسے کیا خبر تھی کہ وہ کیا کرنے جارہا ہے اگلے ہی لمحے روما نے اُلٹے ہاتھ سے موسیٰ کے چہرے پر ایسا تھپڑ مارا جس کی چوٹ پر کمرہ سُن ہو گیا۔

"خبردار اگر دوبارہ ہاتھ اُٹھایا سمجھتے کیا ہو خود کو ایک باپ کے تھپڑ تک تو سہہ لیے کہ رشتہ تھا لیکن تم تم ایک مارو گے تو میں دس ماروں گی اور یاد رکھو فردان کو کچھ ہوا تو تم سب کا خون میری گردن ہو گا"

یحییٰ صاحب اس بغاوت پر دم بخود رہ گئے۔ یہ وہی روما تھی جو کل تک خاموش سی تھی آج آندھی بن چکی تھی۔

"ماہ جبین "یحییٰ صاحب نے غصے سے طلاق نامہ اُس کی طرف اچھالا۔

"اسے کہو سائن کرے ورنہ صبح جنازے کے لیے تیار رہنا"

اور وہ کمرے سے باہر نکل گئے۔

موسیٰ ایک لمحہ روما کی آنکھوں میں جھانک کر رہ گیا۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ روما کا گلا دبا دے۔ اُس کی مردانگی انا طاقت —— سب آج ایک لڑکی کے تھپڑ سے ریزہ ریزہ ہو چکے تھے۔

شام کے سائے دھیرے دھیرے گہرا رہے تھے سورج اپنے سنہری رنگ آسمان کے کناروں پر بکھیر کر افق کے پار جا چکا تھا۔ ہلکی سی خنکی ہوا میں شامل ہو چکی تھی مگر فردان کے چہرے پر پسینے کی نمی اور آنکھوں میں بے چینی اب بھی برقرار تھی۔

فاطمہ اس کے سامنے خاموش کھڑی تھی جیسے الفاظ تلاش کر رہی ہو۔

"فردان ایسے ٹینشن لینے سے کچھ نہیں ہو گا اُس کو ڈھونڈو"

فاطمہ نے نرمی سے کہا جیسے اُس کی حالت پر دل بھر آیا ہو۔ فردان دو دن میں بُری طرح مرجھا گیا تھا وہی شخص جو کل تک چہک رہا تھا آج بجھ چکا تھا۔

فردان نے جھجکتے ہوئے فاطمہ کا ہاتھ تھام لیا آنکھوں میں ایک امید کی رمق تھی۔

"میں کوشش کر رہا ہوں لیکن پلیز تم موسیٰ سے پوچھ کر بتا دو فاطمہ پلیز"

فاطمہ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

"موسیٰ وہ ان سب میں کہاں سے آ گئے اُن کا روما سے کیا تعلق"

فردان نے جیسے دل کڑا کر کے ایک اور راز کھول دیا۔

"موسیٰ روما کا کزن ہے اور میرے اور روما کے بارے میں جانتا ہے پلیز تم باتوں باتوں میں اُس سے پوچھ لینا شاید اُس کو کچھ پتہ ہو کہ وہ کہاں گئی ہے"

فاطمہ کے چہرے پر حیرت، الجھن اور ایک غیر مرئی بوجھ سا اُبھر آیا۔

"اچھا تم پریشان مت ہو میں میں اُن سے پوچھ لوں گی"

وہ بس اتنا ہی بول پائی جیسے اندر ہی اندر کچھ گتھیاں سلجھانے کی کوشش کر رہی ہو۔

اب سب کچھ اُسے ایک پیچیدہ پہیلی لگنے لگا تھا پہلے رئیسہ موسیٰ کی کزن نکلی اور اب روما بھی ان سب رشتوں کا یہ جال کیوں اُس کے گرد بُنا جا رہا تھا۔

فردان نے آہستہ سے سر ہلایا جیسے شکریہ کہنا چاہتا ہو، پھر دھیرے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔

"اوکے میں چلتا ہوں پھر آؤں گا"

وہ چلا گیا، اور پیچھے فاطمہ اُس سنہری روشنی میں تنہا کھڑی رہ گئی اُس کے چہرے پر سوالوں کی دھند تھی۔

آخر وہ موسیٰ سے یہ سوال کیسے کرے۔

اور سب سے اہم سوال — یہ سب اُس سے کیوں چھپایا جا رہا تھا؟ موسیٰ جانتا تھا نکاح کے بارے میں تو اُس کو کیوں نہیں بتایا تھا۔

شام کے سائے اب گہرے ہو چکے تھے۔ آسمان پر نارنجی روشنی کی آخری جھلک باقی تھی اور لان میں ہلکی ہلکی ہوا درختوں کے پتوں کو سرسرا رہی تھی۔ بیرونی روشنی کی مدھم چمک میں ثمن اور شہسوار آمنے سامنے لان کی آرام دہ کرسیاں سنبھالے بیٹھے تھے۔ ایک چھوٹا سا ٹیبل درمیان میں رکھا تھا جس پر چائے کی خوشبودار بھاپ اٹھ رہی تھی۔

شہسوار نے ایک نظر ثمن پر ڈالی جو ہلکی مسکراہٹ لیے چائے کا کپ تھامے بیٹھی تھی۔

"یقین کرو مجھے تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے"

ثمن نے سچائی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"کاش مجھے بھی تم سے مل کر خوشی ہوتی" شہسوار اُس کو چھیڑتے ہوئے بولا۔

"بڑے ہی بد تمیز ہو تم مطلب چار سال بعد ملے ہو اور اب بھی ویسے ہی ہو جیسے پہلے تھے"

شہسوار نے ایک ہلکی سی ہنسی کے ساتھ سر جھٹکا جیسے کہنا چاہتا ہو "میں ہمیشہ ایسا ہی رہوں گا"

"ویسے تمہاری شادی شدہ زندگی کیسی جا رہی ہے ظہیر خیال تو رکھتا ہے تمہارا اور حور کا"

شہسوار کے لہجے میں شرارت کے ساتھ ساتھ خالص فکر مندی تھی۔

"بہت اچھی جا رہی ہے الحمدللہ ظہیر میرا اور حور کا بہت خیال رکھتے ہے"

ثمن نے فخر سے کہا پھر چائے کا کپ رکھتے ہوئے ایک سوال داغ دیا۔

"تم بتاؤ کب کر رہے ہو شادی"

شہسوار نے لمحہ بھر آسمان کی طرف دیکھا جیسے کوئی حساب لگا رہا ہو۔

"ابھی نہیں پہلے بزنس سیٹ کرنا ہے شاید چار یا پانچ سال بعد سوچوں گا"

اسی لمحے لان کے اندرونی دروازے سے حور دوڑتی ہوئی آئی۔ شہسوار کو دیکھتے ہی خوشی سے چمک اُٹھی اور ایک جست میں اُس کی گود میں چڑھ گئی۔

"بس کر دو یہ چار پانچ سال بعد کی باتیں"

ثمن ایک دم سے تپ گئی۔

"تیس کے ہو چکے ہو کیا شرم نہیں آتی میں چھوٹی ہو تم سے شادی کر چکی ہوں اور ایک تم ہو شادی کا نام ہی نہیں لیتے"

شہسوار نے ہنستے ہوئے حور کے بال سنوارے ثمن کی بات کو جان بوجھ کر نظر انداز کر گیا۔

"حور اپنی مما کو سمجھایا کرو شادی کیا ہو گئی خود کو دنیا کی سب سے سمجھدار خاتون سمجھنے لگی ہیں"

حور نے اُس کے گال کھینچے۔

"ماموں آپ کب شادی کریں گے بتائیں نا"

شہسوار نے مصنوعی خفگی سے اُسے دیکھا۔

"اب تم نے میری شادی پر کیا کرنا ہے چھوٹو"

حور نے منہ بنایا۔

"ماموں میرے کوئی کزنز نہیں ہیں میری سب فرینڈز کے ہیں" اُس کے چہرے پر ہلکے سے تھپڑ مارتے ہوئے بولی۔

"ماشاءاللہ بیٹی بھی ماں پر ہی گئی ہے" شہسوار نے جل کر کہا۔

ثمن قہقہہ لگا کر ہنس پڑی اُس کی ہنسی میں خوشی ماضی کی شرارتیں اور آج کی مسکراہٹیں سب شامل تھیں۔

لان کی فضا ایک دم نرم اور خوشگوار ہو گئی جیسے وقت نے ایک لمحے کو رک کر اُن تینوں کے گرد محبت کا ایک ہالہ کھینچ دیا ہو۔

گھر کی فضا میں عجیب سی گھٹن تھی۔ شام کا وقت تھا، لیکن روشنی کہیں جیسے غائب ہو چکی تھی۔ ڈرائنگ روم کے دروازے نیم وا تھے اور وہاں اندر ایک طوفان برپا تھا الفاظ کا جذبات کا اور آنکھوں کے نمی میں چھپے درد کا۔

امروز صاحب کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ اُن کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا آنکھوں میں سختی اور آواز میں وہ لہجہ جو صرف ایک باپ اپنے بکھرتے ہوئے خاندان کو بچاتے وقت اختیار کرتا ہے۔

"بیٹا یہ میرا آخری فیصلہ ہے"

اُنھوں نے رئیسہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"تم کہی نہیں جا رہیں"

رئیسہ آنکھیں جھکائے کھڑی تھی آنسو اُس کے رخساروں پر بہتے جا رہے تھے لیکن وہ کوئی صفائی نہ دے سکی۔ اس کے دل میں ایک ایسا بوجھ تھا جسے لفظوں کا سہارا نہیں مل رہا تھا۔

حفصہ بیگم نے رئیسہ کے بیگ کو نرمی سے ایک طرف کیا اور دھیمے لہجے میں بولیں۔

"بیٹا کچھ تو بتاؤ آخر تمہارا اور سیام کا جھگڑا کیوں ہوا اُس نے ایسا کیا کہہ دیا کہ تم گھر چھوڑنے پر اُتر آئیں"

رئیسہ اُن کے قدموں میں بیٹھ گئی مگر زبان پر خاموشی کی مہر لگی رہی۔ اُسے کیسے بتاتی کہ ماضی کی غلطیوں نے اُس کا حال جلا کر رکھ دیا ہے کہ وہ اپنے ہی کیے پر شرمندہ ہے اور سیام کی نظروں میں خود کو ٹوٹتا محسوس کر رہی ہے۔

"آنٹی پلیز آپ اور انکل مجھ سے کچھ مت پوچھیں بس مجھے یہاں سے جانے دیں"

رئیسہ نے حفصہ بیگم کا ہاتھ پکڑ لیا آواز بھرائی ہوئی تھی۔

امروز صاحب کی آنکھیں کچھ پل کے لیے نرم ہوئیں جیسے وہ دل سے محسوس کر چکے ہوں کہ معاملہ محض انا کا نہیں کوئی گہرا زخم ہے جو رئیسہ اندر چھپا رہی ہے۔

"ایسا کرتے ہیں میں تمہیں فاطمہ کے گھر چھوڑ دیتا ہوں کچھ دن وہاں رہ لو پھر میں اور تمہاری آنٹی خود تمہیں واپس لے آئیں گے"

اُن کے لہجے میں وہی باپ تھا جو غصے کے باوجود بیٹی کے درد کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

رئیسہ نے خاموشی سے سر ہلایا۔

"شکریہ انکل"

اُس کے لہجے میں تشکر تھا آنکھوں میں ندامت۔

سیام پہلے ہی کہیں جا چکا تھا۔ رئیسہ کو یہ تسلی بھی نہ تھی کہ جاتے وقت وہ کوئی لفظ چھوڑ گیا ہو۔

امروز صاحب نے آہستگی سے رئیسہ کا بیگ اٹھایا جیسے اُس کے دکھ کا بوجھ بھی اپنے کندھوں پر لے لیا ہو۔ پھر بغیر کسی اور لفظ کے اُسے ساتھ لے کر گھر سے نکل گئے۔

اور پیچھے حفصہ بیگم دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی رہ گئیں خالی خالی نگاہوں سے دروازے کو تکتے ہوئے۔

رات کی خاموشی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ آسمان پر بادلوں نے چاند کو چھپا رکھا تھا حویلی کے پچھلے حصے میں سناٹا اترا ہوا تھا صرف دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تیز ہوا درختوں کی شاخوں کو جھنجھوڑ رہی تھی جیسے فطرت بھی کسی طوفان کے آنے کا پتہ دے رہی ہو۔

مرحا بار بار کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھ رہی تھی۔ دل بے قابو دھڑک رہا تھا آنکھیں بار بار دروازے پر جا ٹکتیں۔ آخرکار اسماعیل دبے قدموں دیوار کی اوٹ سے نکلتا ہوا نمودار ہوا۔

"تم خود بھی مرو گی اور مجھے بھی مرواؤ گی مرحا"

اسماعیل نے ادھر اُدھر گھبرا کر دیکھا، پھر دھیمی آواز میں بولا۔

"کیوں بلایا ہے مجھے اس وقت"

مرحا بے تابی سے آگے بڑھی۔

"اسماعیل پلیز میری مدد کرو"

وہ دونوں حویلی کے بیک سائیڈ پرانی دیوار کے ساتھ چھپ کر کھڑے تھے روشنی کا کوئی نام ونشان نہ تھا صرف اندھیرا ہوا اور ڈر۔

"کیسی مدد"

اسماعیل نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے چونک کر پوچھا۔

مرحا نے کانپتے ہاتھوں سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"روما آپی کو یہاں سے نکال دو۔ پلیز اُنہیں فردان بھائی کے پاس چھوڑ آؤ ورنہ بابا اُنہیں جان سے مار دیں گے"

اسماعیل کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

"مرحا تم پاگل ہو گئی ہو؟ تم جانتی ہو تمہارے باپ کو اگر ذرا بھی شک ہو گیا تو میری لاش بھی نہیں ملے گی"

"میں کچھ نہیں جانتی بس یہ جانتی ہوں کہ اگر آپ کو نہ نکالا تو بابا اُن کی اور فردان بھائی کی جان لے لیں گے"

مرحا کی آواز میں ہچکیوں کی لرزش تھی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اسماعیل کے دل کو چیر گئے۔

ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

پھر اسماعیل نے گہری سانس لی۔

"تمہاری خاطر تو جان بھی دی جاسکتی ہے مرحا"

مرحا نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"روما کو دو بجے پچھلے دروازے تک لے آنا میں اُسے فردان کے گھر چھوڑ دوں گا"

اسماعیل کی آواز میں اب ہچکچاہٹ نہیں تھی صرف عزم تھا۔

"فردان بھائی سے کہنا جیسے ہی روما پہنچے فوراً وہاں سے نکل جائیں ورنہ بابا اُنہیں بھی مار ڈالیں گے "

مرحا نے دھڑکتے دل کے ساتھ اُسے اگلا قدم بتایا۔

"اوکے تم جاؤ روما کو تیار کرو میں گاڑی پچھلی سائیڈ پر کھڑی کرتا ہوں"

اسماعیل نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

مرحا وہیں کھڑی رہ گئی دل جیسے سینے میں دھڑکنے کے بجائے چیخ رہا تھا۔

اُسے نہیں پتہ تھا کہ یہ رات اُن سب کی زندگی بدل دے گی یا کسی کی زندگی ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گی۔

رات کے دو بج چکے تھے۔ حویلی کی خاموش فضاؤں میں صرف دور کہیں جھینگروں کی آواز تھی اور نیم کے درخت سے ٹکراتی ہوا کی سائیں سائیں۔ چاند دھند میں چھپا ہوا تھا اور اندھیرا لمحہ بہ لمحہ گہرا ہو رہا تھا۔

مرحا نے دبے قدموں سے روما کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ دونوں بہنیں چپ چاپ حویلی کے پچھلے گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھیں ہر قدم کے ساتھ مرحا کا دل جیسے دھڑکنا بھول رہا تھا اور روما وہ تو جیسے اپنے اندر کی ساری سانسیں سمیٹ چکی تھی۔ خوف بے بسی اور امید سب کچھ اس کے نقاب میں چھپے چہرے سے چھلک رہا تھا۔

گیٹ کے پار، ایک سیاہ کار کھڑی تھی ہیڈ لائٹس بند انجن خاموش اسماعیل وہیں موجود تھا جیسے طوفان کے آنی سے پہلے کی خاموشی۔

"اسماعیل" مرحا کی آواز دھیمی تھی مگر اس کے لہجے میں التجا تھی۔

اسماعیل نے دروازہ کھولتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا اور فوراً اُن کی طرف بڑھا۔

"ہاں بولو"

"اللہ کے حوالے" مرحا نے دھیرے سے کہا مگر وہ لفظ اسماعیل کے دل کے اندر تک اتر گئے۔

وہ لمحہ اُس پر بھاری ہو گیا۔ آنکھیں ایک پل کو جھکیں پھر بمشکل لبوں سے نکلا۔

"پریشان مت ہونا میں صحیح سلامت واپس آجاؤں گا"

لیکن وہ جانتا تھا یہ الفاظ محض تسلی ہیں حقیقت ان سے بہت زیادہ خوفناک ہو سکتی ہے۔

اسماعیل نے دروازہ بند کیا اور گاڑی چل پڑی تاریک رات کو چیرتی گاڑی جیسے کسی انجان انجام کی طرف بڑھ رہی ہو۔

رات ابھی بھی خاموش تھی۔ مگر فردان کے دل میں ہنگامہ برپا تھا۔ وہ صحن میں بیٹھا تھا، آنکھوں میں فکر، ماتھے پر الجھن۔ تین دن سے روما کی کوئی خبر نہیں۔

"کون" اُس نے بلند آواز میں کہا اور دروازہ کھولا۔

سامنے ایک اجنبی تھا اور اُس کے پیچھے ایک مکمل طور پر نقاب پوش لڑکی جس کی آنکھوں سے اجنبیت نہیں ایک پہچان جھلک رہی تھی۔

"کون ہو تم" فردان نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

اسماعیل نے ایک لمحے کو کچھ نہ کہا پھر آہستگی سے پیچھے کھڑی لڑکی کو آگے کیا۔

فردان جیسے لمحہ بھر کو سانس لینا بھول گیا ہو وہ آنکھیں وہی آنکھیں تھیں جنہیں وہ رات دن سوچتا رہا تھا۔

"روما" اُس کے لبوں سے بس اتنا ہی نکلا۔

"وقت نہیں ہے تمہارے نکاح کا راز موسی اور یحییٰ صاحب کو معلوم ہو چکا ہے اگر تم دونوں کو زندگی عزیز ہے تو ابھی اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ" اسماعیل جلدی جلدی بول رہا تھا۔

مگر فردان وہ بس روما کی آنکھوں میں گم ہو چکا تھا۔

"ہم کیوں بھاگیں ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا نکاح کیا ہے" فردان کا لہجہ مضبوط تھا تیز تھا۔

اور اسی لمحے اسماعیل نے روما کا نقاب کھینچ دیا۔

تڑاخ تڑاخ تڑاخ

تین گھونسے پوری شدت سے اسماعیل کے چہرے پر پڑے فردان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بیوی کا نقاب کھینچنے کی"

"اپنی بیوی کا چہرہ دیکھو جو تمہارے لیے دو دن سے مار کھا رہی ہے" اسماعیل نے ہاتھ پکڑا اور دھیرے سے بولا۔

فردان کی نگاہ روما کے چہرے پر پڑی اور اُس کے جسم میں جیسے بجلی دوڑ گئی۔

وہ چہرہ جو کبھی زندگی سے بھرپور تھا آج زخموں سے سجا تھا نیل کٹے ہوئے ہونٹ سوجھی آنکھیں وہ کوئی اور لگ رہی تھی اور پھر بھی اُس کی آنکھیں بس محفوظ تھی۔

"روما تم نے یہ کیا حال کروالیا ایک بار بس ایک بار مجھے بلا لیتی"

"فردان ٹائم نہیں ہے ہمیں جانا ہے پلیز چلے"

روما نے اُس کا ہاتھ تھاما آواز میں لرزش تھی مگر ارادہ مضبوط۔

"ایک منٹ ایک بار بات تو"

"فردان آپ کو آپ کی محبت کا واسطہ خدا کا واسطہ بابا مار دیں گے پلیز چلے"

روما اُس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رو رہی تھی فردان نے اُس کے ہاتھ پکڑے سینے سے لگا یا۔

"ہم چلتے ہیں ابھی"

وہ لمحہ ایسا تھا، جہاں محبت خوف، بے بسی اور قربانی سب ایک ساتھ آملے۔

"جو احسان کیا اُس کا صلہ خوب ملا مجھے" اسماعیل نے اپنے سوجے گال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا۔

"اگلی بار مار اور بُری ہو گی اگر دوبارہ یہ حرکت کی" فردان نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"دھمکیاں بعد میں دینا۔ یہ ٹکٹ ہے حیدر آباد کے وہاں میرا ایک دوست سب کچھ سنبھال لے گا بس فون بند کر کے جانا وہ اسٹیشن پر تمہیں پک کر لے گا۔ اللہ حافظ"

اسماعیل پلٹا اور اندھیرے میں گم ہو گیا۔

پیچھے فردان نے روما کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور بغیر کسی کو اطلاع دیے خاموشی سے نکل گیا۔ صرف ایک آخری کال فاطمہ کو۔ جسے سب کچھ سمجھا کر صرف ایک گزارش کی۔

"موسی کو کچھ مت بتانا باقی سب تم سنبھال لینا"

اور پھر وہ دونوں ایک نئی زندگی کی طرف اندھیرے سے نکل کر اُجالے کی طرف بڑھ گئے۔

رئیسہ فاطمہ کے بیڈروم کے ایک کونے میں دبکی بیٹھی تھی جیسے کوئی بچہ کسی طوفان سے بچنے کی کوشش میں خود کو سمیٹ لے۔ دوپہر کی دھوپ کب شام کی

دھند لکی میں ڈھل گئی کسی نے نہ محسوس کیا لیکن رئیسہ کے آنسو پلکوں سے تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

فاطمہ کب سے اُس کے پاس بیٹھی تھی کبھی اُس کے سر پر ہاتھ رکھتی کبھی اُس کے کندھے پر تسلی بھرا لمس دیتی لیکن رئیسہ کے وجود میں ایسا زلزلہ آیا تھا کہ اُس کی خامشی بھی چیخ بن گئی تھی۔

"رئیسہ اگر رونے سے سب ٹھیک ہو سکتا ہے تو مجھے بتاؤ میں بھی تمہارے ساتھ بیٹھ کر رو لیتی ہوں"

فاطمہ کی آواز میں ہمدردی تھی، محبت تھی لیکن بے بسی کا ایک ہلکا سا رنگ بھی نمایاں تھا۔ وہ اُس کی آنکھوں میں جھانک کر اُس کی روح کی تھکن کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

رئیسہ نے سر اٹھایا آنکھوں میں بے یقینی اور درد کی گہری پرچھائیاں تھیں۔

"سیام نے ایک لمحہ بھی نہیں سوچا کہ میں کہاں جاؤں گی میں مانتی ہوں مجھ سے غلطیاں ہوئیں مگر وہ سب سب ماضی کا حصہ تھا۔ "

اُس کی آواز میں ٹوٹ پھوٹ تھی جیسے ہر لفظ اپنے ساتھ ایک نیا زخم لے کر آرہا ہو۔ وہ چھت کی طرف دیکھ رہی تھی شاید خدا سے سوال کر رہی تھی یا اُس وقت کو پکار رہی تھی جہاں سب کچھ ٹوٹنے سے پہلے جُڑا ہوا تھا۔

فاطمہ آہستہ سے اُس کے قریب ہوئی اُس کے پاس بیٹھ کر اُس کا ہاتھ تھاما۔

"رئیسہ عورتوں کا ماضی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ معاشرہ ہمیں ہمارے کل کے گناہوں کے ساتھ جینے نہیں دیتا مگر تم اکیلی نہیں ہو میں سیام سے بات کروں گی وعدہ کرتی ہوں"

رئیسہ نے کوئی جواب نہیں دیا بس آنکھیں بند کر لیں جیسے اب اُسے کچھ سننا نہیں صرف وقت گزارنا ہے خاموش بے صدا۔

فاطمہ نے اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"اچھا چھوڑو یہ سب سیام کو میں خود دیکھ لوں گی۔ تم بتاؤ کیا کھاؤ گی مجھے تو بہت بھوک لگی ہے"

رئیسہ نے ہلکے سے سر ہلایا۔

"نہیں کچھ نہیں کھانا بھوک نہیں ہے"

اُس کا لہجہ مدھم تھا جیسے نیند اُسے اپنے دامن میں چھپا لینا چاہتی ہو۔

فاطمہ اُس کے چہرے پر ایک آخری نظر ڈال کر اٹھی کمبل اُڑھایا اور آہستگی سے کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر چلی گئی۔

دروازہ بند ہونے کی آواز کے ساتھ ہی رئیسہ نے آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں پھیلی خاموشی جیسے اُس کے اندر کی تنہائی سے ہم آہنگ ہو گئی۔ اُس نے تکیے پر

چہرہ چھپایا اور سیام کی یادوں کے ساتھ وہ آنسو بہانے لگی جو رُکنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

حویلی ماتم کدہ بن چکی تھی۔ دیواروں سے ٹکرائیں چیخیں قدموں کی بھاگ دوڑ، اور ہجوم کی بڑبڑاہٹیں بتا رہی تھیں کہ کوئی طوفان آچکا ہے۔ نوکروں کے چہروں پر ہوائیاں اُڑی ہوئی تھیں عورتوں کے حلق خشک ہو چکے تھے اور مرد چھت کی طرف دیکھ کر تسبیحیں گن رہے تھے۔

روما حویلی چھوڑ کر جا چکی تھی۔

اور اب یحیٰ صاحب پاگل پن کی سرحد کو چھو رہے تھے۔

"کہاں ہے میری بیٹی"

اُن کی گرجتی ہوئی آواز نے دیواروں کو ہلا کر رکھ دیا۔ کمرے کے بیچ رکھے لکڑی کے میز پر اُن کا مکا ایسے پڑا جیسے زمین پھاڑ دینا چاہتے ہوں۔

موسیٰ کے چہرے پر بھی اضطراب کی لکیریں گہری ہو چکی تھیں۔ اُس نے کئی علاقوں میں اپنے لوگ بھیج دیے تھے مگر روما کا کہیں سراغ نہیں تھا۔

"اسماعیل فردان کا پتہ کرو کہاں چھپا ہے وہ مجھے میری بیٹی چاہیے ہر قیمت پر"

یحیٰ صاحب کی آواز اُس وقت آندھی کی طرح گونجی جب گھر میں ویسے ہی ہو کا عالم تھا۔

اسماعیل نے لرزتی آواز میں اطلاع دی "سر وہ بھی غائب ہے"

"غائب ہے" یحیٰ صاحب کی آنکھوں میں آگ دہکنے لگی۔

"میں نے کہا تھا اُس کے خاندان کا اُس کے رشتوں کا اُس کے ماضی کا سب پتہ کرواؤ! کس سے تعلق ہے کہاں رہتا ہے"

اسماعیل نے حلق تر کیا اور جیسے موت کا فیصلہ سنایا ہو۔

"سرفردان وہ مس فاطمہ کا تایا زاد ہیں"

یہ سننا تھا کہ یحیٰ صاحب کا ہاتھ پوری قوت سے میز پر پڑا میز لڑکھڑا کر نیچے آ گری۔

"یہ لڑکی ہمارے خاندان کی جان کب چھوڑے گی کب"

وہ لفظ چبا چبا کر بول رہے تھے نفرت کا زہر اُن کی آواز میں ٹپک رہا تھا۔

موسیٰ کی آنکھیں اسماعیل پر گڑ گئیں جیسے اُس نے فاطمہ کا نام لے کر جلتی پر تیل چھڑک دیا ہو مگر اگلے لمحے یحیٰ صاحب کی آواز نے سب پر لرزہ طاری کر دیا۔

"موسیٰ اپنی اس نام نہاد بیوی سے کہو اگر مجھے آج شام تک میری بیٹی نہ ملی تو جو طوفان میں لاؤں گا وہ اُس کے پورے خاندان کو بہا لے جائے گا پہلے صرف باپ

مرا تھا اب سب مریں گے۔ اگر شام تک روما حویلی نہ آئی تو سزا صرف موت ہے"

موسیٰ نے پلٹ کر یحیٰ کو دیکھا لب سختی سے بھینچ لیے اور بغیر کچھ کہے باہر نکل گیا۔

کمرے کے کونے میں کھڑی مرحا کا دل کانپ رہا تھا ٹانگیں لرز رہی تھیں۔

ماہ جبین اُس کی طرف بڑھی چہرہ سُن آواز بے جان۔

"دعا کرو تمہاری بہن مل جائے ورنہ تمہارا باپ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا"

مرحا کا رنگ فق ہو گیا۔ اُسے لگا جیسے دیواریں اُس پر جھک رہی ہیں اور زمین اُس کے پاؤں کے نیچے سے نکلتی جا رہی ہے۔ اُس کے ارد گرد سب کچھ دھندلا گیا صرف یحیٰ صاحب کی وہ آواز گونج رہی تھی۔

"موت صرف موت اگر میری بیٹی نہ ملی"

فاطمہ فردان کا پیغام دینے تایا کے گھر آئی تو سہ پہر کی نرم دھوپ برآمدے میں چھن رہی تھی۔ صحن میں رکھی کرسیوں پر گرد کی ہلکی تہہ جم چکی تھی۔ جیسے وہاں کچھ دنوں سے کوئی بیٹھا ہی نہ ہو۔ وہ دروازہ دھیرے سے کھول کر اندر داخل ہوئی تو حفصہ بیگم اُسے دیکھ کر خوشی سے چونک پڑیں۔

"تمھیں پتہ ہے تم کتنے دنوں کے بعد آئی ہو یہاں" حفصہ بیگم نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے محبت سے شکوہ کیا۔

فاطمہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں چرائیں۔ "جی تائی امی بس مصروفیت کچھ زیادہ ہو گئی تھی۔ میں دراصل فردان کا بتانے آئی تھی وہ کل رات اسلام آباد چلا گیا تھا۔ اُس نے سیام کو کال کی تھی لیکن آپ لوگوں نے ریسیو نہیں کی تو اُس نے مجھے بتا دیا کہ آپ کو بتا دوں"

وہ حقیقت چھپا گئی تھی مگر آواز میں نرمی تھی۔

حفصہ بیگم نے گہرا سانس بھرا "ایک تو میں اُس لڑکے سے بہت پریشان ہوں ضرور اپنے دوستوں کے ساتھ گیا ہوگا۔ اس دفعہ آنے دو تمہارے تایا ہی اُس کی خبر لیں گے"

ابھی وہ بات مکمل بھی نہ کر پائی تھیں کہ اچانک اُنہیں رئیسہ یاد آگئی۔

"فاطمہ رئیسہ کیسی ہے"

کمرے سے نکلتے سیام کا قدم رُک گیا۔ رئیسہ کا نام سُن کر اُس کی سانس جیسے ایک لمحے کو تھم گئی۔ پچھلے تین دنوں میں اُس کی یاد ایک پل کو بھی اُسے نہیں چھوڑ سکی تھی۔

فاطمہ نے جواب دیا، مگر آواز میں تلخی چھپی ہوئی تھی۔ "بالکل ٹھیک ہے بہت جلد ماما کے ساتھ آؤں گی، ایک خوشخبری لے کر"

سیام کی طرف اُس کی نظر نفرت سے چمکی۔

"کیسی خوشخبری" حفصہ بیگم کو تجسس ہوا۔

فاطمہ نے شوخی سے آنکھ مٹکائی "ارے یہ تو سرپرائز ہے جلد پتہ چل جائے گا"

"اچھا تم بیٹھو میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں" حفصہ بیگم کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

فاطمہ اب آہستگی سے سیام کی طرف بڑھی۔ وہ ابھی بھی سیڑھیوں کے پاس ساکت کھڑا تھا جیسے رئیسہ کا نام اُس کی روح میں کہیں گونج گیا ہو۔

"ذرا سی شرم بھی نہیں آئی اُسے گھر سے نکالتے ہوئے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُس کے پاس رہنے کو کوئی جگہ نہیں"

فاطمہ کے الفاظ تیز دھار چھری کی طرح تھے جو سیدھا سیام کے ضمیر پر لگے۔

سیام نے پلکیں جھپکائیں "یہ میرا اور اُس کا پرسنل میٹر ہے" خود پر قابو رکھتے ہوئے بولا۔

وہ پلٹنے لگا مگر فاطمہ نے راستہ روک لیا۔ آنکھوں میں غصہ لہجے میں آگ۔

"اگر اتنا پرسنل ہے تو تمہاری بیوی میرے گھر کیا کر رہی ہے سیام صاحب پرسنل کہنے اور پرسنل رکھنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ افسوس ہے مجھ تم جیسے مردوں پر جو اپنی بیوی کے ایکس کو مارنے کے بجائے بیوی کو گھر سے نکال دیتے ہیں۔

".Shame on you

فاطمہ طنز کے زہر بھرے تیروں کے ساتھ دروازے سے باہر نکل گئی۔ سیام وہیں کھڑا رہا اُس کی مٹھیاں سختی سے بھنچ گئیں آنکھوں میں چھپتی چنگاریاں تھیں مگر زبان پر قفل۔ جیسے وہ اندر ہی اندر ٹوٹ رہا ہو۔

جمعہ کی نماز ختم ہو چکی تھی۔ مسجد کے صحن میں سکون ایسا چھایا تھا جیسے وقت نے کچھ لمحوں کے لیے سانس روک لی ہو۔ دھوپ کے سنہری ذرات، مسجد کی محرابوں سے چھن کر فرش پر بکھر رہے تھے۔ سب نمازی جا چکے تھے صرف

شہسوار ایک کونے میں بیٹھا آنکھیں موندے خاموشی سے فضا میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ وہ اکثر ایسا ہی کرتا تھا جیسے مسجد کے سناٹے میں اُسے خدا کی آواز سنائی دیتی ہو۔

اچانک اُس کے قریب ایک ہلکی چاپ سنائی دی دائیں جانب ایک بزرگ آکر بیٹھ گئے۔ وہ مسجد کے امام تھے ایک نرم چہرہ، سفید داڑھی، اور آنکھوں میں برسوں کا وقار۔

انہوں نے محبت سے شہسوار کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں تمہیں روز دیکھتا ہوں سب چلے جاتے ہیں تم سب سے آخر میں جاتے ہو۔ ایسا کیوں کرتے ہو بیٹا"

شہسوار نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ اندر کی دنیا جیسے باہر جھلکنے لگی۔

"کیونکہ میں نے اللہ کے در پر آنے میں دیر کر دی اس لیے اب زیادہ وقت یہی گزارتا ہوں" اُس کی آواز میں نرمی تھی، لیکن لفظوں میں ندامت چھپی تھی۔

امام صاحب مسکرا دیے اُن کی مسکراہٹ میں شفقت تھی۔

"کچھ پانے کی خواہش ہے تمہارے اندر"

شہسوار نے ایک پل کو مسجد کے اونچے نیلے گنبد کو دیکھا، جیسے وہاں کوئی جواب لکھا ہو۔

"پانے کی خواہش تھی لیکن اب نہیں ہے"

"کیا کوئی شکوہ ہے خدا سے" امام صاحب کی پیشانی پر ہلکی سی شکن اُبھری۔

شہسوار نے گردن ہلکی سی جھکائی۔

"شکوہ نہیں، بس یہ یقین ہے کہ خدا کو مجھ سے شکوہ ضرور ہو گا کہ میں دیر سے لوٹا"

مسجد کے ہال میں ایک ہَوا کی سرسراہٹ گونجی جیسے دیواریں بھی خاموشی سے یہ گفتگو سُن رہی ہوں۔

"تم نے سنا ہے نادیر آئے درست آئے" امام صاحب نے نرمی سے کہا اور خود ہی اپنی بات پر ہنس دیے۔

شہسوار کی لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"ہر دیر درست نہیں ہوتی حاجی صاحب کچھ دیر انسان کو زندگی بھر کی ندامت دے جاتی ہے"

امام صاحب نے غور سے اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کسی کو کھویا ہے تم نے"

شہسوار نے نظریں جھکالیں۔

"کسی کو کھویا ہے کسی کو پایا ہے"

"مطلب"

"جب اُس سے دور ہوا تو خدا کو پا لیا اب شکوے نہیں ہیں حاجی صاحب"

وہ آہستہ سے کھڑا ہو گیا امام صاحب بھی کھڑے ہوئے۔

"میں دعا کروں گا خدا تمہیں وہ دے جس کی تمہیں تلاش ہے"

"آمین"

شہسوار نے سر اٹھا کر آخری بار مسجد کے گنبد کو دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں روشنی کی ایک چمک تھی یقین کی صبر کی اور قربتِ خدا کی پھر وہ آہستہ قدموں سے مسجد سے باہر نکل گیا اور پیچھے صرف خاموشی رہ گئی۔

حیدر آباد کی شام اُداسی کی چادر اوڑھے خاموش کھڑی تھی۔ ایک پرانی بوسیدہ گلی کے آخری موڑ پر اینٹوں سے جھانکتے بوٹے اور سیلن زدہ دیواریں وقت کی بے

رحمی کی گواہی دے رہی تھیں۔ ایک خستہ حال گھر، جس کی چھتیں ٹپکتی دیواریں ٹوٹی ہوئی اور دروازہ چرچراتا تھا اُن دونوں کا نیا ٹھکانہ بنا تھا۔ احمد جو اسماعیل کا پرانا دوست تھا خاموشی سے انہیں یہاں تک لے آیا۔

"مجھے آپ کو یہی تک پہنچانا تھا" احمد نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

اُس کی نظریں فردان کے سپاٹ چہرے پر جم گئیں جبکہ روما ایک سیاہ نقاب میں چھپی بیٹھی تھی جیسے خود سے چھپ رہی ہو۔

"اسماعیل بھائی نے کچھ بتایا ہے" روما بے قراری سے بول پڑی۔

احمد نے لمحہ بھر خاموشی اختیار کی پھر آہستہ آواز میں گویا ہوا۔

"آپ کے ابا نے پورے شہر میں اپنے آدمی پھیلا دیے ہیں وہ آپ کو ڈھونڈ نکالنا چاہتے ہیں اور فردان بھائی کو قبر میں اُتارنا"

"اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو چلتا ہوں اللہ حافظ"

دروازے کی چرچراہٹ اور احمد کے قدموں کی آواز دور ہوتی گئی اور کمرے میں صرف خاموشی باقی رہ گئی۔

روما اچانک زمین پر پنجوں کے بل بیٹھ گئی اُس کے نقاب کے پیچھے سے سسکیاں پھوٹنے لگیں وہ ڈھاریں مار کر رونے لگی۔

"میں نے آپ کو مشکل میں ڈال دیا میں بہت بُری ہوں" وہ خود سے گلِہ کرنے لگی۔

فردان اُس کے سامنے جھک آیا۔

"رو کیوں رہی ہو"

"اگر ہم پکڑے گئے بابا آپ کو مار دیں گے" وہ اُس کا ہاتھ تھامے کانپتی آواز میں بولی۔

"اگر تم ایسے روتی رہو گی تو میں پکڑے جانے سے پہلے ہی مر جاؤں گا"

ب ہٹ چکا
چیخ کر

آئی ہے۔

جھکا لیں۔

چھوڑ"

فردان نے اُس کے لبوں پر نرمی سے ہاتھ رکھ دیا۔

"چھوڑا تو تب بھی نہیں تھا جب تم کچھ نہیں لگتی تھیں میری اب تو تم میری بیوی ہو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

وہ اُسے اپنے سینے سے لگا چکا تھا۔ روما اُس کے بازوؤں میں دفن ہو کر بچوں کی طرح رونے لگی۔ دو دن سے جو وہ مضبوطی کا خول اوڑھے ہوئے تھی اب وہ قلعہ ٹوٹ چکا تھا ہر آنسو میں پچھتاوا تکلیف اور بے پناہ سکون گھلا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد فردان نے اُس کا سر اپنے سینے سے الگ کیا اُس کے چہرے کے زخموں کو غور سے دیکھا۔

"میری بیوی کو بہت مارا ہے اُنھوں نے ہے نا"

روما نے سر ہلایا پھر سے سسکنے لگی۔

"کیوں کھائی یہ مار مجھے پہلے ہی بُلا لیتی ایک فون کرتی سب چھوڑ کر آ جاتا"

"اسی لیے نہیں بُلایا کہ آپ نہ آئیں" روما کی آواز میں ٹوٹا ہوا عزم تھا۔

فردان نے اُس کے بالوں پر بوسہ دیا۔

"کیوں"

روما نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"کیونکہ مجھے خود آپ کے پاس آنا تھا"

فردان کی مسکراہٹ جیسے دل کی گہرائی سے نکلی ہو۔

"پاگل بیوی"

اُس کے لہجے میں محبت تھی فخر تھا اور ایک بے لوث قبولیت کا رنگ۔

فاطمہ کے فون پر بار بار کال آ رہی تھی موسیٰ کی کال۔ اسکرین پر اُس کا نام بار بار چمک رہا تھا لیکن فاطمہ اُس وقت نیچے کچن میں تھی رئیسہ کے لیے پانی اور دوا کا انتظام کر رہی تھی۔

کالز کا سلسلہ رکا نہیں ایک دو تین۔۔۔ دس بالآخر اُس نے فون اُٹھالیا۔

"میں کب سے کال کر رہا ہوں تمہیں اندازہ ہے اس بات کا"

موسیٰ کی آواز غصے سے بھری ہوئی تھی جیسے اُس کے لہجے کے ساتھ بجلی کڑک رہی ہو۔

فاطمہ نے ایک پل کے لیے آنکھیں بند کیں خود کو سنبھالا۔

"سوری میں نیچے تھی لیکن آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں"

اُسے اندازہ ہو چکا تھا فردان کی خبر موسیٰ تک پہنچ چکی ہے۔

"مجھے تم سے ملنا ہے رات میں آؤ گا"

موسیٰ کا لہجہ اب حکم بن چکا تھا۔

"اور ہاں، میری بات غور سے سنو آج کے دن تم گھر سے باہر نہیں نکلو گی! آئی سمجھ میں میں آرہا ہوں"

یہ کہہ کر اُس نے کال کاٹ دی بغیر فاطمہ کی کوئی بات سُنے۔

فاطمہ نے بے بسی سے فون کو دیکھا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ آج اُس نے رئیسہ کو اسپتال لے جانا ہے۔ مگر موسیٰ نے اُسے موقع ہی نہیں دیا۔

اُس نے فون میز پر رکھا اور لمبی سانس لے کر کمرے سے باہر نکلی۔ نیچے ہال میں رئیسہ چادر اوڑھے صوفے پر تیار بیٹھی تھی۔ اُس کے چہرے پر ہلکی زردی اور تھکن کی جھلک تھی۔

"تم تو چادر لینے گئی تھی خالی ہاتھ کیوں آ گئی" رئیسہ نے اُسے آتے دیکھ کر پوچھا۔

فاطمہ چند لمحے خاموش رہی، پھر دھیرے سے بولی،

"تم ماما کے ساتھ چلی جاؤ ڈاکٹر کے پاس مجھے کچھ کام ہے"

رئیسہ نے اُسے غور سے دیکھا جیسے اُس کے چہرے سے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو مگر کچھ کہے بغیر مسکرا دی۔

"اچھا ٹھیک ہے میں اُن کو بلا کر لاتی ہوں"

وہ پلٹی اور ہلکے قدموں سے علشبہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

فاطمہ وہیں کھڑی رہ گئی جیسے ذہن میں سینکڑوں خیال شور کر رہے ہوں۔

سیام کئی دنوں سے الجھا ہوا تھا مگر فاطمہ کی باتوں نے اُسے جھنجھوڑ دیا تھا۔ دل بے چین تھا اور ذہن بار بار رئیسہ کے چہرے کو یاد کر رہا تھا۔ آخر کار اُس نے فیصلہ کر لیا اب اُسے رئیسہ سے ایک بار ضرور ملنا ہے۔

وہ آہستہ قدموں سے حفصہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوا۔

"امی میں جا رہا ہوں"

لہجہ دھیما مگر عزم واضح تھا۔

حفصہ بیگم نے اُسے ایک نظر دیکھا "جہاں جانا ہے جاؤ تم اب اتنے بڑے ہو چکے ہو کہ اپنے فیصلے خود لے سکتے ہو"

اُن کے الفاظ میں زہر نہیں تھا لیکن تلخی ضرور تھی۔

سیام اُن کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"امی کیا ہو گیا ہے میں غصے میں تھا مانتا ہوں اپنی غلطی اب اُسی کو لینے جا رہا ہوں"

حفصہ بیگم کی نظریں اُس پر ٹھہر گئیں اور اُن کی آواز میں نمی اُتر آئی۔

"کیا ملا تمہیں سب کے سامنے تماشا لگا کر زرا شرم نہیں آئی اُسے گھر سے نکالتے ہوئے ہماری زندگی میں سکون کیوں نہیں رہنے دیتے سیام"

سیام نے ندامت سے اُن کا ہاتھ تھاما۔

"امی غلطی ہو گئی میں مانتا ہوں پلیز معاف کر دیں"

وہ لمحہ بھر چپ رہیں پھر آہستہ سے بولیں۔

"اگر رئیسہ مان گئی واپس آنے کو تو سمجھو تمہیں معافی مل گئی جاؤ اُسے لے آؤ"

اُنھوں نے منہ پھیر لیا لیکن آنکھوں میں اُمید کی ایک دھندلی سی جھلک باقی تھی۔

سیام خاموشی سے اُٹھا، کمرے سے باہر نکلا۔ اپنے کمرے میں جا کر اُس نے شاور لیا، سفید سادہ کرتا پہنا، آستینیں کہنیوں تک چڑھائیں، بالوں کو ترتیب دی، ہلکا سا پرفیوم لگایا۔ اُس کے چہرے پر آج کچھ بدلنے کی تمنا تھی۔ وہ سینڈل پہنتے ہی بائیک کی چابی تھام کر باہر نکل گیا۔

Zubi Novels Zone

گیٹ پر بائیک روکتے ہی اُس کی نظر علشبہ بیگم اور رئیسہ پر پڑی۔ رئیسہ نے اُسے دیکھا اور فوراً نظریں پھیر لیں۔ اُس کے چہرے پر وہی خاموش ناراضی چھپی تھی جو آنکھوں سے صاف جھلک رہی تھی۔ وہ اب بھی اُس شخص کا سامنا نہیں چاہتی تھی جس نے اُسے سب کے سامنے بے عزت کر کے نکال دیا تھا۔

سیام بائیک سے اُترا۔ دل دھڑک رہا تھا لیکن قدم مضبوط تھے۔

"السلام علیکم چچی کیسی ہیں آپ"

وہ آہستہ سے اُن کے قریب آیا لیکن نظر رئیسہ پر ہی جمی رہی۔

"وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں بیٹا"

علشبہ بیگم نے محبت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کہیں جارہی ہیں چچی" سیام نے رئیسہ کے سر پر لپٹی چادر کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں رئیسہ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جارہی ہوں اچھا ہوا تم آگئے چلو تم بھی ساتھ چلو"

علشبہ بیگم کے لہجے میں نرمی اور حکمت دونوں تھیں۔ وہ جانتی تھیں کبھی کبھار دو دلوں کے درمیان صرف ایک مختصر سا راستہ درکار ہوتا ہے۔ سیام نے رئیسہ کی طرف دیکھا وہ اب بھی چپ کھڑی تھی۔

"ٹھیک ہے چلیے" اُس نے مختصر جواب دیا مگر اُس کی آنکھوں میں ندامت تھی۔

اسپتال کا ماحول ہمیشہ کی طرح مصروف تھا۔ استقبالیہ پر مریضوں کا شور، اعلانات کی آوازیں اور سفید دیواروں پر دوڑتے وقت کا دباؤ ہر طرف محسوس ہو رہا تھا۔

علشبہ بیگم رئیسہ اور سیام اب انتظار گاہ میں بیٹھے تھے۔ رئیسہ خاموش تھی نظریں جھکائے اپنی انگلیوں سے دوپٹے کا کونا مروڑ رہی تھی۔ سیام کی نظریں مسلسل اُسی پر ٹکی تھیں جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو مگر موقع ڈھونڈ رہا ہو۔

"مسز رئیسہ"

نرس کی آواز پر رئیسہ چونکی پھر کھڑی ہو گئی۔

"میں ساتھ چلتی ہوں" علشبہ بیگم اُٹھیں مگر رئیسہ نے نرمی سے اُن کا ہاتھ تھام لیا۔

"نہیں آنٹی میں خود چلی جاؤں گی"

وہ اکیلی ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ کچھ لمحے گزرے پھر جب وہ واپس آئی اُس کے چہرے پر ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ آنکھیں کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی جیسے وہ خود اپنے اندر کچھ بڑا سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

علشبہ بیگم نے فکر سے پوچھا۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے"

رئیسہ نے اُنہیں خاموشی سے ایک کاغذ تھمایا الٹراساؤنڈ رپورٹ۔

علشبہ بیگم نے پڑھتے ہی چونک کر رئیسہ کی طرف دیکھا۔

"رئیسہ"

سیام نے بھی قریب ہو کر رپورٹ لے لی اور وہیں تھم گیا۔

کاغذ کے سادہ سے الفاظ جیسے اُس کے دل پر ہتھوڑے کی طرح گرے۔

"Congratulations. The patient is 5 weeks pregnant."

سیام نے رئیسہ کی طرف دیکھا وہ اب بھی خاموش کھڑی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں کچھ بھیگنے لگا تھا۔

"رئیسہ"

سیام آہستہ سے بولا۔

رئیسہ نے اُس کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں سیام صاحب میں اب بھی وہی رئیسہ ہوں جسے تم نے سب کے سامنے نکالا تھا۔ اب میرے ساتھ صرف ایک نہیں دو زندگیاں جڑی ہیں مجھے اُن دونوں کے لیے سکون چاہیے"

سیام نے آخری کوشش کرنا چاہی۔

"پر میں بدل جاؤں گا رئیسہ وعدہ کرتا ہوں" سیام اُس کو اپنے ساتھ گھر لے کر جانا چاہتا تھا۔

"لیکن میں فی الحال تمہیں آزمانا نہیں چاہتی مجھے وقت چاہیے اور تمہیں بھی" رئیسہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

وہ پلٹی علشبہ بیگم کا ہاتھ تھام کر آہستہ آہستہ اسپتال کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

سیام وہیں کھڑا رہ گیا۔

سورج کئی بار اپنی جگہ بدل چکا تھا دن کب شام میں ڈھل گیا، کسی کو خبر نہ ہوئی۔ لیکن یحیٰ صاحب کے ماتھے پر تیور ویسے ہی چڑھے ہوئے تھے کڑے تنے ہوئے

جیسے کسی لمحے پھٹ پڑیں گے۔ تین دن بعد الیکشن تھا اور اس وقت اُن کی بیٹی کا یوں غائب ہو جانا اُن کے لیے سیاسی نہیں، ذاتی بے عزتی بن چکا تھا۔

پورا حویلی کا عملہ پاگلوں کی طرح روما اور فردان کو ڈھونڈنے میں لگا ہوا تھا مگر اب تک کوئی خبر نہ ملی تھی۔

اچانک یحیٰ صاحب کی آواز حویلی کی دیواروں سے ٹکرا کر گونجی۔

"سکینہ سکینہ کہاں مر گئی تُم"

سکینہ سہم کر بھاگی دوپٹہ ٹھیک کرتی قدم لڑکھڑاتی اُن کے کمرے میں پہنچی۔

"جی جی صاحب"

"تم نے روما کو اسٹور روم میں بند کیا تھا نا تو وہ وہاں سے نکلی کیسے"

یحیٰ صاحب کا چہرہ انگارہ ہو چکا تھا۔ اگلے ہی لمحے اُن کا ہاتھ لپکا اور سکینہ کے بالوں کی گتھی مٹھی میں آ گئی۔

"سائیں خدا کی قسم مجھے کچھ نہیں پتہ میں نے دروازہ بند کیا تھا نہیں معلوم وہ کیسے بھاگی"

سکینہ ہاتھ جوڑتی گڑگڑاتی زمین پر جھک گئی آنکھوں میں خوف اور پسینے میں ڈوبا ہوا چہرہ۔

"گارڈ کو بولو سی سی ٹی وی فوٹیج نکالے ابھی"

یحیٰی صاحب نے اُسے دھکا دے کر فرش پر گرایا اُن کی آواز میں اب صرف غضب تھا رحم نام کی کوئی چیز باقی نہیں تھی۔

سکینہ رو رو کر زمین سے اُٹھنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن قدم کپکپا رہے تھے۔

اُسی لمحے مرحا جو اتفاقاً کمرے کے باہر سے گزر رہی تھی، دروازے کے قریب رُک گئی۔ وہ اندر کی چیخ پکار سُن چکی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں گھبراہٹ اور پریشانی کا عکس ایک ساتھ اُبھرا۔

"سی سی ٹی وی فوٹیج "اُس نے دل ہی دل میں دہرایا۔

پھر یاد آیا اسماعیل

وہ فوٹیج ڈیلیٹ کرنا بھول گیا تھا اسٹور روم کے کیمرے نے سب کچھ ریکارڈ کیا ہوگا۔ اور اگر وہ فوٹیج یحیٰ صاحب تک پہنچی تو سب کچھ کھل جائے گا۔

مرحا کی پیشانی پر پسینہ اُتر آیا جیسے آنے والی آندھی کا شور اُسے ابھی سے سنائی دینے لگا ہو۔

علشبہ بیگم آہستہ قدموں سے رئیسہ کو لیے گھر کے اندر داخل ہوئیں۔ اُن کے چہرے پر تھکن مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

ڈرائنگ روم میں فاطمہ پہلے سے موجود تھی بے چینی سے دروازے کی طرف نظریں جمائے بیٹھی۔

جیسے ہی اُنھیں اندر آتے دیکھا وہ فوراً اُٹھ کر تیزی سے آگے بڑھی۔

"امی کہاں رہ گئے تھے آپ لوگ کب سے انتظار کر رہی ہوں"

علشبہ بیگم مسکرا کر بولیں۔

"ارے آرام سے بیٹا کیا ہو گیا ہے سانس تو لینے دو"

فاطمہ اُن کے قریب آئی اور بے صبری سے پوچھا۔

"ڈاکٹر نے کیا کہا سب خیریت ہے نا"

علشبہ بیگم نے دھیرے سے رئیسہ کا ہاتھ تھاما پھر فاطمہ کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولیں۔

"تم پھوپھو بننے والی ہو ایک نہیں دو بچوں کی"

فاطمہ کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، جیسے لمحہ بھر کو اُس کے قدم زمین پر نہ رہے ہوں۔ اُس نے بے یقینی سے رئیسہ کی طرف دیکھا اور تیزی سے اُس کے قریب بیٹھ گئی۔

"رئیسہ امی سچ کہہ رہی ہیں مجھے یقین نہیں آرہا"

رئیسہ نے نگاہ جھکا کر دھیرے سے ہاں میں سر ہلا دیا اُس کے چہرے پر شرمیلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

فاطمہ نے فوراً اُس کے ہاتھ تھام لیے۔

"ماشاءاللہ میری رئیسہ کیا خوشخبری لے آئی ہو"

اسی لمحے دروازہ کھلا اور سیام اندر آیا۔ اُس کی آنکھیں تھکی ہوئی تھیں لیکن اُس کے ہاتھ میں میڈیسن کا شاپر تھا۔ رئیسہ نے اُسے ایک نظر دیکھا اور بنا کچھ کہے

خاموشی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی جیسے اُس کے وجود سے بھی بچنا چاہتی ہو۔

سیام نے شاپر فاطمہ کی طرف بڑھایا۔

"یہ دوائیاں دے دینا اُسے وقت پر کھا لے"

فاطمہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا۔

"ہم تمہارے نوکر نہیں ہیں سیام صاحب وہ سیڑھیاں تمہیں نظر آ رہی ہوں گی تمہاری بیوی اُدھر گئی ہے خود جا کر دے آؤ"

سیام کا چہرہ سختی سے ڈھل گیا لیکن کچھ کہے بغیر کھڑا رہا۔

علشبہ بیگم نے نرمی سے سیام کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بیٹا فاطمہ بلکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ جاؤ خود جا کر دے آؤ۔ کل بھابھی کو لے آنا رئیسہ مان جائے گی تم دونوں کو ساتھ رہنا ہے ضد چھوڑو"

سیام نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا پھر قدم بڑھاتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف گیا۔ اُس کے قدم تیز تھے مگر دل میں جھجک صاف دکھائی دیتی تھی۔ فضا میں ایک ان کہی کشمکش باقی تھی ایک طرف خوشی کی خبر دوسری طرف رشتوں کی ادھوری سی گرہ۔

سیام آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچا۔ اُس کے قدم بھاری تھے ہاتھ میں میڈیسن کا شاپر پکڑے وہ اُس کمرے کے سامنے آکر رک گیا جہاں رئیسہ ابھی ابھی گئی تھی۔

دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ رئیسہ کھڑکی کے پاس کھڑی باہر آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہلکی دھوپ میں اُس کے چہرے کا عکس اور بھی نرم لگ رہا تھا جیسے وہ خود کو وقت کی دھند میں چھپا رہی ہو۔

سیام نے دروازے پر دستک دی۔

رئیسہ نے پلٹ کر دیکھا آنکھوں میں کوئی حیرت نہیں بس وہی خاموش شکوہ۔

"یہ یہ دوائیاں ہیں تمہاری" سیام نے شاپر آگے بڑھایا لہجہ روایتی شوہری حکم کے بجائے معصوم سا تھا۔

"رکھ دو ٹیبل پر" رئیسہ نے اُس کو دیکھنا ضروری نہیں سمجھا۔

"دیکھو بچوں کی ماں بننے والی ہو تھوڑا رحم کھا لو اُن کے ابا پر" سیام نے اُس کے قریب جا کر آہستگی سے کہا۔

رئیسہ نے ناک چڑھائی۔

"ابا؟ اُن کے ابا کو ہے اُن کی ماں کا خیال"

سیام نے ایک لمحہ اُسے دیکھا پھر جھک کر اُس کا ہاتھ تھاما۔

"کوشش کر رہا ہوں رئیسہ پرفیکٹ نہیں ہوں لیکن تمہارے قابل ضرور بننا چاہتا ہوں"

"ہاتھ چھوڑو میرا اور جاؤ یہاں سے"

رئیسہ نے ہاتھ نہیں چھڑایا مگر چہرہ اب بھی کھڑکی کی طرف تھا۔

"میڈیسن وقت پر لے لینا" سیام نے آہستگی سے کہا۔

"کل امی ابو کے ساتھ لینے آؤ گا سب کے سامنے معافی بھی مانگو گا پلیز معاف کر دینا"

سیام دھیمی سے مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

اس کا ہنسنا ضروری تھا کمبخت ہنستے ہوئے حسین لگتا تھا۔

"کل کی کل دیکھیں گے سیام صاحب" رئیسہ کہتے ساتھ چہرہ موڑ گئی۔

رات کی سیاہی حویلی کے اطراف گہری چادر کی مانند چھا چکی تھی۔ سکیورٹی روم کی مدھم روشنی میں بیٹھے یحیٰ خان کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ سی سی ٹی وی کی فوٹیج جیسے جیسے آگے بڑھتی اُن کے چہرے کے تاثرات اور بھی بگڑتے جاتے۔

اسکرین پر مرحا اور اسماعیل کے چہرے صاف دکھائی دے رہے تھے وہی لمحہ تھا جب روما کو بھگایا گیا۔

"مرحا... مرحا... مرحا"

یحیٰ خان دھاڑتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھے اور تیز قدموں سے حویلی کی طرف لپکے۔ اُن کے قدم جیسے زمین پر نہیں کسی طوفان پر پڑ رہے ہوں۔

حویلی کے کمرے میں مرحا جیسے سانس لینا بھی بھول گئی تھی۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ جان چکی تھی راز فاش ہو چکا ہے۔ سزا طے ہے بس وقت کا انتظار ہے۔

"کہا تھا نا اگر تمہاری بہن نہ ملی تو تمہاری موت پکی ہے"

ماہ جبین بیگم نے سرد لہجے میں کہا لیکن آنکھوں میں اضطراب صاف جھلک رہا تھا۔

"ماں" مرحا نے بس اتنا ہی کہا تھا کہ دروازہ ایک زوردار آواز سے کھلا اور یحیٰ خان اندر داخل ہوئے۔ اُن کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔

"روما کہاں ہے"

اُنہوں نے مرحا کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر جھنجھوڑا۔

"با۔۔۔ بابا۔۔۔ مجھے کچھ نہیں پتا" مرحا کی آواز لرز رہی تھی، جسم کانپ رہا تھا۔

"تم اسماعیل کے ساتھ ملی ہوئی ہو میرے خلاف سازش کی میری عزت کو مٹی میں ملایا تم دونوں نے میں ختم کردوں گا تم دونوں کو"

یحیٰ خان کا ہاتھ اچانک اُس کی گردن پر جا پہنچا۔ انگلیوں کی گرفت سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی تھی۔ مرحا کی آنکھیں اُبلنے لگیں چہرے پر موت کا سایہ چھا گیا۔

"ب۔۔ با۔۔ با... م۔۔ میں۔۔۔ ک۔۔۔ کچھ۔۔۔ نہیں۔۔ کیا..."

مرحا کی سانسیں اکھڑنے لگیں، چہرہ نیلا پڑنے لگا۔

ماہ جبین بیگم وہیں کھڑی تماشائی بنی دیکھتی رہی۔ آنکھیں بھر آئیں لیکن پاؤں جُنبش تک نہ کر سکے۔ شاید وہ جانتی تھی بیٹی کو بچانے کی کوئی گنجائش نہیں۔

"فون کرو اسماعیل کو فوراً! ابھی اسی وقت یہاں بلاؤ"

یحیٰ خان نے اُسے جھٹک کر زمین پر پھینک دیا۔

مرحا نے جھوٹ گھڑا "میری بات ہوئی تھی وہ آ رہا ہے"

یحیٰ خان نے اُسے ایک بار پھر پیروں تلے روند ڈالا۔ کمرے میں مرحا کی چیخیں گونج رہی تھیں اور ہر چیخ دیواروں سے ٹکرا کر واپسی پر اور بھی ہولناک بن جاتی۔

رات کے بارہ بج رہے تھے۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا صرف ایک ٹیبل لیمپ کی مدھم روشنی فضا کو سنبھالے کھڑی تھی۔ رئیسہ اور فاطمہ بیڈ پر ٹیک لگا کر آپس میں سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں کہ اچانک فاطمہ کا فون بج اُٹھا۔ خاموشی میں فون کی بیل نے کمرے کی فضاء چیر دی۔

رئیسہ نے فوراََ سکرین کی طرف جھانکا—"شیر" کا نام جگمگا رہا تھا۔ اُس نے آنکھیں پھیلا کر فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"اٹھا لو شرما کیوں رہی ہو"

فاطمہ نے اُسے کہنی مارتے ہوئے آنکھیں نکالیں "بتمیز بعد میں بتاؤں گی تمہیں پہلے بات تو کرنے دو" اُس نے فوراً کال ریسیو کی۔

"ہیلو" فاطمہ نے آہستہ سے کہا۔

"کھڑکی کھولو باہر کھڑا ہوں" دوسری جانب موسیٰ کی خشک اور سرد آواز سنائی دی اور فون بند ہو گیا۔

"موسیٰ یہاں آیا ہے" رئیسہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں میں کھڑکی کھول کر آتی ہوں" فاطمہ جلدی سے بیڈ سے اُٹھی چپل پہنی اور کھڑکی کی طرف دوڑی۔

جیسے ہی اُس نے کھڑکی کھولی موسیٰ نے ایک جست میں اندر چھلانگ لگا دی۔ اگلے ہی لمحے وہ کھڑکی بند کر کے فاطمہ کو بازو سے دبوچ کر دیوار سے لگا گیا۔

"موسیٰ یہ کیا کر رہے ہے" فاطمہ کو اُس کی انگلیوں کا دباؤ اپنی جلد میں محسوس ہوا۔

"یہی تو میں بھی پوچھ رہا ہوں تم کیا کر رہی ہو" موسیٰ کی آنکھیں انگارے برساتی ہوئی اُس کے چہرے کے قریب تھیں۔

"اوہ یہ کیا ڈراما ہے" رئیسہ بوکھلا گئی جواب تک بیڈ پر بیٹھی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

"تم بیچ میں مت بولو دور رہو" موسیٰ کی آواز میں غصہ تو تھا مگر اُس میں ٹھنڈک بھی تھی جیسے وہ اپنے اندر ایک طوفان کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

فاطمہ نے موسیٰ کی آنکھوں میں جھانکا وہ جانتی تھی یہ غصہ کسی چھوٹی بات کا نہیں۔

"میں جو پوچھوں سچ سچ جواب دینا۔ اگر ایک بھی جھوٹ بولا تو میں برداشت نہیں کروں گا" موسیٰ کی سانس فاطمہ کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی۔

فاطمہ کا حلق خشک ہو چکا تھا وہ جھوٹ بولنے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔

"فردان روما کو کہاں لے گیا ہے سچ چاہیے مجھے صرف سچ" موسیٰ کی آنکھوں میں اضطراب جھلک رہا تھا۔

"روما کون اور فردان تو دوستوں کے ساتھ گیا ہے" فاطمہ نے انجان بننے کی اداکاری کی۔

موسیٰ نے اُس کے گال پر سے بال ہٹاتے ہوئے نرمی سے اختیار کی "فاطمہ مجھے پتہ ہے فردان نے سب کچھ تمہیں بتایا ہے میں غصے میں ہوں مگر تم سے نہیں مجھے بتا دو وہ کہاں گئے ہیں"

"مجھے نہیں پتا سچ کہہ رہی ہوں یقین کریں" فاطمہ نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

رئیسہ تپ کر بولی "تم دونوں مجھے کچھ بتاؤ گے کہ چل کیا رہا ہے یہاں"

موسیٰ نے گہری سانس لی بیڈ پر بیٹھ گیا "روما فردان کے ساتھ بھاگ گئی ہے دونوں نے نکاح کر لیا ہے۔ اور تایا جان وہ تو قسم کھا چکے ہیں خون بہانے کی"

رئیسہ سکتے میں تھی۔ فاطمہ نے بھی ایسا ظاہر کیا جیسے وہ کچھ نہیں جانتی۔

"صبح سے ڈھونڈ رہا ہوں پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں" موسیٰ نے بالوں میں ہاتھ پھیر کر فرش پر نظریں گاڑ دیں۔

فاطمہ نے نرمی سے پوچھا "آپ نے کھانا کھایا؟"

"نہیں یار" وہ بے بس لہجے میں بولتے ساتھ اُس کا ہاتھ تھام گیا۔

"سوری میں نے تمہیں hurt کیا۔ بازو میں درد ہو رہا ہے" اُس نے نرمی سے پوچھا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں آپ پریشان تھے it's okay" فاطمہ نے اُس کے بال سنوارتے ہوئے کہا، اُس کی آنکھوں میں تھکن صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"ہمم ہمم میں بھی ادھر ہوں کچھ تو خیال کرو" رئیسہ نے تنگ آکر کہا۔

"تمہیں نظر آرہا ہے میاں بیوی بیٹھے ہیں تمہیں اب تک یہاں سے گیٹ آؤٹ ہو جانا چاہیے تھا" موسیٰ نے چڑ کر کہا۔

"بہت ہی بے شرم ہو تم" رئیسہ نے بیڈ پر تکیہ مارتے ہوئے کہا۔

"موسیٰ آپ فریش ہو جائیں میں کھانا لے آتی ہوں" فاطمہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

موسیٰ نے موبائل جیب سے نکالا ڈریسنگ پر رکھا اور واشروم کی طرف بڑھ گیا۔

موسیٰ ابھی واش روم میں تھا جب اُس کا فون مسلسل بجنے لگا۔ رئیسہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا، پھر خود کو سنبھالتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ موبائل اسکرین پر "تایا جان" لکھا ہوا جگمگا رہا تھا۔ اُس نے ذرا جھجک کے ساتھ کال ریسیو کی۔

"موسیٰ مجھے سب پتہ چل گیا ہے روما کو فردان کے ساتھ کس نے بھگایا ہے اب بس فاطمہ سے پوچھو وہ کہاں گئے ہے۔ اگر نہیں بتایا تو یاد رکھو اُس کے باپ کو تم نے مارا تھا باقی کے خاندان کو میں خود قبر میں اُتاروں گا"

یہ الفاظ رئیسہ کے وجود کو چیرتے چلے گئے۔ ہاتھ لرزنے لگے، سانس سینے میں اٹک گئی، اور موبائل اُسے سنبھالے نہ سنبھلا زور سے فرش پر جا گرا۔

اسی لمحے واش روم سے نکلتے موسیٰ نے دیکھا "تم نے میرا فون نیچے کیوں پھینکا ہے" اُس کی آواز میں اُلجھن تھی۔

رئیسہ کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ پلٹ کر دیکھا، نظریں موسیٰ سے جا ٹکرائیں، اور ایک لمحے میں چیخ نکلی۔

"تم نے فاطمہ کے باپ کو مارا ہے"

موسیٰ جیسے ساکت ہو گیا۔ پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ "تُم کیا بکواس کر رہی ہو میں کیوں ایسا کروں گا" اُس نے فوراً انکار کیا۔

"تایا جان نے خود کہا ہے مت گھماؤ بات مجھے سچ بتاؤ" رئیسہ اُس کا گریبان پکڑ چکی تھی آنکھوں میں آگ تھی اور چہرے پر بے یقینی۔

موسیٰ کے چہرے سے ہوائیاں اُڑ چکی تھیں "وہ بس غلطی سے ہوا میرا ارادہ نہیں تھا" الفاظ حلق میں پھنس گئے۔

"غلطی تم نے اُس لڑکی کی ساری دنیا چھین لی موسیٰ وہ روز روتی ہے پولیس اسٹیشن جا کر فریاد کرتی ہے کہ اُس کے باپ کا کیس شروع کیا جائے اور تم کہتے ہو غلطی تھی" رئیسہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے دل تڑپ اُٹھا۔

"کیا تم اُس سے محبت بھی کرتے ہو یا یہ بھی ایک کھیل ہے" وہ غصے سے چلائی۔

موسیٰ نے گہرا سانس لیا" پہلے وہ دُشمن تھی لیکن جب اُس کے آنسو اور دُعائیں دیکھی تب احساس ہوا اب میں اُس کے بغیر نہیں جی سکتا رئیسہ "

"تمہیں لگتا ہے وہ اپنے باپ کے قاتل کے ساتھ رہے گی" اسی لمحے کمرے میں داخل ہوتی فاطمہ نے رئیسہ کا آخری جملہ سُن لیا۔

سالن سے بھری ٹرے فاطمہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گری آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔ رئیسہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

"کیا کہا تم نے کون ہے میرے بابا کا قاتل کس کے ساتھ نہیں رہ سکتی میں"

فاطمہ کی آواز میں کپکپاہٹ تھی، آنکھوں میں صدمہ۔

موسیٰ فوراً بولا "نہیں نہیں وہ بس شہسوار کی بات ہو رہی تھی۔ تم نے اپنا ہاتھ دیکھو کتنا جل گیا ہے" وہ فوراً اُس کے قریب آیا اُس کے ہاتھ پر نظر ڈالی۔

رئیسہ خاموشی سے سب دیکھ رہی تھی موسیٰ کی آنکھوں کا اشارہ سمجھ گئی خاموش رہو۔

"تم دونوں بیٹھو، میں کھانا لے آتی ہوں" رئیسہ آہستہ سے بولی ٹرے اُٹھائی اور کمرے سے باہر نکل گئی دل پر پتھر رکھ کر۔

فاطمہ موسیٰ کے قریب آئی اُس کے گلے لگ گئی "موسیٰ رئیسہ کچھ کہہ رہی تھی سچ بتائیں میرے بابا کے قاتل کے بارے میں میں کس کے ساتھ نہیں رہ سکتی"

موسیٰ نے بمشکل اُس کی طرف نظریں اُٹھائیں۔ دل چاہ رہا تھا سب کہہ دے لیکن ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہنی بی وہ بس شہسوار کی بات کر رہی تھی تم بیٹھو مجھے اپنا ہاتھ دکھاؤ کتنا جل گیا ہے" اُس نے نرمی سے اُس کے ہاتھ پر پھونک ماری۔

آنکھوں میں پچھتاوا تھا دل میں خوف اور کمرے کی فضا میں ایک خنجر جیسی خاموشی پھیل چکی تھی۔

رات کی تاریکی میں آسمان سیاہ مخمل کی چادر پر بکھرے ستاروں کی مانند جگمگا رہا تھا۔ ہواؤں میں نیم گرمی اور پرانی لکڑی کی مہک گھلی ہوئی تھی۔ صحن کے بیچوں بیچ دو پرانی چارپائیاں بچھی تھیں جن پر فردان اور روما لیٹے خاموشی سے آسمان کو دیکھ رہے تھے۔

مگر نیند اُن دونوں کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

"تم سو کیوں نہیں رہی" فردان نے ایک نظر آسمان پر ڈالی جیسے وہ خود بھی جواب کی تلاش میں ہو۔

روما نے لمبی سانس لی "میں تو پچھلے تین دن سے نہیں سوئی۔ کبھی موت کی دہلیز پر نیند ٹھہرنے نہیں دیتی، اور کبھی آپ کی فکر کہ کہی آپ پکڑے نہ جائے اور آج آج یہ ڈر کہ کہیں ہم دونوں نہ پکڑے جائیں"

فردان نے اُس کی بات سنی مگر اُس کے لفظوں میں چھپی بے بسی کو چھُوا تک نہیں۔ وہ آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"آسمان دیکھو کتنا حسین ہے"

روما نے ہلکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا "آسمان تو حسین ہے پر قسمت نہیں"

پھر وہ آہستگی سے کروٹ بدل کر اُس کا ہاتھ تھام گئی جیسے اُس لمس میں سکون ڈھونڈ رہی ہو۔

"قسمت بنانے والا تو حسین ہے بس اس پر یقین رکھو، میری نئی بیوی"

فردان نے محبت سے اُس کی انگلیاں تھام لیں جن پر چوٹوں کے نشان اب بھی نمایاں تھے۔ اُس کی نرم انگلیاں اُن زخموں پر یوں چلیں جیسے مرہم رکھ رہی ہوں۔

روما کی نظریں اُس کے چہرے پر جم گئیں "آپ نے اپنے گھر والوں کو کچھ بتایا نہیں"

فردان نے نگاہیں چرائیں۔ "فاطمہ کو بتا دیا تھا مجھے یقین ہے اُس نے سب کچھ سنبھال لیا ہو گا"

"فاطمہ" روما کے ماتھے پر بل پڑ گئے "کون فاطمہ"

"ابراہیم چاچو کی بیٹی وہی جس کے بابا کا مڈر ہوا تھا"

روما جیسے یک دم ساکت ہو گئی "ایک منٹ آپ فاطمہ ابراہیم کے کزن ہے وہ جو اینکر ہے"

"ہاں تو اس میں اتنی حیران ہونے والی کیا بات ہے" فردان کو اُس کا انداز عجیب لگا۔

روما فوراً چارپائی سے اُٹھ کر بیٹھ گئی "جس کے بابا کا مڈر ہوا تھا آپ سچ میں اُس کے کزن ہے"

"روما اب میں یہ بات کہاں لکھ کے دوں" فردان نے الجھ کر جواب دیا۔

"پھر آپ نے اُس کے بابا کے قاتل کے خلاف کیس کیوں نہیں کیا" روما اب اُس کے بالکل قریب آ بیٹھی۔

فردان نے ایک سرد سانس بھری۔ "ہمیں شہسوار پر شک تھا اور فاطمہ کو بھی مگر پولیس نے کچھ نہیں کیا"

روما کی آنکھوں میں تلخی ابھر آئی۔ "کیونکہ قاتل شہسوار نہیں تھا اس لیے پولیس نے کچھ نہیں کیا"

فردان کا دل دھک سے رہ گیا۔

"کیا مطلب "اُس کی آواز جیسے کہیں کھو گئی ہو۔

روما نے دھیرے سے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا، اور نظریں اُس کی آنکھوں میں گاڑ دیں "موسیٰ نے قتل کیا ہے فاطمہ کے بابا کا میں نے خود سنا ہے اپنے کانوں سے"

ایک لمحے کے لیے جیسے پوری فضا جم سی گئی۔ تاروں بھرا آسمان ٹھنڈی ہوا سب ماند پڑنے لگی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو وہ وہ کیسے کر سکتا ہے پہلے فاطمہ سے نکاح اور پھر قتل" فردان کی آواز تھرتھرائی۔

"وہ کچھ بھی کر سکتا ہے" روما کی آواز میں تھکن خوف اور سچائی کا زہر ملا ہوا تھا۔

"آپ کو فاطمہ کو بتانا ہو گا تاکہ وہ اُس سے بچ سکے"

روما یہ کہہ کر اُٹھ گئی۔ فجر کی اذانیں دور کہیں مسجدوں سے گونجنے لگیں۔

فردان ساکت بیٹھا رہا جیسے پتھر کا ہو گیا ہو۔ ستارے آہستہ آہستہ ماند پڑنے لگے تھے اور اُس کی آنکھوں کے سامنے اب صرف فاطمہ کا چہرہ تھا۔

اسے کیسے بتائے۔

کہ اُس کی زندگی کا سب سے قریبی انسان اُس کے باپ کا قاتل ہے۔

سورج پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان پر دہک رہا تھا، جیسے اُس کی تپش زمین کی سچائیوں کو ننگا کر دینا چاہتی ہو۔ حویلی کے آنگن میں خاموشی تھی مگر فضا میں ایک انجانی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔

دو دن بعد الیکشن تھے مگر حویلی میں سیاست کی جگہ صرف گمشدگی کا شور تھا۔

فردان اور روما لاپتہ تھے، اور اُن کا نہ ملنا موسیٰ کے لیے صرف ایک ذاتی نقصان نہیں ایک سیاسی خطرہ بھی بن چکا تھا۔

تبھی حویلی کے بھاری گیٹ پر موسیٰ کی گاڑی دھول اُڑاتی داخل ہوئی۔ گاڑی کے دروازے جیسے ہی کھلے موسیٰ تھکے قدموں سے باہر نکلا۔ اُس کے چہرے پر مایوسی آنکھوں میں جلن اور ماتھے پر پسینے کی تہہ تھی۔

ڈرائنگ روم میں بیٹھے یحیٰ صاحب نے اُسے دیکھا تو بے قرار ہو کر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"موسیٰ روما ملی کوئی خبر"

موسیٰ نے گردن جھکائے، بھاری قدموں سے اندر آتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں پوری لاہور چھان مارا ہر کونا ہر گلی ہر ہوٹل دیکھ لیا مگر جیسے زمین نگل گئی ہو"

اُس کے لہجے میں ایک تھکن تھی صرف جسمانی نہیں، بلکہ عزت کے ریزہ ریزہ ہو جانے کی۔

"کس بل میں چھپے ہیں اور اُنہیں بھگایا کس نے"

"مرحا اور اسماعیل" یحیٰ صاحب کے چہرے پر غصے کی سرخی اُبھر آئی۔

"میں نے خود دیکھا ہے اُن دونوں کو ایک ساتھ بار بار آپ کی دوسری بیٹی بھی منہ پر کالک ملنے کو تیار بیٹھی ہے عشق نے اُن کے خون میں زہر گھول دیا ہے"

یہ کہہ کر موسیٰ نے غصے سے ٹیبل پر مکا دے مارا۔ کرسٹل کے گلاس تھر تھرا اُٹھے۔

یحیٰ صاحب کا جبڑا بھنچ گیا۔ اُن کی انگلیاں ایک دوسرے میں الجھنے لگیں جیسے وہ خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"اسماعیل کو ایک بار حویلی آنے دو میں اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کے آگے ڈال دوں گا"

اُن کی آواز میں ایسی سرد خونی وحشت تھی کہ دیواروں تک کو چپ لگ گئی۔

موسیٰ طنزیہ ہنسا "پہلے اپنی بیٹیوں کے ٹکڑے کریں جن کے رگوں میں خون کی جگہ عشق دوڑ رہا ہے" موسیٰ کے لفظوں نے گویا بارود کا کام کیا۔

یہ کہتے ہی وہ پلٹا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اُس کے قدموں کی چاپ جیسے حویلی کی بنیادوں میں ہلچل مچا رہی تھی۔

پیچھے صرف یحیٰ صاحب کھڑے تھے نہایت طاقتور مگر اُس لمحے بے بس۔

دوپہر کا ایک بج چکا تھا۔ سورج کھڑکیوں سے اندر جھانک رہا تھا اور ڈرائنگ روم میں ہلکی سی دھوپ فرش پر بکھری ہوئی تھی۔ کمرے میں موجود سبھی لوگ خاموشی سے بیٹھے تھے مگر خاموشی صرف لبوں پر تھی دلوں میں کہرام برپا تھا۔

سیام کی نظریں بار بار رئیسہ پر جا ٹھہرتیں۔ اُس کے دل میں پچھتاوے کی دھند گہری ہو چکی تھی۔ وہ جانتا تھا اُس نے جو کیا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ رئیسہ کی خاموشی آج اُسے کسی عدالت کے فیصلے کی طرح کاٹ رہی تھی۔

حفصہ بیگم نے آہستگی سے بات چھیڑی اُن کا لہجہ ماں کے سائے جیسا نرم اور مہربان تھا۔

"رئیسہ میں نے سیام کو بہت سمجھایا ہے اب وہ تم سے کبھی جھگڑا نہیں کرے گا۔ بیٹا میں چاہتی ہوں تم واپس ہمارے ساتھ گھر چلو"

رئیسہ کی شخصیت اس لمحے مکمل خامشی کا مجسمہ بنی ہوئی تھی۔ ہلکے پرپل رنگ کے لباس میں وہ جیسے کسی دُھند میں لپٹی ہوئی تھی۔ اُس کے بالوں کا رف جوڑا

نکلتی ہوئی دو لٹیں بکھرے بکھرے سے تاثرات آنکھوں کا ساکت کا جل اور لبوں پر ہلکا پنک گلوز وہ سادھا سے حلیہ بے پناہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

"سیام بیٹا مجھے نہیں معلوم تم دونوں کے درمیان کیا ہوا مگر اگر یوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہوں گے تو کل کو کیا ہو گا تم دونوں اب ایک نئ زندگی کے دہانے پر ہو ایک دوسرے کو سہارا دو، نہ کہ ایک دوسرے کو توڑو" علشبہ بیگم کے لہجے میں نرمی تھی۔

سیام نے نظریں جھکا لیں۔ شرمندگی اُس کے چہرے سے صاف جھلک رہی تھی۔

"جی چچی میں آئندہ خیال رکھوں گا"

اِتنے میں خاموش بیٹھی اماں بی تڑک کر بول پڑیں۔

"ارے لڑکی اگر اُس نے کچھ کہہ بھی دیا تھا تو صبر کر لیتی۔

گھر چھوڑ کر آنے کی کیا ضرورت تھی"

رئیسہ نے اب پہلی بار نظریں اٹھا کر سیام کو دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں شکوہ نہیں سوال تھا۔

"میں تو نہیں گئی تھی تم نے نکالا تھا یہ سب کو کیوں نہیں بتاتے"

سیام نے وہ سوال پڑھ لیا۔ اُس کی پلکیں لرزیں۔

"اماں بی، اُس کی کوئی غلطی نہیں قصور میرا تھا۔ آپ اُسے کچھ نہ کہیں" وہ نرمی سے اماں بی کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے بولا نظریں اب بھی رئیسہ کے چہرے سے جُڑی تھیں۔

"ہٹ جوڑوں کا غلام" اماں بی نے ہنستے ہوئے اُس کے سر پر تھپڑ مارا، جس میں غصے سے زیادہ محبت تھی۔

"جاؤ بیٹا اپنی پیکنگ کرو" امروز صاحب نے رئیسہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

رئیسہ خاموشی سے اُٹھی چادر کو تھوڑا سنبھالا اور دھیمے قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

سیام کی نظریں اُس کے پیچھے لپکیں۔ اُس نے فاطمہ کو دیکھا جو ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے نظروں سے اُسے اشارہ کر رہی تھی کہ جاؤ اُس کے پاس۔

سب لوگ باتوں میں مصروف تھے۔ سیام نے موقع جانا اور آہستہ سے رئیسہ کے پیچھے نکل گیا۔

رئیسہ بیڈ کے کنارے بیٹھی بیگ میں کپڑے تہہ تہہ رکھ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر تھکن بھی تھی اور ایک خاموش ضد بھی۔ وہ سیام کے ساتھ جانے کو

تیار نہیں تھی مگر حفصہ بیگم کے نرم لہجے اور ماں جیسی اپنائیت نے اُسے انکار سے روک دیا تھا۔

بیگ کا زِپ کھینچنے ہی لگی تھی کہ کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا اور سیام اندر آگیا۔

"رئیسہ تم اب بھی ناراض ہو"

سیام بیگ سائیڈ پر کرتے ہوئے اُس کے قریب آیا۔

رئیسہ نے بیگ پھر سے تھام لیا۔

"میں راضی کب ہوئی تھی" اُس کی آواز میں تلخی نہیں تھی بس ایک خفا سا سچ چھپا تھا۔

"رئیسہ میں جانتا ہوں میری غلطی تھی مجھے تمہیں گھر سے نہیں نکالنا چاہیے تھا رئیلی سوری وہ تمہارا پاسٹ تھا یہ بات میں سمجھ گیا ہوں"

سیام آہستگی سے اُسے بیڈ پر بٹھاتے خود زانوؤں کے بل اُس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ آنکھوں میں شرمندگی اور لہجے میں معافی کی گُہار تھی۔

"لیکن تم نے نکالا تھا سیام تم جانتے تھے میرے پاس رہنے کے لیے کوئی اور جگہ نہیں پھر بھی"

رئیسہ نے اپنے ہاتھ اُس کی گرفت سے آزاد کروا لیے دل کی چوٹ آنکھوں تک آچکی تھی۔

سیام نے نرمی سے اُس کے آنسو پونچھے۔

"بس ایک بار پلیز ایک بار معاف کردو ہمارے بچوں کے لیے"

رئیسہ نے نظریں چرائیں،

"بچوں کا نام مت لو" اُس کی آواز لرز گئی۔

"کیوں" سیام حیرت سے بولا۔

"وہ صرف میرے بچے ہیں"

رئیسہ کا لہجہ حکم سا لگا جیسے وہ خود کو سنبھال رہی ہو۔

سیام نے آہستگی سے اُس کے ہاتھ دوبارہ تھام لیے۔

"یہ بچے بھی تمہارے اور اُن کا باپ بھی صرف تمہارا ہے"

"زیادہ فری مت ہو میں ابھی راضی نہیں ہوئی"

رئیسہ اُس کی حرکت پر جھنجھلا کر بولی مگر آنکھوں میں خفگی کم اور نرمی زیادہ تھی۔

سیام نے مسکرا کر اُس کی طرف دیکھا۔

"اب تو مان جاؤ، یار میں مزید گھٹنوں کے بل نہیں بیٹھ سکتا۔ پلیز مان جاؤ میرے ہونے والے بچوں کی ماما"

رئیسہ ہنسی روک نہ پائی مگر فوراً سنبھلی۔

"وعدہ کرو آئندہ کبھی ایسا سلوک نہیں کرو گے نہ غصہ نہ دھتکار نہ گھر سے نکالنا"

"میری مجال اگر دوبارہ ایسی حرکت کی"

سیام اُس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"ایم سوری اگین"

اُس نے دھیرے سے رئیسہ کا گال چوم لیا۔

"میں نے تمہیں بہت مس کیا رئیسہ"

اب وہ اُس کے بالوں پر نرمی سے لب رکھ رہا تھا۔

رئیسہ نے اُس کا ہاتھ تھاما۔

"اچھا بس اب مجھے رولاؤ گے کیا ڈاکٹر نے منع کیا ہے"

"کہیں اس ڈاکٹر کا نام رئیسہ سیام میر تو نہیں" سیام نے شرارتی انداز میں کہا۔

"نام تو یہی ہے تمہیں کوئی پرابلم" رئیسہ نے آنکھیں دکھاتے ہوئے جواب دیا۔

سیام نے اُس کے گرد باہیں پھیلا دیں۔

"مجھے کیا پرابلم رئیسہ عرف شہزادی"

اور کمرے میں اُن دونوں کے قہقہے گونجنے لگے جیسے موسم بدل رہا ہو، جیسے دلوں میں برف پگھل چکی ہو۔

اسماعیل حویلی کے اندر داخل ہوا۔ ڈرائنگ روم میں سامنے بیٹھے یحیٰ صاحب نظر آئے۔

"سر میں نے ہر ممکن جگہ تلاش کیا ہے لیکن روما بی بی کا کہیں سراغ نہیں ملا" اسماعیل نے مؤدبانہ لہجے میں نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

یحیٰ صاحب آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اُس کے قریب آ گئے۔ ان کے چہرے پر ضبط کی ایک کڑی لکیریں تھیں۔

"اس جگہ کیوں تلاش نہیں کیا جہاں چھوڑ کر آئے تھے"

یہ الفاظ گونج بن کر فضا میں پھیل گئے۔ اسماعیل کا رنگ ایک دم سفید پڑ گیا۔ اُس کی ٹانگوں میں لرزش آنے لگی۔

موسیٰ غصے سے اُس کی طرف بڑھا اور ایک زوردار گھونسہ اسماعیل کے گال پر مارا۔

"اگر کسی کو بھگانا ہو، تو کم از کم کیمرے تو بند کر لیتے"

اسماعیل لڑکھڑاتا ہوا زمین پر جا گرا۔

اوپر کمرے میں بستر پر زخموں سے چور مرحا، نیچے سے آتی چیخ سُن کر ہڑبڑا کر اُٹھی۔ اُس کے پیروں میں چپل تک نہ تھی وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیوں پر پہنچی۔

"اسماعیل" وہ کراہتے ہوئے اسماعیل کو دیکھ کر چیخی۔

"لے آئی گئی آپ کی ایک اور عاشق بیٹی" موسیٰ نے طنزیہ قہقہہ لگایا اور دوبارہ اسماعیل کو مکے مارنے لگا۔

"لالہ چھوڑ دیں اُسے میں کہہ رہی ہوں وہ بے قصور ہے" مرحا بدحواسی سے چیخ رہی تھی اُس کے آنسو بے اختیار بہہ رہے تھے۔

موسیٰ نے وحشت سے پلٹ کر اُسے دیکھا۔

"خبردار! اگر ایک قدم بھی اور بڑھایا تو تمہارے عاشق کی ٹانگیں توڑ دوں گا"

اسماعیل کو بالوں سے پکڑ کر پھر زمین پر دے مارا۔

"مت ماریں اُسے میری غلطی ہے میں نے آپی کو بھگایا مجھے ماریں اُس کو مت چھوئیں خبردار جو اُس کو ہاتھ لگایا"

مرحا اُس کے سامنے کھڑی ہو کر ہاتھ جوڑنے لگی۔

"میں اُسے ہاتھ بھی لگاؤں گا اور وقت آنے پر گولی بھی ماروں گا"

موسیٰ نے غرّا کر مرحا کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔

"گارڈز اسے لے جاؤ جب تک سچ نہ اُگل دے، مارو جتنا مار سکتے ہو"

موسیٰ کی آواز گونجی اور محافظ لپک کر اسماعیل کو گھسیٹنے لگے۔

"نہیں ہاتھ مت لگانا میں چھوڑوں گی نہیں تمہیں خدا کا واسطہ ہے چھوڑوں میرے اسماعیل کو مجھے اُس کے پاس جانے دو کیوں مار رہے ہو اُس کو جاہلوں مر جاؤ تم سب چھوڑو اُسے"

مرحا پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔ اُس کے آنسو تھم نہیں رہے تھے آواز روہانسی ہو چکی تھی۔

پھر اچانک ایک زناٹے دار تھپڑ اُس کے چہرے پر پڑا۔

"چٹاخ"

وہ لڑکھڑا کر نیچے گری۔

"شرم آتی ہے تمہیں منحوس لڑکی دفع ہو جاؤ اپنے کمرے میں"

موسیٰ نے اُسے بازو سے جھٹک کر پیچھے پھینکا۔

"اتنی بے غیرتی ایک نوکر کے لیے تڑپ رہی ہو کاش تم دونوں بہنیں پیدا ہوتے مر جاتی"

مرحا زمین پر گری ہچکیاں لے رہی تھی۔ اُس کے بال بکھرے ہوئے آنکھوں میں طوفان تھا۔

یحیٰ صاحب ایک کونے میں کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں خون کی طرح سُرخ ہو چکی تھیں۔

دوپہر ڈھلنے کو تھی۔ سورج کی روشنی اب قدرے مدھم ہو چکی تھی اور کمرے کی کھڑکی سے ہلکی سنہری کرنیں اندر آ کر فرش پر رینگ رہی تھیں۔ کمرے کے وسط میں شہسوار اپنے ہینڈ کیری میں کپڑے رکھ رہا تھا اور دوسری طرف ثمن ہاتھ باندھے ناگواری سے اُسے گھور رہی تھی۔

"مجھے آئے ہوئے دو دن ہوئے اور تم جا رہے ہو"

ثمن کا لہجہ روٹھے بچے جیسا تھا، مگر آنکھوں میں تجسس چھپا ہوا تھا۔

شہسوار نے بنا اُسے دیکھے جواب دیا۔

"اسی لیے جا رہا ہوں کیونکہ تم اپنے گھر واپس نہیں جا رہیں"

"زیادہ فضول بولنے کی ضرورت نہیں"

ثمن غصے سے اُس کے قریب آئی اور اُس کا ہاتھ سائیڈ پر کرتے ہوئے خود کپڑے تہہ کرنے لگی "بتاؤ تو سہی جا کہاں رہے ہو اتنی ایمرجنسی میں"

"لاہور جارہاہوں"

شہسوار نے ایک قمیض اُس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے ہلکے سے کہا۔

"لاہور اب وہاں کیا ہے تمہارا"

ثمن کا ہاتھ رُک گیا۔ نگاہوں میں حیرت اور لہجے میں شکوک تھے۔

شہسوار نے ایک تلخ مگر نرم مسکراہٹ کے ساتھ نظریں جھکالیں۔

"لاہور میں ہی تو سب ہے"

کمرے میں لمحہ بھر کو خاموشی چھاگئی۔

"کیوں خود کو تکلیف دیتے ہو بھول کیوں نہیں جاتے اُسے"

ثمن کا لہجہ اب نرم ہو چکا تھا۔ اُس کی نظروں میں پہلی بار ہمدردی کا عکس آیا۔

"بھولنا آسان تھوڑی ہوتا ہے ثمن میڈم"

شہسوار نے گلا کھنکارا، جیسے ایک پھانس تھی جو نکلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

ثمن نے اُس کے ہینڈ کیری کی زپ بند کی۔

"آخری بار جا رہے ہو"

شہسوار نے بے ساختہ ایک دھیما قہقہہ لگایا۔

"ہاں یہ آخری بار ہی ہے"

"جانے کا مقصد"

ثمن نے بیگ اُس کے ہاتھ میں تھمایا۔

"دیدارِ یار"

شہسوار کے لبوں سے نکلنے والا یہ لفظ کمرے کی فضا میں ٹھہر گیا۔

ثمن نے اُس کے جواب پر گہری نگاہ ڈالی جیسے سب کچھ سمجھ چکی ہو۔

"دعا کروں گی تمہارے لیے"

اُس کا انداز طنزیہ تھا مگر اُس کے اندر ہلکی سی سنجیدگی چھپی تھی۔

"کیا"

شہسوار نے اُسی کے انداز میں پلٹ کر پوچھا۔

"یہی کہ تمہارا یہ لاہور کا آخری سفر ہو"

ثمن نے اُس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی۔

"بد دعا تو نہ دو کم از کم"

شہسوار چڑ کر بولا لیکن ہنسی چہرے سے چھلک پڑی۔

ثمن نے ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھا دیے۔

"اللہ کرے اس بار محبوب مل جائے ورنہ سُنا ہے لاہور بے وفاؤں کا شہر ہے"

شہسوار نے ایک گہرا سانس لیا پھر مسکرا کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"چلو پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے چلتا ہوں اللہ حافظ"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا اور ثمن اُس کے پیچھے چند لمحے خاموش کھڑی رہی جیسے دل میں کوئی سوال باقی رہ گیا ہو۔

رات کا سناٹا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ فردان تیزی سے کمرے سے نکلا اُس کے چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی جیسے کوئی فیصلہ کر لیا ہو جسے اب ٹالا نہیں جا سکتا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ پیچھے سے روما کی آواز نے اُسے روک لیا۔

"فردان اتنی رات کو کہاں جا رہے ہیں آپ"

روما نے چادر اوڑھتے ہوئے فکرمندی سے اُس کی طرف قدم بڑھایا۔ اُس کی آنکھوں میں الجھن تھی اور آواز میں گھبراہٹ۔

فردان پلٹا۔ اُس کی آنکھوں میں غصے اور بے بسی کا امتزاج تھا۔

"مجھے فاطمہ کو کال کرنی ہے روما اُسے سب سچ سب کچھ بتانا ہے"

روما نے بے چینی سے دروازے کی طرف دیکھا پھر فردان کی آنکھوں میں جھانکا۔

"لیکن آپ اُسے بتائیں گے کیسے فون تو"

"پی سی او سے کروں گا"

فردان نے بے صبری سے جواب دیا جیسے اب ایک لمحہ بھی مزید نہیں رُکا جا سکتا۔

اُس کے قدم تیز ہو چکے تھے۔ وہ دروازے کی طرف لپکا۔

روما نے بے اختیار پیچھے ہو کر دروازہ کھولا اور پھر فوراً اُس کے جاتے ہی بند کر دیا جیسے باہر کی ہوا بھی اب خطرہ لگ رہی ہو۔ وہ دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

اندھیرے میں کھڑی روما کی آنکھیں دروازے کی درز سے باہر جھانک رہی تھیں۔

شہر کی گلیاں رات کے سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ سڑک کے کنارے جلتی بجھتی اسٹریٹ لائٹس ہواؤں میں گھلتی نمی اور سڑک پر سنّاٹا ہر چیز کسی طوفان سے پہلے کی خاموشی جیسی لگ رہی تھی۔

فردان تیز قدموں سے چلتا ہوا پی سی او کے کونے والے چھوٹے سے کیبن تک پہنچا۔ اندر زرد بلب کی مدھم روشنی تھی، جو بار بار ہلکی ہو رہی تھی جیسے اُس میں بھی فردان جیسا اضطراب ہو۔

''کون سا نمبر؟'' کیبن میں بیٹھا آدمی جمائی لیتے ہوئے بولا۔

"یہ یہ لگا دیں۔"

فردان نے کپکپاتے ہاتھوں سے ایک کاغذ آگے بڑھایا جس پر فاطمہ کا نمبر درج تھا۔

دوسری طرف بیل جا رہی تھی دل کی دھڑکن جیسے ہر بیل کے ساتھ بڑھ رہی ہو۔

ٹِرررر... ٹِرررر...

بالآخر فون اُٹھا لیا گیا۔

"ہیلو"

فاطمہ کی آواز نیند آلود مگر حیرت بھری تھی۔

"فاطمہ"

فردان کی آواز گلے میں اٹک گئی جیسے حلق خشک ہو گیا ہو۔

"فردان اتنی رات گئے خیریت تم ٹھیک ہو نا"

ایک لمحے کو خاموشی چھاگئی۔ پی سی او کی دیوار پر لٹکی گھڑی کی ٹِک ٹِک اب فردان کے کانوں میں گویا چیخ رہی تھی۔

"فاطمہ میں تمہیں ایک سچ بتانے لگا ہوں تحمل سے سننا میری بات" فردان ارد گرد دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب کیسا سچ"

"چاچو کا قتل وہ موسیٰ نے کروایا تھا"

فون لائن کے اُس پار سناٹا چھا گیا۔

"کیا کیا کہا تم نے"

فاطمہ کی آواز کپکپانے لگی۔

"مجھے روما نے بتایا ہے تم سے بدلہ لینے کے لیے اُس نے یہ سب کیا تھا۔ وہ تمہیں دھوکہ دے رہا ہے فاطمہ" فاطمہ کے ہاتھوں سے فون لرزنے لگا۔

"نہیں... یہ جھوٹ ہے... تم جھوٹ بول رہے ہو..."

"کاش میں جھوٹ بولتا، لیکن یہ سچ ہے۔ میرے چاچو کا خون اُس موسیٰ کے ہاتھوں ہوا اور اب تم بھی اُسی کے سائے میں جی رہی ہو"

فاطمہ کے لبوں سے آہستہ آہستہ سسکیاں نکلنے لگیں۔

"نہیں یہ یہ سچ نہیں ہو سکتا"

"سچ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کڑوا تکلیف دہ مگر انکار سے حقیقت بدلتی نہیں تمہاری آنکھیں کھولنے کے لیے میں نے خود کو خطرے میں ڈالا ہے فاطمہ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے"

دوسری طرف لائن ڈسکنیکٹ ہو گئی۔

شہسوار فلائٹ کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا نیلے آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے کسی خواب کی مانند بہہ رہے تھے، مگر اُس کے دل میں سکون نہیں تھا صرف ایک طوفان تھا جس کا مرکز صرف فاطمہ تھی۔

ڈیرہ غازی خان کی زمیں اُس کے قدموں سے دور ہو چکی تھی اور لاہور قریب آ رہا تھا وہی شہر جس نے پہلے اُسے سیاست دان بنایا اور پھر اُسی شہر نے اُسے عاشق کی خاک میں بدل دیا۔

کیبن کے اسپیکر پر ائیر ہوسٹس کی آواز گونجی۔

"لیڈ نگ ان لاہور ہم آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ اپنی سیٹ بیلٹ باندھ لیں"

شہسوار نے آنکھیں بند کر لیں۔

دل کی دھڑکنیں گویا ہر لمحہ چیخ رہی تھیں۔۔۔۔"کیا وہ ملے گی کیا وہ سنے گی کیا وہ دیکھے گی"

"لاہور"

وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

اُس کی انگلیاں سیٹ کے بازو پر بے اختیار لرزنے لگیں۔ ایک طرف انا دوسری طرف محبت لیکن شہسوار نے محبت کو چن لیا تھا۔

"وہ میری شکل نہیں دیکھے گی جانتا ہوں"

اُس نے آہستہ سے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے خود سے ہمکلامی کی۔

"لیکن اُسے دیکھنا میرے لیے ضروری ہے"

جہاز آہستہ آہستہ زمین کی طرف جھکنے لگا۔

شہسوار کی سانسیں رکنے لگیں۔ بے وفاؤں کے شہر میں ایک بار پھر عاشق نے قدم رکھ دیے تھے۔

فردان کی کال کے بعد وہ کافی دیر تک ساکت بیٹھی رہی۔ موبائل ہاتھ سے کب پھسلا زمین پر کب گرا اُسے ہوش نہیں تھا۔ لیکن سینے میں جیسے کسی نے کوئی برچھی ماردی ہو درد لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتا جارہا تھا۔ اُس نے لرزتے ہاتھوں سے اپنا سینہ رِب کرنا شروع کیا جیسے درد کو ہاتھ سے دبا کر روک لینا چاہتی ہو۔

سانسیں بے قابو ہونے لگیں۔ وہ کھڑی ہوئی چادر کندھوں سے اتار کر پھینک دی اور کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ دل میں ایک ہی خیال گردش کرنے لگا۔

"اگر واقعی... موسیٰ... میرے بابا کا قاتل ہے... تو"

جیسے ہی اُس سوچ نے پورا زور پکڑا اُس کا دل بیٹھنے لگا۔ پاؤں لڑکھڑائے وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گئی۔ اُس کا جسم کانپنے لگا۔ اُسے رئیسہ کی آواز یاد آنے لگی۔

"وہ اپنے باپ کے قاتل کے ساتھ کیوں زندگی گزارے گی"

ایک لمحے کو اُسے محسوس ہوا جیسے پوری دنیا نے اُسے دھوکہ دیا ہو۔ رئیسہ جانتی تھی۔ موسیٰ کو سب پتا تھا۔ اور وہ تو ان سب کے بیچ میں فقط ایک تماشہ بن گئی تھی۔

پھر جیسے اندر کوئی بند دروازہ ٹوٹا ہو اُس کے ضبط کی دیوار گر گئی۔ وہ چیخ اُٹھی۔

" باااااا بااااا۔۔۔ باا بااااااا۔۔۔ آپ کہاں ہے دیکھیں ناں بابا انہوں نے مجھ پر کتنا ظلم کیا"

وہ زور زور سے سینہ کوٹتی دیوار سے سر ٹکراتی فرش پر گر کر بلک بلک کر رونے لگی۔ اُس کے آنسو زمین پر گر رہے تھے دل کا درد کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا

۔

دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔

"فاطمہ میری بچی کیا ہوا ہے ایسے کیوں رو رہی ہو"

علشبہ بیگم ہانپتی کانپتی کمرے میں داخل ہوئیں۔ لیکن جو منظر اُن کے سامنے تھا وہ اُن کے تصور سے بھی زیادہ ہولناک تھا۔ فاطمہ زمین پر بیٹھی دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے آنکھیں خون کی طرح سرخ منہ سے جھاگ اور تھوک نکلتا ہچکیوں میں بولتی جا رہی تھی۔

"ماما... میرے بابا... اُس نے مار دیا اُنہیں... ماما مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا... ماما کچھ کریں..."

علشبہ بیگم کا کلیجہ منہ کو آگیا۔ وہ گھبرا گئیں اُسے تھامنے دوڑیں مگر فاطمہ خود کو جھٹک کر پیچھے ہٹ گئی جیسے کسی اور ہی دنیا میں ہو۔

"ماما سانس۔۔۔ نہیں آرہا میں مر جاؤں گی ماما... مجھے مار دیا ان لوگوں نے"

اُس کی آواز مدھم ہوتی جارہی تھی لیکن اُس کا دکھ اُس کی چیخیں اُس کی بے بسی پورے گھر کو لرزا گئی تھی۔

بیسمینٹ کی فضا میں خون اور پسینے کی ملی جلی بُو رچ بس چکی تھی۔

ہلکی ہلکی زرد روشنی ٹوٹے بلب سے ٹمٹمارہی تھی۔ دیواروں پر نمی سے دھبے تھے اور فرش پر خون کے چھینٹے۔ درمیان میں کرسی پر بندھا اسماعیل ہانپ رہا تھا، اُس کا چہرہ سوجا ہوا تھا ہونٹوں سے خون رس رہا تھا۔ ہاتھوں کی رگیں سوج گئی تھیں مگر اُس کی آنکھوں میں عزم کی چمک باقی تھی۔

پاس ہی دو گارڈز کھڑے تھے ہاتھوں میں ڈنڈے اور بدن پر پسینے کی تہہ۔ ایک گارڈ نے آگے بڑھ کر اسماعیل کے چہرے پر تھپڑ مارا۔

"بول کہاں ہے رومابی بی"

اسماعیل نے ہونٹ بھینچ لیے جیسے اپنی سانسیں تک قید کر رکھی ہوں۔

دروازے کی چرچراہٹ ہوئی اور موسیٰ اندر داخل ہوا۔ اُس کے قدموں کی چاپ میں ایک بے رحم حاکم کی گونج تھی۔

"کچھ بولا کہ نہیں" اُس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

گارڈ نے آگے ہو کر کہا "نہیں سر یہ چپ ہے پتھر کی طرح"

موسیٰ کا چہرہ تن گیا۔ اُس نے ایک بار اسماعیل کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں نفرت بھری چپ تھی۔

"مارو جب تک بولتا نہیں ہڈیاں توڑ دو اِس کی"

یہ کہہ کر موسیٰ مڑا اور بیسمنٹ سے باہر نکل گیا۔ پیچھے گونجتی آواز تھی — ڈنڈے کی ضرب اور اسماعیل کی دبی ہوئی سسکیاں۔

اوپر حویلی میں سورج کی پہلی روشنی در و دیوار پر پڑ رہی تھی۔ موسیٰ جیسے ہی لابی کراس کرتا ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا اُس کا فون بج اُٹھا۔ سکرین پر "فاطمہ بیگم" کا نام چمک رہا تھا۔

موسیٰ چونکا۔ اب تک فاطمہ نے اُسے کبھی صبح سویرے فون نہیں کیا تھا۔

"آج صبح صبح بیوی کی کال خیریت تو ہے" وہ بولا اور کال ریسیو کی۔

دوسری طرف سے آواز آئی لیکن وہ فاطمہ کی usual confident tone نہیں تھی وہ ٹوٹی ہوئی رندھی ہوئی اور اندر سے زخمی لگ رہی تھی۔

"مجھے آپ سے ابھی ملنا ہے فوراً"

موسیٰ نے حیران ہوا۔

"فاطمہ سب ٹھیک ہے تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے"

اُسے لگا جیسے وہ رو رہی ہے یا رو چکی ہے۔ سانسیں بھاری تھیں۔

"اب سب ٹھیک ہو جائے گا میں لوکیشن بھیج رہی ہوں وہاں آجائیں"

فون کٹ چکا تھا۔

موسیٰ کے چہرے پر تفکر کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اُس نے فون کی سکرین پر نظریں جما دیں۔ دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو گئی۔

"یہ کیسا لہجہ تھا اُس کا وہ ایسے تو کبھی نہیں بولتی کیا ہو گیا ہے اسے"

وہ وہیں کھڑا رہ گیا جیسے لمحہ بھر کے لیے زمین اُس کے قدموں سے کھسک گئی ہو۔

فاطمہ نے جیسے ہی موسیٰ کو کال کر کے فون بند کیا اُس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں مگر اندر کا طوفان تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں اُترتے ہوئے نیچے آئی۔ علشبہ بیگم ناشتے کے ٹیبل پر اُس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اُن کے چہرے پر فکر کی لکیریں واضح تھیں۔

"فاطمہ بیٹا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی کہاں جا رہی ہو" علشبہ بیگم نے کرسی سے اُٹھتے ہوئے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

فاطمہ نے ایک نظر اُن کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک ایسا درد تھا جو لفظوں سے باہر نہیں نکلتا صرف محسوس کیا جا سکتا تھا۔

"ماما مجھے رئیسہ سے ملنا ہے ابھی آجاؤں گی" وہ بس اتنا کہہ کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

علشبہ بیگم حیرت سے اُس کے پیچھے دیکھتی رہ گئیں۔ اُنہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ فاطمہ کو کیا ہوا ہے یہ کیسا درد ہے جو اُس کی سانسوں میں اُترا جا رہا ہے۔

فاطمہ کا دل بکھرا ہوا تھا۔ جیسے اُس کی چھاتی میں خون کی جگہ شیشے بھر دیے گئے ہوں ہر قدم پر درد چھن چھن کر باہر آ رہا تھا۔ وہ سڑک پر چلتی جا رہی تھی۔ کپڑے بکھرے آنکھیں سرخ چہرہ زرد۔ اُسے خود کا ہوش نہ تھا جیسے وقت اور جگہ کی پہچان کھو بیٹھی ہو۔

"ارے فاطمہ تم ٹھیک ہو کیا ہوا ہے" ایک محلے کی خاتون اُس کو اس حال میں دیکھ کر لپکیں۔

فاطمہ نے اُن کی طرف دیکھا لب ہلے آواز نکلی "ٹھیک ہوں... اور ڈھیٹ بھی" بس اتنا کہہ کر وہ تیز قدموں سے تایا کے گھر داخل ہو گئی۔

دروازے کی آواز پر رئیسہ جو لاونج میں صوفے پر بیٹھی موبائل پر کچھ دیکھ رہی تھی چونک گئی۔ اُس نے جیسے ہی فاطمہ کو دیکھا گھبرا کر اُس کی طرف بڑھی۔

"فاطمہ تم سب خیریت ہے" رئیسہ کی آواز میں پریشانی تھی۔

فاطمہ کے قدم رک گئے اُس نے جھٹکے سے رئیسہ کا بازو پکڑ لیا۔

"تم نے دھوکہ کیوں دیا مجھے" اُس کی آواز میں صرف غصہ نہیں زخمی ہونے کی تپش بھی تھی۔

رئیسہ ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی "فاطمہ کیا ہوا ہے تم ٹھیک نہیں لگ رہیں"

"ٹھیک رہنے دیا ہے تم لوگوں نے تم لوگ کون ہوتے ہو میری قسمت کا فیصلہ کرنے والے کیا کیا میں نے کیا غلطی کی تھی کیوں میرے ساتھ ایسا کیا" وہ چیخ رہی تھی آنکھوں سے آنسو جاری تھے مگر لبوں سے نکلنے والی ہر بات سچائی سے بھری تھی۔

رئیسہ اُس کے ہاتھ پکڑنے لگی "فاطمہ کچھ تو بتاؤ بات کیا ہے"

فاطمہ کی آواز ٹوٹنے لگی "موسیٰ... وہ قاتل ہے میرے بابا کا۔ تم جانتی تھیں تم جانتی تھیں سب کچھ پھر بھی چھپایا۔ میرے شوہر نے مارا میرے بابا کو کیوں چھپایا رئیسہ کیوں کیا یہ سب"

یہ کہتے کہتے وہ دھڑام سے زمین پر بیٹھ گئی اور روتے روتے اپنے بازو سینے پر مارنے لگی۔

رئیسہ کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اُس کی سانس جیسے تھم گئی ہو۔ سچائی جب کسی اور کی زبان سے سنی جاتی ہے تو اپنا جھوٹ زمین میں دفن ہوتا صاف نظر آتا ہے۔

"میں کبھی معاف نہیں کروں گی تمہیں رئیسہ کبھی نہیں" فاطمہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جیسے برسوں کا بوجھ آج دل سے نکل کر آنکھوں کے راستے بہہ رہا ہو۔

فردان مسلسل کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ دیوار پر لگی گھڑی کی ٹِک ٹِک اُسے چبھنے لگی تھی۔ کمرے کی فضا جیسے اُس کے دل کی بے چینی سے بھر گئی ہو۔ کھڑکی کے شیشے سے باہر دھندلا سا آسمان نظر آرہا تھا لیکن اُس کے اندر کا موسم کہیں زیادہ دھند آلود تھا۔

"فردان ہم واپس چلے جائیں گے بس ایک بار الیکشن شروع ہو جائیں بابا اور موسیٰ مصروف ہو جائیں گے"

روما کی آواز میں تسلی تھی مگر اُس کی آنکھوں میں خود بے بسی چھپی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ فردان گھٹن میں ہے مگر مسئلے کا کوئی آسان حل موجود نہ تھا۔

"بس دعا کرو یہ سب جلدی شروع ہو کیونکہ مجھے واپس جانا ہے روما ہر حال میں"

فردان کے لہجے میں جیسے دھواں بھرا ہو۔ سانس لینا بھی بوجھ بن چکا تھا جیسے دیواریں اُس پر تنگ ہوتی جا رہی ہوں۔

"ہم چلے جائیں گے پلیز آپ ٹینشن مت لیں میں پانی لے کر آتی ہوں"

رومانے نرمی سے کہا اور دبے قدموں کچن کی طرف بڑھ گئی۔ اُس کا دوپٹہ پیچھے سے لڑکھڑایا اور اُس کے قدموں میں اضطراب چھپا ہوا تھا۔

فردان تھکے ہوئے قدموں سے صوفے پر بیٹھا اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے ایک لمحے کے لیے خود کو اس دنیا سے کاٹ دینا چاہتا ہو۔ کمرے کی خاموشی گونجنے لگی اور اُس کے دل کی دھڑکنیں اُسے ہی سنائی دینے لگیں۔

وہ صرف واپس جانا چاہتا تھا لاہور جہاں اُس کا سکون دفن تھا۔

موسیٰ تیار تو میٹنگ کے لیے ہو رہا تھا، مگر فاطمہ کی کال نے جیسے اُس کے اندر ایک طوفان برپا کر دیا۔ اُس کی آنکھوں میں پریشانی کے بادل چھا گئے تھے اور قدم جیسے خود بخود حویلی کے دروازے کی طرف اُٹھنے لگے۔

"تم کہاں جا رہے ہو"

یحیٰ صاحب نے اُسے حویلی سے باہر نکلتے دیکھ کر گہری نظر سے پوچھا۔ اُن کی آواز میں وہی جانا پہچانا دبدبہ تھا جس نے ہمیشہ موسیٰ کو ٹھٹکنے پر مجبور کیا تھا۔

"کسی سے ملنے جانا ہے"

موسیٰ نے نظریں چراتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

"کس سے ملنے"

اب کی بار لہجہ سخت ہو گیا۔

"فاطمہ نے بلایا ہے"

موسیٰ نے سچ بول دیا۔ سچ جو خود اُسے بھی الجھا رہا تھا۔

یحیٰ صاحب کے چہرے پر حیرت کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ "روما کا کچھ بتانے کے لیے بلایا ہے تو میں بھی چلوں گا"

"نہیں اُس نے ہوٹل میں بلایا ہے اور اُسے روما کا کوئی علم نہیں"

موسیٰ نے صاف گوئی سے کام لیا۔ یوں جیسے وہ اب کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا۔

"ہوٹل وہاں کیوں"

یحیٰ صاحب کا ماتھا تیوریوں سے بھر گیا۔

"پتا نہیں مجھے خود بھی سمجھ نہیں آ رہی"

موسیٰ کے لہجے میں الجھن اور غیر یقینی کی پرچھائیاں تھیں۔

"موسیٰ پرسوں الیکشن ہے اور تمہاری ایک غلطی میری پوری ساکھ کو زمین بوس کر سکتی ہے"

یحیٰ خان اب صوفے پر بیٹھتے ہوئے ہاتھ میں تسبیح لیے تنبیہی لہجے میں بولے۔

ان کا چہرہ سختی سے بھرا ہوا تھا۔

موسیٰ نے ایک لمحے کو گہری سانس لی۔ "جان سے مار دوگا اگر ایسی ویسی کوئی حرکت کی اُس نے"

یحیٰ خان نے بس ایک نظر اُسے دیکھا، اور پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ چادر درست کرتے ہوئے کہا۔

"جاؤ دیکھتے ہیں اب تمہاری یہ دشمن بیوی کون سا کھیل کھیل رہی ہے"

موسیٰ نے کوئی جواب نہ دیا وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دل میں عجیب سا شور مچا ہوا تھا جیسے وقت سے پہلے کچھ ہونے والا ہو۔

دوسری طرف لاہور ایئرپورٹ کی راہداریوں میں شہسوار وقار سے کھڑا تھا۔ اُس کی شخصیت ہمیشہ کی طرح توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ سیاست کا چمکتا ہوا نام آج خاموش کھڑا تھا۔

وہ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔

آخر کار اُس نے موبائل نکالا اور جمال کو کال کی۔

"جمال کہاں ہو میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں"

"سر میں بس پہنچ گیا ہوں۔ پارکنگ ایریا میں آجائیں"

جمال نے جواب دیا اور فوراً کال کاٹ دی۔

شہسوار نے بیگ کندھے پر رکھا اور پرسکون انداز میں ویٹنگ ایریا سے نکل گیا۔ جیسے ہی اُس نے مرکزی دروازے کی طرف قدم بڑھائے اچانک موبائل کی بیل بج اُٹھی۔

"ہیلو کون"

اُس کی آواز سنجیدہ تھی مگر اگلے لمحے جو آواز اُس کے کان میں پڑی اُس نے زمین کھینچ لی اُس کے قدموں تلے۔

"ایک ہوٹل کا نام بتا رہا ہوں وہاں موسیٰ فاطمہ کو قتل کرنے والا ہے۔ اگر بچا سکتے ہو تو بچا لو"

رابطہ منقطع ہو گیا۔

شہسوار وہیں کے وہیں رُک گیا۔ ساری فضا جیسے ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گئی۔ آس پاس کی آوازیں روشنی لوگ۔ سب کچھ ایک دھند میں بدل گیا۔ دل کی دھڑکنیں سینہ چیر کر باہر آنے کو بے تاب تھیں۔

"سر آپ ٹھیک ہیں چلیے ہمیں دیر ہو رہی ہے"

جمال نے آکر نرمی سے آواز دی مگر شہسوار جیسے پتھر کا بُت بن گیا تھا۔ اُس کو لگا وہ بول نہیں پائے گا۔ اُس کی ٹانگیں شل ہو گئی۔ وہ قدم آگے بڑھانا چاہتا تھا لیکن چل نہیں پا رہا تھا۔

"موسیٰ فاطمہ کو مارنے والا ہے جمال" بمشکل بولا۔

یہ کہتے ہی وہ ایک دم گاڑی کی طرف لپکا۔

رکشے کی گرد آلود کھڑکی سے باہر کا منظر فاطمہ کی آنکھوں میں دھندلا رہا تھا، جیسے وقت نے بھی اُس کے اندر کی ویرانی کو محسوس کر لیا ہو۔ رکشہ ہوٹل کے گیٹ پر رکا، اور وہ آہستہ سے اُتری۔ چہرے پر چادر سلیقے سے لی ہوئی تھی مگر آنکھوں میں وہ سلیقہ باقی نہیں رہا تھا۔

اُس کے ہاتھ میں کمرہ ۱۰۸ کی چابی تھی، جو اُس نے پہلے ہی بُک کروالیا تھا۔ جیسے کوئی بہت بڑا فیصلہ پہلے سے طے کر کے آئی ہو۔ ہوٹل کا استقبالیہ سیڑھیاں، اور لمبا سارا ہداری سب اُس کے قدموں تلے جیسے سست روی سے بہہ رہے تھے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس نے دروازہ بند کیا اور دیوار سے ٹک کر کھڑی ہو گئی۔ سانسیں بوجھ بننے لگی تھیں۔

اُس کا ذہن رئیسہ کی باتوں میں الجھا تھا وہ ملاقات اُس کی زندگی کا ایسا دھچکا تھی جس نے اندر تک جھنجھوڑ دیا تھا۔

تین زندگیاں بدلنی تھیں۔

مگر ادھورا کون رہتا ہے؟

وہ خود؟ موسیٰ؟ یا... شہسوار؟

کمرے کی خاموشی میں صرف دل کی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ بیڈ پر بیٹھ گئی ہاتھوں کی پوریں کانپ رہی تھیں۔ اُس کا وجود اب محض ایک خالی ڈھانچہ لگ رہا تھا جذبوں سے گرا ہوا۔

شہسوار...

دوسری طرف شہسوار گاڑی کی اسٹیئرنگ پر جھکا اندھا دھند رفتار سے ہوٹل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ گاڑی کے شیشے سے باہر کے مناظر دھندلا کر رہ گئے تھے۔ ٹریفک کے ہارن سڑکوں کی رونق لائٹس کی چمک سب اُس کے لیے غیر متعلق ہو چکی تھیں۔

"فاطمہ"

اُس کے لبوں سے بس یہی ایک نام بے اختیار نکل رہا تھا۔

ڈر، بے بسی غصہ سب اُس کے چہرے پر ایک ساتھ لپک رہے تھے۔

"ہر لمحہ ایک صدی لگ رہا تھا۔ ایک پل کی تاخیر سب کچھ ختم کر سکتی تھی۔

جبکہ موسیٰ...

وہ اب بھی لاعلم تھا کہ اُس کی زندگی کا رُخ کسی ایسی سمت مڑنے والا ہے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اُس کے قدم ہوٹل کی طرف بڑھ رہے تھے مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ دروازے کے اُس پار کیا تقدیر اُس کا انتظار کر رہی ہے۔

پندرہ منٹ بعد...

ہوٹل کی بیرونی روشنیاں جیسے شہسوار کی آنکھوں میں چبھنے لگیں۔ اُس نے گاڑی رُکتے ہی دروازہ کھولا اور اندھادھند اندر کی طرف دوڑا۔ دل سانسوں سے آگے بھاگ رہا تھا۔ ہر لمحہ قیامت بن چکا تھا۔

وہ لابی میں کسی دیوانے کی طرح کاؤنٹر کے پاس پہنچا— "کمرہ 108؟" استقبالیہ پر موجود لڑکا اُس کے چہرے کی گھبراہٹ دیکھ کر کچھ بول نہ سکا، بس اشارہ کر دیا۔ شہسوار لفٹ کی بجائے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ قدم تیز سانس بوجھل۔

کمرہ 108 کے اندر...

موسیٰ، جس کا چہرہ ماسک سے ڈھکا ہوا تھا، دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اُس نے آتے ہی ماسک اُتارا— اور جیسے ہی اُس کی نظر فاطمہ پر پڑی لمحہ وہیں رک گیا۔

وہ بیڈ کے کنارے بیٹھی کانپ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے اور لبوں پر لرزش۔ وہ بیمار لگ رہی تھی۔

بیمار تو تھی مگر جسم کی نہیں دل کی روح کی وجود کی۔

"فاطمہ تم ٹھیک ہو کیا ہوا اتنی ایمرجینسی میں بلایا"

موسیٰ بے تابی سے زانوں کے بل بیٹھ گیا اور اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

فاطمہ نے سر اُٹھایا۔ آنکھوں میں آنسو نہیں صرف ایک سوال تھا۔

"کیوں کیا میرے ساتھ ایسا"

آواز نرم... بے حد نرم... جیسے پت جھڑ میں گرنے والا آخری پتا۔

"فاطمہ کیا ہوا مجھے بتاؤ"

موسیٰ نے اُس کے چہرے پر بکھرے بال سمیٹتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"میرے بابا کو تم نے کیوں مارا موسیٰ"

اچانک فاطمہ نے اُس کے سینے پر ہاتھ مار کر اُسے پیچھے دھکیل دیا۔ آواز میں بجلی سی تھی۔

"کیوں مارا تم نے میرے باپ کو کیوں مارا"

وہ چیخ رہی تھی اتنی شدت سے کہ کمرے کی دیواریں بھی جیسے لرز اٹھیں۔ اُن کی ہنسی سنائی دی جیسے سچائی سے لطف اندوز ہو رہی ہوں۔

"فاطمہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے میں میں سب بتاتا ہوں"

"غلط فہمی مجھے ہوئی تم نے میرے باپ کو قبر میں اُتارا اور کہتے ہو غلط فہمی"

فاطمہ اُس کے سینے پر تھپڑ مارتی گئی اُس کا جسم لرز رہا تھا۔

"میں نے نہیں مارا"

"کیوں قتل کیا کیوں مارا میرے باپ کو"

"بس ایک بار سن لو میری بات"

"کیوں مارا کیوں مارا میرے بابا کو موسیٰ"

یہ جملہ فاطمہ کے لبوں پر ایسا چپک گیا تھا کہ جیسے وہ صدیوں سے یہی پوچھ رہی ہو۔ موسیٰ کو لگا اُسے چُپ کرانا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔

آخر وہ پھٹ پڑا۔

"ہاں! کیا قتل میں نے ہی کیا لیکن وہ سب انجانے میں ہوا"

خاموشی چھا گئی۔

موسیٰ کے لبوں سے نکلا ہر لفظ تیز دھار خنجر بن کر فاطمہ کے دل میں اُتر رہا تھا۔

فاطمہ کی سانسیں رُک گئیں۔ وہ دھیرے سے زمین پر بیٹھ گئی۔

"تم نے میرے باپ کا قتل کیا اور کہتے ہو انجانے میں"

وہ اپنا سر گھٹنوں میں چھپا گئی۔ اُس کی سسکیاں خاموش تھیں لیکن چیخوں سے بلند۔

اچانک دروازہ کھلا...

شہسوار اندر آیا فاطمہ کو زندہ دیکھ کر اُس نے سکھ کا سانس لیا۔

مگر اگلے ہی لمحے اُس کی آنکھیں موسیٰ پر پڑیں۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو" موسیٰ اُس کی طرف لپکا۔

"یہ سوال تو مجھے تم سے کرنا چاہیے تم اُس کے ساتھ یہاں کیا کر رہے ہو"

شہسوار نے اُس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔

"بیوی ہے وہ میری جہاں چاہے ملیں ہم تمہیں تکلیف"

موسیٰ نے جھٹکے سے اپنا گریبان آزاد کروالیا۔

شہسوار نے نظریں گھمائیں فاطمہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی تھی رو رہی تھی ہوش و حواس سے باہر۔

"تم نے اُس کو کیا کہا وہ کیوں رو رہی ہے"

اگلے ہی لمحے شہسوار کا مکا موسیٰ کے چہرے پر پڑا۔

دونوں ایک دوسرے سے بھڑ گئے۔

جس عورت کے لیے لڑ رہے تھے وہ خود ٹوٹ کر بکھری ہوئی تھی۔

"چھوڑ دو اُسے "

فاطمہ کپکپاتی ہوئی اُٹھی شہسوار کے قریب آئی۔

"فاطمہ میری بات"

"سنائی نہیں دیا چھوڑ و اُسے دفع ہو جاؤ یہاں سے "

وہ چیخی اور شہسوار کو دھکا دیا۔

پھر وہ پلٹی موسیٰ کی طرف۔

"طلاق دو مجھے "

اُس نے اُس کا کالر پکڑا۔

"بیٹھ کر بات کرتے ہیں ایک بار"

"مجھے طلاق دو موسیٰ آزاد کرو مجھے اپنے نام سے"

فاطمہ پیچھے ہٹ رہی تھی ہر لفظ اُس کی چیخ سے بھرا ہوا تھا۔

"فاطمہ یہ ظلم مت کرو میں مر جاؤں گا بس ایک بار سُن لو"

موسیٰ اُس کے قریب بڑھا۔

"طلاق دو! مجھے طلاق دو خدا کا واسطہ میں اپنے باپ کے قاتل کے ساتھ میں نہیں رہ سکتی"

وہ رو رہی تھی کانپ رہی تھی اور شہسوار خاموشی سے اُس کے آنسو دیکھ رہا تھا۔

"یہ تمہارا دوست ہے نا؟ اسی نے سب بتایا تھا اِسے بولو بولو مجھے طلاق دے تم کہو گے تو یہ مان جائے گا بولو اُسے مجھے چھوڑ دے پلیز تم کہو نا"

فاطمہ شہسوار کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

شہسوار کو لگا اُس کا دل چیر دیا گیا ہے۔

"موسیٰ اُس پر ظلم مت کرو چھوڑ دو اُسے اُس کی حالت دیکھوں"

شہسوار کی آواز میں عاجزی تھی۔

"بکواس بند کرو بیوی ہے میری میں کیسے چھوڑ دوں اُسے میں اُس کے بغیر نہیں نہیں رہ سکتا"

موسیٰ بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"دیکھو میں تمہارے پاؤں پکڑتی ہوں پلیز چھوڑ دو دیکھو میں نے پکڑ لیے تمہارے پیر میں ہار گئی تمہارے آگے۔ کہوں تو پاؤں پکڑ کر بیٹھی رہو گی بس آزاد کر دو مجھے"

فاطمہ واقعی اُس کے قدموں میں گر گئی۔

موسیٰ کو لگا دل بند ہو جائے گا۔

"مت کرو یہ فاطمہ میں مر جاؤں گا مر جاؤں گا تمہارے بغیر میں"

وہ اُسے سینے سے لگا چکا تھا۔

"تمہیں خدا کا واسطہ مجھے طلاق دے دو تمہیں تمہاری محبت کا واسطہ"

فاطمہ کی آواز ہچکیوں سے رُک رُک کر نکل رہی تھی۔

"سچ میں چھوڑ دوں" موسیٰ نے آخری امید سے پوچھا۔

"خدا کا واسطہ چھوڑ دو پلیز میں بہت دور چلی جاؤں گی تم سے موسیٰ پلیز مجھے چھوڑ دو
"

فاطمہ کا فیصلہ اٹل تھا۔

"میں مر جاؤں گا یار تمہارے بغیر یہ چھ مہینے تمہارے ساتھ گزارے تمہاری عادت ہو گئی ہے۔ میرے ساتھ یہ ظلم مت کرو میں ظالم ہوں تم مت بنو۔ میں جیل چلا جاؤں لیکن یہ مت کرو"

موسیٰ اُس کے قریب گیا۔

"میں ایسا کیا کہوں جو تم مجھے چھوڑ دو پلیز میں نہیں رہ سکتی تمہارے ساتھ مجھ پر رحم کھاؤ اتنے بے رحم مت بنو تمہیں خدا کا واسطہ" فاطمہ اُس کے اُگے ہاتھ جوڑ گئی۔

"میں نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر مر جاؤ گا" موسیٰ نے آخری کوشش کی۔

"اور اگر میں تمہارے ساتھ رہی تو میں مر جاؤ گی فیصلہ تمہارا"

موسیٰ نے اُس کی آنکھوں میں ایک آخری نظر ڈالی اور فیصلہ کر لیا۔

"میں موسیٰ شیر خان اپنے پورے ہوش و حواس میں فاطمہ ابراہیم کو طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں"

موسیٰ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ فاطمہ نے خدا کا واسطہ دیا اور موسیٰ نے چھوڑ دیا۔

محبوب آزاد ہو گیا۔

اور موسیٰ ٹوٹ گیا۔

شہسوار دروازے کے قریب کھڑا دونوں کو دیکھ رہا تھا مگر اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا سہارا کسے دے؟

شہسوار، فاطمہ کے سامنے خاموش کھڑا تھا۔ موسیٰ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ کمرے میں رونے سسکیوں اور خاموش چیخوں کی گونج تھی۔

مگر اس خاموشی کو توڑنے والی آواز اچانک دروازے کے باہر سے آئی——

"یہی کمرہ ہے کمرہ 108"

کسی نے چیخ کر کہا۔

پھر اچانک میڈیا کے کیمرے رپورٹرز کی مائکس فلیشز آوازیں سب چیخیں ایک ساتھ اندر گونجیں——

"فاطمہ ابراہیم یہاں ہیں"

"شہسوار ملک سابق وزیرِ اعظم"

"کیا یہ محبت ہے یا کوئی اسکینڈل"

دروازہ ٹوٹ کر کھلا —— کمرہ اب میدان جنگ بن چکا تھا۔

کیمرے مسلسل فاطمہ اور شہسوار پر زوم کر رہے تھے

اور موسیٰ؟ وہ غائب ہو چکا تھا۔ "یحیٰ خان نے کے گارڈز کسی کی نظروں میں لائے بغیر اُس کو کو باہر لے گئے۔

یحیٰ صاحب کی سازش نے موسیٰ کو محفوظ کر لیا۔

فاطمہ جو ابھی تک صدمے میں تھی یکایک اُس کا جسم لڑکھڑایا وہ پیچھے کو گری ہوش و حواس کھو گئی۔

"فاطمہ"

شہسوار فوراً جھک کر اُسے تھاما۔ اُس کے ہاتھوں میں وہ لڑکی تھی جو ابھی ابھی اپنی زندگی سے آزاد ہوئی تھی لیکن جسمانی طور پر ٹوٹ چکی تھی۔

شہسوار نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اُسے گود میں اٹھایا۔

ساری نظریں سارے کیمرے اُس پر جُمع ہو گئے۔

اُس کے سینے سے لگی بے ہوش فاطمہ اور اُس کی آنکھوں میں اُٹھتا خوف ——یہ تصویر اسکرین پر قید ہو گئی۔

Breaking News__

شہسوار ملک، سابق صوبائی وزیر اعظم اور فاطمہ ابراہیم معروف سوشل ایکٹیوسٹ ایک ہوٹل کے کمرے میں

فلیشز تھم نہیں رہے تھے۔

شہسوار نے گہری سانس لی نظریں نیچی کیں اور وہ فاطمہ کو گود میں اُٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

رپورٹرز پیچھے پیچھے آوازیں بلند۔

"شہسوار صاحب کیا یہ نیا اسکینڈل ہے"

"فاطمہ کو ہوش کیوں نہیں"

"کیا آپ دونوں کے درمیان رشتہ ہے"

مگر شہسوار چُپ رہا۔

بس قدم تیز کیے۔ وہ کسی کو جواب نہیں دینا چاہتا تھا —— اُس کے ہاتھوں میں ایک زندگی کی عزت تھی۔

باہر کیمرے کی فوج پہلے ہی تیار تھی۔

ٹی وی چینلز پر اس وقت کی سب سے بڑی خبر یہی تھی۔

"شہسوار ملک فاطمہ ابراہیم کے ساتھ کمرے میں موجود تعلق کی نوعیت مشکوک"

ویڈیوز تصویریں سلوموشن کلپس ہر اسکرین پر چل رہی تھیں۔

"یہ دیکھیے شہسوار ملک فاطمہ کو گود میں اٹھائے باہر نکل رہے ہیں"

سوشل میڈیا پر طوفان آگیا تھا۔

#فاطمہ_شہسوار_اسکینڈل

شہسوار نے ہوٹل سے نکلتے ہی کسی صحافی کی پروانہ کی۔ اُس کی گاڑی پہلے سے باہر کھڑی تھی جمال نے دروازہ کھولا۔ شہسوار نے فاطمہ کو پچھلی سیٹ پر آرام سے لٹایا۔

"جمال فاطمہ کے گھر کی طرف چلو فوراً"

"لیکن سر یہ سب میڈیا"

"چپ رہو بس گاڑی بھگاؤ"

شہسوار کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے — مگر اُنہیں گرنے کی اجازت نہ تھی۔

ZNZ
Zubi Novels Zone

دور کہیں ایک ٹی وی اسکرین پر وہی ویڈیو بار بار چل رہی تھی —

شہسوار ملک فاطمہ کو اٹھا کر لے جا رہا ہے۔

اور دوسری طرف موسیٰ ایک خالی گلی میں بیٹھا تھا

چہرے پر شکست۔

دل میں ماتم۔

گو اور کمرے میں وہی جملہ۔

"میں موسیٰ شیر خان فاطمہ ابراہیم کو طلاق دیتا ہوں"

رئیسہ بار بار اپنے دل پر ہاتھ رکھتی جیسے کچھ اندر سے ٹوٹ رہا ہو۔ چہرہ زرد آنکھوں میں الجھن سانس بے ترتیب۔

"رئیسہ کیا ہوا کوئی پریشانی ہے"

سیام نے کام میں مصروف ہونے کے باوجود رئیسہ کے چہرے کا رنگ بدلا دیکھا تو فوراً لیپ ٹاپ بند کر کے اُس کے پاس آیا۔

"میرا دل گھبرا رہا ہے سیام"

رئیسہ کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اُس کی آواز میں انجانا خوف چھپا تھا۔ وہ اپنے سینے کو مسلتے ہوئے جیسے خود کو تسلی دینے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ کمرے کی دیواریں جیسے اُس پر تنگ ہو رہی ہے۔ رئیسہ کو بس فاطمہ کی فکر ہو رہی تھی۔

"رئیسہ میری طرف دیکھو"

سیام نے نرمی سے اُس کا چہرہ تھاما اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"یہ پریگنینسی کی شروعات ہے اس لیے ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ تم بیٹھو میں پانی لے کر آتا ہوں"

وہ اُس کے ہاتھوں کو تھپتھپاتے ہوئے کچن کی طرف مڑا ہی تھا کہ اچانک امروز صاحب کی آواز گونجی۔

"سیام بات سنو فوراً آؤ"

امروز صاحب کی آواز میں غیر معمولی لرزش تھی۔ وہ ٹی وی کے سامنے کھڑے جیسے پتھر کے ہو گئے ہوں۔ آنکھوں میں شبہ نہیں صدمہ تھا۔

"جی ابو کیا ہوا"

سیام نے ہاتھ میں پکڑا گلاس وہیں رکھا اور ڈرائنگ روم کی طرف لپکا۔

ٹی وی اسکرین پر وہ منظر قید تھا جو کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔۔۔

شہسوار ملک فاطمہ کو گود میں اُٹھائے ہوٹل کے کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔

کیمروں کی فلیش لائٹس، رپورٹرز کی چیخیں، اور بریکنگ نیوز کی سرخ پٹی....
سب کچھ ایک فلم کی طرح تھا، مگر حقیقت میں۔

"یہ یہ فاطمہ ہے نا" امروز صاحب کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔

"یہ ہوٹل کے کمرے میں اُس کے ساتھ کیا کر رہی ہے"

سیام کے اندر جیسے لاوا اُبلنے لگا۔ اُس کی مٹھیاں سختی سے بھینچ گئیں۔

"یہ کیا تماشا ہے وہ تو اُس پر چاچو کے قتل کا کیس کر رہی تھی پھر یہ سب کیا ہے" سیام کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔

"میرے ساتھ چلو فوراً"

امروز صاحب دروازے کی طرف بڑھے اُن کے قدموں میں بے چینی تھی۔

"سیام تمہارے ابو کہاں جا رہے ہیں" حفصہ بیگم جو اُن کے لیے چائے لے کر آئی اُنہیں اس حالت میں باہر نکلتا دیکھ کر گھبرا گئیں۔

"امی رئیسہ کا خیال رکھیے گا اُس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں ابھی آیا"

یہ کہہ کر سیام بھی باپ کے پیچھے بھاگ نکلا۔

اُدھر فاطمہ کے گھر جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ ہر کمرہ ہر دیوار ہر چہرہ حیرت غصے اور شرمندگی سے لبریز تھا۔

ٹی وی موبائل سوشل میڈیا — ہر جگہ وہی ایک ویڈیو بار بار چل رہی تھی۔

"یہی فاطمہ ہے نا جس نے شہسوار پر اپنے باپ کے قتل کا مقدمہ کیا تھا؟

پھر یہ ایک کمرے میں کیا کر رہی ہے؟"

لوگوں کی زبانوں پر نفرت کی زہر آلود تھو تھو تھی۔

محلے میں چہ میگوئیاں تھیں، کچھ عورتیں دروازوں پر کھڑی ہو کر کانا پھوسی کر رہی اور کچھ مرد کھلے الفاظ میں اُس کے کردار پر سوال اُٹھا رہے تھے۔

گھر کی فضا بوجھل تھی اور وہ اس طوفان سے بے خبر۔

موسیٰ جیسے ہارے ہوئے جواری کی طرح حویلی لوٹا۔ قدم بوجھل تھے، کمر جھکی ہوئی اور آنکھوں میں وہ شعلے نہیں تھے جو کبھی اس کے غرور کی پہچان ہوا کرتے تھے۔ آج وہ تخت سے نہیں تقدیر سے ہارا تھا۔

اُس نے زندگی میں کبھی کسی سے دل نہیں لگایا، کبھی کسی کو اپنا نہیں کہا سوائے اقتدار کے۔ وہ بادشاہ تھا اور بادشاہت اُس کا جنون۔ لیکن آج اگر کوئی اُس سے پوچھتا کہ اُس نے کیا کھویا۔

وہ ایک لفظ میں جواب دیتا—"فاطمہ"

جیسے ہی وہ حویلی میں داخل ہوا یحیٰ صاحب کمرے میں ٹہل رہے تھے۔

بے چینی اُن کے چہرے سے صاف جھلک رہی تھی، جیسے وہ کسی دھماکے کا انتظار کر رہے ہوں۔

"تمہیں ذرا احساس ہے اگر تم اُس ہوٹل میں پکڑے جاتے تو لوگ ہم پر تھو تھو کرتے"

یحیٰ صاحب نے اُس کی طرف بڑھتے ہی آگ اُگل دی۔ آواز بلند تھی لہجہ نفرت سے بھرا ہوا۔

"وہ دیکھو کیسے تمہاری بیوی شہسوار کی باہوں میں قید ہے"

وہ چیختے ہوئے ہاتھ سے ٹی وی کی طرف اشارہ کر گئے۔

اسکرین پر شہسوار ملک کی وہ ویڈیو بار بار چل رہی تھی ـــــ وہ منظر جب وہ فاطمہ کو گود میں اُٹھائے ہوٹل سے باہر نکلا تھا۔

"بیوی نہیں رہی وہ میری"

موسیٰ کی آواز ایک دھماکے کی طرح کمرے میں گونجی۔

"طلاق دے دی میں نے اُسے تین بار! ایک لمحے کی بھی دیر نہیں کی میں نے"

یحیٰ صاحب جیسے پتھر ہو گئے۔

"کیا کیا تم سچ کہہ رہے ہو تم نے اُسے چھوڑ دیا"

ان کے لہجے میں خوشی نہیں تھی صرف حیرت تھی اور تھوڑا سا ڈر۔

"ہاں سچ بول رہا ہوں"

موسیٰ کا گلا رندھ گیا تھا۔

"لیکن یہ میڈیا وہاں آپ نے بھیجا تھا نا مجھ سے جھوٹ مت بولیے گا"

یحیٰ صاحب کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آئی۔

"ہاں، میں نے بھیجا تھا تاکہ اُسے بھی احساس ہو بدنامی کیا ہوتی ہے اُسی نے میری بیٹی کو بھگایا ہے اپنے عاشق کزن کے ساتھ اب مزا چکھے وہ بھی"

موسیٰ کا دماغ جیسے بھک سے اُڑ گیا۔

"آپ کی بیٹی اپنی مرضی سے بھاگی ہے اُس میں فاطمہ کا کوئی قصور نہیں کیوں اُس معصوم کو گھسیٹ رہے ہیں بیچ میں"

اب وہ چیخ رہا تھا، گلا زخمی ہو گیا تھا آواز کھردری۔

اُس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے صرف خون تھا۔

"گارڈز گارڈز اسماعیل کو لے کر آؤ"

دروازہ کھلا۔۔۔۔چند لمحے بعد دو گارڈز اسماعیل کو گھسیٹتے ہوئے اندر لائے۔

اُسے مار مار کر نیل و نیل کر دیا گیا تھا۔ ہونٹ پھٹے ہوئے، ناک سے خون آنکھیں بند ہونے کے قریب۔

موسیٰ اُس کے پاس آیا گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"اسماعیل! بتاؤ... روما کہاں ہے فردان کے ساتھ گئی بتاؤ اگر تم نے جھوٹ بولا میں تمہارے پورے خاندان کو زندہ دفن کر دوں گا۔ بتاؤ کہو سب کو کہ فاطمہ نے اُسے نہیں بھگایا وہ خود گئی"

اسماعیل نے آنکھیں آہستہ سے کھولیں اور ہنسا۔ ایک زخم خوردہ دل چیرتی ہنسی۔

"میرے خاندان کو تم ویسے ہی مارو گے جیسے تمہارے خاندان کو یحیٰ صاحب نے مارا"

یہ جملہ جیسے موسیٰ کے وجود پر قیامت بن کر ٹوٹا۔

وہ لمحے بھر کے لیے ساکت ہو گیا۔ گردن یوں مڑی جیسے اُس کے جسم میں جان نہ ہو۔

"کیا کیا بولا تم نے دوبارہ بولو" وہ اُس کے قریب آیا آنکھوں میں طوفان۔

"تمہارے ماں باپ کا قتل ہوا تھا ایکسیڈنٹ نہیں تھا"

اسماعیل کراہتے ہوئے بولا۔

"تمہارے تایا صاحب نے کروایا تھا" یحیٰ صاحب کی ریڑھ کی ہڈی میں جیسے سنسناہٹ دوڑ گئی۔

"یہ... جھوٹ ہے" وہ چیخے "خبیث انسان جھوٹ بول رہا ہے"

موسیٰ نے اُن کی طرف دیکھا اور سوال کیا۔

"کیا یہ سچ ہے میرے ماں باپ کو آپ نے مروایا"

یحیٰ صاحب نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا مگر موسیٰ پیچھے ہٹ گیا۔

"تمہارے ماں باپ کو مارا گیا کیونکہ وہ سیاست کے لیے بے کار تھے وہ سیدھے لوگ تھے ان کے ہوتے تم کبھی ان کی کٹھ پتلی نہ بنتے" اسماعیل نے آخری وار کر دیا۔

"آپ کہتے کیوں نہیں کہ اسماعیل جھوٹ بول رہا ہے" موسیٰ کو اُن کی چُپ تکلیف دے رہی تھی۔

"موسیٰ میری بات سنو" یحیٰ صاحب پھر اُس کے قریب ہوئے۔

"مجھے سچ سننا ہے اور کچھ نہیں" وہ چیخا۔

"یہ کچھ نہیں بولے کے کیونکہ جو میں نے بولا وہ سچ ہے" اسماعیل کہ یہ کہنے کی دیر تھی۔

اگلے ہی لمحے —— موسیٰ نے گارڈ سے پسٹل چھینا۔

اُس کے ہاتھ کانپ نہیں رہے تھے —— وہ بالکل ٹھیک نشانے پر تھے۔

پہلی گولی——یحیٰ صاحب کی چھاتی میں۔

دوسری گولی——پیٹ میں۔

تیسری چوتھی پانچویں...

آخری گولی اُن کے دل میں اتری۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی صرف گولیوں کی بازگشت باقی رہ گئی۔

مرحا اور ماہ جبین بیگم چیختی ہوئی باہر آئیں۔

"کیا ہوا کیا" لیکن اُن کی چیخیں گلے میں ہی گھٹ گئیں۔

سامنے صوفے کے پاس۔۔۔

یحیٰ صاحب کی لاش پڑی تھی۔ خون قالین پر رِس رِس کر حویلی کی تاریخ لکھ رہا تھا۔

موسیٰ خاموشی سے بیٹھا تھا بندوق اُس کے ہاتھ میں تھی آنکھوں سے جیسے آگ بجھ گئی ہو۔

"باپ کے قتل کی معافی نہیں ہے"

یہ جملہ اُس نے خود سے کہا جیسے فیصلے کے طور پر جیسے اپنے لیے سزا کے طور پر۔

ماہ جبین کے منہ سے ایک آہ نکلی۔ مرحا پیچھے دیوار سے جا لگی۔

حویلی میں ایک سناٹا چھا گیا—

ایک ایسا سناٹا جو صرف "مکافاتِ عمل" کے بعد اُترتا ہے۔

سڑک خالی تھی دھند ہلکی سی رات میں پھیل رہی تھی۔ کار ہموار رفتاری سے چل رہی تھی اور اندر کا ماحول خاموش اور تناؤ سے بھرپور تھا۔

جمال خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا جیسے کسی سوچ میں گم ہو لیکن اچانک اُس کی نظریں فرنٹ مرر پر ٹھہر گئیں۔

"سر مس فاطمہ ہوش میں آ رہی ہیں" اُس کی آواز میں ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔

شہسوار نے فوراً گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔

فاطمہ نے آنکھیں آہستہ آہستہ کھولیں۔ پلکیں جیسے صدیوں کی نیند سے جاگ رہی ہوں۔ وہ الجھن سے ادھر اُدھر دیکھنے لگی، چہرہ خوف زدہ آنکھوں میں حیرانی اور دل میں ایک ان کہی بے چینی۔

"یہ تم۔۔۔ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو" اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔

شہسوار نے ایک گہری سانس لی اور اپنے لہجے کو پر سکون رکھا۔

"ریلیکس کرو کہیں نہیں لے کر جا رہا۔ تمہیں تمہارے گھر ہی چھوڑ رہا ہوں"

اُس نے ہاتھ بڑھایا گاڑی کی ڈیش بورڈ سے پانی کی بوتل اُٹھائی اور اُسے فاطمہ کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ لو پانی پی لو" فاطمہ نے ایک نظر اُس کی طرف دیکھا اور پھر بوتل کو۔

"مجھے نہیں چاہیے" اُس کی زبان میں وہی سختی تھی جو کسی نازک وجود کی آخری خودداری میں بچی ہوتی ہے۔

شہسوار کی آنکھوں میں ایک لمحے کو کوئی سایہ لہرایا "پی لو آگے اس کی ضرورت پڑنے والی ہے"

اُس کے لہجے میں ایک عجیب پیشگوئی تھی جیسے وہ کچھ جانتا ہو کچھ ایسا جو فاطمہ کے علم سے باہر ہو۔

وہ یہ کہتے ہوئے بوتل اُس کی گود میں رکھ کر دوبارہ سیدھا ہو گیا۔

"کیا مطلب صاف صاف بتاؤ" اُس نے آنکھوں کی نمی صاف کی جیسے ضبط اب چھوٹنے کو تھا۔

شہسوار نے نظریں سڑک پر جمائے رکھیں "ابھی پتہ چل جائے گا" بس ایک جملہ بولا۔

گاڑی کی رفتار تھوڑی بڑھ گئی۔ اُس نے دوبارہ بوتل کو دیکھا اور جیسے کچھ لمحوں کے لیے ہار مان لی ہو۔

اُس نے بوتل کا ڈھکن کھولا لبوں سے لگایا اور پانی کے چند گھونٹ لے لیے۔

کار میں پھر وہی خاموشی چھا گئی۔

خان حویلی کے باہر کا منظر کسی میدانِ جنگ سے کم نہ تھا۔ پولیس کی گاڑیاں چینلز کی OB وینز صحافیوں کے ہجوم کیمرے مائیکس اور چمکتی فلیش لائٹس ہر طرف ایک ہی شور گونج رہا تھا۔

"موسیٰ شیر خان نے اپنے تایا کا قتل کیوں کیا"

موسیٰ کو ہتھکڑیوں میں جکڑا ہوا دو سپاہی کندھوں سے تھامے لے جا رہے تھے۔ اُس کے چہرے پر نہ تو گھبراہٹ تھی نہ کوئی پچھتاوا نہ ہی شرمندگی——بس ایک پُراسرار سکون تھا۔ جیسے اُس نے کوئی فرض نبھایا ہو۔

"سر آپ نے اپنے ہی تایا کو قتل کیوں کیا"

ایک رپورٹر نے مائیک اُس کے منہ کے قریب کر دیا۔ پولیس اُسے بچانے کی کوشش کر رہی تھی مگر صحافیوں کا سمندر بے قابو ہو رہا تھا۔

موسیٰ ایک لمحے کو رُکا۔ اُس کی نگاہ کیمرے کی آنکھ سے جاملی۔ پھر اُس کی آواز بلند ہوئی صاف مضبوط اور سفاک۔

"اُنھوں نے میرے باپ کو مارا تھا اور قتل کا بدلہ قتل ہوتا ہے"

یہ الفاظ میڈیا کے مائیکوں سے نکل کر فضاء میں آگ کی طرح پھیل گئے۔

رپورٹرز ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے جنون میں تھے۔

"کیا آپ کو کسی قسم کی ندامت ہے"

"کیا آپ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر خوش ہیں"

موسیٰ نے اُن سب کی آوازوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک اور دھماکہ کر دیا۔

"میں نے صرف اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لیا ہے۔ اور میری مس فاطمہ ابراہیم سے گزارش ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے باپ کے قتل کا بدلہ مجھ سے لے لیں"

بس جیسے وقت تھم گیا ہو۔ ایک لمحے کو کیمرے رُک گئے رپورٹرز کے لب ساکت ہو گئے اور ہوائیں سنّاٹے میں ڈھل گئیں۔ پھر اگلے لمحے ایک ہنگامہ پھٹ پڑا۔

"کیا مطلب آپ نے مس فاطمہ کے والد کا قتل کیا ہے"

ایک سینئر اینکر نے چیخ کر سوال داغا۔

موسیٰ نے سپاٹ لہجے میں، بے رنگ چہرے کے ساتھ، زبان کو مزید زہر سے آلودہ کیا۔

"میں اعتراف کرتا ہوں اُن کے والد کا قتل میں نے کیا ہے"

فلیش لائٹس تیزی سے چمکیں کیمرے جھٹکوں سے اُس کے چہرے پر زوم ہوئے اور میڈیا کی چیخیں آسمان کو چھونے لگیں۔

پولیس نے جلدی سے اُسے ایک کالے ڈالے میں دھکیلا۔ سپاہی دروازے بند کرتے وقت اُس کی طرف جھکے اور ہدایات لینے لگے۔

"کل عدالت میں کیا کہیں گے خان صاحب" کسی نے آخری بار پوچھا۔

موسیٰ نے دھیرے سے گردن موڑی "سچ صرف سچ"

ڈالہ شور مچاتے ہوئے رینگ گیا۔ پیچھے صرف گرد شور اور ایک نئی سرخی رہ گئی۔

گلی تنگ تھی لیکن نظریں وسیع... شہسوار ملک کی چمچماتی گاڑی جب اُس کے محلے میں داخل ہوئی تو جیسے سارا محلہ جاگ اٹھا۔ پردے کے پیچھے سے جھانکتی نظریں دروازوں سے نکلتے چہروں کی حیرانی، اور بچوں کے شور سے گلی میں ہلچل مچ گئی۔

گاڑی دھیرے سے فاطمہ کے گھر کے سامنے آکر رُکی۔ شہسوار نے دروازہ کھول کر اُس کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ جیسے ہی گاڑی سے اُتری چاروں طرف سے

سرگوشیوں کا شور بلند ہونے لگا۔ محلے والے اُسے اور اُس کے ساتھ کھڑے شہسوار کو عجیب نظروں سے گھورنے لگے۔

"باپ مر گیا اور بیٹی نے چالیں بدل لیں"

ایک جھریوں بھرا چہرہ بول اٹھا آنکھوں میں نفرت آواز میں زہر۔

فاطمہ کے قدم دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے مگر یہ جملہ سن کر وہیں تھم گئے۔ دل پر جیسے کسی نے کیل گاڑ دی ہو۔

"میں تو پہلے ہی کہتی تھی یہ لڑکی ایک دن ضرور اپنی ماں باپ کی ناک کٹوائے گی "

ایک اور عورت نے طنز میں لپٹی نفرت فضا میں اچھال دی۔

"ہائے بیچارا باپ مر کر بچ گیا ورنہ زندہ رہتا تو روز مرتا"

چند مرد بھی دیوار سے ٹیک لگائے تماشائی بنے آنکھوں سے کپڑے اُتارتے تبصرے کر رہے تھے۔

فاطمہ کا دل دہل گیا۔ ایک پل کو ایسا لگا جیسے جسم مٹی میں دھنستا جا رہا ہو۔ آوازیں جملے نظریں سب اُسے گھیرے ہوئے تھے۔ اُس کی آنکھیں چھلکنے کو تھیں لیکن چہرہ ابھی تک جمود کا شکار تھا۔ نہ روئی نہ چیخی بس سُن ہو کر سب کچھ سنتی رہی۔

"اندر چلو یہاں کھڑے رہنا تمہارے لیے بہتر نہیں اندر چلو" شہسوار نے اُس کے کان کے قریب آکر آہستہ سے کہا جیسے اُسے اس گندے ہجوم سے بچانا چاہتا ہو۔

فاطمہ کا قدم دروازے کی طرف بڑھا لیکن پیچھے آنے والے شہسوار کو دیکھ کر رک گئی۔

"تم کیوں آ رہے ہو میرے گھر کے اندر" اُس کی آواز تھوڑی کانپ رہی تھی لیکن نظریں مضبوط تھیں۔

شہسوار بغیر جواب دیے اندر داخل ہو گیا جیسے اُسے اجازت کی ضرورت ہی نہ ہو۔

"مجھے کچھ باتیں واضح کرنی ہیں اُس کے بعد فوراً چلا جاؤں گا" وہ نرم لہجے میں بولا مگر اُس کے اندر کی سختی چھپی نہ رہ سکی۔

فاطمہ پیچھے مڑی باہر کے شور کو ایک آخری نظر دی۔ وہی لوگ، جو کبھی اُس کے والد کے جنازے پر افسوس کرنے آئے تھے آج اُس کی کردار کشی میں سبقت لے رہے تھے۔

دروازہ بند ہوا لیکن اُس کے پیچھے ایک ہجوم کی آوازیں طعنوں کی گونج اور فاطمہ کی ٹوٹتی ہوئی دنیا باقی رہ گئی۔

شام کا وقت تھا بازار میں معمول کی چھل پہل تھی۔ دکانوں کے سامنے لوگ خریداری میں مصروف تھے چھوٹے بچوں کی آوازیں ریڑھی والوں کی صدائیں، اور گرم گرم نانوں کی خوشبو سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا روز ہوتا ہے۔

فردان ہاتھ میں کھانے کے پیکٹس لیے دکان کے سامنے کھڑا اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک اُس کی نگاہ دکان کے کاؤنٹر پر رکھے ٹی وی کی اسکرین پر جا ٹھہری۔

"معروف صحافی فاطمہ ابراہیم اور شہسوار ملک کی کمرے میں ایک ساتھ موجودگی تعلقات پر سوالیہ نشان"

اینکر کی آواز میں سنسنی تھی اور اسکرین پر بار بار فاطمہ کا چہرہ زوم کیا جا رہا تھا۔

فردان کی جیسے سانس ہی رک گئی۔ اُس کے ہاتھ سے کھانے کا پیکٹ نیچے گرا اور وہ بغیر ایک لمحہ ضائع کیے بھاگ پڑا۔

زمین پر کھانے کے ڈبے پڑے رہ گئے لیکن اُس کے دل میں صرف ایک ہی شور تھا"فاطمہ"

گیٹ پر پہنچتے ہی اُس نے پوری طاقت سے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔

"کون ہے؟"روما نے کھڑکی سے جھانکا پھر آواز پہچان کر فوراً دروازے کی طرف دوڑی۔ دروازہ کھولتے ہی سامنے ہانپتا ہوا فردان تھا۔

"فردان؟ کیا ہوا؟ سب ٹھیک ہے"روما نے گھبرا کر اُس کی طرف قدم بڑھائے۔

فردان چارپائی پر بیٹھا تیزی سے سانسیں لیتا رہا۔ ماتھے پر پسینہ آنکھوں میں اضطراب۔

"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے"اُس نے بے بسی سے کہا۔

"فردان صاف صاف بتائیں کیا ہوا" روما اُس کے پاس بیٹھ گئی اُس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتی۔

"ہمیں جانا ہے ابھی اسی وقت "اُس نے جیسے کوئی فیصلہ نہیں، ایک اعلان کر دیا۔

روما ششدر رہ گئی "کیا ابھی لیکن ہمارا پلان تھا الیکشن کے بعد"

"میری دوست کو میری ضرورت ہے روما اُس کے آس پاس سب تماشائی بنے کھڑے ہیں میں نہیں بن سکتا مجھے اُس کے ساتھ کھڑا ہونا ہے" اس کی آواز میں جذبہ تھا اور آنکھوں میں عزم۔

"دوستی کا تقاضا یہی ہے کہ جب دوسرا بے بس ہو تو ہم خاموش نہ رہیں"

روما نے اُسے ایک پل دیکھا اُس کے دل میں سوال تھے الجھنیں تھیں لیکن اُس کی آنکھوں میں جو سچائی تھی اُس پر سوال کرنا ممکن نہیں تھا۔

اُس نے چپ چاپ سر ہلایا اور اُسی وقت اندر گئی۔ چند منٹ بعد وہ واپس آئی ہاتھ میں وہی بیگ تھا جو کچھ دن پہلے لائی تھی۔

"چلیں" اُس نے مختصر کہا اور فردان کے ساتھ دروازے سے باہر نکل گئی۔

دروازہ کھلا تو منظر یوں تھا جیسے قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔

سامنے لاؤنج میں صوفے پر علشبہ بیگم سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ اُن کے دوپٹے کی شکنوں میں آنکھوں کا نمک چھپا ہوا اُن کے ارد گرد گویا طوفان برپا تھا۔

اماں بی کا غصے سے کانپتا لہجہ گونج رہا تھا۔

"کہتی تھی نا میں سنبھال لو اپنی بیٹی کو لیکن تب سب یہی کہتے تھے بچی ہے مرضی کرنے دو کرلی مرضی دیکھ لیا نتیجہ پہلے تھانے کی زینت بنی اب مردوں کی"

فاطمہ کا دل جیسے پسلیوں میں دھنسا جا رہا تھا۔ وہ دیوار کا سہارا لیے کھڑی رہی زبان پر سکت نہیں آنکھوں میں نمی اُترتی جا رہی تھی۔

پھر اچانک اُس نے قدم بڑھائے لڑکھڑاتے ہوئے اپنی ماں کے پاس آئی۔

"ماما یہ سب کیا ہو رہا ہے باہر بھی لوگ باتیں کر رہے ہیں اور گھر میں بھی"

وہ علشبہ بیگم کا ہاتھ تھام کر کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ ایک زوردار تھپڑ نے اُس کے ہوش اُڑا دیے۔

چٹاخ!

"بے غیرتی تم کرو اور وجہ ہم سے پوچھو" علشبہ بیگم کی آواز گونجی دوسرا تھپڑ پھر تیسرا۔ فاطمہ کا چہرہ ایک طرف کو جھک گیا آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

شہسوار نے آگے بڑھا "آنٹی میری بات سنیں آپ لوگوں کو غلط فہمی"

"بکواس بند کرو" سیام آگے بڑھا شہسوار کا گریبان پکڑ کر دھاڑا "محلے میں بدنام کر دیا تم دونوں نے ہمیں"

"میں صرف حقیقت واضح کرنے آیا ہوں پلیز ایک موقع دیں" شہسوار نے بے بسی سے کہا اُس کے لہجے میں ندامت نہیں لیکن خلوص چھلک رہا تھا۔

"علشبہ تم میرے بھائی کی بیوہ ہو لیکن مزید ذلت برداشت نہیں کر سکتا"

فاطمہ اُن کے الفاظ سُن کر شدد رہ گئی۔ یہ تو وہ تایا جان تھے اِس کے جو اُس پر جان دیتے تھے۔ باپ کے بعد رشتے پرائے ہو جاتے ہے یہ آج سمجھ آیا اُسے۔ صحیح کہتے بیٹیوں کے باپ کی زندگی لمبی ہونی چاہیے نہیں تو معاشرہ اُن کو رول دیتا ہے

۔

امروز صاحب غصے سے لرزتے ہوئے فاطمہ کا بازو دبوچتے ہوئے چیخے "ابھی نکلو یہاں سے تم دونوں"

"تایاجان یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کیوں جائیں ہم اپناگھر چھوڑ کر"

فاطمہ کی آواز رندھ گئی اُس نے اپنا بازو چھڑایا لیکن اگلے ہی لمحے اماں بی اُس کے بالوں میں ہاتھ ڈال چکی تھیں۔

"کیونکہ تمہاری حرکتیں گھر والی نہیں ہیں بی بی"

اماں بی غرائیں فاطمہ نے ایک جھٹکے سے اپنے بال آزاد کروائے آنکھوں سے پانی رواں تھا "میں نے کچھ نہیں کیا جس سے میری بے عزتی ہو"

"تو پھر یہ کیا ہے" سیام نے موبائل اُس کے سامنے لہرایا، اسکرین پر شہسوار کی بانہوں میں بیہوش فاطمہ کا منظر چل رہا تھا۔ میڈیا نے ایک پل کو گناہ کا جام بنادیا تھا۔

فاطمہ ایک لمحہ کو چکرا گئی۔ اُسے یاد آیا، وہ بے ہوش ہوئی تھی "یہ سب غلط فہمی ہے سیام میں سب سمجھاتی ہوں"

اُس نے ہاتھ بڑھایا مگر سیام نے اُسے دھکا دے دیا فاطمہ اُلجھ کر پیچھے ہٹی دل کا ایک حصہ جیسے ٹوٹ کر گرا ہو۔ یہ وہی شخص تھا جو کبھی اُس کی ایک جھلک کو زندگی سمجھتا تھا اور آج وہ اُس کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

"میاں اس کو نکالو یہاں سے" اماں بی نے ایک بار پھر اُس کی کلائی کو جکڑا۔

"آپ لوگ ہماری بات کیوں نہیں سن رہے ہیں" شہسوار آگے بڑھا۔

"میں کہہ رہا ہو، جو کچھ دکھایا جا رہا ہے وہ جھوٹ ہے غلط ہے"

"اب کچھ نہیں سننا اب اس گھر میں فاطمہ ہر گز نہیں رہے گی میں مزید تماشا نہیں بنوا سکتا محلے والوں سے" امروز صاحب دھاڑ کر آگے بڑھے اور فاطمہ کو دھکا دے دیا۔

"ماما آپ کچھ بول کیوں نہیں رہی دیکھیں مجھے نکال رہے ہے یہ لوگ" فاطمہ نے ٹوٹتے لہجے میں علشبہ بیگم کی طرف دیکھا۔

علشبہ بیگم کا چہرہ پھٹ چکا آنسوؤں سے مگر وہ بولی نہیں صرف رخ موڑ لیا۔

"چلی جاؤ فاطمہ تمہاری بھلائی اسی میں ہے" فاطمہ جیسے اندر سے چِر گئی ہو۔

"ماما میں کہاں جاؤں کس کے پاس جاؤں میرے پاس آپ کے سوا کوئی نہیں ہے" اُس کی چیخ اب التجا میں بدل چکی تھی۔

"جس کے ساتھ ہوٹل میں تھی اُسی کے ساتھ جا" اماں بی نے شہسوار کی طرف اشارہ کر کے زہر اُگلا۔

"میرا اُس سے کوئی رشتہ نہیں آپ لوگ میری بات کیوں نہیں سمجھتے وہ سب ایک سازش ہے میڈیا کا دھوکہ ہے" فاطمہ چیخی لیکن آج سب بہرے ہو چکے تھے۔

شہسوار بھی چیخ پڑا "وہ سچ کہہ رہی ہے میں کس رشتے سے اُسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں"

"ابھی بنادیتے ہے رشتہ جاؤ سیام مولوی کو بلاؤ نکاح کرواؤ اور نکالو یہاں سے ان کو"

امروز صاحب نے جیسے فیصلہ سنادیا۔ "نہیں میں شادی نہیں کرسکتی سیام تم سمجھاؤ نا"

فاطمہ ایک ایک کو دیکھتی رہی لیکن کوئی نہیں رُکا۔ سب چپ بے حس بنے رہے ۔

"تم میری بیٹی سے نکاح کروگے" علشبہ بیگم شہسوار کے قدموں میں آ گئیں ہاتھ جوڑ دیے۔

"ماما یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں" فاطمہ کا دل دہل گیا لیکن اگلے ہی لمحے علشبہ بیگم کا دوسرا تھپڑ اُس کی زبان بند کر گیا۔

"بکواس بند کرو اب وہی ہو گا جو میں کہوں گی" شہسوار نے ایک نظر فاطمہ پر ڈالی۔

وہ لڑکی جو کسی زمانے میں دنیا کی سب سے مضبوط لڑکی لگتی تھی، آج فرش پر ٹوٹی بکھری اپنی عزت کی خیرات مانگ رہی تھی۔

"میں نکاح کے لیے تیار ہوں" شہسوار نے کہا آواز میں سکون وہ رب کی رضا میں راضی ہو گیا۔ وہ لاہور واپس آنے کا مقصد سمجھ گیا۔

اس بار لاہور نے محبوب جُدا نہیں کیا۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ لوگوں کو چیخ چیخ کر بتائے جس سے وہ نکاح کرنے جا رہا تھا وہ اُس کی اکلوتی محبت تھی۔ سیام مولوی صاحب کو بلانے نکل گیا۔

صحن میں ایک پرانا قالین بچھایا گیا۔ اُس کے عین وسط میں ایک میز رکھی گئی جس پر قرآن مجید رکھا تھا۔ اُس کے گرد اماں بی امروز صاحب سیام علشبہ بیگم اور چند گواہ موجود تھے۔ ماحول میں وہ تقدس نہیں تھا جو نکاح کے موقع پر ہوتا ہے بلکہ ایک بوجھ تھا جیسے سب کچھ مجبوری سے ہو رہا ہو۔

فاطمہ سَر جھکائے ایک کونے میں بیٹھی تھی اُس کا چہرہ زرد، آنکھیں سُوجھی ہوئی بال بکھرے ہاتھ کی انگلیاں بار بار کانپ رہی تھیں۔ آج وہ کسی دلہن جیسی نہ تھی آج وہ صرف ایک بیٹی تھی — جس کی عزت کی قیمت ایک نکاح نامہ تھا۔

مولوی صاحب آئے سادگی سے سلام کیا قرآن کے قریب بیٹھے شہسوار کے پاس نگاہ دوڑائی۔

"بیٹا، نکاح کے لیے تیار ہو"

شہسوار خاموش رہا نظریں فرش پر تھیں۔ پھر اُس نے سر اٹھایا ایک نظر فاطمہ پر ڈالی جو خود آنکھیں بند کیے اندر ہی اندر مر رہی تھی۔

"جی میں نکاح کے لیے تیار ہوں" شہسوار کی آواز میں سکوت تھا جیسے وہ رب سے راز و نیاز کر رہا ہو۔ اُس نے رب کی رضا کو قبول کر لیا.

مولوی صاحب نے دوبارہ سوال دہرایا "کیا آپ کو یہ نکاح، گواہوں کی موجودگی میں فاطمہ بنت ابراہیم سے قبول ہے"

"قبول ہے" پہلی بار آواز آئی —— وزن دار نرم لیکن مضبوط۔

"قبول ہے" دوسری بار آواز میں تھوڑی لرزش تھی۔

"قبول ہے" تیسری بار یہ اعلان نہیں تھا بندگی تھی۔

اب مولوی صاحب فاطمہ کے پاس آئے۔

"بیٹی تمہیں تمہارے ولی کی اجازت سے شہسوار ملک کے ساتھ نکاح کیا جا رہا ہے کیا تمہیں یہ نکاح قبول ہے"

فاطمہ نے ایک پل کو سانس روکی پھر اُس نے آنکھیں کھولیں جو آنکھیں ایک زمانے میں خواب دیکھتی تھیں آج اُن میں خالی پن تھا۔

"ق... قبول ہے..." آواز جیسے حلق سے نکل کر فرش پر گر گئی ہو۔

مولوی صاحب نے سوال دہرایا "کیا تمہیں یہ نکاح قبول ہے"

"قبول ہے" آواز دھیمی نم اور تھکی ہوئی۔

تیسری بار۔

"کیا تمہیں یہ نکاح قبول ہے" فاطمہ نے ایک لمبا سانس لیا۔

پھر کہا۔

"قبول ہے" نکاح مکمل ہو گیا تھا۔

مولوی صاحب نے دُعائیں پڑھیں لیکن اُن دُعاؤں میں وہ رونق وہ برکت وہ خوشی کا رنگ نہ تھا یہاں ہر دل زخمی تھا ہر چہرہ تھکا ہوا اور ہر آنکھ بوجھل۔

شہسوار خاموش کھڑا تھا، اُس کے دل میں عجیب سا خلا تھا۔ اُس نے فاطمہ کو دیکھا وہ اب اُس کی بیوی تھی۔ لیکن وہ نظروں سے صاف کہہ رہی تھی۔

"میں مجبور تھی راضی نہیں"

علشبہ بیگم چپ چاپ کمرے کی طرف پلٹ گئیں۔ سیام دروازے سے نکل گیا۔ اماں بی بڑبڑاتی ہوئی پیچھے ہٹ گئیں۔ امروز صاحب کچھ دیر تک گھورتے رہے پھر واپس پلٹ گئے۔

فاطمہ وہیں قالین پر خاموش بیٹھی تھی۔

نکاح ہو چکا تھا۔ تمام مہمان اندر جا چکے تھے لیکن فاطمہ چند لمحے دروازے پر کھڑی رہی۔ اُس کی نظریں اُس مرد پر جا ٹھہریں جس نے ابھی چند لمحے قبل اُس کا نام اپنے نام سے جوڑا تھا۔ شہسوار خاموش نظروں سے اُسی کو دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں کی اس خاموش گفتگو میں نہ کوئی لفظ تھا نہ وضاحت صرف ایک ان کہی تھکن اور تلخی جو فاطمہ کے وجود سے جھلک رہی تھی۔ وہ پلٹی اور قدم اندر کی طرف بڑھا دیے اُس گھر کی دہلیز پر جہاں اب اُسے کچھ بھی اپنا نہیں لگتا تھا۔

شہسوار نے ایک لمحے کا توقف کیا پھر اُس کے پیچھے ہو لیا۔

تبھی اماں بی جو اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھیں فاطمہ کو دیکھ کر رک گئیں۔

"بی بی تم اندر کیوں آ رہی ہو جاؤ اپنے شوہر کے ساتھ جس ہوٹل میں دل چاہے وہاں جاؤ ہمیں کوئی اعتراض نہیں"

آواز میں زہر لہجے میں طنز تھا فاطمہ کے قدم نہیں رُکے نگاہ میں ہلکی سی سرد مہری ابھری۔

"اپنا سامان لینے آئی ہوں اور مجھے جس ہوٹل میں جانا ہو گا چلی جاؤں گی مشورہ دینے کی ضرورت نہیں" وہ بناٗر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

شہسوار جو پیچھے آرہا تھا اس کی بات سُن کر تھم سا گیا۔

ایسے بھڑکتے ہوئے لمحے میں بھی وہ جواب دینے سے گریز نہیں کر رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا اس کی بیوی اس کو بھی ٹف ٹائم دینے والی ہے۔

اماں بی نے نخوت سے ہنکارا ابھرا "ویسے جس بلا کو اپنے پیچھے لگا لیا ہے لگتا ہے مقدر رندھ گئے ہیں تمہارے"

شہسوار کے قدم رُکے۔

"میرا مقدر سنوار دیا گیا ہے کیونکہ اللہ نے اُسے میرے حوالے کیا ہے۔ اور آپ میری فکر نہ کرے میرے لیے میرا خدا کافی ہے" اُس کا جواب سن کر اماں بی تو ہتھے سے ہی اُکھڑ گئیں۔

"میاں یہ چار دن کی چاندنی ہے تمہیں جلدی اندازہ ہو جائے گا"

وہ دروازہ دھکیلتی اندر چلی گئیں۔ شہسوار کی نظر اب بھی دروازے کی سمت تھی جہاں فاطمہ گئی تھی۔

اس نے زیر لب کہا" چاہے چار دن کی ہو یا پانچ دن کی اب یہ چاند صرف میرا ہے"

ابھی وہ اُسی کے کمرے سے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا کہ فون بجا۔

جمال کی کال تھی "ہاں جمال بولو"

"سر کورٹ کی طرف سے نوٹس آیا ہے کل مس فاطمہ کو بُلایا گیا ہے"

شہسوار کے ماتھے پر بل پڑ گئے "کس چیز کا نوٹس"

"موسیٰ شیر خان نے کنفیس کر لیا کہ فاطمہ کے والد کا قتل اُس نے کیا تھا اور اب سزا کا اختیار مس فاطمہ کے پاس ہے" کمرے کی فضا جیسے ساکت ہو گئی۔

Zubi Novels Zone

شہسوار چند لمحے خاموش رہا پھر گہری سانس لی "تم فوراً وکیل ہائر کرو باقی میں دیکھ لوں گا"

فون بند کر کے وہ ابھی کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھلا فردان اور روما اندر داخل ہوئے۔

"ہماری بدنامی کی فکر نہیں تم یہاں کر کیا رہے ہوں" فردان چیخا، جیسے آسمان ٹوٹ پڑا ہو۔

" نظر نہیں آ رہا بیٹھا ہوا ہوں" شہسوار نے نظر اٹھا کر سکون سے کہا۔

یہ سادہ سا جملہ فردان کے دماغ میں جیسے بارود بن کر پھٹا۔

فردان کی آواز سُن کر فاطمہ اور علشبہ بیگم باہر آ گئیں۔

"فاطمہ یہ یہاں کیا کر رہا ہے"

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں بول کیوں نہیں رہی"

اُس نے فاطمہ کا بازو جھنجوڑا مگر وہ ہنوز خاموش کھڑی رہی۔

"شہسوار اُس کا شوہر ہے اسی حق سے وہ یہاں ہے" علشبہ بیگم نے قدم آگے بڑھایا۔

"شوہر کیسا شوہر فاطمہ کا نکاح تو موسیٰ سے ہوا تھا زبردستی" فردان کے جملے نے کمرے کی فضا منجمد کردی۔ علشبہ بیگم ایک دم ساکت ہوگئیں۔

"طلاق لے لی موسیٰ سے میں نے اور یہ میرا شوہر ہے کیونکہ اُس وقت تم دونوں اپنی دو نمبر محبت میں گم تھے" فاطمہ کا لہجہ اب بپھرتا طوفان بن چکا تھا۔

"نہ تم اسے لے کر بھاگتے نہ مجھے کبھی حقیقت پتہ چلتی نہ میرا نکاح ہوتا نہ میری زندگی میں یہ سب کچھ ہوتا" وہ چیخ اٹھی اُس نے فردان کا گریبان پکڑ لیا۔

"نفرت ہے مجھے تم مردوں سے فردان امروز تمہاری وجہ سے میری دنیا اجڑ گئی سب برباد کردیا تم دونوں نے اللہ کرے تم سب بھی آباد نہ رہو"

روما ایک کونے میں کھڑی کانپ رہی تھی شاید وہ خود سے پوچھ رہی تھی کہ اُس نے کیا کیا؟

"میں نے کیا کیا ہے" فردان آگے بڑھا۔

"ابھی بھی پوچھتے ہو کاش تم سچ نہ بتاتے کاش میرے اپنے مجھے پرائے نہ لگتے تم سب مر گئے میرے لیے۔ سب کے سب جاؤ، اپنی نئی زندگی جیو اُس عورت کے ساتھ جس کے کزن نے میرا گھر اُجاڑ دیا"

یہ کہہ کر فاطمہ پلٹی۔ اُس کے غصے میں بولے گئے الفاظ کا اگر نقصان ہونا تھا تو وہ روما تھی۔

"میں یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں کسی کی بھی شکل نہیں دیکھوں گی" آخری جملہ اُس نے علشبہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا۔

پھر وہ تیزی سے کمرے کی طرف بڑھی بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی رُکے بغیر۔

"شہسوار میری بات سنو" علشبہ بیگم نے اُسے روکا جو اُس کے پیچھے جانا چاہتا تھا۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے کمرے میں آؤ بیٹا" وہ آگے بڑھ گئیں۔

شہسوار نے ایک نظر فردان پر ڈالی اور اُن کے پیچھے ہو لیا۔

کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ سب جا چکے تھے صرف دو سائے رہ گئے تھے

—ایک مرد، جو اپنی بے بسی میں خود کو مجرم سمجھنے لگا تھا۔

اور ایک عورت جو محبت کے خواب سچ کرنے نکلی تھی مگر حقیقت میں صرف ٹوٹنا ہی اُس کا مقدر بنی۔

فردان خاموش کھڑا تھا۔

ساری نگاہیں سارے طعنے ساری نفرت ——جیسے سب اُس پر آ ٹوٹے ہوں۔

فاطمہ کی باتوں نے اُسے اندر تک ہلا کر رکھ دیا۔ اب اُسے محسوس ہو رہا تھا یہ سب اُن دونوں کی وجہ سے ہوا ہے۔

وہ بوجھل سانسوں کے ساتھ کھڑا رہا جیسے جسم میں خون نہیں صرف ندامت دوڑ رہی ہو۔

تب ہی پیچھے سے ہلکی سی آواز آئی۔

"فردان میری بات سنیں"

روما دھیرے دھیرے اُس کے قریب آئی اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا——

ایک نرمی ایک معافی کی خواہش ایک بچی ہوئی امید۔

لیکن فردان نے وہ لمس جھٹک دیا جیسے وہ لمس اُسے جلانے لگا ہو۔

"مجھے کچھ نہیں سننا" اُس کی آواز زخمی آنکھوں میں سرخی۔

"تم نے سُنا نہ اُس نے کیا کہا اُس نے کہا اُس کی زندگی میری وجہ سے تباہ ہوئی۔ کاش کاش تم مجھے کبھی نہ بتاتیں کہ موسیٰ نے چاچو کا قتل کیا تھا کاش تم کبھی مجھے ملی نہ ہوتی"

روما جیسے پتھر ہو گئی۔ ایک ایک لفظ جیسے اُس کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا ہو۔

"اس میں میری کیا غلطی تھی" اُس کی آواز بھیگی ہوئی تھی مگر آنکھوں میں ہچکچاتی صفائی جھلک رہی تھی۔

فردان کا چہرہ تپتی زمین سا ہو گیا۔

"غلطی میری تھی. جو تم سے محبت کی غلطی میری تھی جو تمہارے ایک بار کہنے پر تم سے نکاح کیا غلطی میری تھی جو تمہارے ساتھ بھاگا کاش تم سے محبت نہ کرتا۔ اگر میں یہ سب نہ کرتا تو شاید آج سب کچھ مختلف ہوتا"

وہ بولتا گیا بولتا گیا—— یہ سوچے بغیر کہ اُس کی ہر بات ہر الزام اُس کے سر سامنے کھڑی روما کے نازک وجود پر جیسے کوڑے برس رہے تھے۔

روما ہلکی سانسوں میں لرزتی رہی اُس کی آنکھوں میں اب آنسو نہیں تھے صرف وہ ادراک تھا وہ ادراک جو ہر محبت ہارنے والی عورت کی آنکھوں میں اُترتا ہے۔

آج اُسے یقین ہو گیا تھا کہ روما یحییٰ کے بخت میں محبت نہیں تھی۔

اور بھاگ کر شادی کرنے والی لڑکیوں کی کوئی عزت نہیں کرتا چاہے شوہر ہی کیوں نہ ہو۔

وہ کچھ نہیں بولی صرف پلٹی چپ چاپ شاید ہمیشہ کے لیے۔

چند قدم چل کر وہ رُکی ایک آخری بار پلٹ کر فردان کو دیکھا——

وہ صوفے پر بیٹھا تھا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے شکست کی مورت بنا۔

روما کی آنکھوں سے ایک قطرہ آنسو بہا اُس نے آستین سے آنکھیں صاف کی "میں جا رہی ہوں" آخری الفاظ۔

فردان نے سر اٹھایا اور بے بسی سے ہاتھ جوڑ دیے "خدا کا واسطہ ہے چلی جاؤ"

روما کی آنکھوں میں اک آخری چمک آئی لیکن اُس نے کچھ نہیں کہا——

بس خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھی اور اُسے پار کر گئی جیسے زندگی کی اس قید سے رہائی پا گئی ہو۔

کیونکہ محبتیں وہی کامیاب ہوتی ہیں جن میں رضامندی ہوتی ہے۔

اڈیالہ جیل کی دیواریں خاموش تھیں مگران کی خامشی موسیٰ کے کانوں میں شور کی طرح گونج رہی تھی۔

ود فرش پر

ر رہا تھا۔

ہیں تھا۔

جلتا کبھی

بجھتا تھا۔

موسیٰ کمرے کے بیچ میں بیٹھا سلاخوں کو گھور رہا تھا۔

نظریں جیسے قید ہو چکی تھیں۔ سانس لینا بھی بوجھ لگ رہا تھا۔ کھلی فضاؤں کا عادی

ھے اور

رہی ہو۔

نے میں

اندھیرے میں ایک ہیولا سا ابھرا۔

پہلے دھندلا پھر واضح اور پھر وہ چہرہ سامنے آگیا فاطمہ ابراہیم کا۔

"آہ۔۔۔" موسیٰ کی آواز جیسے گلے میں پھنس گئی۔

"نہیں... نہیں... یہاں مت آؤ... مت آؤ فاطمہ... تمہاری یاد ناسور بن جائے گی میرے لیے... پلیز... چلی جاؤ... خدا کے لیے چلی جاؤ"

وہ پیچھے ہٹنے لگا دیوار سے ٹک گیا آنکھیں بند کر لیں لیکن آنکھیں بند کرنے سے وہ منظر مٹا نہیں مزید واضح ہو گیا۔

وہ آگے بڑھی اُس کے بالکل قریب چہرے پر وہی خاموشی مگر آنکھوں میں آگ۔

لب ہلے "تم نے ایسا کیوں کیا موسیٰ کیوں کیا"

بس اتنا سوال لیکن اُس ایک سوال نے موسیٰ کے اندر کی دیواریں ہلا دیں۔

"میں... میں نے کیا کیا" وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخا۔

"نہیں جاؤ یہاں سے میں نے کچھ نہیں کیا میں نے صرف تمہیں حاصل کرنا چاہا تھا تمہیں گرانا چاہا" کمرہ جیسے گھومنے لگا دیواریں آگے بڑھنے لگیں۔

موسیٰ نے اپنے بال نوچنے شروع کر دیے زمین پر گرا پاگلوں کی طرح سر پٹخنے لگا۔

اور فاطمہ ؟ وہ دور جا کر کھڑی ہو گئی۔ چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی ——درد ناک اور ڈراؤنی۔

"میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گی موسیٰ"

اُس کی آواز جیسے ہوا میں گونجی "میں تمہارے ساتھ جُڑ چکی ہوں جیسے جَو کا دانہ کپڑوں سے چمٹ جاتا ہے اب میں تمہارے ہر لمحے میں ہوں گی ہر نیند میں، ہر آہ میں ہر خواب میں"

موسیٰ نے آنکھیں کھولیں تو وہ جا چکی تھی۔

مگر اُس کی ہنسی اُس کی آواز اُس کی آنکھیں ہر چیز کمرے کی دیواروں پر نقش ہو چکی تھی۔

"نہیں... نہیں"

وہ زیرلب بڑبڑایا" یہ سب خواب ہے...ہاں... بس خواب ہے"

لیکن وہ خواب نہیں تھا— یہ سزا تھی اُس کی گناہوں کی سزا۔

فاطمہ گاڑی کی پچھلی نشست پر نیم دراز آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ اُس کے بدن پر ہلکے ٹی پنک رنگ کے کپڑے تھے دوپٹہ بے خیالی میں کندھوں پر ڈھلک رہا تھا۔ چہرے پر تھکن اور دل پر بوجھ تھا وہ خاموش تھی لیکن اُس کی خاموشی چیخ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے مگر پلکیں بند تھیں جیسے وہ خود سے بھی نظریں چُرا رہی ہو۔

جمال اگلی سیٹ پر بیٹھا بار بار کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھ رہا تھا، سوئیاں بارہ بجا چکی تھیں۔ اُس کی نظریں بار بار دروازے کی جانب جاتیں آخر کار اُسے سامنے سے آتا شہسوار دکھائی دیا۔ جمال فوراً سیدھا ہو کر کھڑا ہوا۔

"جمال کسی ہوٹل میں کمرہ بک کرواؤ اور صبح کی دو ارجنٹ ٹکٹس ڈیرہ غازی خان کی بُک کرواؤ" شہسوار نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور اگلے ہی لمحے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

جیسے ہی شہسوار گاڑی میں بیٹھا، اُس نے اگلی نشست کے آئینے سے پیچھے دیکھا۔ وہ پل لمحہ جیسے ساکت ہو گیا۔ نیم اندھیرے میں، گاڑی کی ٹھنڈی روشنی میں فاطمہ کا چہرہ بجھا ہوا چراغ لگ رہا تھا۔ اُس کی ناک میں پہنی ہوئی لونگ اور آنکھوں کے کناروں سے بہتے آنسو شہسوار کو لمحہ بھر کو ساکت کر گئے۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں لیکن آنسو جاری تھے ایک ایسی تکلیف جو الفاظ کی محتاج نہیں ہوتی۔

جمال نے آنلائن بکنگ مکمل کی اور گاڑی مین روڈ پر ڈال دی۔ فاطمہ کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ اُس نے کچھ پوچھا بھی نہیں جیسے اب سوال کرنا بے معنی لگتا ہو۔ اُس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ سیٹ سے ٹیک لگا کر وہ وقفے وقفے سے اپنا سر پیچھے مار رہی تھی جیسے جسم کا درد روح تک اُتر آیا ہو۔

شہسوار مسلسل آئینے سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی پیشانی پر بل آئے۔

"جمال کسی میڈیکل اسٹور پر گاڑی روکو" اُس نے ارد گرد نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ جلد ہی ایک اسٹور نظر آیا اور گاڑی رک گئی۔

"سر درد کی دوا لے آؤ اور پانی کی بوتل بھی" شہسوار نے نظریں گاڑی کے اندر ہی رکھیں۔

جمال بنا کچھ کہے باہر نکلا۔ پانچ منٹ بعد وہ لوٹا ایک شاپر میں دوا پانی کی بوتل اور دو ڈسپوزیبل گلاس لیے۔

"سر یہ لیجیے" اُس نے شاپر آگے بڑھایا۔

شہسوار نے گلاس میں پانی انڈیلا، دو پیناڈول کی گولیاں نکالیں اور مڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔

"فاطمہ یہ لو دوا بہتر محسوس کرو گی" اُس نے نرم آواز میں کہا۔ فاطمہ نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

"فاطمہ" شہسوار نے اب کی بار اُس کی کلائی تھامی۔

فاطمہ نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ ایک لمحے کو اُس کی نظریں شہسوار پر ٹکیں پھر اُس کے ہاتھ میں پکڑی دوا اور گلاس کی طرف گئیں۔

شہسوار نے گولیاں آگے کیں "یہ لو تمہیں آرام ملے گا"

اُس نے خاموشی سے گلاس تھاما، دوا پکڑی اور اگلے ہی لمحے کھڑکی کا شیشہ نیچے کر کے دونوں گولیاں باہر پھینک دیں۔ سب کچھ ایک جھٹکے میں ہوا۔

شہسوار اُسے بس دیکھتا رہ گیا۔

جمال نے مشکل سے اپنی ہنسی دبائی مگر فضا میں تناؤ واضح تھا۔

فاطمہ نے ایک بار شہسوار کو دیکھا اور پھر آنکھیں موند کر دوبارہ سیٹ سے ٹیک لگا لی اپنا سر آہستہ آہستہ پیچھے مارنے لگی۔ درد بڑھتا جا رہا تھا مگر اُس کی انا دوا سے بڑی تھی۔

شہسوار کی نظر اب کھڑکی کے پار کہیں دور گم ہو گئی۔

"عورت غلط شخص سے دھوکہ کھا کر، بدلہ صحیح مرد سے لیتی ہے" اُسے وہ قول یاد آیا جیسے یہ منظر اُسی کی تفسیر ہو۔

بیسیوں منٹ کی خاموش ڈرائیونگ کے بعد گاڑی ہوٹل کے دروازے پر رکی لیکن فاصلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا نہ دلوں کا نہ درد کا۔

روما خالی سڑک پر نڈھال قدموں سے چلتی جا رہی تھی۔ راستہ طویل اور تھکن سے چُور تھا، مگر اُسے کچھ ہوش نہیں تھا۔ اُس کے چہرے پر پسینہ اور دھول کی تہیں جمی تھیں، پاؤں چھالوں سے چور ہو چکے تھے۔ دل پر ایک ایسا بوجھ تھا جیسے وہ خود کو کھینچتی ہوئی قبر کی طرف جا رہی ہو۔ آنکھوں میں نیند نہیں، دماغ میں سوچ نہیں، بس ایک جنون تھا — گھر پہنچنے کا سب کچھ سنوارنے کا یا شاید ٹوٹ جانے کا۔

خان حویلی کے دروازے پر قدم رکے۔ سامنے کا منظر ساکت لمحے کی طرح اُس پر ٹوٹا۔

لوگوں کا جمِ غفیر تھا۔ حویلی کے باہر پولیس کی گاڑیاں رپورٹرز کے شور مچاتے مائیک کیمروں کی چمک اور گہری سنجیدگی میں ڈوبا ماحول۔ ہر طرف اضطراب تھا، قیامت تھی اور وہ ایک پل کو کچھ بھی سمجھنے سے قاصر رہ گئی۔ اُس کے قدم جم گئے۔

وہ دل پر پتھر رکھ کر ایک طرف سے چھپتی چھپاتی اندر داخل ہوئی۔ جیسے ہی ڈرائنگ روم کے دروازے پر قدم رکھا آنکھوں کے سامنے بچھا ہوا خون کا منظر دیکھ کر اُس کی سانسیں بند ہو گئیں۔ دل جیسے سینے میں دھڑکنا بھول گیا۔

فرش پر یحییٰ صاحب کا خون اب بھی جما ہوا تھا لیکن لاش سرد خانے بھیج دی گئی تھی۔

سامنے ماہ جبین بیگم فرش پر بیٹھی تھیں چہرے پر ہوائیاں مگر آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہیں۔ اُن کی آنکھیں پتھر ہو چکی تھیں۔ زبان خاموش چہرہ ساکت جیسے غم کا اظہار کرنا بھی چھن گیا ہو۔

مرحا دیوار سے لگی رو رہی تھی زور و شور سے جیسے اُس کی دنیا اُجڑ چکی ہو۔ اچانک اُس کی نظر دروازے پر کھڑی روما پر پڑی۔

"آپی" وہ چیختی ہوئی اُس کی طرف دوڑی۔

روما کے وجود میں جان نہ رہی لیکن مرحا کا لرزتا وجود اُس کے ساتھ لپٹ گیا۔

"آپی لالہ نے۔۔۔ لالہ نے بابا کو مار دیا"

مرحا بین ڈالتی اُس کے سینے سے لگی لرزنے لگی۔

روما کی آنکھیں چند لمحے پھٹی پھٹی سی رہیں۔ جیسے یہ جملہ اُس کے کانوں میں داخل نہیں ہو پا رہا ہو۔

"کیا" اُس کے لب کپکپائے اور وہیں زمین نے جیسے اُس کے قدم کھینچ لیے۔

اُس کے اندر کی ہمت جواب دے گئی۔ پل بھر میں اُس کے جسم کی ساری توانائی چھن گئی اور وہ لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑی ایک بے جان پتھر کی طرح۔

پورے گھر پر سناٹا چھا گیا۔ صرف مرحا کی سسکیاں باقی تھیں اور دیواروں پر پھیلا ہوا ایک ایسا سکوت جو موت سے زیادہ ہولناک تھا۔

باب ششم:

"میں نے محبت کی تھی"

~ساری دنیا کے رواجوں سے بغاوت کی تھی

تم کو یاد ہے جب میں نے محبت کی تھی

اُسے رازدار مان کر بتایا تھا حالِ دل اپنا

پھر اُس شخص نے مجھ سے عداوت کی تھی

جب تیری یادوں نے آنکھوں کو بھگو دیا تھا
تو میں نے تسبیح پر اِک نام کی تلاوت کی تھی

اُسے چھوڑ کر جب ہنستے ہوئے گھر آیا
اتنا رویا کہ آنکھوں نے شکایت کی تھی
میرے اُجڑنے کا سبب جب بھی کوئی پوچھتا ہے اب
بس اتنا کہہ دیتا ہوں محبت کی تھی۔۔۔۔

شہسوار نے ہوٹل کے سامنے گاڑی رُوکتے ہی نیچے قدم رکھا۔ ہلکی شام کی ہوا میں ایک بوجھل خاموشی گھلی ہوئی تھی۔ اُس نے لمحہ بھر کو آسمان کی طرف دیکھا جیسے اگلی منزل کا بوجھ اُس کی سانسوں میں اتر رہا ہو۔ ایک گہری سانس لے کر اُس نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

ایک پل کو اُس کی نظریں فاطمہ پر ٹک گئیں آنکھیں بند چہرہ زرد جیسے اس کے اندر کی روشنی مدھم پڑ گئی ہو۔ شہسوار کو یوں لگا جیسے اُس کے اور فاطمہ کے درمیان لفظوں کا ایک طویل فاصلہ حائل ہو۔

"فاطمہ باہر آجاؤ ہوٹل آگیا ہے"

اُس کی آواز میں نرمی اور احتیاط تھی۔ اُس نے اپنا بایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

اُس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں پہلے شہسوار کو دیکھا پھر اُس کی پیش کی گئی ہتھیلی کو ایک لمحے کے لیے دونوں کی نظریں ٹک گئیں۔

"سہارا لے سکتی ہو" شہسوار کے لہجے میں درخواست چھپی تھی۔

"مجھے سہارا لینے کی عادت نہیں ہے مسٹر شہسوار"

وہ اُس کے ہاتھ کو نظرانداز کرتے ہوئے نیچے اُتری۔

شہسوار نے دھیرے سے کہا" وہ شخص تمہیں سہارا کیسے دے سکتا ہے جسے خود تمہارے سہارے کی ضرورت ہو"

اُس کی بات سُن کر فاطمہ کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آگئی "مجھے آپ کی ان فضول باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے میرا سامان کمرے میں پہنچادیں"

اُس نے نظریں اوپر عمارت کی طرف موڑلیں مگر اُس کی ٹانگیں دھیرے دھیرے کانپنے لگیں۔ سرد مہری کا جو خول اُس نے چڑھایا تھا وہ ٹوٹنے لگا۔

"جمال سامان کمرے میں پہنچادو پھر واپس چلے جانا"

شہسوار نے اُس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے جمال سے کہا۔

"اوکے سر" جمال نے گاڑی سے بیگ اُٹھایا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اُن کا کمرہ دوسرے فلور پر تھا۔ چھوٹا مگر نفیس درمیان میں بیڈ دونوں طرف سائیڈ ٹیبل بائیں طرف ایک سنگل صوفہ اور کھڑکی کے پار اندھیرے میں ڈوبا شہر۔

"سر اگر کوئی مدد چاہیے تو بتا دیجیے گا" جمال نے بیگ رکھ کر کہا۔

"بس کل وکیل صاحب سے کیس کی بات کر لینا" شہسوار نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"جی سر اللہ حافظ۔" جمال کہتے ساتھ سیڑھیاں اُتر گیا۔

فاطمہ دھیرے دھیرے کمرے میں داخل ہوئی اچانک سب کچھ گھومنے لگا دیواریں جیسے اُس پر جھک رہی ہوں سانس گھٹنے لگا۔ دوپٹہ دروازے کے بیچ گر گیا

اور خود وہ بیڈ کے وسط میں آ گری ٹانگیں نیچے لٹک رہی تھیں اور وہ اپنے سر کو بیڈ کی پُشت سے ٹکرا رہی تھی سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ صبح کا منظر اُس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگا۔ آنسوئ تھے کہ رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

شہسوار دروازہ بند کر کے اندر آیا تو قدموں میں دوپٹہ پڑا دیکھ کر چونک گیا۔ نظریں اوپر اُٹھائیں تو منظر نے اُس کا دل چیر دیا۔ فاطمہ کا چہرہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا، وہ خود کو تکلیف دے رہی تھی جیسے اندر کا زخم جسم پر اُتار دینا چاہتی ہو۔

ایک لمحے کو شہسوار کو لگا جیسے کسی نے اس کے سینے میں چھری گھونپ دی ہو اُس نے جھک کر دوپٹہ اُٹھایا اور آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھا دل میں ایک ہی خیال کے ساتھ وہ خود کو توڑ رہی ہے۔

شہسوار آہستہ آہستہ بیڈ کے قریب پہنچا۔ اُس کے قدموں کی آواز کارپٹ میں دب گئی، لیکن کمرے کی خاموشی میں ہر سانس واضح سنائی دے رہی تھی۔

"فاطمہ... بس کرو"

اُس کا لہجہ دھیما مگر اندر ایک کرب چھپا ہوا تھا۔

فاطمہ نے سر اٹھانے کے بجائے بیڈ کی پشت سے پھر زور سے ٹکرایا۔ آنکھوں میں ضد ہونٹوں پر کپکپاہٹ۔

"مجھے چھوڑ دو مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے" آنکھیں بند کیے ہوئے بولنے لگی۔ وہ اپنے اندر کی جنگ سے لڑتے لڑتے تھک گئی تھی۔

شہسوار نے ایک لمحہ گنوائے بغیر آگے بڑھ کر اُس کے دونوں ہاتھ تھام لیے اُس کی انگلیوں کی گرفت مضبوط تھی۔

"تم خود کو تکلیف دے رہی ہو"

"تمہیں کیا فرق پڑتا ہے" اُس نے نم آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا "میری زندگی ہے تم کون ہوتے ہو روکنے والے دور ہو جاؤ میری نظروں سے"

شہسوار لمحہ بھر کے لیے خاموش رہا۔

"میں وہ ہوں جس کی یہ دیکھ کر سانس رکتی ہے کہ تم خود کو ختم کر رہی ہو"

اس کے الفاظ میں ایک ایسی گہرائی تھی کہ فاطمہ کی پلکیں لرز گئیں مگر اُس نے نظریں پھیر لیں۔

شہسوار نے جھک کر بیڈ پر گرے اس کے بال پیچھے کیے اور دوپٹہ اس کے شانے پر ڈال دیا۔

"اٹھو اور اپنے آپ کو سنبھالو تم کمزور نہیں ہو"

فاطمہ نے ہاتھ چھڑاتے ساتھ اُس کو زوردار دھکا دیا۔

"اپنی حد میں رہو آئندہ مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو ہاتھ توڑ دو گی" وہ غرائی۔ شہسوار اُس کے اس عمل پر حیران رہ گیا۔

حویلی کے وسیع صحن میں سناٹا اس طرح پھیلا تھا جیسے ہوا نے بھی ماتم میں شریک ہو کر اپنی رفتار روک لی ہو۔ ہر طرف افسردگی کی دھند سی چھائی تھی۔ یحیٰ صاحب کے قتل کے بعد حویلی کی دیواریں جیسے اپنے مکین کی موت پر سوگوار تھیں۔ کمرے میں ہلکی ہلکی سرگوشیاں اور آہستہ چلنے والے قدموں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لوگ آتے سر جھکا کر تعزیت کرتے اور خاموشی سے چلے جاتے جیسے کسی نے سب کے لب سی دیے ہوں۔

مرحا جو چپ چاپ روما کے کندھے سے لگی بیٹھی تھی اچانک سوال کر ڈالا۔

"آپی فردان بھائی کہاں ہیں آپ اُن کے ساتھ کیوں نہیں آئیں" اس کے لہجے میں حیرت اور سوال کا بوجھ تھا۔

روما کی پلکیں لرزیں ہونٹ ہلکے سے مسکرانے کی کوشش میں مڑے مگر آنکھوں میں آنسو چمک اُٹھے یہ مسکراہٹ نہیں بے بسی کا بیاں تھی۔ یہ وہ روما تھی جسے زندگی نے ایک ہی وقت میں ہنسانا اور رلانا سکھا دیا تھا۔

دور بیٹھی ماہ جبین بیگم نے اپنی بیٹی کی حالت دیکھی تو دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ ان کی آنکھوں میں وہی پرانا زخم تازہ ہو گیا۔

"گھر سے بھاگنے والیوں کے گھر نہیں بسا کرتے دیکھ لو جس کے لیے لڑ کر گئی تھی اُس نے ہی اپنا دامن چھڑا لیا" وہ بے ساختہ بول اُٹھیں۔

مرحا کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔

"ماں ایسا کیسے ہو سکتا ہے فردان بھائی محبت کرتے تھے وہ ایسا نہیں کر سکتے" اس کے لہجے میں ضد بھی تھی اور دعا بھی کاش ایسا نہ ہو جیسا ماں بول رہی ہے۔

رومانے گہری سانس لی جیسے دل کے اندر سے زہر باہر نکال رہی ہو۔

"محبت نہیں تھی مرحا قسم سے محبت نہیں تھی اگر محبت ہوتی تو کیا یوں چھوڑ دیتا میں نے ایک بار کہا میں چلی جاؤ اور اُس نے کہا خدا کا واسطہ چلی جاؤ" اس کے لہجے میں اتنی تلخی اور کرب تھا کہ کمرے کی فضا اور سنجیدہ ہو گئی۔

"اُس دن سمجھ آئی محبت نہیں تھی ماں ہمارا نصیب ایک جیسا ہے نہ آپ کے شوہر نے آپ سے محبت کی نہ میرے شوہر نے واللہ یہ جملہ دل پر تیر کی طرح لگا کہ میرے شوہر نے کہا خدا کے لیے چلی جاؤ"

روما نے مرحا کا ہاتھ پکڑا اور اس کی ہتھیلی پر بے مقصد لکیریں کھینچنے لگی مگر آنکھیں اب بھی چھت پر لٹکے فانوس پر جمی تھیں۔ فانوس کی مدھم روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی جیسے اُس کے زخموں پر ہلکا سا پردہ ڈال رہی ہو۔

"مرحا محبت مت کرنا قسم سے جان لے لیتی ہے پہلے میں نے محبت کی نتیجہ صفر نکلا پھر سوچا اُس سے محبت کروں گی جو مجھے چاہے گا لیکن جب میں چاہنے لگی نتیجہ پھر صفر" روما نے یہ کہتے ہی ایک قہقہہ لگایا ایسا قہقہہ جو خوشی کا نہیں بلکہ دل کی

راکھ سے اُٹھا دھواں تھا۔ ماہ جبین بیگم نے اپنی بیٹی کی اس بے خودی پر دل تھام لیا۔

وہ آہستہ سے روما کے قریب آئیں اور سنجیدگی سے بولیں۔

"جس کو تم محبت سے بچنے کے طریقے بتا رہی ہو وہ تو عشق کی بازی لگا چکی ہے"

روما نے چونک کر مرحا کو دیکھا آنکھوں میں حیرت تیر گئی "مرحا کہی وہ اسماعیل تو نہیں"

مرحا کے چہرے پر ایک نرم سی لالی دوڑ گئی۔

"آپی اسماعیل بہت اچھا ہے اُس کے گھر والے مان گئے ہیں شادی کے لیے بس وہ کہہ رہا تھا ماں سے بات کر لو جب میں کہوں گی وہ رشتہ لے آئے گا" اس کے لہجے میں اتنا یقین تھا جیسے محبت کا انجام ہمیشہ خوشی میں نکلتا ہے۔

رومانے اس کی بات پر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ ڈالی

"تو بلا لو اپنے اسماعیل کو کل رشتہ لے آئے پرسوں نکاح کریں گے لیکن اگر وہ نہ آیا پھر سوچا ہے کیا کرو گی"

"وہ فردان بھائی جیسا نہیں ہے وہ ضرور آئے گا" مرحانے سر اُٹھا کر کہا۔

ماہ جبین بیگم نے دونوں کو دیکھا "جاؤ بلا لو ہم تمہاری شادی کرنے کے لیے تیار ہیں" کہہ کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

پیچھے دونوں بہنیں ایک عجیب سی کشمکش میں رہ گئیں۔ ایک وہ جو دعا کر رہی تھی کہ اسماعیل آجائے اور دوسری جو اپنے زخموں کے بوجھ کے ساتھ بیٹھی تھی لیکن دل ہی دل میں یقین سے کہہ رہی تھی "وہ نہیں آئے گا"

سیام اور فردان آہستہ آہستہ مرکزی دروازے سے داخل ہوئے تو صحن میں بیٹھی رئیسہ اور حفصہ بیگم فوراً کھڑی ہو گئیں، جیسے گھنٹوں سے انہی کا انتظار کر رہی ہوں۔

رئیسہ تیزی سے آگے بڑھی چہرے پر بے چینی اور آنکھوں میں سوالوں کا طوفان۔

"سیام فاطمہ نے کچھ بتایا کہاں ہے وہ اور وہ شہسوار کے ساتھ کیوں تھی" اس کی آواز میں گھبراہٹ صاف جھلک رہی تھی جیسے ہر لفظ میں دل کی دھڑکن چھپی ہو۔

سیام کے چہرے پر سختی کی لکیر ابھری "مجھے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنی رئیسہ میں تھکا ہوا ہوں ریسٹ کی ضرورت ہے "اس نے رئیسہ کا ہاتھ جھٹک دیا۔

یہ کہہ کر وہ تیز قدموں سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا اس کے جوتوں کی آواز صحن میں گونجتی رہی جب تک وہ اوپر غائب نہ ہو گیا۔

رئیسہ لمحہ بھر کے لیے ساکت رہ گئی پھر تیزی سے فردان کی طرف مڑی شاید وہ کچھ بتا دے۔

حفصہ بیگم فردان کے قریب آ کر اس کے سر پر ہولے سے ہاتھ پھیرنے لگیں جیسے اس لمس سے اس کا بوجھ کم کر دیں "فردان بیٹا کچھ تو بتاؤ"

فردان نے آنکھیں بند کیں۔ "امی فاطمہ کا نکاح شہسوار سے کروا دیا ہے وہ اُسے لے گیا ہے" ایک گہری سانس لی اور بوجھل آواز میں کہا۔

یہ جملہ جیسے کمرے کی ہوا میں گرا اور ہر چیز کو ساکت کر گیا۔

رئیسہ نے چونک کر پلکیں جھپکائیں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ تو موسیٰ کے نکاح میں تھی"

"موسیٰ نے طلاق دے دی" فردان کا لہجہ خالی سا تھا جیسے ہر جذبہ نچوڑ لیا گیا ہو

"امی پلیز ایک کپ چائے بنا دیں" وہ تھکن سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

حفصہ بیگم کے چہرے پر فکر کی پرچھائیاں گہری ہو گئیں۔ اُنھیں علم نہیں تھا لیکن مزید کھرید نا مناسب نہ لگا۔

"میں لاتی ہوں تم آرام کرو" وہ جانتی تھیں کہ فردان کے دل پر کیسا وار ہوا ہے ۔

رئیسہ اچانک بولی۔

"فردان روما کہاں ہے تم دونوں نے نکاح کیا تھا، کہاں ہے وہ"

فردان کے ہونٹ ہلکے سے کانپے آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔

"میں اس کے معاملے میں کمزور نکلا چھوڑ دیا میں نے اُسے"

رئیسہ کی آنکھوں میں حیرت ابھری "طلاق دے دی" وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"نہیں اگر مانگے گی تو دے دوں گا" فردان نے نظریں جھکا لیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی ایسی جگہ بھاگ جائے جہاں کوئی اس کی اندر کی چیخیں نہ سن سکے۔

"محبت ہے وہ تمہاری رہ لوگے اُس کے بغیر" رئیسہ کی آواز میں ترس اور شکوہ دونوں شامل تھے۔

"ہماری محبت بغیر سر پیر کہ تھی اس لیے میں بھول جاؤں گا آپ بھی بھول جائیے۔ اور پلیز یہ بات کسی کو مت بتائیے گا" فردان نے سرد لہجے میں کہا مگر اندر سے جیسے ہر لفظ اس کا کلیجہ کاٹ رہا تھا۔

رئیسہ کا دل مزید بوجھل ہو گیا۔

"تم اچھا نہیں کر رہے فردان اُس کا کیا قصور ہے یہ ظلم مت کرو"

فردان نے پھیکی مسکراہٹ دی۔

"قصور میرا ہے محبت ہی نہیں کرنی چاہیے تھی بھابھی" اس کی آواز دھیمی مگر پتھر کی طرح بھاری تھی "میں کمرے میں جا رہا ہوں امی کو وہاں بھیج دیجیے گا"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور آہستہ سے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے قدموں کی آواز دور جاتی رہی اور پیچھے رئیسہ اور حفصہ بیگم ایک دوسرے کو دیکھتی رہ گئیں۔ جیسے اس شخص کے اندر کا ٹوٹا ہوا آسمان سنبھالنے کا کوئی راستہ نہ مل رہا ہو۔ حفصہ بیگم اُس کو دیکھتی رہ گئی آخر ہوا کیا ہے وہ بس سوچ سکی۔

شہسوار شاور لے کر واپس آیا تو بالوں سے اب بھی پانی کے قطرے اس کے چوڑے کندھوں پر پھسل رہے تھے۔ نرم مگر ہلکی سی نمی لیے ہوا کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کی نگاہ بیڈ پر لیٹی فاطمہ پر ٹھہری وہ بالکل ویسے ہی لیٹی تھی

جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا آنکھیں خلا میں جمی ہوئی جیسے دیوار پر نہیں بلکہ دل کے اندر کسی زخم کو گھور رہی ہو۔

وہ ابھی اسی خاموشی کو پڑھنے کی کوشش میں تھا کہ اچانک دروازے پر ہلکی مگر پُراثر دستک ہوئی۔ شہسوار نے دروازہ کھولا تو باہر روم سروس والا کھڑا تھا ہاتھ میں چمچماتی دھات کی ٹرالی جس سے کھانے کی خوشبو ہلکی ہلکی لہروں میں کمرے کی ہوا میں شامل ہو رہی تھی۔

"سر آپ کا آرڈر"

"شکریہ"

شہسوار نے مختصر سا کہا اور ٹرالی اندر کھینچ لایا۔ دروازہ بند ہوتے ہی وہ ٹرے کو ٹیبل پر سیٹ کرنے لگا۔ پلیٹوں اور چمچوں کی ٹک ٹک اس گہری خاموشی میں اور بھی نمایاں تھی۔

"کھانا کھالو ٹھنڈا ہو جائے گا" اس نے فاطمہ کو مخاطب کیا جواب بھی چھت کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہاں کوئی ان کہی تحریر لکھی ہو۔

"زہر لا دو مجھے" اس کی ٹوٹی ہوئی آواز میں تھکن بیزاری اور نفرت ایک ساتھ گوندھی ہوئی تھی۔

شہسوار کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اُبھری "سوری وہ تو اویلیبل نہیں ہے ابھی" وہ نرم لہجے میں طنز کا ہلکا سا رنگ شامل کر کے بولا جیسے زخم پر ہتھیلی رکھنے کی کوشش ہو۔

" کھالو کھانا تمہیں ابھی اس کی ضرورت ہے میں بھی کھا رہا ہوں تم بھی آجاؤ" وہ چپاتی کا پہلا نوالہ توڑتے ہوئے بولا۔

" جُوٹا کھانے کی عادت نہیں ہے مجھے " فاطمہ نے تلخی سے کہا آنکھیں اب بھی اُس کے چہرے سے پرے تھی۔

شہسوار جو نوالہ منہ تک لے جا رہا تھا اُس کا ہاتھ ہوا میں تھم گیا۔ "چلو پہلے تم کھالو مجھے تو ویسے بھی اب تمہارا جُوٹا کھانے کی عادت ڈالنی ہے آجاؤ شروع کرو"

"میرا دماغ چاٹنا بند کرو شہسوار" فاطمہ کا لہجہ اب تیز اور آنکھوں میں خشمگینی تھی "میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے تمہاری آواز بھی نہیں سننا چاہتی۔ بحث مت کرو اگر ایک لفظ بھی بولا تو میں کمرے سے چلی جاؤں گی"

شہسوار کے چہرے پر لمحہ بھر کو خاموشی چھا گئی مگر اس کی آنکھوں میں ایک ضد سی ابھری۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بات بدلتے ہوئے بولا۔

"کل کورٹ جانا ہے تیار رہنا"

فاطمہ تکیے سے کان ڈھانپے لیٹی تھی مگر یہ سن کر جیسے جھٹکا لگا وہ سیدھی اٹھ بیٹھی

"کورٹ کیوں جانا ہے"

"موسیٰ نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ کل اس کی پہلی پیشی ہے" شہسوار نے پلیٹ میں بریانی نکالتے ہوئے کہا۔

"تو مجھے کیوں بلایا ہے عدالت نے"

"انکل کے قتل کا اس نے اعتراف کیا ہے۔ سزا کا حق تمہارے پاس ہے"

شہسوار نے یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ جیسے اندر چھپے کسی فیصلے کو پڑھنا چاہتا ہو۔

"تم اس کو کیا سزا دو گی"

فاطمہ کے لب کھلے اور ایک زہریلا سا لفظ ٹپکا "موت"

شہسوار کا کانٹا پلیٹ میں رک گیا۔

"موت سے بدتر سزا دوں گی ایسی سزا کہ وہ موت مانگے اور موت اس سے پناہ مانگے" فاطمہ کے ہاتھ بیڈ شیٹ کو یوں مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے جیسے دشمن کا گلا ہو۔

"ہمت ہے کل اس کا سامنا کرنے کی"

"میری ہمت کو مت پرکھو شہسوار اس کی بے وفائی کے بعد بھی اگر میں زندہ ہوں تو تم خود اندازہ لگا لو کہ میں کس حد تک ڈھیٹ ہوں"

"گڈ اسی بات پر کھانا کھالو" شہسوار نے جیسے اس کے جواب کو سراہتے ہوئے کہا۔

"تم اپنا کھانا اٹھاؤ اور بھاڑ میں جاؤ" وہ غصے سے واش روم میں گھس گئی اور دروازہ زور سے بند کر دیا۔

شہسوار نے پیچھے سے آواز لگائی "مطلب تم بھاڑ میں آ کر کھانا کھاؤ گی کوئی بات نہیں میں وہاں بھی آ جاؤں گا تمہارے لیے کھانا لے کر"

"مر جاؤ تم" اُس نے اندر سے ہانک لگائی۔

"مر ہی تو گیا ہوں تم پر"

اب کی بار اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ شہسوار نے مسکراتے ہوئے کھانے کے برتن سمیٹے اور بستر پر لیٹ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب فاطمہ واش روم سے باہر نہیں نکلے گی۔ کمرے میں خاموشی پھیل گئی مگر اس خاموشی کے نیچے ایک طوفان اب بھی سانس لے رہا تھا۔

رئیسہ آہستہ قدموں سے کمرے میں داخل ہوئی۔ کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا تھا صرف سیام کے سائیڈ ٹیبل کا لیمپ جل رہا تھا جس کی دھیمی زرد روشنی میں کمرے کی دیواروں پر لمبے لمبے سائے بن رہے تھے۔ کھڑکی کے باہر سے آتی ہوا

پردوں کو ہلکا سا جنبش دے رہی تھی۔ سیام پلنگ پر آنکھیں موندے لیٹا تھا جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہو۔

رئیسہ خاموشی سے اس کے پاس آکر بیٹھ گئی مگر کچھ نہیں بولی۔ اس کی خاموشی میں ہلکی سی خفگی اور انتظار کی ملی جلی کیفیت تھی۔

"ناراض ہو" سیام نے آنکھیں کھول کر ایک نظر اس پر ڈالی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"تمہیں کون سا فرق پڑتا ہے" رئیسہ نے منہ پھلا کر کہا۔

سیام کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی وہ قریب جھکتے ہوئے بولا "اکلوتی بیوی ہوں مجھے فرق نہیں پڑے گا تو کسے پڑے گا"

رئیسہ نے غصے سے چہرہ پھیر لیا "تو دو اور لے آؤ ویسے بھی تمہیں چار کی اجازت ہے"

سیام ہنسا "اجازت تو چار کی ہے لیکن ابھی ایک ہی چار کے برابر ہے"

وہ جانتا تھا رئیسہ کا غصہ صرف زبان پر ہے دل میں نہیں اسی لیے لہجہ نرم رکھا۔

"مجھ سے بات مت کرو سیام میر امروز"

یہ پہلا موقع تھا کہ رئیسہ نے اس کا پورا نام پکارا۔ سیام نے اس کے چہرے کو اپنی طرف موڑا۔

"رئیسہ اگر تم دوسروں کی وجہ سے جھگڑا کرنا چاہتی ہو تو مجھے بتا دو"

رئیسہ کی آنکھوں میں ایک سنجید گی اُبھری "میں کیوں کروگی دوسروں کی وجہ سے جھگڑا لیکن فاطمہ کے ساتھ غلط ہوا ہے "اس نے سیام کا ہاتھ تھام لیا۔ سیام کے ہاتھ رئیسہ کی کمزوری تھے۔ لمبی مخروطی انگلیاں جنہیں دیکھتے ہی دل چاہتا تھا کہ گرفت میں رکھا جائے۔

"اس کی بھلائی اسی میں تھی اگر یہ سب نہ ہوتا تو وہ اپنی زندگی برباد کرلیتی" سیام نے اس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا۔

رئیسہ کے دل میں ایک چھوٹا سا کانٹا چبھا "اتنا جانتے ہو اسے" حسد کی ہلکی سی پرچھائیں اس کے لہجے میں آگئی۔

"میں اسے بچپن سے جانتا ہوں وہ بہت ضدی ہے موسیٰ کے پیچھے اپنی زندگی ضائع کردیتی۔ مجھے فردان سب کچھ پہلے ہی بتا چکا تھا موسیٰ کے بارے میں۔

رئیسہ جیسے عورت مرد کو سنوار سکتی ہے ویسے ہی مرد بھی عورت کو سنبھال سکتا ہے۔ ابھی تم سب عورتوں کو لگ رہا ہے فاطمہ کے ساتھ زیادتی ہوئی لیکن آنے والے کل میں وہ خود کہے گی یہ اس کی زندگی کا بہترین فیصلہ تھا" سیام نے اس کے بال آہستہ آہستہ سنوارے۔

"تمہیں شہسوار پر اتنا یقین کیوں ہے جب کہ وہ ہوٹل میں اس کے ساتھ تھا "سیام کے چہرے پر سنجیدگی کا رنگ گہرا ہوا۔

"تم عورتیں مرد کی اپنے مطلب کی سائیڈ کیوں دیکھتی ہو تم نے یہ دیکھا کہ فاطمہ شہسوار کی وجہ سے بدنام ہوئی لیکن یہ کیوں نہیں دیکھا کہ وہ آخر تک اس کے ساتھ کھڑا رہا اسے گھر لایا اس سے نکاح کیا موسیٰ کی طرح بیچ راستے میں چھوڑا نہیں"

رئیسہ پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی "ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو"

چند لمحوں بعد رئیسہ نے مسکرا کر کہا "سیام ویسے تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی نا"

"ایسا کون پیدا ہو گیا جو میرے ساتھ زیادتی کرے" سیام نے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگا لیا۔

"مطلب تم اچھی لڑکی ڈیزرو کرتے تھے" رئیسہ نے رخ پھیر لیا۔

"ہاں، کرتا تو تھا لیکن مجھے اللہ نے بہترین سے نوازا ہے" سیام نے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

رئیسہ نے محسوس کیا اس کی دھڑکنیں کتنی پُر سکون ہیں۔ اس کے لمس میں ایک ایسی اپنائیت تھی جو لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی تھی۔

"اب تو ناراض نہیں ہو" سیام نے نرمی سے پوچھا۔

"تم سے ناراض نہیں ہو سکتی ہوں میں" وہ آہستہ سے بولی۔

"جھوٹ مت بولو ناراض ہو کر چلی تو گئی تھی"

"تم نے نکالا تھا" رئیسہ نے اس کے چہرے کی لکیریں اپنی انگلیوں سے چھوئیں۔ سیام کے تیکھے نین نقش روشنی میں اور نمایاں ہو گئے۔

"بس کرو بچوں کے سامنے ایسی باتیں مت کرو" سیام نے اس کے گال کھینچ لیے۔ رئیسہ کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

"بے شرم انسان" رئیسہ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

سیام کا قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا اور اس ہنسی نے باقی رات کی خاموشی کو مٹا دیا۔

سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نیلا آسمان چیرتا ہوا حویلی کی بلند دیواروں پر سونے کی دھوپ بکھیر رہا تھا۔ لان میں کھلتے گلابوں پر روشنی کے ذرے جھلملا رہے تھے اور برآمدے کے کونے میں رکھا پرانا جھولا ہوا کے ہلکے جھونکوں سے آہستہ آہستہ چرچرا رہا تھا۔

حویلی کے اندر سب کچھ حسبِ معمول اپنی رفتار سے چل رہا تھا۔ روما خاموش قدموں سے مرحا کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں خوشبوؤں کا ایک ہلکا سا جال بُنا ہوا تھا۔ مرحا آئینے کے سامنے کھڑی ڈارک گرین کلر کا کرتا پہنے بالوں کو مضبوطی سے ٹیل پونی میں باندھ رہی تھی۔ روشنی آئینے سے ٹکرا کر اس کے گالوں پر نرمی سے گر رہی تھی۔

"تم کہیں جا رہی ہو مرحا" روما نے کمرے کے اندر پھیلتی ہلکی سی خوشبو کے بیچ سوال کیا۔

"جی اسماعیل سے ملنے ہاسپٹل جا رہی ہوں" مرحا نے کاجل کی سلائی اپنی آنکھ کے قریب لے جاتے ہوئے نرمی سے جواب دیا مگر اس کی آواز میں معمولی سی تیزی چھپی ہوئی تھی۔

روما نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ورسٹ واچ اُٹھائی۔ جیسے وہ خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کر رہی ہو "میں بھی میڈم غزالہ سے ملنے جا رہی ہوں آ جاؤ ساتھ، تمہیں ڈراپ کر دوں گی"

مرحا نے پلکیں جھپکائیں جیسے سوال اس کے ذہن پر چبھ گیا ہو "آپ کو اُن سے کیا کام "ایک پراپرٹی ڈیلر اور روما یہ جوڑ مرحا کو عجیب لگا۔

روما کے ہونٹوں پر ہلکی سی سختی آ گئی۔ "تمہاری شادی اسماعیل سے کرنے کے بعد، میں ماں کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی اور یہ محل نما حویلی گاڑیاں سب بیچ دوں گی میں یہاں نہیں رہنا چاہتی "اس کے لہجے میں ایک دبی ہوئی ہچکی اور آنسوؤں کا بوجھ تھا جیسے ہر لفظ اس کے اندر سے زبردستی کھینچ کر نکالا جا رہا ہو۔

مرحا کی آنکھوں میں ایک لمحے کو نرم سا سایہ آیا۔ "کہاں جائے گی سوچا ہے"

روما نے گہری سانس لی اور گلے میں سکارف سیٹ کرنے لگی۔ "اسلام آباد سنا ہے روشنیوں کا شہر ہے بس اب زندگی اپنے لیے گزارنی ہے"

مرحا آگے بڑھی اس کے پاس جا کر بیڈ پر بیٹھ گئی جہاں روما سینڈل کا پہن رہی تھی "فردان بھائی سے ڈائیورس نہیں لے گی"

اس سوال پر روما کے ہونٹوں پر ایک تلخ مگر نیم مسکراہٹ اتر آئی "چار ماہ نکاح میں اور تین ہفتے حیدر آباد میں اس کے ساتھ گزارے وہ دن یادگار تھے مرحا دل

میں ڈر تھا کہ پکڑے جائیں گے مگر اس شخص نے ان دنوں میرا بے حد خیال رکھا۔ جب ڈر لگتا تھا کہ آج سب راز کھل جائے گا وہ مجھے اپنی آغوش میں چھپا لیتا ایسے شخص کو کیسے چھوڑ دوں" اس کی آنکھوں میں یادوں کی دھند اور دل میں ایک پرانا زخم ہلکا سا ہرا ہو گیا۔

مرحا نے آہستگی سے چادر اپنے کندھوں پر پھیلائی۔ "چھوڑیں یہ باتیں اگر مستقبل کی طرف بڑھنا ہے تو ماضی کو پیچھے چھوڑنا پڑے گا آپی نیچے آئیں چلتے ہیں" اور وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی پیچھے روما کی دھیمی سانسیں کمرے میں گونجتی رہ گئیں۔

عدالت کے باہر صبح کی ہلکی روشنی پتھریلی سیڑھیوں پر سنہری لکیریں کھینچ رہی تھی۔ ہوا میں کاغذ اور فائلوں کی ہلکی سی باس گھلی ہوئی تھی۔ شہسوار فاطمہ کے ساتھ دروازے سے اندر داخل ہوا تو سامنے وکیل صاحب پہلے ہی کھڑے تھے ہاتھ میں فائل آنکھوں میں اطمینان۔

فاطمہ جو رات بھر حوصلے کا خول اوڑھے بیٹھی تھی اس پل خود کو اندر سے ٹوٹتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ موسیٰ کا سامنا کرنے کا خوف جیسے اس کی ہڈیوں میں سرسراتا ہوا رینگنے لگا ہو۔

"کیس تو پہلے ہی آپ کے حق میں ہے فاطمہ صاحبہ بس تھوڑی ہمت سے کام لینا ہے" وکیل نے نرمی سے کہا اور پھر اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا۔

شہسوار نے اس کی طرف دیکھا اس کے کندھے ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے "تم ٹھیک ہو فاطمہ "اس نے اسے کرسی پر بٹھایا۔

"مجھے کیا ہونا ہے ٹھیک ہوں" فاطمہ نے اپنے لرزتے لہجے کو مضبوط بنانے کی کوشش کی مگر انگلیوں کی گرفت خود پر ڈھیلی تھی۔

"پانی پینا ہے" شہسوار نے سامنے کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں کچھ نہیں چاہیے" فاطمہ نے آنکھیں موندلیں جیسے آنے والے لمحے کے بوجھ سے پہلے خود کو سنبھال رہی ہو۔

آدھے گھنٹے بعد پیغام آیا کیس شروع ہونے والا ہے۔

عدالت کا ہال نیم تاریکی اور سنجیدگی میں ڈوبا ہوا تھا۔ فاطمہ شہسوار کے ساتھ جج کے سامنے والی قطار میں جا بیٹھی۔ کچھ ہی دیر میں دروازہ کھلا اور دو پولیس والے موسیٰ کو اندر لائے۔ ہتھکڑیاں اس کے ہاتھوں میں جمی دھات کی ٹھنڈک بن کر چمک رہی تھیں۔ بال بکھرے ہوئے مگر آنکھوں کی جمی ہوئی روشنی اب بھی ویسی تھی ہتھکڑیوں میں بھی ایک عجیب سا رُعب بادشاہ جیل کی فضاء میں بھی حسین تھا۔

فاطمہ نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا اور اسی لمحے موسیٰ کی نظریں اس سے ملیں وقت جیسے تھم گیا۔ اندرون لاہور کی شاموں میں گونجتے قہقہے بارش کی خوشبو اور وہ مختصر پل سب ایک جھلک میں واپس لوٹ آئے۔ موسیٰ بس اسے

دیکھتا رہا بلیک شلوار قمیض میں وہ آج بھی ویسی ہی خوبصورت لگ رہی تھی جیسی پہلے تھی۔۔

شہسوار نے دونوں کو دیکھا پھر نظریں پھیر لیں ایک ہلکی اداس مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آکر ماند پڑ گئی۔ وہ جانتا تھا وہ اس کے ساتھ ہو کر بھی کہیں اور تھی اور یہ اس کے لیے سب سے بڑی اذیت تھی۔

فاطمہ کے کانپتے ہاتھ جانے کب شہسوار کے ہاتھ پر آ گئے۔ جب شہسوار نے دیکھا اس کے ناخن شہسوار کے ہاتھ کی پشت میں پیوست تھے۔ وہ غصہ چھپانے کی کوشش میں اس کے ہاتھ کو زخمی کر چکی تھی۔ مگر ہاتھ ہٹانے کے بجائے شہسوار نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھام کر سہلانا شروع کر دیا۔ موسیٰ جو بائیں

طرف بیٹھا تھا یہ منظر دیکھ کر نظریں موڑ گیا وہ اپنے علاوہ کسی کو اس کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"کیس کی سماعت شروع کی جائے" جج صاحب کی گہری آواز ہال میں گونجی۔

وکیل صاحب اٹھے "جج صاحب جیسا کہ آپ جانتے ہیں موسیٰ صاحب نے خود اعتراف کیا ہے کہ فاطمہ صاحبہ کے والد کے قتل کا حکم انہوں نے ہی دیا۔ اب میں مدعیہ فاطمہ صاحبہ کو بلاؤں گا تاکہ وہ بتائیں کہ مجرم کو کیا سزا دینا چاہتی ہیں کیونکہ مجرم نے سزا کا حق محترمہ کو دیا ہے"

"فاطمہ صاحبہ کو عدالت میں پیش کیا جائے" جج صاحب نے ہتھوڑا بجایا۔

اپنا نام سنتے ہی اس کے پاؤں جیسے زمین میں دھنس گئے۔ بدن سن ہو گیا سانس بھاری۔ شہسوار اس کے قریب جھکا" جاؤ شاباش اُٹھو" یہ منظر جج صاحب نے غور سے دیکھا۔

کانپتی ٹانگوں سے چلتی فاطمہ کٹہرے میں جا کھڑی ہوئی۔ موسیٰ کا وکیل آگے آیا اس کی آنکھوں میں کسی اور ہی نیت کی چمک تھی۔

"فاطمہ صاحبہ سزا کا حق آپ کے پاس ہے مگر اس سے پہلے ایک سوال ہے شہسوار صاحب سے آپ کا کیا تعلق ہے آپ کے گھر والوں میں سے کوئی کیوں نہیں آیا"

ہال میں ایک لمحے کو خاموشی اتر گئی۔

"شہسوار صاحب مدعیہ فاطمہ ابراہیم کے شوہر ہیں۔ آپ ان کی نجی زندگی کو نشانہ نہ بنائیں وکیل صاحب" فاطمہ کے وکیل نے فوراً کہا۔

یہ سن کر موسیٰ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔۔۔ فاطمہ ابراہیم تو صرف موسیٰ کی تھی تو پھر یہ شادی۔۔ وہ کسی اور کی ہو گئی ہے یہ خیال اس کے سینے میں کیل کی طرح پیوست ہو گیا۔ دل کی دھڑکن جیسے رکنے لگی۔

"محترمہ عدالت کو بتائیں مجرم کو کیا سزا دیں گی" جج صاحب کی آواز اب تیز تھی۔

"چار سال اندھیرے کی قید اور پھر پھانسی"

موسیٰ نے یہ سنا اور ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔ اس کے لیے موت پھانسی سے پہلے آ چکی تھی جب اسے معلوم ہوا کہ وہ کسی اور کی ہو چکی ہے۔

جج صاحب نے ہتھوڑا بجایا "موسیٰ شیر خان کو قتل کیس میں پھانسی کی سزا دی جاتی ہے مگر پھانسی چار سال بعد ہو گی۔ دورانِ سزا معافی کا حق موجود رہے گا"

ہال آہستہ آہستہ خالی ہونے لگا۔ پولیس والے موسیٰ کو ہتھکڑیوں سمیت لے جانے لگے۔ وہ اچانک رکا۔

"مجھے ایک بار فاطمہ سے بات کرنی ہے" اس نے شہسوار کی طرف دیکھا۔

شہسوار نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے کہا "تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں"

پولیس والے پیچھے ہٹ گئے شہسوار فاطمہ کو موسیٰ کے قریب لے آیا اور خود دروازے کی طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا تاکہ نہ وہ انہیں دیکھے نہ ان کی بات سنے۔

موسیٰ نے گردن ذرا جھکائی، ہتھکڑیوں کی زنجیر میں ہلکی سی کھنک ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں وہی پرانی تھکن وہی پرانا دکھ مگر لہجے میں ایک دبی ہوئی تڑپ تھی۔ "میں نے تمہیں بہت یاد کیا عادت ہو گئی ہے تمہاری" اس نے دھیرے سے کہا اور پھر نظریں زمین پر گاڑ دیں آج وہ اُسے نظر بھر کر دیکھنے کا حق کھو چکا تھا۔

فاطمہ کا دل ایک پل کے لیے جیسے کسی نے مٹھی میں دبا لیا ہو مگر اگلے لمحے وہ پھٹ پڑی "کیوں کیا میرے ساتھ یہ سب موسیٰ کہاں لا کر کھڑا کر دیا مجھے؟ میں آگے نہیں بڑھ پا رہی میری زندگی رُک گئی ہے دیکھو مجھے میں کیا تھی اور کیا بنا دیا مجھے" اس کی آواز اذیت کی آخری حد پر کانپ رہی تھی آنکھوں میں وہ آنسو تھے جو برسنے سے انکار کر رہے تھے۔

موسیٰ نے ایک قدم اس کی طرف بڑھایا ہتھکڑی کی زنجیر ہلکی سی بجی "میں بھی وہیں کھڑا ہوں قسم سے پل پل مر رہا ہوں" وہ اُس کی طرف بڑھنے لگا کہ فاطمہ نے اُسے ٹوک دیا۔

"پاس مت آنا" فاطمہ فوراً دو قدم پیچھے ہٹی اس کے لہجے میں خوف اور غصے کا امتزاج تھا "مجھ سے دور ہو کر بات کرو"

موسیٰ رک گیا جیسے اس ایک جملے نے اس کے قدم زمین سے جکڑ دیے ہوں۔ دونوں کے بیچ اب صرف چند قدم کا فاصلہ نہیں بلکہ برسوں کا خلا تھا۔

وہ لمحے بھر خاموش رہا پھر بھاری سانس لے کر بولا۔ "ایک بات بتاؤ مجھے" موسیٰ نے نظریں سیدھی اس کے چہرے میں گاڑ دیں۔

"بتاؤ وہ تمہیں ایسے دیکھ سکتا ہے جیسے میں دیکھتا تھا؟ وہ تمہیں ایسے تھام سکتا ہے جیسے میں نے ہر خوف میں تھاما تھا۔ وہ تمہیں ویسا پیار کبھی نہیں کر پائے گا جیسا میں نے کیا ہے"

فاطمہ نے نظر جھکا لی مگر دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ "میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ میرے سکون کے لیے ہے"

"سکون" موسیٰ کے لہجے میں تھکن تھی "تمہیں سکون مل جائے گا اور میں" اس نے خود ہی جواب دیا "میں ہر رات تمہیں یاد کرتے کرتے مر جاؤں گا اور تم سوچو گی نہیں کیونکہ تمہارے پاس کوئی اور ہو گا جو تمہارا ہاتھ تھامے گا"

فاطمہ نے لب کھولے مگر کوئی لفظ نہ نکلا۔ موسیٰ نے ایک آخری نظر اس پر ڈالی ایسی نظر جس میں محبت اور ایک شکستہ بادشاہ کی خاموشی بھی۔

~سالوں بعد ملوں گا میں تم سے کبھی
سالوں بعد بھی یہی کہوں گا کہ محبت ہے تم سے

موسیٰ دھیرے سے اُس کے قریب ہوا شعر پڑھ دیا۔

"موسیٰ شیر خان جیسی محبت فاطمہ ابراہیم سے کوئی نہیں کر سکتا۔ کوئی تمہیں ویسے نہیں چاہ سکتا جیسے میں نے چاہ ہے۔" موسیٰ جیسے جیسے بول رہا تھا وہ ساکت ہو رہی تھی۔

پولیس والا قریب آیا۔

"وقت ختم"

پولیس والے اسے لے گئے۔ فاطمہ وہیں کھڑی رہی جیسے اس کی ایڑھیاں زمین میں پیوست ہو گئی ہوں۔ شہسوار نے آکر اس کا ہاتھ تھاما مگر موسیٰ کی گونج اب بھی اس کے کانوں میں زندہ تھی۔

عدالت کے ہال سے نکلتے ہی لمبا سنّاٹا فاطمہ کے گرد لپٹ گیا۔ باہر کا برآمدہ ویران تھا مگر اس کے کانوں میں ابھی تک موسیٰ کی آواز گونج رہی تھی۔ قدم بھاری ہو گئے تھے، جیسے وہ ایک ایک قدم کھینچ کر اٹھا رہی ہو۔ شہسوار اس کے ساتھ خاموش چل رہا تھا اس کی نظریں سیدھی آگے مگر دل میں طوفان تھا۔

اچانک فاطمہ رکی پھر بغیر کچھ کہے پنجوں کے بل زمین پر گر گئی۔ اس کے گھٹنوں نے ٹائلوں کو چھو لیا اور وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر شہسوار کے سامنے جیسے گر پڑی۔ آنکھوں سے آنسو بارش کی طرح بہنے لگے۔

"شہسوار..." اس کی آواز کانپ رہی تھی "اگر تم ذرا سی بھی عزت کرتے ہو میری... تو مجھے اس ملک سے دور لے جاؤ پلیز... پلیز مجھے یہاں سے لے جاؤ اگر میں یہاں رہی تو اُس کی یادیں مجھے مار دے گی"

وہ گڑگڑاتے ہوئے بول رہی تھی الفاظ کے بیچ ہچکیاں اٹک رہی تھیں "میں یہاں نہیں رہ سکتی یہ ہوا یہ زمین، ہر چہرہ مجھے مار رہا ہے "

شہسوار نے ایک لمحے کو اس کے کانپتے ہاتھوں کو دیکھا جیسے سوچ رہا ہو کہ یہ عورت کتنے طوفان جھیل چکی ہے۔ اس کے لب تھوڑا کھلے مگر وہ کچھ نہ بولا۔ صرف ایک گہری سانس لے کر اس کے پاس جھکا اور اس کے ہاتھ تھام لیے۔

فاطمہ نے ہچکیوں کے بیچ پھر کہا "میں تم سے کچھ نہیں مانگتی نہ محبت نہ ساتھ... بس پلیز مجھے یہاں سے لے جاؤ ساری زندگی تمہاری احسان مند رہوں گی ایک احسان میری ماں پر کیا ایک مجھ پر کر دو خدا کے لیے "

شہسوار کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے نمی چمکی مگر وہ سنبھل گیا "ٹھیک ہے" اس نے آہستگی سے کہا

"ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں"

اس پل فاطمہ کے آنسو کم نہ ہوئے مگر اس کی گرفت شہسوار کے ہاتھوں پر مضبوط ہو گئی جیسے پہلی بار کسی وعدے نے اس کے دل کی ٹوٹی دیوار پر ہلکا سا سہارا رکھا ہو۔

مرحا ہاسپٹل کے شیشے کے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ دوائیوں کی ہلکی سی بو سفید وردیوں میں نرسیں اور دور کہیں مانیٹر کی بیپ کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ ریسپشن پر جا کر اس نے نرمی سے کہا۔

"اسماعیل بخاری کا روم نمبر"

ریسپشنسٹ نے فائل میں نظر دوڑائی اور کاغذ پر انگلی رکھتے ہوئے بتایا۔ مرحا ہلکے قدموں سے اُس سمت چل دی۔

کمرے کا دروازہ ہلکے سے دھکیلا تو سامنے اسماعیل نیم دراز بیڈ پر لیٹا تھا۔ زخموں کی ڈریسنگ ہو چکی تھی مگر اس کے چہرے کی تھکن اب بھی باقی تھی۔ مرحا کے ہاتھ میں پکڑا پھولوں کا گلدستہ جیسے پورے کمرے میں بہار لے آیا۔ اس نے گلدستہ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور دھیرے سے پکارا۔

"اسماعیل"

اسماعیل نے آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھ کر پیشانی پر ہلکی سی لکیریں ابھریں۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو"

"تم سے ملنے آئی ہوں اب تمہاری طبیعت کیسی ہے" وہ بیڈ کے قریب رکھی اسٹول پر بیٹھ گئی۔

"میں ٹھیک ہوں لیکن تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا"

مرحا کے چہرے کا رنگ یک دم بدل گیا۔

"اگر مجھے نہیں آنا چاہیے تھا تو کسے آنا چاہیے تھا بتادو" اسماعیل نے تھکی ہوئی سانس لی۔

"تم تیمارداری کرنے آئی ہو یا لڑنے"

ایک لمحے کو اس کے ذہن میں باپ کی مار کا منظر جھلک گیا اور ہونٹ تلخی سے مڑ گئے پہلے باپ نے مارا اور اب بیٹی لڑنے پہنچ گئی۔

"تم مجھ سے جھگڑا کیوں کر رہے ہو" مرحا کا لہجہ اب الجھ کر نرم ہو گیا۔ اسماعیل نے کندھے اچکائے۔

"سیریسلی مرحا میں ہاسپٹل کے بیڈ پر بیٹھا ٹوٹا پھوٹا شخص تم سے جھگڑا کرے گا" اس نے اپنی بندھی پٹیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"میں ایک خوشی کی خبر دینے آئی تھی لیکن لگتا ہے مجھے نہیں آنا چاہیے تھا"

اسماعیل نے اس کے آنکھوں کے کنارے پر چمکتی نمی دیکھ کر دل ہی دل میں خود کو کوسا۔

"اچھا بتاؤ کیا ہے خوشی کی خبر" اس نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ماں شادی کے لیے مان گئی ہے"

چند لمحوں کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ اسماعیل نے اس کا ہاتھ آہستہ سے چھوڑ دیا۔ مرحا کا دل دھڑک اٹھا۔

"کیا تم مجھ سے نکاح نہیں کرو گے" اس نے جھنجھلا کر اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔

"اسماعیل میں کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے جواب دو میری بات کا" مرحا اُس کی خاموشی پر چیخ اُٹھی۔ کیا اُس کا حال بھی روما جیسا ہو گا وہ سوچ کر رہ گئی۔

"خدا کے لیے کچھ تو بول دو اسماعیل تم خاموش نہیں رہ سکتے ایسے" مرحا کو اُس کی خود غرضی پر رونا آنے لگا۔

"مرحا... میں تم سے نکاح نہیں کر سکتا"

اس ایک جملے نے جیسے مرحا کے کانوں میں گونج مچا دی قدموں تلے زمین سرک گئی۔

"کیوں" اس کے ہونٹ کانپے۔

اسماعیل کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"کیونکہ میں تم سے ڈائریکٹ شادی کروں گا نکاح منگنی نہیں۔ میں تیس کا ہونے والا ہوں مجھے بیوی چاہیے، منکوح نہیں"

مرحا کی آنکھوں میں حیرت اور غصے کا امتزاج اُتر آیا۔ اگلے ہی پل اس نے ایک زوردار تھپڑ اس کے سینے پر جڑ دیا وہیں جہاں پٹی بندھی تھی اسماعیل درد سے کراہ کر بیڈ پر الٹا ہو گیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری شادی تم لائق ہی نہیں ہو کسی چیز کے" وہ گلدستہ اٹھا کر سیدھا ڈسٹبن میں پھینک چکی تھی۔

"مرحا یار مزاق تھا سنو تو اچھا پاس تو آؤ" اسماعیل نے معصومیت سے آواز دی۔

"مجھے نہیں آنا تمہارے پاس" مرحا نے فائل اس کے چہرے پر ماردی۔

اسماعیل نے زخموں کی پرواہ کیے بغیر اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھا لیا۔

"اچھا سوری نہ یار سیریس کیوں ہو رہی ہو"

"تمہیں پتہ ہے تم نے کتنا بُرا مزاق کیا ہے میں کبھی معاف نہیں کروں گی"

مرحا ہچکیوں کے بیچ بولی۔

"یار مرحا رو کیوں رہی ہو سوری نا" اس نے کان پکڑ لیے۔

"پھر بھی معاف نہیں کروں گی" مرحا نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تاکہ اندر چھپی مسکراہٹ ظاہر نہ ہو۔

"کوئی بات نہیں شادی کے بعد معافی مانگ لوں گا"

"شادی کے بعد بھی نہیں کرو گی" مرحا نے آنسو صاف کیے۔

"سوچ لو ایک نرس ہے یہاں بہت پیاری" اسماعیل نے شرارت سے کہا۔

"تو اُسی سے شادی کر لو" وہ فوراً بھڑک گئی۔

"وہ کیا ہے نادل کو ایک ہی لڑکی اچھی لگی ہے وہ بھی ٹھاہ کر کے" اسماعیل نے اس کے سر پر چادر درست کی، اور اس لمس میں تحفظ کی ایک نرم لہر تھی۔

"اس لڑکی کا نام" مرحا نے آنکھیں مٹکائیں۔

"نک چڑی"

"اور"

"چڑیل"

"اور" دانت پیس کر کہا۔

"فیوچر بیوی" وہ کان کے قریب آکر بولا۔ مرحا کے گال تپ گئے۔

وہ تیزی سے بیگ اٹھا کر نکلنے لگی مگر اسماعیل نے ہاتھ تھام لیا۔

"ایک چیز کے لیے معاف نہیں کروں گا تمہیں"

"کیا"

"میرا گلدستہ کیوں پھینکا" وہ روٹھے لہجے میں بولا۔

"شادی کے بعد اور لے دوں گی بائے" مرحا ہنس کر بھاگ گئی اور اسماعیل ہنستا رہ گیا۔

فاطمہ موسیٰ سے ملنے شہسوار کے ساتھ آئی تھی۔ فاطمہ کو اُس کے شوہر کے ساتھ کھڑے دیکھ موسیٰ کو آج سمجھ آیا محبوب کے ساتھ رقیب کیوں نہیں دیکھے جاتے۔

"سنو تم کہی جا رہے ہو"

موسیٰ گھٹنوں میں سر دیے چپ چاپ بیٹھا تھا کہ پاس بیٹھا فرقان آہستگی سے بولا۔ فرقان کو جیل میں تین سال گزر گئے تھے لیکن ابھی تک کوئی اُس کی بیل نہ کروا سکا۔

"ہاں جا رہا ہوں" موسیٰ نے بس ایک نظر اُٹھا کر دیکھا پھر چہرہ پھیر کر مختصر جواب دیا۔

"کہاں جا رہے ہو" فرقان نے ذرا سا جھک کر پوچھا۔

"اندھیرے والی جیل میں" موسیٰ کی آواز بھاری ہو گئی۔

یہ سن کر فرقان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"تم اندھیرے میں رہو گے"

"ہاں" موسیٰ کے ایک لفظ نے خاموشی میں اور بوجھ ڈال دیا۔

آدھے گھنٹے بعد اُسے تہہ خانے میں ڈال دیا جانا تھا جہاں روشنی محض ایک دھندلا سا دھبہ ہوتی تھی۔ وہاں دن اور رات کی پہچان مٹ جاتی وقت ایک بے رحم دھند میں قید ہو جاتا۔ ہفتے میں صرف ایک دن اُسے باہر نکلنے کی اجازت ہوتی۔ اُسے تو اندھیرا نہیں پسند تھا روشنیوں میں رہنے والا شخص اندھیرے میں کیسے رہتا۔

"تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم نے بہت کچھ کھو دیا ہے" فرقان گھڑے سے پانی نکالتے ہوئے بولا۔

"بہت کچھ نہیں سب کھو دیا" موسیٰ نے سر اُٹھایا اس کی آنکھوں میں وہ طوفان تھا جو فرقان کے دل کو ہلا گیا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ چھ فٹ کا

مضبوط آدمی اُس کے سامنے ٹوٹ کر رو رہا تھا فرقان کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں اُس کی حالت دیکھ کر۔

"اُس نے شہسوار سے شادی کر لی وہ صرف شیر کی تھی تو کسی اور کی کیسے ہو گئی"

فرقان آگے بڑھا اور موسیٰ کو سینے سے لگا گیا۔ موسیٰ کی چیخیں اور سسکیاں دونوں کے بیچ لرزنے لگیں۔

"کس کی بات کر رہے ہو تم" فرقان نے اس کی کمر سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"میرے سے مت پوچھ میں اُسے یاد نہیں کرنا چاہتا۔ وہ میرے دوست کی بیوی ہے تم دعا کرو کہ میں اُسے بھول جاؤں... لیکن میں تو اُسے بھولنا نہیں چاہتا" موسیٰ بچوں کی طرح اس کے ہاتھ پکڑ کر رونے لگا۔

"کیا تم محبت کرتے تھے اس سے"

"محبت نہیں فرقان وہ موسیٰ کا لاحاصل عشق ہے"

موسیٰ جیل کی پھٹی چٹائی پر بیٹھ کر دیوار سے ٹیک لگا گیا۔

"تم قتل کے کیس میں آئے ہو نا کس کا قتل کیا ہے" فرقان کے ذہن میں کوئی سوال چبھنے لگا۔

"فاطمہ ابراہیم کے باپ کا"

فرقان نے ایک گہرا سانس لیا" مطلب محبوب نے تمہاری سزا چُنی ہے اور محبوب کی سزائیں اکثر بے رحم ہوتی ہیں"

موسیٰ تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "ہاں وہ بہت بے رحم ہے تبھی تو اس نے شہسوار سے شادی کرلی۔ اگر میں اس اندھیرے کی قید میں مر گیا اور وہ کبھی یہاں آئی تو ایک پیغام دینا اُسے میرا"

"کیسا پیغام "فرقان کو اس کی حالت پر ترس بھی آیا ساتھ تشویش بھی ہوئی۔

" کہنا موسیٰ سے زیادہ ظالم نہ بنے معاف کر دے میں جانتا ہوں وہ معاف نہیں کرتی لیکن یہ میری چھوٹی سی خواہش اُس تک پہنچا دینا کہ مجھے معاف کر دے"

پولیس کے بھاری جوتوں کی آہٹ قریب آئی۔

"آجاؤ باہر تمہارا وقت آگیا" دو اہلکاروں کی آواز میں کوئی نرمی نہ تھی۔

موسیٰ نے فرقان کو مضبوطی سے گلے لگالیا۔

"میرا پیغام دینا مت بھولنا اور تم بھی مت بھول جانا مجھے آخر دو دن گزارے ہیں تمہارے ساتھ۔"

فرقان اُسے زور سے بھینچ گیا "یار تجھے یاد رکھوں گا یہ فرقان کا وعدہ ہے"

"بس بہت ہو گیا یہ ملنا جلنا۔ لے کر چلو اسے" سنئیر انسپکٹر کی کڑی نظر ان دونوں پر جم گئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ سپاہی موسیٰ کو بازوؤں سے کھینچ کر لے گئے۔ جس کو چھونے کی جرات کوئی نہ کرتا آج وہ بے بسی سے گھسیٹا جا رہا تھا۔ بادشاہ کی بادشاہت ختم ہو چکی تھی اور اب صرف اندھیرا اُس کا ساتھی تھا۔

ائیرپورٹ کے ہال میں مسافروں کی آوازیں، ٹرالیوں کے پہیوں کی چرچراہٹ، اور فلائٹ کی اعلانات کا شور مل کر ایک عجیب بے چینی پیدا کر رہا تھا۔ فاطمہ کے قدم آج بھاری تھے۔ لاہور کی سرزمین جس نے کبھی اس کے لیے محبت اور سکون کا وعدہ کیا تھا وہی شہر آج اس کے ہاتھ سے سب کچھ چھین چکا تھا۔ باپ کی محبت، محبوب کی وفا اور خاندان کا سہارا۔ اب وہ یہاں سے صرف دو چیزیں ساتھ لے جا رہی تھی۔ تنہائی اور موسیٰ کی بے وفائی۔

"سر آنٹی انکل آ گئے ہیں پارکنگ ایریا میں ہیں آپ سے ملنا چاہتے ہیں" جمال ویٹنگ ایریا میں آ کر بولا۔

"تم چلو میں آتا ہوں" شہسوار نے مختصر جواب دیا اور ایک نظر فاطمہ پر ڈالی۔

فاطمہ ایک کونے میں چیئر پر بیٹھی ادھر اُدھر دیکھنے کا ناٹک کر رہی تھی جیسے سب ٹھیک ہو۔ لیکن اس کے ہاتھوں کی جنبش اور خاموشی اس کے دل کا حال بیان کر رہی تھی۔ شہسوار اس کے قریب آ کر آہستہ سے بیٹھا۔

"فاطمہ میرے پیرنٹس مجھ سے ملنے آئے ہیں میں چاہتا ہوں تم بھی ایک بار مل لو جانے سے پہلے"

اُس کی بات پر فاطمہ نے ہونٹ بھینچ لیے آنکھوں میں ایک لمحے کو چمک اور پھر دھند اتر آئی مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ وہ خاموشی سے کھڑی ہو گئی شہسوار نے اس خاموش رضامندی کو شکریہ کہہ کر قبول کیا۔

پارکنگ ایریا میں ہوا ہلکی تھی مگر بچھڑنے والوں کی آنکھوں میں نمی بھاری۔ سامنے دو خوش لباس افراد کھڑے تھے۔ دونوں کی عمران کے چہروں پر لکھی کہانیوں سے زیادہ نہیں لگتی تھی۔

"السلام علیکم ابو کیسے ہیں آپ" شہسوار نے جھک کر باپ کے گلے ملا۔

"وعلیکم السلام جس کا بیٹا خود ہی شادی کر لے اس کے والدین کیسے ہوں گے" شاہنواز صاحب نے ہلکی مگر چبھتی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"ابو ایسی بات نہیں حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے" شہسوار نے نظریں چرا لیں۔

"امی آپ سمجھائیں ابو کو" وہ فوراً حانم بیگم کی طرف بڑھا جو اسی دوران فاطمہ کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔

"ابو کو تو میں سمجھا لوں گی پہلے بہو سے تو ملواؤ" حانم بیگم کے ہونٹوں پر نرم مسکراہٹ آ گئی۔ ان کی آنکھوں میں بیٹے کی خوشی کا عکس جھلک رہا تھا۔

"فاطمہ پاس آؤ" شہسوار نے پیچھے کھڑی بیوی کو بلایا۔

فاطمہ کا جی چاہ رہا تھا کہ یہ جگہ چھوڑ دے مگر قدم جیسے خود بہ خود آگے بڑھ گئے۔

"السلام علیکم "اُس کی آواز بمشکل حانم بیگم نے سُنی۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو بیٹا بہت ذکر سنا تھا تمہارا دیکھو آج دیکھ بھی لیا ماشاءاللہ کتنی پیاری ہو" حانم بیگم نے اسے گلے سے لگالیا۔

"بیٹا اگر ولیمہ کرنے کا پروگرام بنے تو بوڑھے ماں باپ کو بھی بُلا لینا" شاہنواز صاحب خود کو طنز کرنے سے روک نہ سکے۔

شہسوار نے فوراً باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھا "میں کیوں ولیمہ کرنے لگا آپ کریں گے نا میرا ولیمہ "

شاہنواز صاحب کے چہرے پر ہلکی سی نرمی آگئی "ابھی تو تم جارہے ہو، واپس آؤ گے تو کریں گے "

خانم بیگم نے فاطمہ کا ہاتھ تھام لیے "بیٹا اگر شہسوار تمہارا خیال نہ رکھے تو مجھے بس ایک کال کرنا دیکھنا کیسے سیدھا کرتی ہوں اسے "

فاطمہ نے سر ہلایا مگر لب خاموش رہے۔ شہسوار اس کی طرف دیکھتا رہا وہ چاہتا تھا کہ کچھ کہے وہ مگر فاطمہ چپ تھی۔

"سر فلائٹ کا وقت ہو گیا ہے" جمال کی آواز نے لمحے کو کاٹ دیا۔

شہسوار نے ماں کو مضبوطی سے گلے لگایا "امی اپنا اور ابو کا خیال رکھیے گا"

شاہنواز صاحب نے فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور وہ بمشکل مسکرائی۔

"چلو فاطمہ دیر ہو رہی ہے"

"ہمم" فاطمہ نے ہلکی سی آواز میں کہا اور ویٹنگ ایریا کی طرف مڑ گئی۔

حانم بیگم نے جاتے ہوئے بیٹے کو آواز دی "شہسوار اس کا خیال رکھنا میں چاہتی ہوں جب وہ واپس آئے تو خوشی آئے"

شہسوار پلٹا "امی اس کا خیال رکھنا مجھ پر فرض کر دیا گیا ہے آپ بے فکر رہیں"

ایک آخری الوداعی لمس ایک آخری مسکراہٹ اور شہسوار پلٹ گیا۔ فلائٹ کا وقت ان دونوں کو لاہور سے چھین کر لندن لے جا رہا تھا۔ کبھی کبھی بہترین پانے کے لیے بہت کچھ کھونا پڑتا ہے۔ اور آج صبر کا پھل ملنے یا ٹوٹ جانے کا وقت قریب تھا لندن ان کا منتظر تھا۔

روما آفس کی کشادہ مگر پُر سکون فضا میں بیٹھی تھی۔ کھڑکی کے اُس پار دھوپ ہلکی ہلکی سیاہی مائل بادلوں سے چھن کر کمرے میں سنہری روشنی بکھیر رہی تھی۔ میز پر رکھے گلِ داؤدی کی خوشبو ہلکے ہلکے سانسوں میں گھل رہی تھی۔ مس غزالہ کریم اپنی دبنگ مگر مہربان شخصیت کے ساتھ، سامنے موجود تھیں۔ اُن کی چائے کے کپ سے اُٹھتی بھاپ کمرے کی ہلکی خنکی کو چیرتی ہوئی اوپر کو جا رہی تھی۔

"روما میرے خیال سے اب آپ کو سب کلئیر ہو چکا ہے۔ ان شاءاللہ آپ کو اپنا نیا گھر ضرور پسند آئے گا" مس غزالہ نے نرمی سے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا اور ان کی آنکھوں میں ایک ماں جیسی شفقت جھلک رہی تھی۔

روما نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بیگ کی پٹی کو مضبوطی سے تھاما۔

"ان شاءاللہ میم آپ کا بہت شکریہ آپ نے میری بہت بڑی پریشانی حل کی ہے "اس کے لہجے میں تھکن کے باوجود ایک سچی تشکر کی گرمی تھی۔

مس غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ "بچے یہ میرا فرض تھا۔ بس اب تم اپنی نئ زندگی کی طرف دیکھو، ایک نیا سفر تمہارا منتظر ہے۔ تم جیسی کئ بچیاں ہیں جنہیں ان کے شوہر چھوڑ دیتے ہیں مگر وہ ہمت نہیں ہارتیں" وہ لمحہ بھر رکی جیسے اپنی یادوں میں کھو گئی ہوں۔ "میں بھی انہی میں سے ایک تھی یہ جو ایمپائر آج تم دیکھ رہی ہو اس کے پیچھے میری دس سال کی محنت ہے" ان کی آنکھوں میں جدوجہد کی دھندلی مگر فخر بھری جھلک تھی۔ "میں دعا کروں گی اللہ تمہارے سفر میں آسانیاں پیدا کرے"

روما نے چپ چاپ سنا۔ ان الفاظ نے جیسے اس کے دل میں کوئی نیا حوصلہ جگا دیا تھا۔ وہ کھڑی ہوئی بیگ کندھے پر ڈالا اور مس غزالہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر تشکر سے دیکھا۔

"ایک بار پھر شکریہ چلتی ہوں مجھے دیر ہو رہی ہے اللہ حافظ۔"

وہ آفس کے دروازے سے باہر نکلی اور کمرے کی نرم روشنی پیچھے چھوٹ گئی۔ باہر کی فضا میں ہلکی سی خنکی اور نئی منزل کا ایک انجانا سا جوش اس کا استقبال کر رہا تھا۔

فردان آج خاصے بوجھل دل کے ساتھ جاب انٹرویو کے لیے آیا تھا۔ سفید دیواروں اور شیشے کے دروازوں والے اس جدید دفتر کی فضا میں اے سی کی ہلکی ٹھنڈک اور پولشڈ فرش پر جوتوں کی مدھم چاپ گونج رہی تھی۔ مسلسل غیر حاضر ہونے کی وجہ سے کالج والوں نے نکال دیا تھا۔

آج وہ فنانس ڈیپارٹمنٹ میں مینیجر کی پوسٹ کے انٹرویو کے لیے آیا تھا۔ گہرے نیلے رنگ کا سوٹ پہنے ٹائی کی گرہ ذرا ڈھیلی تھی جیسے تیاری جلدی میں کی گئی ہو۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی سی وی کا فولڈر تھا مگر آنکھوں میں کہیں اور کی دنیا بسی تھی وہ دنیا جس کا مرکز روما تھی۔ وہ خود کو مصروف رکھنا چاہتا تھا ورنہ اب تو ایسا لگنے لگا تھا کہ روما کی یادیں اُس کا دم گھونٹ دیں گی۔

ریسپشن پر بیٹھی لڑکی نے مسکرا کر فائل پر نظر ڈالی پھر آہستگی سے بولی "سر آپ کو اندر بُلا رہے ہیں انٹرویو کے لیے"

فردان چونک کر اپنی سوچوں سے باہر آیا جیسے کوئی نیند سے جگا دے۔ وہ گہری سانس لیتے ہوئے کھڑا ہوا فولڈر سنبھالا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

فلائٹ ہیتھرو ایئرپورٹ کے رن وے پر نرم دھچکے کے ساتھ اتری۔ جہاز کے دروازے سے باہر نکلتے ہی لندن کی ٹھنڈی نم ہوا نے فاطمہ کے چہرے کو چھوا ایسا لگا جیسے سردی کی باریک سوئیاں ایک دم جسم میں اتر گئی ہوں۔ ایئرپورٹ کے

اندر نیلی روشنیوں کے درمیان دھیمی اناؤنسمنٹس اور قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔

شہسوار سامان لینے چلا گیا اور وہ گیٹ کے قریب کھڑی ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔ اُس کی نظریں عام لوگوں کو نہیں دیکھ رہی تھیں بلکہ جیسے ہر چہرہ اور ہر حرکت کو ایکسرے کی طرح اسکین کر رہی ہوں۔ وہ اجنبیوں کے لباس انداز، اور چہروں کے تاثرات میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی شاید شہر کا مزاج یا پھر اپنی بے چینی کا کوئی عکس۔

شہسوار ہاتھ میں ٹرالی لیے لوٹا "فاطمہ ٹیکسی آگئی ہے چلو چلیں" والٹ اور موبائل اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

فاطمہ نے والٹ پر ایک نظر ڈالی بھنویں چڑھائیں "یہ تم مجھے کیوں پکڑا رہے ہو" شہسوار اُس کی بات سُن کر مسکرایا۔

"جب میں تمہارا ہینڈ کیری پکڑ سکتا ہوں محترمہ تو تم بھی والٹ پکڑ سکتی ہوں" کہہ کر اُس نے والٹ خود ہی اُس کے بیگ میں ڈال دیا۔

اُس کی آنکھوں میں غصہ جھلک اُٹھا "تم اگر مجھے یہاں لے آئے ہو تو مجھ پر رُعب ڈالنے کی کوشش مت کرنا سمجھ گئے"

"محترمہ یقین کرو میں بہت تھک گیا ہوں یہ بحث گھر جا کر بھی ہو سکتی ہے" وہ کہہ کر ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا اور مجبوراً اُس کو بھی پیچھے جانا پڑا۔

ٹیکسی کے بلیک اینڈ ییلو ڈیزائن میں لندن کی خاص پہچان تھی۔ گاڑی میں سامان رکھتے ہی ڈرائیور نے خاموشی سے سفر شروع کر دیا۔ فاطمہ نے چہرہ شیشے سے ٹکا کر باہر جھانکا۔ برفانی ہوا کھڑکی کے کونے سے اندر سرک رہی تھی۔ باہر قطار در قطار عمارتیں اسٹورز کی جگمگاتی روشنی، اور راہگیروں کی تیز چال اُس کی نظروں سے گزرتی گئی۔ وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی مگر اندر کا خلا بھرنے کے لیے یہ سب کافی نہ تھا۔

کچھ ہی دیر میں گاڑی ایک بلند و بالا مگر خاموش بلڈنگ کے سامنے رکی۔ باہر ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی جس سے عمارت کی دیواریں اور بھی چمکدار لگ رہی تھیں۔ شہسوار نے رینٹ ادا کیا سامان اُٹھایا اور قدم اندر کی طرف بڑھائے۔

"ہم فلیٹ میں رہیں گے" لفٹ میں قدم رکھتے ہوئے وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"ہاں جلدی میں یہی ارینج ہوا ہے تھوڑا سا پرابلم ہے باقی سب ٹھیک ہے" شہسوار نے تیسری منزل کا بٹن دبایا۔

"کیسا پرابلم لندن میں بھی مسئلے ہوتے ہیں" شہسوار کے چہرے پر ایک انجان مسکراہٹ در آئی۔

"سارے فلیٹ بُک تھے جو ہمیں ملا ہے اُس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں یہاں کسی جن کا بسیرا ہے۔ لیکن کبھی کسی نے کچھ دیکھا نہیں بس وہم ہے یو نو سو کالڈ انگریز"

وہ جانتا تھا یہ بات اُسے ہمیشہ یاد رہے گی۔ مسینا پورا پلین بنا کر آیا تھا۔

فاطمہ نے گردن اکڑائی "میں ڈرتی نہیں ان چیزوں سے "

"افکورس جانتا ہوں یار" شہسوار نے لفٹ سے باہر قدم رکھا۔

تیسرے فلیٹ کا دروازہ کھلا تو دائیں طرف شوریک آگے ایک چھوٹا مگر صاف ستھرا ٹی وی لاؤنج بائیں کھلا کچن اور ایک بیڈروم نظر آیا۔ بیڈروم کے شیشے والے ٹریس سے نیچے ہرا بھرا پارک دھندلی بوندوں میں لپٹا دکھائی دے رہا تھا۔

"یہاں تو کمرہ ایک ہے" فاطمہ نے فوراً معائنہ مکمل کیا اور چڑ کر بولی۔

"دو لوگوں کے لیے ایک بیڈروم کافی ہے"

"مسٹر شہسوار میرے حوالے سے خوش فہمیاں مت رکھنا میں تمہارے ساتھ کمرہ شیئر نہیں کرنے والی "اُس کی آواز میں وہی ضد تھی جو موسیٰ کے ساتھ ماضی میں جل چکی تھی۔

شہسوار صوفے پر ٹک گیا۔

"اوکے تم لاؤنج میں سو جانا میں بیڈروم میں۔ تم پتلی سی ہو صوفے پر ایڈجسٹ کر سکتی ہو۔ میں چھ فٹ چار انچ کا بندہ ہوں صوفے پر نہیں سو سکتا"

وہ جانتا تھا اُس کی شرائط اسی لیے ایک بیڈروم والا فلیٹ اُسی کے منصوبے کا حصہ تھا۔

فاطمہ اُس کی منطق پر تپ گئی "تم نے سیاست میں اتنا پیسہ کمایا دو کمرے والا فلیٹ نہیں لے سکے "

"حرام کے پیسے حلال بیوی پر تھوڑی لگاتا" شہسوار اُٹھ کر اُس کے قریب آیا۔

"میں سونے جارہا ہوں بہت تھک گیا ہوں۔ اگر ناشتہ چاہیے تو بتادو میں باہر سے لے آتا ہوں"

"نہیں مجھے نہیں کرنا، لیکن رات کو بیڈ پر مجھے سونا ہے تم ابھی سو جاؤ" فاطمہ نے فوراً اپنی شرط رکھی۔

"رات کی رات کو دیکھیں گے محترمہ تب تک کے لیے اللہ حافظ" وہ بیڈ روم میں چلا گیا۔

فاطمہ نے فلیٹ کا جائزہ لینا شروع کیا مگر شہسوار کے "جن" والے جملے کی گونج دماغ میں واپس آگئی۔ خاموش فضا میں ہر کونے کی سائیں سائیں اور بھی گہری لگنے لگی۔ اُس کے دل میں ایک سنسناہٹ سی اُٹھی اور وہ تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے کی طرف آگئی۔

رئیسہ سیام کو مسلسل دیکھ رہی تھی جس کی لمبی پتلی انگلیاں تیزی سے لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر دوڑ رہی تھیں۔ کمرے میں مدھم پیلی روشنی پھیلی ہوئی جو بیڈ کے پاس رکھے سائیڈ لیمپ سے آ رہی تھی۔ باہر کی خاموش رات میں بس کی بورڈ کے ہلکے ہلکے کلک کی آواز گونج رہی تھی۔ سیام کی آنکھوں کے نیچے ہلکے سائے پڑے تھے، پیشانی پر باریک لکیریں بال قدرے بکھرے ہوئے۔ وہ شرٹ کے بازو کہنیوں تک موڑے بیٹھا تھکن کے باوجود خود کو کام ختم کرنے پر مجبور کر رہا ہو۔

"سیام میں کچھ سوچ رہی ہوں" رئیسہ کی نرم سی آواز میں جھجک بھی تھی اور سنجیدگی بھی۔

سیام نے ایک لمحے کو اُسے دیکھا ہونٹوں کے کونے پر مسکراہٹ آئی "حیرت ہے مطلب تم سوچتی بھی ہو اس کے لیے تو دماغ کی ضرورت نہیں ہوتی"

رئیسہ کے چہرے پر لمحہ بھر کو مصنوعی ناگواری اُبھری پھر فوراً مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ کیا ہے مسٹر سیام جب سے قدرت نے مجھے مسز سیام میر بنایا ہے نا تب سے ہی سوچنے کا کام شروع کر دیا ہے"

سیام نے لیپ ٹاپ بند کیا اور دھیرے دھیرے اس کے قریب آیا۔ اس کی قمیض سے ہلکی سی کولون کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ وہ بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی لمبے کھلے بال شانوں پر بکھرے، اور ہلکی سی نیلی شال میں لپٹی۔

"مطلب ہماری صحبت کا کافی اثر ہوا ہے آپ پر" سیام نے ہلکی سی آنکھ دبا کر کہا۔

"کہہ سکتے ہیں" رئیسہ نے جواب دیا مگر اس کی نظروں میں شرارت کا رنگ آ گیا۔

"رئیسہ عرف شہزادی اگر کریڈٹ دینا ہے تو پورا دو سیام میر کو آدھی ادھوری چیزیں پسند نہیں" سیام نے بازو پھیلائے اور اُسے اپنے حلقے میں لیا اُس نے بھی ہنستے ہوئے اس کے سینے پر تھوڑی ٹکا دی۔

"یار میری بات بیچ میں رہ گئی میں کچھ سوچ رہی تھی"

سیام نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے اور لبوں سے لگا لیے "بیگم اس ننھے دماغ میں ایسا کیا سوچ لیا"

رئیسہ کی آنکھیں چمکیں "میں جاب کرنا چاہتی ہوں تمہیں سپورٹ کرنا چاہتی ہوں تم سارا دن کام کرتے رہتے ہو میں چاہتی ہوں کہ "

اس سے پہلے کہ وہ جملہ مکمل کرتی سیام کے چہرے پر مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ جبڑے کی ہڈی سخت ہو گئی۔ "خبردار آئندہ تم نے یہ بات کی ایسی کون سی خواہش ہے جو تمہاری پوری نہیں ہو رہی"

رئیسہ گھبرا گئی "سیام میں نے کب کہا کہ تم میری خواہشیں پوری نہیں کرتے میں تو بس سپورٹ"

"کیوں کیا میں معذور ہوں، لنگڑا ہوں، اندھا ہوں جو تم نے مجھے سپورٹ کرنا ہے" اس کی آواز کا کڑواہٹ لیے خالی پن رئیسہ کے دل کو چیر گیا۔

"اللہ نہ کرے تم کیسی بات کر رہے ہو میں بس ایک بات سوچ رہی تھی"

سیام نے بیڈ سے اٹھ کر جیکٹ اُٹھائی "خدا کے لیے آئندہ کچھ مت سوچنا اور اس طرح کی باتیں میرے سامنے مت کرنا"

رئیسہ نے فوراً آگے بڑھی "سیام سوری اگر تمہیں برا لگا ہے تو"

لیکن اس کے چہرے پر اب ایک چبھتا ہوا سوال تھا۔ "تمہاری بات نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ آخر کون سی ضروریات ہیں جو تمہاری پوری نہیں ہو رہیں تمہارے لیے پارٹ ٹائم جاب کر رہا ہوں لیکن تم آج بھی خوش نہیں ہو" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا رئیسہ نے پیچھے سے آواز دی "سیام میری بات سنو... سیام" مگر وہ جا چکا تھا۔

دروازہ بند ہوتے ہی رئیسہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ایک وہی تو تھا جو بے غرض اُسے چاہتا تھا اور وہ اپنی وجہ سے وہ اُس کی ناراضگی مول لے بیٹھی۔

شہسوار شاور لے کر کمرے میں آیا تو سامنے فاطمہ کو ٹہلتے دیکھ کر ٹھٹھک سا گیا۔ اسے لگا تھا کہ وہ اُس کی موجودگی میں کمرے میں آنے سے گریز کرے گی لیکن اس وقت وہ پورے اعتماد کے ساتھ بیڈ کے پاس چکر لگا رہی تھی۔

"خیریت مجھے لگا تم لاؤنج میں ہی رہو گی "اُس کی مسکراہٹ میں چھپا طنز تھا۔

فاطمہ کے ہونٹوں پر کڑوی سی مسکراہٹ اُبھری۔

"وہ کیا ہے نا مسٹر شہسوار آپ نے کنجوسی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اس فلیٹ میں ایک ہی واشروم ہے لیکن لگتا ہے کہ آپ کو یہ واشروم اتنا پسند آگیا کہ آپ بھول گئے کہ کسی اور کو بھی جانا ہے۔ ایک گھنٹے تک آپ نے شاور لیا۔ کیا تلاش کر رہے

تھے شاور میں جو باہر نکلنا بھول گئے۔ کیا تھا ایسا واشروم میں جو آپ کو باہر نہیں آنے دے رہا تھا"

اس کے لہجے میں چھپی چبھن نے شہسوار کے کان سرخ کر دیے۔ وہ شرمندہ سا ہوا۔

"سوری یار مجھے"

ابھی وہ وضاحت دینے ہی والا تھا کہ فاطمہ بنا سنے واشروم میں داخل ہو گئی اور زور سے دروازہ بند کر دیا۔

شہسوار نے گہرا سانس لیا اور آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اللہ! لگتا ہے ساری زندگی اس کو منانے میں گزر جائے گی"

آٹھ گھنٹے کی طویل فلائٹ کے بعد وہ بس سونا چاہتا تھا لیکن اب وہ یہ حقیقت بھول گیا تھا کہ کمرے میں اُس کی بیوی بھی ہے ایک ایسی بیوی جو اپنی مرضی کی مالک ہے۔

ابھی اُس نے آنکھیں موندنی شروع ہی کی تھی کہ دروازہ دوبارہ کھلا۔ اُس نے چونک کر دیکھا۔ سامنے فاطمہ کھڑی تھی۔ اُس نے بلیو فلیپر پینٹ اور سفید ٹاپ پہنا ہوا تھا۔ بالوں کو ڈرائر سے خشک کر کے اونچی پونی میں قید کیا اور ایسے مصروف انداز میں تیاری کرنے لگی جیسے لندن کی کسی بڑی محفل میں جانا ہو۔ پھر اُس نے جیکٹ پہنی، آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر لپ اسٹک کا ہلکا سا ٹچ دیا اور اسکارف گلے میں ڈال لیا۔

شہسوار بس اُسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ جان بوجھ کر اُس کی موجودگی کو نظرانداز کر رہی تھی۔

"مجھے ناشتہ کرنا ہے" اُس نے شوز پہنتے ایک نظرا شہسوار کو دیکھ کر کہا جو نیند میں ہونے کے باوجود اُس کو دیکھ رہا تھا۔

شہسوار نے آنکھوں میں نیند کی جھلک مٹانے کی کوشش کی۔

"پہلے تو تم نے کہا تھا بھوک نہیں ہے اب اچانک"

فاطمہ نے طنزیہ نگاہ اس پر ڈالی۔

"تمہیں مسئلہ میرے ناشتے سے ہے یا میرے پہلے انکار سے"

شہسوار نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"مسئلہ کیسا بیٹھو میں ناشتہ لے آتا ہوں"

فاطمہ نے جوتوں کی آخری پٹی کس لی" مجھے باہر جاکر ناشتہ کرنا ہے"

شہسوار نے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا" فاطمہ سات گھنٹے کی فلائٹ کے بعد لوگ آرام کرتے ہیں سیاحت نہیں"

"اوکے تم آرام کرو میں خود چلی جاؤں گی"اُس نے آئینے میں اپنے عکس کو آخری بار پرکھا اور اسکارف درست کیا۔

شہسوار نے اسے گھور کر دیکھا "اور تمہیں لگتا ہے میں اپنی بیوی کو لندن کی سڑکوں پر اکیلا نکلنے دوں گا"

فاطمہ کے ہونٹوں پر کڑوا طنز آیا "او پلیز یہ بیوی بیوی کی تکرار مجھ پر ضائع مت کرو۔ نہ میں تمہیں شوہر مانتی ہوں نہ میں تمہاری بیوی ہوں"

یہ جملہ شہسوار کے دل پر چھری کی طرح لگا مگر اُس نے دھیما سا قہقہہ لگایا۔

"تم مانو یا نہ مانو حقیقت یہی ہے کہ تم میری بیوی ہو اور میں تمہارا حسین شوہر"

"بہت جلد تمہیں بھی پتہ چل جائے گا لیکن فلحال میرا ناشتے کا موڈ ہے تو بحث مت کرو چلنا ہے تو چلو ورنہ گوگل میپ ہے میرے پاس" فاطمہ نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا اور سخت لہجے میں بولی۔

"محترمہ غلام ہوں آپ کا۔ میں نیچے جا رہا ہوں آجاؤ" شہسوار نے اس کی ہٹ دھرمی پر بے بسی سے سر جھٹکا اور جوتے پہنے۔

یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ پیچھے وہ اپنی ہی آگ میں جلتی کڑھتی رہ گئی۔

ریسٹورنٹ کی کھڑکی کے پاس وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ اُس نے مینو کھولا شہسوار بس اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو" فاطمہ نے تیز لہجے میں پوچھا۔

شہسوار مسکرا دیا۔

"تمہیں... مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے لندن کی روشنیاں تم سے کم حسین ہیں"

فاطمہ نے آنکھیں گھمائیں۔

"ڈرامے بند کرو مجھے ناشتے کا آرڈر دینا ہے"

"آرڈر کر لو لیکن ایک شرط پر" شہسوار نے جھک کر میز پر کہنی رکھی۔

"پہلا نوالہ مجھے کھلاؤ گی"

"پاگل ہو تم" اُس نے مینو بند کرتے ہوئے جھڑکا۔

"ہاں لیکن صرف تمہارا پاگل" اُس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

فاطمہ نے ویٹر کو بلایا اور سخت لہجے میں آرڈر دیا۔

"میں آرڈر کر دیتا مجھے پتہ ہے یہاں پر سب سے اچھا کیا ملتا ہے" شہسوار نے مشورہ دیا۔

"میری زندگی میں دخل مت دو، میں اپنی مرضی سے زندگی جینے کی عادی ہوں "

"تم جیو اپنی مرضی سے... لیکن دعا یہ ہے کہ وہ مرضی ہمیشہ تمہیں میری طرف لے آئے" شہسوار نے آنکھوں میں نرمی اتارتے کہا۔

فاطمہ کا دل ایک لمحے کو لرزا مگر فوراً اُس نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"یہ باتیں مجھے متاثر نہیں کرتیں" شہسوار ہنسا۔

"پھر بھی سن رہی ہو" اُس کی بات وہ بس اُسے گھور سکی لاسٹ آپشن۔

ویٹر ناشتہ میز پر رکھ گیا۔ گرم ٹوسٹ، انڈے، ہاٹ چاکلیٹ اور جوس کی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ فاطمہ نے پلیٹ اپنی طرف کھینچی اور فوراً ٹوسٹ کا ایک ٹکڑا توڑنے لگی۔ شہسوار ہاتھ بڑھا کر اُس کی پلیٹ سے ایک ٹوسٹ اُٹھا لایا۔

اُس نے فوراً گھورا۔ "یہ میری پلیٹ ہے تمہارا ہاتھ کیوں بڑھا میری پلیٹ کی طرف"

وہ بس مسکرا دیا۔ "تمہارے ساتھ سب کچھ بانٹنے کا دل کرتا ہے چاہے ٹوسٹ ہو یا زندگی"

"فضول باتیں مت کرو سکون سے ناشتہ کرنے دو" وہ دانت پیس کر بولی۔

شہسوار نے ٹوسٹ کو چائے میں ڈبو کر نوالہ لیا۔ "کاش تمہاری باتیں بھی اس ناشتے جیسی میٹھی ہوتیں"

فاطمہ نے ناک سکوڑی اور جوس کا گلاس اُٹھایا۔ جیسے ہی گھونٹ بھرا۔

"ایک گھونٹ مجھے بھی دے دو" شہسوار کے لہجے میں منت تھی۔ فاطمہ نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"کیا تمہارے سامنے علیحدہ گلاس نہیں رکھا" شہسوار کی آنکھوں میں شرارت چمکی۔

"رکھا ہے لیکن وہ مزہ نہیں جو ایک ہی گلاس میں ہو"

"تمہیں شرم نہیں آتی لوگ دیکھ رہے ہیں" فاطمہ نے جوس میز پر رکھا اور تپ کر بولی۔

شہسوار نے سکون سے گردن جھکائی۔ "شرم تو تب آتی اگر بیوی کے ساتھ نہ بیٹھا ہوتا تمہیں تو فخر ہونا چاہیے"

فاطمہ نے انڈے کا ایک نوالہ لیا تو شہسوار نے فوراً اپنا چمچ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

"ایک لقمہ مجھے بھی کھلا دو وعدہ کرتا ہوں تمہاری انگلیوں کو چھوؤں گا بھی نہیں"

"بلکل نہیں" وہ سختی سے بولی اور پلیٹ اپنی طرف کر لی۔

شہسوار نے سانس بھر کر کرسی سے ٹیک لگائی۔

"چلو کوئی بات نہیں تمہارا انکار بھی مجھے حسین لگتا ہے"

فاطمہ نے پل بھر کے لیے نظریں جھکالیں دل چاہا اُسے مزید کچھ نہ کہے مگر انا اُس کے لہجے پر غالب آگئی۔

"یہ سب ڈائیلاگ بول کر مجھے متاثر نہیں کر سکتے"

اُس نے فوراً جواب دینا ضروری سمجھا۔

"متاثر کرنے کی کوشش کب کی میں تو بس دل کی بات زبان پر لا رہا ہوں"

فاطمہ خاموش ہو گئی، مگر اُس کی خاموشی بھی شہسوار کے لیے کسی لفظ سے کم نہیں تھی۔

اسماعیل اپنے گھر والوں کے ہمراہ مرحا کے گھر پہنچا تو ڈرائنگ روم میں سکوت اور سنجیدگی کا ہلکا سا رنگ پھیلا ہوا تھا۔ صوفوں کے گہرے رنگ اور ہلکی مدھم روشنی اس ملاقات کی اہمیت بڑھا رہے تھے۔ اسماعیل کے والد احمد بخاری اپنی اہلیہ آمنہ بیگم کے ساتھ پر سکون مگر پُر وقار انداز میں بیٹھے تھے۔

اسماعیل صاف الفاظ میں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ وہ شادی کرے گا منگنی جیسے رسم و رواج کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا۔ آمنہ بیگم نے مسکراتے ہوئے مرحا کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

"تو پھر آپ ہی بتادیں بیٹا شادی کی تاریخ کب رکھنی ہے" اس لمحے کمرے میں بیٹھے سب کی نظریں ایک دوسرے پر جمی تھیں۔ روما جو حالات کے دباؤ میں بھی مضبوطی کے ساتھ سب کچھ سنبھال رہی تھی۔

"آنٹی مجھے اور ماں کو اس ہفتے شفٹنگ کرنی ہے تو بہتر ہے نکاح کل ہی کر لیتے ہیں۔ ویسے بھی شادی تو سادگی سے ہی ہونی ہے نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے" بولتے ہوئے اُس نے ایک نظر پردے کے پیچھے بیٹھی ماہ جبین بیگم پر ڈالی جو عدت کے سبب چہرہ چھپائے خاموشی سے یہ سب سن رہی تھیں۔

احمد صاحب نے گہری سانس لیتے ہوئے مرحا اور روما کی صورتحال کو سمجھا۔

"بیٹا ہمارا ابھی یہی خیال ہے۔ ہماری طرف سے کوئی مہمان نہیں آئیں گے بس اسماعیل کی دو بہنیں ہوں گی"

کمرے میں لمحے بھر کے لیے سکون چھا گیا۔ روما اُٹھی اور مٹھائی کی پلیٹ سب کے سامنے رکھی۔

"چلیں پھر آپ سب منہ میٹھا کریں"

احمد صاحب نے روما کو دعا بھری نظروں سے دیکھا اور اُس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

"بیٹا آپ کو بھی بہت مبارک ہو"

وہ لمحہ خاص طور پر بوجھل مگر معنی خیز تھا۔ گھر کا سربراہ نہ ہونے کے باوجود روما نے خود کو مضبوط رکھا ہوا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ مرد کے بغیر عورت کی زندگی مشکل ضرور ہے لیکن ایک زہریلے مرد کے ساتھ گزارنا اُس سے کہیں زیادہ دشوار ہوتا ہے۔

اسی دوران اسماعیل کی نظریں بار بار مرحا کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ اشاروں سے اُسے پاس بلانا چاہتا تھا مگر مرحا نے اُس کی حرکتوں کو مکمل طور پر نظرانداز کر دیا۔ اس کو علم تھا کہ اسماعیل کو یہ بے توجہی برداشت نہیں ہو گی اور وہ ناراض ہو جائے گا۔ یہی سوچ کر مرحا چپ چاپ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

اسماعیل کو جیسے یہی موقع درکار تھا۔ اُس نے موبائل کان سے لگایا اور سب کے سامنے ضروری کال کا بہانہ بناتے ہوئے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

مرحا لان میں بے چینی سے قدم اٹھا رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا اُس کے دوپٹے کے کناروں سے کھیل رہی تھی اور رات کی روشنی گھاس پر چاندنی بکھیر رہی تھی۔ اُس کی نظریں بار بار دروازے کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔ جیسے ہی اُس نے سامنے سے آتے اسماعیل کو دیکھا تو لمحے بھر میں اُس کا سارا غصہ ہوا ہو گیا۔

اسماعیل ہمیشہ کی طرح پرکشش لگ رہا تھا۔ براؤن شلوار قمیض کہنیوں تک فولڈ شدہ بازو، ماتھے پر سلیقے سے سیٹ کیے بال، اور اُس کی بارعب شخصیت... ض مرحا کے لیے نظریں جُھکا لینا ہی آسان تھا۔ اُس کا دل بے قابو دھڑکنے لگا۔

"مرحا یار میری طرف دیکھو میں نے اتنی ارجنٹ ملاقات صرف مبارک باد دینے کے لیے رکھی ہے"

اسماعیل اُس کے سامنے آکر رکا اور شوخ لہجے میں بولا۔

مرحا نے بمشکل لب ہلائے "دے دی مبارک باد اب جاؤ"

کہتے ہی اُس نے فوراً رخ موڑ لیا۔

اسماعیل اُس کے رُخ موڑنے پر حیران ہوا۔

"مرحا میں نے دو لگانی ہے تمہارے کان کے نیچے۔ یہ کیا حرکتیں ہیں میری طرف دیکھو یار"

پھر نرمی سے اُس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔ لیکن مرحا نے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔

اسماعیل نے اُس کی ٹھوڑی اپنی انگلیوں سے پکڑ کر لی۔

"مرحا آنکھیں کھولو آخری بار کہہ رہا ہوں"

مرحا کے گال پنک ڈریس کی طرح گلابی ہو گئے تھے۔ اُس کی سانسیں الجھ رہی تھیں اور دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔

"مرحا مت شرماؤ یار میرا دل بے قابو ہو رہا ہے"

"اسماعیل... پلیز مجھے جانے دو" مرحا ہکلاتے ہوئے بولی۔

اُس کی جھکی ہوئی نظریں سب کچھ کہہ گئی تھیں۔

اسماعیل نے ضد کرتے ہوئے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مبارک باد نہیں لو گی پھر ماشاءاللہ بھی نہیں بولو گی آج خاص تمہارے لیے تیار ہو کر آیا ہوں"

مرحا کے لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ آئی۔ وہ ہلکی سی آواز میں منمنائی۔

"وہ میں نے دل ہی دل میں بول دیا ہے" اسماعیل کا دل مچل گیا۔

"مرحا ابھی اتنا شرما رہی ہو شادی کے بعد تو مجھے دیکھتے ہی چھپ جاؤ گی"

وہ ہلکے ہاتھوں سے اُس کا دوپٹہ درست کرنے لگا۔

"ہاں تو تمہیں کس نے کہا اتنا تیار ہونے کو"

اسماعیل نے ایک لمحہ رک کر بولا "مرحا میں تم سے نو سال بڑا ہوں"

مرحا نے حیرانی سے نظریں اُٹھائیں "تو"

"مجھے آپ بولو یار" اُسے یقین تھا مرحا کبھی کھل کر آپ نہیں بولے گی۔ مگر اگلے ہی لمحے مرحا نے اُس کا اندازہ غلط ثابت کر دیا۔

"آپ اچھے لگ رہے ہیں"

اسماعیل کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا "مرحا دوبارہ کہو ایک بار پلیز"

مرحا نے شرارت سے ایڑیوں کے بل کھڑے ہو کر اُسے نیچے جھکنے کا اشارہ کیا۔ وہ بمشکل اُس کے سینے تک آتی تھی۔ جیسے ہی اسماعیل جھکا، مرحا نے اُس کے کان کے قریب جا کر سرگوشی کی۔

"میں نے کہا تم بالکل اچھے نہیں لگ رہے" یہ کہہ کر وہ ہنستے ہوئے اندر کی طرف دوڑ گئی۔

اسماعیل اُس کے انداز پر ہنس پڑا۔

"مرحا یہ چیٹنگ ہے ابھی میں نے مبارک باد دی ہی نہیں"

پلر کے پیچھے چھپی مرحا نے شوخ انداز میں آنکھ ماری۔

"فکر نہ کرو کل لے لو گی مبارک باد"

پھر چپکے سے اندر بڑھ گئی اور اسماعیل مسکراتے ہوئے اُس کی شوخی دل میں سمیٹتا رہا۔

باب: ہفتم

عشق کا درد

~جسے عشق کا تیر کاری لگے

اُسے زندگی کیوں نہ بھاری لگے

موسیٰ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ایک تنگ و تاریک کمرے میں بیٹھا تھا۔ نہ دن کا پتا چلتا تھا نہ رات کا بس ہر طرف گھنا اندھیرا جیسے روشنی کا وجود ہی اس جگہ سے مٹ گیا ہو۔ دیواروں پر نمی ٹپک رہی تھی، فرش سے بوسیدہ بو اٹھتی تھی اور چھت سے جھولتی مکڑیوں کے جالے وقت کے تھم جانے کی گواہی دے رہے تھے۔

موسیٰ کو اندھیروں سے وحشت تھی آخر کیسے نہ ہوتی؟ وہ شخص جس نے ساری زندگی روشنیوں کے حصار میں گزاری، لوگوں کے ہجوم میں قدم سے قدم ملا کر طاقت اور اقتدار کے سنگھاسن پر بیٹھا وہ آج ایک کونے میں یوں سہمے بیٹھا تھا جیسے کوئی قیدی نہیں بلکہ اندھیرے کا شکار ہوا ہوا آدمی ہو۔

"کیا کوئی ہے کوئی ہے جو مجھے سُن رہا ہے مجھے ڈر نہیں لگ رہا... بس دم گھٹ رہا ہے پلیز... تھوڑی سی روشنی کر دو"

وہ بار بار یہی الفاظ دہراتا رہا۔ اس کی آواز میں رقت بڑھتی گئی صبر کے بندھن ٹوٹ گئے۔

"قسم سے ڈر نہیں لگ رہا... بس سانس نہیں لی جا رہی۔ پلیز... میں چار سال سے پہلے مر جاؤں گا۔ تھوڑی سی روشنی دے دو"

باہر پہرہ دینے والے سپاہی نے جھنجھلا گیا اُس کی بکواس پر۔

"چُپ بیٹھ... ورنہ رات کا کھانا نہیں ملے گا۔ پھر کھا لینا پاس پڑے پتھر"

موسیٰ فوراً خاموش ہو گیا۔ وہ جانتا تھا دال جیسی معمولی خوراک بھی اس کی بقا کا سہارا تھی۔ لیکن دل کا بوجھ خاموش نہ رہ سکا۔

"فاطمہ... میں وقت سے پہلے مر جاؤں گا۔ پلیز واپس آ جاؤ یار" وہ سر جھکا کر خود سے مخاطب ہوا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے اندرونِ لاہور کے وہ لمحے گھومنے لگے جب اس نے فاطمہ کا ہاتھ تھام کر زندگی بھر ساتھ نبھانے کی قسمیں کھائی تھیں۔ مگر دل ہی دل میں ایک اور آواز اُبھری اس کے ضمیر کی آواز۔

"وہ اب تمہاری نہیں رہی شاید اس وقت شہسوار کے ساتھ ہے اپنی زندگی میں مگن... تمہیں تو کب کا بھول چکی ہو گی"

"نہیں وہ میری بیوی ہے... وہ مجھے نہیں بھول سکتی" موسیٰ کی آواز کانپ گئی کیا واقع اُس کی فاطمہ اُس کو بھول گئی ہو گی۔

"بیوی تھی... بھول گئے ہوٹل کے کمرے میں طلاق دی تھی تم نے" یہ سن کر موسیٰ کو ایسا لگا جیسے بھرے مجمع میں کسی نے اُس کے منہ پر جوتا دے مارا ہو۔ وہ تڑپ اُٹھا۔

"چپ ہو جاؤ وہ صرف میری ہے... صرف موسیٰ کی میں برداشت نہیں کر سکتا کسی کے ساتھ اُس کا نام جوڑنا تم جاؤ وہ صرف میری ہے" ضمیر کا طنزیہ قہقہہ اندھیرے میں گونجا۔

"اقتدار کے نشے میں جان سستی کر دی تھی اب یاد آئی محبت؟ کیوں روتے ہوں اب اُس کے لیے"

موسیٰ سہم گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"میں روتا ہوں کیونکہ وہ یاد آتی ہے... تمہیں کیا خبر؟ بہت یاد آتی ہے مجھے اُس کی بہت زیادہ"

وہ بے اختیار اپنی بانہیں کھول کر بیٹھ گیا جیسے فاطمہ کو خود میں بھر لینا چاہتا ہو۔

اندھیرے میں وہ اور زیادہ تنہا ہو گیا۔

"اب کیا فائدہ یاد کرنے کا بھول جاؤ اُسے "ضمیر نے پھر حقیقت دکھائی۔

"تم چلے کیوں نہیں جاتے پلیز جاؤ" آخر کار اس نے اپنے کانوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے، اپنی ہی آواز، اپنے ہی ضمیر سے بچنے کے لیے۔ لبوں پر لرزتے ہوئے الفاظ نکلے۔

"چلے جاؤ... خدا کے لیے چلے جاؤ... پلیز"

انیس سال بعد پہلی بار اس کی زبان پر "خدا" کا نام آیا تھا۔ مگر جیل کے اندھیرے میں اس پکار کا کوئی جواب نہ تھا۔

لندن کی صبح ہلکی ہلکی بوندا باندی سے مزید خاموش اور حسین ہو گئی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں دس بجا رہی تھیں اور کھڑکی کے شیشوں پر بارش کی بوندیں موتیوں کی طرح ٹھہری ہوئی تھیں۔ موسم میں ٹھنڈک گھلی ہوئی تھی، کمرے میں مدھم سی زرد روشنی جل رہی تھی جو فضا کو اور بھی پر سکون بنا رہی تھی۔

شہسوار اپنی ماں کی کال سن کر ڈرائنگ روم سے واپس آیا تو کمرے کا منظر دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ بیڈ پر محترمہ گہری نیند میں لحاف اوڑھے ایسے سو رہی تھیں جیسے دنیا کی کوئی فکر نہ ہو۔ وہ جو چند لمحے پہلے اُس کی نیند خراب کر کے اٹھ بیٹھی تھیں، اب سکون سے بے خبر، اُس کی جگہ پر قابض تھیں۔

شہسوار مسکراتا ہوا آہستہ آہستہ قدم رکھتا بیڈ کے قریب آیا۔ وہ تھوڑا جھک کر اُس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ نیند میں ڈوبا وہ چہرہ معصومیت کا عکس لگ رہا تھا۔ آنکھیں بند، پلکیں ریشم کی طرح جُھکی ہوئی، چند بال جو ابھی تھوڑی دیر پہلے پونی میں قید تھے اب تکیے پر بکھرے پڑے تھے۔ ہونٹ سختی سے بند تھے، اور ایک تکیہ بازو میں دبوچے وہ سکون سے سو رہی تھی۔

شہسوار دل ہی دل میں لمحہ بھر کو ٹھہر گیا۔ پھر آہستگی سے اُس کے پاس بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا تاکہ اُس کا چہرہ صاف دیکھ سکے۔ اُس نے جھجکتے ہوئے اُس کا نرم ہاتھ تھام لیا۔

دھیمے لہجے میں اُس نے اپنے دل کی وہ باتیں کہنا شروع کیں جو وہ جاگتی حالت میں کبھی نہ کہہ پاتا۔

"میں نہیں جانتا تمہارا دل میری طرف کب مائل ہو گا... لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ ہاں یہ بھی مانتا ہوں کہ تمہارے دل کے کسی کونے میں موسیٰ آج بھی زندہ ہے... لیکن مجھے یقین ہے کہ تم کبھی بے وفائی نہیں کرو گی۔ میں نے دنیا کی بہت سی لڑکیاں دیکھی ہیں لیکن تمہیں دیکھ کر پہلی بار دل چاہا کہ ٹھہر جاؤں... اور میں ٹھہر گیا۔ فاطمہ بس اتنی خواہش ہے کہ جلدی میری محبت پر یقین کر لینا... میرے صبر کا راستہ لمبا نہ کر دینا"

وہ جانتا تھا کہ وہ گہری نیند میں ہے جہاز میں اُس کو اندازا ہو گیا تھا۔ اسی لیے سکون سے دل کا بوجھ ہلکا کرتا گیا۔

کچھ لمحے رک کر اُس کو دیکھا۔

"مجھے دُکھ ہوتا ہے جب تم میرے پاس ہو کر بھی میرے ساتھ نہیں ہوتیں۔ لیکن پھر بھی دعا کرتا ہوں... جب بھی اللہ تمہیں میری طرف موڑے تو دل سے موڑے کسی احسان کے تحت نہیں"

یہ کہہ کر اُس نے بڑی نرمی سے اُس کا لحاف درست کیا، اور جھک کر اُس کے گال پر ہلکا سا بوسہ دے دیا۔ اگر وہ جاگ رہی ہوتی تو شاید کبھی یہ جرات نہ کرنے دیتی لیکن آج اُس کی نیند نے شہسوار کو یہ چھوٹ دے دی تھی۔ میسنا انسان پکی نیند کا پکا فائدہ اُٹھا گیا۔

مسکرا کر اُس نے سر گوشی کی۔

"محترمہ... میری جگہ پر سو رہی ہیں لیکن خیر دل تو آپ لے ہی گئیں جگہ کیا چیز ہے"

پھر آہستگی سے اُس کے ماتھے پر بوسہ دیا ایک لمحے کو بھرپور نظر ڈال کر اُٹھا اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ پیچھے وہ یونہی نیند کے مزے لیتی رہی، بے خبر کہ اُس کی خاموش نیند میں شہسوار اپنا دل انڈیل آیا تھا۔

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ ڈھلتی شام کی کرنیں کھڑکی کے پردوں سے جھانک کر کمرے میں ایک نرم سی روشنی بکھیر رہی تھیں۔ کمرے کے کونے میں رکھے گلاب اور موتیے کے پھولوں کی خوشبو فضا کو معطر کر رہی تھی۔ مرحا آئینے کے سامنے سرخ لہنگا پہنے بیٹھی تھی۔ ماتھے پر جھومر، کانوں میں جھلملاتے جھمکے، اور آنکھوں پر ہلکا سا کاجل اُس کے حسن کو اور بھی نمایاں کر رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں تیز تھیں مگر چہرے پر ایک عجب سکون جھلک رہا تھا، جیسے وہ لمحہ اُس کے لیے خواب اور حقیقت کے بیچ آ کھڑا ہو۔

دروازہ کھلا تو روما اندر آئی۔ سفید فراک میں کھلے بالوں کے ساتھ وہ خود بھی پریوں جیسی لگ رہی تھی، لیکن جیسے ہی اُس کی نظر مرحا پر پڑی، وہ ایک پل کو رُک گئی۔ سامنے بیٹھی اُس کی چھوٹی بہن دلہن بنی کسی حسین گڑیا کی طرح لگ

رہی تھی۔ آنکھوں میں نمی کے ساتھ اُس نے دل ہی دل میں دعا دی کہ مرحا کا نصیب اُس کے اپنے نصیب جیسا نہ نکلے۔

"ماشاءاللہ... مرحا میری جان تم بہت پیاری لگ رہی ہو" رومانے آگے بڑھ کر اُس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"شکریہ آپی" مرحا ہلکی سی شرمائی اور مدھم آواز میں بولی۔

"چلو نیچے چلیں اسماعیل کی فیملی آگئی ہے" رومانے اُس کا لہنگا سنبھالا اور پیار سے کہا۔

مرحا فوراً کھڑی نہ ہوئی بلکہ روما کا ہاتھ تھام کر رک سی گئی "آپی... آپ سچ میں ماں کو لے کر چلی جائیں گی "اُس کی آواز میں ایک انجانی سی بے بسی چھپی تھی۔

روما نے اُس کا چہرے کو تھپتھپایا" یہ لاسٹ آپشن ہے مرحا۔ ویسے بھی تم کیوں اداس ہو رہی ہو میں اسلام آباد جا رہی ہوں تم پنڈی جب چاہو میرے پاس آجانا "پھر اُس نے مرحا کو اپنے سینے سے لگالیا۔ دونوں کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ نکلے۔

کمرے سے نکل کر وہ ڈرائنگ روم میں آئیں جہاں نکاح کا سادہ سا انتظام تھا۔ سفید چادروں اور گلاب کی پتیاں بچھائی گئی تھیں۔ مہمان خاموشی سے بیٹھے تھے۔ اسماعیل مولوی صاحب کے قریب بیٹھا تھا۔ جیسے ہی مرحا سیڑھیوں سے اتری اسماعیل کی نظریں بے اختیار اُس پر جم گئیں۔ گھونگھٹ کے پیچھے سے اُس کا

چہرہ پوری طرح دکھائی نہ دے رہا تھا لیکن اُس کی موجودگی نے ماحول کو اور بھی دلکش بنا دیا۔

مولوی صاحب نے نکاح کے کلمات پڑھنے شروع کیے۔

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

"کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

مرحا کی دل کی دھڑکن کانوں میں گونجنے لگی۔ آنکھوں کے سامنے اپنے والد کا چہرہ گھوم گیا، آنسو گھونگھٹ کے اندر ہی اندر رُک گئے۔ اُس نے بمشکل اپنی لرزتی آواز میں کہا "قبول ہے"

دوسری اور تیسری بار یہی کلمات دہرانے پر اُس کے آنسو گالوں پر لڑھک گئے۔ لمحہ بھر میں مرحا یحییٰ خان سے مرحا اسماعیل بخاری بن گئی۔ اسماعیل کے چہرے پر ایک طمانیت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

روما نے آگے بڑھ کر بہن کا ہاتھ اسماعیل کے ہاتھ میں دیا۔ "اسماعیل بھائی... میری بہن کا خیال رکھیے گا"

اسماعیل نے مرحا کے کانپتے ہاتھوں کو تھاما "آپ بے فکر رہیں میں ہمیشہ خیال رکھوں گا"

تقریب ختم ہونے کے بعد سب نے مبارک باد دی۔ وقت گزرتا گیا اور رُخصتی کا لمحہ آگیا۔ مرحا نے ماں اور بہن سے لپٹ کر دل کھول کے رویا۔ ہر آنسو جدائی کا گواہ تھا۔ باہر گاڑی تیار کھڑی تھی۔ روشنی مدھم پڑ رہی تھی، شام رات میں ڈھل رہی تھی، اور مرحا اپنی نئی زندگی کے سفر پر روانہ ہو رہی تھی۔

کمرے میں خاموشی تھی، باہر شام ڈھل رہی تھی۔ فاطمہ سو کر اٹھی تو چاروں طرف ویرانی تھی۔ اُس نے تکیئیے کے پاس نظریں دوڑائیں مگر کمرہ خالی تھا۔ دل نے فوراً گواہی دی کہ شہسوار یہاں آرام کرنے نہیں آیا۔ ایک لمحے کو اُس نے سکون کی سانس لی کم از کم ابھی وہ اُس کے قریب نہیں ہے۔

وہ آہستہ سے بال باندھ کر کمرے سے باہر نکلی۔ ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی اُس کی نظر صوفے پر پڑی جہاں شہسوار نیم دراز سو رہا تھا۔ لمبا قد، چوڑے کندھے اور پر سکون چہرہ۔ صوفہ اُس کے وجود کے لیے چھوٹا تھا۔ اُس کے گہرے سانس لینے سے لگ رہا تھا جیسے وہ کتنی دیر بعد کچھ لمحوں کا سکون پا سکا ہو۔

فاطمہ کو اُسے یوں آرام سے سوتا دیکھ کر چڑ سی ہوئی۔ سامنے لگی ایل سی ڈی پر نگاہ ڈالی، پھر ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تیر گئی۔ اُس نے ریموٹ اُٹھایا اور ٹی وی کا والیوم فل کر دیا۔ اچانک پورا کمرہ شور سے گونج اُٹھا۔

شہسوار ہڑبڑا کر جاگا۔ آنکھیں ملتے ہی اُس نے سامنے صوفے پر بیٹھے فاطمہ کو دیکھا اور فوراً سمجھ گیا کہ یہ سب جان بوجھ کر کیا گیا ہے۔

"فاطمہ... یار میں سو رہا تھا۔ تم نے دیکھنا ہی تھا تو والیوم آہستہ کر لیتی" وہ جھنجھلاہٹ کے ساتھ صوفے سے اُٹھ بیٹھا۔

"مجھے مت سکھاؤ کیا کرنا ہے کیا نہیں۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے بیٹھو" اُس کی آواز میں سختی تھی۔

"تو یہ سب جان بوجھ کر کیا تھا" اُس نے بے نیازی سے کہا اور دوبارہ صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

فاطمہ کا ضبط ٹوٹنے کو تھا۔ "بحث مت کرو مجھ سے اگر میری بات سننے کا موڈ نہیں تو صاف بتا دو۔"

شہسوار کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیلی "اچھا بتاؤ کیا کہنا ہے"

فاطمہ اُس کے سامنے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ دو الجھی ہوئی لٹیں اُس کے چہرے پر آ گری تھیں، آنکھوں میں غصہ اور ہونٹوں پر کپکپاہٹ تھی۔ نرم سوفٹی چپلوں میں ٹک ٹک کرتی اُس کی ایڑیاں، کندھوں پر ڈالی چادر، اور ناک پر سجا غصہ شہسوار کا دل دھڑکا گیا۔

"میں چاہتی ہوں ہمارے درمیان سب کچھ پہلے سے طے ہو جائے تاکہ آگے نہ تمہیں مسئلہ ہو نہ مجھے" فاطمہ نے تحمل سے کہنا شروع کیا۔

شہسوار اب پوری طرح اُس کی طرف متوجہ تھا مگر نظریں بس اُس کے چہرے پر جمی رہیں۔

"اوکے بولو"

"پہلی بات جب تک ہم ساتھ ہیں میں تمہارے لیے کھانا نہیں بناؤں گی"

شہسوار ہلکا سا مسکرایا" ہم ہمیشہ ساتھ رہنے والے ہیں۔ اور کھانے کی فکر مت کرو تمہارے لیے بھی میں بنالوں گا آگے بولو" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"تم نے جو سوچنا ہے سوچو" فاطمہ نے طنزیہ انداز میں کہا اور پھر دوسرا نکتہ رکھا "میں تمہارا کوئی کام نہیں کروں گی تمہیں اپنے کام خود کرنے ہوں گے"

"مت کرنا۔ میں تمہیں یہاں کام کے لیے نہیں لایا آگے بولو" شہسوار نے بے شرمی سے کندھے اچکائے۔

فاطمہ کے لبوں پر تلخ ہنسی آئی "اگر چاہو تو شادی کر سکتے ہو میری طرف سے اجازت ہے"

"نہیں... میں اپنی بیوی کے ساتھ خوش ہوں آگے بولو" اُس کی آنکھوں میں شوخی تیر گئی۔ اب وہ کشن گود میں رکھ کر ٹیک لگا گیا۔

فاطمہ نے ہونٹ بھینچے "میں تمہارے کوئی حقوق ادا نہیں کروں گی بس چند ماہ یہاں ہوں پھر چلی جاؤں گی۔"

شہسوار کی آنکھوں میں چمک ابھری "اپنے حقوق تو میں خود لے لوں گا۔ اور جہاں تک جانے کی بات اب رہائی ناممکن ہے آگے بولو" وہ آنکھ مار گیا۔

فاطمہ کا غصہ انتہا پر پہنچ گیا۔ "تم خود کو سمجھتے کیا ہو ہو کیا تم" وہ چیخ پڑی۔

"سڑیل بیوی کا حسین شوہر" شہسوار نے سکون سے جواب دیا۔

"میں تمہاری بیوی نہیں ہوں جان سے مار دوں گی تمہیں اگر دوبارہ بیوی کہا تو"

فاطمہ غصے سے لرز گئی۔ اُس نے میز پر رکھا واس زمین پر دے مارا۔

لیکن وہ پر سکون سا چلتا ہوا اُس کے قریب آیا اور دو قدم کی دوری پر رُک گیا"

اگر بیوی نہیں ہو تو پھر کیا رشتہ ہے میرا تم سے بولو"

اُس نے بھی قدم بڑھائے "دشمن۔ دشمنی کا رشتہ ہے میرا تم سے"

شہسوار نے نظریں اُس میں گاڑ دیں "وہ رشتہ مت بتاؤ جو تم نے بنایا ہے۔ وہ رشتہ بتاؤ جو خدا نے ہمارے درمیان بنایا ہے"

اب وہ فاصلے مٹا چکا تھا۔ فاطمہ کا قد چھوٹا تھا، وہ ایڑیوں کے بل کھڑی ہو کر اُس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ شہسوار جھک کر اُس کی آنکھوں سے آنکھیں ملا رہا تھا۔

"بتاؤ نا... کیا رشتہ ہے ہمارے درمیان" اُس کی سانس فاطمہ کے چہرے کو چھونے لگی۔

فاطمہ نے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔ شہسوار کے لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آنکھیں بند کرنے سے سچائی نہیں بدل جائے گی محترمہ۔ تم بیوی تھی، بیوی ہو، اور ہمیشہ بیوی رہو گی میری"

وہ لمحہ ایسا تھا کہ شہسوار کا دل بے قابو ہو گیا۔ اُس نے آہستہ سے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "اگر تم پانچ منٹ یوں ہی آنکھیں بند رکھیں تو یقین کرو میں انہیں چوم لوں گا"

فاطمہ نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ شہسوار نے گردن پیچھے پھینکی اور کھلکھلا کر ہنسا۔

"مر جاؤ تم" فاطمہ نے اُس کو زور سے دھکا دیا اور غصے سے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

پیچھے سے اُس کی آواز پھر بھی کانوں میں گونجی۔

"مجھے تمہیں بیوہ نہیں... اپنے بچوں کی ماں بنانا ہے۔ وہ بننا ہے تو بتاؤ"

اُس جملے پر فاطمہ کے کانوں سے دھواں نکل گیا دل کی دھڑکن بے قابو ہو گئی۔ دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگی آخر کیا ضرورت تھی بے شرم انسان کے منہ لگنے کی۔

گھر میں گہری خاموشی چھائی تھی۔ دیوار پر لگی گھڑی کی سوئیاں جیسے رئیسہ کے دل پر دستک دے رہی تھیں۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ صحن کی مدھم بتی میں

ہلکی ہلکی پرچھائیاں دیواروں پر کھیل رہی تھیں۔ رئیسہ بار بار دروازے کی طرف دیکھتی اور پھر گہری سانس لے کر خود کو تسلی دیتی، مگر دل میں بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

جب سے سیام نے پارٹ ٹائم جاب شروع کی تھی اُس کا معمول ہی بدل گیا تھا۔ رئیسہ کے دل میں ایک انجانی سی گھبراہٹ تھی ایک طرف شوہر کی ناراضگی کا خوف دوسری طرف اُس کی دیر رات گھر آنے کی ٹینشن۔

وہ کچھ سوچتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ ابھی وہ چند ہی سیڑھیاں اُتری تھی کہ سامنے سے دروازہ کھلا۔ سیام اندر داخل ہوا۔ اس کے قدم تھکے تھکے مگر باوقار تھے۔

"تمہیں پتہ ہے میں کتنی ٹینشن لے رہی تھی؟ کہاں رہ گئے تھے؟ پہلے تو کبھی اتنی دیر نہیں کی" رئیسہ تیزی سے باقی سیڑھیاں اتر کر اُس کے قریب آ گئی۔

سیام نے اُس کے جملے سنے تو اُس کے اندر ایک چبھن سی جاگی۔

"تمہیں میری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور سنو تمہارے لیے خوشخبری ہے۔ تمہارا گزارا نہیں ہو رہا تھا ناں دونوکریوں کے ساتھ میں نے ایک اور پارٹ ٹائم جاب کر لی ہے۔ اب عادت ڈال لو میرے لیٹ آنے کی"

رئیسہ کی پلکیں نم ہو گئیں۔ اُس نے یہ انداز کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

"سیام... تم پاگل ہو گئے ہو؟ تین تین نوکریاں کرو گے "اُس کی آواز بھر آئی۔ آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اُس نے تو کبھی نہیں چاہا تھا کہ اُس کی خواہشات کے بوجھ سے سیام یوں خود کو تھکا ڈالے۔

مگر سیام نے اُس کے آنسو نظر انداز کر دیے۔ وہ سیدھا کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ پیچھے رہ گئی رئیسہ جو صوفے پر دھڑام سے بیٹھ گئی۔ اُس کے آنسوؤں کے ساتھ دل کی گھٹن بھی بہنے لگی۔

حمل کی وجہ سے موڈ ہر لمحہ بدل جاتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی بات پر رونے لگتی تھی۔ اب خود پر غصہ آرہا تھا کیوں اُس نے سیام سے اپنی جاب کی بات کی تھی؟

پندرہ منٹ بعد شاور کے بعد سیام کمرے میں آیا۔ اُس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں مگر رئیسہ وہاں نہ تھی۔ وہ سمجھ گیا، وہ ابھی تک باہر بیٹھی ہے۔ قدم

بڑھانے ہی والا تھا کہ دروازہ کھلا اور رئیسہ اندر آئی۔ آنکھیں سُرخ، چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ وہ رو کر آئی ہے۔

"سیام تمہاری چائے" وہ دھیرے سے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔

سیام نے ایک سرسری نظر ڈالی "مجھے نہیں پینی" پھر تھکن سے بوجھل جسم کو بیڈ پر ڈال کر نیم دراز ہو گیا۔

رئیسہ نے اُس کو آنکھیں بند کرتے دیکھا تو دل کی ٹوٹ پھوٹ روک نہ سکی۔ لب کپکپائے آنکھیں بھر آئیں، اور پھر رونے کی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔ چند لمحوں میں اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

سیام اُس کے پاس آیا تو رئیسہ نے فوراً منہ موڑ لیا۔ وہ ضدی انداز صاف کہہ رہا تھا کہ اب وہ اُس سے بات نہیں کرنا چاہتی۔

سیام نے ایک لمحے کو گہرا سانس بھرا جیسے خود پر قابو پا رہا ہو۔ پھر جھک کر اُس کے چہرے کو اپنی طرف کیا۔

"رئیسہ یہ زیادتی ہے... ناراض میں ہوں اور رو تم رہی ہو" اُس کی آواز میں شکوہ بھی تھا اور محبت بھی۔

رئیسہ ہچکیوں کے بیچ بولی "مجھ سے بات مت کرو" اور پھر دوبارہ رونے لگی۔

سیام نے دھیرے سے اُس کے آنسو صاف کیے اور اُسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ اُس کی گرفت میں رئیسہ کی لرزتی سانسیں مدھم ہونے لگیں۔

"تم پلیز جاب چھوڑ دو سیام میں نے بس یوں ہی بات کی تھی، مجھے کیا پتہ تھا کہ تم ناراض ہو جاؤ گے" وہ روہانسی آواز میں بولی۔

سیام نے اُس کے گال پر بوسہ دیا جو رو رو کر گلابی ہو چکے تھے۔ "پاگل لڑکی میں نے غصے میں کہا تھا۔ نہیں کر رہا کوئی پارٹ ٹائم جاب اب چپ ہو جاؤ"

رئیسہ نے تپ کر اُس کے سینے پر چھوٹے چھوٹے ہاتھ مارنے شروع کر دیے۔ " تم بہت برے ہو! میں اتنی پریشان تھی کہ شاید تم مجھ سے خفا ہو گئے ہو تم نے مجھ سے جھوٹ بولا تمہاری وجہ سے میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا"

سیام نے اُس کے ہاتھوں کو تھام لیا" تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا رئیسہ ؟ تمہیں پتہ ہے ناڈاکٹر نے کیا کہا تھا...اپنی حالت کا خیال نہیں رکھتی اور پھر کہتی ہو میں غصہ کرتا ہوں"

رئیسہ نے منہ بنا کر اُس کی ناک کھینچی "تو کیا تم غصہ نہیں کرتے"

سیام بھی جھنجھلایا" مجبور کون کرتا ہے مجھے ؟"

وہ معصومیت سے ہنسی" تمہیں تو بس مجھے ڈانٹنے کا بہانہ چاہیے" پھر اُس کے ہاتھوں سے کھیلنے لگی۔ لیکن جیسے ہی اُس کی نظر سیام کے ہاتھوں پر ٹھہری آنکھوں میں دوبارہ نمی اُمڈ آئی۔ کتنی محنت کرتا تھا یہ شخص اُس کے لیے۔ رئیسہ نے جھک کر آہستہ سے اُن ہاتھوں کو چوم لیا۔

سیام اُس کی حرکت دیکھ کر نرم سا مسکرایا۔ "تمہیں میرے ہاتھ اتنے پسند ہیں"

"ہاں... پتہ نہیں کیوں تمہارے ہاتھ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔" رئیسہ کی انگلیاں اُس کے ہاتھ پر نازک رقص کرنے لگیں۔

سیام نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا "جیسے تم مجھے اچھی لگتی ہو"

رئیسہ شرما کر ہونٹ کاٹنے لگی "کیا واقعی میں تمہیں اچھی لگتی ہوں"

سیام نے مسکراتے ہوئے اُس کا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھا۔ "کیا یہ تمہیں نہیں پتہ "

"تم نے کبھی بتایا نہیں" وہ شوخی سے بولی اور اُس کی آنکھوں پر ہاتھ جمائے رکھا۔

"اور تم نے کبھی پوچھا نہیں" سیام نے اُس کا ہاتھ ہٹا کر اپنے لبوں سے لگا لیا۔

رئیسہ نے جھجکتے ہوئے سوال کیا "تو بتاؤ نا مسٹر سیام کیا میں تمہیں اچھی لگتی ہوں؟"

سیام نے دھیرے سے اُس کے لب چھو لیے "تمہارے سوا کوئی اچھا نہیں لگتا"

رئیسہ کا چہرہ سرخ ہوا اور وہ ہنس دی۔ اُس کی ہنسی کی کھنک کمرے کی فضا میں گھل گئی۔ سیام نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار کیا۔ بہت نازک تھی اُس کی بیوی "چلو اب جاؤ کھانا لے آؤ ساتھ کھاتے ہیں"

رئیسہ نے فوراً آنکھیں پھیلائیں "ڈاکٹر نے کہا تھا زیادہ سیڑھیاں نہیں چڑھنی اب میں کیسے جا سکتی ہوں"

"تو کیا میں جاؤں" سیام نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

وہ شرارت سے اُس کے قریب جھک گئی "کیا تم میرے لیے نہیں لا سکتے "

سیام نے ہنستے ہوئے اُس کے گال پر بوسہ دیا۔ "ایسی ادائیں دکھا کر بولو گی تو بندہ بشر جان بھی حاضر کر دے گا"

رئیسہ نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ " جان نہیں چاہیے مجھے، سلامتی چاہیے "

سیام نے اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ سیام کے معاملے میں رئیسہ بلکل بچی بن جاتی تھی۔ "تو دعا کیا کرو اُس کے لیے "اور کمرے سے باہر کھانے کے لیے بڑھ گیا۔

رئیسہ اُس کے جاتے ہی دل ہی دل میں مسکرائی "میری ساری دعائیں تمہارے نام ہیں، سیام میر امروز"

پنڈی پہنچتے پہنچتے رات کے بارہ بج گئے تھے۔ لمبے سفر اور بھاری لہنگے نے مرحا کو تھکاوٹ سے چُور کر دیا تھا۔ گاڑی جیسے ہی ایک چھوٹے مگر نہایت صاف ستھرے مکان کے باہر رُکی تو مرحا نے گہری سانس لی۔ خاموش رات میں درختوں کے پتے ہلکی ہوا کے ساتھ سرسرا رہے تھے۔

"شکر ہے پہنچ گئے کمر کی درد سے تو میرا حال ہی برا ہو گیا"

اسماعیل کی بڑی بہن رمشاء نے ایک نظر مرحا پر ڈالی، پھر تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بات پوری کی۔ اس کے لہجے کی نخوت مرحا کے کانوں میں چھب سی گئی۔

"چلو کومل... بھابھی کو کمرے میں چھوڑ دو سفر سے تھک گئی ہے"

آمنہ بیگم کی آواز میں ماں کی نرمی تھی۔ ان کی چھوٹی بیٹی کومل تو ویسے بھی نئے مہمان کو کمرے تک لے جانے کے لیے بے تاب تھی۔

مرحا نے قدم آہستہ آہستہ اندر رکھا۔ صحن چھوٹا مگر صاف ستھرا تھا۔ دائیں طرف کچن اور اُس سے آگے چھت کی طرف جاتی ہوئی تنگ سیڑھیاں۔ ہر چیز میں سادگی تھی مگر ترتیب ایسی کہ دل کو بھا جائے۔

"میڈم اگر گھر کا مشاہدہ مکمل کر لیا ہے تو کمرے میں تشریف لے جائیں" رمشاء کی تیکھی آواز پھر گونجی۔ اُس کی آنکھوں میں چھپی ناپسندیدگی مرحا سے چھپی نہ رہ سکی۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ رمشاء" آمنہ بیگم نے بیچارگی سے ماتھا پیٹ لیا۔ وہ جانتی تھیں یہ لڑکی کسی کی نہیں سنتی۔

مرحا نے نظریں جھکا لیں مگر آمنہ بیگم کے نرم ہاتھ جب اُس کے سر پر پیار سے رکے تو دل کو تسلی ملی۔

"بیٹا کچھ نہ سوچو... یہ زرا غصہ میں ہے۔ سفر نے تھکا دیا ہے"

"نہیں آنٹی کوئی بات نہیں" مرحا دھیرے سے مسکرائی۔

کچھ دیر بعد کومل اسے کمرے تک لے آئی۔ چھوٹا سا کمرہ، سامنے بیڈ اور ایک طرف کتابوں کی الماری۔ سادگی میں بھی عجیب سکون تھا۔ مرحا کے دل نے زور سے دھڑکنا شروع کر دیا۔ یہی اسماعیل کا کمرہ تھا۔ یہی وہ دن تھا جس کا اُس نے برسوں خواب دیکھا تھا۔

کومل نے بیڈ پر بٹھا دیا اُسے "آپ بیٹھیں بھائی ابھی آجائیں گے"

پانچ منٹ بعد دروازہ کھلا تو مرحا کے دل کی دھڑکنیں اور تیز ہو گئیں۔ نگاہیں جھک گئیں مگر پہچان گئی کہ آنے والا کوئی اور نہیں، اسماعیل ہے۔

وہ آہستہ آہستہ بیڈ کے قریب آیا، اُس کو پورے حق سے بیٹھے دیکھ کر اُس کی رگوں میں جیسے خوشی کا خون دوڑنے لگا۔

"اب یونہی دیکھتے رہو گے یا بیٹھو گے بھی" مرحا نے گھونگھٹ کے نیچے سے تیکھی آواز نکالی۔

"توبہ ہے دلہن بنی ہو، خاموش نہیں رہ سکتی" اسماعیل ہنستے ہوئے لہنگے کو ذرا سائیڈ پر کر کے اُس کے پاس بیٹھ گیا۔

مرحا نے ایک جھٹکے سے گھونگھٹ اُٹھا دیا۔ روشنی اُس کے چہرے پر پڑی تو میک اپ کے ساتھ اُس کی ناراضی بھی عجب خوبصورتی اختیار کر گئی۔

"اگر تم پانچ منٹ اور لیٹ آتے نہ... یقین کرو یہ دلہن کمر سے معذور ہو جاتی" اُس نے غصے سے کہا۔

اسماعیل نے نرمی سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"پہلے میرا گلدستہ واپس دو جو تم نے ہاسپٹل میں خراب کیا تھا پھر کوئی بات کروں گا" وہ اُس کے ماتھے پر رکھے جھولتے گھونگھٹ کو درست کرتے ہوئے بولا۔

مرحا نے اُس کے سینے پر ہلکی سی چپت ماری۔

"تمہیں پورا باغ مل گیا ہے پھر بھی گلدستہ چاہیے؟ بہت ناشکرے ہو"

اسماعیل اُس کے لفظوں پر دل کھول کر ہنس پڑا۔

"تو پھر تم بھی ناشکری ہو" وہ کہتے کہتے اُس کے ہاتھ میں ایک چمکتی ہوئی انگوٹھی پہنا گیا۔

مرحا نے چونک کر اُسے دیکھا "میں نے کیا ناشکری کی"

"خاندان کا سب سے خوبصورت لڑکا ملا ہے تمہیں جسے سب اپنی بیٹی دینا چاہتے تھے" وہ اُس کی نتھلی سے چھیڑ خانی کرنے لگا۔

"تو پھر کر لیتے اُن سے شادی" مرحا نے ناک پھلا کر کہا۔

اسماعیل نے ہنستے ہوئے اُس کے ماتھے پر ہلکا سا بوسہ دیا "کر لیتا... لیکن مجھے چڑیل زیادہ پسند آئی"

مرحا کا دل چاہا کہ خفا ہو مگر عجیب بات یہ تھی کہ آج یہ لفظ اُسے پیار الگ رہا تھا۔

کمرے میں چوڑیوں کی جھنکار، انگوٹھی کی چمک، اور دونوں کی ہنسی گونجنے لگی۔
ایک لمحے کو لگا جیسے وقت رک سا گیا ہو۔

"سچ بتاؤ، خوش ہو" اسماعیل کے لہجے میں پہلی بار سنجیدگی اتری۔
مرحا کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ "میں بہت خوش ہوں... میری سب سے بڑی خواہش تھی مسز اسماعیل بخاری بننا اور قدرت نے مجھے بنا دیا"

اسماعیل نے اُس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا "میرے ساتھ رہو گی زندگی کے ہر سفر میں "

"ہمیشہ "مرحا نے نم آواز میں کہا۔ "جب تمہاری جیب بھری ہو گی تب بھی اور جب خالی ہو گی تب بھی۔ سردیوں کی کڑکتی راتوں میں بھی، اور گرمیوں کی جھلساتی دھوپ میں بھی۔ بس تم ایک وعدہ کرو مجھ سے "

"کیسا وعدہ "

"کہ کبھی بیچ راستے میں چھوڑو گے نہیں۔ ہمیشہ میرے رہوں گے "

اسماعیل نے گہری سانس لی اُس کی آنکھوں میں پختگی اُتر آئی "قسم سے یار میں تمہارا ہوں۔ یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ تمہیں چھوڑ دو۔ تمہارے لیے بہت مار کھائی ہے۔ اب اُسے ضائع نہیں کر سکتا"

مرحا کی ہنسی اور آنسو ایک ساتھ نکلے۔ اگلے ہی لمحے اسماعیل نے اُسے زور سے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ مرحا اُس کی گرفت میں خاموشی سے قید ہو گئی۔

رُوما کمرے میں بیٹھی تھی۔ سامنے کھلا ہوا سوٹ کیس جس میں وہ ایک ایک کر کے کپڑے اور ضروری سامان رکھ رہی تھی۔ الماری کے کونے میں ابھی بھی کچھ

کپڑے لٹک رہے تھے مگر اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے جیسے ہر چیز سمیٹنا اُس کے دل کے ٹکڑے بکھیرنے کے مترادف ہو۔

اسی لمحے دروازہ چرچرا کر کھلا اور ماہ جبین بیگم اندر آئیں۔ اُن کے چہرے پر تھکن آنکھوں میں نمی اور ہونٹوں پر بے بسی کی لکیر تھی۔ جیسی زندگی انہوں نے گزاری تھی، مجبور اور صبر سے بھری ہوئی ویسا ہی عکس اب اپنی بیٹی کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

"تم نے سچ میں فیصلہ کرلیا ہے یہاں سے جانے کا"

ماہ جبین بیگم کی آواز میں تصدیق سے زیادہ دعا تھی کہ شاید رُوما انکار کر دے۔

رُوما نے نظریں جھکائے ہوئے، کپڑے تہہ کر کے بیگ میں رکھے۔

"ماں یہاں سے جانے میں ہی عافیت ہے"

وہ رک کر ایک پل کے لیے ماں کی طرف مڑی۔ "آپ فکر نہ کریں اسلام آباد میں فلیٹ بہت اچھا ہے۔ دوسرا امرحا کا گھر بھی وہاں قریب ہے۔ جب میں جاب پر جاؤں گی تو آپ اُس کے پاس چلی جانا"

ماہ جبین بیگم نے اپنی بیٹی کو دیکھا جس کے چہرے پر تھکن کے ساتھ ایک عجیب سی سنجیدگی نقش تھی۔ ان کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

"مطلب تم اپنے شوہر سے علیحدہ ہو رہی ہو" یہ کہتے ہوئے ان کا دل جیسے سینے میں کٹ گیا۔

رُوما کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی مگر وہ مسکراہٹ زبردستی تھی جس میں دکھ چھلک رہا تھا۔

"شوہر کے قریب رہی ہی کب ہوں جو اب علیحدہ ہونا ہے چند ہفتے ہی تو ساتھ رہے ہیں ہم "ماں کے دل میں ایک اور دھڑکا جاگا۔

"اگر اُس نے دوسری شادی کر لی پھر "رُوما نے لمحہ بھر کو ہاتھ بیگ پر رکھا جیسے اندر کچھ دبانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"اجازت ہے اُن کو... وہ کر سکتے ہیں "اُس کا لہجہ سکون سے بھرپور تھا، لیکن آنکھوں میں وہ سکون کہیں موجود نہیں تھا۔ ماہ جبین بیگم نے گہری نظر سے بیٹی کو دیکھا۔

"مجھے تمہاری طبیعت کافی دنوں سے ٹھیک نہیں لگ رہی "ان کے لہجے میں ایک نیا خدشہ لرز رہا تھا۔

رُومانے سر جھکا لیا۔ "جی... بس گوشت کی سمیل کی وجہ سے اُلٹیاں ہو رہی تھیں "اُس نے محسوس کیا کہ دن بدن اُس کا جسم کمزور پڑتا جا رہا ہے مگر اب وہ یہ دکھ بھی چھپا رہی تھی۔

کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔ صرف بیگ کے زپ کی آواز گونج رہی تھی۔

"کل کتنے بجے نکلنا ہے" ماہ جبین بیگم نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"صبح گیارہ بجے۔ یہاں کچھ کام ہیں وہ نمٹا کر نکلوں گی" رُومانے سوٹ کیس بند کیا اور سائیڈ پر رکھ دیا۔

ماہ جبین بیگم تھک کر بستر پر نیم دراز ہو گئیں۔

"جانے سے پہلے ڈاکٹر کے پاس چلیں گے "اُن کی آواز میں تھکن بھی تھی اور فکر بھی۔

رُومانے ایک نظر ماں کی طرف ڈالی اور بنا کچھ کہے باقی سامان سمیٹنے لگی۔ کمرے کی فضا بوجھل ہو گئی تھی۔ بیگ کی خاموشی اور ماں کے دل کی ٹوٹ پھوٹ ایک دوسرے میں گھل رہی تھی۔

رات کے دس بج رہے تھے، لندن کے گرین وچ کا موسم حسبِ معمول ہڈیوں کو چیر دینے والی سردی لیے ہوا تھا۔ کھڑکی کے شیشوں پر دھند جم گئی تھی اور ہیٹر کے باوجود کمرے میں ایک سنّاٹا سا طاری تھا۔

فاطمہ دبک کر کمبل میں بیٹھی تھی۔ اسی لمحے دروازہ چرچرا کر کھلا اور شہسوار کمرے میں داخل ہوا۔

"تم کمرے میں کیوں آئے ہو" فاطمہ کی نگاہ سر سے پاؤں تک اُس پر جمی تھی، تیکھی اور کڑوی۔

شہسوار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ورسٹ واچ کلائی سے اُتاری۔ "کیا مطلب کیوں آیا ہوں سونے کے لیے آیا ہوں۔ صبح بھی تم نے سونے نہیں دیا"

فاطمہ نے دانت بھینچے "تم یہاں نہیں سو سکتے"

وہ اب جیکٹ اُتار رہا تھا "تو میں کہاں جاؤں اپنی شاہی سواری لے کر؟ محترمہ ذرا غور فرمائیے"

"باہر لاؤنج ہے، وہاں جا کے سو جاؤ"

شہسوار نے جیکٹ ہینگ پر ٹانگی تو لمحہ بھر کے لیے فاطمہ کے دل کی دھڑکن بے وجہ تیز ہوئی۔

"سوری وہ جگہ چھوٹی ہے میرے لیے "اُس نے بڑی سنجیدگی سے انکار کیا۔

فاطمہ نے جھلا کر کشن زمین پر پھینکا "تو پھر زمین پر سو جاؤ"

شہسوار نے جرابیں اتارتے ہوئے قہقہہ دبایا "مجھے سردی بہت جلدی لگ جاتی ہے اور ویسے بھی موسم بہت خراب ہے میں زمین پر نہیں سو سکتا"

"اگر تم نے بیڈ پر سونے کی کوشش کی تو یقین کرو میں پوری رات فلیٹ سے باہر گزار دوں گی"

فاطمہ کی دھمکی پر اُس کی آنکھیں لمحہ بھر کو دہکیں مگر پھر اُس نے ضبط سے میٹریس الماری سے نکالا فرش پر بچھایا اور خاموشی سے لیٹ گیا۔

فاطمہ حیران رہ گئی۔ اُسے توقع تھی وہ ضد کرے گا بحث کرے گا، مگر یہ خاموشی اُسے الجھا گئی۔ وہ سوچنے لگی آخر شہسوار اتنا آسانی سے ہار کیسے مان گیا؟

کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ باہر چاندنی کھڑکی سے اندر آرہی تھی اور خاموشی کو مزید گہرا کررہی تھی۔ فاطمہ نے کمبل منہ تک تان لیا اور آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ اچانک بیڈ ہلکا سا لرزا۔ اُس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا، مگر کمرے میں کوئی نہ تھا۔ دل کو بہلا کر پھر لیٹ گئی۔

اب کی بار جھٹکا اور تیز تھا۔ فاطمہ کی روح تک کانپ اٹھی۔ جلدی سے لیمپ آن کیا تو نظر نیچے گئی شہسوار سکون سے سو رہا تھا دنیا و مافیہا سے بے خبر۔

"شاید مجھے وہم ہوا ہے... "اُس نے خود کو دلاسا دیا۔

مگر جو نہی لیمپ بند کیا، بیڈ پھر لرزا۔ خوف کے مارے اُس نے جھٹکے سے چھلانگ لگائی اور سیدھی شہسوار کی ٹانگوں پر آ گری۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔

"فاطمہ یہ کیا طریقہ ہے؟ میری ٹانگیں توڑ دی تم نے"

فاطمہ کی آواز کانپ رہی تھی "کوئی میرا بیڈ ہلا رہا ہے شہسوار قسم سے جھوٹ نہیں بول رہی "اُس کے آنکھوں میں خوف صاف جھلک رہا تھا۔

شہسوار نے اُس کی طرف دیکھا۔ چاندنی اُس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اُس کی بڑی بڑی آنکھوں میں وحشت تھی۔ اُس وحشت کے بیچ کچھ ایسا تھا جس نے شہسوار کے دل کو جھنجھوڑ دیا۔

"تمہارا وہم ہو گا... یہاں کوئی نہیں ہے" اُس نے نرم لہجے میں کہا، مگر اگلے ہی لمحے فاطمہ نے کندھا پکڑ کر اُسے جھنجھوڑ دیا۔

"تین بار ہوا ہے یہ میں سچ کہہ رہی ہوں" شہسوار نے ہلکا سا سانس چھوڑا "اچھا ایک کام کرو۔ زمین پر میرے ساتھ سو جاؤ" اُس نے موقع کا فائدہ اٹھایا۔

"میں نہیں سو رہی تمہارے ساتھ خبردار جو ایسی بات دوبارہ کی" وہ بھڑک اُٹھی۔

شہسوار شانے اچکا کے پھر لیٹ گیا "تو پھر جنوں سے اکیلی لڑتی رہو۔ میں سونے لگا ہوں"

فاطمہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ موسیٰ یاد آگیا، وہ ہمیشہ اُس کے سکون اور خوف کا خیال رکھتا تھا۔ "تم نے ایسا کیوں کیا موسیٰ..." دل ہی دل میں ٹوٹے لہجے میں پکارا۔

ڈر اتنا غالب تھا کہ وہ سوچے سمجھے بغیر شہسوار کے ساتھ تھوڑے فاصلے پر لیٹ گئی۔ اُس کے کندھے شہسوار کی کمر سے چھو گئے۔ شہسوار کے لبوں پر ایک ہلکی سی فاتحانہ مسکراہٹ آ گئی۔

"سنو..." شہسوار نے آہستہ سے کہا، جیسے اُس کا ڈر محسوس کر چکا ہو۔

"کیا ہے" ہمیشہ کی طرح جھنجھلا کر بولی۔

"اگر زیادہ ڈر لگ رہا ہے تو مجھے اجازت دو، میں تمہاری طرف رُخ کر لوں"

یہ جملہ اُس کے لیے غیر متوقع تھا۔ شہسوار اجازت مانگ رہا تھا؟

فاطمہ نے دل پر پتھر رکھا "کر لو... لیکن فاصلے پر لیٹے رہنا ٹھیک ہے"

"اوکے" وہ ہلکے لہجے میں بولا اور رُخ موڑ کر اُس کی طرف آ گیا۔ اب اُس کی آنکھوں کے آنسو، لرزتی پلکیں اور بھیگی خاموشی سب واضح نظر آ رہے تھے۔

"سو جاؤ میں یہیں ہوں۔ کچھ نہیں ہو گا"

اُس کے الفاظ کے ساتھ ہی اُس کی سانسیں فاطمہ کی گردن سے ٹکرائیں تو وہ مزید سکڑ گئی اور آنکھیں زور سے موند لیں۔

سورج کی کرنیں آسمان کو سنہری روشنی میں نہلا رہی تھیں۔ پاکستان میں صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ باہر پرندے چہچہاتے پھر رہے تھے اور ہوا میں تازہ مٹی کی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔ کمرے کے اندر رئیسہ استری بورڈ پر جھکی ہوئی بڑی احتیاط سے سیام کی شرٹ پر استری پھیر رہی تھی۔ استری کی ہلکی سی سیٹی اور کپڑے سے اُٹھتی ہلکی بھاپ ماحول کو اور بھی نرم بنا رہی تھی۔

اتنے میں سیام پسینے سے شرابور، تیز قدموں کے ساتھ مارننگ واک سے واپس آیا۔ اُس کے ہاتھ میں ٹاول تھا جس سے وہ ماتھے اور گردن کا پسینہ صاف کر رہا تھا۔

"رئیسہ، کپڑے پریس ہو گئے" اُس نے ٹاول کندھے پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

رئیسہ نے نظریں جھکائے جواب دیا "ہاں بس ہو گئے ہیں" اُس کی آواز میں گھریلو سکون اور ذمہ داری جھلک رہی تھی۔

سیام جیسے ہی باتھ روم کی طرف بڑھا تو رئیسہ نے اُسے آواز دی "سیام آج ذرا جلدی آجانا۔ گیارہ بجے تک ڈاکٹر کے پاس جانا ہے"

سیام نے ایک لمحے کو رُک کر اُس کی طرف دیکھا جیسے اُس کی بات کو دل میں محفوظ کر رہا ہو۔ "ہاں مجھے یاد ہے۔ میں آجاؤں گا" یہ کہہ کر وہ باتھ روم میں داخل ہو گیا۔

رئیسہ نے استری شدہ کپڑے احتیاط سے بیڈ پر رکھے اور پھر آہستہ قدموں سے نیچے آگئی تاکہ سیام کے لیے ناشتہ تیار کرے۔

نیچے ڈرائنگ روم میں فردان نکلنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر وہ شوخی اور ہنسی غائب تھی جو عام دنوں میں سب کو محظوظ کرتی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں بوجھل اداسی اور دل گرفتگی صاف نظر آرہی تھی۔

"فردان ناشتہ نہیں کرو گے" رئیسہ نے نرم لہجے میں کہا۔ اُس کا دل بھائی جیسے دیور کو اس حال میں دیکھ کر پگھل سا گیا۔

فردان نے نظریں چرا کر مختصر جواب دیا "نہیں بھابھی بھوک نہیں ہے" وہ تیز قدموں سے باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ رئیسہ نے آگے بڑھ کر اُس کا راستہ روک لیا۔

"فردان تم اُس کو لے کیوں نہیں آتے میں روما کو جانتی ہوں وہ بہت معصوم ہے جلدی مان جائے گی" رئیسہ کی آواز میں مخلصی اور اپنائیت تھی۔

فردان کے چہرے پر تلخ سا تبسم ابھرا۔ اُس نے رئیسہ کو ایک پل کے لیے دیکھا، پھر ہلکا سا استہزایہ قہقہہ ہنسا، مگر اُس کی آنکھوں میں پچھتاوے کی جھلک نمایاں تھی۔

"نہیں مانے گی وہ بھابھی، میں نے اُس کی بے عزتی کی ہے۔ میں دوبارہ اُس کی معصومیت کا فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتا" فردان کے لہجے میں ندامت چھلک رہی تھی۔

رئیسہ نے اُس کے بازو پر ہاتھ رکھا "فردان پلیز ایک بار اُس سے بات کرلو... اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے" وہ جانتی تھی فردان خود کو فاطمہ کا مجرم سمجھ رہا ہے، حالانکہ حقیقت میں یہ سب وقتی غصہ اور غلط فہمی تھی۔

مگر فردان نے نظریں جھکائے ہوئے قدم پیچھے ہٹا لیے۔ "بھابھی میں چلتا ہوں اللہ حافظ "اُس نے جلدی سے الفاظ ادا کیے اور باہر کی طرف بڑھ گیا، جیسے خود سے فرار چاہتا ہو۔ رئیسہ اُس کے پیچھے دیکھتی رہ گئی اور دل ہی دل میں دعا کی کہ فردان کے اور روما کے درمیان کی یہ دوری جلد ختم ہو جائے۔

گرین وچ کی خاموش فضا میں اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے۔ کھڑکی سے جھانکتی ہلکی سی چاندنی کمرے کو نرم روشنی میں نہلا رہی تھی۔ کمرہ سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا اور اس سناٹے کو صرف فاطمہ کی مدھم سانسیں توڑ رہی تھیں۔ وہ نیند کی وادیوں میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ گویا دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو۔

شہسوار اُس کے معصوم چہرے کو دیکھتا رہا۔ اُس کی پُر سکون نیند اور چہرے پر پھیلا نور دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"تم اتنی خوبصورت کیوں ہو یار... دل کرتا ہے بس تمہیں دیکھتا رہوں۔ اگر ایسے

ہی چلتا رہا تو میں بہت جلد ناکارہ ہو جاؤں گا" وہ مدھم آواز میں، جیسے خود سے باتیں کرتا ہوا بولا۔

اچانک فاطمہ نے نیند میں کروٹ لی اور بے خیالی میں شہسوار کا ہاتھ تھام لیا۔ شہسوار لمحہ بھر کو ٹھٹک گیا۔ اگر وہ جاگ رہی ہوتی تو شاید یہ حرکت کبھی نہ کرتی۔ اُس کی اس بے ساختہ معصومیت پر شہسوار کا دل اور بھر آیا۔

اسی لمحے دور کہیں سے فجر کی اذانوں کی آوازیں اُٹھنے لگیں۔ شہر کی خاموش فضاؤں میں اذان کی آواز روح کو چھو لینے والی لگ رہی تھی۔ شہسوار نے نرمی سے جھک کر اُس کے ماتھے پر ہلکا سا بوسہ دیا۔ فاطمہ نے نیند میں ہی منہ بنایا، جیسے اُس لمس سے چڑ گئی ہو۔ اُس کے منہ بنانے کے انداز پر شہسوار ہنس پڑا، مگر ہنسی دل کے اندر ہی دبائے رکھی تاکہ وہ جاگ نہ جائے۔

"فاطمہ اُٹھ جاؤ... نماز نہیں پڑھنی "اُس نے دھیرے سے پکارا۔

پھر مزید قریب ہو کر پچکارا" فاطمہ اُٹھو شاباش، ٹائم گزر رہا ہے "

مگر فاطمہ نے نیند میں ہی سرگوشی کی "مجھے سونے دو موسیٰ..."

یہ نام سنتے ہی شہسوار کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں لمحے بھر کو ایک کسک سی جاگی جیسے کوئی نادیدہ تیر دل کو چھو گیا ہو۔ "وہ ہمارے درمیان سے جا کر بھی ہمارے درمیان ہے" پھر آہستگی سے اُس کا ہاتھ چھڑا کر واش روم کی طرف بڑھ گیا تاکہ وضو کر سکے۔

دس منٹ بعد وہ واپس آیا تو اُس نے کمرے کے سارے بلب روشن کر دیے تاکہ فاطمہ بھی بیدار ہو جائے۔ اُس کے لبوں پر وضو کی تازگی اور چہرے پر ایک عجیب سا سکون تھا۔ مسجد فلیٹ سے دُور تھی، اس لیے اُس نے گھر ہی میں نماز شروع کر دی۔

کمرے کی روشنی سے فاطمہ کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے آنکھیں مسلیں اور سامنے کا منظر دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ شہسوار تشہد پر بیٹھا، پوری یکسوئی کے ساتھ نماز میں مگن تھا۔

اُس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ آئی۔

"مجھے امپریس کرنے کے لیے گھر پر نماز پڑھ رہے ہو، تا کہ میں دیکھ سکوں کتنے نیک ہو تم "اُس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

شہسوار نے سر اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔

"میں نماز سے کبھی تمہیں امپریس نہیں کروں گا۔ میری نمازیں میرے رب کے لیے ہیں اور دعائیں تمہارے لیے "اُس کے لہجے میں سکون اور سچائی کی گونج تھی۔

پھر گھڑی کی طرف دیکھا "جاؤ تم بھی وضو کر لو... ٹائم گزر رہا ہے "گھڑی کی سوئیاں ساڑھے چار پر ٹھہری تھیں۔

"زیادہ مسلمان بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے پتہ ہے، میں نے بھی پڑھنی ہے "وہ بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے بستر سے اُٹھی۔

"مجھے مسلمان بننا بھی نہیں، مجھے مومن بننا ہے"

فاطمہ قدم روک کر پلٹی۔ "مسلمان اور مومن دونوں ایک ہی ہوتے ہیں" اُس نے جیسے آخری دلیل دی۔

شہسوار نے گہری سانس لی "ایک نہیں ہوتے۔ مسلمان اللہ کو مانتا ہے اور مومن اللہ کی مانتا ہے۔ مسلمان بننا پہلا قدم اور مومن منزل ہے میری"

فاطمہ لمحہ بھر کو خاموش ہو گئی۔ یہ الفاظ اُس کے دل پر اثر کر گئے۔ وہ جانتی تھی سچ یہی ہے۔ ہم سنتے بہت ہیں، مگر مانتے کب ہیں؟ اللہ کی باتوں پر عمل کے بغیر زندگی سکون کیسے پا سکتی ہے؟

بغیر کچھ اور کہے وہ واش روم کی طرف بڑھ گئی تاکہ وضو کر سکے۔

واپس آئی تو شہسوار دعا میں مشغول تھا۔ اُس کے ہاتھ اُٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ فاطمہ دروازے پر کھڑی بس اُسے دیکھتی

رہی۔ دل میں سوالوں کا طوفان اُٹھا کہ آخر وہ دعا مانگتے ہوئے اتنا ٹوٹ کیوں رہا تھا؟ وہ کیا مانگ رہا تھا جو اتنی شدت سے اُس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔

فاطمہ نے نماز مکمل کی اور سلام پھیر کر ہاتھ سمیٹے۔ اُس کا دوپٹہ حجاب کی طرح سر پر ٹکا ہوا تھا، اور معصوم سا چہرہ اُس میں اور بھی نکھر الگ رہا تھا۔ شہسوار نماز ختم کر چکا تھا، لیکن اُس کی نظریں اب بھی سامنے بیٹھی فاطمہ پر جمی تھیں۔ وہ بے اختیار مسکرا اٹھا۔

فاطمہ نے اچانک نظریں اوپر اُٹھائیں تو وہ سیدھا اُس کی گہری آنکھوں میں جا ٹھہری۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو" اُس نے ذرا چونک کر پوچھا۔

شہسوار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دینے کی بجائے سوال کیا "کیا میں نہیں دیکھ سکتا"

فاطمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے نظریں جھکا کر ہاتھ دعا کے لیے اُٹھا دیے۔

لیکن جیسے ہی ہتھیلیاں اُٹھی، اُس کے دل میں ایک طوفان سا اُمڈ آیا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یادوں کا سارا سیلاب اُسے بہالے گیا موسیٰ کا نام، اُس کی محبت، اپنی ماں کی بے بسی، سب کچھ ایک ایک کر کے دل پر وار کرنے لگا۔ بس یاد نہیں آیا تو وہ شخص جو اُس کے سامنے بیٹھا تھا، اُس کی ہر سانس کو اپنی نگاہوں میں قید کیے ہوئے تھا۔

شہسوار نے دعا ختم کر کے جائے نماز تہہ کیا اور آرام سے ٹیبل پر رکھ دیا۔ "میں واک کے لیے جا رہا ہوں، چلو گی میرے ساتھ "اُس نے عام سے لہجے میں پوچھا ۔

فاطمہ کا لہجہ تھکا ہوا تھا "نہیں مجھے کہیں نہیں جانا۔ تم جاؤ "اُس کی آواز میں نہ سختی تھی نہ نرمی، بس ایک اجنبیت سی۔

"او کے گیٹ لاک کر لینا۔ اور ہاں آج مجھے میٹنگ کے لیے بھی جانا ہے۔ بزنس یہیں سیٹ کرنے کا سوچ رہا ہوں اُسی کے سلسلے میں بات کرنی ہے" شہسوار نجانے کیوں اسے اتنی تفصیل بتا رہا تھا۔

"مجھے ان باتوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔ تم نے جانا ہے تو جاؤ نہیں جانا تو مجھے سونے دو" اب کی باراُس کے لہجے میں تپش تھی۔ آخر وہ کیوں ہر بات بتاتا جارہا تھا؟

شہسوار خاموشی سے واشروم گیا ٹریک سوٹ پہنا، بس ایک مختصر سا "اوکے بائے" کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

فاطمہ ابھی بستر پر لیٹی ہی تھی کہ شہسوار کا موبائل بجنے لگا۔ اُس نے چونک کر دیکھا۔

"حد ہے انسان فون تو ساتھ لے جاتا" اُس نے ناگواری سے منہ بنایا۔ مسلسل بیل پر اُس نے فون اُٹھا کر سکرین دیکھی۔ وہاں صرف ایک لفظ جگمگا رہا تھا "امی"

فون مسلسل بج رہا تھا۔ فاطمہ نے لمحے بھر سوچا پھر بیل بجنے پر کال ریسیو کر لی۔

"السلام علیکم" حانم بیگم کی نرم اور مانوس آواز آئی۔

"وعلیکم السلام" فاطمہ نے مختصر جواب دیا اور خاموش ہو گئی۔

"ارے واہ آج تو سوار کی جگہ اُس کی بیوی نے فون اُٹھایا۔ کیسی ہو بیٹا" حانم بیگم کے لہجے میں خوشی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں وہ باہر گئے ہیں" فاطمہ نے روکھے انداز میں جواب دیا۔

"چلو یہ بھی اچھا ہوا اسی بہانے تم سے بات ہو جائے گی" حانم بیگم نے بات کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی۔

"جی..."اُس نے مختصر کہا اور پھر خاموش ہو گئی۔

ماں کا دل سمجھ گیا کہ یہ لڑکی ہچکچا رہی ہے "اور سناؤ شہسوار تمہارا خیال رکھتا ہے نا؟ تنگ تو نہیں کرتا؟"

یہ سوال فاطمہ کو موقع لگا۔ اُس نے لہجہ ذرا بوجھل کیا۔ "نہیں، بالکل خیال نہیں رکھتا۔ گھر بھی لیٹ آتا ہے خود سارا دن باہر رہتا ہے۔ جب پوچھتی ہوں کہاں تھے تو کہتا ہے none of your business۔ بہت روڈ بہیوئیر ہے اُس کا"

اتنے میں دروازے پر ایک سایہ سا لرزا۔ شہسوار جو فون لینے واپس آیا تھا لیکن اب چپ چاپ دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے، اُس کی ہر بات سن رہا تھا۔

"کیا سچ میں وہ ایسے کرتا ہے" حانم بیگم نے حیرت سے پوچھا مگر دل ہی دل میں جانتی تھیں کہ یہ لڑکی بڑھا چڑھا کر بتا رہی ہے۔ آخر وہ شہسوار کی ماں تھی اپنے بیٹے کو زیادہ اچھے طریقے سے جانتی تھی۔

فاطمہ نے ایک اور تیر چلایا "جی بالکل، ہر وقت ڈانٹتا ہے سارے گھر کے کام کرواتا ہے" پھر اچانک اُس کی نظر نیچے پڑی کالے جوگرز۔ نظریں اوپر اُٹھائیں تو شہسوار کھڑا مسکرا رہا تھا اور آنکھوں سے اشارہ کرنے لگا جاری رکھو، رک کیوں گئی؟

فاطمہ کا دم گھٹنے لگا۔ "آنٹی وہ آگیا ہے آپ اُس سے بات کر لیں" اُس نے جلدی سے موبائل شہسوار کی طرف اچھالا۔ شہسوار نے ہنستے ہوئے فون کیچ کیا۔

"کیا ضرورت تھی یہ بکواس کرنے کی؟ دو کوڑی کی عزت رہ گئی میری۔ اب وہ کیا سوچے گا جیسے میں مری جا رہی ہوں اُس کے پیچھے..." فاطمہ کمبل میں منہ چھپا کر اندر ہی اندر خود کو کوسنے لگی۔

شہسوار موبائل لے کر ڈرائنگ روم میں آگیا۔ صوفے پر بیٹھا "السلام علیکم امی"

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہو؟ بہو نے تو تمہاری بڑی شکایتیں لگائی ہیں" خانم بیگم نے مصنوعی غصے میں کہا۔

شہسوار کھلکھلا کر ہنس پڑا "جی، آج پہلی دفعہ موقع ملا ہے آپ کی بہو کی شکایتیں سننے کا شکایتوں کی فہرست زرا لمبی ہے "اُس نے ذرا بلند آواز میں کہا تا کہ فاطمہ کے کانوں تک پہنچے۔

"جھوٹ بول رہی تھی وہ" خانم بیگم نے پوچھا۔

"امی، میری بیوی جھوٹ نہیں بولتی۔ بس مزاق کر رہی تھی۔ پاس ہی کھڑا تھا میں" شہسوار کے لہجے میں مان تھا۔ وہ کسی کو یہ حق دینے پر تیار نہ تھا کہ اُس کی بیوی کو جھوٹا کہے۔

"اچھا مطلب اب وہ راضی ہے تم سے" ماں نے بات کو پر کھا۔

"سفر لمبا ہے ذرا امی..." شہسوار صوفے سے ٹیک لگا کر بولا۔

"پیار سے مناؤ مجھے امید ہے مان جائے گی" حانم بیگم نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"پیار سے ہی منا رہا ہوں" بیچارہ تو اُس کے ہاتھوں پس کر رہ گیا تھا۔ شہسوار نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اگر پیار سے نہ مانے تو تھوڑی سختی کر لینا۔ اپنے چھوٹے چھوٹے کام اُس سے کرواؤ، دل موم ہو جائے گا" ماں نے مشورہ دیا۔

شہسوار نے قہقہہ دبایا "امی میں چاہ کر بھی سختی نہیں کر سکتا۔ کوئی اور مشورہ دیں "

حانم بیگم نے موبائل گھورا "مجھے لگتا ہے میرا اکلوتا بیٹا زن مریدی کے ریکارڈ توڑنے والا ہے"

شہسوار ہنسا، "امی اگر بیوی فاطمہ ابراہیم ہو تو ریکارڈ ٹوٹ سکتے ہیں"

"چلو فلحال اُس کی شکایتیں دور کرو۔ میں ذرا تمہارے ابو کو چائے دے آؤں پھر بات کرتی ہوں" یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

شہسوار صوفے پر بیٹھا ابھی بھی ہنس رہا تھا۔ پیچھے کمبل کے اندر فاطمہ کی گالیں شرم اور جھنجھلاہٹ کے مارے دہک رہی تھیں۔

موسیٰ آنکھیں موندے جیل کی نمی بھری کھوٹری کے کونے میں دبکا بیٹھا تھا۔ دیواروں پر نمی کے دھبے تھے فرش پر گندگی اور پسینے کی ملی جلی بُو اور اندھیرے میں صرف چوہوں کے رینگنے کی آہٹ تھی اور زنگ آلود سلاخوں سے ٹپکتا پانی کسی اذیت ناک ساز کی طرح شور مچا رہا تھا۔

اچانک زنجیروں کی کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ جیل کا بھاری دروازہ چرچراتا ہوا کھلا۔ روشنی کی تیز کرنیں یوں اندر گھسی جیسے اندھیرے کے سینے کو چیر ڈالنا چاہتی ہوں۔ دروازے پر ایک ہٹا کٹا جیلر کھڑا تھا، آنکھوں میں سختی اور چہرے پر تمسخر۔ وہی لوگ جو کبھی موسیٰ شیر خان کے نام سے کانپتے تھے اب اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہوتے تھے۔ یہ منظر ہی اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ بادشاہت کا غرور کب کا مٹی ہو چکا ہے۔

"چلو آج تمہارا باہر جانے کا وقت ہے" جیلر نے قریب آ کر موسیٰ کے پیٹ میں زوردار لات ماری۔ موسیٰ کراہتے ہوئے جھک گیا مگر خاموش رہا۔

"مجھے باہر لے جانے کے لیے آئے ہو" اس کی بھاری آواز میں شکست کی لکیر تھی۔

"ہاں ہر جمعرات کو تمہیں کھوٹری سے باہر آنے کی اجازت ہے" جیلر نے طنزیہ لہجے میں کہا اور بازو پکڑ کر اُسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے آیا۔

باہر نکلتے ہی روشنی اس کی آنکھوں کو یوں چیرنے لگی جیسے برسوں کے اندھے پر اچانک سورج چمک گیا ہو۔ ایک ہفتے بعد اجالا نصیب ہوا تھا۔ آسمان نیلا تھا مگر موسیٰ کی آنکھوں میں دھندلا۔ اردگرد قیدیوں کا ایک چھوٹا سا ہجوم تھا۔ سب اپنی اپنی دنیاؤں میں گم تھے، کوئی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، کوئی زمین پر لکیر کھینچ رہا تھا۔

موسیٰ نے ایک خالی بینچ دیکھی اور جا بیٹھا۔ جیسے ہی وہ اکیلا ہوا، کالی آنکھوں والی لڑکی کی یاد دل میں تیر کی طرح چبھ گئی۔ خواہش ہوئی کاش وہ کہیں سے آجائے اور سامنے بیٹھ کر اُسے تکتا رہے۔

"یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہو؟ کیا نئے آئے ہو" ایک بھاری آواز اس کے قریب ابھری۔

موسیٰ نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک بوڑھا قیدی تھا، چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا، آنکھوں میں تھکن مگر لہجے میں نرمی۔

موسیٰ نے ہلکی سی مسکراہٹ دی "جیل میرے لیے نئی ہے"

بوڑھا ہنس پڑا "لگ بھی رہا ہے۔ ایک دن کے قیدی لگتے ہو"

"نہیں، مجھے یہاں آئے ایک مہینہ ہونے والا ہے"

بوڑھے نے حیرت سے اس کا سراپا دیکھا۔ بہت خوبصورت معلوم ہوا "کس جرم میں آئے ہو" موسیٰ نے نظریں چرا لیں۔ "قتل کے کیس میں"

"کس کا قتل کیا" سوال خنجر کی طرح لگا۔

"اپنے سسر کا۔" موسیٰ کے ہونٹ لرز گئے۔ تایا کے قتل کا الزام گول کر گیا۔

بوڑھا ساکت رہ گیا "کیوں"

موسیٰ نے جواب نہ دیا۔ اس کی پلکوں کے پیچھے تایا کا خون اور فاطمہ کی آنکھیں دونوں لہرا رہے تھے۔

بوڑھا خاموش ہوا تو لمحے بعد پھر بول پڑا "میں بھی قتل کے کیس میں ہوں یہاں ۔ بیس سال ہو گئے۔ نہ پھانسی ملتی ہے نہ رہائی "اُس کی آواز میں زخموں کی پرانی جلن تھی۔

موسیٰ نے سوال داغا "کس کا قتل کیا تھا"

بوڑھے کی آنکھیں بھر آئیں "میری بیٹی کے ساتھ درندگی ہوئی تھی۔ کسی نے ہماری مدد نہ کی۔ میں نے اُس درندے کو خود مار ڈالا۔ اور تب سے یہ سلاخیں میرا مقدر ہیں"

موسیٰ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ سانس لینا دشوار ہو گیا۔ یادوں میں فاطمہ کی صورت ابھری۔ وہ لمحے جب اُس نے طنز کیا، سوال اٹھائے، اُس کے غرور کو للکارا۔ اور موسیٰ نے بدلے کی آگ میں اُس کا سب کچھ چھین لیا۔

"تم ٹھیک ہو" بوڑھے نے ترس بھری نظروں سے پوچھا۔

موسیٰ کا ضبط ٹوٹ گیا۔ "میں ٹھیک نہیں ہوں۔ میں اُس کے باپ کو نہیں مارنا چاہتا تھا۔ میں اُس سے محبت کرتا ہوں۔ اندھیرے میں وہ یاد آتی ہے، میں بھاگتا ہوں مگر وہ اور قریب آتی ہے۔ پلیز مجھے اپنی جیل میں لے چلو... میں اکیلا برداشت نہیں کر پاتا"

بوڑھا اس کے ہاتھ تھام گیا جو لرز رہے تھے "بہت محبت کرتے ہو اُس سے"

موسیٰ کی آنکھوں سے دھار بہہ نکلی۔ "بہت زیادہ اتنی کہ بیان سے باہر"

بوڑھے نے آہ بھری۔ "کاش تم اُس کے باپ کو نہ مارتے۔ بیٹی کے لیے دنیا میں سب سے بڑا سہارا اُس کا باپ ہی ہوتا ہے۔ تم نے بہت بڑا گناہ کیا ہے"

موسیٰ نے سر جھکا دیا۔ "جانتا ہوں... گناہ بڑا ہے۔ لیکن سزا اُس سے بھی بڑی ملی ہے۔ جیل کی قید کاٹ لیتا، مگر اُس کی سزا نے دل چیر دیا میرا"

"کیسی سزا" بوڑھا حیران ہوا۔ کیا جیل سے بڑی بھی کوئی سزا ہوتی ہے؟؟ کوئی پوچھے موسیٰ سے؟؟

موسیٰ نے سر اٹھایا آنکھوں میں لہو اتر آیا۔ "محبوب کو رقیب کے ساتھ دیکھنا... مرنے کے مترادف ہے۔ یہ جیل سے بڑی سزا ہے میرا دل کٹ جاتا ہے جو کل تک میرے نام سے جُڑی تھی آج وہ کسی اور کی ہو گئی"

یہ کہتے ہی وہ دھاڑیں مار کر رو پڑا۔ ایک مرد کا آنسو آس پاس بیٹھے کئی قیدیوں کے دلوں کو ہلا گیا۔

بوڑھا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ گیا "صبر کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس اندھیرے میں اُسی کو یاد کرو جو روشنی بانٹنے والا ہے" پھر آہستہ سے اٹھا اور اپنی کھوٹری کی طرف لوٹ گیا۔

موسیٰ دیر تک اُس کی پشت دیکھتا رہا۔ حیران تھا کہ کوئی انسان جیل کے اندھیروں میں بھی اتنا پُر سکون کیسے رہ سکتا ہے۔

صبح کے نو بج رہے تھے۔ ہلکی سنہری دھوپ پردوں سے چھن کر کمرے میں پھیل رہی تھی۔ فاطمہ نے نیند سے بوجھل آنکھیں مسلیں، سلیپر پہنے اور آہستگی

سے باہر آئی تو کچن سے خوشبو کا جھونکا آیا۔ اُس نے چونک کر دیکھا شہسوار خود ناشتہ بنا رہا تھا۔

"تم جاگ گئی آجاؤ، ناشتہ کرتے ہیں" اُس نے پلیٹ میں آملیٹ نکالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

فاطمہ نے ناک سیکھڑا۔ "ہاتھ ہے میرے، خود بنا سکتی ہوں۔ تم نے کھانا ہے تو کھاؤ"

شہسوار نے ایک نظر اُس پر ڈالی، مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی "جانتا ہوں تمہارے ہاتھ ہیں لیکن مجھے خوشی ہو گی اگر میری بیوی میرے ہاتھ کا بنا ہوا ناشتہ کرے" اب وہ ڈائینگ ٹیبل پر برتن سجا رہا تھا۔

فاطمہ نے دانت پیسے۔ "تو پھر کوئی اور بیوی لے آؤ، وہ شوق پورا کر دیا کرے گی "

شہسوار ایک پل کو رُکا، پھر بول پڑا "یہ آفر تین چار سال بعد دینا پھر سوچوں گا"

وہ مزے سے نوالہ لینے لگا۔

فاطمہ نے اسے دیکھ کر تیوری چڑھائی۔ چیز آملیٹ کی خوشبو نے اُس کے دل کو للچایا ضرور، مگر انا اُس کے حلق سے زیادہ مضبوط نکلی۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی اور ٹی وی اون کر لیا۔

"تین چار سال سے پہلے ہی لے آؤ گے کیونکہ میں تو یہاں سے چلی جاؤں گی"

شہسوار نے قہقہہ لگایا۔ "دیکھتے ہے محترمہ۔۔۔ مجھے میٹنگ کے لیے جانا ہے۔ ناشتہ بنا ہوا ہے کر لینا۔ باہر مت جانا۔ کچھ چاہیے ہو تو مجھے کال کرنا نمبر تمہارے موبائل میں سیو ہے اوکے" وہ جیسے کسی ضدی بچے کو سمجھا رہا تھا۔

فاطمہ نے ریموٹ جھلایا۔ "تمہارا لیکچر ختم ہو گیا ہے تو دروازہ وہ ہے جا سکتے ہو"

شہسوار خاموشی سے چند قدم اُس کی طرف بڑھا۔ فاطمہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ فوراً پیچھے ہٹی۔ "میرے قریب مت آنا، شہسوار "اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔

شہسوار نے چہرہ مزید جھکایا، اُس کے بالوں کی خوشبو محسوس کی، ہونٹ اُس کے کان کے قریب لاتے ہوئے سرگوشی کی۔

"کیا ہوا فاطمہ "اُس کا انداز رومانوی تھا۔

فاطمہ نے آنکھیں بند کر لیں، جیسے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ " شہسوار... پلیز دور ہو جاؤ"

وہ ہنسا، پھر آہستگی سے موبائل ٹیبل سے اٹھالیا۔ "میں تو بس یہ لینے آیا تھا" جاتے جاتے اُس نے اُس کے گال کے قریب شرارت سے ہلکی سی پھونک ماری۔

"تم پاگل ہو... ایڈیٹ کہیں کے جان لے لوں گی تمہاری" فاطمہ نے جھنجھلا کر ریموٹ اُس پر دے مارا۔

شہسوار ہنستا ہوا دروازے کی طرف بھاگا۔ "شوق سے لینا جان ابھی میٹنگ ہے۔ واپس آکر دیکھتا ہوں۔ اللہ حافظ۔"

دروازہ بند ہونے کی آواز گونجی تو فاطمہ کا ضبط بھی ٹوٹ گیا۔ وہ صوفے پر گر کر رونے لگی۔ اُس کے دو ہی کام تھے پہلا جھگڑا دوسرا رونا۔

باب ہشتم:

رنجشوں کے بیچ محبت

~ کبھی کبھی دلوں کے بیچ نفرتوں کی دیواریں کھڑی کر دی جاتی ہیں،

مگر جذبے اپنی راہ خود بنا لیتے ہیں۔

رنجشوں کے کانٹوں میں بھی محبت کے پھول کھل جاتے ہیں~

رومانے حویلی کے کاغذات غزالہ بیگم کے حوالے کیے تو یوں لگا جیسے صدیوں کا بوجھ اُس کے کندھوں سے اتر گیا ہو۔ مگر دل کی گہرائیوں میں ایک عجیب سا خلا باقی تھا۔ اب وہ ماہ جبین بیگم کا ہاتھ تھامے نئے سفر پر نکل رہی تھی۔ اُس کے قدموں میں لرزش ضرور تھی مگر دل میں ایک عہد بھی تھا۔ اب وہ کسی پر بوجھ نہیں بنے گی، اپنے پیروں پر کھڑی ہو گی۔ زندگی نے زخم دے کر یہی سکھایا تھا کہ عورت کو اپنی جنگ خود لڑنی پڑتی ہے۔

گاڑی شہر کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی، باہر کے منظر تیزی سے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ روما کی نظریں کھڑکی سے باہر جمی تھیں جیسے وہ گزرے وقت کو اپنی آنکھوں سے روند دینا چاہتی ہو۔

"تمہیں یاد ہے ہم نے ڈاکٹر کے پاس جانا تھا"

ماہ جبین بیگم نے اُس کا ہاتھ دبا کر کہا تو روما چونک کر حقیقت میں لوٹی۔

"جی... پہلے ہسپتال جائیں گے پھر اسلام آباد کے لیے نکلیں گے" اُس نے مدھم مگر نرم لہجے میں جواب دیا۔

چند ہی لمحوں بعد گاڑی سٹی ہسپتال کے سامنے آ کر رُکی۔ روما کے دل میں انجانا سا بوجھ اترنے لگا۔ ہسپتال کی سفید عمارت، ہال میں پھیلی جراثیم کش دوا کی بو، اور مریضوں کی آوازوں نے ماحول کو سنجیدہ اور بھاری بنا دیا۔

"گائنی کی ڈاکٹر کا روم کہاں ہے" ماہ جبین بیگم نے ریسپشن پر پوچھا۔

اِس سوال نے جیسے روما کے پیروں تلے زمین کھینچ لی۔ وہ تو بھول ہی گئی تھی کہ ایسا لمحہ بھی اُس کی زندگی میں آ سکتا ہے۔ ابھی وہ خود کو بھی سنبھالنے کے قابل نہ تھی، پھر ایک نئی ذمہ داری؟ اُس کی سانسیں بوجھل ہونے لگیں۔

ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہوتے ہی ماحول اور سنجیدہ ہو گیا۔ ڈاکٹر کی میز پر رکھی رپورٹس، دوائیوں کی خوشبو اور پر سکون مگر سخت لہجہ سب کچھ روما کے اعصاب کو ہلا رہا تھا۔ نرس رپورٹ ہاتھ میں لیے اندر آئی۔

"آپ کی بیٹی تھری ویکس پریگننٹ ہے"

یہ جملہ جیسے کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر روما کے دل کو چھید گیا۔ اُس کے اوسان خطا ہو گئے، دل کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی۔

"آپ کے ہزبینڈ کہاں ہیں" ڈاکٹر نے چشمہ درست کرتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ ملک سے باہر ہیں" ماہ جبین بیگم نے ضبط سے جواب دیا۔

ڈاکٹر نے دوائیاں لکھتے ہوئے کہا "ڈائیٹ کا خاص خیال رکھیے گا، انشاءاللہ سب بہتر ہو گا"

روما بوجھل قدموں سے باہر نکلی، جیسے ایک پل میں اُس کی دنیا الٹ گئی ہو۔

اُسی لمحے کوریڈور کے دوسرے سرے پر رئیسہ اور سیام اپنے چیک اپ کے لیے کھڑے تھے۔ رئیسہ کی نظر اچانک روما پر پڑی جو گائنی وارڈ سے نکل رہی تھی۔ رئیسہ کے چہرے پر حیرت کی لکیر دوڑ گئی۔

"سیام یہ روما ہے"

"کون روما" سیام نے موبائل سے نظریں اُٹھا کر بے پرواہ انداز میں پوچھا۔

"فردان کی بیوی" رئیسہ نے قدم تیز کیے مگر تب تک روما لفٹ میں داخل ہو کر اوجھل ہو چکی تھی۔ سیام کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"یہ یہاں کیا کر رہی تھی" رئیسہ نے بھنویں سکیڑ گئی۔

"سیام کہیں یہ پریگننٹ تو نہیں؟ میں نے خود اُسے گائنی روم سے نکلتے دیکھا ہے" سیام چونک گیا۔

"یہ ناممکن ہے... ویٹ میں فردان کو کال کرتا ہوں"

فون بار بار ملانے کے باوجود دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ سیام کے جبڑے بھینچ گئے۔

"وہ فون نہیں اُٹھا رہا"

"ابھی چیک اپ کروالیں پھر گھر جا کے بات کرتے ہیں" رئیسہ نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

کچھ ہی لمحوں بعد وہ ڈاکٹر مقدس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"السلام علیکم "

ڈاکٹر مقدس نے مسکرائی۔۔ وہ اُس کی یونی فرینڈ تھی بٹ ڈیپارٹمنٹ چینج تھا۔

"وعلیکم السلام آؤ رئیسہ سیام بھائی کہاں ہیں"

"وہ باہر ہیں... مجھے تم سے ایک بات پوچھنی تھی" رئیسہ کے چہرے پر سنجیدگی در آئی۔

"ابھی یہاں سے جو لڑکی نکلی کیا وہ پریگننٹ ہے"

مقدس نے چونک کر اُسے دیکھا "ہاں اگر تم رومافردان کی بات کر رہی ہو... تو وہ پریگننٹ ہے"

یہ سنتے ہی رئیسہ کا شک سچ ثابت ہوا اور اُس کے دل میں ایک طوفان سا اُٹھ کھڑا ہوا۔

مرحا شاور لے کر کمرے میں آئی تو اسماعیل ابھی نیند کی وادیوں میں کھویا ہوا تھا۔ اُس نے اُسے ایک نظر دیکھا، جیسے دل ہی دل میں اُس کی سانسوں کی روانی کو محسوس کیا ہو، پھر آہستہ سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی۔ سرخ کامدار جوڑے میں، نئی نویلی دلہن کی سی رعنائی لیے، وہ سنورنے لگی۔ لال جوڑے کے ساتھ ملتی جلتی چوڑیاں اُس کی کلائیوں میں کھنکنے لگیں تو پورا کمرہ جیسے ساز میں ڈھل گیا۔

اسماعیل کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اُس نے آدھی بند آنکھوں سے مرحا کو یوں سنورتے دیکھا تو دل بے اختیار عش عش کر اٹھا۔

"اگر تمہیں یاد نہیں تو میں بتا دوں، دس بجے رزلٹ ہے میڈم تمہارا" وہ آنکھیں مسلتے ہوئے اُس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

مرحا، جو پوری توجہ سے لپ گلوس لگا رہی تھی، اُس کی بات سن کر منہ ایسا بنایا جیسے کسی نے کڑوا بادام کھلا دیا ہو۔

"تمہیں یاد تھا مجھے لگا بھول گئے" وہ ترچھی نظروں سے آئینے میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"افکورس میری بیوی کا رزلٹ ہے میں کیسے بھول سکتا ہوں" اسماعیل نے شرارت سے جواب دیا اور اُسے اپنے بازو کے حلقے میں لیتے ہوئے اُس کے کندھے پر ٹھوڑی ٹکا دی۔ دونوں نے آئینے میں ایک دوسرے کی جھلک دیکھی اور بے ساختہ مسکرا دیے۔

"تم کچھ زیادہ چھوٹی نہیں ہو" اسماعیل سر جھکائے ہوئے بولا۔ اُسے شدت سے احساس ہوا مرحا بمشکل اُس کے سینے تک آتی ہے۔

مرحا نے لپ گلوس بند کیا اور اُس کے پیٹ میں کہنی ماردی۔ "جیسی بھی ہوں اب تمہاری ہوں۔ چھوٹی کہوں یا موٹی"

اسماعیل ہنسا اور اُس کے کان کے قریب ہوا "میں تو بس تمہیں اپنی لاڈلی بیوی... یا پھر چڑیل بیوی کہوں گا منظور ہے" یہ کہتے ہی اُس نے اُسے اپنی طرف گھما لیا۔ اُن کی نظریں ملیں، اور لمحے بھر کو دونوں کو یہ احساس ہوا کہ وہ واقعی ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔ کتنا کچھ کھونے کے بعد یہ رشتہ ملا تھا، اور اب اُن کا ہر لمحہ قیمتی تھا۔

"فلرٹ کر رہے ہو میرے ساتھ" مرحا نے شرارت سے اُس کے بال بگاڑ دیے، جو پہلے ہی بکھرے ہوئے تھے، مگر وہ اُن ہی بے ترتیبی میں دلکش لگ رہا تھا۔

اسماعیل نے اُس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیا اور دھیرے سے اُس کے گال کو چوما "بیویوں کے ساتھ فلرٹ نہیں رومانس کیا جاتا ہے"

مرحا بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اُس کی ہنسی کی کھنک اور چوڑیوں کی جھنکار نے کمرے میں خوشی کی ایک مدھر لہر دوڑا دی۔

"چلو، میں فریش ہو کر آتا ہوں پھر باہر چلتے ہیں۔ امی ناشتے پر ویٹ کر رہی ہوں گی" اسماعیل نے اُس کے بالوں کی خوشبو میں گہری سانس بھری۔

"ہاں ہاں، جلدی جاؤ مجھے بہت بھوک لگی ہے" مرحا نے منہ بسورتے کہا، اُسے یاد آیا کہ کل رات اُس نے صحیح سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔

"اوکے، تم میرے کپڑے نکال لو میں شاور لے کر آتا ہوں" اسماعیل نے اُس کی کلائی تھام کر مزید چوڑیاں چڑھائیں، پھر مسکراتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

مرحا نے مسکرا کر سر ہلایا اور باقی چوڑیاں خود پہن لیں۔ پھر اُس نے الماری سے ایک سفید کرتا نکالا۔ اُس کو اسماعیل پر سفید اور براؤن رنگ سب سے زیادہ بھاتا تھا۔ اُس نے ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا... آج اُس کی آنکھوں میں سکون اور دل میں خوشی کی روشنی تھی۔

فلیٹ میں تنہا رہنے کا احساس اُس پر حاوی ہو گیا۔ خاموش دیواریں پاکستان کی یاد دلا رہی تھیں، وہ یادیں جنہیں وہ ہر قیمت پر بھلانا چاہتی تھی لیکن یہ یادیں بھی ضدی بچوں کی طرح بار بار آ گئیں۔

خود کو بہلانے کے لیے اُس نے آج گھومنے کا ارادہ کیا۔ بلیک پینٹ کے ساتھ کریم کلر کا کھدر کا کرتا، بالوں کو ہمیشہ کی طرح سختی سے پونی میں قید کیا، پاؤں میں سفید جوگرز اور سردی کی لپیٹ سے بچنے کے لیے براؤن لانگ کوٹ زیبِ تن کیا۔ جب وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو ایک لمحے کو رُک گئی۔ اُس کی آنکھوں کے گرد چھائی تھکن کے باوجود وہ بلاشبہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

وہ فلیٹ سے باہر نکلی، سرد ہوا نے اُس کے چہرے کو چھوا تو دل کو تھوڑی دیر کے لیے سکون سا محسوس ہوا۔ ابھی وہ ارد گرد کا جائزہ لے ہی رہی تھی کہ سامنے والے فلیٹ سے ایک بوڑھی خاتون نکلیں۔

"بیٹا، تم یہاں نئی ہو" اُن کی نرم مگر بھاری آواز نے اُسے چونکا دیا۔

"جی" فاطمہ نے مختصر سا جواب دیا۔

"کہاں سے ہو" بوڑھی خاتون نے غور سے اُسے دیکھا۔ شاید اس کے لباس اور انداز نے اُنہیں پہچاننے پر مجبور کیا۔

"پاکستان سے "اُس کے جواب پر اُن کے چہرے پر ایک شفیق مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں بھی پاکستان سے ہوں "اب کی بار وہ خالص اردو میں بولیں۔ فاطمہ کے دل میں انجان سا سکون اترا۔

"بیٹا آؤ اندر چلو۔ میں تمہیں اپنے گھر والوں سے ملواتی ہوں "اُن کی دعوت میں وہ سچائی تھی جسے رد کرنا ممکن نہ تھا۔ ویسے بھی، تنہائی نے اُس کا دم گھونٹ دیا تھا۔

"جی چلیں" وہ دھیرے سے بولی اور اُن کے ساتھ قدم ملا دیے۔

اندر داخل ہوتے ہی اُس نے دیکھا، اُن کا فلیٹ سادہ مگر پُر سکون تھا۔ بس فرق یہ تھا کہ وہاں دو بیڈ روم تھے اور دیواروں پر خاندان کی تصویریں آویزاں تھیں۔

"بیٹا چائے لو گیں" بڑی بی نے محبت سے پوچھا۔

"نہیں، میں ناشتہ کر کے آئی ہوں" اُس نے سہولت سے انکار کیا لیکن بھوک اُسے لگی تھی شہسوار کے ہاتھ کر ناشتہ وہ بلکل نہیں کر سکتی تھی اور خود اُس کو کچھ بنانا نہیں آتا تھا۔

"کس کے ساتھ رہتی ہو یہاں" اُنھوں نے اگلا سوال کیا۔ لمحے بھر کو فاطمہ کے دل نے چاہا کہ خاموش رہے، لیکن پھر ہونٹوں نے جیسے زبردستی اقرار کر لیا۔

"اپنے شوہر کے ساتھ"

بوڑھی بی چونک گئیں۔ "تم شادی شدہ ہو" اُنہیں یقین ہی نہ آیا۔

"جی" فاطمہ نے نظریں جھکا لیں۔

"کتنا وقت ہو گیا ہے شادی کو" اُن کا سوال فاطمہ کے دل پر جیسے چوٹ کر گیا۔ اُسے موسیٰ کے ساتھ گزارے گئے لمحے یاد آ گئے... اور پھر وہ منحوس وقت جب

سب ٹوٹ گیا۔ شہسوار سے نکاح کی گھڑی تو جیسے اُس کی یادداشت سے محو ہو چکی تھی۔

"بیٹی، کہاں کھو گئی" بڑی بی نے اُس کے کندھے کو ہلایا۔

"ایک ماہ ہو گیا ہے" الفاظ تو نکلے مگر آنکھوں میں دبے آنسو چھپ نہ سکے۔

"اس میں رونے والی کیا بات ہے" اُنہوں نے اُس کے آنسو صاف کیے۔

فاطمہ نے ہونٹ کاٹے "بس... ماما یاد آ گئیں تھیں"

بڑی بی نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "نہیں لیکن تمہاری آنکھیں کچھ اور کہہ رہی ہیں، کیا اپنے شوہر کے ساتھ خوش نہیں ہوں یا وہ تمہیں چاہتا نہیں ہے "

فاطمہ نے نظریں چرائیں۔ "پتہ نہیں "

بڑی بی نے نرمی سے بولی "پتہ کرو ساری زندگی پڑی ہے۔ اگر تمہارا شوہر تمہارا خیال رکھتا ہے تو سمجھو وہ تمہیں چاہتا ہے اگر نہیں رکھتا تو اُس اپنی طرف مائل کرو "

فاطمہ کے ہونٹ کپکپائے "خیال تو وہ بھی بہت رکھتا تھا... لیکن دھوکا دے گیا "

موسیٰ کا نام لبوں پر آتے ہی اُس کا وجود کانپنے لگا۔

بڑی بی نے گہری سانس بھری۔ "مجھے لگتا ہے تم ایک دھوکے کا بدلہ صحیح انسان سے لے رہی ہو"

فاطمہ نے آنسو پونچھے۔ "دل نہیں مانتا۔ اس میں میری کیا غلطی"

"دل کو مناؤ ورنہ بڑا نقصان کر بیٹھو گی۔ اگر تمہارا شوہر تمہاری ہر ضد، ہر بتمیزی برداشت کر رہا ہے تمہیں سر آنکھوں پر بٹھا رہا ہے... تو یقین کرو تم اُس کی لاڈلی ہو" بڑی بی کی آواز جیسے اُس کے دل کے بند کواڑ کھول رہی تھی۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شہسوار کو سوچنے لگی۔ بیس دن گزر چکے تھے اور اُس نے واقعی اُس کی ہر بد مزاجی چپ چاپ برداشت کی تھی۔ مگر پھر دماغ نے موسیٰ کی یاد لا کر دل کو جھٹکا دیا اُس نے بھی برداشت کیا تھا... پھر دھوکا کیوں دیا؟

"احمد، عبداللہ چھپ کر کیوں دیکھ رہے ہو آؤ آپی سے ملو" اچانک بڑی بی نے آواز دی۔

دروازے کے پیچھے چھپے دو ننھے گول مٹول بچے شرماتے ہوئے باہر نکلے اور بڑی بی کے ساتھ لپٹ گئے۔

"یہ میرے پوتے ہیں سلام کرو آپی کو" فاطمہ نے مسکرا کر احمد کے گال پر پیار کیا۔ "ان کے پیرنٹس کہاں ہیں"

"وہ دونوں جاب کرتے ہیں اس لیے یہ میرے پاس رہتے ہیں۔ باقی بہن بھائی سکول گئے ہیں، ابھی آجائیں گے"

وقت باتوں میں اڑ گیا۔ جب فاطمہ نے گھڑی دیکھی تو ایک بج رہا تھا۔ بھوک کی شدت نے یاد دلایا کہ وہ ناشتے سے اب تک خالی پیٹ تھی۔

"میں چلتی ہوں آنٹی کافی وقت ہو گیا ہے" وہ اٹھنے لگی۔

"ارے نہیں چلو تمہیں پارک لے کر چلتی ہوں۔ اس وقت سب خواتین جمع ہوں گی سب سے ملاقات ہو جائے گی" بڑی بی نے فوراً کہا اور اپنے پوتوں کا ہاتھ تھام لیا۔

فاطمہ انکار کرنا چاہتی تھی، مگر انکار کے لیے ہمت اُس کے پاس کہاں تھی۔ خاموشی سے اُن کے ساتھ باہر نکل آئی۔ دھوپ میں چمکتا سبزہ، ہلکی ہوا اور پارک کی راہوں کی طرف بڑھتے قدم... شاید یہ لمحے اُس کے دل کی اجنبیت کچھ کم کر سکیں۔

کیفے کی ہلکی مدھم روشنی میں رئیسہ اور سیام ایک کونے کی میز پر خاموش بیٹھے تھے۔ باہر شیشے کے پار بارش کی بوندیں شیشے پر دستک دے رہی تھیں، اور کیفے کے اندر کافی کی خوشبو گھل کر ماحول کو اور زیادہ سنجیدہ بنا رہی تھی۔ رئیسہ بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے ہر لمحہ فردان کے داخل ہونے کی منتظر ہو۔

چند ہی لمحوں بعد شیشے کا دروازہ کھلا، ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر آیا اور اس کے ساتھ فردان۔ اُس کی آنکھوں میں عجلت اور چہرے پر گھبراہٹ نمایاں تھی۔ سامنے میز پر رئیسہ اور سیام کو دیکھتے ہی وہ سیدھا اُن کی طرف بڑھا۔

"بھائی خیریت؟ آپ نے اتنی ایمرجینسی میں بلایا ہے؟" وہ تیزی سے والٹ اور بائیک کی چابیاں میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

سیام کے چہرے پر سنجیدگی کی لکیریں مزید گہری ہو گئیں۔ "خیریت نہیں ہے فردان" اُس کی آواز میں بوجھل سختی تھی۔

"کیا مطلب؟" فردان کے ماتھے پر پسینے کی باریک بوندیں ابھر آئیں، رگیں تن گئیں۔

رئیسہ نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بات کاٹی، "تمہیں پتا تھا نا... روما پریگننٹ ہے"

فردان کا دل جیسے ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بے یقین نظروں سے رئیسہ کو دیکھنے لگا۔ "کیا... آپ کو کس نے کہا یہ سب "اُس کی آواز لرز رہی تھی۔

رئیسہ نے پر سکون لہجے میں جواب دیا "میں آج ڈاکٹر کے پاس گئی تھی۔ وہاں روما کو دیکھا۔ پہلے تو مجھے شک ہوا، پھر مقدس سے پوچھا تو اُس نے بتایا... روما فردان... تین ہفتے کی پریگننٹ ہے"

یہ الفاظ فردان کے کانوں میں جیسے گونجنے لگے۔ اُس کا دماغ سن ہو گیا تھا، زبان لڑکھڑا گئی۔ اُسے لگا جیسے کسی نے اُس کے جسم سے ساری طاقت نچوڑ لی ہو۔

"اب تم کچھ کہو گے" سیام کی آواز تیز اور سخت تھی، مگر فردان اب بھی گم صم بیٹھا رہا۔

کچھ لمحوں بعد اُس نے نظریں اٹھائیں "میں... میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں" اُس کی آواز میں التجا تھی۔ ایک بے بسی۔

"بھابھی، پلیز... ایک بار... مجھے اُس سے ملنا ہے" فردان نے رئیسہ کے ہاتھ تھام لیے جیسے زندگی کی آخری ڈور پکڑ رہا ہو۔

رئیسہ کی آنکھوں میں ہلکی نمی تیر گئی "ٹھیک ہے ایڈریس لے لو مجھ سے۔ لیکن یاد رکھنا فردان، فاطمہ کی باتوں کا غصہ روما پر نکالا تھا۔ اُسے واپس لے کر آؤ"

رئیسہ کے لبوں سے یہ الفاظ نکلتے ہی فردان جلدی سے ایڈریس نوٹ کر کے کرسی سے اٹھ گیا۔ اُس کے قدموں میں جلدی تھی، دل میں بے چینی۔ وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کیفے سے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر تک اُس کی خالی کرسی کو دیکھتے رئیسہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی دعا آئی۔

"تمہیں لگتا ہے روما اُس کے پاس واپس آجائے گی" سیام نے کپ اٹھاتے ہوئے خاموشی توڑی اور کافی کا ایک گھونٹ بھرا۔

رئیسہ نے گہری سانس لی "ناراضگی دکھانا اُس کا حق ہے۔ باقی سب اللہ کے ہاتھ میں دعا ہے وہ مان جائے"

ماحول میں سنجیدگی کی شدت کچھ مدھم ہوئی اور دونوں نے اپنی کافی کے گھونٹ بھرنے شروع کر دیے۔

سیام رئیسہ کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے دھیرے سے مسکرایا "ہمم صحیح رئیسہ، کافی جلدی ختم کرو پھر ہم کہیں اور چلتے ہیں"

"کہاں" رئیسہ نے چونک کر پوچھا۔

"میں تمہیں اپنے فیورٹ باغ کی سیر کرواؤں گا۔ یہاں سے تھوڑا دور ہے مگر اُمید ہے تمہیں پسند آئے گا" سیام نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے دبایا۔

رئیسہ کی آنکھیں چمک اٹھیں "تو پھر دیر کس بات کی چلو چلتے ہیں" اُس کی آواز میں بچپنا تھا، جیسے سیام کے ساتھ وقت گزارنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈ ہی رہی ہو۔

"تم چلو... میں بل پے کر کے آیا" سیام نے میز سے اٹھتے ہوئے کہا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

رئیسہ نے اپنی چادر درست کی اور کیفے کے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ باہر کی ہوا میں ہلکی خنکی تھی، اور اُس کے دل میں سیام کے ساتھ ایک نئے لمحے کی چاہ۔

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ گرین وچ کا پارک شام کے سائے میں سنہری دھوپ اور ہلکی ٹھنڈی ہوا کے امتزاج سے نکھر رہا تھا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ مدھم ہوتی جا رہی تھی اور پارک کی بنچوں پر بیٹھی خواتین اپنے اپنے قصے کہانیوں میں محو تھیں۔

انہی میں فاطمہ بھی بیٹھی لیکن اُس کے لبوں پر مسکراہٹ زبردستی کی تھی۔ بڑی بی نے پارک کی ہر خاتون سے اُس کا تعارف کروایا، اور وہ بار بار اُٹھنے کی کوشش

کرتی مگر کوئی نہ کوئی اُس کو روک لیتا۔ اب اُس کے معدے کی بھوک اور سر کی چکر نے مل کر اسے بے زار کر دیا تھا۔ اُس کے لیے یہ محفل قید خانہ بن چکی تھی۔

اُسی لمحے سامنے کی عمارت کی طرف بڑھتا ہوا شہسوار رُک گیا۔ اُس کی نظریں سیدھی فاطمہ سے جا ٹکرائیں۔ فاطمہ نے بھی اُسے دیکھا، جیسے کسی قید سے رہائی مل گئی ہو۔ شہسوار نے آہستہ سا ہاتھ اُٹھا کر اشارہ کیا۔

"وہ... میرے ہزبینڈ آ گئے ہیں میں چلتی ہوں" فاطمہ نے پہلی بار دل ہی دل میں اُس کا شکریہ ادا کیا۔ آج شہسوار وقت پر آیا ہے۔

وہ جلدی جلدی چلتی ہوئی اُس کے پاس پہنچی۔ شہسوار کے چہرے پر سفر کی تھکن تو تھی لیکن فاطمہ کو تیار دیکھ کر اُس کے چہرے پر تازگی سی آ گئی۔

"یہاں کیا کر رہی تھی "اُس نے جانچتی نظروں سے پوچھا۔

فاطمہ نے منہ بنایا" فلیٹ میں بور ہو رہی تھی، تو سامنے والی آنٹی مجھے یہاں گھسیٹ لائیں "

شہسوار نے ہلکی مسکراہٹ دبالی" چلو تم ویسے بھی تیار ہو کافی پینے چلتے ہیں "اُس نے کوٹ اُتار کر فاطمہ کا بازو تھامنے کی کوشش کی لیکن وہ بے اختیار پیچھے ہو گئی۔ شہسوار کے ماتھے پر بکھرے بال اور گوری رنگت پر چمکتی سرخی نے منظر کو اور دلکش بنا دیا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا۔ تھک گئی ہوں" فاطمہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"پلیز چلو، مزہ آئے گا" شہسوار کی آواز میں نرمی تھی۔ فاطمہ کو ایک لمحے کو لگا جیسے وہ حد سے زیادہ نرم دل انسان ہے۔ پھر بڑی بی کی باتیں اُس کے دماغ میں گونجی۔

"چلو میرے بغیر تمہیں جو کافی ہضم نہیں ہونی" منہ پھلا کر آگے بڑھ گئی۔ شہسوار اُس کی بات پر بے اختیار ہنس دیا۔

"ویسے آج بہت پیاری لگ رہی ہو" اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

فاطمہ تڑاخ سے پلٹی "میں روز ہی پیاری لگتی ہوں"

"ہاں لیکن آج زیادہ "اُس نے دھیرے سے اُس کا ہاتھ تھام لیا جسے وہ جھٹکے سے چھڑوا گئی۔

"زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں۔ خبردار جو ہاتھ پکڑا"

شہسوار نے شرارت سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا "چلو میں نہیں پکڑتا تم پکڑ لو میرا ہاتھ"

"مجھے ضرورت نہیں" وہ غرور سے بولی اور تیز قدم بڑھا دیے۔

چلتے چلتے وہ کافی شاپ پہنچ گئے "چلو تم بیٹھو میں کافی لے کر آتا ہوں" وہ اسے کیفے کے اندر نہیں لے گیا بلکہ باہر بنے اسٹول پر بٹھادیا جہاں شام کی خنک ہوا چل رہی تھی۔

دس منٹ بعد وہ دو کپ کافی لے کر آیا تو فاطمہ نظریں ادھر ادھر دوڑا رہی تھی۔ شہسوار نے اُس کے سامنے کپ رکھا اور خود بیٹھ گیا۔

"کیا دیکھ رہی ہو اتنی غور سے "اُس نے چٹکی بجائی۔

فاطمہ نے سامنے اشارہ کیا" وہ گرین کپڑوں والی لڑکی دیکھ رہے ہو"

شہسوار نے برا سا منہ بنایا "میں اپنی لڑکی کے علاوہ دوسروں کی لڑکیان نہیں دیکھتا"

"بتاؤ تو کیوں دیکھ رہی ہو لڑکی "اُس نے زچ ہو کر پوچھا۔

"شادی کے لیے" فاطمہ نے لاپروائی سے کہا۔ نظریں اب بھی اُس لڑکی پر تھی۔

شہسوار کا ہاتھ ہوا میں رُک گیا "اسلام میں لڑکی لڑکی کی شادی نہیں ہوتی، یاد ہے نا"

فاطمہ کا منہ کھل گیا" میں تمہارے لیے لڑکی دیکھ رہی تھی۔ کل کو میں چلی جاؤں گی تو تم شادی نہیں کرو گے کیا"

شہسوار کا دل ایک لمحے کو بیٹھ گیا۔ اُس کی خوشی جیسے کسی نے چھین لی "میری شادی ہو چکی ہے اور میں بہت خوش ہوں "اُس نے کافی کا گھونٹ بھرا لیکن ذائقہ اب کڑوا ہو چکا تھا۔

"میں خوش نہیں ہوں۔ تم دوسری شادی کر لو" فاطمہ نے برہمی سے کہا۔

"کس سے کروں" شہسوار سیدھا ہو بیٹھا۔

"لندن میں اتنی حسین لڑکیاں ہیں، کسی سے بھی کر لو" وہ جیسے خود کو آزاد کرنے کی ضد کر رہی تھی۔

شہسوار نے گہری سانس لی "اگر میں نے شادی کر لی تو تم کہاں جاؤ گی" اُس کی آواز میں اب بھی نرمی تھی۔

"اللہ کی زمین بڑی ہے... کہیں بھی چلی جاؤں گی" فاطمہ نے بے رحمی سے کہا۔

شہسوار کے چہرے پر تلخی ابھر آئی لیکن ضبط ابھی بھی قائم تھا۔ اُس نے آہستہ سے اُس کا ہاتھ تھام لیا "اللہ نے تمہارے شوہر کو دل بھی بڑا دیا ہے اُس میں کیوں نہیں رہ لیتی سکون سے "

فاطمہ نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی "یہ دل گاڑی تو لے کر نہیں دے سکتا۔ اتنا چل چل کر ٹانگیں درد کر رہی ہیں"

شہسوار مسکرایا "تو بتا دیتی، میں اُٹھا لیتا"

"ضرورت نہیں۔ مجھے گاڑی چاہیے" فاطمہ نے سیدھا مطالبہ کر دیا۔

"کون سی گاڑی" شہسوار نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"بی ایم ڈبلیو" اُس نے فوراً کہا۔

شہسوار نے ابرو اچکائے "پورا نام پتہ ہے بی ایم ڈبلیو کا"

فاطمہ کو لگا وہ اُس کا مذاق اُڑا رہا ہے "نہیں لے کر دینی تو صاف کہو۔ اوور ہونے کی ضرورت نہیں" یہ کہہ کر وہ تیزی سے اُٹھ گئی اور کیفے سے باہر نکل گئی۔

شہسوار نے خاموشی سے فون نکالا ایک مسیج کیا اور سکون سے اُس کے پیچھے چلنے لگا۔ "فاطمہ، میری بات سنو یار۔ اب تم ایک بی ایم ڈبلیو کے لیے اپنے شوہر سے لڑو گی "اُس کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی بڑی بات نہیں۔

وہ اُس کی بات سنے بغیر آگے بڑھتی گئی۔ بیس منٹ کا سفر خاموشی میں طے ہوا۔ بھوک، تھکن اور بڑی بی کی باتیں اُس کے دماغ میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ فلیٹ پہنچتے ہی اُس نے کوٹ اُتارا اور سیدھی بیڈ پر جا لیٹی۔ اُس کے نزدیک شہسوار سے کھانا مانگنا اپنی توہین تھی۔ وہ بھوکی سو گئی، مگر دل کے اندر نہ ختم ہونے والا خلا اب بھی قائم تھی۔

کچھ دیر بعد بائیک ایک وسیع باغ کے گیٹ پر رکی۔ اندر داخل ہوتے ہی فضا بدلی بدلی سی لگنے لگی۔ ہر طرف ہری گھاس پر بارش کی بوندیں جگمگا رہی تھیں، جیسے چھوٹے چھوٹے موتی بکھرے ہوں۔ لمبے درختوں کے بیچوں بیچ ایک پگڈنڈی

تھی جس پر چلتے ہوئے دونوں کے قدموں کی آہٹ بھی نرم گھاس میں دب رہی تھی۔

سیام رئیسہ کو ساتھ لے کر باغ کے ایک کونے میں لے آیا، جہاں ایک بینچ نیم تاریکی اور روشنی کے بیچ کھڑا تھا۔ اوپر آسمان پر چاند بادلوں سے جھانک رہا تھا اور ہوا میں ٹھنڈک کے ساتھ سکون گھلا ہوا تھا۔

"یہ میری فیورٹ جگہ ہے۔ جب بھی دماغ بوجھل ہوتا ہے نا تو یہاں آ کر بیٹھ جاتا ہوں" سیام نے آہستہ سے کہا۔

رئیسہ نے ارد گرد دیکھا "واقعی... بہت پر سکون ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے دنیا کے شور سے دور ایک نیا جہان ہو"

سیام نے مسکرا کر اُس کی طرف دیکھا، "پر سکون تو ہے... لیکن آج یہ جگہ خاص لگ رہی ہے شاید اس لیے کہ آج تم میرے ساتھ ہو"

رئیسہ نے نظریں جھکا لیں۔ دل کی دھڑکنیں جیسے ہوا کی خنکی سے تیز ہو گئی تھیں۔ "پھر تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے تمہیں" اُس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"شکریہ کے طور پر دیے تو ہے ٹونس بچے" سیام نے شرارت سے جواب دیا۔

"بے شرم" رئیسہ ہنس پڑی، مگر اُس ہنسی میں حیا کی جھلک نمایاں تھی۔ وہ بینچ پر بیٹھ گئی اور ہاتھوں کو آپس میں جکڑ لیا۔ سیام نے اُس کے قریب بیٹھ کر اُس کے ہاتھ آہستہ سے اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"رئیسہ..." اُس نے نرم لہجے میں کہا۔ "تمہیں اندازہ ہے کہ تم میری زندگی کو کتنا بدل دیا ہے"

رئیسہ کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔ "اور تمہیں اندازہ ہے کہ تم نے میری زندگی کو کتنی اہمیت دی ہے"

چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی، صرف ہوا کے سرسراہٹ اور قریب کے درختوں سے گرتی بوندوں کی ٹپ ٹپ سنائی دے رہی تھی۔

سیام نے دھیرے سے رئیسہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُس کو اپنے حصار میں لیا

"کاش یہ لمحہ تھم جائے"

رئیسہ نے ہلکا سا سر جھکا دیا، جیسے دل ہی دل میں اُس کی خواہش سے متفق ہو۔

مرحا سُرخ دوپٹہ سنبھالے آہستہ قدموں سے صحن میں آئی تو نگاہ سیدھی دستر خوان پر بیٹھے سب لوگوں پر پڑی۔ تیز دھوپ صحن کے فرش پر چمک رہی تھی اور تازہ پکی پراٹھوں کی خوشبو ہوا میں گھل کر بھوک کو اور بڑھا رہی تھی۔ سب کی نظریں دروازے کی طرف جمی تھیں جیسے وہی کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔ مرحا کو یوں کھڑا دیکھ کر آمنہ بیگم نے مسکراتے ہوئے پہل کی۔

"بیٹا اسماعیل کہاں ہے" مرحا نے ذرا سا جھجکتے ہوئے دوپٹے کا پلو انگلیوں میں لپیٹا۔

"جی وہ بس آ رہے ہیں"

اسی لمحے رمشاء کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ کھل گئی۔

"ویسے شادی کے بعد کا پہلا ناشتہ دلہن کے گھر والے نہیں بھیجتے؟"

مرحا کے کان سرخ ہو گئے، جواب دینے ہی والی تھی کہ دروازہ کھلا اور اسماعیل باہر سے آگیا۔ قدموں میں اعتماد، آنکھوں میں شوخی اور چہرے پر ہلکی مسکراہٹ۔

"کیوں تمہیں یہاں ناشتہ نہیں مل رہا جو دلہن کے گھر کے ناشتے کا انتظار کر رہی ہو"

رمشاء کے چہرے پر غصے کی سرخی چھا گئی۔ "یہ تو رسم ہوتی ہے میں نے بس اسی لیے کہا"

اسماعیل آرام سے چٹائی پر بیٹھا اور مرحا کا ہاتھ تھام کر اُسے بھی ساتھ بٹھا گیا۔ ورنہ وہ چپ چاپ کھڑی ہی رہتی۔

"نند اپنی بھابھی کو گفٹ دیتی ہے ایسی کوئی رسم یاد ہے تمہیں؟" اسماعیل نے مزید چھیڑا۔

"امی یہ میرے ساتھ بحث کر رہا ہے سمجھائیں نا" رمشاء جل گئی اُس کی بات پر۔

"اگر وہ بحث کر رہا ہے تو تم خاموش ہو جاؤ" آمنہ بیگم ہنس کر بیٹی کو لاتاڑا۔

اسی لمحے کومل تیز قدموں سے بھاگتی ہوئی آئی۔ "امی ابو! بھائی! میرا رزلٹ آگیا ہے" اس کی آنکھوں میں چمک اور لہجے میں خوشی کی کپکپاہٹ تھی۔

رزلٹ کے نام پر مرحا کا دل دھڑکنے لگا، اس کی اپنی دنیا جیسے پل بھر کو ساکت ہو گئی۔

"کیا بنا ہے جلدی بتاؤ" اسماعیل نے بیتابی سے پوچھا۔

"گیارہ سو میں سے ایک ہزار چالیس نمبر الحمدللہ مجھے کسی بھی یونیورسٹی میں آرام سے ایڈمیشن مل جائے گا" کومل کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

"ماشاءاللہ اللہ تمہیں اور کامیاب کرے، آمین" اسماعیل اٹھ کر بہن کو سینے سے لگا گیا۔

کومل کی مسکراہٹ اور شوق مرحا کے دل پر بوجھ بن گئے۔ مگر اگلا لمحہ حیرت کا تھا ۔

"بھائی بھابھی کا بھی رزلٹ آیا نہ میں اور بھابھی ایک ہی یونیورسٹی جائیں گے "

مرحا کی دھڑکن رک گئی۔ وہ نظریں جھکا کر زمین میں گڑ جانا چاہتی تھی۔

"ہاں، مرحا کا رزلٹ میں نے چیک کر لیا ہے۔ اے پلس گریڈ آیا ہے" اسماعیل کی آواز فخر سے بھری تھی

"یہ تمہارے ساتھ ہی یونیورسٹی جائے گی"

مرحا کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ وہ تو سمجھ رہی تھی شاید فیل ہو گئی ہے، لیکن یہ خبر سن کر خوشی کی لہر نے اُسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

دوسری طرف رمشاء جل کر بلبلا اٹھی۔ "ہم نے تو کبھی شادی کے بعد لڑکیوں کو پڑھتے نہیں دیکھا۔ میری بھی شادی ہوئی تھی، میں تو نہ پڑھ سکی"

اسماعیل نے زوردار قہقہ لگایا۔ "تمہیں کیسے پڑھاتے تم تو میٹرک میں ہی فیل ہو گئی تھیں"

رمشاء کا پارہ ساتویں آسمان پر جا پہنچا۔ "تم اپنا منہ بند نہیں رکھ سکتے؟ بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری بیوی"

"اسماعیل تم کیوں تنگ کر رہے ہو اُسے" آمنہ بیگم نے خفگی سے گھورا۔

"امی مزاق ہی کر رہا ہوں جانتی ہیں نا آپ مجھے" وہ بے فکری سے ہنس دیا۔

مرحا موقع پا کر اندر بھاگ گئی۔ اسماعیل بھی فوراً پیچھے لپکا۔

کمرے میں مرحا ٹہل رہی تھی۔ دوپٹے کا پلو دانتوں میں دبائے، بے چینی اس کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔ اسماعیل نے دروازہ بند کر کے اُسے دیکھا تو مسکرا دیا۔

"مرحا تم کیوں پریشان ہو" مرحا نے پلٹ کر اُس کی گردن میں بازو ڈال دیے۔

"اسماعیل مجھے یونیورسٹی نہیں جانا پلیز"

"وجہ" اُس نے ابرو اٹھایا۔

"شادی کے بعد لڑکیاں گھر سنبھالتی اچھی لگتی ہیں" مرحا نے سر جھکا کر آہستگی سے کہا۔

اسماعیل نے اُس کے بال کان کے پیچھے کیے "مجھے پڑھی لکھی بیوی چاہیے مرحا ڈارلنگ"

مرحا نے منہ پھلایا۔ "تم پڑھے لکھے ہو نا، یہ کافی نہیں"

"میری ڈگریوں پہ کہیں بھی 'مرحا' نہیں لکھا" اسماعیل ہنسا۔ "لہٰذا یونیورسٹی جانا فائنل ہے"

"لیکن میں نہیں جانا چاہتی رمشاء آپی ٹھیک کہہ رہی تھیں، شادی شدہ لڑکیاں گھر میں اچھی لگتی ہیں" مرحا نے اُس کی گردن مزید جھکائی۔

اسماعیل نے آنکھیں سکیڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔ "ویسے جو کارنامہ تو تم سرانجام دے چکی ہو یونیورسٹی والے تمہیں گھسنے بھی نہ دیں"

"کیا مطلب" وہ چونک گئی۔

"تین پھول ملے ہیں رزلٹ میں تمہیں" اسماعیل نے ہاتھ باندھ کر طنزیہ انداز میں کہا۔

مرحا کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔ "کیا تین سبجیکٹ میں فیل"

"ہاں شوہر سولہ جماعتیں پڑھا ہے اور بیوی بارہویں میں ہی فیل" اسماعیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یار مرحا رو کیوں رہی ہوں۔ تم غلطی سے فیل ہوئی ہو۔ یہ ہوتا رہتا ہے کوئی بات نہیں" مرحا کو سمجھ نہ آیا وہ دلاسہ دے رہا ہے یا انسلٹ کر رہا ہے۔

اُس کے ہونٹ کپکپا گئے آنکھوں میں نمی اتر آئی "مجھے فیل نہیں ہونا تھا" کہہ کر وہ اُس کے گلے لگ کر رو پڑی۔

اسماعیل نے اُسے قریب کرتے ہوئے ہولے سے سر چوما "یار کچھ نہیں ہوتا۔ لعنت بھیجو لاہور بورڈ والوں پر۔ اچھی بات ہے فیل کر دیا ورنہ تمہیں آگے پڑھنا پڑتا"

مرحا نے سسکی لی "آگے نہیں پڑھنا تھا، لیکن فیل بھی نہیں ہونا تھا۔ آپی ڈانٹیں گی"

اسماعیل نے ہنس کر اُس کی آنکھوں سے آنسو پونچھے۔ "جب کوئی بتائے گا ہی نہیں تو ڈانٹیں گی کیسے"

مرحا نے شرارت سے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "اسماعیل تم نہیں جانتے، تم کتنے اچھے ہو۔ اللہ تمہیں میرے ساتھ ہمیشہ خوش رکھے" اصل مسئلہ تو ڈانٹ کا تھا ورنہ فیل ہونے سے وہ کہاں روتی۔

اسماعیل نے قہقہہ لگایا۔ "کتنی ڈرامے باز ہو یار تم" اسماعیل نے اُس کو کمر سے تھامتے اپنے پیروں پر کھڑا کر گیا۔

مرحا نے جھٹ سے اُس کے گلے میں دوبارہ بازو ڈال دیے۔

"اتنا اچھا شوہر بننے کے لیے شکریہ" کہہ کر اُس کے گال پر ہلکا سا بوسہ دیا۔

اسماعیل نے اُسے مزید قریب کھینچا" اگر یہ عنایت رزلٹ سے بچنے کے لیے ہے تو میں چاہتا ہوں ہر سال تم فیل ہو"

مرحا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ کمرے میں خوشی شرارت اور محبت کی خوشبو پھیل گئی۔ اسماعیل نے اُسے مضبوطی سے گلے لگایا یہ نازک سی لڑکی اُس کے لیے دنیا کی سب سے بڑی خوشی تھی۔

گرین وچ کی رات گہری ہو چکی تھی۔ کلاک کی سوئیاں گیارہ بجا رہی تھیں۔ پورے اپارٹمنٹ میں ایک سناٹا پھیلا ہوا تھا مگر کچن کی مدھم روشنی اور برتنوں کی ہلکی آوازیں خاموشی کو توڑ رہی تھیں۔ شہسوار سارا دن نئی جگہ کی میٹنگز میں مصروف رہا تھا، بھوک سے بے حال ہو چکا تھا۔ فریج اور الماری خالی دیکھ کر اُسے یقین ہو گیا کہ فاطمہ نے کھانا نہیں بنایا۔

ناچار وہ وہی ایک ڈش بنانے لگا جو اُس کو آتی تھی پاستہ۔

چھری اُٹھا کر سبزیاں کاٹنے لگا۔ اُس کا انداز اتنا پروفیشنل تھا جیسے کوئی ماہر شیف ہو جو اپنے فن پر فخر کرتا ہو۔ پین میں تیل کی چیخ اور سبزیوں کی خوشبو کچن کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔

ادھر کمرے میں فاطمہ کروٹوں کے درمیان بھوک سے لڑ رہی تھی۔ صبح سے اُس نے کچھ کھایا نہیں تھا۔ اچانک خوشبو نے اُس کے احساسات کو جھنجھوڑا۔ دل میں ایک درد بھرا خیال آیا۔

"کاش ماما ہوتیں تو اب تک کھانا مل گیا ہوتا" یہ سوچ کر آنکھیں بھیگ گئیں۔

بھوک اور کمزوری نے اُسے بے حد حساس کر دیا تھا۔

سلیپر پہنے وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے باہر آئی۔ کچن کے دروازے پر رُکی تو سامنے شہسوار کو پاستہ ڈش آؤٹ کرتے دیکھا۔ یہ منظر دیکھتے ہی اُس کے آنسو اور تیز ہو گئے۔ جس شخص کو وہ دل سے قبول نہیں کرتی تھی، اُس سے بھلا کھانے کا تقاضا کیسے کرتی؟

شہسوار نے بے ساختہ سر اُٹھایا۔

"تم یہاں"

فاطمہ چونکی اور فوراً اپنی کمزوری چھپانے لگی۔

"کہہ دو تم سوچ رہے ہو میں تمہارا پاستہ کھانے آئی ہوں۔ بھوکی نہیں ہوں میں۔ پیاس لگی تھی، پانی پینے آئی ہوں۔ حیران ایسے ہو رہے تھے جیسے تمہارا پاستہ کھانے آئی ہوں" وہ بنا سوچے سمجھے بولے جا رہی تھی۔

اُس کی زبان زہر اُگل رہی تھی جبکہ آنکھوں میں بھوک اور کمزوری چھپی نہیں پا رہی تھی۔

شہسوار الجھ کر اُس کے قریب آیا۔ نرمی سے اُس کا ہاتھ پکڑا اور کچن کاؤنٹر کے پاس کھڑا کیا۔

"کیا ہوا ہے شاباش، بتاؤ مجھے رو کیوں رہی ہوں" اُس کی آنکھوں کے آنسو دیکھ کر وہ سمجھ گیا معاملہ معمولی نہیں۔

"تمہیں کیا کھاؤ اپنا پاستہ۔ بیوی چاہے بھوکی سو جائے مگر تمہارے کھانے میں فرق نہ پڑے۔ ایسے کیوں کھڑے ہو کھاؤ مزے کرو" فاطمہ کے لہجے میں

شکایت اور دکھ چھپا تھا۔ بھوک بڑی ظالم چیز ہے انسان سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لیتی ہے یہی حال اُس کا تھا۔

شہسوار اُس کے لبوں سے بیوی سُن کر مسکرا اُٹھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی حوالہ دے گئی تھی۔

اُس نے نرمی سے چمچ اُس کے منہ کی طرف بڑھایا۔ وہ سمجھ گیا اُسے بھوک لگی ہے۔ اُس کے دیکھنے کا انداز بتا گیا تھا۔

"کھالو شاباش... بہت مزے کا ہے" ساتھ ہی دوسرے ہاتھ سے اُس کے گالوں پر بہتے آنسو صاف کیے۔

فاطمہ نے ایک پل کو ہچکچاہٹ دکھائی، پھر بنا کسی ضد کے پہلی بائٹ کھالی۔

‘‘کیسا ہے’’ شہسوار نے پیار سے پوچھا۔

‘‘بس ٹھیک ہے...’’ اُس نے نظریں جھکا لیں۔

وہ اُسی کے ہاتھ سے کھانے لگی۔ شہسوار سے چمچ لینا اُس نے ضروری نہ سمجھا۔ بھوک نے انا کے قفل توڑ ڈالے تھے۔

جب پانی مانگا تو شہسوار نے گلاس اُس کے لبوں تک پہنچایا۔ پلک جھپکتے ہی باؤل آدھے سے زیادہ ختم ہو گیا۔

‘‘اور کھانا ہے’’ شہسوار نے پوچھا۔

فاطمہ کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ ‘‘ہاں... بھوک لگی ہے’’ آنکھوں سے آنسو دوبارہ نکل پڑے۔

شہسوار نے باؤل سائیڈ پر رکھا اور اُس کے قریب ہو گیا۔

"رونے کی کیا بات ہے؟ میری طرف دیکھو... کیا کھانا بنانا نہیں آتا" اُس کی آواز میں عجیب سا سکون تھا، جیسے ماں بچے کو پیار سے ڈانٹتے ہوئے بہلا رہی ہو۔

"نہیں آتا بنانا تمہیں کوئی تکلیف ہے" فاطمہ نے غصے سے کہا لیکن لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ اب بھی اُس کو کھلا رہا تھا۔

"تو ناشتہ کیوں نہیں کیا صبح والا" شہسوار نے دوبارہ چمچ بھر کر اُس کے منہ میں رکھا۔

"میری مرضی" اُس نے بات کاٹ دی مگر کھانے سے انکار نہ کیا۔

شہسوار مسکرایا۔ "ٹھیک ہے، کل سے روز تمہارے لیے کھانا بنا کر جاؤں گا۔ ایسے ہی اپنے ہاتھوں سے کھلا بھی دیا کروں گا"

فاطمہ نے ہونٹ سکیڑے۔ "احسان جتا رہے ہو؟ تھوڑا سا کھلا دیا تو کیا ہو گیا؟ رکھو اپنے پاس" احسان فراموشی کی آخری حد فاطمہ ابراہیم پر ختم تھی۔

شہسوار نے اُس کے جُوٹے چمچ سے خود کھانا شروع کیا "لگتا ہے تمہارا پیٹ بھر گیا ہے" اگر اُسے اپنے حصے کا کھانا کھلانے کا موقع ملتا تو وہ ہر بار اس عورت کو کھلا دیتا۔

فاطمہ نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔ وہ سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔

برتن سنک میں رکھنے لگا"چلو اب سو جائیں۔ صبح آفس بھی جانا ہے"

"مجھے جب سونا ہو گا تب آؤں گی۔ تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں "اُس کا انداز بہت روڈلی تھا۔

شہسوار جاتے جاتے رُکا"ٹھیک ہے۔ لیکن اگر کوئی جن بھوت آیا تو مجھے مت بلانا میں نہیں آؤں گا"

فاطمہ کا دل ایک دم زور سے دھڑکا۔ حلق خشک ہوا اور ڈر کے مارے وہ فوراً اُس کے پیچھے بھاگ آئی۔

رات کی خاموشی میں یہ منظر ایسا تھا جیسے نفرت کی راکھ تلے محبت کی پہلی چنگاری جاگ اٹھی ہو۔

فردان گھر کے دروازے پر آ کر رُک گیا۔ قدم جیسے بوجھل ہو گئے تھے۔ چہرہ پیلا، آنکھیں بے نور، بال بکھرے ہوئے، شرٹ پینٹ سے باہر، ٹائی ہاتھ میں مچلتی ہوئی وہ زندہ لاش کا منظر پیش کر رہا تھا۔ دروازے پر کھڑی حفصہ بیگم اور رئیسہ کی باتیں اچانک رُک گئیں۔ اُن کے سامنے فردان کو اس حالت میں دیکھ کر اُن کے دل میں انجانے وسوسے اُبھرنے لگے۔

"فردان... یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے" حفصہ بیگم کے لہجے میں فکر اور لرزہ دونوں نمایاں تھے۔

رئیسہ جلدی سے اُس کے قریب آئی۔ "کیا ہوا ہے فردان؟ کچھ تو بولو"

لیکن فردان کے ہونٹ کپکپا کر خاموش ہو گئے۔ اگلے لمحے وہ دھڑام سے زمین پر بیٹھ گیا۔ اُس کے بیٹھنے کی آواز نے گھر کی فضا کو سناٹے سے بھر دیا۔ حفصہ بیگم اور رئیسہ کے دل جیسے ہول گئے۔

"فردان... کچھ بتاؤ بیٹا، کیا ہوا ہے" حفصہ بیگم اُس کے پاس گھٹنے ٹیک کر بیٹھیں۔ اُنھوں نے اُس کے ہاتھ تھامے جو برف کی طرح سرد ہو رہے تھے۔

فردان کی آنکھوں سے ضبط کے بند ٹوٹ گئے۔ وہ اپنی ماں کے گلے لگ گیا۔

"وہ... وہ چلی گئی، امی...! میں نے دیر کر دی... میرے غصے نے سب برباد کر دیا... وہ چلی گئی "اُس کی سسکیوں نے حفصہ بیگم کا دل چیر کر رکھ دیا۔

رئیسہ کے لب کانپنے لگے۔ "تم روما کی بات کر رہے ہو؟ کہاں گئی ہے وہ؟ ہم ڈھونڈ لیں گے اُسے بتاؤ مجھے"

فردان کی آنکھیں سوجی ہوئی شعلوں کے بجائے راکھ میں ڈھل چکی تھیں" بھابھی... نہیں پتا... میں نے بہت ڈھونڈا پر... وہ نہیں ملی..." الفاظ ادھورے رہ گئے اور اُس کی پلکیں جھپک کر بند ہو گئیں۔

"فردان" رئیسہ کی آواز پھٹ گئی۔ حفصہ بیگم گھبرا کر اُس کے چہرے پر ہاتھ مارنے لگیں۔ "میرے بچے آنکھیں کھولو رئیسہ دیکھو نا... فردان کو کیا ہو گیا ہے "

رئیسہ ہڑ بڑا کر اُٹھی۔ "میں سیام کو بلاتی ہوں" اور وہ دوڑتی ہوئی اوپر کی طرف گئی۔

کچھ ہی لمحوں میں فردان کو اسپتال منتقل کیا گیا۔ آئی۔ سی۔ یو کے باہر ہر کوئی سکتے میں تھا۔ ڈاکٹر باہر آیا تو اُس کے چہرے کی سنجیدگی سب کچھ بیان کر رہی تھی۔

"آپ کے پیشنٹ کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ غالباً زیادہ ذہنی دباؤ لینے کی وجہ سے۔ اگلے چوبیس گھنٹے اُن کے لیے نہایت نازک ہیں" اُس نے امروز صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔

امروز صاحب کے قدم جیسے زمین میں دھنس گئے۔ سیام نے اُنہیں سہارا دیا۔ آنکھوں کے سامنے جوان بیٹا بے ہوش پڑا تھا۔ اُن کی آنکھوں میں وہ منظر تیر گیا جب فاطمہ کی ماں کی آہیں وہ سننا ہی نہیں چاہتے تھے۔ آج بیٹے کی تکلیف نے اُنہیں بتایا کہ "اولاد کا درد" کیا ہوتا ہے۔ آج اُنھیں فاطمہ شدت سے یاد آئی۔

سیام کا گلا رندھ گیا۔ "ڈاکٹر... وہ ٹھیک ہو جائے گا نا"

ڈاکٹر نے گہری سانس بھری۔ "آپ دعا کریں... باقی اللہ کی مرضی ہے" یہ کہہ کر وہ واپس آئی۔ سی۔ یو میں داخل ہو گیا۔

فردان کا اندرونی زخم، جسے اُس نے پچھلے مہینے کسی سے نہ بانٹا، آج دل کی دھڑکنوں کو چیر گیا تھا۔ وہ روما کے غم کو دل میں دفنائے خاموش رہا اور یہی خاموشی اُس کے دل کو توڑ گئی۔

~دل کھول لیا ہوتا اگر یاروں کے ساتھ

آج کھولنا نہ پڑتا اوزاروں کے ساتھ

واقعی، دل کے زخم اگر سہی وقت پر مرہم نہ پائیں، تو وہ جان لے لیتے ہیں۔

انسان کو زندگی میں ایک ایسا ساتھی چاہیے، جس کے سامنے وہ سب کچھ کہہ سکے، ورنہ غم کا بوجھ سینہ پھاڑ دیتا ہے۔

شام کا وقت تھا، گرین وچ کی فضا میں ہلکی سنہری روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ درختوں کی شاخوں سے جھانکتی دھوپ پارک کی ہری گھاس پر دھندلے سائے ڈال رہی تھی۔ پرندوں کی چہکار اور بچوں کی کھیلتی ہوئی قہقہوں سے ماحول میں ایک خوشگوار شور بسا ہوا تھا۔ فاطمہ خاموشی سے بینچ پر بیٹھی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک ایک مانوس نہ ہونے والی آواز نے اُسے چونکا دیا۔

"ہلیو! آئی ایم البرٹ ہینری"

اس نے سر اٹھایا تو سامنے ایک قد آور، سنہرے بالوں والا، نیلی آنکھوں میں اعتماد سمیٹے ایک اجنبی کھڑا تھا۔ لباس اور انداز سے صاف جھلک رہا تھا کہ وہ انگریز ہے۔

"ہیلو" فاطمہ نے مختصر جواب دیا اور دوبارہ نظریں ہٹا لیں۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں" ہینری نے جیب میں ہاتھ ڈالے مؤدبانہ انداز اختیار کیا۔

فاطمہ کی آنکھوں میں جھلک ابھری "نہ یہ بینچ میں نے لگوائے ہیں نہ میرے باپ نے... لہذا اجازت لینے کی ضرورت نہیں"

ہینری لمحہ بھر کے لیے سٹپٹایا "آئی ایم سوری، اگر میری کسی بات کا آپ کو برا لگا ہو"

فاطمہ نے نگاہ بچا کر بچوں کو کھیلتے دیکھا۔ "جی نہیں کوئی بات بری نہیں لگی"

ہینری نے سامنے دو چھوٹے بچوں کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میرے بھانجے ہیں... احمد اور عبداللہ"

فاطمہ کی آواز میں سختی در آئی۔ "تو کیا گھر اُٹھا کر لے جاؤ۔ میں پہلے مل چکی ہوں ان سے آپ تعارف نہ کرائیں" فاطمہ پتہ نہیں کس بات کا غصہ ہینری پر نکال رہی تھی۔

ہینری کا چہرہ تھوڑا سا بجھ گیا "ایم سوری اگین... مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میری کون سی بات بُری لگی ہے آپ کو"

فاطمہ نے سانس گہرا کھینچا "نو پرابلم۔ شاید میں ہی روڈ ہو گئی تھی سوری"

ہینری نے اس کی آنکھوں میں دیکھا "یو آر این ایشین بیوٹی۔ بہت خوبصورت ہے آپ"

فاطمہ کے چہرے پر ضبط کی لکیر کھنچ گئی۔ "تھینکس فار یور کمپلیمنٹ"

ہینری لمحے بھر جھجکا"کیا میں آپ کا ہاتھ پکڑ سکتا ہوں"آ گیا گورا اپنی اوقات پر ۔

فاطمہ کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ کھل اٹھی۔ اس نے طنزیہ لہجے میں ہاتھ آگے بڑھایا۔ "میرے ہاتھ کا تھپڑ بھی بہت پیارا ہے... مار کے دکھاؤ کیا"

اسی لمحے دور کھڑا ایک شخص قہقہہ دبا نہ سکا۔ فاطمہ کے الفاظ اس کے دل کو چھو گئے تھے۔ شہسوار، جو فاطمہ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے پارک آنکلا تھا، یہ سب دیکھ

کر لمحہ بھر رکا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اور چہرے پر اعتماد بھری مسکراہٹ تھی۔

"ہائے مسٹر ہینری" شہسوار کی آواز گونجی تو فاطمہ اور ہینری دونوں چونک کر پلٹے۔ وہ اپنی پوری وجاہت کے ساتھ سامنے کھڑا تھا، جیسے پورا منظر اسی کے آنے کا منتظر ہو۔

"او... ہیلو مسٹر شہسوار آپ یہاں" ہینری نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا، مگر شہسوار نے اس کے ہاتھ کو غیر معمولی مضبوطی سے تھاما۔ اُس کی نظریں صاف کہہ رہی تھیں: میری بیوی کا ہاتھ پکڑنے کا خیال دل سے نکال دینا۔

"جی اسی بلڈنگ میں میرا فلیٹ ہے" کہتے ہی اس نے بڑے سکون سے فاطمہ کو اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔ فاطمہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی، جبکہ ہینری کی آنکھوں میں حیرت کی جھلک صاف دکھائی دی۔ جس لڑکی نے اس کا ہاتھ تک نہ پکڑنے دیا تھا، وہ اب اس شخص کے پہلو میں خاموش کیوں کھڑی تھی؟

شہسوار کے لبوں پر اعتماد بھری مسکراہٹ ابھری۔ "فاطمہ یہ میرے بزنس پارٹنر کے بیٹے ہیں۔ اور مسٹر ہینری... میٹ مائی وائف، فاطمہ شہسوار ملک"

شہسوار نے وائف پر خاص زور دیا، اور فاطمہ کے دل میں آگ سی بھڑک اٹھی۔ اُس نے جبڑے سختی سے بھینچ لیے۔ وہ فاطمہ ابراہیم تھی، اور آخر دم تک وہی رہنا چاہتی تھی۔

"نائس ٹو میٹ یو، مسز شہسوار" ہینری نے نہایت مشکل سے یہ الفاظ نکالے۔

"تھینک یو" فاطمہ نے آداباً کہا مگر دل میں صرف ایک خواہش تھی کہ شہسوار کے حصار سے نکل جائے۔

ہینری نے فاطمہ کے آگے ہاتھ بڑھایا۔ اس بار شہسوار کے ماتھے پر رگیں اُبھر آئیں۔

"میں ہم دونوں کی طرف سے بائے کہتا ہوں، مسٹر ہینری۔ آپ جا سکتے ہیں" شہسوار نے فاطمہ کی طرف بڑھا ہاتھ روک کر خود ہاتھ ملایا۔ اس بار ہاتھ کو جھٹکا دینے نہ بھولا۔

ہینری کے چہرے پر سب کچھ صاف جھلک رہا تھا شر مندگی، حیرت اور شکست۔

ہینری کے جاتے ہی فاطمہ تیزی سے شہسوار کے حصار سے نکل گئ۔ اُس کے قدموں میں غصے کی سختی اور آنکھوں میں شعلے تھے۔

"کس سے پوچھ کے تم نے میرے نام کے آگے اپنا نام لگوایا" اُس نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے جھڑکا۔

شہسوار نے اُسے تھامنے کی کوشش کی لیکن فاطمہ نے ہاتھ جھٹک دیا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی شوخ مسکراہٹ آئی۔

"یہ نام تو اللہ نے لگوایا ہے" اُس نے آنکھ دبا کر کہا۔

فاطمہ پلکیں میچ گئی۔ وہ غصے میں تھی لیکن اس کے جواب نے جیسے اندر کہیں لرزہ سا پیدا کر دیا۔

"تمہارے لیے سرپرائز ہے آؤ دکھاؤں" شہسوار نے ہاتھ آگے کیا۔

فاطمہ کڑوا سا ہنسی "مجھے نہیں چاہیے کوئی سرپرائز۔ اپنے پاس رکھو، میا اپنی لاڈلی بیوی کو دینا" پھر سے بینچ پر جا بیٹھی۔

شہسوار نے گہرا سانس لیا اور گھٹنوں کے بل اُس کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے آنکھوں میں ضد نہیں صرف نرمی تھی۔

"یقین کرو لاڈلی بیوی کو ہی دے رہا ہوں"

فاطمہ نے چونک کر اُسے دیکھا۔ وہ شخص، جو اپنی انا کے لیے پہاڑ کھڑا کر سکتا تھا، اُس کے قدموں میں جھک کر سب کچھ وار کیوں دیتا تھا۔

"پلیز چلو نا محترمہ۔ تمہیں اچھا لگے گا آئی نو" اُس کی آواز میں اتنی نرمی اور پیار تھا کہ ایک پل کے لیے فاطمہ کے دل نے چاہا وہ بس سنتی رہے اور یہ شخص بولتا رہے۔ مگر فوراً ہی اُس نے اپنی سوچ کو جھٹک دیا۔

"چلو میں بھی دیکھ لوں کون سا چاند میرے لیے لے آئے ہو" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

شہسوار نے اپنا کوٹ بینچ سے اٹھایا، جو ہینری سے ملتے وقت وہیں رکھا تھا

"پارکنگ ایریا کی طرف چلو"

فاطمہ اُس کا انتظار کیے بغیر تیز قدموں سے پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گئی۔ دونوں کے قدموں کی چاپ سنسان پارکنگ کی گونج میں صاف سنائی دے رہی تھی۔

جیسے ہی وہ پارکنگ ایریا میں پہنچے، سامنے ایک چمکتی دمکتی بلیک بی ایم ڈبلیو کھڑی تھی۔ گاڑی کے ڈیزائن کی چمکدار لکیریں روشنی میں جگمگا رہی تھیں۔ فاطمہ کے

قدم وہیں جم گئے۔ اُس کی آنکھیں پٹی کی پٹی رہ گئیں۔ یہ وہی گاڑی تھی جسے دیکھنے پر اُس نے کبھی خواب میں مسکرایا تھا۔

"یہ تمہاری گاڑی کی چابی" شہسوار نے چابی اُس کے سامنے لہرا دی۔

"یہ... میرے لیے لی ہے" فاطمہ کی آواز میں بے یقینی لرز رہی تھی۔

شہسوار نے دانستہ انکار کیا "نہیں"

فاطمہ کے دل میں جیسے کچھ ٹوٹ سا گیا۔ "پھر کس کی ہے"

شہسوار اُس کے قریب جھکا "میری لاڈلی بیوی کی"

یہ سن کر اُس کے سفید عارض سرخ ہو گئے۔ بڑی بی کی بات یاد آ گئی کیا واقعی وہ اُس کی لاڈلی تھی؟

فاطمہ نے ضبط اختیار کیا "مجھے نہیں چاہیے۔ اتنا مہنگا گفٹ کسی سے نہیں لیا کبھی"

شہسوار کی آنکھوں میں شرارت چمکی۔ "اچھی بات ہے دوسروں سے کبھی لینا بھی نہ، صرف اپنے شوہر سے لینا" کہتے ہی اُس نے چابی اُس کی ہتھیلی میں رکھ دی۔

فاطمہ نے ابرو اٹھا کر اُسے گھورا۔ "بات سنو"

"بولیے محترمہ" اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اتنی مہنگی گاڑی لے سکتے ہو تو دو کمروں کا فلیٹ کیوں نہیں لیا" فاطمہ کی نظروں نے اُسے اوپر سے نیچے تک پرکھا۔

شہسوار نے سوال کو ٹالنے کی کوشش کی "زیادہ دکھ کس بات کا ہے تمہیں"

"بات کو گھمانے کی ضرورت نہیں سچ سچ بتاؤ" فاطمہ کے انداز میں ضد تھی۔

شہسوار نے اُس کا مغلر درست کیا" محترمہ میں سیدھا سا آدمی ہوں۔ مجھے میری بیوی اپنے پاس چاہیے۔ شادی شدہ ہو کر بھی کنواروں جیسی زندگی نہیں گزار سکتا "

فاطمہ کے دل پر چوٹ سی لگی" تمہیں شرم نہیں آئی مجھ سے جھوٹ بولتے ہوئے جنوں سے ڈراتے ہوئے"

شہسوار نے کندھے اچکائے۔" میں ذرا بے شرم آدمی ہوں۔ اور بیوی کو پاس رکھنے میں کیسی شرم"

فاطمہ نے بے اختیار کہا "ذرا نہیں پورے کے پورے بے شرم ہو تم" اُس نے چابی اُس کی طرف بڑھائی۔

"یہ گاڑی تمہاری ہے فاطمہ۔ جھگڑا اپنی جگہ، لیکن یہ واپس نہیں لوں گا۔ پلیز رکھ لو" شہسوار نے چابی دوبارہ اُس کے کوٹ کی پاکٹ میں ڈال دی۔

فاطمہ چند لمحے اُسے دیکھتی رہی۔ وہ شخص جسے وہ بددعائیں دیتی تھی، اُس نے بدلے میں اُس کے خوابوں کی گاڑی دی۔ وہ اُس کی فراخ دلی پر حیران رہ گئی۔

روما کی تیاری دیکھ کر ماہ جبین بیگم کے دل پر چوٹ سی لگی۔ بیٹی کی کم عمری، اور اتنے دکھ... وہ سوچتی رہ گئیں کہ اب یہ نازک جان اولاد کے بوجھ کے ساتھ کہاں تک سنبھلے گی۔

"روما تم کیوں جا رہی ہو اُس سے ملنے" ماہ جبین بیگم نے اُس کو چادر اوڑھتے دیکھا تو دل تھام کر بول اٹھیں۔

روما کے ہونٹوں پر اداس مسکراہٹ تیر گئی۔ "ماں قیدیوں سے ملنے اُن کے اپنے جاتے ہیں۔ اس لیے میں بھی جا رہی ہوں"

ماہ جبین بیگم نے نم آنکھوں سے بیٹی کا ہاتھ تھام لیا۔ "بس ایک وجہ بتا دو کیوں جانا چاہتی ہو"

"آپ وجہ پوچھتی ہیں ماں میرے پاس تو وجوہات ہیں" روما نے نرم ہاتھوں سے ماں کی انگلیاں تھام کر پیشانی پر بوسہ دیا۔

"جلدی آجانا میں تمہارا انتظار کروں گی" ماہ جبین بیگم نے لرزتی آواز میں کہا۔

"اللہ حافظ، ماں" روما نے بیگ اٹھایا اور باہر نکل گئی۔ دروازے کے پار کیب اس کا انتظار کر رہی تھی۔

یہ اُن کا اسلام آباد میں دوسرا دن تھا۔ نیا فلیٹ اگرچہ فرنشڈ تھا مگر اجنبی دیواروں کے بیچ اجنبیت کی ہی گونج تھی۔ آج وہ راولپنڈی سینٹرل جیل اڈیالہ جا رہی تھی۔ گھر سے پندرہ کلومیٹر کا فاصلہ لیکن دل کا بوجھ میلوں سے بھی بھاری تھا۔

اڈیالہ جیل—

جمعرات کا دن تھا۔ قیدیوں کے لیے روشنی کا دن۔ اندھیرے میں دُبکے رہنے والوں کو کچھ دیر کے لیے سانس لینے کا موقع ملتا تھا۔ موسیٰ بھی بے تاب تھا۔ پچھلے جمعرات ایک بوڑھے قیدی سے ملا تھا، آج جانے کس سے ملاقات ہو گی۔

اُس کی حالت بگڑ چکی تھی۔ چہرے پر بڑھی ہوئی شیو، آنکھوں کے گرد حلقے اور آنکھوں میں ایسا خالی پن جیسے بادشاہی سے غلامی کا سفر اُس کی آنکھوں میں لکھ دیا گیا ہو۔ وہ تنہا بینچ پر بیٹھا سوچوں میں ڈوبا تھا کہ ایک جیلر آیا۔

"شیر تمہاری ملاقات آئی ہے"

موسیٰ چونک کر سیدھا ہوا۔ "کون آیا ہے"

دل میں حیرت اور دھڑکنے تیز ہو گئیں۔ اس حال میں کون آ سکتا تھا اُس سے ملنے ؟

"جا کے دیکھ لو" جیلر نے مختصر جواب دیا اور کہنی سے پکڑ کر ملاقات والے کمرے کی طرف لے گیا۔

بھاری دروازہ کھلا۔ کمرے میں کرسی پر بیٹھی روما نظر آئی۔ اُس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی جو اندر کے طوفان کو چھپا رہی تھی۔ موسیٰ کے قدم جیسے لمحہ بھر کو زمین میں دھنس گئے۔

"بیس منٹ ہیں، جلدی کرو" جیلر کہہ کر باہر چلا گیا۔

"بیٹھ جاؤ، یوں ہی کھڑے تکتے رہو گے" روما نے نرم مگر تھکے لہجے میں کہا۔

موسیٰ خاموشی سے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "تم... یہاں کیوں آئی ہو"

روما کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔ "کچھ اپنی سنانے کچھ تمہاری سننے"

"کیا مطلب" موسیٰ الجھا۔

روما کا وجود کانپنے لگا۔ "بتانے آئی ہوں کہ روما یحییٰ خان پھر دھوکہ کھا بیٹھی۔ فردان نے چھوڑ دیا مجھے۔ مبارک ہو موسیٰ، ایک بار پھر میرے جذبات کو سولی

چڑھا دیا گیا۔ دیکھوں جسے برباد کرنے کے منصوبے بناتے تھے آج وہ لڑکی تباہ ہو گئی "اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور آواز رندھ گئی۔

موسیٰ کے دل پر جیسے کسی نے گھونسہ مارا ہو۔ "میں نہیں سمجھا" وہ بے بس لہجے میں بولا۔

روما چیخ پڑی" سمجھو نہ میری حالت برباد ہو گئی ہوں میں۔ زندہ رہنے کے قابل نہیں چھوڑا مجھے اُس نے۔ سوچا اپنے جیسے کسی سے بات کروں تو شاید کچھ سکون ملے۔ دوا دو مجھے اس مرض کی، موسیٰ شیر خان... ورنہ یہ عشق مجھے نگل جائے گا "

موسیٰ کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ "روما... عشق اگر ڈس لے نا، تو اس کی سزا موت ہے۔ میرے پاس کوئی دوا نہیں۔" وہ کرسی چھوڑ کر زمین پر بیٹھ گیا، اپنے چہرے کو ہاتھوں میں چھپا لیا۔

"روما... ایک بات سنو۔ مجھے فاطمہ سے ملوا دو۔ پلیز۔ میں ٹوٹ رہا ہوں۔ اندھیرے سے ڈر لگتا ہے۔ اُس کو بتاؤ، موسیٰ شیر خان اُسے یاد کرتا ہے۔ ایک بار... بس ایک بار دیکھنا چاہتا ہوں۔" اُس نے روما کا ہاتھ پکڑ لیا۔

روما کے وجود میں جیسے آگ بھڑک اٹھی۔ اُس نے ہاتھ جھٹک دیے "میری بددعا ہے تم اُسے دیکھے بغیر مر جاؤ! تمہیں آسان موت کبھی نہ ملے۔ سسک سسک کے مرو۔ تم نے میری عزتِ نفس کو روند ڈالا موسیٰ۔ اللہ کرے تمہیں ایسی موت ملے جو دنیا کے لیے عبرت ہو۔"

موسیٰ کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "دعا کرو روما، تمہاری بد دعا قبول ہو جائے۔ کیونکہ اب موت ہی میری آزادی ہے۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

چلتے چلتے رُک گیا، پلٹا "اگر فردان کبھی لوٹ آئے، تو معاف کر دینا۔ اُس نے تمہیں طلاق نہیں دی یہ بات جانتا ہوں... کیونکہ وہ میری طرح کم ظرف نہیں ہے۔ اور یہ "اُس نے جیب سے ایک خستہ کاغذ نکال کر اُس کے ہاتھ میں تھمایا۔ "یہ میری آخری امانت ہے"

روما نے لرزتے ہاتھوں سے خط تھاما۔ "یہ... فاطمہ کو؟"

"ہاں، اُسی کو دینا ہے" موسیٰ نے دھیرے سے کہا پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ "اب چلتا ہوں... اندھیرا میرا منتظر ہے"

دروازہ بند ہوا۔ باہر موسیٰ کا وجود اندھیروں میں ڈوب گیا، اور پیچھے روما کی رہی سہی ہمت بھی بکھر کر زمین پر گر گئی۔

ٹیرس کی ہوا تیز تھی، رات کی خاموشی میں پارک سے بچوں کی ہنسی کی آواز مدھم پڑ گئی تھی۔ فاطمہ ریلنگ کے ساتھ کھڑی نیچے دیکھ رہی تھی، جیسے اپنے

اندر کی بھٹکتی ہوئی سوچوں کو سکون دینے آئی ہو۔ اسی لمحے شہسوار دو کپ چائے تھامے اُس کے قریب آیا۔

"چائے اپنے لیے بنا رہا تھا سوچا تمہارے لیے بھی لے آؤں پیو گی تو بتانا کیسی بنی ہے"

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس کے سامنے مگ بڑھاتا ہے۔

فاطمہ نے ایک نظر اُس پر ڈالی، پھر چائے پر "ضرورت نہیں، تمہاری چائے کی اپنے پاس رکھو"

شہسوار نے انکار نظر انداز کر کے کپ میز پر رکھا اور اُس کے قریب ہوا۔ فاطمہ جواب تک نیچے کھیلتے بچوں پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ اُس کی قربت محسوس کر کے چونک گئی اور ایک قدم پیچھے ہٹی۔

"میرے اتنے پاس کیوں آتے ہو تم" اُس نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"کیونکہ دور سے تمہیں بات سمجھ نہیں آتی" شہسوار مزید جھک آیا۔

فاطمہ نے اُس کے سینے پر ہاتھ مارا "ہٹو میرے راستے سے مجھے تمہاری باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں"

اگلے لمحے شہسوار نے دونوں بازو دیوار پر ٹکا دیے اُسے اپنے حصار میں قید کر لیا۔

فاطمہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"یہ زبردستی ہے پیچھے ہٹو شہسوار"

"ہاں ہے۔۔۔ لیکن تم سنتی نہیں ہو" اُس کی سانسیں اب اُس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں۔

فاطمہ گھبرا گئی "تمہاری باتیں مجھے سمجھ نہیں آتیں"

شہسوار نے ایک چالاک مسکراہٹ کے ساتھ سرگوشی کی "فارمولا لگا لیا کرو"

فاطمہ لمحہ بھر کو الجھی "کون سا فارمولا"

"محبت کا۔۔۔ دیکھنا سب سمجھ آجائے گا"

لیکن اگلے ہی پل فاطمہ نے موقع غنیمت جانا، اور میز پر رکھا کپ اُٹھا کر اُس پر انڈیل دیا۔ چائے کے چھینٹے اُس کے چہرے اور قمیض پر بکھر گئے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تم مجھے یوں قید کر کے، قریب آ کر بے بس کر دو گے اور میں تمہارے جال میں پھنس جاؤں گی؟ نہیں مسٹر شہسوار یاد رکھو عورت کو کوئی مرد اُس وقت تک چھو نہیں سکتا جب تک وہ خود اجازت نہ دے" اُس نے اُسے دھکیل کر پرے کر دیا۔

شہسوار ایک لمحے کو لڑکھڑا یا۔ فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، لیکن اُس کے لفظ زہر سے بھرے ہوئے تھے۔

"تم جس محبت کے فارمولے کی بات کرتے ہو اُس محبت پر لعنت ہے۔ لعنت ہو تم پر اور تمہاری محبت پر۔ تم کیا سمجھتے ہو دو ٹکے کی گاڑی دے کر مجھے خرید لو گے؟ میں تمہیں بتا دوں، فاطمہ ابراہیم کبھی اپنی غلطی بار بار نہیں دہراتی۔ تم

بھی اُن مردوں کی فہرست میں شامل ہو گئے جو صرف میرا استحصال کرنا چاہتے تھے۔ " وہ بی ایم ڈبلیو کو دو ٹکے کا کر گئی۔ جو پہلی بار اُس نے تحفے میں دی تھی۔

شہسوار کا چہرہ سخت پڑ گیا مگر وہ خاموش رہا۔ فاطمہ کا درداب چیخوں کی صورت میں باہر نکل رہا تھا۔

" پہلے سیام میرا امروز میری زندگی میں آیا۔۔۔ صرف اپنے باپ کے ایک اشارے پر اُس نے رئیسہ سے شادی کر لی، یہ سوچے بغیر کہ میرے پر کیا گزرے گی۔ پھر آیا موسیٰ۔۔۔ میرے باپ کا قاتل، مگر میرے سامنے مسیحا بن کر کھڑا ہوا۔ اُس کا ساتھ میرے لیے سکون بن گیا، لیکن پھر اُس نے ایسا وار کیا کہ میری روح چھلنی ہو گئی۔ کیا تم جانتے ہو؟ آج بھی اُس کی یاد مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے "

وہ روتے روتے زمین پر بیٹھ گئی "میری ماں۔۔۔ میرا سب کچھ مجھ سے چھین لیا گیا اور اب تم۔۔۔ تم میرے زخموں پر مزید نمک چھڑکنے آئے ہو۔ شہسوار تمہارے وجود سے مجھے نفرت ہے۔ کاش تم پیدا ہی نہ ہوتے کاش تمہارے والدین تمہیں اسی دن مار دیتے۔۔۔ تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا"

لفظ تیر تھے، اور شہسوار کے لیے ہر جملہ پگھلے سیسے کی طرح اُس کے اندر اتر رہا تھا۔ پہلی بار اُس نے اپنی طاقت اور وجود کو کمزور محسوس کیا۔ پہلی بار وہ ڈر گیا اپنے کیے گئے "احسان" کے انجام سے۔ فاطمہ ابراہیم نے دور آنے کا جو احسان کا بدلہ چکایا وہ شہسوار کو اندر تک ہلا گیا۔

وہ اُلٹے قدموں فلیٹ سے باہر نکل گیا۔ پیچھے رہ گئی فاطمہ، جو اپنے دکھ اپنی محرومی اور اپنے خالی پن کا سارا بوجھ اُس پر انڈیل کر، ٹیرس کی رات میں تنہا رہ گئی۔

ہسپتال کے لمبے کوریڈور میں دوپہر کی دھوپ کھڑکیوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی، لیکن وہاں بیٹھے لوگوں کے دلوں میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ صبح سے سیام ایک ہی بینچ پر بیٹھا بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا، جیسے وقت اُس کے ساتھ دشمنی پر اُتر آیا ہو۔ ہر آتی جاتی نرس پر نظریں ٹکائے وہ کسی معجزے کی خبر سننے کو بے قرار تھا۔

اسی دوران رئیسہ کھانے کا تھرماس لیے تیزی سے اندر آئی۔ اُس نے سیام کو بے چینی سے ٹہلتے دیکھا تو سیدھا اُس کے پاس پہنچی۔

"کیا کہا ڈاکٹرز نے" اُس نے ہلکی ہانپتی سانسوں کے ساتھ سوال کیا اور کھانا بینچ پر رکھا۔

سیام نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام رکھا تھا، اُس کی آواز تھکن سے بھری ہوئی تھی۔

"ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔ بس انتظار ہی کروا رہے ہیں" وہ دھیرے سے بینچ پر بیٹھ گیا۔

رئیسہ نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، اُس کی آنکھوں میں ہمت جگانے کی کوشش کی۔

"سیام اگر تم ایسے ہار جاؤ گے تو آنٹی انکل کو کون سہارا دے گا"

سیام نے آنکھیں موند لیں، دل کی کڑواہٹ زبان پر آ گئی۔

"یار مجھ سے فردان کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ وہ جو ہر وقت ہنستا شرارتیں کرتا آج یوں خاموش پڑا ہے جیسے سب کچھ چھین لیا گیا ہو "اُس کی آواز رُک رُک کر نکلی ضبط کمزور پڑنے لگا تھا۔

رئیسہ نے اُس کا ہاتھ تھام لیا "اللہ بہتر کرے گا ان شاءاللہ۔ میں تمہارے لیے کھانا لے کر آئی ہوں پلیز تھوڑا سا کھا لو۔ پھر آنٹی انکل کو بھی دے دینا" وہ

بولتے بولتے اُسے اپنے بازوؤں میں بھر گئی۔ اُس کا دل چاہتا تھا کہ سیام کے سارے دکھ وہ اپنے اندر سمیٹ لے۔

سیام نے اُس کی قربت میں لمحہ بھر سکون پایا۔ "سوری رئیسہ تم میری وجہ سے پریشان ہو"

رئیسہ نے فوراً اُس کی بات کاٹ دی، "سیام شرمندہ مت کرو پلیز" اُس نے ہلکی خفگی سے اُسے دیکھا۔

سیام کے لبوں پر تھکی سی مسکراہٹ آئی۔

"اوکے سوری"

ابھی وہ دونوں بات ہی کر رہے تھے کہ سامنے سے ڈاکٹرز آتے دکھائی دیے۔ سیام کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ رئیسہ نے بے اختیار اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

ڈاکٹر قریب آئے "مبارک ہو مسٹر فردان خطرے سے باہر ہیں۔ تھوڑی دیر میں انہیں دوسرے کمرے میں شفٹ کر دیا جائے گا، پھر آپ لوگ ملاقات کر سکیں گے"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے لیکن ان کے الفاظ نے جیسے پورے ماحول کو روشن کر دیا۔ رئیسہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلکنے لگے۔

"سیام میں آنٹی کو بتاتی ہوں وہ پریئر روم میں ہیں "اُس نے روتے ہوئے مسکراہٹ چھپائی اور جلدی سے آگے بڑھ گئی۔

سیام نے جاتے ہوئے رئیسہ کو دیکھا، دل ہی دل میں اُس کے یقین اور دعا کو سلام کیا۔ پھر اُس نے آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا دیں۔ "یا اللہ، تیرا شکر ہے تیرا شکر ہے"

گرین وچ کی رات گہری ہو چکی تھی۔ گھڑی گیارہ بجا رہی تھی، ہوا ٹھنڈی اور خاموش تھی۔ پارک کی لائٹس مدھم سی روشنی پھیلا رہی تھیں اور خالی بنچوں پر خاموشی کا قبضہ تھا۔ ایک کونے میں شہسوار اکیلا بیٹھا تھا۔ اُس نے سگریٹ سلگایا اور دھواں آسمان کی طرف اُڑانے لگا۔

یہ وہی شخص تھا جو ہمیشہ دوسروں کو سگریٹ سے دور رہنے کا کہتا تھا، لیکن آج اپنا غم ہلکا کرنے کے لیے وہی ممنوع سہارا اُس کے ہاتھ میں تھا۔

اُس کی نظریں زمین پر جمی تھیں لیکن ذہن میں صرف ایک ہی منظر گونج رہا تھا۔ فاطمہ کا سخت لہجہ، اُس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اور وہ لفظ جو کسی تلوار سے کم نہ تھے۔

"لعنت ہے تم پر، تمہاری محبت پر۔۔۔"

شہسوار نے ایک اور کش لیا۔ سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ اُس کی سانسیں بوجھل ہو گئیں۔ تبھی فون کی بیل نے سکوت توڑا۔ اسکرین پر "ثمن" کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

"ہیلو" اُس نے دھواں باہر چھوڑتے ہوئے کہا۔

"ہیلو تم سگریٹ پی رہے ہو نا؟" ثمن نے فوراً پہچان لیا۔

"ہاں" اُس نے ایک اور کش لگایا۔

"کیوں؟ اب تو بیوی بھی ہے تمہاری پھر یہ عادت کیوں" ثمن نے ہنستے ہوئے کہا، مگر آواز میں تشویش چھپی تھی۔

"تم بتاؤ کیوں کال کی؟ کوئی خاص کام تھا" شہسوار نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

ثمن نے محسوس کیا کچھ گڑ بڑ ہے۔ "کچھ ہوا ہے"

"نہیں" اُس نے جھوٹ بولا۔

"شہسوار جھوٹ مت بولو۔ تمہاری آواز بتا رہی ہے، کوئی جھگڑا ہوا ہے تمہارے اور فاطمہ کے بیچ"

شہسوار نے آنکھیں بند کر لیں، جیسے وہ لمحہ یاد آگیا ہو جب فاطمہ نے اُس پر بددعائیں برسائیں۔

"ہاں۔۔۔ بس چھوٹا سا جھگڑا ہوا ہے" اُس نے آدھا سچ کہہ دیا۔

"کہاں ہوا اس وقت"

"پارک"

"غلطی کس کی تھی"

شہسوار کے لبوں پر کڑوا سا تبسم آیا۔ "قسمت کی"

دونوں طرف لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

دوسری طرف فاطمہ تھی۔ وہ کمرے کے کونے میں ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اُس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، گال آنسوؤں سے تر تھے۔ وقت دیکھنے پر پتہ چلا کہ گیارہ بج چکے ہیں۔ دل میں پچھتاوے کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ "میں نے سب غلط کہا۔۔۔ اپنا سارا غصہ اُس پر کیوں نکالا؟"

وہ کپکپاتے قدموں سے فلیٹ سے باہر نکلی۔ ابھی وہ ادھر ادھر دیکھ ہی رہی تھی کہ بڑی بی سامنے آ گئیں۔

"فاطمہ تمہارا شوہر ابھی تک نہیں آیا" بڑی بی نے اُسے دروازے میں کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

فاطمہ نے ہچکچاتے ہوئے کہنا چاہا مگر آواز گلے میں پھنس گئی "نہیں وہ"

"بیٹی، کیا ہوا آؤ میرے ساتھ" بڑی بی اُسے اپنے ساتھ اندر لے گئیں۔

"اب بتاؤ، کیوں رو رہی ہو" بڑی بی نے اُس کے آنسو صاف کیے۔

فاطمہ پھوٹ پڑی "مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔۔۔ میں نے اُس کی بے عزتی کی، بددعائیں دیں، اُس کی محبت پر ہزار بار لعنت بھیجی"

بڑی بی نے غور سے سنا "تمہیں اب اُس کے لیے برا لگ رہا ہے"

فاطمہ نے نظریں چرا لیں "نہیں"

"تو پھر رو کیوں رہی ہو" بڑی بی نے اُس کا چہرہ اوپر کیا۔

فاطمہ کی آواز لرزی "مجھے اپنی مما کی یاد آ رہی تھی۔۔۔ اور سارا غصہ اُس پر نکال دیا۔ پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے"

بڑی بی مسکرا دیں "باہر پارک میں بیٹھا ہے"

فاطمہ چونکی "آپ کو کیسے پتہ"

"بچوں کو لینے گئی تھی تب دیکھا۔ کھڑکی سے دیکھ لو"

فاطمہ لمحے بھر میں کھڑکی تک پہنچی۔ نیچے، دھندلی روشنی میں، شہسوار سگریٹ کے دھوئیں میں لپٹا بیٹھا تھا۔ اُس نے اوپر دیکھا۔ اُس لمحے دونوں کی نظریں ملی مگر شہسوار فوراً نگاہیں چرا گیا۔

فون پر ثمن نے چونک کر پوچھا "کیا ہوا؟ اچانک خاموش کیوں ہو گئے"

"فاطمہ۔۔۔ کھڑکی پر آئی تھی" شہسوار نے مدھم لہجے میں کہا۔

ثمن مسکرائی "دیکھا؟ میں نے کہا تھا اگر اُسے تمہاری فکر ہے تو کھڑکی پر ضرور آئے گی"

شہسوار کے لہجے میں تلخی در آئی "بکواس بند کرو ثمن۔۔۔ وہ واپس جا چکی ہے"

فاطمہ جو اُس کی نظر سے بچ کر واپس آئی تھی، کمرے میں گھس گئی۔ آنکھیں مزید نم ہو گئیں۔ بڑی بی اُس کے پیچھے آئیں۔

"جاؤ منا لو اُسے۔ ایسا شوہر جو تمہارے نخرے برداشت کرے اُسے ناراض کرنا کفرانِ نعمت ہے"

"اگر وہ نہ مانا تو" فاطمہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"مان جائے گا، مجھے یقین ہے" بڑی بی نے حوصلہ دیا۔

"اگر اُس نے غصے میں آ کر مجھے مارا پھر" فاطمہ کی آواز لرز گئی۔

"جس نے تمہیں اکیلے میں نہیں مارا وہ سب کے سامنے کیوں مارے گا" بڑی بی نے پیار سے کہا۔

"پہلے شوہر نے کبھی مارا تھا" بڑی بی کے سوال پر وہ گڑ بڑائی۔

اُس کے ذہن میں فارم ہاؤس والا تھپڑ یاد آیا پھر شہسوار کا خیال آیا۔

"شہسوار نے کبھی مارا ہے" اُنہوں نے پھر سوال کیا۔

"اُس نے کبھی سختی سے نہیں چھوا آپ مارنے کی بات کرتی ہے"

بڑی بی اُس کے چہرے کی لالی دیکھ کر ہنس پڑیں۔

"اگر وہ نرم چل رہا ہے تو تم بھی سختی نہ دکھاؤ۔ یہ اصل مرد کی نشانی ہے کہ وہ عورت کی کڑوی باتیں سہہ جائے"

فاطمہ مزید شرمندہ ہو گئی "میں۔۔۔ میں سچ میں جاؤں"

"ہاں، اور تیار ہو کر جانا"

"رات کے اس وقت"

"ہاں کوئی مشرقی لباس پہن لینا۔ کاجل بھی لگانا"

بڑی بی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ "چلو میں چلتی ہوں۔ تم جاؤ تیار ہو"

فاطمہ مرے مرے قدموں سے کمرے میں گئی۔ اُس نے بلیک شلوار قمیض نکالی، واش روم میں جا کر چہرہ دھویا۔ بالوں کو سکھا کر ڈھیلا سا جوڑا بنایا۔ آئینے میں آنکھوں میں کاجل کی لکیر کھینچی، ناک میں نوز رنگ سجایا جو عرصے سے نہیں پہنی تھی۔ خود کو آئینے میں دیکھا تو بے ساختہ اُس کے گال گلابی ہو گئے۔

دوپٹہ شانوں پر ڈالا، پیروں میں بلیک سینڈل پہنے اور اوڑھنی اپنے گرد لپیٹی۔ لندن کے آزاد ماحول میں، وہ آج مکمل مشرقی روپ میں تھی۔

--

شام کے سات بج رہے تھے۔ پنڈی کی جون کی تپتی ہوئی گرمی میں بجلی کا جانا کسی عذاب سے کم نہ تھا۔ صحن کی فضا بھٹی کی طرح دہک رہی تھی۔ مرحا کے ماتھے پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمکنے لگے۔ گرمی سے بیزار ہو کر وہ چھت پر جانے لگی کہ شاید وہاں ہوا کا کوئی جھونکا نصیب ہو جائے۔

"سُنو کہاں جارہی ہو" رمشاء کی آواز نے اُسے روک دیا۔

"چھت پر..." مرحا نے مختصر جواب دیا اور قدم بڑھانے ہی والی تھی کہ رمشاء پھر بولی۔

"ذرا میرے لیے ایک کپ چائے بنا دینا، سر پھٹ رہا ہے۔ اور ہاں اوپر ہی لے آنا، امی ابو بھی وہیں ہیں"

یہ کہہ کر رمشاء سکون سے سیڑھیاں چڑھ گئی اور پیچھے مرحا کا منہ اتر گیا۔

"بھلا نئی نویلی دلہن کو کوئی کچن میں بھیجتا ہے کیا... وہ بھی اتنی گرمی میں" وہ دودھ سوس پین میں ڈالتی خود ہی خود سے باتیں کرنے لگی۔

"اتنی پیاری بھابھی ملی ہے، قدر کرنی چاہیے، لیکن نہیں... اُٹھا کر کچن میں بھیج دیا "

پیچھے کھڑے اسماعیل نے یہ سب سنا تو مسکرا اُٹھا۔ اُس کی نظریں شرارت سے چمک اُٹھیں۔

"کس نے یہ جرم کیا کہ میری نئی نویلی دلہن کو کچن میں بھیجنے کا" اُس نے آگے بڑھ کر چینی کا ڈبہ مرحا کے ہاتھ سے لے لیا۔

"تمہاری آپی نے کیا یہ جرم" مرحا نے منہ بنایا۔

"جرم تو بڑا ہے اب بتاؤ سزا کیا دے" اسماعیل نے شوخی سے کہا اور پتی خود ڈالنے لگا۔

مرحا نے اپنی مہندی بھری ہتھیلیاں اُس کے سامنے پھیلا دیں۔ "دیکھو... ابھی ہاتھوں کی مہندی بھی نہیں اُتری اور کچن میں جھونک دیا"

اسماعیل نے مسکراتے ہوئے اُس کے ہاتھ تھام لیے۔ "تو پھر کیا کیا جائے"

"آدھا کام تم کرو، آدھا میں۔" مرحا اپنے دوپٹے کے پلو سے اُس کے ماتھے کا پسینہ صاف کرتے ہوئے لاڈ سے بولی۔

"اچھا جی اور میرے حصے کا آدھا کام کیا ہو گا؟" اسماعیل اُس کی نیت بھانپ گیا۔

"چائے تم بناو، کپ میں میں ڈال دو گی" مرحا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جی نہیں ایسا کچھ نہیں ہونے والا" اسماعیل نے اُس کو چولہے کے پاس کر دیا۔

"پلیز نا بنا دو" مرحا اُس کے قریب آگئی، آواز میں وہ نخرہ تھا۔

اسماعیل نے ہار مان لی۔ "کیا یاد کرو گی بنا دیتا ہوں۔" وہ چائے پھینٹنے لگا اور مرحا شرارت سے پاس ہی سلیب پر بیٹھ گئی۔

"چائے کے بدلے میں مجھے کیا ملے گا" اسماعیل نے اُس کے گال پر چٹکی کاٹی۔

مرحا نے فوراً منہ بنایا "رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنم میں جاتے ہیں"

اسماعیل نے ہنستے ہوئے اُس کا ناک کھینچا۔ "واہ! بارہویں فیل بیوی کو اتنی معلومات کہاں سے آ گئیں"

"سولہ جماعتیں پاس ہے میرا شوہر...اُسی نے بتایا تھا" مرحا نے اُس کے بال درست کیے۔

اسماعیل لمحہ بھر کے لیے اُس کی باتوں میں کھو گیا

"تمہیں میری باتیں اتنی یاد کیسے رہتی ہیں"

مرحا نے سادگی سے جواب دیا" جن سے محبت ہو اُن کی باتیں کبھی نہیں بھولتیں "

اسماعیل کپ رکھ کر اُس کی طرف پلٹا "یہی باتیں تو مجھے تمہارا مرید بنا دیں گی"

اتنے میں کچن کے دروازے پر رمشاء آ کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں جلن لبوں پر مسکراہٹ کا زہر۔

"بیوی مرید بن گئے ہو پیچھے کیا رہ گیا ہے"

اسماعیل ہڑبڑا گیا اور مرحا سے قدرے فاصلے پر ہو گیا۔

"تم نے اپنے گھر کب جانا ہے؟" اسماعیل نے سیدھے ہوتے جواب دیا۔

"یہ میرے امی ابو کا گھر ہے جب تک دل چاہے رہوں گی" رمشاء مزید بھڑ کی۔

اسماعیل نے بات کو ہلکا کرنے کے لیے چھیڑا "ارے میں نے کب کہا میرا ہے... لیکن اتنی کڑوی باتیں کیوں کرتی ہو"

"میں تمہاری بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی۔ چائے لینے آئی تھی جا رہی ہوں لے کر"

رمشاء کپ اٹھا کر تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ پیچھے مرحا نے اپنے شوہر کو گھورا ۔

"اسماعیل تمہیں رمشاء آپی اچھی نہیں لگتیں کیا"

اسماعیل نے اُس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی "نئی نویلی دلہن... دماغ پر زور مت ڈالو۔ بہن ہے وہ میری کیسے اچھی نہیں لگے گی"

"پھر تنگ کیوں کرتے ہوں اُن کو" مرحا نے خفگی سے کہا۔

"یار وہ ناراض ہے اس لیے ایسی باتیں کرتا ہوں" اسماعیل اُس کو اپنے حصار میں لیے کچن سے نکل گیا۔

"وہ کیوں ناراض ہے تم سے" مرحا صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"وہ چاہتی تھی اُس کی نند کی شادی مجھ سے ہو میں نے انکار کر دیا... تب سے ناراض ہے"

"تو پھر کر لیتے" مرحا نے شرارت سے کہا۔

اسماعیل اُس کے کان کے قریب جُھکا "مجھے چڑیل بیوی چاہیے تھی، اسی لیے انکار کر دیا"

مرحا اُس کی بات پر ہنس پڑی۔ صحن میں ہوا کے ہلکے جھونکے چلنے لگے، اور لمحہ بھر کو موسم بھی مہربان سا ہو گیا۔

ہاسپٹل کے کمرے میں ہلکی پیلی روشنی جل رہی تھی، سفید دیواروں پر مدھم سایے لرز رہے تھے۔ مشینوں کی بیپ بیپ اور ڈرپ کی ٹپ ٹپ ایک عجیب

خاموشی میں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔ فردان سفید چادر میں ڈھکا ہلکی سی جنبش کے ساتھ بیڈ پر لیٹا تھا۔ اس کی آنکھیں آدھی موندھی ہوئی تھیں۔ سانسیں بے ربط سی چل رہی تھیں۔

دروازہ آہستگی سے کھلا اور سیام کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کی نظریں سیدھی اپنے بھائی پر جا ٹھہریں۔ کتنی مشکلوں سے اُس نے رئیسہ کو حفصہ بیگم کے ساتھ گھر بھیجا تھا تاکہ فردان کو سکون مل سکے۔ اب کمرے میں صرف وہ اور امروز صاحب تھے۔

سیام دھیرے دھیرے قدموں سے آگے بڑھا اور بیڈ کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے فردان کے ماتھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ جیسے بچپن کی یادیں انگلیوں کے لمس میں سمٹ آئیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری" اُس کی آواز ٹوٹے ہوئے شیشے جیسی تھی، مگر محبت اور فکر سے بھری ہوئی۔

فردان نے آہستگی سے ڈرپ والے ہاتھ کو اٹھا کر اپنے بھائی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "پہلے سے بہتر ہے" اُس کی آواز میں کمزوری کے ساتھ ایک ان کہی تھکن بھی شامل تھی۔

سیام کے لب کپکپائے، آنکھوں میں چھپی بے بسی زبان پر آ گئی۔

"فردان تم اتنی ٹینشن اپنے دل میں کیوں پالی؟ مجھ سے کیوں نہیں کہا"

فردان کی بند آنکھوں کے کونے نم ہو گئے۔ آنسو تکیے میں جذب ہو کر خشک ہونے لگے۔

"مجھے اُس وقت کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا"

سیام نے گہرا سانس لیا، جیسے خود کو قابو میں کر رہا ہو۔ اُس کی نظریں اپنے بھائی کے کمزور وجود پر جم گئیں۔

"فردان، اللہ نے پہلے تمہیں روما کا ساتھ دے کر آزمایا تھا اب اُسے واپس لے کر آزما رہا ہے۔ یہ صرف آزمائش ہے مجھے یقین ہے کہ وہ تم تک لوٹ کر ضرور آئے گی"

سیام بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا اور اپنے بھائی کے قریب ہوتے ہوئے اُس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"بھائی صبر تو کر رہا ہوں، مگر مجھ سے ہو نہیں رہا پلیز آپ اُسے ڈھونڈیں"

فردان کی آواز میں ایسی کربناک اپیل تھی کہ کمرے کی خاموشی بھی تھرتھرا گئی۔

سیام نے اُس کے ڈرپ والے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں سمیٹ لیا، جیسے اُس کی بے بسی کو چھپا لے۔

"فردان، ڈاکٹر نے منع کیا ہے تم ٹینشن نہیں لو۔ ان شاءاللہ وہ ضرور ملے گی ہم اُسے ڈھونڈ لیں گے۔ اللہ کسی کو بھی اُس کی جان سے زیادہ نہیں آزماتا"

انجیکشن کا اثر گہرا ہونے لگا۔ فردان کی پلکیں بوجھل ہوئیں، وہ غنودگی میں ڈوبتا چلا گیا۔ کمرے کی مشینوں کی آوازیں مدھم سی سنائی دینے لگیں۔ سیام اُس کے پاس بیٹھا رہا، اُس کا ہاتھ تھامے ہوئے، جیسے وہ اپنے لمس سے فردان کے اندر ہمت بھرنا چاہتا ہو۔

موبائل کان سے لگائے ایک ہاتھ میں سگریٹ پکڑے وہ ثمن کی باتیں سن رہا تھا۔ رات کا پُرسکون ماحول تھا لیکن شہسوار کے چہرے پر تناؤ کی باریک لکیریں صاف جھلک رہی تھیں۔

"مجھے لگتا ہے وہ اپنے کیے پر تم سے معافی مانگ لے گی" ثمن کی نرم مگر پُرزور آواز موبائل سے ابھری۔

شہسوار کے ہونٹوں پر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ آئی۔ "ثمن وہ فاطمہ ابراہیم ہے جس نے آج تک اپنے والدین سے معافی نہیں مانگی... وہ مجھ سے مانگے گی" اُس کی آواز میں تمسخر تھا۔

"فاطمہ ابراہیم کے ساتھ وہ ایک بیوی بھی ہے۔ بیویاں اپنے شوہر سے معافی مانگ لیتی ہیں" ثمن نے جل کر جواب دیا۔ مگر مجال ہے جو یہ آدمی اُس کی بات سُن لے۔

ابھی وہ اُس کی جھنجھلاہٹ پر مسکرا ہی رہا تھا کہ اچانک اُس کی نظر بلیڈنگ کے گیٹ پر جا ٹھہری۔ وہاں سے فاطمہ باہر نکل رہی تھی۔ شہسوار لمحہ بھر کو ساکت رہ گیا۔ جیسے اچانک وقت رُک گیا ہو۔ اُس کے ہاتھ میں پکڑی سگریٹ کی راکھ

ہوا میں لرز کر نیچے گری اور وہ یکدم سب کچھ بھول گیا یہاں تک کہ وہ فون پر ہے۔

"کہاں کھو گئے ہو؟ میری آواز آرہی ہے نا" ثمن نے زور سے کہا۔

شہسوار کے لبوں سے دھیما سا جملہ نکلا "ثمن... میں یہاں سے بھاگنا چاہتا ہوں" اُس کی آنکھیں ابھی بھی فاطمہ پر جمی ہوئی تھیں جو آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"کیا مطلب" ثمن اُس کے لہجے کا مطلب نہ سمجھ سکی۔

"یار... وہ میرے پاس آرہی ہے" شہسوار نے آنکھیں میچ کر جیسے اپنی کیفیت چھپانے کی کوشش کی۔

ثمن نے فوراً مشورہ دیا "اگر وہ بلائے تو اگنور کر دینا... تھوڑی سی ناراضگی تم بھی دکھاؤ"

شہسوار کا تناؤ غصے میں بدل گیا" ثمن وہ جب دور کھڑی ہوتی ہے تب میں اگنور نہیں کر پاتا... تم چاہتی ہو جب وہ میرے پاس آ جائے تو میں نظر انداز کر دوں یہ نہیں ہو گا مجھ سے"

"توبہ ہے تم دونوں سے" ثمن بھی جھنجھلا اٹھی۔

شہسوار نے گہری سانس کھینچی "فون رکھو... پھر بات کرتا ہوں، وہ قریب آ گئی ہے" اُس نے ایک نظر فاطمہ پر ڈالی جواب بالکل پاس تھی۔

"سنو کال مت کاٹنا، مجھے تم دونوں کی باتیں سننی ہیں" ثمن نے شرارت سے کہا۔

شہسوار نے حیرت سے پلکیں جھپکیں "تمہیں شرم نہیں آئے گی میاں بیوی کی باتیں سنتے ہوئے"

"نہیں آئے گی... پلیز مت کاٹنا، مجھے سننا ہے" ثمن ضد پر اُتر آئی۔

"اگر تم نے فون بند نہ کیا تو میں تمہیں بلاک کر دوں گا" شہسوار کے لہجے میں سختی اُتر آئی۔ مگر اُس کے الفاظ پورے بھی نہ ہوئے تھے کہ ثمن نے کال کاٹ دی۔

شہسوار نے موبائل جیب میں ڈال دیا۔ سگریٹ کو پیروں تلے مسلا اور ایک لمحے کو گہری سانس لی۔

سامنے فاطمہ تھی اور اُس کے دل کی بے چینی ہر لمحہ تیز تر ہو رہی تھی

"کیا میں یہاں بیٹھ جاؤں" فاطمہ نے جھجکتے ہوئے اجازت مانگی۔

شہسوار خاموشی سے بینچ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ اُس کی خاموش رضامندی تھی کہ وہ بیٹھ سکتی ہے۔ فاطمہ نے پلکیں جھپکیں "تم ساتھ بیٹھ سکتے ہو"

وہ بغیر جواب دیے تھوڑا فاصلے پر بیٹھ گیا۔ فاطمہ کے لیے یہ فاصلہ طویل اور بوجھل لگ رہا تھا۔ اُس نے ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں الجھانا شروع کر دیا جیسے الفاظ کی کمی کو چھپانے کی کوشش ہو۔

کچھ لمحوں بعد شہسوار کی برداشت جواب دے گئی "تم یہاں کیوں آئی ہو"

فاطمہ نے دوپٹہ مٹھیوں میں بھینچا "تم کمرے میں نہیں تھے اس لیے یہاں آ گئی "

شہسوار کا لہجہ سخت تھا مگر اُس کی آنکھوں میں چھپی نرمی کا گمان اب بھی کم نہ تھا" میرے ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں پڑنا چاہیے تمہیں"

وہ اب بھی وہی شرٹ پہنے ہوئے تھا جس پر فاطمہ نے چائے پھینکی تھی۔ مگر اُس کے اوپر ایک سیاہ جیکٹ تھی۔ شاید سردی سے بچنے کے لیے۔

"تمہیں میری باتیں بُری لگی کیا" فاطمہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا جیسے جواب کی پرواہ کے باوجود سوال زبان سے نکل گیا ہو۔

"اگر تم مجبوری کے تحت یہاں آئی ہو تو جا سکتی ہو" وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی دباؤ میں اُس کے قریب آئے۔

یہ سن کر فاطمہ نے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

"مجھے بس مما کی یاد آ رہی تھی، اسی لیے سارا غصہ تم پر نکال دیا۔ میں یہ نہیں کرنا چاہتی تھی... پتہ نہیں کیسے ہو گیا یہ سب "اُس نے شرمندگی سے کہا اور ایک نظر اُس کی شرٹ پر گرِی چائے کے داغ کی طرف دیکھا۔

شہسوار کا لہجہ بھاری ہو گیا "اگر تمہیں اپنی مما کی یاد آ رہی ہے تو میں تمہیں پاکستان بھیج دیتا ہوں۔ بتاؤ کب جانا ہے"

یہ سن کر فاطمہ کی آنکھوں سے گرم آنسوؤں کی لڑیاں نکل آئیں جنہیں وہ روکنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ناکام رہی۔ اُس نے تیزی سے اُس کے قریب ہو کر شہسوار کے ہاتھ تھام لیے جو آپس میں جُڑے ہوئے تھے۔ شہسوار اُس کی اس حرکت پر حیران رہ گیا۔

"پلیز شہسوار پلیز مجھے واپس نہیں جانا۔ اب میں تم سے بدتمیزی نہیں کروں گی پکا پرامس... لیکن مجھے پاکستان نہیں جانا پلیز مجھے نہیں جانا" اُس کے آنسوؤں کی روانی اور آواز کی کپکپاہٹ نے ماحول کو بھگو دیا۔

شہسوار نے اُسے دیکھ کر ایک تلخ مسکراہٹ دی گویا یہ اعتراف ہوا کہ وہ صرف اس لیے اُس کے پاس آئی ہے کہ کہیں وہ اُسے واپس نہ بھیج دے۔

"تمہاری اجازت کے بغیر کہیں نہیں بھیجوں گا فاطمہ۔ اب رونا بند کرو" اُس نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

مگر اُس کے دل کی نگاہ کہیں اور اٹک گئی فاطمہ کی ناک میں پہنی ہوئی باریک نوز رنگ پر۔ وہ خود سے یہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ زیور اُس پر اچھا لگ رہا ہے یا یہ صرف اُس نوز رنگ کی وجہ سے وہ اتنی دلکش لگ رہی تھی۔

"اب تم میرا ہاتھ چھوڑ سکتی ہو" شہسوار نے اپنے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔ اُس کے لہجے میں تھکن بھی تھی اور ایک عجیب سا ضبط بھی۔

فاطمہ نے اگلے ہی لمحے ہاتھ چھوڑ دیا اور کچھ فاصلے پر کھسک گئی۔ اُس کی آنکھوں میں پشیمانی کے ساتھ ساتھ جھجک بھی تھی۔

"میں نے تمہاری بہت انسلٹ کی نا" اُس کے لب ہولے سے ہلے، مگر مجال ہے جو وہ صاف لفظ سوری ادا کر پاتی۔

شہسوار کے دل میں ایک خفیف سا درد ابھرا۔ "میں اس دنیا میں تم سے ذلیل ہونے ہی تو آیا ہوں "اُس نے دل میں کہا۔

فاطمہ نے ہمت کر کے لب کھولے "ایم۔۔" وہ سوری کہنا ہی چاہتی تھی کہ شہسوار نے اچانک اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُس کے لبوں پر رکھ دیا۔

"سوری مت کرنا... مجھے معافی نہیں چاہیے فاطمہ "اُس کے لہجے میں ایک عجیب کرب چھپا ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحے اُس نے اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اُس کی انا عزیز تھی اُسے۔

فاطمہ کے دل کی دھڑکن تیز تھی۔ "میں کوشش کروں گی خود کو تمہاری طرف راغب کرنے کی"

شہسوار کے ہونٹوں پر کھوکھلی ہنسی آئی۔ ابھی بھی کوشش کرے گی وہ؟ ہر بار تو اُس نے اپنی انا قربان کی تھی، اور یہ صرف کوشش کا وعدہ کر رہی ہے۔

کچھ لمحے کی خاموشی کے بعد اُس نے رخ موڑا۔ "ایک بات کہوں"

فاطمہ نے نظریں چرائیں "بولو"

"ایک شعر سناؤں شاید وہ تمہیں کچھ سمجھا دے" اُس کے لہجے میں نرمی تھی۔

"سناؤ" فاطمہ نے دھیرے سے کہا۔

شہسوار کے الفاظ رات کے سکوت میں تیرنے لگے۔

"تمہارا ہونے کے فیصلے کو میں اپنی قسمت پر چھوڑتا ہوں

اگر مقدر کا کوئی ٹوٹا کبھی ستارا، تو میں تمہارا

یہ کس پر تعویز کر رہے ہوں

یہ کس کو پانے کے ہیں وظیفے

تمام چھوڑو بس ایک کر لو جو استخارہ... تو میں تمہارا"

یہ اشعار سن کر فاطمہ دم سادھ گئی۔ لمحہ بھر پہلے جو نظریں چرا رہی تھی، اب بے اختیار اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگی۔ شہسوار نے اپنے الفاظ سے اُسے ایک ہی اشارہ دیا تھا سب چھوڑ دو، میرے لیے ایک استخارہ کر لو شاید یہی تمہارے حق میں بہتر ہو۔

اچانک وہ بینچ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اس سے زیادہ تمہیں اس حلیے میں یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتا جاؤ کمرے میں "لوگوں کی نظریں وہ اُس پر دیکھ چکا تھا۔

اچانک اُس نے اپنی حالت پر غور کیا تو بے ساختہ وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ فاطمہ کے گال گلابی اور آنکھیں اور بھی گہری سرخ ہو گئیں۔ سیاہ شلوار قمیض میں وہ واقعی حسن کی انتہا پر لگ رہی تھی گویا حوروں کو مات دے گئی ہو۔

"تم نہیں چلو گے" اُس نے بے ساختہ کہا۔

شہسوار نے نظریں چرائیں اور واپس بیٹھ گیا "میرا نہیں خیال کہ تمہیں میری ضرورت ہے"

فاطمہ نے بہانہ بنایا "مجھے بھوک لگی ہے"

"کچن میں کھانا رکھا ہے کھالو" جیسے قسم کھالی ہو کہ کمرے میں ساتھ نہیں جانا۔

فاطمہ نے اُس کی طرف دیکھا "مجھے پاستہ کھانا ہے"

یہ سن کر شہسوار بے اختیار اُس کی طرف دیکھ بیٹھا۔ اُس کے لب ہلنے کے باوجود وہ خود کو دیکھنے سے روک نہ سکا۔ اُس کے رخسار پر بکھرا اداس حسن، دو آوارہ لٹیں جو بار بار اُس کے چہرے کو چھو رہی تھیں، ناک میں چمکتی نوز رنگ جو اُس کے حسن کو اور جلا دے رہی تھی، اور وہ ہاتھ جواب بھی بے چینی سے انگلیوں کو مروڑ رہے تھے۔

شہسوار کا دل بے ساختہ چیخ اُٹھا:

"اس کی طرف مت دیکھو، شہسوار... جان لے لے گی تمہاری"

"سچ میں بھوک لگی ہے "اُس نے تصدیق چاہی۔ شہسوار کو لگا شاید وہ انکار کر دے گی۔

"ہاں سچ میں لگی ہے " وہ اب بھی انگلیوں کو مروڑ رہی تھی۔ شہسوار کے لبوں سے نیم طنزیہ نرم جملہ

نکلا۔

"انگلیاں مت توڑ لینا... ابھی ضرورت ہے ان کی تمہیں اگر یہ ٹوٹ گئیں تو چائے کیسے پھینکو گی مجھ پر"

فاطمہ کے لبوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ ابھری جسے اُس نے فوراً چھپا لیا۔

"آؤ، چلیں" شہسوار نے آخر کار ہار مانی اور قدم آگے بڑھائے۔ اس عورت کے آگے وہ ہزار بار ہار سکتا تھا۔

فاطمہ اُس کے پیچھے چلنے لگی۔ آج جانے کیوں اُس کے پیچھے چلنا اُس کو اچھا لگ رہا تھا۔

باب ہشتم: 08

ناگواری سے نیاز مندی تک

~اُسے کچھ بھی کہے گا کوئی اور وہ مان لے گی
آتے ساتھ ہی مجھ پر وہ سینا تان لے گی

اناڑی ہاتھوں میں سونپی ہوئی ہے، میں نے عادل
یہ لڑکی دیکھنا اِک روز میری جان لے گی

ایک اور جمعرات کی صبح، جیل کے فرش پر بچھے اندھیرے کا پردہ ذرا سا ہٹا تو پھر وہ دن آ گیا جس میں اُسے زبردستی روشنی کی طرف کھینچا جاتا تھا۔ جیلر کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہی موسیٰ کے دل میں ایک بوجھ سا اُتر آتا۔ اب روشنی اُس کے لیے آزادی نہیں رہی تھی قید بن گئی تھی۔ قید وہ تھی جہاں یادوں کی کرنیں اندھیرے سے بھی زیادہ چبھتی تھیں۔ اندھیرے میں وہ سکون پاتا تھا، جیسے وہاں کوئی اُس کے قریب آ بیٹھا ہو۔

آہستہ آہستہ دروازے کی چرچراہٹ ہوئی، اور صحن کے ایک کونے میں بیٹھا وہی بوڑھا نمودار ہوا جو ہر جمعرات اُس کا ہمسفر بن جاتا تھا۔

"تم پچھلے جمعرات باہر کیوں نہیں آئے میں تمہارا انتظار کر رہا تھا"

موسیٰ نے گردن جھکائی

"اندھیرے میں سکون ملتا ہے مجھے... روشنی اچھی نہیں لگتی اب"

بوڑھے نے تعجب سے پلکیں جھپکیں۔ "روشنی عجیب کیوں لگتی ہے تمہیں"

موسیٰ کے ہونٹوں پر ایک کڑوی مسکراہٹ اُبھری۔ "اندھیرے میں وہ ساتھ ہوتی ہے... میں اُس کی موجودگی محسوس کرتا ہوں"

بوڑھے کی آنکھوں میں چمک سی آگئی "اسے عشق کہتے ہیں۔ عشق کے کئی مقام ہوتے ہیں۔ لگتا ہے تم اُن میں سے کسی ایک پر ہو"

موسیٰ نے نظریں اُٹھا کر بوڑھے کی آنکھوں میں جھانکا۔ "کون سے مقام پر"

"آخری مقام پر... جہاں محبوب پاس نہ ہو مگر پھر بھی ہر سانس اُس کی موجودگی کی گواہ ہو" بوڑھے نے آسمان کی طرف رخ کر کے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

موسیٰ کا دل دھڑک اُٹھا۔ "اور آخری کون سا ہے"

"موت" بوڑھے نے دھیرے سے کہا۔

لمحے بھر کو سکوت چھا گیا۔ پھر موسیٰ کے لب ہلے۔ "شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں" اُس کے لہجے میں پہلی بار شکستگی اور اعتراف گھل آیا۔

"تو پھر دعا مانگو اپنے لیے" بوڑھے کی بات پر موسیٰ ہنس پڑا۔

موسیٰ کی ہنسی زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ "میرے لیے دعا کرنے والی اکلوتی میری ماں تھی، جو مر گئی۔ پھر وہ آئی... مختصر عرصے کے لیے میرے پاس آئی... وہ بہت دعائیں کرتی تھی میرے لیے۔ لیکن وہ بھی چلی گئی تو اب کوئی نہیں ہے جو میرے لیے دعا کرے۔ حتیٰ کہ میں خود بھی اپنے لیے دعا نہیں کر سکتا"

بوڑھے کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ سامنے بیٹھا شخص جتنا طاقتور لگتا تھا، اتنا ہی ٹوٹا ہوا تھا۔

"کیا پتا کوئی تمہارے لیے دعا کرتا ہو" اب کی بار موسیٰ کی ہنسی عجیب تھی۔

اُس کی مسکراہٹ ایسی تھی کہ جیسے جلتے ہوئے اندھیرے میں کوئی دیا جل اُٹھے۔ اُس کی خوبصورتی اور شدت دل کو چیر دیتی تھی۔

"لوگ مجھے بددعا تو دے سکتے ہیں مگر دعا نہیں". موسیٰ کے جواب پر سناٹا چھا گیا۔ پھر بوڑھے نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا

"تمہاری کوئی آخری خواہش ہے"

موسیٰ نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔ آنکھوں میں ایک ضد، ایک حسرت چمک رہی تھی۔

"ایک خواہش ہے بس"

"کیا" بوڑھے نے بے تابی سے پوچھا۔

"مجھے ایک بار پھر اقتدار ملے... اور میں اُسے فاطمہ ابراہیم کے قدموں پر قربان کر دوں"

بوڑھا کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا۔ بادشاہ کی خواہش کتنی سادہ لگ رہی تھی مگر حقیقت میں کتنی ناممکن تھی۔ ہر خواہش پوری نہیں ہوا کرتی۔

بوڑھا آہستہ آہستہ اُٹھ کھڑا ہوا "میری نماز کا وقت ہو گیا ہے... میں چلتا ہوں"

وہ بنا مزید کچھ کہے رخصت ہو گیا۔ جیل کے صحن میں پھر خاموشی اُتر آئی۔ بس موسیٰ کی آنکھوں میں روشنی اور اندھیرے کی جنگ ابھی تک جاری تھی۔

دو مہینے بیت گئے، مگر وقت جیسے فردان کی گھڑی میں رُک گیا تھا۔ اُس نے اپنے دکھ کو کام کے بوجھ میں دفن کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ دفن ایک ایسی قبر تھی جس پر مٹی ڈالی ہی نہ جا رہی ہو۔ وہ گھنٹوں آفس کے کمرے میں بیٹھا کمپیوٹر کی اسکرین پر نظریں جمائے رہتا، کی بورڈ کی ٹک ٹک میں اپنے دل کی خاموشی کو چھپاتا۔ کسی سے بات نہیں کرتا، کسی کو اپنے قریب آنے کی اجازت نہیں دیتا۔

روما کی جدائی کا روگ اب بھی اُس کے جسم کی رگوں میں تازہ خون کی طرح دوڑ رہا تھا۔ جیسے ہر دھڑکن کے ساتھ اُس کی یاد زہر گھول دیتی ہو۔

اسی لمحے دروازہ ہلکے سے کھلا۔ اندر سارہ آئی، اُس کی کولیگ۔ اُس کے ہاتھ میں کھانے کا ڈبہ تھا اور آواز میں مانوس سی مٹھاس۔

"فردان... لنچ کے لیے آجایئے"

فردان چونک سا گیا، جیسے کسی نے گہری نیند سے جھنجھوڑ دیا ہو۔ اُس نے سارہ کو دیکھا مگر اُس کی آنکھوں میں اجنبی سا خالی پن تھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے... آپ لوگ کریں"

یہ کہہ کر وہ دوبارہ اسکرین کی طرف جھک گیا۔ جیسے اُس کے اور دنیا کے بیچ کوئی شیشے کی دیوار کھڑی ہو۔

سارہ نے تھوڑی دیر اُس کو دیکھا، پھر دھیرے سے کمرے سے نکل گئی۔ اور فردان... وہ اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اُس کے ہاتھ چل رہے تھے، کام جاری تھا، لیکن آنکھوں کے پیچھے ویرانی تھی۔

روما نے خود کو تھکاوٹ اور نیند سے آزاد کر کے بس ایک ہی چیز کے لیے وقف کر دیا تھا: اپنا برینڈ۔ کمرے میں فائلوں کے ڈھیر، خوشبوؤں کے سیمپلز اور چھوٹے چھوٹے بوتلوں سے بھری الماریاں اُس کی رات دن کی محنت کا ثبوت دے رہی تھیں۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر تیزی سے چلتی ہوئی اُس کی انگلیاں ایسے لگتی تھیں جیسے وقت کے ساتھ دوڑ رہی ہوں۔

ماہ جبین بیگم دروازے کے قریب کھڑی اُسے دیکھ رہی تھیں۔ بیٹی کی آنکھوں کے نیچے سیاہ ہلکے اور بے ترتیب رف جوڑا اُنہیں چبھ رہا تھا۔ کبھی حسین چہرہ، اب کام کی بے رحم دوڑ میں تھکن سے بوجھل ہو گیا تھا۔

"روما... پہلے کھانا کھا لو بیٹا، بعد میں کر لینا"

ماہ جبین کی آواز میں نرمی تھی مگر فکر صاف جھلک رہی تھی۔

روما نے ذرا سا سر اُٹھایا، چشمے کے پیچھے چھپی آنکھوں میں ضد اور شوق کی چمک تھی۔ "ماں... بس آئی"

ماہ جبین بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری "بیٹا، اتنی دیر تک بیٹھنا تمہاری صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ اپنی حالت پر ترس کھاؤ تم ماں بننے والی ہو"

لیکن روما جیسے سب کچھ بھول چکی تھی۔ اُس نے سر جھکا کر تیزی سے ٹائپنگ شروع کر دی۔

"ماں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ بس دعا کریں۔ یہ جو پرفیوم لاؤنچ ہونا ہے... اُس کی سیلنگ اچھی ہو۔ اسی کے فارمولاز فائنل کر رہی ہوں"

ماہ جبین نے اُس کے قریب آکر لیپ ٹاپ کا ڈھکن بند کر دیا۔

"ان شاءاللہ اچھا ہوگا، بیٹا۔ لیکن پہلے کھانا کھاؤ اُٹھو شاباش"

ماحول میں ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔ باہر برتنوں کی کھنک اور باورچی خانے سے اُٹھتی خوشبو، اندر روما کے کمزور وجود اور اُس کی ضد سے ٹکرا رہی تھی۔

روما نے بے چینی سے لب کاٹے۔ وہ جانتی تھی ماں سچ کہہ رہی ہیں۔ مگر اُس کی ضد، اُس کا جنون، اور اُس کے خواب... اُسے چین نہیں لینے دیتے تھے۔

رئیسہ پریگننسی کے آخری حصے میں تھی۔ اُس کے وجود پر بوجھ بھی تھا اور دل پر ایک عجیب سا خلا بھی۔ سیام اپنی طرف سے اُس کا بھرپور خیال رکھتا، لیکن یہ وہ وقت تھا جب رئیسہ کو ماں باپ کی کمی شدت سے کھٹکنے لگی تھی۔ کمرے کی نیم مدھم روشنی میں وہ بستر کے کنارے پر بیٹھی خلا میں نظریں جمائے ہوئی تھی۔

دروازہ چرچراتے ہوئے کھلا۔ سیام اندر آیا، الماری سے اپنی شرٹ نکالی "رئیسہ امی بُلا رہی تھیں تمہیں"

کوئی جواب نہ ملا۔ رئیسہ ہنوز چُپ تھی جیسے کہیں اور کھو گئی ہو۔

سیام نے پلٹ کر اُسے دیکھا "رئیسہ میں تم سے بات کر رہا ہوں"

وہ چونکی، آنکھوں کے کنارے تیزی سے صاف کرنے لگی۔ "ہاں... ہاں، سُن رہی ہوں"

سیام قریب آیا۔ "رئیسہ کیا ہوا ہے؟ تم رو کیوں رہی ہو"

یہ وہ لمحہ تھا جب رئیسہ کا ضبط ٹوٹ گیا۔ "سیام... مجھے موم کی یاد آ رہی ہے"

الفاظ ادا ہوتے ہی اُس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی۔

سیام نے گھبرا کر فوراً اُسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

"رئیسہ... یار، کیا ہو گیا ہے؟ ادھر دیکھو میری طرف"

وہ جانتا تھا ڈاکٹر نے اسی ہفتے کی ڈیٹ دی ہے۔ یہ وقت کتنا مشکل ہے، اور اوپر سے رئیسہ کے والدین بھی اُس کے ساتھ نہیں ہیں۔ اُس نے اپنے دل میں ایک ٹیس سی محسوس کی۔

رئیسہ اُس کے سینے سے لگتے ہی مزید بھر آئی۔

"سیام مجھے نہیں پتا... بس رونا آ رہا ہے"

وہ اُس کے کندھے پر چہرہ چھپا کر بے بسی سے لرزنے لگی۔

سیام نے اُس کے بال سہلائے۔ "رئیسہ یہ نارمل ہے اس کنڈیشن میں۔ آؤ، تم لیٹ جاؤ۔ میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے آتا ہوں"

وہ آہستگی سے اُس کا سر تکیے پر رکھنے لگا لیکن رئیسہ نے اُس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ لی۔

"نہیں... تم میرے پاس رہو۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے"

سیام کا دل بھر آیا۔ اُس نے جھک کر اُس کا ماتھا چوما۔

"اوکے... میں تمہارے پاس ہوں۔ بس سو جاؤ"

اُس نے رئیسہ کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔ لمحہ بہ لمحہ رئیسہ کی ہچکیاں کم ہونے لگیں۔ کمرے میں بس مدھم سانسوں کی سرگوشی باقی رہی۔ سیام خاموشی سے اُس کے پاس بیٹھا رہا، اور آہستہ آہستہ رئیسہ کی آنکھیں نیند کی پناہ گاہ میں اُتر گئیں۔

گرین وچ کی خنک شام جیسے آہستہ آہستہ فاطمہ کے دل میں بھی اُتر رہی تھی۔ اب شہسوار کے نام کے ساتھ جو تپش کبھی دل میں بھڑک اٹھتی تھی، وہ دھیرے دھیرے ایک سکون میں بدلنے لگی تھی۔ شہسوار اب پہلے کی طرح ہر وقت اُسے آواز نہیں دیتا تھا، اور یہی کمی اب فاطمہ کے دل کو چبھنے لگی تھی۔ وہ

خود کو اُس کی پسند کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کر رہی تھی، جیسے کوئی بیل آہستہ آہستہ اُس درخت کا سہارا ڈھونڈ لیتی ہے جس سے لپٹنا مقدر ہو۔

اس تبدیلی میں بڑی بی کا ہاتھ سب سے نمایاں تھا

"یہ لو بیٹا چائے پیو"

بھاپ اُٹھتے ہوئے کپ کی خوشبو نے ماحول کو مزید مانوس بنا دیا۔

"ارے اس کی کیا ضرورت تھی"

"ضرورت تھی بیٹا، باہر دیکھو موسم کیسا ٹھنڈا ہو گیا ہے، بس اسی لیے لے آئی ہوں" بڑی بی اُس کے پاس صوفے پر بیٹھ گئیں۔

فاطمہ نے آہستہ سے کپ تھاما اور ایک چھوٹی سی چسکی لی۔

"شکریہ "اُس کے لبوں پر دھیرے سے نکلا۔

بڑی بی نے نگاہوں کے ساتھ مسکراہٹ بھی دی" یہ سب چھوڑو بتاؤ شہسوار کیسا ہے تمہارے ساتھ "

یہ سوال سنتے ہی فاطمہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"ٹھیک ہے... مگر اب وہ خود کو کام میں زیادہ مصروف رکھنے لگا ہے۔ پہلے کی طرح ہر بات پہ تنگ نہیں کرتا" آواز بوجھل ہو گئی۔

بڑی بی نے نرمی سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا، جیسے ماں بچی کو دلاسہ دیتی ہے

"خیال رکھتا ہے کیا"

فاطمہ کے دل کی بند کلی جیسے کھل گئی۔ "ہاں، رکھتا ہے... مگر خاموش رہ کر۔ رات کو جاگ جاگ کر دیکھتا ہے کہ میں سو رہی ہوں یا نہیں، میرا کمبل سیدھا کرتا ہے... لیکن بات نہیں کرتا" اُس کے ضبط کے بندھن اب کھلنے لگے تھے۔

بڑی بی کی آنکھوں میں فکر کی جھلک تھی۔ "بیٹا جس محبت کو تم نے ٹھیس پہنچائی، جسے جھڑکا، وہ اگر آج بھی تمہارا یوں خیال رکھ رہا ہے تو یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ مت آزمانا اسے، کہیں دیر نہ ہو جائے"

فاطمہ اُن کی بات سُن کر لرز گئی "ایسے مت بولیں پلیز... اب کسی کو کھونے کی ہمت نہیں مجھ میں "اُس نے کپ میز پر رکھ دیا۔

فضا میں ایک گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ بڑی بی کچھ اور کہنا چاہ رہی تھیں کہ یکدم بیل بجی۔

"تم بیٹھو، میں دیکھ کر آتی ہوں" وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھیں۔

دروازہ کھولتے ہی سامنے شہسوار کھڑا تھا۔ شام کی ٹھنڈی ہوا میں اُس کی آنکھوں کی سُرخی اور چہرے کی تھکن جیسے نمایاں ہو رہی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی "اُس نے مؤدب انداز میں سلام کیا۔

بڑی بی کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "وعلیکم السلام بیٹا، کیسے ہو"

"جی میں ٹھیک ہوں... فاطمہ ادھر ہے "اُس نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں بھئی، تمہاری بیوی یہیں ہے۔ فاطمہ دیکھو، شہسوار آیا ہے تمہیں لینے" بڑی بی نے باہر سے ہی آواز لگائی۔

صوفے پر بیٹھی فاطمہ کے دل کی دھڑکن جیسے بے قابو ہو گئی۔ وہ جھجکتے قدموں کے ساتھ اُٹھی۔ شہسوار کے قریب پہنچتے ہی بڑی بی کی تیز نظر نے اُس کی حالت بھانپ لی۔

"بیٹا، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ آنکھیں بہت سُرخ لگ رہی ہیں"

شہسوار نے سر جھٹکا۔ "جی... بس سر میں درد ہے" مگر اندر ہی اندر درد کہیں زیادہ تھا۔

"آنٹی، میں چلتی ہوں۔ پھر آؤں گی۔" فاطمہ ہلکی آواز میں بولی۔

"ٹھیک ہے بیٹا، اللہ حافظ۔ " بڑی بی نے پیار بھری دعا دی اور دروازہ بند کر دیا۔

راستے میں چلتے ہوئے فاطمہ نے شہسوار کی طرف دیکھا۔ "تم آج جلدی آ گئے آفس سے "

"ہاں... طبیعت ذرا خراب تھی "اُس نے مختصر جواب دیا اور فلیٹ میں داخل ہوتے ہی کوٹ اُتار کر سیدھا کچن کی طرف بڑھ گیا۔

فاطمہ حیرانی سے اُس کے پیچھے گئی "اگر طبیعت خراب ہے تو کچن میں کیوں جا رہے ہو "

شہسوار نے چولہا جلایا "چائے بنانی ہے۔ اگر تم نے بھی پینی ہے تو بتاؤ تمہارے لیے بھی بنا دیتا ہوں "

یہ سن کر فاطمہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ لمحہ اُس کے دل میں گہری لکیریں کھینچ گیا۔ یہ شخص اپنی بیماری کی پرواہ کیے بغیر بھی اُس کے آرام کو مقدم رکھتا تھا۔

اُس نے فوراً آگے بڑھ کر اُس کا بازو تھاما اور آہستہ سے سائیڈ پر کیا۔

"تم ہٹو میں بناتی ہوں"

"رہنے دو، میں بنالیتا ہوں"

فاطمہ نے اصرار کیا "نہیں تم جا کر ٹیرس پر بیٹھو تھوڑا سکون ملے گا۔ میں بناتی ہوں"

وہ خاموشی سے باہر جا بیٹھا۔ نیچے پارک میں بچوں کی کلکاریاں گونج رہی تھیں۔

دس منٹ بعد فاطمہ نے ٹرے میں چائے لا کر اُس کے سامنے رکھی۔ وہ اُسی منظر کو تک رہا تھا۔

"یہ لو، تمہاری چائے "اُس نے دھیرے سے کہا۔

شہسوار نے اُس کی طرف دیکھ کر تشکر بھری مسکراہٹ دی "شکریہ "

کچھ لمحے دونوں خاموش بیٹھے نیچے کھیلتے سات بچوں کو دیکھتے رہے۔ فاطمہ نے خاموشی توڑی۔

" نیچھے بچے دیکھ رہے ہوں کھیلتے ہوئے "اُس نے نیچھے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں "وہ مختصر جواب دے کر خاموش ہو گیا۔

"یہ سب بہن بھائی ہیں" فاطمہ اُس کی طرف دیکھتے بولی۔

شہسوار نے غور سے دیکھا "یہ کوئی چھ... سات ہوں گے"

"سات ہیں" فاطمہ نے تصحیح کی۔

شہسوار نے کپ لبوں سے کپ ہٹایا "ان کے ماں باپ کو اور کوئی کام نہیں تھا"

"کیا مطلب" وہ اس کی بات کا مطلب نہ سمجھ سکی۔

"اتنے بچے کیا ایجینسی کھولنی تھی" اُس نے طنز کیا۔

"جس کے زیادہ بچے ہوں وہ ایجنسی کھولتا ہے" فاطمہ نے غصے سے اُس کی طرف دیکھا۔

وہ چونکا پھر خاموش ہو گیا "میں تو بس ایسے ہی کہہ رہا تھا"

لیکن فاطمہ کے لبوں سے بے اختیار ایک جملہ پھسل گیا" کل کو اپنے بچوں کو بھی ایسے بولو گے "

شہسوار نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا، جیسے یہ پہلی بار اُس نے اُس کے دل کی کوئی ان کہی بات سن لی ہو۔ فاطمہ کو اپنی بات کا ادراک ہوا اور وہ جھینپ کر اندر کی طرف بھاگ گئی۔

شہسوار نے اُسے جاتا دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر ابھر آئی۔ دو ماہ کے اندر وہ اپنی آنکھوں سے فاطمہ کو بدلتا دیکھ رہا تھا۔

کمرے میں ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی، فاطمہ ابھی بمشکل نیند کی دہلیز پر پہنچی ہی تھی کہ اُسے محسوس ہوا کمرے کا دروازہ ہلا ہے۔ اُس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں تو دیکھا شہسوار ہاتھ میں تکیہ دبائے باہر کی طرف جا رہا تھا۔

"شہسوار... کہاں جا رہے ہو" اُس نے دھیمی مگر پریشان آواز میں پکارا۔

وہ قدموں کو روک کر دروازے پر ٹھہر گیا۔

"باہر... لاؤنج میں سونے جا رہا ہوں" تکیہ مزید بازو میں بھینچتے ہوئے اُس نے سرد لہجے میں کہا۔

"لیکن کیوں" فاطمہ خود حیران رہ گئی کہ آخر وہ اُس سے پوچھ ہی کیوں رہی ہے۔

شہسوار نے آہستگی سے رخ موڑا، چہرے پر ہلکی سی تھکن اور بخار کی جھلک نمایاں تھی۔

"مجھے فیور محسوس ہو رہا ہے... زمین پر نہیں سو سکتا، اس لیے باہر جا رہا ہوں"

اُس کی آواز مدھم تھی جیسے جسم کے ساتھ حوصلہ بھی ٹوٹ رہا ہو۔

فاطمہ کا دل اچانک کسی انجانی بے چینی سے بھر گیا۔

"یہاں سو جاؤ بیڈ پر.. "اُس نے بیڈ کے دوسرے کونے کی طرف اشارہ کیا۔

شہسوار کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا "تم انکمفرٹیبل ہو گی میری وجہ سے"

"نہیں... نہیں ہوں گی۔ تم سو جاؤ "اُس نے تکیہ اپنی طرف سے ہٹا کر جگہ بنا دی۔

شہسوار دھیرے قدموں سے آیا، تکیہ رکھا اور لیٹتے ہی آنکھیں موند لیں۔ اگر خوبصورتی کے پیمانے پر اُسے اور شہسوار کو تولا جاتا تو شاید ترازو ہمیشہ شہسوار کے پلڑے میں جھکتا۔

بھوری آنکھوں کی گہرائی، چہرے پر ہلکی سی داڑھی کے ساتھ وہ نور جو صرف عبادت گزار لوگوں پر جھلکتا ہے، اور وہ تیکھے نقوش... ہر زاویے سے شہسوار بے شک خُوبصورت تھا۔ اُس کی سفید رنگت پر بخار کی ہلکی سرخی نے جیسے اُس کی کشش اور بڑھا دی تھی۔

"اگر تم ایسے دیکھتی رہو گی تو میں یہاں سو کیسے پاؤں گا؟" شہسوار نے اچانک آنکھیں کھول کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

فاطمہ بوکھلا گئی۔ جلدی سے نظریں جھکائیں اور پلکیں موند لیں۔ شہسوار کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیل گئی۔

"محترمہ کافی تیز جا رہی ہے" اُس نے دل میں کہا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

کمرے کی خاموشی کو اچانک ایک کراہٹ نے توڑ دیا۔

فاطمہ نے چونک کر آنکھیں کھولیں، رات کا آخری پہر تھا۔ اُس نے کان

دھرے تو کراہنے کی آواز قریب ہی سے آ رہی تھی۔ لیمپ آن کیا تو اُس کا دل دہل گیا۔

شہسوار تپتے ہوئے ماتھے کے ساتھ پسینے میں بھیگا ہوا تھا، جسم کپکپا رہا تھا اور وہ بے ہوشی میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

"شہسوار" فاطمہ گھبرا کر اُس کے کندھے کو جھنجھوڑنے لگی۔

"شہسوار کیا ہوا ہے تمہیں؟" اُس کی آواز لرز رہی تھی۔

ماتھے پر ہاتھ رکھا تو وہ دہکتے انگارے کی طرح جل رہا تھا۔ فاطمہ کے دل میں جیسے کسی نے برچھی مار دی ہو۔

"شہسوار، میری آواز آ رہی ہے؟ پلیز آنکھیں کھولو... میری طرف دیکھو" وہ بے بسی سے اُس کے چہرے پر تھپکیاں دینے لگی۔

اُس کے آنسو خود بخود بہنے لگے۔ یاد آیا، کتنی بار اُس نے غصے میں بددعائیں دی تھیں "مر جاؤ"—— اور آج یہی منظر اُس کے سامنے تھا تو دل ٹوٹ کے رہ گیا۔

وہ تیزی سے جوتے پہن کر فلیٹ سے باہر نکلی۔ پہلی سوچ بڑی بی کا دروازہ بجانے کی تھی۔

"فاطمہ... اتنی رات کو؟ خیریت" بڑی بی ہڑبڑا کر باہر آئیں۔

"آنٹی، شہسوار کی طبیعت بہت خراب ہے، پلیز میرے ساتھ چلیں" فاطمہ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔

بڑی بی جلدی سے اُس کے ساتھ لپکیں۔ کمرے میں پہنچ کر شہسوار کی حالت دیکھی تو فوراً ڈاکٹر کو بلوالیا۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا، دوا اور انجکشن دیا۔

"شدید سردی اور تھکن کی وجہ سے بخار چڑھ گیا ہے۔ بیٹا، اگر بخار زیادہ ہو تو ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرتی رہنا" بڑی بی نے تسلی دی اور فلیٹ سے باہر چلے گئے۔

کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ فاطمہ آہستہ سے شہسوار کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اُس کی سانسیں بھاری تھیں لیکن نیند کا اثر بھی نمایاں تھا۔

فاطمہ نے کانپتے ہاتھوں سے اُس کا ہاتھ تھاما۔

"ویسے تم کچھ زیادہ پیارے نہیں ہو..."اُس نے آہستہ سے کہا مگر آواز میں رشک چھپا تھا۔

آج پہلی بار دل نے تسلیم کیا کہ وہ شخص سچ میں خوبصورت ہے۔

اُس کے ہاتھ کو اپنی آنکھوں سے لگایا تو آنسو بہہ نکلے۔

"میں اب اکیلے نہیں رہ سکتی۔ میں نئی زندگی شروع کرنا چاہتی ہوں شہسوار... لیکن ڈر لگتا ہے۔ پہلے بھی دھوکا کھا چکی ہوں۔ سب کہتے ہیں تم جیسا کوئی نہیں...اور اب میرا دل بھی ماننے لگا ہے... مگر ڈر ہے، اگر پھر دھوکا ہوا تو"

وہ سسکیاں لیتی اُس کے ہاتھ کو چومنے لگی۔ پھر اُس کے دہکتے ماتھے پر اپنا ماتھا ٹکا دیا۔

آنسوؤں کے بوجھ کے ساتھ کب اُس کی پلکیں بوجھل ہوئیں اور نیند نے اُسے اپنے حصار میں لیا، اُسے خود بھی خبر نہ ہوئی۔

شہسوار بے خبر، خواب و غنودگی میں ڈوبا رہا... اور فاطمہ جانے انجانے میں اپنی خاموش اعترافِ محبت کر گئی۔

رات کا وہ پہر، جب پورا شہر خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا، اچانک رئیسہ کی طبیعت بگڑ گئی۔ سانسیں تیز، آنکھوں میں درد کی شدت اور ہونٹوں سے کراہنے کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ سیام کے دل کی دھڑکنیں ایک لمحے کو جیسے رُک سی گئیں۔ اُس نے ایک پل بھی ضائع نہ کیا اور حفصہ بیگم کے ساتھ رئیسہ کو لے کر ہسپتال آ پہنچا۔

ایمرجنسی وارڈ کی روشن سفید لائٹیں آنکھوں کو چبھ رہی تھیں۔ رئیسہ کو لیبر روم میں لے جایا گیا۔ باہر کھڑا سیام ایک ایک لمحہ گن رہا تھا۔ اُس کے کانوں میں رئیسہ کی کراہیں اب بھی گونج رہی تھیں۔ دل پر ہتھوڑے چل رہے تھے۔

"سیام بیٹا بیٹھ جاؤ... سب ٹھیک ہو جائے گا اللہ پر بھروسہ رکھو" حفصہ بیگم نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، مگر سیام کے قدم جیسے زمین پر ٹک ہی نہ رہے تھے۔ وہ بار بار کوریڈور کے چکر لگاتا کبھی دروازے کو گھورتا، کبھی گھڑی کی سوئیاں دیکھتا۔

ڈاکٹرز نے بتایا کہ لیبر پینز بڑھ چکے ہیں اور سی سیکشن کرنا پڑے گا۔ یہ سنتے ہی سیام کے پاؤں جیسے لرز گئے۔ اُس کے لب خشک ہو گئے اور دل پر انجانے خوف کی لہر دوڑ گئی۔

دو گھنٹے ایسے گزرے جیسے دو صدیاں ہوں۔ ہر گزرتا لمحہ اُس کے لئے قیامت بن رہا تھا۔

آخر کار آئی سی یو کا دروازہ کھلا۔ ڈاکٹرز کے ساتھ دو نرسیں باہر آئیں۔ اُن کی گود میں ننھے وجود تھے۔ وقت جیسے ٹھہر گیا۔

حفصہ بیگم سب سے پہلے لپکیں، آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔

"مبارک ہو... مسٹر سیام جڑواں بیٹے ہوئے ہے" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے سیام کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

سیام کی آنکھوں کے آگے دھندلا سا منظر تھا۔ کانپتے ہاتھوں سے اُس نے نرس سے اپنا بچہ لیا۔ چھوٹا سا وجود، کپڑے میں لپٹا ہوا، آنکھیں بند کیے نیند کی مٹھاس میں ڈوبا۔ سیام کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میری... میری وائف کیسی ہے" اُس کی آواز بے قراری سے کانپ رہی تھی۔

" بالکل ٹھیک ہیں۔ تھوڑی دیر بعد دوسرے کمرے میں شفٹ کر دیا جائے گا۔ آپ بے فکر رہیں۔" ڈاکٹر نے مطمئن لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر آگے بڑھ گئے۔ کوریڈور میں اب سکون اور خوشی کی لہر تھی۔ حفصہ بیگم دونوں بچوں کو پیار سے دیکھ رہی تھیں۔ سیام کے لبوں پر وہ دعا نکل آئی جو دل کی گہرائی سے پھوٹی تھی:

"یااللہ تیرا شکر ہے"

صبح کی ہلکی کرنیں پردوں کے بیچ سے چھن کر کمرے میں اتر رہی تھیں۔ لیمپ ابھی بھی جل رہا تھا، اور کمرے میں ہلکی سی دواؤں کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ شہسوار کی آنکھ آہستہ آہستہ کھلی۔ بھاری پلکیں اُٹھیں تو پہلا منظر جو اُس کے سامنے آیا وہ فاطمہ کا چہرہ تھا۔

وہ اُس کے بالکل قریب بیٹھی سو گئی تھی۔ اُس کا ماتھا اب بھی شہسوار کے ماتھے پر ٹکا ہوا تھا اور اُنگلیاں اُس کی انگلیوں کو ڈھیلے پن سے تھامے ہوئے تھیں۔ آنکھوں کے کناروں پر سوکھے آنسوؤں کے نشان صاف جھلک رہے تھے۔

شہسوار نے چند لمحے خاموشی سے اُسے دیکھا۔ دل کے کسی کونے میں ایک انجانی ٹھنڈک اترتی چلی گئی۔

"یہ پوری رات... میرے ساتھ بیٹھی رہی" اُس نے دل میں سوچا۔

وہ ہلکا سا حرکت کرنے لگا تو فاطمہ چونک کر جاگ گئی۔

"شہسوار... کیسی طبیعت ہے اب" گھبرا کر سیدھی ہوئی اور آنکھوں کو ملتے ہوئے بولی۔

"بہتر ہوں... لیکن تم پوری رات ایسے ہی بیٹھ کر سوتی رہی" شہسوار نے اُس کی طرف دیکھا آواز ابھی بھی بھاری تھی مگر لہجے میں نرمی گھل گئی تھی۔

فاطمہ نے نظریں چرائیں، جیسے اپنے کمزور لمحے کو چھپانا چاہتی ہو۔

"تمہاری حالت ایسی تھی... سوری مجھے پتہ نہیں چلا اور میں ایسے ہی سو گئی" وہ شرمندہ ہوئی۔ کیا سوچتا ہو گا اس کے بارے میں۔

" کبھی سوچا نہ تھا کہ میری فکر کرو گی" شہسوار کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آگئی۔

فاطمہ نے جواب دینے کے بجائے صرف نظریں جھکا لیں۔ اُس کے لب تھوڑے لرزے جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو مگر رک گئی۔

چند لمحے خاموشی کے گزرے، پھر شہسوار نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھا جو اب بھی کانپ رہا تھا۔

"فاطمہ... تم رات کو روئی تھی کیا" وہ اُس کی آنکھیں دیکھ رہا تھا جو سُرخ تھی۔

"مجھے ڈر لگ رہا تھا... تمہیں کچھ ہو نہ جائے" شہسوار چونک گیا اُس کے انکشاف پر۔

"اور اگر مجھے کچھ ہو جاتا... تو کیا فرق پڑتا تمہیں" شہسوار نے اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی۔

یہ جملہ سنتے ہی فاطمہ کی پلکوں پر نمی تیر گئی۔ اُس نے جلدی سے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"پلیز... ایسے الفاظ مت کہو۔ فرق پڑتا ہے۔۔ میرا مطلب "اُس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ وہ جملہ ادھورا چھوڑ گئی۔

"مطلب کو چھوڑوں تمہیں فرق پڑتا ہے... بس اتنا ہی کافی ہے میرے لیے" شہسوار کے دل میں جیسے کوئی چراغ جل اٹھا۔

فاطمہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ بس خاموشی سے اُس کے قریب بیٹھ گئی۔ صبح کی نرم روشنی، اُن کے درمیان ایک ان کہی تسلیم کو روشنی دے رہی تھی۔

کچھ دیر بعد رئیسہ کو آئی سی یو سے دوسرے روم میں شفٹ کر دیا گیا۔ کمرے کی ہلکی روشنی میں وہ تھکی ہاری آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔ اُس کے چہرے پر سفیدی اور پسینے کی بوندیں تھیں لیکن ماتھے پر سکون کی ایک ہلکی سی لکیر بھی نمایاں تھی۔

دروازہ آہستگی سے کھلا۔ سیام دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ اب بھی ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔ رئیسہ نے آنکھیں آہستہ آہستہ کھولیں، نظر سامنے آتے ہی مسکرا دی۔

"سیام... بچے" اُس کی مدھم سی آواز میں کمزوری بھی تھی اور بے چینی بھی۔

سیام اُس کے قریب آیا، بیڈ کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ رئیسہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ گیا۔

"الحمدللہ... اللہ نے ہمیں جڑواں بیٹے دیے ہیں"

رئیسہ کی آنکھوں میں روشنی سی اتر آئی۔ اُس کے لب کپکپائے، جیسے الفاظ ساتھ نہ دے رہے ہوں۔

"س... سچ؟ دونوں بیٹے ہے"

سیام نے سر ہلایا اور ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے چہرے پر اُبھر آئی۔

"ہاں رئیسہ... دونوں بالکل صحت مند ہیں"

رئیسہ کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہنے لگے۔ اُس نے نظریں چھت کی طرف اٹھادیں۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے..."

سیام نے اُس کے آنسو صاف کیے ماتھے کو چوما۔

"میں نے تمہیں اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا"

رئیسہ نے اُسے دھندلی آنکھوں سے دیکھا۔

"یہ میری نہیں... ہماری خوشی ہے۔ یہ سب ہمارا صبر اور تمہارے ساتھ کی خوشی ہے بس"

سیام نے رئیسہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ اُس کے دل میں جیسے دنیا کی سب سے قیمتی نعمتیں آگئی ہوں۔

"رئیسہ... آج میرا دل کہتا ہے کہ میری زندگی کی سب سے بڑی کامیابی تم ہو"

اسی لمحے حفصہ بیگم نرس کے ساتھ اندر آئیں۔ دونوں بچوں کو گود میں لے کر رئیسہ کے پاس آئیں۔ رئیسہ کے آنسو اور مسکراہٹ ایک ساتھ اُبھرے۔ وہ دونوں بچوں کو دیکھ کر کانپتے ہاتھوں سے آگے بڑھی، اور ایک بچے کو آغوش میں لیتے ہی اُس کی جان جیسے پوری ہو گئی ہو۔

کمرے میں ہلکی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کھلا ہوا بیگ بیڈ پر رکھا تھا جس میں فردان احتیاط سے کپڑے تہہ کر کے رکھ رہا تھا۔ الماری سے کپڑے نکالتے وقت اُس کے چہرے پر عجیب سی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ جیسے ہر قمیض کے ساتھ کوئی یاد بھی جُڑی ہو۔ باہر شام کی ڈھلتی روشنی کھڑکی سے جھانک رہی تھی، جو کمرے کے ایک کونے کو سنہرا اور دوسرے کو گہرا سا کر رہی تھی۔

دروازے پر آہٹ ہوئی تو فردان چونک کر پلٹا۔ حفصہ بیگم دھیرے سے کمرے میں داخل ہوئیں۔ اُن کی آنکھوں میں وہی مانوس اُداسی تھی جو پچھلے دنوں سے

فردان محسوس کر رہا تھا۔ بیٹے کو بیگ میں کپڑے رکھتے دیکھ کر اُن کی آواز ہلکے کرب میں ڈوب گئی۔

"فردان... تم کہیں جا رہے ہو"

فردان نے چند لمحے توقف کیا، پھر دھیرے سے جواب دیا۔

"جی ماں... کمپنی کی طرف سے اسلام آباد جانا ہے، آر ایف برینڈ کے ساتھ میٹنگ کے لیے"

اُس کی نظریں ماں کے چہرے پر گئیں جہاں جدائی کی پرچھائیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ حفصہ بیگم خاموشی سے آکر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"واپس کب آؤ گے "اُن کی آواز میں ایک ماں کی بے چینی صاف جھلک رہی تھی۔

فردان نے بیگ کی زپ تھوڑی سی اوپر کرتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ بنائی، لیکن آنکھوں کی سنجیدگی اُسے چھپا نہ سکی۔

"دو یا تین دن لگیں گے... پھر آ کر خوب اپنے بھتیجوں کے ساتھ کھیلوں گا"

یہ جملہ اُس نے ماں کا موڈ بہتر بنانے کے لیے کہا تھا، لیکن دل کی گہرائیوں میں ایک خالی پن سا اُتر آیا۔

حفصہ بیگم نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اُس کے سر پر پیار دیا۔ "چلو ٹھیک ہے میں کھانا لگاتی ہوں... تم ٹیبل پر آ جانا"

وہ کمرے سے نکل گئیں اور اُن کے قدموں کی چاپ مدھم ہوتے ہی کمرہ ایک بار پھر خاموشی کی گہرائی میں ڈوب گیا۔ فردان نے بیگ پر ہاتھ رکھا، مگر نگاہیں خلا میں جا اٹکیں۔ ماضی کی یادوں نے ایک بار پھر اُس کا دل جکڑ لیا...

اتوار کی دوپہر تھی۔ گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ شہسوار صوفے پر ٹیک لگائے میچ دیکھ رہا تھا۔ اسکرین پر چیئرنگ اور کمنٹری کی آوازیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ باہر سورج کی کرنیں پردوں کے درمیان سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھیں اور کمرے میں ہلکی سی چمک پھیلا رہی تھیں۔

اچانک اُس کا موبائل بج اُٹھا۔ اسکرین پر ثمن کی ویڈیو کال نمودار ہوئی۔ شہسوار نے چونک کر ریموٹ اٹھایا اور جلدی سے ٹی وی میوٹ کر کے کال ریسیو کر لی۔

"السلام علیکم کیسے ہو" ثمن کی آواز میں ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔

"وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں، تم سناؤ..." شہسوار نے بات عام رکھنے کی کوشش کی، مگر دل میں تشویش سر اٹھا رہی تھی۔

کچن سے فاطمہ نے ایک نظر شوہر کو فون پر بات کرتے دیکھا۔ لمحے بھر کے لیے اُس کی توجہ رکی، پھر اُس نے خود کو دوبارہ برتنوں اور کھانے کی خوشبو میں مصروف کر لیا۔

"میں ٹھیک نہیں ہوں..." ثمن نے جھنجلاہٹ سے کہا۔

شہسوار سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "کیوں کیا ہوا حور تو ٹھیک ہے نا" اُس کی آواز میں بے چینی در آئی تھی۔

"تم خود ہی پوچھ لو ورنہ یہ مجھے پاگل کر دے گی" ثمن نے فون آگے بڑھا دیا۔

اسکرین پر ننھی حور کا چہرہ ابھرا ہونٹ لٹکے ہوئے آنکھوں میں ضد۔ شہسوار کا دل موم کی طرح نرم پڑ گیا۔

"چوٹو یہ کیا حال بنایا ہے؟ ماموں کو بتاؤ، کیا ہوا" اُس نے نرمی سے کہا۔

"ماموں... " حور کی آواز روہانسی تھی "نانو نے بتایا ہے میری مامی ہیں۔ میں ماما سے پوچھتی ہوں، مگر وہ کچھ نہیں بتاتیں۔ مجھے مامی سے بات کرنی ہے"

یہ سن کر شہسوار پل بھر کو سکتے میں آگیا "ماموں مجھے مامی سے بات کرنی ہے ابھی پلیز" حور کی چیخ اُس کی خاموشی کو کاٹ گئی۔

شہسوار نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا "چوٹو مجھے دس منٹ دو... پھر میں خود تمہاری مامی سے بات کرواتا ہوں"

اُس نے کال کاٹ دی۔ اسکرین کالی ہوئی تو کمرے میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔ صرف کچن سے برتنوں کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔

شہسوار کی نظر کچن کی طرف اٹکی رہی۔ فاطمہ کا وجود وہاں موجود ضرور تھا، لیکن وہ اُس سے کوسوں دور محسوس ہو رہی تھی۔ دل میں ایک ہی کشمکش تھی جو

عورت ابھی تک اُسے دل سے قبول نہیں کر پائی، کیا وہ اُس کے رشتوں کو قبول کرے گی؟

مگر دوسری طرف ننھی حور کی معصوم خواہش تھی جسے وہ کبھی نہیں توڑ سکتا تھا۔

ساری الجھنیں جھٹک کر وہ آہستہ قدموں سے کچن کی طرف بڑھا۔

"سنو..." آخرکار اُس نے آہستگی سے کہا۔

"بولو" فاطمہ سوپ میں چمچ ہلاتے ہلاتے بولی۔

"میری بھانجی... حور۔ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔ کیا دو منٹ... اُس سے بات کر لو گی" شہسوار کی نظریں کچن میں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں، جیسے سامنے دیکھنے کی ہمت نہ ہو۔

فاطمہ چونکی۔ اُس نے آج تک کبھی اُس کے گھر والوں سے بات نہیں کی تھی۔

دل میں عجیب سا کھچاؤ پیدا ہوا

"بات تو کرلوں گی، لیکن کہوں گی کیا"

شہسوار کے چہرے پر جیسے لمحہ بھر کو سکون اتر آیا۔

"چھوٹی سی بچی ہے جو پوچھے بس جواب دے دینا۔ زیادہ باتیں نہیں کرے گی"

"اوکے... تم کال کرو۔ میں فیس واش کر کے آتی ہوں" وہ چولہا ہلکا کر کے دھیرے قدموں سے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد جب وہ واپس آئی تو منظر ہی بدل گیا۔ اُس کے چہرے پر تازگی کا ہلکا سا لمس تھا۔ گلابی لپ اسٹک کی مدھم جھلک، آنکھوں کے گرد کاجل کی نرم سی لکیر، اور شانوں پر بکھرے لمبے بال... ڈارک بلیو ڈریس میں وہ یوں لگ رہی تھی جیسے آسمان سے اُتری کوئی اپسرا ہو۔ شہسوار لمحہ بھر کو اُس کی طرف دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ بارہا اُسے دیکھ کر چونکا تھا، مگر آج کا روپ کچھ اور ہی تھا۔

لیپ ٹاپ پر حور سے ویڈیو کال جاری تھی۔ فاطمہ لمحہ بھر کو رکی، پھر کنفیوز سی ہو کر شہسوار کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے لیپ ٹاپ فاطمہ کی طرف گھما دیا۔

"ماموں" حور نے جیسے ہی فاطمہ کو دیکھا، چیخ ماری۔

"چوٹو کیا ہوا؟" شہسوار اور فاطمہ دونوں گھبرا گئے۔

"ماموں مامی کتنی پیاری ہیں! مجھے انھیں کس دینی ہے" حور کے ہونٹوں پر قہقہہ کھل اُٹھا۔

فاطمہ کے سفید رخسار لمحے بھر میں سرخ پڑ گئے۔ وہ نظریں جھکا گئی، لیکن سرخ رنگ اُس کے کانوں تک چڑھ آیا۔ شہسوار ہنسا اور ایک نظر اُسے دیکھا۔ کیا حسین نظارہ تھا اُس کے لیے کاش وہ بتا سکتا۔

"ہاں، پیاری تو بہت ہے تمہاری مامی" اتنی پیاری کہ دل کرتا ہے دیکھتا رہوں (آخری بات دل میں بول گیا)

فاطمہ اور زیادہ گلابی پڑ گئی، دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔

"مامی، آپ کیسی ہیں؟" حور کی آواز میں خوشی چھلک رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں... آپ سناؤ، کیسی ہو" فاطمہ کی آواز بمشکل نکلی۔ وہ شہسوار کی مسلسل نظروں سے بچنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"میں بھی ٹھیک! آپ کو پتہ ہے نانو نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا، پھر مجھے پتہ چلا میری مامی بھی ہیں" حور پٹر پٹر بولے جا رہی تھی۔ ہر بار "مامی" سن کر

فاطمہ کے دل میں ایک نیا سا احساس اُبھر رہا تھا یہ پہچان اُس کے لیے بالکل نئی تھی۔

شہسوار تھوڑا سا اور قریب کھسک آیا۔ صوفے پر بیٹھے بیٹھے اُس کا کندھا فاطمہ کے شانے سے چھو گیا۔ پھر وہ جیسے بے خیالی میں بازو گھما کر اُس کے کندھے پر رکھ بیٹھا۔ فاطمہ کا دل ہولنے لگا۔ وہ خجل سی ہوئی، لیکن کچھ بول نہ سکی۔

"مامی سے بات کر کے کیسا لگا" شہسوار نے لیپ ٹاپ پر مسکراتی ہوئی حور سے پوچھا۔

"بہت اچھا لگا" ننھی بچی کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "لیکن ماموں... آپ کے بچے کہاں ہیں"

اب کی بار شہسوار کا رنگ سرخ پڑا۔ وہ بوکھلا گیا۔ اور فاطمہ کو تو جیسے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اُس کے ماتھے پر ٹھنڈے پسینے کے قطرے اُبھر آئے۔

"مم... مجھے لگتا ہے کھانا جل رہا ہے، میں دیکھتی ہوں" وہ جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور وہاں سے نکل گئی۔ وہ چھوٹی سی بچی دونوں کو کانوں تک لال کر گئی تھی۔

شہسوار نے سر پکڑ لیا۔ "چوٹو اگر تم نے دو منٹ میں فون بند نہ کیا تو مجھے لگتا ہے میں بھی جل جاؤں گا"

حور کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ "اوکے ماموں" کہہ کر کال بند کر دی۔

کہنے کو وہ صرف چار سال کی تھی، مگر باتوں میں پوری پٹاخہ اور دونوں بڑے اُس کے ایک ایک لفظ پر بے بس ہو گئے۔

میٹنگ روم کی سفید دیواروں پر اے۔ سی کی ٹھنڈی ہوا ہر طرف پھیلی تھی۔ لمبے میز کے گرد فردان اور اُس کی ٹیم فائلوں کے ساتھ سنجیدگی سے بیٹھے تھے کہ اچانک دروازہ کھلا۔ عادل عالم اپنے اسٹائلش تھری پیس سوٹ میں، اعتماد سے

بھرپور قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اُس کے ساتھ اُس کا پی۔ اے ہاتھ میں فائلیں تھامے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

"سوری مسٹر فردان، آپ کو ہماری وجہ سے ویٹ کرنا پڑا"

عادل نے مسکراہٹ کے ساتھ اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔

فردان نے بھی اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے نرمی سے ہاتھ ملایا۔

"نو نو مسٹر عادل، اِٹس او کے"

عادل کی نظریں ایک لمحے کو ملٹی میڈیا اسکرین پر گئیں جہاں ایک دلکش پرفیوم کی بوتل بڑی شان سے جگمگا رہی تھی۔

"دیر کیے بغیر آغاز کرتے ہے نئے پروجیکٹ کا ہماری کمپنی ایک نیا پرفیوم لانچ کر رہی ہے۔ آپ کی کمپنی کے سی۔ او سے تفصیلی بات ہو چکی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اُس کی ایڈورٹائزمنٹ کی اسٹریٹیجی پر کام کریں تاکہ پروفٹ اینڈ لاس کو بہتر طریقے سے ہینڈل کیا جا سکے"

"جی سر، ہمیں اس بارے میں بریف کیا جا چکا ہے۔ پروفٹ اور لاس تو قسمت کی بات ہے، مگر ہم پوری کوشش کریں گے کہ آپ کی اُمیدوں پر پورا اُتر سکیں" فردان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اعتماد سے جواب دیا۔

عادل نے اپنی کلائی پر پہنی گھڑی پر ایک نظر ڈالی جیسے کسی کا شدت سے انتظار ہو۔

"انشاءاللہ، کل آپ کی ڈیٹیل میٹنگ ہماری بزنس پارٹنر کے ساتھ ہو گی۔ وہ آج کسی وجہ سے وقت پر نہ پہنچ سکیں"

"نو پرابلم اب ہمیں اجازت دے اللہ حافظ" فردان نے مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہو کر مصافحہ کیا اور اپنی ٹیم کے ساتھ بیک ڈور کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

دوسری طرف آر۔ ایف برینڈ کے فرنٹ ڈور سے ایک ہلکی خوشبو کے جھونکے کے ساتھ روما داخل ہوئی۔ اُس نے آج ایک سادہ لیکن باوقار لباس پہن رکھا تھا، اُس کی چال میں وقار اور آنکھوں میں ہلکی سی تھکن جھلک رہی تھی۔ کاؤنٹر سے گزرتے ہوئے اُس کی نظریں لاشعوری طور پر وقت دیکھنے کو گھڑی کی طرف اٹھیں، جیسے دل ہی دل میں خود سے خفا ہو کہ آج وہ دیر کیوں کر گئی۔

ادھر فردان بیک ڈور سے باہر نکل چکا تھا۔ لاہور کے گلی کوچوں میں روما کو ڈھونڈنے والا شخص، آج اسلام آباد کی اسی عمارت میں اُس کے اتنے قریب تھا لیکن پھر بھی اُس سے ملاقات ادھوری رہ گئی۔

قسمت نے ایک بار پھر دونوں کے بیچ ایک ان دیکھی دیوار کھڑی کر دی تھی۔

کمرے میں ہلکی ہلکی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر میک اپ کے بکھرے ہوئے برش، چوڑیاں اور لپ اسٹک ایک جنگ کا منظر پیش کر رہے تھے۔ مرحا آئینے کے سامنے بار بار اپنے بال سنوار رہی تھی۔ کمرے کے ایک

کونے میں صوفے پر بیٹھا اسماعیل گھڑی پر گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر اکتاہٹ صاف جھلک رہی تھی۔

"مرحا میرے ضبط کا آخری پیمانہ لبریز ہو چکا ہے" اسماعیل نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا" یار پچھلے دو گھنٹے سے تیار ہو رہی ہو۔ یہ کون سی تیاری ہے جو ختم نہیں ہو رہی؟ ہم بس ایک سمپل لنچ پر جا رہے ہیں، شادی کے فوٹو شوٹ پر نہیں"

مرحا نے بغیر گھبرائے بڑی نرمی سے ایک ڈبہ کھولا اُس میں سے بلیک کانچ کی چوڑیاں نکالیں اور اُس کے آگے کر دیں۔

"ذرا یہ ڈال دو نا، پلیز"

اسماعیل نے ناگواری بھری نظروں سے اُس کی طرف دیکھا مگر خاموشی سے چوڑیاں اُس کے نازک کلائیوں میں ڈالنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ بحث فضول ہے اُس کو تو اپنی مرضی کرنی ہے۔

مرحا نے اُس کی خاموشی کو پکڑ لیا۔ ہونٹوں پر ایک شرارتی مسکراہٹ آئی۔

"اچھا کیا ناراض ہو گئے ہو؟ اوہو پیارے اسماعیل، مرحا کے اسماعیل... کیا اپنی نئی نویلی دلہن سے ناراض ہو گئے"

اسماعیل نے ہونٹوں کو آپس میں دبایا تاکہ قہقہہ نہ نکل جائے۔

"پچ... پیارے اسماعیل، آواز آرہی ہے میری کیا" مرحانے شوخی میں اُس کے پیٹ میں گدگدی کردی۔

"مرحا باز آجاؤ اپنی حرکتوں سے" وہ اب بھی چوڑیاں ڈال رہا تھا۔

"لیکن مجھے تو تنگ کرنا ہے" مرحانے اُس کی ناک کھینچ ڈالی۔

"مرحا، تم کب بڑی ہوگی یار" اسماعیل نے ہنستے ہوئے اُس کے ہاتھ پر آخری چوڑی پہنادی۔

"کبھی نہیں" مرحانے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر معصومیت سے کہا۔

اسماعیل نے اُس کے کندھے پر رکھی بلیک چادر اُٹھائی اور نرمی سے اُس کے سر پر ڈالنے لگا۔

"چلو اب تمہیں تیار ہونے کے ساتھ ساتھ سیٹ بھی کرنا پڑے گا"

"پہلے دیکھو نا مجھے اور بتاؤ، کیسی لگ رہی ہوں" مرحا نے جھٹکے سے آئینے میں اپنی جھلک دیکھی اور نخرے سے بولی۔

اُس نے سیاہ شیفون کا فراک پہن رکھا تھا۔ ہاتھوں میں بلیک چوڑیاں بج رہی تھیں، کانوں میں چھوٹے سلور ٹاپس دمک رہے تھے، اور دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں منہ دکھائی کی انگھوٹی چمک رہی تھی۔

اسماعیل نے بھرپور نظر ڈالی، پھر اُنگلی سے اشارہ کیا۔

"پاس آؤ ذرا"

مرحا دو قدم آگے آگئی۔ وہ جھکا اور اُس کے کان کے قریب سرگوشی کی "بالکل کارٹون لگ رہی ہو"

یہ سنتے ہی وہ قہقہہ لگاتا باہر کی طرف بھاگا۔

"اسماعیل تمہیں نا اللہ پوچھے گا... نئ نویلی دلہن کو یوں تنگ کرتے ہو" مرحا نے جل کر کہا اور چادر درست کرتی باہر بھاگی۔

باہر صحن میں اسماعیل نے بائیک اسٹارٹ کی۔

"اب تو دلہن پرانی ہو گئی ہے۔ دیکھو، اگر تم نہ بیٹھی تو میں اکیلا ہی لنچ پر چلا جاؤں گا"

"اکیلے جا کر دکھاؤ ذرا" مرحا نے آنکھیں چھوٹی کر کے چیلنج دیا۔

"تمہارے بغیر کہیں نہیں جا سکتا یار۔ جلدی بیٹھو، آج خوب مزہ کریں گے" اسماعیل نے سینے پر ہاتھ رکھ کر شرارت سے کہا۔

مرحا ہنستے ہوئے بائیک پر بیٹھ گئی۔ پیچھے سے کومل نے دروازہ بند کیا، اور وہ دونوں ہنستے مسکراتے لنچ کے لیے نکل پڑے۔

لاؤنج میں ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ٹیبل پر رکھی چائے کے مگ سے بھاپ اُٹھ رہی تھی اور فاطمہ اُس کے ذائقے میں کھوئی بیٹھی تھی کہ اچانک کمرے سے نکلتے شہسوار پر اُس کی نظر ٹھہر گئی۔ لمحہ بھر کو اُس کا ہاتھ رک گیا۔

وہ بالکل تیار کھڑا تھا، جیسے ابھی باہر نکلنے والا ہو۔ سیاہ ٹریک سوٹ، نفاست سے بنے بال، اور پیروں میں سفید جوگرز سادگی کے باوجود اُس کے وجود میں ایک

الگ ہی کشش تھی۔ فاطمہ کی نگاہیں لاشعوری طور پر اُس کے سراپے پر ٹک گئیں، پہلے کبھی اتنی باریکی سے نہیں دیکھا تھا اُس نے۔

"تم کہیں جا رہے ہو؟"

فاطمہ نے مگ میز پر رکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں"

شہسوار نے مختصر جواب دیا اور گھڑی کلائی میں پہنتے ہوئے نظریں جھکائیں۔

فاطمہ کے دل میں انجانی بے چینی سی جاگی۔ وہ اُسے روکنا چاہتی تھی مگر الفاظ ڈھونڈ نہیں پائی۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری... پھر بھی جا رہے ہو"

شہسوار نے ذرا سا سر اُٹھا کر اُسے دیکھا جو آہستہ آہستہ اُس کے قریب آ رہی تھی۔

"اسی لیے تو جا رہا ہوں... شاید باہر جا کر تھوڑا فریش فیل کر سکوں"

فاطمہ کے ہونٹ بے اختیار ہلکے سے کھلے۔

"میں چل سکتی ہوں تمہارے ساتھ"

یہ وہی فاطمہ تھی جو پہلے حکم دیتی تھی، لیکن آج اجازت مانگ رہی تھی۔

شہسوار نے گاڑی کی چابی جیب میں ڈالی "میرے ساتھ کہیں جانے کے لیے تمہیں اجازت کی ضرورت نہیں ہے"

فاطمہ کے چہرے پر خوشی کی چمک پھیل گئی۔

"چلو پھر چلتے ہیں"

شہسوار نے مختصر سا مسکرا کر دروازہ لاک کیا، اور دونوں ساتھ ساتھ پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

پارکنگ میں پہنچتے ہی فاطمہ کی نظریں اُس چمچماتی بلیک بی۔ ایم۔ ڈبلیو پر جم گئیں۔ گاڑی آج بھی اپنی شان میں کھڑی تھی، جیسے اپنے مالک کی شخصیت کی جھلک ہو۔

"یہ گاڑی کب لی تھی تم نے" وہ حیرت سے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

شہسوار نے انجن اسٹارٹ کیا "جب تم نے کہا تھا... اُسی وقت"

فاطمہ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

"اتنی جلدی"

شہسوار نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سڑک پر نظریں جمائیں۔

"ہاں، آدھے گھنٹے بعد یہ پارکنگ میں کھڑی تھی"

فاطمہ کے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگا۔ کوئی اتنی جلدی خواہش بھی پوری کر سکتا ہے؟

وہ چپ چاپ اُس کے پروفائل کو دیکھتی رہی سفید ہاتھوں کی گرفت مضبوطی سے اسٹیئرنگ تھامے تھی، اور اُس کے ڈرائیو کرنے کے انداز میں ایک دھیما غرور جھلک رہا تھا۔

دل ہی دل میں ایک خواہش مچلی۔

"سنو..." اُس نے آہستہ کہا، "کیا میں گاڑی چلاؤ"

اُس کی آواز میں اتنی معصومیت اور مٹھاس تھی کہ شہسوار کا دل لمحہ بھر کو بے قابو سا ہو گیا۔ اُس نے اُس کی طرف ایک نظر ڈالی، پھر فوراً سڑک پر دھیان جما لیا۔

"چلانی آتی ہے"

فاطمہ نے اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ ٹکائے "موقع دو، تمہیں گاڑی اُڑا کر دکھاؤں گی۔ آخر تمہاری گاڑی ہے نا"

شہسوار نے ہونٹ دبا کر ہلکی مسکراہٹ چھپائی اور گاڑی ایک کنارے روک دی۔

"چلو دیا موقع، ویسے بھی تمہاری گاڑی ہے"

انہوں نے جگہ بدلی۔ اگلے لمحے بلیک بی۔ ایم۔ ڈبلیو لندن کی سڑکوں پر جیسے پرواز کرنے لگی۔ لندن کی سڑکوں پر گاڑی چلی نہیں اُڑی تھی۔ فاطمہ کے چہرے پر خوشی کا ایک الگ ہی رنگ تھا ہوا اُس کے بالوں سے کھیل رہی تھی اور اُس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

گاڑی چلانا اُس کا جنون نہیں تھا سڑک کو پیچھے چھوڑ دینے کا جنون تھا۔

جیلر نے زنگ آلود دروازے کی کنجی گھمائی تو کمرے میں دھڑ دھڑاہٹ گونجی۔ دروازہ کھلا اور مدھم سی روشنی اندر پھیلی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی، جس میں معمول کے مطابق پتلی سی دال اور ایک خشک روٹی رکھی تھی۔

"کھانا کھالو" اُس نے بے دلی سے ٹرے زمین پر رکھ کر موسیٰ کی طرف سرکائی۔

موسیٰ شیر خان، جو کبھی بندوق کی نالی پر فیصلے کرتا تھا، آج اپنی ہڈیوں کے پنجرے جیسے جسم کو سہلاتے بیٹھا تھا۔ اُس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اچانک زور سے کراہا اُٹھا۔

"مجھے کھانا نہیں کھانا مجھے باہر لے جاؤ۔۔۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔۔۔ خدا کے لیے باہر لے چلو"

جیلر کی آنکھوں میں غصہ بھڑک اُٹھا۔ "بکواس بند کر پچھلے جمعرات تجھے باہر بلایا تھا تو بستر سے اٹھا نہیں تھا اب ڈرامے مت کر۔ بیٹھارہ اندھیرے میں "اُس نے غرّا کر موسیٰ کے سینے پر جوتے کی نوک ماری۔

"نہیں۔۔۔ نہیں پہلے وہ ساتھ تھی اُس کے ہونے سے اندھیرا بھی ہلکا لگتا تھا۔۔۔ آج وہ نہیں ہے۔۔۔ خدا کے لیے مجھے یہاں سے نکالو۔۔۔ کسی اور کے ساتھ قید کردو، یہ تنہائی کاٹ کھا رہی ہے۔۔۔ میں سڑ رہا ہوں یہاں۔۔۔ وہ نہیں آتی اب اندھیرے میں پلیز باہر لے جاؤ" موسیٰ لڑکھڑاتے قدموں سے بڑھا اور جیلر کے سامنے گر پڑا۔ وہ شخص، جس نے اپنی طاقت سے دوسروں کو جھکایا تھا، آج زمین پر لیٹا ہوا ایک شکستہ قیدی بن چکا تھا۔

جیلر نے نفرت سے اُسے جھٹکا دیا "ابے ہٹ مر۔۔۔ مجھے کیا تیری گھٹتی سانسوں سے" اور دروازہ زور سے بند کر کے باہر نکل گیا۔

کمرہ دوبارہ اندھیرے اور خاموشی میں ڈوب گیا۔ موسیٰ زمین پر گرا ہانپ رہا تھا۔ اُس کے آنسو گرد آلود فرش پر گرنے لگے۔

"فاطمہ۔۔۔ یا تو۔۔۔ مجھے مار دو۔۔۔ یا اس قید سے رہائی دے دو۔۔۔ میں نہیں جی سکتا۔۔۔ میں ٹوٹ رہا ہوں۔۔۔ سسک رہا ہوں۔۔۔ کوئی نہیں سنتا مجھے۔۔۔ خدا کے لیے، آجاؤ۔۔ قسم لے لو میں وقت سے پہلے مر جاؤں گا۔۔۔ خدا کے لیے آجاؤ۔۔ کوئی مجھے نہیں سنتا۔۔۔ کیوں نہیں سن رہا کوئی۔۔ مجھے باہر نکالو۔۔ باہر نکالو مجھے۔۔ یہ اندھیرا مجھے گُم کر دے گا۔۔ یہ مجھے کھا جائے گا"

پتھریلی دیواروں نے اُس کی دھاڑیں سنیں، فرش نے اُس کے آنسو پی لیے مگر جواب میں صرف خاموشی تھی۔ خاموشی، جو قیدی کی چیخوں کو اور زیادہ بھاری کر دیتی تھی۔

کمرے میں ہلکی ہلکی دودھیا روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ رئیسہ ابھی بچوں کو کپڑے بدلوا کر واش روم میں گئی ہی تھی کہ پیچھے سے دونوں کے رونے کی آواز گونج اٹھی۔ احمد ضد سے پاؤں پٹختا تھا اور عبداللہ بھی اُس کی ہم نوائی میں زور زور سے چیخنے لگا۔ رئیسہ بوکھلاہٹ میں دوپٹہ درست کرتی باہر نکلی، جیسے دل کے تار دونوں کی رونے کی آواز سے جھنجھنا اُٹھے ہوں۔

"پلیز، تم دونوں ایک ساتھ مت رویا کرو، مجھے سمجھ ہی نہیں آتی پہلے کسے چُپ کراؤں" رئیسہ ہانپتے ہوئے دونوں کو گود میں لینے کی کوشش کر رہی تھی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور سیام اندر داخل ہوا۔ اُس کے قدموں میں تھکن جھلک رہی تھی، مگر بچوں کے رونے نے اُس کے چہرے پر پریشانی لا دی آفس بیگ کو سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہی وہ جھک کر احمد کو اُٹھا لیا۔

"یہ کیوں رو رہے ہیں" اُس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

رئیسہ نے عبداللہ کو کندھے سے لگایا۔

"میں تو کب سے پوچھ رہی ہوں، مجھے تو نہیں بتایا۔ تم ہی پوچھ لو شاید تمہیں بتا دیں"

سیام نے پل بھر کو اُس کی طرف گھورا۔ رئیسہ اُس کی گھوری دیکھ کر ہنس پڑی۔

"ایسے مت دیکھو جیسا سوال پوچھا ویسا جواب دیا میں نے" سیام کی تھکن کے بیچ وہ مسکراہٹ رئیسہ کے دل کو چھو گئی۔

"سیام، مجھے لگتا ہے یہ دونوں بچے تم پر گئے ہیں" وہ کچھ سوچ کر بولی۔

"کیا مطلب" سیام نے احمد کو بیڈ پر لٹایا، اب دونوں بچوں کا رونا مدھم پڑ رہا تھا۔

رئیسہ نے عبداللہ کو بھی احمد کے برابر میں رکھا۔

"میں تو بچپن میں اتنی سویٹ تھی، بلکل بھی نہیں روتی تھی۔ یہ دونوں میرے پر نہیں گئے مطلب تم پر گئے ہیں"

دونوں بچے بیڈ پر لیٹے معصوم فرشتوں کی طرح لگ رہے تھے۔ گورے چٹے چہرے، معصومیت سے دمکتے ہوئے۔ خوبصورتی دونوں نے والدین سے چرائی تھی۔

"رئیسہ عُرف شہزادی۔۔۔ زمین پر واپس آجاؤ۔ سویٹ ہونا اور زیادہ رونا، یہ دو الگ الگ باتیں ہیں" سیام نے اُس کے پُھولے ہوئے گال کھینچ کر شرارت سے کہا۔

"سیام، مان لو، یہ رونے والی عادت تم سے آئی ہے"

سیام نے کالر اکڑایا "میرا جیسا بچہ بننے کے لیے بہت سے لوگ ترستے تھے"

رئیسہ اُس کی بات ہنسی نہ روک پائی۔

"ہاں، بالکل۔۔۔ رو تو بچہ بننے کے لیے ترستے تھے"

کمرے میں دونوں کی ہنسی اور بچوں کی معصوم سانسوں نے ایک گھریلو سکون کا سا منظر بنا دیا۔

سیام نے رئیسہ کے ماتھے پر پیار سے بوسہ دیا۔

"اس پر تبصرہ سنڈے کو کر لینا۔ فی الحال زرا میرا کھانا لے آؤ مل کر کھاتے ہے"

وہ جانتا تھا کہ دو چھوٹے بچوں کو سنبھالنا آسان نہیں تھا، اس لیے اپنے انداز میں وہ رئیسہ کو جتاتا کہ وہ اُس کی محنت اور تھکن کو محسوس کرتا ہے۔

رئیسہ نے اُس کے بکھرے بال ماتھے پر سنوارے۔

"ہاں تم فریش ہو جاؤ، میں کھانا لے کر آتی ہوں"

"تھینک یو، شہزادی" سیام واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

رئیسہ نے بیڈ کے گرد تکیے ترتیب سے رکھے، بچوں پر ایک نظر ڈال کر، دل ہی دل میں اُن کے سکون پر شکر ادا کیا اور کچن کی طرف چل پڑی۔

فاطمہ نے گاڑی آئسکریم پارلر کے باہر روکی تھی۔ پارکنگ کرتے ہوئے اُس سے یہ بھول ہوئی کہ اُس نے گاڑی غلط جگہ کھڑی کر دی ہے۔ شہسوار کا سر درد سے بوجھل ہوتا جا رہا تھا، مگر اُس نے بھی دھیان نہ دیا کہ گاڑی کہاں کھڑی ہے۔

"آئسکریم کھاؤ گے" فاطمہ نے سامنے موجود شوکیس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے سر میں بہت درد ہے..." شہسوار نے دونوں کنپٹیوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بند آنکھوں سے جواب دیا۔

فاطمہ چونک گئی، اُس کی آنکھوں میں پریشانی کی جھلک دوڑ گئی۔

"کیا مطلب؟ تم اتنی تکلیف میں تھے اور مجھے بتایا بھی نہیں۔ مجھے بتانا چاہیے تھا مجھے یہاں تمہیں نہیں لانا چاہیے تھا... چلو گھر چلتے ہیں" اُس نے جھجکتے ہوئے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ شہسوار نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔

"میری تکلیف میں اگر تم آنسو بہاتی تو یہ میرے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتا، بس اسی لیے نہیں بتایا" اُس نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی آنکھوں میں چمکتے دو موتی صاف کر گیا۔

"میں تمہیں ہاسپٹل لے کر چلتی ہوں، تمہاری حالت ٹھیک نہیں لگ رہی" فاطمہ نے جلدی سے موبائل میں گوگل میپ کھولا۔ لندن کے راستے ابھی اُس کے لیے اجنبی تھے۔

"پہلے آئسکریم کھا لیتے ہیں، پھر دیکھیں گے" شہسوار نے اُس کا فون آہستگی سے لے کر ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔

"لیکن" فاطمہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اُس نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک دیا۔

"پلیز... دل چاہ رہا ہے"

فاطمہ نے ہتھیار ڈال دیے۔ "ٹھیک ہے میں لے آتی ہوں۔ تم باہر مت آنا" اُس نے ڈیش بورڈ سے کریڈٹ کارڈ اٹھایا اور جلدی سے باہر نکل گئی۔

پارلر میں داخل ہوتے ہوئے وہ بس یہی سوچ رہی تھی کہ جلدی سے واپس آئے اور شہسوار کو ہاسپٹل پہنچائے۔ اُس نے دو آئسکریم لی، چاکلیٹ فلیور میں۔ لیکن جونہی وہ باہر نکلی، اُس کے قدم زمین پر جم گئے۔

سامنے کا منظر اُس کی آنکھوں کے سامنے قیامت بن کر ٹوٹ پڑا۔ جس گاڑی میں وہ ابھی ابھی شہسوار کو چھوڑ کر آئی تھی، وہ ایک تیز رفتار ٹرک کی زد میں آکر ملبے کا ڈھیر بن چکی تھی۔ ٹرک کے ٹائرز کے نشان اور گاڑی کی کچلی ہوئی باڈی فاطمہ کی آنکھوں میں آگ بن کر دہکنے لگے۔

آئسکریم اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گری اور پگھلتی ہوئی جیسے اُس کے دل کا حال سڑک پر بکھیر گئی۔ اُس کا دماغ گھوم گیا۔ گرین وچ کا آسمان اُس کے گرد گھومنے لگا۔ اُسے محسوس ہوا جیسے اُس کے جسم سے جان نکلتی جا رہی ہو۔

ایمبولینس کے سائرن گونجنے لگے، پولیس موقع پر پہنچ گئی تھی۔ لوگ دوڑ کر جمع ہو گئے تھے۔ شور، چیخیں اور ہارنوں کی آواز سب ایک دوسرے میں گھل کر قیامت کا منظر پیش کر رہے تھے۔

فاطمہ اندھا دھند اپنی بلیک گاڑی کی طرف بھاگی—— لیکن وہ گاڑی تو اب صرف جلتی ہوئی راکھ کا ڈھیر بن چکی تھی۔

"شہسوار۔۔۔ شہسوار۔۔۔ شہسواااار" اُس کی چیخ پورے علاقے کو چیرتی گئی۔ وہ پاگلوں کی طرح آگے بڑھنے لگی مگر ایک فی میل آفیسر نے اُسے روک لیا۔

Ma’am, you can’t go there, there’s been an accident.

(میم! آپ آگے نہیں جا سکتیں، ایکسیڈنٹ ہوا ہے)

I said let me go ! My husband is in the car.. I have to get to him

فاطمہ کی آواز میں اتنی شدت تھی کہ وہ جلتی گاڑی کے شور سے بھی اونچی لگ رہی تھی۔

"چھوڑو مجھے میرا شوہر تھا اس گاڑی میں... کہاں ہے وہ؟ کہاں ہے؟ چھوڑو مجھے۔ گاڑی میں میرا شوہر ہے" فاطمہ چیختی رہی۔ اُس کے بال بکھر گئے، وہ اپنے ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنے لگی۔

"میرا شوہر ہے اس گاڑی میں... مجھے جانے دو... ورنہ میں جان لے لوں گی، مجھے چھوڑو۔" اُس کی ہذیانی چیخیں پورے گرین وچ میں گونج رہی تھیں۔

لوگ اُس منظر کو دیکھ کر سکتے میں کھڑے تھے۔ کوئی اُسے روکنے کی کوشش کرتا تو وہ مزید تڑپنے لگتی۔ ہر نظر میں ترس اور بے بسی تھی۔

اُس کا وجود چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ قسمت نے شہسوار کو چھین لیا تھا اُس سے۔ ابھی تو اُس کا ساتھ اچھا لگنے لگا تھا۔

"مجھے میرے شہسوار کے پاس جانے دو"

فاطمہ پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی، اُس کی آنکھوں سے بہتے آنسو زمین پر برساتی بارش کی طرح گر رہے تھے۔ ہر لفظ، ہر چیخ اُس کے کلیجے کو چیر رہی تھی۔

"شہسوااااار۔۔۔" اُس کی لرزتی آواز ابھی فضا میں گونج ہی رہی تھی کہ اچانک کسی نے اُس کو پیچھے سے گلے لگایا۔ اُس شخص نے اپنی ٹھوڑی اُس کے سر پر ٹکا کر زور سے بھینچ لیا۔

فاطمہ لمحے بھر کو ٹھٹکی، جیسے وقت تھم گیا ہو۔ اُس نے کانپتے ہاتھوں سے آنکھوں کے آنسو پونچھتے ہوئے آہستگی سے پیچھے پلٹ کر دیکھا اور جیسے کائنات اُس پر مہربان ہو گئی۔

سامنے شہسوار کھڑا تھا۔

صحیح سلامت۔

زندہ۔

فاطمہ کے دل کی دھڑکن جیسے ایک لمحے کے لیے رُک گئی، پھر دوڑنے لگی۔ اگر کوئی اُس سے پوچھتا کہ یہ منظر کیسا تھا تو وہ صرف ایک لفظ کہتی۔

"معجزہ"

"فاطمہ... وہاں بہت بُرا حادثہ ہوا ہے وہاں نہیں جانا" شہسوار کی نقاہت زدہ آواز اُس کے کانوں میں پڑی۔ حقیقت یہ تھی کہ چند لمحے پہلے اچانک متلی آنے پر وہ گاڑی سے باہر نکل آیا تھا اور خدا نے اسی لمحے اُس کی زندگی بچالی۔

فاطمہ کی آنکھوں میں حیرت اور شکر کے آنسو تھے۔ اُس کی زبان لڑکھڑائی۔

"تم... تم ٹھیک ہو؟ تم تو گاڑی میں تھے... اور وہ گاڑی تو... تم زندہ ہو۔۔۔" اُس کے الفاظ گلے میں اٹک گئے اور اگلے ہی پل وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے شہسوار کے گلے لگ گئی۔

"مجھے لگا میں نے تمہیں کھو دیا... میں ڈر گئی تھی... اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتی" اُس کے لرزتے ہاتھ بار بار شہسوار کے چہرے کو چھو رہے تھے، جیسے یقین کرنے کی کوشش کر رہے ہوں کہ وہ سچ میں زندہ ہے۔

شہسوار ہجوم کے بیچ میں کھڑا تھا، مگر اُس کے لیے دنیا جیسے غائب ہو چکی تھی۔

اُس کے سامنے بس ایک ہی حقیقت تھی۔

اُس کی بیوی کی آنکھوں سے بہتے آنسو اور اُس کے وجود کی لرزش۔

"میں ڈر گئی تھی، شہسوار... مجھے لگا تم بھی سب کی طرح مجھے چھوڑ کر چلے گئے... میں کیسے تمہیں بتاؤں کہ میں نے اُس لمحے کیا محسوس کیا۔۔ مجھے لگا اگر تمہیں کچھ ہوا تو میں مر جاؤں گی۔۔ مجھے سانس نہیں آئے گی" فاطمہ ہچکیوں کے درمیان اُس کے چہرے کے ایک ایک حصے کو اپنے لرزتے ہاتھوں سے چھوتی رہی۔

شہسوار نے اُس کے آنسو بھری آنکھوں میں دیکھ کر اُسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

"میں ٹھیک ہوں، فاطمہ۔ بالکل ٹھیک ہوں۔ کچھ نہیں ہوا مجھے" اُس کی آواز ایک تسلی تھی، ایک سکون جو فاطمہ کے ٹوٹے دل پر مرہم رکھ رہا تھا۔

فاطمہ اُس کے سینے پر سر رکھ کر زار و قطار رونے لگی۔ اُس کے آنسو شہسوار کی ٹی۔ شرٹ بھگو رہے تھے، لیکن وہ پرواہ نہیں کر رہا تھا۔ اُس کے لیے اُس لمحے دنیا کے سارے منظر بے معنی تھے۔

"تم سچ میں ٹھیک ہو نا کہی چوٹ تو نہیں لگی" فاطمہ نے اُس کے سینے پر ٹھوڑی ٹکائے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

شہسوار نے اُس کا سر نرمی سے سہلایا اور ہولے سے اُس کے بالوں پر بوسہ دیا۔

"ہاں جان... میں بالکل ٹھیک ہوں" اُس نے اُس کی آنکھوں سے آنسو صاف کیے اور مسکرا دیا۔

اُس لمحے نہ بھیڑ کی نظریں اہم تھیں، نہ پولیس کی گاڑیاں، نہ جلتی ہوئی کار۔

دنیا ماند پڑ گئی تھی۔

وہاں بس دو وجود تھے ــــــ کون دنیا کون چار لوک وہاں بس شہسوار... اور اُس کی فاطمہ تھی۔

روما آج وقت سے پہلے ہی آفس کے لیے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ کل کی طرح دیر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے ہلکے گلابی رنگ کا سادہ مگر نفیس کرتا پہنا تھا، بال ہمیشہ کی طرح پونی میں قید تھے اور ہاتھ میں چمکتی گھڑی نے اُس کے وجود میں پروفیشنل انداز بھر دیا تھا۔

"ماں میں چلتی ہوں کل کی طرح دیر نہ ہو جائے" اُس نے جلدی جلدی کہا۔

ماہ جبین بیگم جو نماز کے بعد دعا مانگ رہی تھیں، بیٹی کو دیکھ کر دل میں ایک ہوک سی اُٹھی۔

"آج ذرا جلدی آجانا ڈاکٹر کے پاس بھی جانا ہے "اُنہوں نے آہستگی سے یاد دلایا۔

"جی ماں اللہ حافظ "روما نے شال درست کی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

آر۔ایف برانڈ کا میٹنگ روم حسبِ معمول چمکتا دمکتا تیار تھا۔کانچ کی دیواروں کے پار شہر کی چمک دمک نظر آرہی تھی۔لمبی میز پر فائلیں لیپ ٹاپ اور پانی کے گلاس ترتیب سے رکھے تھے۔فردان اور اُس کی ٹیم اپنی نشستوں پر بیٹھے منصوبہ بندی میں مصروف تھے۔

روما اور عادل کمرے میں داخل ہوئے۔ روما نظریں جھکائے، خاموشی سے چلتی ہوئی اپنی کرسی تک پہنچی۔

فردان عادل سے مصافحہ کر رہا تھا مگر جیسے ہی اُس کی نظر اچانک روما پر جا ٹھہری، لمحہ بھر کو وقت تھم گیا۔ اُس کے کانوں میں سب آوازیں مدھم ہو گئیں، کمرہ جیسے خلا میں بدل گیا تھا۔

روما نے بھی اچانک کسی انجانی تپش کو محسوس کیا اور نگاہ اٹھائی۔ سامنے فردان کھڑا تھا۔ ایک ہی پل میں ماضی کا طوفان اُس پر ٹوٹ پڑا۔ دل کی دھڑکن بے قابو ہو گئی سانسیں الجھنے لگیں۔

"مس روما یہ مسٹر فردان ہیں یہ ہمارے پرفیوم کی ایڈورٹائزمنٹ کریں گے... اور فردان یہ روما ہیں ہماری کمپنی کی ففٹی پرسنٹ ہولڈر" عادل کی آواز گونج رہی تھی، مگر دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے میں گم تھے۔

اچانک روما کے قدم لڑکھڑائے۔ اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ زمین پر گر گئی۔

"روما" فردان بے اختیار چیخا اور بھاگ کر اُس کے قریب پہنچا۔ اُس نے جھک کر اُس کا چہرہ تھپتھپایا "آنکھیں کھولو روما... کیا ہوا ہے تمہیں" اُس کی آواز میں بے بسی، خوف اور تڑپ سب نمایاں تھے۔

کمرے میں موجود سب لوگ بوکھلا گئے۔

"سیف گاڑی نکالو فوراً" فردان نے حکم دیا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اُس نے روما کو اپنی باہوں میں اٹھایا جیسے اُس کی سانسیں اُس کے وجود سے جڑی ہوں۔

کچھ دیر بعد ہسپتال کی ایمرجنسی میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر اور نرسیں روما کو اندر لے گئے۔ باہر عادل دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں فکر تھی۔

ماہ جبین بیگم گھبرائی ہوئی پہنچیں۔ "میری بیٹی کہاں ہے عادل کیسی ہے میری بیٹی
" وہ لرزتی آواز میں بولیں۔

"آنٹی فکر نہ کریں ان شاءاللہ سب ٹھیک ہو گا۔ ڈاکٹر اندر ہیں" عادل نے اُنہیں سہارا دیا۔ اُس کے لہجے میں بھائی جیسا اخلاص تھا۔

اسماعیل بھی ساتھ آیا تھا۔ اُس کی نظر دور کھڑے فردان پر پڑی۔ ایک لمحے میں سب سمجھ گیا۔

"یہ سب ... اِس کی وجہ سے ہوا ہے" اُس نے بھڑک کر کہا۔

ماہ جبین بیگم اور عادل دونوں نے چونک کر فردان کی طرف دیکھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو، اسماعیل "ماں نے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ... یہی فردان ہے، روما کا شوہر "اسماعیل کے جملے نے کمرے کا سکوت توڑ دیا۔ ماہ جبین بیگم پر جیسے بجلی گری ہو۔ وہ پہلی بار فردان کو سامنے دیکھ رہی تھیں۔

اسماعیل آگے بڑھا، فردان کا گریبان پکڑ کر غرایا "اگر نکال دیا ہے اپنی زندگی سے اُسے تو اب کیوں پیچھا نہیں چھوڑ دیتے اُس کا کیوں اُس کی جان کے پیچھے پڑے ہو"

فردان نے غصے سے اُس کا ہاتھ جھٹکا "بیوی ہے میری میں کیوں چھوڑوں اُس کو" اُس کی آنکھوں میں شدت اور درد کی آگ بھڑک رہی تھی۔

اسماعیل طنز سے ہنسا "ہاں وہی بیوی جسے تم گھر سے نکال سکتے ہو... مگر چھوڑ نہیں سکتے "

فضا میں تناؤ کی چنگاریاں بھر گئیں۔ اسی لمحے ڈاکٹر ایمرجنسی سے باہر آئیں۔ "پیشنٹ کو ہوش آگیا ہے۔ آپ مل سکتے ہیں۔ لیکن خبردار کوئی بھی سٹریس دینے والی بات نہ ہو۔ یہ بچے اور ماں دونوں کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے "

ڈاکٹر کی بات نے سب کو لمحہ بھر کے لیے خاموش کر دیا۔ مگر فردان کے دل میں ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔ "روما کو ہوش آگیا ہے... "

ہسپتال کے کمرے میں مدھم پیلی روشنی جل رہی تھی۔ مشینوں کی بیپ بیپ اور ایئر کنڈیشن کی سرسراہٹ خاموشی کو توڑ رہی تھی۔ روما بستر پر لیٹی تھی، رنگت زرد پڑی ہوئی اور پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔ اُس کی پلکیں نیم وا تھیں، جیسے نیند اور بیداری کے درمیان کسی انجانے جہان میں اٹکی ہو۔

دروازہ آہستہ سے کھلا۔ فردان اندر داخل ہوا۔ قدم دبے دبے مگر دل کی دھڑکن طوفان کی طرح بے قابو۔ وہ ایک پل کو دروازے پر رکا، جیسے ہمت باندھ رہا ہو۔ پھر آہستگی سے آگے بڑھا۔

کرسی کھینچ کر بستر کے قریب بیٹھا۔ اُس نے جھک کر روما کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی مگر روما نے جھٹکے سے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ آنکھیں کھول کر سیدھی اُس کی طرف دیکھا۔

"یہاں کیوں آئے ہے آپ" اُس کی آواز مدھم تھی مگر ہر لفظ تیغ کی طرح کاٹتا تھا۔

فردان کے لب لرزے، لیکن کچھ دیر تک زبان ساتھ نہ دے سکی۔ آخر کار اُس نے دھیمی آواز میں گویا ہوا۔

"تمھیں دیکھنے آیا ہوں... جاننے کہ کیسی ہو"

روما ہنس دی، مگر اُس ہنسی میں زہر تھا۔ "اب فکر جاگی ہے؟ پہلے نکالتے وقت کیوں نہ سوچا۔ جب میں سامنے آئی تو میری یاد آ گئی۔ جیسے پہلے مجھے بھول گئے تھے اب بھی بھول جاتے"

فردان کے چہرے پر درد کی ایک لہر دوڑ گئی۔ "میں نے کبھی تمہیں بھلایا نہیں روما... تم جانتی ہو"

"خاموش رہے" روما نے تیز لہجے میں کاٹا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ "اگر واقعی یاد رکھا ہوتا تو میں اس حال میں نہ ہوتی۔ آپ کو اپنی انا زیادہ عزیز تھی... میری عزت، میرا مان... سب روند ڈالا آپ نے"

فردان نے سر جھکا لیا۔ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"تم نہیں جانتیں میں نے کن حالات میں وہ فیصلہ کیا... روما ایک بار... ایک بار میری بات سن لو یار بیوی ہو تم میری"

روما نے رخ موڑ لیا، دیوار کی طرف دیکھنے لگی۔

"میری زندگی میں اب آپ کی بات کی کوئی جگہ نہیں۔ اور براہ کرم... دوبارہ مجھے بیوی کہہ کر مت پکاریئے گا"

کمرے میں سنّاٹا چھا گیا۔ صرف مشین کی بیپ بیپ باقی رہ گئی۔ فردان نے ٹوٹی نگاہوں سے اُس کی پشت کو دیکھا، جیسے الفاظ کی جگہ خاموشی میں ہی کوئی جواب تلاش کر رہا ہو۔

ایک پل کے لیے اُس نے ہاتھ بڑھا کر دوبارہ روما کی انگلیوں کو چھونے کی کوشش کی، مگر پھر خود کو روک لیا۔ آہستہ سے کرسی پیچھے کھسکائی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

دروازے سے نکلتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"سنو" ماہ جبین بیگم نے اُسے پُکارا۔

"جی" وہ اُس نے آنکھیں نہیں ملا پایا شرمندہ تھا۔

"گھر کا ایڈریس لے لو مجھے تم سے بات کرنی ہے" وہ چلتی ہوئی اُس کے قریب آئی۔

اُنھوں نے فردان کو ایڈریس لکھوایا اور وہ ہاسپٹل سے باہر چلا گیا۔

رات کے سائے پورے لندن پر چھا گئے تھے۔ شہر کی روشنیوں کا عکس دریائے ٹیمز کے پانی پر جھلملا رہا تھا۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی اور نمی تھی، اور کبھی کبھار دور سے آتی کشتی کی ہارن خاموشی کو چیر دیتی۔ لیکن اُس لمحے دنیا کی ہر آواز مدھم تھی، کیونکہ فاطمہ اور شہسوار کے لیے وقت جیسے ٹھہر گیا تھا۔

وہ دونوں دریا کے کنارے بینچ پر ساتھ بیٹھے تھے۔ شہسوار کے بازوؤں میں سر چھپائے فاطمہ مسلسل رو رہی تھی۔ اُس کے آنسو شہسوار کی شرٹ کو بھگو رہے تھے۔ حادثے کی یاد اُس کے دل سے مٹ ہی نہیں رہی تھی۔

"فاطمہ اب بس بھی کر و یار... دیکھو میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میری طرف دیکھو"

شہسوار نے آہستہ سے اُس کا چہرہ تھام کر اپنی طرف کرنے کی کوشش کی، لیکن فاطمہ نے ضدی بچے کی طرح دوبارہ اُس کے سینے میں منہ چھپالیا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اُس نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"شہسوار... میں اپنی زندگی آگے بڑھانا چاہتی ہوں۔ تمہارے ساتھ" یہ جملہ شہسوار کے لیے غیر متوقع تھا۔ اُس نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"کیا کہا تم نے" اُس کی آواز بھاری اور حیران تھی۔

فاطمہ نے بھیگی پلکیں اُٹھائیں، نگاہیں اُس کی آنکھوں میں ڈال دیں۔

"میں تھک گئی ہوں... خود سے لڑتے لڑتے۔ اب جینا ہے لیکن صرف تمہارے ساتھ"

شہسوار نے اُس کے بکھرے بال انگلیوں سے درست کیے، جیسے اُس کی زندگی کو سنوار رہا ہو۔

"سچ میں میرے ساتھ"

"ہاں صرف تمہارے ساتھ" فاطمہ نے اُس کے ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے۔

"وعدہ کرو... کبھی دھوکا نہیں دو گے" اُس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

شہسوار کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔ اُس نے اُس کا ہاتھ اور زور سے دبایا۔

"تمہیں دھوکا دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا"

"ہمیشہ محبت کرو گے"

"اکلوتی وارث ہو تم میری محبت کی"

"میرا خیال رکھوں گے"

"تمہارا خیال رکھنا مجھ پر فرض ہے"

فاطمہ نے اُس کے سینے پر سر رکھ دیا"تو آج سے میں... فاطمہ ابراہیم نہیں، فاطمہ شہسوار ملک بننے کے لیے تیار ہوں"

شہسوار نے اُس کے سر پر اپنی ٹھوڑی ٹکادی۔ "تو کیا ابو کو کہہ دوں بیٹے کے ولیمے کی تیاری کرے"

"کہہ دو" اُس نے اُس کے سینے میں چہرہ چھپا لیا۔ اُس کے جواب پر شہسوار کا قہقہہ گونجا۔

دریا کے پانی پر چاندنی کھیل رہی تھی "لیکن مجھے پاکستان واپس نہیں جانا"

"ہم سب کو یہاں بُلا لیں گے۔ تم جہاں رہو، میرا گھر وہیں ہو گا" شہسوار نے فوراً جواب دیا۔

فاطمہ نے سر اُٹھایا، اُس کی آنکھوں میں پہلی بار سکون اور یقین جھلک رہا تھا۔

"سچ میں "

"اب اتنا خوبصورت اظہار میری بیوی نے کیا ہے... اتنا تو کر سکتا ہوں تمہارے لیے" شہسوار نے مسکرا کر اُس کے نوز رنگ پر اُنگلی پھیری۔

فاطمہ کے ہونٹ کانپے۔ "شہسوار، گاڑی کی قدر نہ کر کے میں نے اللہ کی نعمت کھو دی" آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

شہسوار نے اُنہیں صاف کیا۔ "چیزیں دوبارہ آجاتی ہے فاطمہ انسان نہیں... تم نے میری قدر کرلی یہی کافی ہے۔ باقی سب دوبارہ مل جائے گا"

"مجھے تمہارے سوا کچھ نہیں چاہیے اب" فاطمہ نے اُس کے ہاتھ کو چوم لیا۔ "بس کبھی دھوکا مت دینا۔ اب ہمت نہیں ہے دوبارہ خود کو سمیٹنے کی۔ ہمیشہ سب نے مجھے توڑا ہے اور میں نے خود کو جوڑا ہے... لیکن اب چاہتی ہوں کوئی مجھے سمیٹے۔ میں تم پہ ڈیپینڈ کرنا چاہتی ہوں "اُس کی پیشانی شہسوار کی پیشانی سے جا لگی۔

شہسوار نے گہری سانس لی "فاطمہ، میں نے خود سے بڑھ کر تمہیں چاہا ہے۔ میری زندگی کی واحد محبت تم ہو۔ بیوی ہو تم میری، میں بیویوں کو دھوکا دینے کا قائل نہیں ہوں "اُس نے اُسے مضبوطی سے اپنے حصار میں لے لیا۔

"اتنی محبت تھی تو دو مہینے مجھے بُلا کیوں نہیں رہے تھے میں کتنی اُداس تھی" فاطمہ نے شکوہ کیا۔

شہسوار نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں عورت کی برابری یا مرد کے رعب کا روادار نہیں ہوں۔ میں چاہتا تھا تمہیں وقت دوں... تاکہ تم اپنے دل کو سمجھ سکو۔ تم مجھ سے بتمیزی کرو میں برداشت کر جاؤ گا لیکن تم دوسروں سے بتمیزی کرتی تو یہ کوئی برداشت نہیں کرے گا۔ ہر کوئی شہسوار نہیں ہو گا تمہارے لیے فاطمہ مٹی سب کی ایک ہو گی مگر روحیں الگ ہو گی بس اسی لیے دو ماہ دیے تمہیں ، تاکہ لوگوں کو اہمیت دینا سیکھوں"

فاطمہ اُس کی باتوں کی مٹھاس کو اپنے دل میں اترنے لگی۔

"یہ سب کہاں سے سیکھا تم نے"

"اسلام سے"

"اسلام کہاں سے سیکھا"

"نماز سے"

"نماز کب شروع کی"

شہسوار نے اُس کی آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے کہا "جب محبت ہوئی۔"

"محبت کب ہوئی" فاطمہ کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"جب تم ملی"

یہ سنتے ہی فاطمہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اتنی دیر سے جسے برا بھلا کہتی آئی تھی، وہ ہر بار اُسے معتبر کرتا رہا۔

اگر کوئی شہسوار سے پوچھتا وہ کس کے بغیر نامکمل ہے تو وہ ایک جملہ کہتا "اپنی بیوی کے بغیر"

شہسوار نے اُسے اپنی باہوں میں بھینچ لیا۔ اُس کے بخار زدہ جسم کے باوجود وہ فاطمہ کی ہر بات سن رہا تھا۔ دریائے ٹیمز کے کنارے... اُن دونوں کے درمیان رات کا وہ لمحہ اُن کی زندگی کا سب سے خوبصورت لمحہ بن گیا۔

ایک ہفتے سے فردان روزانہ ڈیلی روما کے آفس کے چکر لگا رہا تھا۔ روز آ کر گھنٹوں انتظار کرتا، اور روز خالی ہاتھ لوٹ جاتا۔ آج مگر اُس کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ دھڑام سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

کمرے میں خوشبوؤں کی مہک بکھری ہوئی تھی۔ روما پرفیوم کے سیمپل چیک کر رہی تھی، اچانک فردان کی آمد پر چونک کر چیخ اُٹھی۔

"آپ کو مینرز نہیں ہیں آفس میں آنے سے پہلے اجازت لی جاتی ہے" وہ غصے میں میز پر ہاتھ مارتے بولی۔

فردان کا لہجہ کچا مگر ضدی تھا۔ "اگر آفس بیوی کا ہو تو اجازت فضول ہے" وہ بھی میز پر جھک آیا، جیسے اپنے لفظوں کو وزن دے رہا ہو۔

روما نے سختی سے نظروں کو اُس پر گاڑا، مگر جواب میں صرف سرد لہجہ دیا۔ "آپ یہاں لینے کیا آئے ہیں"

"اپنی بیوی کو لینے آیا ہوں... مس روما" اُس نے لفظ "مس" پر خاص زور دیا جیسے چبھتا ہوا تیر۔

روما نے اپنے جذبات ضبط کرتے ہوئے کرسی پر سہارا لیا۔ "آپ کی جو بیوی تھی نا، اُس کو آپ نے خود اپنی زندگی سے نکالا تھا۔ اب یہاں کوئی بیوی نہیں ہے۔ یہ آفس ہے گھر نہیں بہتر ہو گا چلے جائیے یہاں سے"

فردان کی آنکھوں میں پچھتاوے کا سایہ تیر گیا۔ وہ کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ "معافی مانگتا ہوں روما... میں غلط تھا۔ مجھے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پلیز... معاف کر دو"

روما کا دل چیخ اُٹھا۔ اُس کی آواز میں وہ کرب تھا جو اندر دفن صدیوں کا درد اُکھاڑ دیتا ہے۔

"آپ کی معافی میرے چار ماہ کی اذیت کو ختم نہیں کر سکتی، مسٹر فردان! مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے... جب میرے گھر میں میرے باپ کی میت پڑی تھی۔

کوئی مرد نہیں تھا جو اُس کا کفن دفن کر سکے۔ جیسا بھی تھا، میرا باپ تھا... اور میں اپنی بہن کی شادی پر اُس کا باپ تک بنی۔ کوئی رشتے دار پاس نہ آیا... اور سب سے بڑھ کر میرے شوہر نے ساتھ نہ دیا۔ کاش... کاش کہ آپ نے اُس دن مجھے گھر سے نہ نکالا ہوتا۔ میں نے تو نادانی میں بول دیا تھا لیکن آپ سے میرا مان تک نہ رکھا گیا"

الفاظ کے ساتھ ساتھ اُس کی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ نکلے۔ وہ مضبوط دکھنا چاہتی تھی مگر ٹوٹ گئی تھی۔

فردان کے چہرے پر اذیت کے سائے اور گہرے ہو گئے۔ وہ کرسی سے اُٹھا اور اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"اگر تم نے اتنا کچھ فیس کیا، تو سکون سے میں بھی نہیں تھا، روما! یہ چار ماہ میں نے بھی اذیت میں گزارے۔ تمہیں اُس کا کیوں نہیں اندازہ"

روما نے اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہ کی۔ اُس نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ نے جتنی بھی اذیت برداشت کی، مجھے اُس سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ جا سکتے ہیں۔ ماضی کے باب کو جتنی جلدی بند کر دیا جائے اُتنا بہتر ہے۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں... مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا"

فردان جھک کر اُس کی کرسی کے قریب آگیا۔ اُس کی سانسوں کی تپش روما کے چہرے سے ٹکرانے لگی۔

"ماضی کے باب بند کرنے کا اختیار صرف تمہارے پاس نہیں ہے... مس روما فردان امروز"

روما نے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔ وہ اُس کی آنکھوں کی شدت مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"اگر آپ کو کوئی ضروری بات نہیں کرنی تو آپ جا سکتے ہیں"

فردان نے لمحہ بھر اُسے دیکھا، پھر دھیرے سے جھکا اور اُس کے ماتھے پر بوسہ دے دیا۔

"اپنا خیال رکھنا... شام کو تمہارے گھر آؤں گا"

روما کا وجود تڑپ اُٹھا۔ وہ غصے میں تقریباً چیخی۔

"پہلی بات مجھے چھونے کی کوشش دوبارہ نہیں کرنی۔ دوسری اور آخری بات میرے گھر آنے کی آپ کو بالکل ضرورت نہیں ہے"

فردان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پلٹا" مجھے کیا کرنا ہے اس کی فکر تم مت کرو۔ بس میرا انتظار کرنا... میں آؤں گا"

دروازہ دھڑام سے بند ہوا۔

پیچھے رہ گئی روما... جو میز پر جھک کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

آخر اُس کی زندگی اتنی اذیت بھری کیوں تھی؟ فردان کے ساتھ بھی زندگی عذاب تھی... اور فردان کے بغیر بھی۔

شہسوار نے آفس سے ایک ہفتے کی چھٹی لی تھی۔ وہ دونوں تنہا تھے اور وقت جیسے اُن کے لیے ٹھہر گیا تھا۔ لندن کی سرد صبح میں کچن کی ہلکی روشنی اور کھڑکی سے چھن کر آتی سنہری دھوپ نے ماحول کو مزید پر سکون بنا دیا تھا۔

شہسوار کچن کاؤنٹر کے سامنے کھڑا آملیٹ پلٹ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر ایک عجیب سکون اور آنکھوں میں نرمی تھی۔ قریب ہی ٹیبل پر کہنی ٹکائے فاطمہ اُسے

مسلسل دیکھ رہی تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ کھیل رہی تھی، مگر آنکھوں میں ہلکی سی الجھن بھی چھپی ہوئی تھی۔

"شہسوار... مجھے لگتا ہے میں تھوڑی سی کنفیوز ہو رہی ہوں" اُس کی آواز میں جھجک اور پریشانی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

شہسوار نے آملیٹ پین میں ڈالا۔ "کیوں بھئی اب کیا ہو گیا" فاطمہ نے گہری سانس لی۔

"تمہاری فیملی آج شام یہاں آ رہی ہے۔ میں نے ابھی تک سب سے ڈھنگ سے ملاقات بھی نہیں کی... یہ سب میرے لیے مشکل ہو گا تھوڑا"

شہسوار نے آملیٹ پلیٹ میں رکھ کر اُس کے سامنے کیا۔

"پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے پیرنٹس سے تو تم پہلے ہی مل چکی ہو... صرف ثمن رہ گئی ہے۔ اور وہ ویسے بھی ولیمے کے بعد واپس چلے جائیں گے تم ریلیکس رہو"

فاطمہ نے آملیٹ کا پہلا نوالہ لیا اور ہنستے ہوئے اُسے بھی کھلایا "ویسے میں خوش بھی بہت ہوں"

"اچھا خوشی کس بات کی ہے" شہسوار نے آملیٹ نگلتے کہا۔

فاطمہ نے شرارت سے پلکیں جھپکائیں

"خوشی کی وجہ ہمارا ریسپشن ہے سوچو... سب کچھ کتنا خوبصورت لگے گا کتنا مزہ آئے گا نا" اُس کے چہرے پر خوشی کی روشنی جگمگا اٹھی۔

شہسوار اُس کے انداز پر ہنس پڑا۔ "ہاں... بات تو خوشی کی ہے۔ خیر، اب ناشتہ آرام سے ختم کرو۔ مجھے ایئرپورٹ کے لیے نکلنا ہے۔ اور دیکھو... اگر لیٹ ہو گیا تو آنٹی کے گھر چلی جانا۔ اکیلی مت رکنا فلیٹ میں" وہ ہمیشہ کی طرح اُسے بچوں کی طرح ہدایت دے رہا تھا۔

فاطمہ نے سر ہلایا۔

"جی جناب... اب آپ جا سکتے ہیں تاکہ میں بھی تیاری کر سکوں"

وہ دونوں دروازے تک ساتھ آئے۔ شہسوار نے اُسے نرمی سے گلے لگایا، ماتھے پر ایک پرسکون بوسہ دیا۔

"اوکے، اللہ حافظ"

فاطمہ نے اُس کے جاتے ہوئے پیچھے سے ہاتھ ہلایا "اللہ حافظ"

دروازہ بند ہوا اور کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔ مگر یہ خاموشی بھاری نہیں تھی... بلکہ ایک سکون جیسی تھی۔ فاطمہ کا دل مطمئن تھا۔ زندگی اب سنور گئی تھی۔ شہسوار اُس کا ہمسفر تھا... اُس کا سہارا تھا... اور اُس کا پیار۔ دنیا کی ہر آسائش اُس کے پاس تھی، مگر سب سے بڑھ کر وہ نعمت تھی جس کا کوئی نعم البدل نہیں ایک ایسا شوہر جو اُسے دل سے چاہتا تھا۔ قدر کرنے والا اگر ہمسفر مل جائے تو وہ خدا کی سب سے بڑی نعمت ہوتی ہے۔

باب نہم: 09

نئے سفر کی شروعات

~ نئی کرنوں کا سفر، نئی دعاؤں کا راستہ
یہ زندگی ہمیں پھر سے جینے کو بُلا رہی ہے

کھوٹری میں اندھیرا اٹھہرا ہوا تھا۔ سیلن زدہ دیواروں سے نمی ٹپک رہی تھی اور بوسیدہ فرش پر جمی گرد میں مچھروں کی بھنبھناہٹ گونج رہی تھی۔ موسیٰ آنکھیں بند کیے زمین سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ زنجیروں کی ہلکی کھڑکڑاہٹ اُس کی سانسوں کے شور میں مدغم ہو رہی تھی۔

اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی پاس آیا ہو۔ اُس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور سامنے وہی منظر تھا جس کا برسوں سے خواب دیکھتا رہا تھا۔

فاطمہ۔

سُرخ لہنگے میں، دلہن کے روپ میں، ماتھے پر جھلملاتی بندیا اور آنکھوں میں وہی خفگی اور نرمی کا امتزاج۔ وہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔

موسیٰ کی سانسیں بے قابو ہو گئیں۔

"فاطمہ... تم آگئی۔ کتنے دنوں کے بعد آئی میں نے تمہیں بہت یاد کیا۔ مجھے پتہ تھا تم ضرور آؤ گی۔ پلیز... مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یہ اندھیرا مجھے کاٹ کھاتا ہے۔ دیکھو کتنی پیاری لگ رہی ہو۔ تمہیں اپنی دلہن دیکھنا میری برسوں کی حسرت تھی ۔پاس آؤ نا میرے پاس آؤ"

اُس کی آواز میں جنون لرز رہا تھا۔ وہ حقیقت اور سراب کی لکیر کھو بیٹھا تھا۔

لیکن اسی لمحے کھوٹری کا دروازہ چرچراتے ہوئے کھلا۔ جیلر اندر آیا اور عین وہاں کھڑا ہو گیا جہاں موسیٰ کو فاطمہ کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔

"ہٹ جاؤ پیچھے ہٹو" موسیٰ پاگلوں کی طرح چلایا۔ " نظر نہیں آ رہا وہ بیٹھی ہے یہاں"

جیلر نے طنزیہ ہنسی ہنسا۔

"کیا بکواس ہے یہ؟ یہاں کوئی نہیں بیٹھا" اُس نے موسیٰ کے سینے پر ہاتھ مارا۔

موسیٰ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ "میں کہہ رہا ہوں پیچھے ہٹ "

"نہیں ہٹوں گا جو کرنا ہے کر لے" جیلر نے ہٹ دھرمی دکھائی۔

اگلے ہی لمحے موسیٰ دھاڑا "تیرا تو باپ بھی ہٹے گا"

اور اُس کے ساتھ ہی اُس کے مکے جیلر کے چہرے پر برسنے لگے۔ زنجیروں کے باوجود اُس کے ہاتھوں کی ضربیں وحشت بن گئی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے جیلر کے تین دانت ٹوٹ گئے، ہونٹ پھٹ گیا۔

جیلر کی چیخ وپکار پر تین چار اہلکار اندر دوڑے۔ موسیٰ کو قابو کرنے کی کوشش ہوئی، لیکن اُس کے جسم میں جنون کی طاقت اُتر آئی تھی۔

"تو نے پولیس پر ہاتھ اٹھایا ہے... اب دیکھ، تیرے ساتھ کیا کرتا ہوں" جیلر ہونٹوں سے خون صاف کرتے غرایا۔ "شکیل تین ڈنڈے لے کر آؤ اگر اس کی ہڈیاں نہ توڑیں تو میرا نام بھی کاشف نہیں"

کچھ لمحوں بعد کھوٹری گونج اُٹھی۔

"آآآ... آآآ" موسیٰ الٹا لٹا دیا گیا۔ تین اہلکار یکے بعد دیگرے ڈنڈے برسا رہے تھے۔ شکیل اُس کے بال جکڑ کر کھینچتا اور منہ پر مکے برساتا۔

مگر موسیٰ کی آنکھیں اب بھی اُس جگہ جمی تھیں جہاں چند لمحے پہلے فاطمہ کا ہیولا بیٹھا تھا۔ اُس کے لبوں سے زخمی چیخوں میں فاطمہ کا نام نکل رہا تھا۔

"فاطمہ... واپس آؤ جانا نہیں... دیکھو! میں تمہارے لیے مار کھا رہا ہوں... پلیز مت جاؤ... واپس آؤ... واپس آؤ"

ڈنڈوں کی ضربیں اُس کے بدن کو لہولہان کرتی رہیں۔

پھر ایک بھاری ضرب اُس کے سر کے پچھلے حصے پر پڑی۔ موسیٰ نے ایک کڑوی چیخ ماری، اور پھر بے ہوش ہو گیا۔

کھوٹری کے اندھیرے میں صرف اُس کے لہو کی بُو پھیلی تھی اور دیواروں میں گونجتا نام

"فاطمہ..."

آج موسیٰ شیر خان نے فاطمہ ابراہیم کے لیے مار بھی کھالی تھی۔

بالآخر وہ لمحہ آہی گیا جس کا شدت سے انتظار تھا۔ لندن کی شام ویسے ہی اپنی رومانوی فضا کے لیے مشہور تھی، مگر آج گرین وچ کے دلکش بینکوئٹ ہال میں

سجی روشنیوں اور خوشبوؤں نے اسے اور بھی جادوئی بنا دیا تھا۔ دروازے پر لگے بڑے سے بورڈ پر سنہری حروف میں لکھا تھا۔

“Fatima ♥ Shehswar”

اندر داخل ہوتے ہی ہر طرف خوشیاں، قہقہے اور مبارک بادوں کی گونج تھی۔ نرم روشنیوں میں سجی میزیں، پھولوں کی مہک اور مدھم موسیقی تقریب کو خوابوں سا بنا رہی تھی۔

شہسوار ہال کے ایک کونے میں اپنے مہمانوں کا استقبال کر رہا تھا۔ براؤن تھری پیس سوٹ میں اُس کی شخصیت اور بھی نکھر گئی تھی۔ وقار اور دلکشی ساتھ ساتھ

جھلک رہے تھے۔ حانم بیگم نے دور سے بیٹے کو دیکھا تو دل ہی دل میں اُس کی نظر اُتارنے لگیں۔

"میرا بیٹا آج کتنا خوش ہے... "اُن کے لبوں سے بے اختیار دعا نکلی۔

شہسوار اُن کے قریب آیا "امی... اپنی پسند کا ہمسفر مل جانا کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔ بس اسی لیے خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی "

حانم بیگم نے مسکراتے ہوئے اُس کا رخ داخلی دروازے کی طرف کیا۔

"چلو تمہاری دلہن آگئی ہے... ماشاءاللہ کتنا پیارا جوڑا ہے۔ اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے "

شہسوار کی نظر جیسے ہی داخلی دروازے پر پڑی۔ سانسیں لمحے بھر کو تھم گئیں۔

فاطمہ ہلکی سی مسکراہٹ اور شرمائی سی نگاہوں کے ساتھ آرہی تھی۔ اُس نے اسکائی بلیو لہنگا پہنا تھا جس پر باریک چاندی کی کڑھائی جگمگا رہی تھی۔ جھلمل کرتی روشنیوں میں اُس کا روپ ایسا لگ رہا تھا جیسے چاندنی زمین پر اُتر آئی ہو۔ زیورات کی جھنکار اور مہندی کے رنگ نے اُس کے حسن کو مکمل کر دیا تھا۔

شہسوار نے ہمیشہ اُسے خوبصورت پایا تھا، مگر دلہن بنی فاطمہ کا یہ روپ اُس کے لیے جیسے ایک نیا انکشاف تھا۔ وہ چند لمحے بس اُسے دیکھتا رہ گیا۔

فاطمہ قریب آئی تو اُس نے پورے حق سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ فاطمہ نے لمحہ بھر کو نظریں جھکائیں اور پھر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو" اسٹیج پر بیٹھتے ہوئے فاطمہ نے ہلکی سی شرارت سے پوچھا۔

شہسوار نے دھیمی آواز میں جواب دیا "اچھی لگ رہی ہو"

فاطمہ کی آنکھوں میں چمک آگئی "میں تو ہمیشہ اچھی لگتی ہوں"

شہسوار مسکرایا اور اُس کا مہندی بھرا ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں... مگر بیوی کی حیثیت سے زیادہ اچھی لگ رہی ہوں"

فاطمہ نے صرف مسکرا کر نظریں جھکا لیں، مگر اُس کا دل خوشی سے لبریز ہو چکا تھا۔ وہ دنیا دیکھ رہی تھی اور وہ اُسے کیونکہ وہ شہسوار کی دنیا تھی۔

اسی لمحے ثمن چھوٹی حور کو ساتھ لیے اسٹیج پر آئی۔ اُس نے شہسوار کو فاطمہ کی طرف یک ٹک دیکھتے بولی۔

"کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے بیوی کو" ثمن بھی اُسی کی کزن تھی کیسے ہاتھ سے موقع جانے دیتی۔

شہسوار نے ہنستے ہوئے حور کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔

"میری نظر اُسے کبھی نہیں لگے گی۔ ہے نا چوٹو بتاؤ اپنی ماما کو"

حور نے ہنستے ہوئے کان کے قریب آ کر سرگوشی کی۔

"ماموں مامی کتنی کیوٹ ہیں نا بلکل ڈول لگ رہی ہے"

شہسوار مسکرایا کیونکہ وہ سچ کہہ رہی تھی۔

"یہ بات مامی نے سن لی نا... تو وہ بلش کرنے لگی"

اسٹیج پر قہقہوں اور باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ثمن اور فاطمہ آہستہ آہستہ گپ شپ میں مصروف ہو گئیں۔ وقت گزرتا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ولیمے کی تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

فاطمہ اور شہسوار کے لیے یہ اختتام نہیں تھا... بلکہ ایک نئے سفر کی شروعات تھی۔

"پرانے زخم مندمل ہو یا نہ ہو، وقت نئے راستے ضرور بنا دیتا ہے"

آج موسیٰ شیر خان فاطمہ ابراہیم کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے چلا گیا تھا۔

ڈرائنگ روم کی خاموش فضا صرف لیپ ٹاپ کی ہلکی سی ٹِک ٹِک سے بھری ہوئی تھی۔ روما اپنے کام میں ڈوبی بیٹھی تھی کہ اچانک دروازے سے مردانہ قدموں کی چاپ اُبھری۔

"السلام علیکم"

روما نے چونک کر سر اُٹھایا۔ جیسے ہی اُس کی نظریں فردان پر پڑیں، اُس کے رگ وپے میں غصہ اُبل پڑا۔ آنکھوں میں برسوں کا دکھ، بے بسی اور ناراضگی بھڑک اُٹھی۔ وہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی، لیپ ٹاپ ایک طرف پھینک دیا۔

"آپ کس کی اجازت سے یہاں آئے ہیں؟ ابھی اسی وقت میرے گھر سے نکلیں"

فردان کے قدم لمحہ بھر کو ڈگمگائے مگر وہ ضبط کیے کھڑا رہا۔ ہاتھ میں تھامی ٹوکری اور پھولوں کا گلدستہ اس کے خلوص کی گواہی دے رہے تھے۔

ماہ جبین بیگم نے آگے بڑھ کر نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی "روما... میری بات سنو بیٹا..."

لیکن روما کا لہجہ آگ کی طرح دہک رہا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا ماں آپ ان کو نکالیں ابھی کہ ابھی"

فردان آہستہ سے بولا اُس کی آواز تھرتھرا رہی تھی۔

"روما... یہ دیکھو میں تمہارے لیے"

وہ الفاظ ادھورے ہی رہ گئے جب روما نے اُس کے ہاتھ سے گلدستہ چھین کر زمین پر دے مارا۔

"یہ خیرات ہمیں نہیں چاہیے فردان صاحب اپنے پاس رکھیں"

فردان کی آنکھوں میں دکھ کی پرچھائیاں اُتر آئیں۔

"یہ خیرات نہیں ہے... یہ میرا خیال ہے تمہارے لیے... ہمارے بچے کے لیے"

روما نے ایک کڑوی مسکراہٹ کے ساتھ آنسو ضبط کیے۔

"نہیں چاہیے جہاں تک میں نے اپنے بچے کا اکیلے خیال رکھا ہے، آگے بھی رکھ لوں گی۔ مجھے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں"

کمرے میں لمحہ بھر کو خاموشی چھا گئی۔ ماہ جبین بیگم نے فردان کو دیکھا۔

"بیٹا... جاؤ۔ یہ ابھی غصے میں ہے، اس کی طبیعت مزید نہ بگڑ جائے"

فردان کچھ دیر خاموش کھڑا رہا، جیسے سینے پر پتھر رکھ کر خود کو باہر دھکیل رہا ہو۔ پھر بغیر کچھ کہے پلٹ گیا۔

دروازہ بند ہوا تو روما کی ہمت ٹوٹ گئی۔ وہ صوفے پر گر پڑی اور زاروقطار رونے لگی۔

"ماں...وہ واپس کیوں آیا؟ لوگ مجھے چھوڑ کیوں جاتے ہیں؟ کیا میں اتنی بری ہوں کہ کوئی میرا ساتھ نبھا نہیں سکتا؟ پہلے جاتے ہیں... پھر جب دل چاہے واپس آ جاتے ہیں۔۔۔ کیوں کیوں کیوں آخر میں ہی کیوں"

ZNZ Zubi Novels Zone

ماہ جبین بیگم اُس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں، اسے بانہوں میں بھر لیا۔ اُن کے سینے سے لگ کر روما کے آنسوؤں کی بارش اور بھی تیز ہو گئی۔ کمرہ سسکیوں سے بھر گیا، اور باہر کھڑکیوں پر شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔

ولیمے کی رونقیں ختم ہو چکی تھیں، ہنسی خوشی کی آوازوں سے بھرا گھر اب سکون اور تھکن سے لبریز دکھائی دیتا تھا۔ مہمان اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے مگر شہسوار کا فلیٹ اب بھی زندگی اور محبت کے رنگوں سے سجا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم میں نرم روشنی جل رہی تھی، کُرسیوں پر بکھری ہوئی خوشبو اور تحفوں کی چمک ہر طرف عید سا سماں باندھ رہی تھی۔

ثمن نے شوخی بھری مسکراہٹ کے ساتھ ایک لفافہ شہسوار کے آگے کیا۔

"یہ میرے اور ظہیر کی طرف سے... اسکاٹ لینڈ کا ٹور پیکج۔ سوچا لندن کے قریب ہے تو تم دونوں خوب انجوائے کر لو گے"

شہسوار نے لفافہ لیتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں شرارت سے دیکھا۔

"ویسے اتنی بڑی مہربانی کس خوشی میں کی گئی؟"

ثمن نے جھٹ سے جواب دیا" یہ مہربانی صرف تمہاری بیوی کی وجہ سے ہے، ورنہ تمہیں تو میں پھوٹی کھوڑی بھی نہ دیتی"

دونوں کی چھیڑ چھاڑ پر کمرہ قہقہوں سے گونج اُٹھا، اور فاطمہ ہنستے ہنستے رخسار چھپانے لگی۔

اسی لمحے حانم بیگم نے نرمی سے فاطمہ کو قریب بلایا۔

"بیٹا یہ میرے اور تمہارے انکل کی طرف سے ہے" انہوں نے نہایت نزاکت سے ایک نفیس سا گولڈ سیٹ اُس کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

فاطمہ کے لب کانپ گئے، اُس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ "اس کی ضرورت نہیں تھی آنٹی، آپ کا آنا ہی میرے لیے کافی تھا" اُس پل اُسے اپنی ماں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔

شاہنواز صاحب نے فاطمہ کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھا۔ "بیٹا، یہ تمہارا حق ہے رکھ لو"

پھر اُن کی نظر کمرے کے اطراف پر پڑی۔ "شہسوار... یہ فلیٹ کچھ زیادہ بڑا نہیں لے لیا" آواز میں طنز کا ہلکا سا رنگ تھا۔

شہسوار لمحے بھر کو گڑبڑا گیا، "بابا... جلدی میں بس یہی ارینج ہوا تھا" اُس کے لہجے میں جھوٹ کی جھجھک صاف جھلک رہی تھی۔

اسی دوران ظہیر کھڑا ہوا، اُس نے ننھی حور کو گود میں اٹھایا جو صوفے پر گہری نیند میں تھی۔

"انکل، میرے خیال سے ہمیں نکلنا چاہیے۔ ہوٹل بھی جانا ہے، صبح چار بجے کی فلائٹ ہے"

شاہنواز صاحب نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور سر ہلایا۔ " صحیح کہہ رہے ہو، کافی ٹائم ہو گیا"

سب آہستگی سے اٹھے۔ رخصتی کے لمحے دعاؤں کی برسات ہوئی۔ حانم بیگم نے فاطمہ کو پیار سے گلے لگایا، شاہنواز صاحب نے شہسوار کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ جاتے جاتے سب نے ڈھیروں دعائیں دیں۔

چند لمحوں بعد فلیٹ کا دروازہ بند ہوا تو کمرہ خالی سا لگنے لگا۔ تحفوں کی خوشبو، گہری خاموشی اور اُن دعاؤں کی بازگشت اب بھی دیواروں میں رچی ہوئی تھی۔ فاطمہ نے شہسوار کی طرف دیکھا، جیسے سوچ رہی ہو یہ سفر واقعی اب ایک نئی شروعات ہے۔

کمرے کی مدھم روشنی میں رئیسہ بچوں کو لوری سنا کر سُلا رہی تھی۔ احمد اور عبداللہ نرم کمبلوں میں لپٹے سکون سے لیٹے تھے۔ دروازہ کھلا تو سیام آہستہ قدموں سے اندر آیا۔ اُس کے چہرے پر فکر کی پرچھائیاں تھیں، جنہیں رئیسہ نے فوراً بھانپ لیا۔

"کیا ہوا سیام؟ کوئی پریشانی ہے" اُس نے ہلکی سی آواز میں پوچھا، جیسے بچوں کی نیند نہ ٹوٹے۔

سیام ایک لمحے کے لیے رکا "فردان کا فون آیا تھا روما مل گئی ہے۔ اُس نے ہمیں اسلام آباد بُلایا ہے۔ میں نے امی ابو سے بات کر لی ہے۔ کل صبح نو بجے نکلیں گے۔ تم پیکنگ کر لینا"

یہ خبر سنتے ہی رئیسہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اُس کی آنکھوں میں حیرت اور خوشی ایک ساتھ جھلکی۔

"کیا... سچ میں روما مل گئی ہے "اُس نے لرزتی آواز میں کہا، جیسے اب بھی یقین نہ آ رہا ہو۔

سیام احمد کے چھوٹے سے ہاتھ کو اپنی ہتھیلی میں لی۔

"ہاں بالکل اسی لیے اُس نے بلایا ہے۔ کل تیاری رکھنا بچوں کے گرم کپڑے رکھ لینا"

رئیسہ کی آنکھوں میں نمی تیر گئی جیسے ایک بھاری بوجھ اُتر گیا ہو۔ وہ جلدی سے کھڑی ہوئی اور الماری کی طرف بڑھی "اوکے، میں ابھی پیکنگ کر لیتی ہوں"

کمرے میں ایک عجیب سا سکون پھیل گیا۔ سیام احمد کے ننھے ہاتھ کے ساتھ کھیلتے کھیلتے خود بھی تھکن سے سو گیا، اور رئیسہ پر سکون مگر تھوڑی سی گھبراہٹ کے ساتھ سامان رکھنے لگی۔ باہر رات کی خاموشی تھی، مگر اندر اُن کے دلوں میں کل کے سفر کی ہلچل جاگ اُٹھی تھی۔

فاطمہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے کانوں کے جھمکے ٹھیک کر رہی تھی۔ شفاف آئینے میں اُس کا سراپا عکس ایک دلہن کی طرح دمک رہا تھا۔ اُس نے ذرا گردن موڑ کر دیکھا تو ٹھٹھک گئی دروازے سے ٹیک لگائے شہسوار کھڑا ہاتھ میں موبائل لیے، اُس کی ہر حرکت کو کیمرے میں قید کر رہا تھا۔

"تم میری پیکچرز کب سے لینے لگے" فاطمہ نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا اور دو قدم آگے بڑھی۔

شہسوار نے اُس کی طرف چار قدم بڑھائے "جب سے شادی ہوئی ہے"

"مطلب" فاطمہ کے لبوں پر ہلکی سی ہنسی کھل اٹھی۔

"مطلب صاف ہے... جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو، ہر لمحہ قید کرنے کو دل چاہتا ہے" اُس نے موبائل اُس کے سامنے کیا۔ ہوم اسکرین پر اُس کی تصویر وال پیپر لگی ہوئی تھی جس میں وہ سکون سے سو رہی تھی۔

فاطمہ نے چونک کر موبائل پکڑا "ناٹ ایٹ آل ! کہ جب میں سوتی تھی، تب تم میری نیند کا فائدہ اُٹھاتے تھے" اُس کی آنکھوں میں شرارت تھی مگر دل میں انجانی لجاوٹ بھی۔

شہسوار صرف مسکرا دیا کیونکہ وہ سچ کہہ رہی تھی۔

فاطمہ نے گیلری کھولی تو حیرتوں کے در کھلتے گئے۔ "یہ تو ساری تصویریں میری ہی ہیں" وہ بے ساختہ بولی۔ کبھی وہ صوفے پر بیٹھی ہوئی، کبھی پارک میں کبھی نیند کے گہرے عالم میں۔

"مجھے تمہیں دیکھنا اچھا لگتا ہے، اس لیے تصویریں لیتا گیا..." شہسوار نے نرمی سے موبائل واپس لے کر جیب میں رکھ لیا۔

فاطمہ نے اُس کی گردن میں بازو ڈال دیے آنکھیں اُس کے قریب لے آئیں " کیا تمہیں مجھ سے آبسیشن ہے"

شہسوار نے دھیرے سے اُس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ "ہاں... میں تم سے آبسسیڈ ہوں"

وہ لمحہ جیسے تھم گیا۔

"تم سے محبت کرنے کی ایک اور وجہ مل گئی ہے" فاطمہ نے اُس کی ٹائی درست کی۔

"وجہ ؟یعنی تم مجھ سے وجوہات کی بناپر محبت کرتی ہو" شہسوار کی آواز میں خفگی اور حیرت گھل گئی۔

فاطمہ نے آہستہ سے اپنا سر اُس کے سینے پر رکھ دیا جہاں دل کی دھڑکن چل رہی تھی "وجوہات ایسی ہیں جو مجھے مجبور کرتی ہیں کہ تم سے محبت کی جائے"

شہسوار نے اُس کے گرد اپنے بازو سختی سے کس دیے۔ "کون سی وجوہات"

فاطمہ کی آواز بھرا گئی۔ "جن لوگوں کے لیے میں مثال تھی، وہی مجھ پر الزام لگا کر چھوڑ گئے۔ میرے اپنوں نے مجھے گھر سے نکالا۔ ایک ہوٹل کے کمرے نے

مجھے بد کردار ٹھہرایا۔ اُس وقت صرف ایک شخص تھا میرے ساتھ... وہ تھے تم۔ میں نے کہا مجھے پاکستان سے باہر جانا ہے، تم مجھے لندن لے آئے۔ میں نے ضد میں وہ سب کچھ کیا جو تمہیں تکلیف دیتا، مگر تم نے ہمیشہ نظر انداز کر دیا۔ کیا یہ سب وجوہات کافی نہیں کہ تم سے محبت کی جائے؟"

اُس نے ایڑیوں کے بل اونچی ہو کر شہسوار کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ اُس لمحے شہسوار نے محسوس کیا، جیسے یہ عورت واقعی اُس کی زندگی کا سب سے قیمتی انعام ہے۔

"اب ایسے کرو گی تو... قسم سے، ہوش کھو بیٹھوں گا۔ تمہارا پہلا اظہارِ محبت ابھی تک یاد ہے، مجھ پر رحم کھاؤ فاطمہ" شہسوار نے اُس کے ہونٹوں کو چھوا۔

"شہسوار... ایک بات کہوں "اُس کا نام اُس کے لبوں سے گلاب کی پتی کی طرح جھڑتا تو شہسوار چاہتا کہ وہ بس بولتی جائے اور وہ سنتا جائے

"بولو... "اُس نے اُس کے چہرے کو اپنی ہتھیلیوں میں بھر لیا۔

"میں تم سے زیادہ حسین نہیں ہوں، پھر بھی تم مجھ سے اتنی محبت کیوں کرتے ہو"

آج اُس کے حسن کے آگے شہسوار کا وقار، اُس کی شخصیت کا رُعب زیادہ نمایاں تھا۔

شہسوار کا لہجہ مدھم تھا "محبت کے بازار میں حسن کی ضرورت نہیں... دل جس پہ آجائے، وہ سب سے حسین لگتا ہے"

فاطمہ مسکرا دی "تم بہت اچھے ہو شہسوار... مجھے تمہارے ساتھ تصویریں لینی ہیں "اُس نے جھٹ سے موبائل اُس کی پاکٹ سے نکال لیا۔

شہسوار نے اُسے اپنے سامنے کھڑا کر کے کیمرہ سیٹ کیا۔

"ارے... تمہاری ہائیٹ بہت بڑی ہے، ذرا جھک جاؤ" فاطمہ نے کیمرے میں دیکھ کر ناک سکیڑی۔

شہسوار ہنس پڑا۔ "میری ہائیٹ ٹھیک ہے، تم ہی چھوٹی ہو "اُس نے شرارت سے اُس کے سر پر ہلکی سی چِت لگائی۔

"اب کیا کروں؟ میں تو پکچر میں آ ہی نہیں رہی" فاطمہ نے منہ پھلایا۔

"میرے پاؤں پر کھڑی ہو جاؤ" شہسوار نے مشورہ دیا۔

"میں نے ہیل پہنی ہے، چُبھے گی تمہیں" فاطمہ کی پشت ابھی بھی اُس کے سینے سے لگی تھی۔

"دو منٹ کی بات ہے جان اتنا برداشت کر سکتا ہوں" کہتے ہی شہسوار نے اُس کو کمر سے تھام کر اپنے قدموں پر کھڑا کر لیا۔

"واہ...اب بالکل پرفیکٹ ہے" فاطمہ نے قہقہہ لگایا اور ڈھیروں تصاویر کھینچ ڈالیں۔

اُس لمحے دونوں کے چہروں پر ایک ہی مسکراہٹ تھی۔ وہ ایک دوسرے کو مکمل کر گئے تھے۔ کتنا کچھ کھونے کے بعد یہ لمحے نصیب ہوئے تھے محبت اور اعتماد کے یہ نادر پل۔

دوپہر کی خنک روشنی کھڑکی کے پردوں سے چھن کر ڈرائنگ روم میں پھیل رہی تھی۔ فردان اپنے پورے خاندان کے ساتھ اندر داخل ہوا تو کمرے کا ماحول ایک لمحے کو بوجھل سا ہو گیا۔ ماہ جبین بیگم اور حفصہ بیگم آپس میں کسی بات پر ہنس رہی تھیں کہ اچانک دروازہ کھلا اور روما اندر آئی۔ اُس کے چہرے پر دفتر کی تھکن اور دل کی بیزاری صاف جھلک رہی تھی۔

وہ چند لمحے دروازے پر رکی، آنکھیں جیسے بے اختیار فردان کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ پھر سنبھلتے ہی اُس نے نظریں جھکائیں۔

"بیٹا سلام کرو" ماہ جبین بیگم نے پیار سے کہا۔

"السلام و علیکم" روما نے آہستگی سے کہا اور بغیر رُکے سیدھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ماہ جبین بیگم شرمندہ ہوئی اُس کی حرکت پر "تھکی ہوئی ہے بیچاری، بس اسی لیے"

فردان نے احمد کو رئیسہ کی گود میں تھمایا" آنٹی میں اُس سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں"

ماہ جبین بیگم نے سر ہلا دیا" جاؤ بیٹا"

کمرے کا دروازہ کھلا تو روما ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔

"روما میری بات سنو یار.. "فردان نے نرم لہجے میں کہا۔

روما نے اچانک سر اُٹھایا آنکھوں میں غصے کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔

"میں نے آپ کو منع کیا تھا یہاں آنے سے اور آپ اپنا پورا خاندان اُٹھا لائے"

اُس کی آواز میں شعلہ تھا۔

فردان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"ہمارے ہاں لڑکی کا رشتہ لینے پورا خاندان ہی آتا ہے اور بات اگر بیوی کی ہو تو بارات آتی ہے" یہ سادگی اور معصومیت لمحہ بھر کو فضا میں عجیب سا سکوت لے آئی، مگر روما کا دل نہ پگھلا۔

اُس نے پاس پڑا پلو فردان کی طرف اُچھالا "مجھے آپ کے رشتے میں کوئی انٹرسٹ نہیں"

فردان نے خاموشی سے پلو اُٹھایا، بیڈ پر واپس رکھا اور خود اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

"روما... پلیز معاف کر دو۔ مانتا ہوں غلطی ہو گئی۔ مگر اب ایک موقع دے دو" اُس نے آہستگی سے اُس کے ہاتھ تھام لیے۔

"چھوڑیں میرا ہاتھ۔ کبھی معاف نہیں کرنا آپ کو" روما نے سختی سے ہاتھ چھڑا لیے۔

اسی لمحے رئیسہ اندر آئی۔ اُس نے سب کچھ دیکھ لیا تھا۔

"فردان تم باہر جاؤ... مجھے روما سے بات کرنی ہے"

فردان چپ چاپ کمرے سے نکل گیا۔ اُس کے قدموں کی چاپ جاتے جاتے مدھم ہو گئی۔

رئیسہ آگے بڑھی۔ "روما، میں جانتی ہوں تمہارے ساتھ غلط ہوا... لیکن سزا اُس نے بھی کاٹی ہے"

روما نے طنزیہ قہقہہ لگایا۔ "سزا اُس نے کاٹی؟ سزا تو میں نے کاٹی ہے"

رئیسہ کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔ اُس نے روما کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔
"تمہاری یاد میں وہ ہسپتال پہنچ گیا، روما پچیس سال کی عمر میں دل کا دورہ پڑا... اور تم کہتی ہو اُس نے سزا نہیں کاٹی"

روما سکتے میں آ گئی۔ فردان کا دل کا دورہ سن کر اُس کے اندر کی زمین ہل گئی۔ سانس جیسے گلے میں اٹک گئی۔

رئیسہ نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "پلیز روما... ایک موقع دے دو۔ ایک نئی زندگی تمہارا انتظار کر رہی ہے"

کچھ لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر روما کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ "اُنھیں اندر بھیج دیں..."

رئیسہ کی آنکھوں میں اطمینان کی جھلک ابھری "ابھی بھیجتی ہوں" وہ مسکرا کر باہر نکل گئی۔

کمرے میں بس دل کی دھڑکنوں کی آواز باقی رہ گئی۔

دروازہ آہستہ سے بند ہوا تو کمرے میں صرف فردان اور رومارہ گئے۔ فردان کے قدم بھاری مگر دل کی دھڑکن تیز تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس کے قریب آیا اور گھٹنوں کے بل اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"روما..." اُس کی آواز ٹوٹ رہی تھی "میں جانتا ہوں تمہیں بہت دکھ دیا، لیکن یقین کرو، میری زندگی کا ہر لمحہ تمہارے بغیر سزا رہا ہے"

روما کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، مگر اُس نے ہونٹ بھینچ کر ضبط کیا۔

"فردان... یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ زخم بہت گہرے ہیں"

فردان نے ہاتھ جوڑ دیے جیسے اپنی انا کو زمین پر رکھ دیا ہو۔

"بس ایک بار معاف کر دو، میں وعدہ کرتا ہوں اپنی باقی زندگی تمہیں خوشیوں کے سوا کچھ نہیں دوں گا"

یہ الفاظ روما کے دل کی سختی کو توڑنے لگے۔ اُس نے بے اختیار نظریں اُس کی آنکھوں میں ڈالیں وہاں پچھتاوے کے ساتھ محبت کی تڑپ بھی تھی۔

لمحہ بھر کو وہ چپ رہی، پھر دھیرے سے بولی

"ٹھیک ہے... میں معاف کرتی ہوں"

فردان کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ وہ بے اختیار اُس کے قریب آیا اور روما کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ اُس کے وجود کی لرزش اور دھڑکن ایک دوسرے سے جا ملی۔

"شکریہ، روما... شکریہ" فردان نے اُس کے کانوں میں سرگوشی کی۔

روما کے لب ہلکے سے مسکرائے، اور اُس کی پلکوں پر نمی چمکنے لگی۔ فردان نے آہستگی سے اُس کے ماتھے پر بوسہ دیا، جیسے اُس لمحے اُس نے معافی نہیں بلکہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی دولت پا لی ہو۔

کمرے میں سکوت تھا، مگر دونوں کے دل ایک دوسرے کی دھڑکنوں سے بھر گئے تھے۔

اسکاٹ لینڈ کی سرد ہواؤں نے کاٹیج کو گھیر رکھا تھا۔ باہر برف کے گالے نرم نرم زمین پر بکھر رہے تھے اور کھڑکیوں کے شیشوں پر دھند جم گئی تھی۔ اندر کاٹیج کی ہلکی مدھم روشنی اور آگ کے الاؤ کی گرمجوشی نے ماحول کو خوابناک بنا رکھا تھا۔

شہسوار صوفے پر بیٹھا، بلیکنٹ اوڑھے، لیپ ٹاپ گود میں رکھے کام میں مصروف تھا۔ فاطمہ ٹرے میں بھاپ اُڑاتی چائے لے کر آئی۔

"اگر تمہیں یہاں بھی کام کرنا تھا تو مجھے لانے کی کیا ضرورت تھی" فاطمہ کی آواز میں خفگی تھی۔

اس نے کپ میز پر رکھا اور ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ شہسوار نے مسکراتے ہوئے لیپ ٹاپ بند کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھالیا۔

"یار بس تھوڑا سا کام ہے"

فاطمہ نے منہ پھلایا" یہ ہنی مون ٹرپ تھوڑی ہے یہ تو ورک ٹرپ ہے تم کرو اپنا کام چھوڑو مجھے"

شہسوار نے لیپ ٹاپ ایک طرف رکھ دیا اور اسے زور سے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔" تمہیں کیسے چھوڑ دوں اتنی مشکلوں سے ملی ہوں"

اس کے لاڈ والے لہجے پر فاطمہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ ابھی وہ اس کے گلے میں باہیں ڈالے بیٹھی تھی کہ اچانک شہسوار کی نظر اس کے ننگے پیروں پر پڑی۔

"فاطمہ تم نے سوکس کیوں نہیں پہنے؟ اتنی سردی ہے یہاں" وہ فوراً کھڑا ہوا۔

"ویسے ہی دل نہیں کیا لیکن تم کہاں جا رہے ہوں"

"ویٹ آتا ہوں"

فاطمہ نے حیران ہو کر اسے جاتے دیکھا۔ چند لمحوں بعد وہ ہاتھوں میں موٹے اُونی موزے لیے واپس آیا اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"پاؤں آگے کرو"

فاطمہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تم... تم مجھے سوکس پہناؤ گے"

"ہاں بلکل۔ تم میری بیوی ہو پہنا سکتا ہوں" اُس نے نرمی سے جواب دیا۔

اس نے بلیکنٹ ایک طرف کیا، اور اس کے سرد سفید پاؤں اپنے ہاتھوں میں لیے آہستگی سے موزے پہنائے۔ اُس نے کبھی سوچا نہیں تھا کوئی لڑکی اس حد تک بھی عزیز ہو جائے گی کہ وہ اُسے سوکس پہنائے گا۔ فاطمہ اس کی محبت بھری حرکت پر مسکرا دی۔

"اگر تم ایسے لاڈ اٹھاتے رہے تو یہ چوبیس سال کی لڑکی بچی بن جائے گی"

شہسوار نے سر اُٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا "کوئی بات نہیں میں اس بچی کو بڑا کر لوں گا" پھر اس کی نوز پن پر ہلکے سے لب رکھے۔

فاطمہ شرما کر اس کے سینے سے لگ گئی "اچھا، اب اپنا کام مکمل کر لو"

شہسوار نے بلیکنٹ اوڑھا کر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اور دوبارہ لیپ ٹاپ کھول لیا۔

کچھ ہی دیر میں فاطمہ نے اُس کی انگلیوں کو کی بورڈ پر چلتے دیکھ کر شرارت شروع کر دی۔ کبھی کی بورڈ پر ہاتھ رکھ دیتی تو کبھی اس کی انگلیاں دبا دیتی۔

" باز آجاؤ فاطمہ " وہ ہنستے ہوئے اُس کا ہاتھ پکڑ گیا۔

" نہیں ابھی مجھے تنگ کرنا ہے " وہ ضد سے دوسرا ہاتھ آگے بڑھا کر کی بورڈ پر رکھ دیتی۔

اچانک لیپ ٹاپ ڈِس بیلنس ہو کر نیچے گر گیا۔ فاطمہ نے گھبرا کر شہسوار کو دیکھا، اُسے لگا کہ اب وہ ڈانٹے گا۔

"پلیز نیچھے سے اُٹھا لو مجھے اُمید ہے یہ نہیں ٹوٹا ہو گا" وہ آنکھیں مٹکا کر بولی۔ معصومیت ختم تھی فاطمہ ابراہیم کی اس ادا پر۔

شہسوار نے بجائے کچھ کہنے کے اُس کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"تم اپنی ان اداؤں سے میری جان لے لو گی لڑکی"

فاطمہ نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ ہٹایا۔ "یہ آنکھوں پر ہاتھ کیوں رکھتے ہو میری"

شہسوار نے اُس کی آنکھوں کو چوما۔ "تاکہ نظر نہ لگے... جن سے تم مٹکا مٹکا کر دیکھتی ہو"

فاطمہ حیران ہوئی "میری آنکھوں میں کیا خاص بات ہے یہ بھی تو سب کی طرح سیاہ ہیں"

شہسوار نے نیچے سے لیپ ٹاپ اُٹھایا جو کارپٹ پر گرنے کی وجہ سے محفوظ تھا۔ "تمہاری یہ سیاہ آنکھیں کسی کا بھی اُجالا بن سکتی ہے"

فاطمہ شرم سے اُس کے سینے سے لگ گئی۔ "اب ایسی باتیں مت کرو..."

شہسوار نے ہنستے ہوئے اسے اور قریب کیا۔ "سو جاؤ فاطمہ"

ایک ہاتھ سے اُس کے بالوں کو سہلاتا رہا اور دوسرے ہاتھ کی انگلیاں کی بورڈ پر دوڑانے لگا۔

کاٹیج کے باہر برف گرتی رہی اور اندر ان دونوں کے درمیان وقت تھم سا گیا۔

اندھیرے نے جیل کی اُس تنگ و تاریک کھوٹری کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ دیواروں پر نمی اُتر آئی تھی اور سڑاند بھری ہوا نے سانس لینا دشوار کر دیا تھا۔

وہاں بیٹھا موسیٰ اپنی ہی چھایا سا لگ رہا تھا، کمزور، ٹوٹا ہوا، جیسے اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہو۔

فاطمہ کی جدائی نے اُسے نگل لیا تھا۔ وہ شخص جو کبھی طاقت اور وقار کی پہچان تھا، آج ٹوٹے بکھرے لفظوں اور بے بسی کی چیخوں میں بدل گیا تھا۔

"مجھے جیل میں یاد مت آیا کرو، فاطمہ... خدا کے لیے نکل جاؤ میرے دماغ سے میں اتنی اذیت نہیں برداشت کر سکتا خدا کے لیے نکل جاؤ میرے دماغ سے، میں کہہ رہا ہوں نکلو میرے دماغ سے۔ فاطمہ چلی جاؤ اب تو موسیٰ کی جڑیں تک کھوکھلی ہو گئی ہے یار مت یاد آؤ۔۔ میں صرف تمہاری وجہ سے قیدی کی زندگی گزار رہا ہوں ورنہ کسی کا باپ بھی مجھے جیل میں نہیں ڈال سکتا تھا فاطمہ"

وہ اپنے بال نوچ رہا تھا، سینہ پیٹ رہا تھا جیسے جسمانی تکلیف روح کے زخموں کو دبانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"کوئی ہے؟... کوئی ہے جو اُسے بتادے کہ موسیٰ اب بھی اُسے یاد کرتا ہے... کوئی مجھے اُس سے ایک بار ملادے۔ کوئی اُسے بتائے کہ فاطمہ ابراہیم کا عشق کھا گیا موسیٰ شیر خان کو"

الفاظ روتے ہوئے ہوا میں بکھرتے گئے، لیکن سننے والا کوئی نہ تھا۔

کھوٹری کی ہر دیوار اُس کی گواہ تھی۔ کہیں لرزتے ہاتھوں سے لکھا ہوا "Honey Bee"، کہیں فقط "فاطمہ"، اور کہیں ٹوٹے دل کی صدائیں ــــ "موسیٰ کا لاحاصل عشق"۔ یہ سب تحریریں اُس کے کرب کی گواہی دیتی تھیں۔ جیل کی ہر دیوار پر فاطمہ کے مختلف نام جگمگا رہے تھے۔

اندھیرے میں قید موسیٰ شیر خان کا عشق اُس کی ہڈیاں چبا رہا تھا، اور دوسری طرف روشنیوں میں فاطمہ ابراہیم زندہ تھی، سانس لے رہی تھی، جیسے اُن دونوں کی دنیا الگ الگ ہو گئی تھی۔

ایک ہمیشہ کے اندھیرے میں دوسرا روشنیوں کے حصار میں تھا۔

آج اُن کا اسکاٹ لینڈ میں آخری دن تھا۔ کل واپسی لندن کے لیے تھی، مگر یہ رات جیسے رک جانا چاہتی تھی۔ سرد ہوا میں نمی گھل گئی تھی، سڑک کے دونوں طرف پیلے بلب روشنی کے چھوٹے چھوٹے دائرے بنا رہے تھے۔ شہسوار نے

اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے اور فاطمہ اُس کے حلقے میں مزے سے چل رہی تھی۔ لانگ کوٹ، نیچے کوٹ شوز اور سر پر ریڈ کیپ پہنے وہ کسی کہانی کی ہیروئن لگ رہی تھی۔ اُس کی ناک سردی سے اور بھی زیادہ سُرخ ہو گئی تھی۔

"شہسوار... وہ دیکھو فلاور شاپ" فاطمہ اچانک بولی، جیسے کسی خزانے کا سراغ مل گیا ہو۔

شہسوار نے ہنستے ہوئے اُس کی ناک کھینچی "تمہیں کیا کرنا فلاور شاپ کا"

"مجھے پھول چاہیے" وہ اُس کا بازو کھینچ کر آگے بڑھنے لگی۔ شہسوار نے اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیا تا کہ وہ آرام سے اُسے گھسیٹ سکے۔

"جو خود پھول ہو اُسے کب سے پھولوں کی ضرورت پڑنے لگی" شہسوار نے اُس کی کیپ سیدھی کرتے ہوے کہا جو ہوا سے اُڑ رہی تھی۔

"باتیں مت بناؤ، مجھے پھول چاہیے... وہ بھی ڈھیر سارے" فاطمہ نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔

دونوں فلاور شاپ کے اندر داخل ہوئے۔ وہاں خوشبو کا ہلکا سا جھونکا تھا۔ قطار میں رکھے گملوں میں مختلف پھول کھل رہے تھے، لیکن فاطمہ کی نظر سیدھی جامنی Thistle اور نازک Heather پر جا ٹھہری۔

"مجھے یہ والے پھول چاہیے "اُس نے جھومتے ہوئے اشارہ کیا۔

شہسوار نے دکاندار کو پیسے تھمائے "یہ دونوں پیک کر دے"

فاطمہ نے مسکرا کر دکاندار کو مخاطب کیا "یہیں رکھ دیں ہم ابھی واک کر کے آتے ہیں پھر لے جائیں گے"

دکاندار نے اثبات میں سر ہلایا۔

شاپ سے باہر نکلتے ہی شہسوار نے سوال کیا "تم نے پھول کیوں نہیں لیے"

فاطمہ نے مزے سے پیچھے مڑی "ابھی آگے جانا ہے، اس لیے"

اب کی بار وہ آگے آگے چل رہی تھی اور شہسوار ہاتھ جیبوں میں ڈالے اُس کے پیچھے۔ فضا میں خاموشی چھائی ہوئی تھی، صرف اُن کے قدموں کی چاپ پتھریلی سڑک پر گونج رہی تھی۔

اچانک فاطمہ رُک گئی۔ اُس نے پلٹ کر شہسوار کی طرف دیکھا "شہسوار، میرا ایک بچپن کا خواب ہے"

شہسوار چونکا "ایسا کونسا خواب ہے"

فاطمہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا" مجھے نہ... لوگوں کے گھر کی بیل بجا کر بھاگنا ہے۔ سب بچے یہ کرتے تھے، لیکن مجھے کبھی موقع نہیں ملا۔ پلیز میرا یہ خواب پورا کر دو"

شہسوار قہقہہ لگا بیٹھا" فاطمہ خدا کا خوف کرو، یہ اسکاٹ لینڈ ہے، پاکستان نہیں ہم اس عمر میں یہ کام کرتے اچھے لگیں گے"

"بس ایک بار پلیز" وہ اُس کے سامنے معصوم بچے کی طرح کھڑی ہو گئی۔ "کیا آپ اپنی بیوی کے لیے یہ بھی نہیں کر سکتے"

شہسوار نے اُس کے ضدی مگر نازک چہرے کو غور سے دیکھا۔ "فاطمہ پلیز یار، یہ بہت عجیب لگے گا"

"پلیز نا بس ایک بار... پلیز پلیز پلیز" وہ اُس کے بازو کو اپنی باہوں میں سمیٹ کر بولی۔ "شہسوار میری یہ چھوٹی سی خواہش پوری کر دو پلیز"

شہسوار نے ایک نظر اُس کے چہرے کو دیکھا پھر وہ انکار کرنا بھول گیا "اچھا بتاؤ، کس گھر کی بجانی ہے"

فاطمہ کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا "وہ سامنے وائٹ گیٹ ہے... بس اُسی کی بیل بجا کر بھاگتے ہیں"

چند لمحوں بعد دونوں سفید گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ رات کی ہوا اور بھی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

"ون... ٹو... تھری" فاطمہ نے کاؤنٹنگ شروع کی۔

شہسوار نے بیل دبائی اور اگلے ہی لمحے دونوں اندھا دھن بھاگنے لگے۔

سڑک پر اُن کے کوٹ اُڑتے رہے، جوتوں کی چاپ گونجتی رہی، اور ان کی پاگلوں جیسی ہنسی خاموشی کو توڑتی رہی۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت اُنھوں نے نہ کی۔

دونوں کی ہنسی رات کے اندھیروں میں گونج رہی تھی، سر د اسکاٹ لینڈ کی سڑکیں اُس محبت بھری شرارت کی گواہ بن رہی تھیں۔

باب دہم: 10

محبت کا آخری باب

~محبت کا آخری باب لکھتے لکھتے ہم

خود کہانی کا سب سے اہم کردار بن گئے

تین سال کا عرصہ یوں بیت گیا جیسے آنکھ جھپکنے میں وقت گزر گیا ہو۔ دوپہر کا ایک بج رہا تھا، باہر تیز دھوپ صحن کے فرش کو تپائے جا رہی تھی مگر ڈرائنگ روم کے اندر ہلکی ہلکی ٹھنڈک پھیلی تھی۔ بڑے صوفوں پر بیٹھے ہنسی مذاق میں مصروف تھے جبکہ سب کی نظریں سامنے قالین پر کھیلتے بچوں پر جمی تھیں۔

احمد اور عبداللہ چھوٹی آئنہ کے ساتھ کھیل میں مگن تھے۔ کبھی وہ ہنستے، کبھی شور مچاتے اور کبھی آئنہ کے لمبے بالوں کو کھینچ لیتے۔

"احمد کے بچے، ذرا نرمی سے میری بیٹی معصوم ہے" فردان نے مسکرا کر کہا، مگر اُس کی نظر میں ایک حفاظتی سا پیار جھلک رہا تھا۔

سیام نے ہاتھ میں تھامے کپ سے گھونٹ بھرے۔

"فردان تمہارے بچپن کی شرارتیں مشہور تھیں، اور آئنہ تو بالکل الٹ ہے۔ مجھے تو لگتا ہے یہ روما پر گئی ہے"

فردان نے گہری سانس لی۔

"پہلے مجھے بھی یہی لگتا تھا لیکن نہیں... یہ بالکل فاطمہ پر گئی ہے"

یہ جملہ کمرے میں یوں گونجا کہ جیسے کسی نے خوشگوار فضا میں اچانک اداسی کا بادل لادیا ہو۔ لمحے بھر میں ہنسی تھم گئی۔ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ علشبہ بیگم کے چہرے پر لرزش آئی اور آنکھیں نم ہو گئیں۔ اپنی بیٹی کے نام کا ذکر اُن کے زخموں کو پھر سے ہرا کر گیا تھا۔

فاطمہ کی شادی کے بعد وہ اماں بی کے ساتھ امروز بھائی کے گھر شفٹ ہو گئی تھیں۔ اُس وقت یہ فیصلہ سب نے آسان سمجھا تھا، مگر ان تین سالوں میں بیٹی سے جدائی اُن پر بھاری گزری۔ رئیسہ اور روما بھی نظریں جھکائے بیٹھی تھیں، جیسے دل میں چھپی وہی کمی اُنہیں بھی کاٹ رہی ہو۔

سیام نے ہلکی سی کھنکار کے ساتھ ماحول کی خاموشی توڑنے کی کوشش کی۔

"میں نے شہسوار کو بہت سمجھایا تھا کہ وہ فاطمہ کو پاکستان لے آئے۔ لیکن اُس کا کہنا ہے کہ فاطمہ خود نہیں آنا چاہتی"

علشبہ بیگم کا ضبط ٹوٹ گیا۔

"شہسوار نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اُسے لے کر آئے گا۔ مجھے میری بیٹی سے ملنا ہے سیام ایک بار"

آنسو رخساروں پر ڈھلکنے لگے۔

سیام آگے بڑھ کر اُنہیں گلے سے لگا گیا، جیسے اپنے وجود سے اُن کے زخم پر مرہم رکھنا چاہتا ہو۔

"چچی آپ فکر نہ کریں۔ میں دوبارہ بات کروں گا شہسوار سے۔ وہ ضرور واپس آئے گی"

خاموشی اور دکھ میں ڈوبے ماحول کو بدلنے کے لیے فردان نے روما کی طرف دیکھا۔

"روما، چچی کے لیے اچھی سی چائے بنا دو"

روما ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اٹھی، مگر اُس کے قدموں میں بھی ایک بوجھ تھا۔

"ابھی بناتی ہوں" کہہ کر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

کچن کے دروازے کے پار جاتے ہی ہال میں پھر وہی خلاء بھر گیا۔ سب کے دلوں پر فاطمہ کی یاد کا سایہ گہرا ہوتا گیا، اور اُس لمحے لگ رہا تھا جیسے اُس کی غیر موجودگی نے سب کی محفل کو ادھورا کر دیا ہو۔

فاطمہ اور شہسوار کے لیے یہ زندگی کا سب سے حسین وقت تھا، جہاں ہر دن ایک دوسرے کی مسکراہٹ اور بچوں کی شرارتوں سے جُڑا ہوا تھا۔

دوپہر کی ہلکی روشنی پردوں سے چھن کر کمرے میں پھیل رہی تھی۔ فاطمہ صوفے پر بیٹھی نوٹ بک پر کچھ لکھ رہی تھی کہ پاس بیٹھا تین سالہ حمائل مسلسل رامین کو تنگ کر رہا تھا۔

"حمائل، اگر تم نے اب رامین کو تنگ کیا تو ماروگی میں" فاطمہ نے ہلکے غصے مگر ماں والے پیار کے ساتھ ڈانٹا۔

شرارتوں کے بادشاہ حمائل فوراً بولا۔

"مومی ڈیٹس ناٹ فئیر! آپ مین کو بھی ڈانٹیں، وہ بھی تنگ کرتی ہے"

فاطمہ نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے گھورا۔

"حمائل وہ چھوٹی ہے بیٹا"

چھوٹا سا منہ بنا کر اُس نے فوراً جواب دیا "تو میں کون سا بڑا ہوں"

فاطمہ ہنسنے ہی والی تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلا۔ شہسوار اندر آیا، آفس بیگ ایک طرف رکھا اور پہلی نظر ہمیشہ کی طرح فاطمہ پر ڈالی۔ اُس کی آنکھوں میں دن بھر کی تھکن کو بیوی کی موجودگی نے پل بھر میں دھو ڈالا۔

"السلام علیکم یہاں کیا چل رہا ہے" اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وعلیکم السلام یہاں بس جھگڑا اچل رہا ہے بیٹھو پانی لاؤ تمہارے لیے" فاطمہ فوراً کھڑی ہوئی، مگر شہسوار نے اُس کی کلائی تھام لی۔

"ارے نہیں یار... تم بیٹھو" وہ اُسے نرمی سے اپنے ساتھ بٹھا گیا۔

اسی لمحے رامین ننھے ننھے ہاتھ گھٹنوں کے بل رینگتی ہوئی بابا سے لپٹ گئی۔

"بابا، بھائی مارا زور سے "اُس کی توتلی زبان میں شکوہ بہت پیار الگ رہا تھا۔

شہسوار نے اُسے گود میں اُٹھا کر چوما" حمائل، کیوں مارتے ہو؟ بہن چھوٹی ہے"

حمائل نے منہ پھُلایا۔" بابا آپ اور مومی دونوں مجھے ڈانٹتے ہیں، جب کہ ساری غلطی مین کی تھی"

اُس کی توتلی زبان سن کر شہسوار کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی۔

فاطمہ نے شہسوار کی طرف دیکھا جو بچوں کی باتوں میں کھو کر ہنس رہا تھا۔ اُس نے نرمی سے اُس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"اچھا، اب اِن کی باتوں کو چھوڑوں فریش ہو جاو۔ میں کھانا لگاتی ہوں"

شہسوار نے رامین کو گود سے نیچے اُتارا، جو فوراً رینگتی ہوئی حمائل کے کھلونے اٹھانے لگی۔

"کھانا رہنے دو یار۔ بس چائے بنا کر ٹیریس پر لے آؤ" اُس نے فاطمہ کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ فاطمہ کے ہونٹوں پر ہلکی مسکراہٹ آئی۔

"ٹھیک ہے، تم جاؤ، میں لے آتی ہوں" اُس نے رامین کو اٹھایا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ورنہ اگر یہ نیچے رہتی تو حمائل پھر اُسے مارتا۔

کمرے میں بچوں کی ہنسی اور کھلونے بکھرنے کی کھٹ پٹ باقی رہ گئی۔ گھر کی فضا محبت اور سکون سے لبریز تھی بالکل اُس زندگی کی جھلک جس کی کبھی فاطمہ اور شہسوار نے خواہش کی تھی۔

ہاسپٹل کی راہداریوں میں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ کوئی تیزی سے آرہا تھا تو کوئی بھاگم بھاگ مریض کو دھکیلتا ہوا وارڈ کی طرف جارہا تھا۔ سفید دیواروں پر

لگی ہلکی پیلی روشنی ماحول کو اور زیادہ بوجھل بنا رہی تھی۔ ادھر ادھر بیٹھے لوگ کسی کی خیر خبر کے انتظار میں گم صم تھے۔

ایسے ہی ہجوم اور بے چینی کے بیچ آئی۔ سی۔ یو کے شیشے کے دروازے کھلے اور ڈاکٹر تیز قدموں سے باہر آئیں۔ ان کے چہرے پر سنجیدگی اور آنکھوں میں تشویش نمایاں تھی۔

انہوں نے ایک لمحے کو باہر کھڑے شخص کو دیکھا۔

"پیشنٹ کی حالت کریٹیکل ہے۔ ہارٹ اٹیک بہت شدید تھا... اگلے اڑتالیس گھنٹے نہایت اہم ہیں۔ آپ نے کال کر دی تھی نا؟"

وہ شخص جس کے ہاتھ پسینے سے بھیگے ہوئے تھے۔

"جی... جی، کال کر دی تھی۔ وہ پہنچ جائیں گے"

ڈاکٹر نے اس کی بات سنی ہلکی سی گردن ہلائی اور دوبارہ تیز قدموں سے راہداری پار کرتی آگے بڑھ گئیں۔ پیچھے صرف گھڑی کی ٹِک ٹِک اور انتظار کا بوجھ رہ گیا۔

فاطمہ نے ٹرے اُٹھائی اور دو بھاپ اُڑاتے ہوئے کپ لے کر ٹیرس پر آئی۔

گرین وچ کی رات خاموشی سے اپنے سائے زمین پر پھیلا چکی تھی۔ دور کہر میں

لپٹی روشنیاں مدھم جگنوؤں کی طرح جھلملا رہی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں چنار کے پتوں کی سرسراہٹ تھی۔

شہسوار فون پر مصروف بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں کہیں دور خلا میں اٹکی ہوئی تھیں۔

"تمہاری چائے"

فاطمہ نے آہستہ سے کپ اس کے سامنے رکھا۔ شہسوار نے کال ختم کرتے ہوئے کپ تھاما اور بے خیالی میں پوچھ بیٹھا "شکریہ... بچے سو گئے"

"ہاں، سو گئے ہیں" فاطمہ نے مسکرا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، مگر اس کی مسکراہٹ میں تھکن اور کسی ان دیکھی فکر کی جھلک تھی۔

شہسوار نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا "تم بتاؤ، آج ڈاکٹر کے پاس گئی تھی نا؟ کیا کہا اس نے"

فاطمہ ایک بار پھر اُمید سے تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی کیفیت سنانے لگی۔

"کچھ نہیں... سب ٹھیک ہے بس ریسٹ کی ضرورت ہے" وہ اپنا سر اس کے سینے پر رکھ کر تسلی لینے لگی۔

شہسوار کی نظریں لمحہ بھر کے لیے خلا میں جم گئیں۔ "ٹریولنگ سے منع تو نہیں کیا اس بار"

فاطمہ نے چونک کر اوپر دیکھا۔ "نہیں... لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو"

شہسوار نے گہرا سانس لیا "پیکنگ کرلو اپنی اور بچوں کی"

فاطمہ کی پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ "مطلب؟ ہم کہیں جا رہے ہیں کیا"

"ہم... پاکستان جا رہے ہیں"

یہ سن کر فاطمہ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔

"تم جانا چاہتے ہو تو شوق سے جاؤ۔ میں اور بچے کہیں نہیں جائیں گے"

وہ جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ شہسوار نے اس کی کلائی مضبوطی سے تھام لی۔

"میں نے پوچھا نہیں فاطمہ... بتایا ہے۔ ہم سب پاکستان جا رہے ہیں"

تین سالوں میں پہلی بار اس نے اس پر سختی دکھائی تھی۔ فاطمہ نے اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کی، مگر اس کی گرفت ڈھیلی نہ پڑی۔

"میں بھی تمہیں بتا رہی ہوں، میں پاکستان کسی قیمت پر نہیں جاؤں گی"

شہسوار کے لب بھنچ گئے۔ اس کی آواز دب گئی لیکن آنکھوں میں بجلیاں تھیں۔

"میں غصہ نہیں کرنا چاہتا فاطمہ... اور تم پر تو بالکل نہیں۔ پلیز میری بات مان لو ورنہ میں تمہیں چھوڑ کر بچوں کو ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ لے جاؤں گا"

فاطمہ کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔

"کیا تم مجھے چھوڑنے کی بات کر رہے ہو۔ تم مجھے چھوڑ سکتے ہوں" وہ چیخ پڑی

"میری طرف دیکھو شہسوار میں کچھ کہہ رہی ہوں دیکھو میری طرف"

شہسوار نے نظریں چُرا رکھی تھیں، مگر اس کی چیخ نے اسے پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

"آہستہ بولو بچے سو رہے ہیں" اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا، مگر فاطمہ نے جھٹک دیا۔

"کیا تم مجھے چھوڑ سکتے ہو جواب دو"

شہسوار کی سانسیں بھاری ہو گئیں۔ "تمہیں نہیں چھوڑ سکتا، فاطمہ۔ لیکن تمہاری یہ جذباتی باتیں میرا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔ ہم پاکستان جائیں گے... یہ آخری فیصلہ ہے"

فاطمہ کے آنسو اس کے گالوں پر ڈھلکنے لگے۔ "شہسوار، میں واپس نہیں جانا چاہتی۔ اُس ملک نے میرا سب کچھ چھین لیا میرا... میں تمہارے ساتھ یہاں رہنا چاہتی ہوں۔ پلیز سمجھنے کی کوشش کرو میں یہاں بہت خوش ہوں"

اس کی باتوں کے باوجود شہسوار نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا "مجھ پر بھروسہ ہے"

"سب سے زیادہ..." وہ اُس کے سینے سے لگے سسکنے لگی۔

"تو پھر پاکستان چلو پلیز..."

فاطمہ کی آواز کانپنے لگی "خود پر بھروسہ کرنے کی اتنی بڑی قربانی مت مانگو"

شہسوار نے اس کے سر پر لب رکھے۔

"کل صبح نو بجے کی فلائٹ ہے۔ پیکنگ کر لو"

"مجھے واپس نہیں جانا" اس بار اس کی آواز تیز تھی۔

شہسوار نے اس کا چہرہ اپنے سامنے کیا "بحث کی گنجائش ختم ہے، فاطمہ"

وہ کانپتی آواز میں بولی "میں نہیں جاؤں گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے"

وہ مڑی ہی تھی کہ شہسوار کی دھیمی لیکن کڑی آواز نے اس کے قدم روک دیے

۔

"میں... یا لندن۔ دونوں میں سے کسی ایک کو چُن لو"

فاطمہ کا دل دہل گیا۔ اس کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

"جواب دو، فاطمہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے"

وہ تھر تھرا کر رہ گئی "اگر تم مجھے پاکستان لے جانا چاہتے ہو... تو ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔ لیکن یاد رکھو،

اس سب کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی"

یہ کہہ کر وہ آنسو پونچھتی اندر چلی گئی۔ پیچھے شہسوار ٹیرس پر کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہ گیا، اور رات کا سناٹا دونوں کے بیچ حائل ہو گیا۔

جہاز لندن سے لاہور لینڈ کر چکا تھا۔ باہر پاکستانی دوپہر کی گرمی اور شور اپنی جگہ قائم تھا، مگر ائیر پورٹ کے ویٹنگ ایریا میں ایک الگ ہی ہلچل تھی۔ فاطمہ کرسی پر سیدھی بیٹھی تھی، اُس کے چہرے پر سختی اور غصے کی جھلک صاف نظر آ رہی تھی۔ لندن سے اب تک کا سفر اُس نے خاموشی میں کاٹا تھا۔ شہسوار نے کئی بار بات کرنے کی کوشش کی، مگر اُس کی خاموشی دیوار کی طرح درمیان میں حائل رہی۔

رامین نیچے کھیل کھیل کر تھک چکی تھی، اُس کے ننھے قدم اب مزید چلنے کے قابل نہ تھے۔ وہ ضد سے فاطمہ کے پاس آ کر گود میں چڑھنے لگی۔

"مومی... گودی" اُس کی معصوم آواز فضا میں گونجی۔

فاطمہ جھک کر اُسے اُٹھانے ہی لگی تھی کہ شہسوار آگے بڑھا۔

"چھوڑ دو، میں اُٹھالیتا ہوں" ایک جھٹکے میں رامین کو اپنی باہوں میں بھر لیا۔

"ضروت نہیں احسان جتانے کی میرے بچے ہے میں اُٹھا سکتی ہوں" فاطمہ کی آواز میں ضد اور تلخی چھلک رہی تھی۔

شہسوار کی آواز میں نرمی تھی "احسان نہیں کر رہا یار، بس تمہارے آرام کا سوچا تھا"

فاطمہ نے ناگواری سے ہاتھ بڑھایا "میرا خیال رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تم بس اپنی مرضی کرتے رہو"

وہ رامین کو اپنی گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ شہسوار نے ضبط کرتے ہوئے حمائل کو اٹھالیا جو تجسس بھری نظروں سے ارد گرد کے مناظر دیکھ رہا تھا۔

اسی لمحے پیچھے سے ایک مانوس آواز سنائی دی۔

"السلام علیکم سر، کیسے ہیں آپ"

شہسوار نے پلٹ کر دیکھا تو جمال مسکراتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔

"وعلیکم السلام، میں بالکل ٹھیک۔ تم سناؤ کیسے ہو" شہسوار نے حمائل کو نیچے اُتارا اور گرمجوشی سے جمال کو گلے لگایا۔

"سر، بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر" جمال نے ادب سے کہا اور حمائل کو پیار سے تھپتھپایا۔

شہسوار نے رامین کو فاطمہ کی گود سے لے کر جمال کے حوالے کیا۔

"جمال، بچوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ مجھے اور فاطمہ کو ہاسپٹل جانا ہے"

فاطمہ کے وجود میں ایک جھٹکا سا لگا۔ ہاسپٹل؟ دل نے سب سے پہلے ماں کا خیال جگا دیا۔ اُس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

"ہاسپٹل؟ شہسوار، وہاں کون ہے میری ماما تو نہیں" اُس نے بے اختیار اُس کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

جمال بچوں کو لے کر دور جا چکا تھا، لیکن فاطمہ کی نظریں اب بھی شہسوار پر جمی تھیں۔

"ریلیکس... آنٹی بالکل ٹھیک ہیں۔ بس تمہارے چیک اپ کے لیے جانا ہے"

فاطمہ کی نظریں اُس کے چہرے پر ٹک گئیں، جیسے جھوٹ اور سچ میں فرق تلاش کر رہی ہوں۔

"تم... سچ بول رہے ہو نا" اُس نے مدھم آواز میں پوچھا۔

شہسوار نے ایک گہری سانس لی، اُس کا ہاتھ تھاما۔

"ہاں، چلو اب"

وہ اُسے سہارا دیتے ہوئے باہر کھڑی گاڑی تک لے گیا۔ ایئرپورٹ کے شور، ٹرالیوں کی آوازوں اور مسافروں کے ہجوم کے بیچ، شہسوار نے اُسے گاڑی میں بٹھایا اور انجانے سفر کا رخ ہاسپٹل کی طرف موڑ دیا۔

گاڑی ہاسپٹل کے سامنے آ کر رکی تو فاطمہ کے دل کی دھڑکن اور تیز ہو گئی۔ باہر ہلکی شام ڈھل رہی تھی، مگر ہاسپٹل کے دروازوں پر روشنی کی کرنیں پھیلتی جا رہی تھیں۔ اندر داخل ہوتے ہی اینٹی سیپٹک دوا کی بو اور اسٹریچر کے پہیوں کی آوازیں فضا میں گونجنے لگیں۔

پانچ منٹ بعد وہ آئی سی یو کے سامنے کھڑے تھے۔ سرخ بتی جل بجھ رہی تھی۔ فاطمہ کی نظریں دروازے پر جم گئیں، اور پھر اُس نے اچانک شہسوار کی طرف رخ کیا۔

"تم نے کہا تھا ہم میرے چیک اپ کے لیے آئے ہیں... یہ آئی سی یو ہے؟ تم آخر سچ کیوں نہیں بولتے"

اُس کی آواز کانپ رہی تھی، آنکھوں میں خوف کی نمی تھی۔ شہسوار نے اُس کے آنسو صاف کیے۔

"ابھی پتہ چل جائے گا... بس تم خود کو کمزور مت کرو"

اسی لمحے ایک پولیس اہلکار نمودار ہوا۔ "سر، آپ آ گئے۔ مس فاطمہ کو اندر بھیج دیں ڈاکٹر بلا رہی ہیں"

شہسوار نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"جاؤ، فاطمہ"

فاطمہ جیسے قدم زمین میں گاڑ گئی تھی۔ پھر جیسے کسی انجانے کھینچاؤ نے اُسے دروازے کی طرف بڑھایا۔

جیسے ہی اُس نے آئی سی یو کا دروازہ کھولا، اُس کے وجود پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ہاسپٹل کی چھت اور دیواریں ایک دم اُس پر گرتی محسوس ہوئیں۔ سامنے بیڈ پر

موسیٰ لیٹا تھا۔ مشینوں سے جکڑا ہوا، تیز تیز سانسیں لیتا، آکسیجن ماسک کے پیچھے اُس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔

فاطمہ کے قدم لڑکھڑائے۔ اُس نے دیوار کا سہارا لیا اور پھر دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اُس کے قریب جا پہنچی۔

موسیٰ نے اُس کی موجودگی کو محسوس کر لیا۔ اُس کی بند آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں۔

"ف۔۔۔ فا۔۔۔ طمہ۔۔۔" اُس نے مشکلوں سے لب ہلائے۔

"م۔۔۔ میں نے بہت۔۔ تمہیں۔۔۔ یا۔۔ د کیا۔۔۔ "اُس نے آکسیجن ماسک ہٹانے کی کوشش کی تاکہ کچھ اور کہہ سکے۔

فاطمہ کا گلا خشک ہو گیا تھا۔ زبان جیسے قید ہو گئی۔ وہ صرف دیکھ سکتی تھی، بول نہیں پا رہی تھی۔

موسیٰ نے کانپتے ہاتھ سے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا، "فاطمہ۔۔۔ اپنے شیر خان کو۔۔۔ معاف کر دو۔۔۔ پلیز۔۔۔ ایک احسان کر دو میری ذات پر۔۔۔"

اُس کی سانسیں بھاری ہو رہی تھیں، مگر الفاظ کے پیچھے ایک بوجھل سچائی تھی۔

"میں نے کہا تھا۔۔۔ وقت سے پہلے مر جاؤں گا۔۔۔ اور دیکھو۔۔۔ میں مر رہا ہوں۔۔۔ خدا کے لیے معاف کر دو۔۔۔ میں نے اپنی زندگی میں صرف تم سے محبت کی ہے"

وہ اُسے قریب آنے کا اشارہ کر رہا تھا، مگر فاطمہ کے قدم پیچھے ہٹنے لگے۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے سب دھندلا رہا تھا۔

موسیٰ کی آواز کمزور سے کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

"داستان ختم ہونے والی ہے

تم میری آخری محبت ہو۔۔۔"

یہ اُس کا آخری شعر تھا۔ اگلے ہی لمحے ای سی جی مشین کی ڈسپلے پر ایک سیدھی لکیر دوڑ گئی۔ کمرہ ایک دم خاموش ہو گیا۔

موسیٰ شیر خان کو عشق نے ڈس لیا تھا اور جسے عشق ڈس لے موت اُس پر فرض ہے۔ آج بادشاہ ہمیشہ کے لیے دنیا کو خیر آباد کہہ گیا تھا۔

فاطمہ کے قدم زمین سے اُکھڑ گئے۔ وہ دھڑام سے نیچے گری اور سینہ پھاڑ کر رونے لگی۔ چیخیں ہال وے تک گونج گئیں۔

ڈاکٹر تیزی سے بھاگے۔ ایک نے باہر کھڑے شہسوار کو بلایا۔ شہسوار دوڑتا ہوا اندر آیا تو فاطمہ فرش پر بیٹھی تھی، اُس کے آنسو زمین بھگو رہے تھے۔

"فاطمہ۔۔۔ میری جان، کیا ہوا" شہسوار نے گھبرا کر اُسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

وہ ہچکیوں میں ٹوٹتے الفاظ میں چیخی۔

"وہ مر گیا شہسوار۔۔۔ وہ مر گیا۔۔۔ جاتے جاتے بھی مجھے بے سکون کر گیا۔۔۔ وہ چلا گیا ایک بار پھر مجھے اُس جگہ لا کر کھڑا کر دیا اُس نے۔۔ وہ مر گیا"

شہسوار نے اُس کا سر اپنے سینے سے لگایا، لیکن اُس کی اپنی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ اُس نے سامنے دیکھا ڈاکٹروں نے موسیٰ کے چہرے پر سفید چادر ڈال دی تھی۔ شہسوار کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

"ہمیں زندگی میں بہت سے لوگ ملتے ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہمارے لیے بنے ہے۔ اِنھی کی مثال فاطمہ ابراہیم اور موسیٰ شیر خان تھے۔ فاطمہ ابراہیم موسیٰ شیر خان سے ملی ضرور تھی پر اُس کے لیے بنی نہیں تھی"

گاڑی سڑک پر ہولے ہولے آگے بڑھ رہی تھی، مگر اندر ایک طوفان برپا تھا۔ فاطمہ مسلسل آنسو بہا رہی تھی، اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھیں سُرخ ہو چکی تھیں۔ شہسوار نے اچانک بریک لگائی، گاڑی ایک جھٹکے سے رُکی۔ شہسوار آگے جھک کر گلووز باکس سے پانی کی بوتل نکال کر اُس کے سامنے کی۔

"رونا بند کرو فاطمہ "اُس کی آواز میں سختی نہیں، تھکن اور بے بسی تھی۔

فاطمہ نے اُس ہاتھ کو نفرت سے دیکھا بوتل پکڑ کر زور سے ڈیش بورڈ پر دے ماری۔ بوتل لڑھکتی ہوئی نیچے گر گئی۔

"کس بات کا بدلہ لیا ہے تم نے مجھ سے "اُس کی آواز بھر آئی۔ "کیا سکون اچھا نہیں لگ رہا تھا میرا تمہیں؟ اسی لیے لائے ہو پاکستان؟ تاکہ مجھے اُس کو مرتے ہوئے دیکھنا پڑے "اُس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔

شہسوار کی آنکھوں میں ایک لمحے کو بے چینی ابھری۔ "وہ تم سے معافی مانگنا چاہتا تھا... صرف ایک بار ملنا چاہتا تھا۔ بس اسی لیے لایا ہوں تمہیں یہاں۔ پلیز... اُسے معاف کر دو" اُس نے جیسے جھک کر التجا کی۔

فاطمہ نے اُس کی طرف گھور کر دیکھا۔ "معاف کر دوں؟ کیا معاف کرنا اتنا آسان ہے؟ سب کچھ چھین لیا اُس نے مجھ سے میرا باپ مارا ہے اُس شخص نے۔ کیا اس چیز کی معافی ہے تمہاری نظر میں، اُس لڑکی کا باپ مارا ہے اُس نے جس کو سب سے زیادہ محبت اپنے باپ سے ملی تھی... اور تم کہتے ہو معاف کر دوں؟ نہیں، میں قیامت کے دن بھی اُسے معاف نہیں کروں گی۔ میں سنگدل ہوں... مجھے معاف کرنا نہیں آتا" اُس نے رُخ دوسری طرف پھیر لیا۔

شہسوار خاموش ہو گیا۔ گاڑی پھر سے چل پڑی۔ باہر دوپہر کی تیز دھوپ سڑک کو جلانے لگی تھی، مگر اندر ایک سرد ہوا سی چل رہی تھی۔

اچانک فاطمہ کے ذہن میں بچوں کی تصویر ابھری۔

"میرے بچے کہاں ہیں" اُس کی آواز کانپ رہی تھی، لیکن غصے سے بھری تھی۔

شہسوار نے آہستہ سے کہا "اپنی نانو کے پاس ہیں" وہ پہلے ہی اُس کے ردعمل کے لیے تیار تھا۔

فاطمہ نے لب کاٹے، اُس کی آنکھوں میں خوف اور بے بسی جھلکی۔ "تم چاہتے کیا ہو آخر؟ کیا مجھے مرتے دیکھنا چاہتے ہو؟ تو صاف صاف کہہ دو... میں مر جاؤں

گی... لیکن اس طرح کی اذیتیں کیوں دے رہے ہو مجھے" وہ سسک سسک کر رونے لگی۔

شہسوار نے پھر گاڑی ایک طرف روک دی۔ اُس کی نظریں فاطمہ پر ٹکیں۔ "کیا تم اپنی ماما سے نہیں ملنا چاہتیں؟ جو تمہارا انتظار کر رہی ہیں"

فاطمہ کے ہونٹ کپکپائے۔ "میں کسی سے نہیں ملنا چاہتی۔ میری ماما نے ہی مجھے نکالا تھا" اُس نے آنکھیں بند کر کے دل پر پتھر رکھا۔

شہسوار نے اُس کی بات کو الٹ دیا۔ "تو کیا یہ سمجھوں کہ تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو؟ کیونکہ یہ شادی بھی تمہاری والدہ کے فیصلے سے ہوئی تھی۔ جسے تم

'نکالنا' کہہ رہی ہو۔ کیا میری محبت تمہارے لیے معنی نہیں رکھتی "اُس نے ایموشنل وار کیا۔

فاطمہ کے دل میں چبھن سی اُٹھی۔ "کس نے کہا میں خوش نہیں ہوں؟ میں بہت خوش ہوں تمہارے ساتھ۔ تمہاری محبت بہت قیمتی ہے میرے لیے "وہ اُس کے الزام پر تڑپ اٹھی۔

شہسوار فوراً جھکا۔ "تو پھر اُن سے ملو... صرف ہماری محبت کی خاطر... پلیز"

فاطمہ نے تیز سانس بھری۔ "تم ہر بار اپنی محبت کی قربانی نہیں مانگ سکتے شہسوار۔ یہ بلیک میلنگ ہے "اُس نے رخ دوسری طرف موڑ لیا۔

کچھ ہی لمحوں بعد گاڑی ایک بڑے گیٹ کے باہر آکر رُکی۔ یہ امروز صاحب کا گھر تھا۔ گیٹ کے اوپر لٹکتے ہوئے درختوں کے سائے نے پورے ماحول کو مزید بوجھل بنا دیا۔

"جاؤ... بچے لے آؤ اندر سے" شہسوار نے اُس کی طرف کا دروازہ اَن لاک کیا۔

فاطمہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اُس نے گھر کو دیکھا، دل کانپنے لگا۔ "میں اندر نہیں جاؤں گی۔ تم جاؤ گے "اُس کی آواز میں خوف چھپا نہ رہ سکا۔

"میں تو نہیں جا رہا" شہسوار نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"شہسوار... بچے اجنبی چہرے دیکھ کر رو رہے ہوں گے۔ پلیز... جاؤ لے آؤ" اُس نے اُس کا ہاتھ پکڑا، آواز دلرز گئی۔

شہسوار نے اُس کا ہاتھ دھیرے سے ہٹایا "میری طرف سے انکار ہے۔ تم جا سکتی ہو تو جا کر لے آؤ ورنہ اندر رہنے دو" اُس کی آواز یخ تھی۔

فاطمہ کا خون کھول اٹھا۔ "یاد رکھنا، میں تمہیں اس کے لیے بھی معاف نہیں کروں گی" وہ گاڑی کا دروازہ زور سے بند کرتے ہوئے اُتری، اُس کے قدم زمین پر پڑے تو جیسے ساری کائنات لرز گئی۔

شہسوار نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ گھمایا "جان... ایک ہی بار سب کی معافی مانگ لو گا ابھی جاؤ... بچوں کو لے آؤ... رو رہے ہوں گے جاؤ... شاباش"

فاطمہ پیر پٹکتی آگے بڑھی، دل کی دھڑکن کانوں میں گونج رہی تھی۔ شہسوار نے گاڑی سڑک کے کنارے پارک کی، آہستہ سے دروازہ کھولا اور وہ بھی اندر کی طرف بڑھ گیا۔

فاطمہ جیسے ہی دہلیز پار کر کے اندر آئی، اُس کے قدم کانپنے لگے۔ سانسیں تیز تھیں اور دل کسی انجانے خوف سے دھڑک رہا تھا۔ تین سال کا یہ فاصلہ اُس کے لیے صدیوں کی جدائی جیسا تھا۔ ہر قدم پر یادوں کی گرد اس پر برس رہی تھی۔

ڈرائنگ روم کے اندر روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سب گھر والے قالین پر بیٹھے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ ہنسی کی گونج اور بچوں کی کلکاریاں ماحول میں گونج رہی تھیں۔ لمحہ بھر کو فاطمہ کا دل چاہا وہ یہ سب منظر اپنے دل میں قید کر لے، مگر آنکھیں بھیگ گئیں۔

سب سے پہلے فردان کی نظر اُس پر پڑی۔ وہ چونک کر اُٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے آگے بڑھا۔

"فاطمہ... کیسی ہو یار" اُس نے بے تکلفی سے اُس کے ہاتھ تھام لیے۔

فاطمہ نے زبردستی مسکراہٹ سجائی، مگر آواز بھر آئی "میرے بچوں کو میرے پاس بھیج دو... مجھے جانا ہے باہر۔ شہسوار ہمارا انتظار کر رہا ہے" وہ اپنے ہاتھ چھڑواتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھنے لگی جیسے کوئی بہانہ ڈھونڈ رہی ہو۔

پیچھے سے شہسوار کی گہری آواز آئی۔ "فاطمہ... تم آرام سے بات کر لو، میں ادھر بیٹھا ہوں" وہ صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، جیسے میدانِ جنگ میں پہلی چال چلنے کے بعد تماشائی بن کر باقی کھیل دیکھنے لگا ہو۔

اسی لمحے کچن کا دروازہ کھلا۔ علشبہ بیگم باہر آئیں، ہاتھوں میں فیڈر تھے——حمائل اور رامین کے۔ اُن کی نظر جیسے ہی فاطمہ پر پڑی، پلکیں بھیگ گئیں۔

"فاطمہ..." اُن کی آواز بھرا گئی، اور جیسے اُن کی رگوں میں زندگی پھر سے جاگ اٹھی ہو۔

فاطمہ کے قدم ڈگمگائے۔ "ماما..." اُس کی زبان سے نکلتے ہی آنسوؤں کا بندھن ٹوٹ گیا۔ اُس نے دیکھا، علشبہ بیگم کتنی کمزور ہو گئی ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ اولاد کی جدائی ماں باپ کو قبل از وقت بوڑھا کر دیتی ہے۔

ماں بیٹی ایک دوسرے کے گلے لگ کر رونے لگیں۔ کمرے کی فضا میں سسکیوں اور دھڑکنوں کی آواز گھل گئی۔

اس لمحے شہسوار کی طنزیہ آواز کمرے کو چیر گئی۔

"سنو... تمہارے گھر داماد کی خدمت کرنے کا رواج نہیں ہے" اُس نے فردان پر نظر جمائی۔

فردان ہنسا، مگر جواب زہر بھرا تھا۔ "رواج ہے... بلکل ہے۔ لیکن داماد من پسند بھی تو ہونا چاہیے"

شہسوار نے تیوری چڑھائی، "مجھے کوئی شوق نہیں کہ کوئی مرد مجھے پسند کرے۔ تمہاری بہن مجھے پسند کرتی، بس وہی کافی ہے" اُس کے الفاظ کمرے میں بجلی کی طرح گرے۔

آہستہ آہستہ سب لوگ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ چھوٹے بچے، حمائل اور رامین سمیت احمد، عبداللہ اور آینہ... سب اپنی اپنی شرارتوں میں لگے تھے، ہنسی اور شور نے ماحول کو بھر دیا۔

اسی شور کے بیچ امروز صاحب آگے بڑھے۔ اُن کی جھریوں بھری آنکھوں میں ندامت جھلک رہی تھی۔ وہ فاطمہ کے قریب آ کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

"بیٹا... ہم اپنے کیے پر شرمندہ ہیں۔ اگر ہو سکے تو ہمیں معاف کر دو"

فاطمہ کے ہونٹ لرزے، اُس نے آہستگی سے اُن کا ہاتھ تھاما۔ "تایا ابو... مجھے شرمندہ مت کریں"

کچھ دیر سکوت چھایا رہا۔ فردان کے لبوں پر شرارت ابھری۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولا "ویسے تمہارے بچے بڑے پیارے ہیں"

فاطمہ نے تیور بدل کر اُس کی طرف دیکھا۔ "کیونکہ وہ میرے بچے ہیں... اسی لیے پیارے ہیں"

فردان کی ہنسی کمرے میں گونجی۔ "یہی تو حیرت ہے... ایک چِھپکلی کے بچے اتنے پیارے کیسے ہو سکتے ہیں"

پورا کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔

فاطمہ کا خون کھول گیا۔ "تمیز سے بات کرو!

زیادہ فری مت ہو۔ ابھی تمہیں معاف نہیں کیا میں نے"

فردان نے آنکھیں گھمائیں "مانگی کس نے معافی"

فاطمہ نے موقع پر چوکا مارا۔ "مجھے دیکھ کر آنسو شاید تمہارے ہی باہر نکلے تھے"

فردان نے فوراً پلٹ کر کہا "آنکھیں خراب ہو گئی تھیں... چھپکلی کو دیکھتے ہی پانی آ گیا"

یوں دونوں کی نہ ختم ہونے والی نوک جھونک شروع ہو گئی۔ کمرہ بچوں کی شرارتوں، بڑوں کی ہنسی اور فاطمہ کے آنسوؤں سے ایک ساتھ بھر گیا۔ یہ وہ لمحہ تھا جس میں جدائی، محبت، طنز اور قہقہے سب ایک ساتھ گھل مل گئے تھے۔

فاطمہ اپنے کمرے میں آ کر خاموشی سے بیڈ کے کونے پر بیٹھ گئی۔ کمرے کی کھڑکی سے مدھم روشنی اندر پھیل رہی تھی، اور باہر سے شام کے پرندوں کی چہچہاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں اب بھی بھیگی ہوئی تھیں۔ اُسی لمحے کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔

روما اندر آئی، قدموں میں جھجک تھی۔

"میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا" اُس نے نظریں جھکاتے ہوئے پوچھا۔

فاطمہ نے چونک کر اُسے دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ دی۔ "ارے نہیں، بالکل نہیں... بیٹھو" اُس نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔

روما آہستگی سے بیڈ پر بیٹھی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک تہہ کیا ہوا کاغذ تھا۔ "آپ کو کچھ دینا تھا... بس اسی لیے آئی ہوں" اُس نے وہ کاغذ آگے بڑھایا۔

فاطمہ نے بھنویں سکیڑیں۔ "یہ کیا ہے"

"میں جیل میں موسیٰ سے ملنے گئی تھی... یہ اُس نے آپ کے لیے دیا ہے" روما نے دھیرے سے کاغذ اُس کے ہاتھ پر رکھا۔

فاطمہ کے لبوں پر کڑواہٹ آگئی۔ "مجھے نہیں چاہیے" اُس نے سختی سے کہا۔

روما نے نرمی سے اسرار کیا "پلیز... یہ آپ کی امانت ہے"

فاطمہ نے ایک لمحہ خاموش رہ کر وہ کاغذ مٹھی میں دبوچ لیا۔ "او کے... پڑھ لوں گی" اُس کی آواز میں تھکن تھی۔

"میں چلتی ہوں... آئنہ رو رہی ہو گی" روما آہستہ آہستہ کمرے سے نکل گئی۔

کمرے میں سکوت چھا گیا۔ فاطمہ کھڑی ہوئی، ایک لمحے کو اُس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کاغذ کھولا، لیکن جیسے ہی لفظ اُس کی آنکھوں سے ٹکرائے، دل پر ایک زخم سا لگا۔ اُس نے فوراً کاغذ بند کر دیا اور لرزتی سانسیں بھرتی رہی۔

پیچھے سے اچانک ایک مضبوط آہٹ آئی۔ شہسوار نے آکر اُسے اپنے حصار میں لیا اور اُس کے کندھے پر ٹھوڑی رکھ دی۔ اُس کی آغوش کی گرمی میں فاطمہ کی ساری ٹوٹ پھوٹ چھپنے لگی۔

"معاف کر دو اُسے فاطمہ..." شہسوار نے دھیرے سے سرگوشی کی۔

فاطمہ کا دل جیسے بھر آیا۔ "شہسوار" وہ پلٹی اور اُس کے سینے میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔

شہسوار نے اُسے مزید قریب کیا" پلیز یار، اُس کو معاف کر دو"

فاطمہ ہچکیاں لینے لگی "میں نے اُس کو معاف کیا" اور پھر کاغذ کو بنا پڑھے ہی ایک طرف پھینک دیا۔

شہسوار نے اُس کے آنسو پونچھے اور ماتھے پر نرمی سے بوسہ دیا۔ "اچھا بس... اب رونا بند کرو"

فاطمہ نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیرے سے کہا، "تم سے کچھ کہنا تھا"

"بولو" شہسوار نے اُس کی پلکوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

فاطمہ کے لبوں پر معصومیت چھا گئی "تم بہت اچھے ہو... سچ میں تمہارے جیسا کوئی نہیں" وہ بچوں کی طرح اُس کی تعریف کر رہی تھی۔

شہسوار نے مسکرا کر اُس کے پھولے ہوئے گال کھینچے "مجھے پتہ ہے میں بہت اچھا ہوں۔ کچھ اور بھی بتاؤ جان، میرے بارے میں"

فاطمہ کے ہونٹ لرزے "اللہ کرے تمہیں میری زندگی بھی لگ جائے"

شہسوار کی نظریں پگھل گئیں "مجھے تمہاری زندگی نہیں... تمہارے ساتھ زندگی چاہیے جان" دوبارہ اُس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

وہ دونوں بیڈ پر آ کر بیٹھ گئے۔ شہسوار نے اُسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔

"مجھے تم سے کچھ اور بھی کہنا ہے شہسوار"

"ہاں بولو"

"ماما چاہتی ہیں کہ میں ایک ہفتہ اُن کے پاس رہوں۔ تو... تم مجھے اور بچوں کو یہاں چھوڑ دو پلیز" اُس کے لہجے میں مٹھاس تھی۔

شہسوار نے اُس کی ناک دبائی "تو کیا تمہاری ماما یہاں صرف بیٹی کو رکھیں گی؟ داماد کے لیے کوئی جگہ نہیں اتنے بڑے گھر میں"

فاطمہ ہنسی اور اُس کے بال بگاڑے "تم گھر داماد بنو گے "

شہسوار ہنسا، "اگر ایک ہفتے کی بات ہے تو میں بن سکتا ہوں نو پرابلم "

"حانم آنٹی ٹھیک کہتی ہیں تمہیں... "فاطمہ نے شرارت سے کہا۔

شہسوار چونکا "کیا"

"زن مرید ہو تم "کہتے ساتھ اُس کے سینے میں چہرہ چھپالیا۔

شہسوار ہنسا اُس کی ادا پر "ایک یہی کمپلیمنٹ اُن کا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے" اُس نے فاطمہ کو مزید قریب کر لیا۔

"ایسی باتیں کرو گے تو میں غلط فہمی کا شکار ہو جاؤں گی کہ میں تمہیں بہت حسین لگتی ہوں" وہ اپنی بات پر مسکرانے لگی۔

"تو کیا نہیں لگتی" اُس نے اُلٹا سوال کیا۔

"میں تمہیں سب سے حسین کب لگتی ہوں" فاطمہ نے پوچھا جبکہ جواب وہ جانتی تھی۔

"کب نہیں لگتی" سیدھا جواب اُس نے بھی نہ دیا۔

"بتاؤنہ کب لگتی ہوں سب سے حسین" انداز ضدی تھا۔

"جب جب میری بیوی میرے ساتھ ہوتی ہے وہ سب سے حسین لگتی ہے" پُر سکون انداز سے جواب دیا۔

فاطمہ کچھ کہے بغیر اُس کے کندھے پر سر ٹھکا گئی۔ یہ اظہارِ تشکر تھا اُس کو اہمیت دینے کے لیے۔

وہ لمحہ مکمل تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے کافی تھے۔ کمرے میں سکون اتر آیا تھا۔

لیکن دور، فرش پر گرا موسیٰ کا خط خاموش پڑا تھا... جیسے اپنی ناقدری پر خود رو رہا ہو۔

خط :

میرے لاحاصل عشق کے نام

میرا پہلا اقرار... اور شاید آخری بھی۔ میں نے اس دنیا میں اگر سب سے زیادہ بے لوث محبت کی ہے شاید وہ تم ہوں۔

میں اپنی ہر دعا، ہر نیند، ہر جاگتی ساعت، اپنی ہر محبت تمہارے نام کرتا ہوں۔

یہ قید کی سلاخیں میرے ہاتھ باندھ سکتی ہیں، مگر میرے دل کو تمہارے ذکر سے روک نہیں سکتیں۔ میں نے اس اندھیرے میں صرف تمہیں یاد کیا ہے۔ میں نے بس وفا کی ہے تم سے اور اس وفا کی بہت بڑی قیمت چکائی ہے۔

شاید تم وہ آخری لڑکی تھی اس دنیا میں جو مجھے ہر قیمت پر چاہیے تھی لیکن یہاں شہسوار خوش نصیب نکلا۔ میری دعا ہے تم جہاں بھی رہو خوش رہو۔

~مجھے وہ ہر منت پر چاہیے تھا

آنکھوں کی زینت پر چاہیے تھا

اُسے مفت میں ہی پالیا کسی نے

جو مجھے ہر قیمت پر چاہیے تھا

فقط تمہارا: شیر خان

خَتم شُد

دُشمنِ جان کا یہ سفر ختم ہوا۔

یہ کہانی ابتدا سے لے کر انتہا تک میرے رب کے سپرد رہی۔ ہر صفحہ، ہر لفظ اور ہر موڑ پر میں نے اپنے دل کو اسی یقین سے سنبھالا کہ اللہ ہی بہتر کہانی لکھوانے والا ہے۔

اس داستان میں کئی کردار آئے اور گزر گئے، لیکن ایک کردار موسیٰ شیر خان میرے دل کو کبھی نہیں بھایا۔ نہ آغاز میں، نہ اختتام پر۔ میں نہیں جانتی کیوں، لیکن اس کی موجودگی میرے دل کو ہمیشہ بوجھل کر دیتی تھی۔ شاید یہی ایک ادیب کی کربناک سچائی ہے کہ ہر کردار پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔

اس سفر میں سب سے پہلے میرے والدین کا شکریہ، جن کی دعائیں میری راہوں کا چراغ رہیں۔ پھر میری بہن مریم اور بہن جیسی دوست زرمینہ، جنھوں نے میرا حوصلہ بڑھایا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے اور اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین۔